فقہ اسلامی: مسائل و دلائل

الفقه الإسلامي وأدلّته

جلد ۲

د فصلنا الآيات لقوم يعلمون

تالیف

وہبہ زحیلی

ترجمہ

محمد طفیل ہاشمی

ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

فقہ اسلامی: دلائل ومسائل

(الفقه الإسلامي وأدلته)

شرعی دلائل، مذہبی آراء، اہم فقہی مسائل ونظریات

اور احادیث نبویہ کی تحقیق و تخریج کا مجموعہ

تالیف

وہبہ الزحیلی

(جلد دوم)

(الصلوٰۃ)

1000

ترجمہ

محمد طفیل ہاشمی

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔اسلام آباد

۲۰۱۰ء

جملہ حقوق بحق ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد محفوظ ہیں۔

اس کتاب کا کوئی حصہ ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر کسی بھی شکل میں شائع نہ کیا جائے، البتہ تحقیقی مقاصد یا تبصرے کی غرض سے ضروری اقتباسات نقل کیے جا سکتے ہیں۔

297.03
9139

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱۴۸ (۲)

159199
جلد ۲

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

کوائف فہرست سازی دورانِ طباعت

وہبہ الزحیلی

فقہ اسلامی : دلائل و مسائل (جلد دوم) اُردو ترجمہ: محمد طفیل ہاشمی

(ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد)

حواشی

۱۔ فقہ اسلامی ۲۔ فقہ اسلامی، فقہی مسائل ۳۔ فقہ اسلامی تعلیم و مطالعہ

الف۔ ہاشمی، محمد طفیل (مترجم) ب۔ عنوان

ISBN: 978-969-408-302-5 297.14dc21

طبع :۱، ۲۰۱۰ء طبع :۲، ۲۰۱۵ء

طابع و ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست

موضوع

باب دوم: نماز (جلد اوّل کا تسلسل)

فصل پنجم: نماز کے ارکان ۱

نماز کے ارکان ۱

(حنفیہ کے نزدیک نماز کے فرائض و واجبات) ۱

نماز کے بنیادی ارکان کی تعداد اور اقسام کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ۱

نماز کے واجبات ۲

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک نماز کے ارکان ۸

تمام فقہاء کے نزدیک متفقہ ارکان نماز ۹

پہلا رکن: تکبیر تحریمہ ۱۰

دوسرا رکن: قیام ۱۴

تیسرا رکن: قراءت، جو قراءت پر قادر ہو اس کے لیے ۲۷

چوتھا رکن: رکوع ۳۸

پانچواں رکن: رکوع سے سیدھا کھڑا ہو جانا ۴۰

چھٹا رکن: ہر رکعت میں دو سجدے ۴۱

ساتواں رکن: دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا ۴۷

آٹھواں رکن: تشہد کی مقدار آخر میں بیٹھنا ۴۸

نواں رکن: سلام پھیرنا ۵۶

دسواں رکن: نماز کے افعال اطمینان سے ادا کرنا ۶۰

گیارہواں رکن: ارکان کی ترتیب ۶۱

حواشی وتعلیقات ۶۵

فصل ششم: نماز کی سنتیں، نماز کا طریقہ، نماز کے مکروہات اور نماز کے بعد کے اذکار ۷۴

پہلی بحث: نماز کی داخلی سنتیں ۷۴

نماز کی داخلی سنتوں کا بیان ۷۹

۱- تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا ۷۹

۲- مقتدی کا امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنا ۸۲

۳- دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھنا ۸۳

۴- نگاہ سجدے کی جگہ رکھنا ۸۴

۵- ثناء پڑھنا ۸۵

۶- قراءت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا ۸۹

۷- آمین کہنا ۹۰

۸- معمولی وقفہ دینا ۹۱

۹- پاؤں کھلے رکھنا ۹۲

۱۰- سورہ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا ۳

۱۱- رکوع اور سجدوں میں جاتے ہوئے اور ان سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہنا ۰

۱۲- تسمیع اور تحمید کہنا ۳

۱۳-سجدے میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے، پھر ہاتھ پھر چہرہ زمین پر رکھنا	۱۰۵
۱۴-دوسرے سجدوں کی ہیئت	۱۰۵
۱۵-دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا	۱۰۹
۱۶- دو سجدوں کے درمیان دعا	۱۱۰
۱۷-پہلا تشہد، اس کے لیے بیٹھنا	۱۱۲
۱۸-دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھنا	۱۱۵
۱۹- فرض نمازوں کی تیسری اور چوتھی رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھنا	۱۱۷
۲۰-آخری تشہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل پر درود بھیجنا	۱۱۸
۲۱- درود کے بعد دعا	۱۲۱
۲۲-دونوں سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں مڑنا	۱۲۲
۲۳-دوسرا سلام پہلے کی بہ نسبت آہستہ کہنا	۱۲۵
۲۴-مقتدی کا امام کے ساتھ سلام پھیرنا	۱۲۶
۲۵-بعد میں نماز میں شامل ہونے والے کو امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کا انتظار کرنا	۱۲۶
۲۶-شافعیہ کی رائے کہ خشوع، قرآن حکیم اور اذکار میں غور وفکر کرنا مسنون ہے۔	۱۲۶
حنفیہ کے نزدیک نماز کے آداب	۱۲۷
مقتدیوں تک آواز پہنچانا	۱۲۸
ہر مذہب کے مطابق نماز کی اجمالی سنتیں	۱۲۹
مذہب حنفی	۱۲۹
مذہب مالکی	۱۳۲
مذہب شافعی	۱۴۰
وہ امور جن میں عورت کی نماز مرد سے مختلف ہے	۱۴۹

مذہب حنبلی 151

دوسری بحث: نماز سے باہر کی سنتیں 153

۱- نمازی کے سترہ (سامنے کوئی چیز کھڑی کرنا) کی تعریف 154

۲- سترہ کا حکم 154

۳- سترہ کی حکمت 154

۴- سترہ کے بارے میں فقہاء کی آراء 155

۵- سترہ کی صفات و مقدار 156

۶- کسی شخص کے منہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، آگ یا تصویر یا نماز پڑھتی ہوئی عورت کی طرف منہ کرنا 159

۷- سترہ نمازی سے کتنا دور ہونا چاہیے 160

۸- نمازی کو سترہ کے کس طرف کھڑا ہونا چاہیے 161

۹- نمازی کے سامنے سے گزرنا 161

۱۰- نمازی کے سامنے کہاں سے گزرنا حرام ہے 164

۱۱- نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو روکنا 165

۱۲- کیا نمازی کے سامنے سے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے 167

۱۳- شام کا کھانا عشاء کی نماز سے پہلے کھالینا 168

تیسری بحث: نماز کا طریقہ اور اس کی کیفیت 169

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ 169

نماز کے طریقے کی وضاحت 170

چوتھی بحث: مکروہات نماز 174

مطلب اوّل: وہ امور جو نماز کے اندر مکروہ ہیں 175

مطلب دوم: وہ جگہیں جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے ۱۹۴
مطلب سوم: وہ امور جو نماز کے اندر مکروہ نہیں ۲۰۰
مطلب چہارم: جس جگہ نماز پڑھنا حرام ہے، غصب شدہ زمین وہ زمین جس پر عذاب نازل ہوا ہو ۲۰۲
ملحق: نماز کے دوران لباس کے احکام ۲۰۴
۱- کتنا لباس نماز کے لیے کافی ہے ۲۰۴
۲- باعزت لباس ۲۰۴
۳- مکروہ لباس ۲۰۵
۴- وہ لباس جس کا پہننا اور جس میں نماز پڑھنا حرام ہے ۲۰۷
۵- لباس کے بارے میں مرد اور عورت کا اختلاف ۲۰۷
پانچویں بحث: نماز کے بعد کے مسنون اذکار ۲۰۸
چھٹی بحث: نماز میں دعائے قنوت ۲۱۸
اوّل: وتر کی قنوت اور صبح کی قنوت ۲۱۸
حنفیہ کی رائے ۲۱۸
مالکی مذہب ۲۲۱
شافعی مذہب ۲۲۲
حنبلی مذہب ۲۲۶
دوم: قنوت نازلہ (مصائب کے وقت کی دعائے قنوت) ۲۲۷
ساتویں بحث: نماز وتر ۲۲۸
۱- وتر کا حکم اور اس کا طریقہ ۲۲۹
۲- امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر کس پر واجب ہے ۲۳۰

۳- وتر کی مقدار اور ان کی کیفیت	۲۳۱
۴- وتر کا وقت	۲۳۳
۵- وتر میں قراءت کی کیفیت	۲۳۶
۶- وتر میں دعائے قنوت	۲۳۷
حنابلہ کی رائے	۲۳۸
وتر کے بعد ذکر اللہ	۲۳۹
وتر کے بعد کی دعا	۲۳۹
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کا طریقہ	۲۳۹
حواشی وتعلیقات	۲۴۱
فصل ہفتم : مفسدات نماز	۲۷۱
اوّل: فقہاء کے نزدیک نماز توڑنے والی چیزیں	۲۷۱
۱- بات کرنا	۲۷۲
حنفیہ کی رائے	۲۷۳
مالکیہ کی رائے	۲۷۵
شافعیہ کی رائے	۲۷۶
حنابلہ کی رائے	۲۷۷
امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دینا یا امام کو لقمہ دینا	۲۷۸
حنفیہ کی رائے	۲۷۸
مالکیہ کی رائے	۲۷۹
شافعیہ کی رائے	۲۸۰
حنابلہ کی رائے	۲۸۰

۲- کھانا پینا	۲۸۱
حنفیہ کی رائے	۲۸۱
مالکیہ کی رائے	۲۸۱
شافعیہ اور حنابلہ کی رائے	۲۸۲
۳- مسلسل عمل کثیر (زیادہ کام کرنا)	۲۸۲
حنفیہ کی رائے	۲۸۲
مالکیہ کی رائے	۲۸۳
شافعیہ اور حنابلہ کی رائے	۲۸۳
شافعیہ کا اضافہ	۲۸۴
نماز میں چلنا	۲۸۵
۴- قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا	۲۸۵
۵- دانستہ ستر کھولنا	۲۸۵
۶- حدث اصغر اور حدث اکبر پیش آنا	۲۸۶
۷- بدن، کپڑوں یا جگہ کو اتنی نجاست لگ جانا جس کی معافی نہیں ہے	۲۸۶
۸- قہقہہ لگانا	۲۸۷
۹- مرتد ہو جانا، مر جانا، دیوانہ یا بے ہوش ہو جانا	۲۸۷
۱۰- نیت تبدیل کر لینا	۲۸۷
۱۱- قراءت میں غلطی کرنا یا قاری کا غلط قرآن پڑھنا	۲۸۹
۱۲- کسی رکن یا شرط کو بلا عذر، قضا کیے بغیر چھوڑ دینا	۲۹۱
۱۳-مقتدی دانستہ امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کرے	۲۹۱
۱۴-نماز میں مرد اور عورت کا بغیر فاصلہ چھوڑے ساتھ ساتھ کھڑے ہونا	۲۹۲
۱۵-نماز کے دوران تیمم کرنے والے کا پانی کے استعمال پر قادر ہو جانا	۲۹۳

۱۶- برہنہ نماز پڑھنے والے کا ستر ڈھانپنے پر قادر ہو جانا	۲۹۳
۱۷-نماز پوری کرنے سے پہلے سلام پھیر لینا	۲۹۳
۱۸-امام ابو حنیفہ کے نزدیک بارہ مسائل	۲۹۳
دوم: ہر مذہب میں الگ الگ نماز توڑنے والی چیزیں	۲۹۴
سوم: جن اسباب کی بنا پر نماز توڑی جا سکتی ہے	۳۰۸
حواشی و تعلیقات	۳۱۱
فصل ہشتم: نوافل (نفل نمازیں)	۳۱۴
حنفیہ کے نزدیک نوافل	۳۱۵
اوّل: سنن موکدہ	۳۱۵
دوم: نوافل یا سنن غیر موکدہ	۳۱۹
نفل نمازوں کے فروعی احکام	۳۲۶
مالکیہ کے نزدیک نوافل	۳۳۱
مالکیہ کے نزدیک نوافل کے مکروہات	۳۳۴
شافعیہ کے نزدیک نوافل	۳۳۵
۱- جن نوافل کے لیے جماعت مسنون ہے	۳۳۵
۲- جن نوافل کے لیے جماعت مسنون نہیں	۳۳۷
شافعیہ کے نزدیک موکد اور غیر موکد نوافل	۳۴۲
اوّل: سنن موکدہ	۳۴۲
سنن مؤکدہ کی افضلیت کے اعتبار سے ترتیب	۳۴۳
نوافل کی قضا	۳۴۴
دوم: سنن غیر موکدہ	۳۴۴

حنابلہ کے نزدیک نوافل	۳۴۵
پہلی قسم: فرائض کے ساتھ کی سنن موکدہ	۳۴۵
دوسری قسم: سنن غیر موکدہ	۳۴۸
تیسری قسم: متعین نمازیں	۳۴۹
۱- نماز تراویح یا رمضان کی راتوں میں قیام	۳۴۹
۲- چاشت کی نماز	۳۵۴
۳- نماز تسبیح	۳۵۵
۴- نماز استخارہ	۳۵۵
۵- نماز حاجت	۳۵۶
۶- نماز توبہ	۳۵۶
۷- تحیۃ المسجد	۳۵۶
۸- سورج ڈھلنے کے وقت کی نماز	۳۵۶
عام نوافل	۳۵۶
تہجد کی رکعات کی تعداد اور قراءت	۳۵۷
تہجد کی قضا	۳۵۸
مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھنا	۳۵۸
نفل دو دو رکعت پڑھے جائیں۔ بیٹھ کر نفل پڑھنا	۳۵۸
سو کر اٹھنے کی دعا	۳۵۹
قرآن کی تلاوت اور حفظ قرآن	۳۶۰
قرآن سننا	۳۶۱
راستے میں قرآن پڑھنا	۳۶۱

ختم قرآن ۳۶۲
ترتیل اور خوش لحانی سے قرآن پڑھنا ۳۶۲
تلاوت کے آداب ۳۶۴
تفسیر قرآن ۳۶۶
حواشی و تعلیقات ۳۶۸
فصل نہم: اقسام سجدہ اور قضا نماز ادا کرنے کا طریقہ ۳۷۸
پہلی بحث: سجدوں کی خاص اقسام
(سجدۂ سہو، سجدۂ تلاوت، سجدۂ شکر) ۳۷۸
مطلب اوّل: سجدۂ سہو ۳۷۸
اول- سجدہ سہو کا حکم ۳۷۸
دوم- سجدہ سہو کے اسباب ۳۸۳
سوم- سجدہ سہو کا موقع اور طریقہ ۳۹۹
مطلب دوم: سجدۂ تلاوت ۴۰۳
۱- سجدہ تلاوت کے شرعی حکم کی دلیل ۴۰۳
۲- سجدہ تلاوت کا فقہی حکم ۴۰۵
۳- سجدہ تلاوت کی شرائط ۴۰۸
۴- سجدہ تلاوت کو فاسد کرنے والی چیزیں ۴۱۲
۵- سجدہ تلاوت کے اسباب اور اس کا طریقہ ۴۱۲
۶- قرآن حکیم کے وہ مقامات جہاں سجدہ تلاوت کرنا ہوتا ہے۔ ۴۱۶
۷- کیا بار بار آیت سجدہ پڑھنے سے ہر بار سجدہ تلاوت واجب ہوگا؟ ۴۱۸

۸- سجدہ تلاوت کے فروعی احکام ۴۲۰

مطلب سوم: سجدۂ شکر ۴۲۴

دوسری بحث: قضا نمازوں کے پڑھنے کا طریقہ ۴۲۷

اوّل: قضا کے معنی اور اس کا شرعی حکم ۴۲۷

دوم: جن عذروں کی بنا پر نماز معاف ہوتی ہے یا اس میں تاخیر کی جا سکتی ہے ۴۲۹

الف- نماز معاف ہونے کے عذر: ایسا مریض جو نماز روزے
سے عاجز ہو اور پھر مر جائے اس سے نماز روزے کی معافی ۴۳۳

ب- نماز کو وقت سے مؤخر کرنے والے عذر ۴۳۴

سوم: قضا نماز پڑھنے کی کیفیت اور طریقہ، جماعت کے ساتھ
قضا نماز پڑھنا، سنتوں کی قضا، فوری طور پر نماز قضا کرنا ۴۳۵

چہارم: قضا نمازوں میں ترتیب، ترتیب کب ختم ہو جاتی ہے؟ ۴۳۷

پنجم: اگر قضا نمازوں کی تعداد معلوم نہ ہو تو کیسے قضا کرے؟ ۴۴۳

ششم: ممنوع وقت میں قضا نماز پڑھنا ۴۴۴

حواشی وتعلیقات ۴۴۷

فصل دہم: اقسام نماز ۴۵۵

پہلی بحث: نماز با جماعت اور اس کے احکام (امامت اور اقتدا) ۴۵۵

مطلب اوّل: جماعت ۴۵۵

۱- جماعت کی تعریف ۴۵۵

۲- جماعت کا شرعی حکم، اس کی فضیلت اور حکمت ۴۵۶

۳- نماز با جماعت کا حکم ۴۵۸

۴- کم از کم کتنے افراد کی جماعت ہو سکتی ہے؟ ۴۶۱

۵- سب سے افضل جماعت۔عورتوں کا جماعت میں شریک ہونا،
جن مساجد میں جماعت ہوتی ہے ان کی فضیلت،عورتوں کا مساجد میں آنا ۴۶۱
۶- جماعت کے ثواب کا حصول ۴۶۵
۷- امام کے ساتھ فرض نماز پا لینا،جو شخص امام کو رکوع میں دیکھے
تو کیا صف سے پیچھے ہی رکوع میں چلا جائے؟ ۴۶۷
۸- جماعت کے لیے چل کر جانا اور امام کے ساتھ شامل ہونے کے لیے جلدی کرنا ۴۶۹
۹- ایک مسجد میں دوسری جماعت ۴۷۴
۱۰- اکیلے نماز پڑھنے کے بعد جماعت کے ساتھ شریک ہونا ۴۷۷
۱۱- جماعت یا نماز کا مستحب وقت ۴۸۰
۱۲- جماعت یا جمعہ چھوڑنے کے عذر ۴۸۱
مطلب دوم: امامت ۴۸۵
۱- امامت کی تعریف اور اس کی دو اقسام ۴۸۵
۲- امامت یا جماعت کے درست ہونے کی شرائط ۴۸۶
۳- ہر مذہب کے مطابق امامت کا سب سے زیادہ اہل کون ہے؟ ۴۹۶
۴- کس کی امامت مکروہ ہے؟ امامت کے مکروہات،
مختلف مذاہب میں امامت کے مکروہات ۵۰۱
۵- کب امام کی نماز ٹوٹ جاتی ہے لیکن مقتدی کی نہیں ٹوٹتی؟ ۵۱۴
۶- امام اور مقتدی دونوں کی نماز کن چیزوں سے ٹوٹ جاتی ہے؟ ۵۱۶
۷- امام مقتدی کی کن باتوں کا ذمہ دار ہے؟ ۵۱۷
۸- امام کے مخصوص احکام ۵۲۰

پہلا مسئلہ: کیا امام جب سورہ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہو
تو آمین کہے یا صرف مقتدی آمین کہے۔ ۵۲۰
دوسرا مسئلہ: امام تکبیر تحریمہ کب کہے؟ ۵۲۱
تیسرا مسئلہ: کیا پہلی بار اٹکنے پر امام کو لقمہ دیا جائے؟ ۵۲۲
چوتھا مسئلہ: امام کا مقتدیوں سے اونچی جگہ کھڑا ہونا ۵۲۲
پانچواں مسئلہ: کیا امام پر واجب ہے کہ وہ پہلے امامت کی نیت کرے؟ ۵۲۳
مطلب سوم: اقتدا ۵۲۳
اوّل: اقتدا کے درست ہونے کی شرائط ۵۲۳
دوم: امام کا ساتھ چھوڑنے اور اس کی اقتدا توڑنے کی نیت ۵۲۵
سوم: مقتدی کے احوال (مدرک، لاحق، مسبوق) ۵۲۶
چہارم: امام کے واجبات وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مقتدی کیا کرے ۵۳۹
مطلب چہارم: امام اور مقتدی کے درمیان مشترک امور ۵۴۰
اوّل: امام کی اقتدا کی شرائط ۵۴۱
دوم: امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہیں ۵۶۹
سوم: امام صفیں درست کرنے اور خالی جگہیں بھرنے کا کہے ۵۷۳
چہارم: صف سے الگ ہو کر پڑھنے والے کی نماز ۵۷۳
مطلب پنجم: امامت میں کسی کو قائم مقام بنانا ۵۷۵
قائم مقام بنانے کے اسباب یا عذر تین ہیں ۵۸۰
جمعہ میں قائم مقام بنانے کے لیے دو شرائط ہیں ۵۸۲
حواشی وتعلیقات ۵۸۶

دوسری بحث: نمازِ جمعہ ۶۰۲

مطلب اوّل: جمعہ کی فرضیت اور اس کی فضیلت ۶۰۲

مطلب دوم: جمعہ کے لیے تیاری کی فضیلت اور اس کی حکمت ۶۰۴

جمعہ کے لیے جانے کا پسندیدہ وقت ۶۰۶

دعا کی قبولیت کی گھڑی ۶۰۶

عبادت میں دوسرے کاموں کی شرکت ۶۰۷

جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت ۶۰۷

مطلب سوم: جمعہ کن لوگوں پر واجب ہے، وجوبِ جمعہ کی شرائط ۶۰۹

مطلب چہارم: جمعہ کا طریقہ اور اس کی مقدار ۶۱۶

مطلب پنجم: جمعہ صحیح ہونے کی شرائط ۶۱۷

مطلب ششم: خطبے کی سنتیں اور مکروہات ۶۳۸

مطلب ہفتم: جمعہ کی سنتیں اور مکروہات ۶۵۱

مطلب ہشتم: نمازِ جمعہ توڑنے والی چیزیں ۶۶۰

مطلب نہم: جمعہ کے دن ظہر کی نماز ۶۶۰

۱- جمعہ کے بعد ظہر کی نماز ۶۶۱

۲- جمعہ کے دن بلا عذر گھر پر ظہر کی نماز پڑھنا ۶۶۲

۳- معذور افراد ظہر کی نماز با جماعت پڑھ سکتے ہیں؟ ۶۶۴

۴- جن افراد پر جمعہ واجب نہیں، کیا وہ جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟ ۶۶۵

۵- ظہر کا وقت ختم ہونے کے باعث ظہر کی نماز پڑھنا ۶۶۶

۶- جمعہ کی شرائط میں سے کسی شرط میں خلل واقع ہو جائے تو نماز ظہر پڑھنا ۶۶۶

حواشی و تعلیقات ۶۶۷

تیسری بحث: مسافر کی نماز (قصر کرنا اور دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا) ۶۷۶
مطلب اوّل: چار رکعات والی نمازوں میں قصر کرنا ۶۷۶
اوّل: قصر کا شرعی حکم، کیا قصر عزیمت ہے یا رخصت؟ ۶۷۶
دوم: قصر کے حکم کا سبب ۶۸۰
سوم: قصر کی شرائط: قصر کی شرائط میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ ۶۸۸
چہارم: مسافر مقیم کی اقتدا میں یا مقیم مسافر کی اقتدا میں نماز پڑھے؟ ۶۹۸
پنجم: قصر سے کون کون سے امور مانع ہیں؟ ۶۹۹
ششم: سفر میں قضا نمازیں پڑھنا ۷۱۱
ہفتم: قصر میں سنت نمازیں ۷۱۲
مطلب دوم: دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا ۷۱۳
اوّل: نمازوں کو جمع کرنے کا جواز ۷۱۳
دوم: دو نمازوں کو جمع کرنے کے اسباب و شرائط ۷۱۵
حواشی و تعلیقات ۷۲۸
چوتھی بحث: نماز عیدین ۷۳۴
اوّل: نماز عید کی مشروعیت کے دلائل ۷۳۴
دوم: نماز عید کا فقہی حکم ۷۳۵
نماز عید کے وجوب اور جواز کی شرائط ۷۳۷
عورتوں کا نماز عید کے لیے نکلنا ۷۳۸
سوم: نماز عید کا وقت ۷۳۹
چہارم: نماز عید ادا کرنے کی جگہ ۷۴۱
پنجم: نماز عید کی کیفیت اور ادا کرنے کا طریقہ، مختلف مذاہب میں نماز عید کا طریقہ ۷۴۳

ششم: عید کا خطبہ ۷۵۱

ہفتم: عیدین میں تکبیر کا حکم ۷۵۴

تکبیر کے الفاظ ۷۵۵

عیدالاضحیٰ میں حج کے دنوں میں نمازوں کے بعد تکبیر کہنا ۷۵۶

ہشتم: عید کی سنتیں، مستحبات اور کرنے کے کام ۷۶۰

نہم: عید کی نماز سے پہلے یا بعد نفل پڑھنا ۷۶۴

دہم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عید الفطر اور عیدالاضحیٰ

کی نمازیں پڑھنے اور خطبے دینے کا طریقہ ۷۶۷

یازدہم: عید کے روز جمعہ کی نماز ۷۶۸

حواشی وتعلیقات ۷۶۹

پانچویں بحث: سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز ۷۷۶

۱- کسوف اور خسوف کے معنی ۷۷۶

۲- سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازوں کا شرعی جواز اور ان کا فقہی حکم ۷۷۶

۳- سورج گرہن کی نماز ۷۸۴

۴- سورج گرہن کی نماز میں بعد میں شامل ہونے والے کی نماز ۷۹۰

۵- اگر سورج گرہن کی اور کوئی دوسری نماز اکٹھی ہوجائیں

تو کیا پہلے سورج گرہن کی نماز پڑھی جائے؟ ۷۹۱

حواشی وتعلیقات ۷۹۳

چھٹی بحث: استسقا (بارش مانگنے) کی نماز ۷۹۷

۱-استسقا کی تعریف اور اس کا سبب ۷۹۷

۲-نماز استسقا کا شرعی جواز ۷۹۸

۳- نماز استسقا کا طریقہ، اس کا وقت، کون لوگ یہ نماز پڑھیں؟
اور نماز استسقا میں قراءت ۸۰۰
۴- استسقا کا خطبہ ۸۰۵
خطبے میں دعا ۸۰۷
دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا ۸۰۹
چادر پلٹنا ۸۱۰
۵- نماز استسقا کی مستحبات پورا کرنے کے کام ۸۱۱
یہ کہنا مکروہ ہے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ۸۱۴
ہوا کو گالی دینا مکروہ ہے ۸۱۵
بادل کی گرج چمک کے وقت تسبیح پڑھی جائے ۸۱۵
تارے ٹوٹنے کے وقت کیا کہے؟ ۸۱۶
جب گدھے کے ہنہنانے کی آواز سنے ۸۱۶
جب کتے کے بھونکنے کی آواز سنے ۸۱۶
جب مرغ کی اذان کی آواز سنے ۸۱۶
حواشی و تعلیقات ۸۱۸
ساتویں بحث: نماز خوف ۸۲۳
۱- نماز خوف کا شرعی جواز ۸۲۳
۲- نماز خوف کا سبب اور اس کی شرائط ۸۲۵
۳- نماز خوف ادا کرنے کا طریقہ ۸۲۷
عسفان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ۸۲۸
غزوہ ذات الرقاع میں آپؐ کی نماز ۸۲۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز۔ابن عمرؓ کی روایت کے مطابق ۸۳۰
مقیم ہونے کی صورت میں پانچوں نمازیں ادا کرنے کا طریقہ ۸۰۳
بطن نخل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ۸۳۱
ذات الرقاع میں آپؐ کی نماز ۸۳۱
ذی قرد میں آپؐ کی نماز ۸۳۱
غزوہ نجد کے سال آپؐ کا صحابہ کو نماز پڑھانا ۸۳۱
نماز کے دوران اسلحہ اٹھائے رکھنا ۸۳۱
حالت خوف میں نماز جمعہ کی ادائیگی ۸۳۳
نماز خوف میں امام کا بھول جانا ۸۳۳
۴- نماز خوف میں مسبوق کی نماز کے تقاضے،
کیا وہ اس کی شروع کی نماز ہوگی یا آخر کی ۸۳۴
۵- نماز خوف کب باطل ہو جاتی ہے ۸۳۵
۶- گھمسان کی جنگ اور خوف کی شدت کے وقت نماز ۸۳۶
حواشی وتعلیقات ۸۳۹
آٹھویں بحث: نماز جنازہ، شہداء اور قبروں کے احکام ۸۴۱
مطلب اوّل: موت سے پہلے مسلمان سے مطالبات ۸۴۱
مریض کی عیادت ۸۴۳
موت کی تمنا کرنا مکروہ ہے۔ ۸۴۷
ذمی کی عیادت ۸۴۸
مایوس آدمی کی توبہ، مایوس شخص کا ایمان ۸۴۸
اچانک موت اور دوبارہ زندہ ہونے کی حالت ۸۴۹

نزع کے وقت کے مستحب اعمال ۸۴۹

قرض کی فوری ادائیگی ۸۵۵

وصیت فوری طور پر نافذ کر دینا ۸۵۵

مطلب دوم: میت کے حقوق ۸۵۵

پہلا فرض: میت کو غسل دینا ۸۵۶

اوّل: غسل کا حکم ۸۵۶

دوم: غسل دینے والے کی خصوصیات ۸۵۶

۱- پہلے کون غسل دے؟ ۸۵۶

۲- غسل دینے والے کی شرائط ۸۵۹

۳- غسل دینے والے کے لیے مستحبات ۸۶۰

سوم: میت جسے غسل دیا جا رہا ہے اس کی حالت ۸۶۲

چہارم: غسل واجب ہونے کی شرائط ۸۶۳

پنجم: کیا میت کو وضو کروایا جائے؟ ۸۶۵

ششم: غسل کی کیفیت، اس کی مقدار اور اس کے مستحبات ۸۶۶

غسل کے مستحبات کا خلاصہ ۸۶۹

دوسرا فرض: میت کو کفن پہنانا ۸۷۲

اوّل: کفن پہنانے کا حکم، کس کو کفن پہنانا ضروری ہے ۸۷۲

دوم: کفن کی مقدار اور کیفیت وصفت ۸۷۳

مرد کے لیے کفن عورت کے لیے پانچ کپڑے ۸۷۴

کفن پہنانے کی کیفیت ۸۷۹

سوم: کفن پہنانے کے مستحبات ۸۸۰

تیسرا فرض: میت کی نماز جنازہ پڑھنا ۸۸۲
اوّل: میت کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ۸۸۲
دوم: جنازہ کی نماز کون پڑھائے؟ ۸۸۵
سوم: جب بہت سے جنازے جمع ہو جائیں۔ ۸۸۸
چہارم: نماز جنازہ کے ارکان، سنن اور طریقہ ۸۸۸
پنجم: جنازہ پڑھاتے ہوئے امام کہاں کھڑا ہو؟ ۹۰۲
ششم: نماز جنازہ میں بعد میں شریک ہونے والے کا حکم ۹۰۳
ہفتم: میت کی نماز جنازہ کی شرائط ۹۰۵
ہشتم: نماز جنازہ کا وقت ۹۰۷
نہم: دفن کے بعد نماز جنازہ پڑھنا اور
دفن سے پہلے ایک سے زائد بار نماز جنازہ پڑھنا ۹۰۸
دہم: غائبانہ نماز جنازہ ۹۱۱
یازدہم: نومولود کی نماز جنازہ ۹۱۱
دوازدہم: نماز جنازہ کی جگہ ۹۱۳
چوتھا فرض: میت کو دفن کرنا ۹۱۵
اوّل: جنازہ دوسرے شہر لے جانا ۹۱۵
دوم: جنازہ اٹھانے کی کیفیت ۹۱۷
سوم: جنازے کے ساتھ چلنے کی سنت ۹۱۹
چہارم: جنازے کے مکروہات ۹۲۴
پنجم: دفن میں جلدی کرنے کا حکم ۹۲۷
ششم: قبر بنانے کا طریقہ اور قبروں کا احترام ۹۲۸

ہفتم: دفن کے احکام	۹۴۱
۱- دفن کی کیفیت	۹۴۱
۲- دفن کی جگہ، سمندر میں دفن کرنا	۹۴۳
۳- دفن کا وقت	۹۴۴
۴- دفن کے وقت کیا کہے؟	۹۴۵
۵-دفن کے بعد تلقین	۹۴۵
۶- قبر ڈھانپنا	۹۴۷
۷-تابوت یا صندوق میں دفن کرنا	۹۴۷
ہشتم: زیارت قبور	۹۴۸
زیارت قبور کا حکم	۹۴۸
مطلب سوم: تعزیت اور اس کے متعلقات	۹۵۳
اوّل: تعزیت کی تعریف اور اس کا حکم	۹۵۳
دوم: رونا دھونا، بین کرنا، چیخنا چلانا، طمانچے مارنا اور کپڑے پھاڑنا	۹۵۵
سوم: ماتم والوں کے لیے کیا مناسب ہے اور مصیبت پر ثواب	۹۵۷
چہارم: میت کے گھر والوں کے لیے کھانے کا انتظام کرنا	۹۶۰
پنجم: میت پر قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب	۹۶۱
مطلب چہارم: شہادت فی سبیل اللہ	۹۶۴
فی سبیل اللہ شہادت کی فضیلت	۹۶۴
شہید کی تعریف	۹۶۶
شہید کے احکام	۹۷۰
جنگ کے علاوہ شہداء	۹۷۲

۱- دنیا اور آخرت کے احکام میں شہید	۹۷۲
۲- صرف دنیوی احکام میں شہید	۹۷۲
۳- صرف اخروی احکام میں شہید	۹۷۲
حواشی وتعلیقات	۹۷۵

باب دوم: نماز (جلد اوّل کا تسلسل)

فصل پنجم

نماز کے ارکان

حنفیہ کے نزدیک نماز کے ارکان (فرائض و واجبات)

فقہاء نے نماز کی کیفیت کے زیرعنوان نماز کے نظام پر بحث کی ہے جو شرائط و ارکان اور لازمی سنتوں (جن کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے) اور نماز کی ہیئتوں یعنی غیر لازمی سنتوں پر مشتمل ہے۔ نماز کی کیفیت سے مراد نماز کا طریقہ ہے۔

رکن اسی طرح لازمی ہوتا ہے جیسے کہ شرط لازمی ہوتی ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ شرط نماز سے مقدم ہوتی ہے اور ساری نماز میں اس کا تسلسل ضروری ہے جیسا کہ طہارت اور ستر ڈھانپنا وغیرہ جن کی تفصیل گزر چکی ہے اور رکن نماز کے اندرونی اجزاء ہیں، مثلاً رکوع، سجود وغیرہ جن پر آئندہ بحث ہوگی۔ نماز کا کوئی رکن دانستہ، بھولے سے یا غلطی سے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اسے رکن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مکان کے ستون کی طرح ہے۔ جس طرح ستونوں کے بغیر مکان کھڑا نہیں رہ سکتا اسی طرح ارکان کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی۔ اسی اعتبار سے رکن سے مراد وہ فعل ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے اور وہ حقیقی فعل کا جزو ہوتا ہے اور شرط وہ ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے لیکن وہ حقیقی فعل کا جزو نہیں بلکہ اس کے مقدمات میں سے ہے۔

ارکان کی تقسیم اور نماز کے بنیادی ارکان کی تعداد میں فقہاء میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک (۱) نماز کے چھ فرائض ہیں: کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہنا، قیام، قراءت، رکوع، سجدے، نماز کے آخر میں تشہد کی مقدار بیٹھنا۔ یہ ارکان قدوری نے بیان کیے ہیں اور یہ امام محمد کی رائے ہے۔ حنفیہ کی مستند رائے یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ نیت کی طرح شرط ہے یہ امام

ابو حنیفہ اور ابو یوسف کی رائے ہے، جمہور فقہاء کا اس سے اختلاف ہے۔

نماز کے واجبات:

نماز کے واجبات اٹھارہ ہیں: واجب وہ امر ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ دانستہ چھوڑنے والا سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ بھولے سے چھوٹ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی البتہ واجب چھوٹنے سے نماز میں جو کمی واقع ہو جاتی ہے اسے پورا کرنے کے لیے سجدۂ سہو کرنا ہوتا ہے اور اگر کوئی واجب دانستہ چھوڑ دیا جائے یا بھولے سے رہ جائے اور سجدۂ سہو نہ کیا جائے تو نماز دہرانا ضروری ہے اور اگر نہ دہرائی تو فاسق اور گناہ گار ہوگا۔ ہر نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے، اس کا یہی حکم ہے۔

یہ واجبات درج ذیل ہیں:

۱۔ **اللہ اکبر کے ساتھ نماز شروع کرنا**، البتہ صرف عیدین کی نماز میں یہ حکم نہیں ہے۔

۲۔ **سورۃ فاتحہ پڑھنا**، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی'' (۲) حنفیہ کے نزدیک اس میں نماز کے کامل ہونے کی نفی ہے کیوں کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد قرآن حکیم کے اس حکم: فاقرؤا ماتیسر من القرآن [المزمل ۲۰:۷۳] جس قدر آسان ہو قرآن کی تلاوت کرو، کو منسوخ نہیں کر سکتی، اس لیے اس پر عمل واجب ہے۔ اگر سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ بھولے سے چھوڑ دیا تو سجدۂ سہو واجب ہے، تھوڑا حصہ چھوڑ دیا تو سجدۂ سہو واجب نہیں، کیوں کہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ واجب ہے سارا واجب نہیں ہے۔

جمہور (غیر حنفیہ) کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی قراءت نماز کی تمام رکعات میں سے ہر رکعت میں رکن ہے البتہ شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ مطلقاً رکن ہے، مالکیہ کہتے

ہیں کہ مقتدی کے علاوہ ہر نمازی کے لیے جہری نماز میں فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

۳۔ **سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھنا:** کسی چھوٹی سورت کی قراءت واجب ہے، مثلاً سورۂ کوثر وغیرہ یا تین چھوٹی آیتیں جو تیس حروف کے برابر ہوں، مثلاً ثم نظر ثم عبس و بصر ثم أدبر واستکبر [المدثر ۷۴:۲۱-۲۳] یا ایک لمبی آیت یا دو آیات جو تیس حروف کے برابر ہوں۔

اس کے واجب ہونے کی دلیل ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھیں اور مزید جتنا آسانی سے ہو سکے(۳) اور امر وجوب کے لیے ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد سورت یا آیات پڑھنا سنت ہیں، کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: ہر نماز میں قراءت کرے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے بلند آواز سے پڑھا ہم بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور جو آہستہ پڑھا اسے آہستہ پڑھتے ہیں۔ اگر سورۂ فاتحہ سے زائد کچھ نہ پڑھے تب بھی نماز صحیح ہے اور اگر زائد پڑھے تو بہت بہتر ہے۔(۴)

۴۔ **فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت پڑھنا واجب ہے:** مذہب حنفی کے مطابق، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورت پڑھی ہے۔ دوسری دو رکعتوں (تیسری اور چوتھی) میں سورت پڑھنا مکروہ ہے لیکن تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی، یہی مختار مذہب ہے۔ اگر مغرب یا عشاء کی پہلی ایک یا دو رکعات میں سورت چھوڑ دی تو مغرب کی تیسری اور عشاء کی بعد کی رکعات میں بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔ یہ صحیح روایت ہے۔ پہلے سورۂ فاتحہ پڑھے اور پھر سورت۔ اگر فاتحہ چھوڑ دی تو دوسری دو رکعات میں اسے دو دو بار نہ پڑھے۔ وتر کی تینوں رکعات میں فاتحہ کے

بعد سورت ملانا واجب ہے، کیوں کہ وتر سنتوں کے مشابہ ہیں۔ اور نفل کی تمام رکعات میں سورت پڑھے، کیوں کہ نفل نماز دراصل الگ الگ دو دو رکعت ہوتی ہے، نیز ابو سعید خدریؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں" فرض اور دوسری نمازیں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورت ملائے بغیر درست نہیں ہوتیں"۔(۵)

۵۔ **سورۂ فاتحہ کو سورت سے پہلے پڑھنا:** کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسے ہی کیا، اگر بھولے سے سورت پہلے پڑھنا شروع کر دی، پھر یاد آ گیا تو سورت چھوڑ دے، فاتحہ پڑھے پھر سورت پڑھے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔ جیسے اگر دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی، پھر سورت پڑھی تو بھی سجدۂ سہو کرے، کیوں کہ پہلی صورت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے میں تاخیر ہوگئی اور دوسری میں سورت ملانے میں تاخیر ہوئی۔

اگر رکوع کرنے سے پہلے یاد آ گیا کہ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو سورۂ فاتحہ پڑھے پھر سورت ملائے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

۶۔ **سجدے میں پیشانی کے ساتھ ناک بھی زمین پر رکھنا:** کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسے ہی کیا، صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی صحیح قول ہے۔

۷۔ **نماز میں جو افعال ایک سے زائد مرتبہ ہیں ان میں وہ ترتیب برقرار رکھنا جو شریعت نے مقرر کی، یعنی دوسرا سجدہ پہلے سجدے کے فوراً بعد کرنا:**

دقیق تعبیر یہ ہے کہ قراءت اور رکوع میں اور جو افعال دوبارہ کرنے ہوتے ہیں ان میں باہمی ترتیب برقرار رکھنا اور نماز کے دوسرے افعال شروع کرنے سے پہلے دوسرا سجدہ کرنا ضروری ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ترتیب کو ملحوظ رکھا۔ جو کام ایک رکعت میں دوبار کرنے ہوتے ہیں ان میں ترتیب واجب ہونے کا مطلب یہ

ہے کہ جو کام ایک بار کر لیا اگر اسی رکعت میں اس کا اعادہ کیا گیا تو نماز فاسد نہیں ہو گی اور ترتیب باطل نہیں ہو گی، کیوں کہ یہ پہلے کام کا اعادہ ہے۔

اگر پہلی رکعت سے ایک سجدہ کرنا بھول گیا(۲) تو اسے قضا کرے، خواہ قعدہ اخیرہ کے بعد ہو یا سلام کے بعد بات چیت کرنے سے پہلے، پھر قعدہ اخیرہ اور تشہد کا اعادہ کرے اور ایک سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے، پھر تشہد پڑھے۔

قراءت کے علاوہ جو افعال ایک رکعت میں ایک بار سے زائد نہیں آتے یا پوری نماز میں ایک بار سے زائد نہیں آتے جیسے قیام، رکوع، پہلا سجدہ اور آخری قعدہ ان میں ترتیب فرض ہے۔ قیام اور رکوع کے درمیان اور رکوع اور سجدے کے درمیان ترتیب فرض ہے۔ اگر قراءت سے پہلے رکوع کر لیا تو رکوع درست ہے، کیوں کہ ہر رکعت میں قراءت اور رکوع میں ترتیب شرط نہیں ہے البتہ رکوع اور سجدے کے درمیان ترتیب فرض ہے، اگر رکوع سے پہلے سجدہ کر لیا تو اس رکعت کا سجدہ درست نہیں ہوا، کیوں کہ سجدے میں یہ شرط ہے کہ وہ رکوع کے بعد ہو جیسا کہ رکوع میں شرط ہے کہ وہ قیام کے بعد ہو۔

۸- **ارکان میں اطمینان:** رکوع، سجدے اور اٹھنے بیٹھنے میں سکون اور اطمینان کا ہونا ضروری ہے تاکہ تمام جوڑ اپنی جگہ پر آ جائیں اور اتنی مقدار سکون رہے جتنی مقدار میں رکوع یا سجدے میں یا ان سے اٹھتے ہوئے ایک بار تسبیح (سبحان ربی الاعلی) پڑھی جاتی ہے، تاکہ ہر عضو اپنی جگہ پر آ جائے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کا اہتمام کیا اور جلدی جلدی نماز پڑھنے والے سے آپؐ نے فرمایا: ''جاؤ، دوبارہ نماز پڑھو، کیوں کہ تم نے نماز نہیں پڑھی'' پھر آپؐ نے اسے اطمینان سے نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر جتنا آسان ہو قرآن کی تلاوت کرو، پھر رکوع کرو یہاں تک کہ رکوع میں اطمینان ہو جائے، پھر کھڑے ہو تا آنکہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدے میں اطمینان ہو جائے، پھر اطمینان سے

بیٹھ جاؤ، پھر اطمینان سے دوسرا سجدہ کرو اور اسی طرح اپنی ساری نماز مکمل کرو۔(۷)

۹۔ **تین یا چار رکعتوں والی نماز میں قعدہ اولیٰ:** (دو رکعتوں کے بعد بیٹھنا) کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسا ہی کیا اور اگر بھول کر کھڑے ہو گئے تو آخر میں سجدۂ سہو کیا۔(۸) قعدہ اولیٰ میں تشہد کی مقدار سے زیادہ نہ بیٹھنا اور تشہد سے زیادہ نہ پڑھنا واجب ہے۔

۱۰۔ **قعدہ اولیٰ میں تشہد پڑھنا، صحیح قول کے مطابق،** کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم ہر دو رکعت کے بعد بیٹھو تو کہو التحیات للہ ......“(۹) اور امر وجوب کے لیے ہے۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء ان دونوں امور کو سنت قرار دیتے ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تدارک نہیں کیا یعنی نماز دھرائی نہیں جو اس امر کی دلیل ہے کہ یہ واجب نہیں ہیں۔

۱۱۔ **آخری قعدہ میں تشہد پڑھنا:** کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسا ہی کیا۔ آخری قعدہ بذات خود فرض ہے۔ اگر دونوں یا کوئی ایک تشہد پورا یا کچھ حصہ رہ جائے تو آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

۱۲۔ **پہلے تشہد کے بعد بلا تاخیر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا:** اگر قعدہ اولیٰ میں بھولے سے تشہد کی مقدار سے اتنا زیادہ بیٹھ گیا جتنی دیر میں فقط اللھم صل علی محمد پڑھا جا سکتا ہے تو تیسری رکعت کے لیے قیام میں تاخیر کی وجہ سے آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

۱۳۔ **نماز کے آخر میں السلام (علیکم شامل نہیں ہے) دو بار کہہ کر دائیں بائیں منہ پھیرنا:** کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسا کیا۔ علیکم و رحمۃ اللہ

کہنا سنت ہے اور دونوں بار السلام کہنا صحیح روایت کے مطابق واجب ہے۔ اگر مقتدی امام کے فارغ ہونے سے پہلے فارغ ہو گیا اور اس نے بات کر لی یا کھا پی لیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔

السلام کہنا فرض نہیں ہے، کیوں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں سلام پھیرتے ہوئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا کرتے تھے اور آپؐ چہرہ مبارک اتنا پھیرتے کہ آپ کے رخساروں کی سفیدی نظر آتی۔(۱۰) اس سے دونوں طرف سلام پھیرنے کا شرعی حکم معلوم ہوتا ہے۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نماز سے نکلنے کے لیے سلام کہنا فرض ہے۔

۱۴- امام کا بلند آواز سے قراءت کرنا:(۱۱) فجر کی دو رکعتوں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں، خواہ قضا ہوں اور نمازِ جمعہ وعیدین، تراویح اور رمضان کے وتروں میں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسا ہی کیا۔

اکیلے نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے چاہے بلند آواز سے پڑھے، چاہے آہستہ، لیکن بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے تاکہ جماعت کی ہیئت پر نماز ادا ہو۔

رات کے نوافل پڑھنے والے کو بھی اختیار ہے چاہے بلند آواز سے پڑھے چاہے آہستہ، لیکن بلند آواز سے پڑھتے ہوئے آواز مدہم رکھے تاکہ سونے والے پریشان نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز سے تلاوت فرماتے کہ جاگنے والے سن کر خوش ہوتے اور سونے والے نہ جاگتے۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کیسے تلاوت فرماتے؟ تو انھوں نے بتایا کہ ہر طرح کبھی آہستہ، کبھی بلند آواز سے۔(۱۲)

۱۵- ظہر اور عصر کی نماز میں امام اور اکیلا نماز پڑھنے والا آہستہ پڑھے۔ نیز مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں کے علاوہ اور دن کے نفلوں میں بھی آہستہ پڑھے۔

۱۶-۱۷- وتر میں قنوت اور عیدین کی تکبیریں (ہر رکعت میں تین) امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک وتر کی طرح قنوت کی تکبیر بھی سنت ہے اور عید کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر بھی عید کی زائد تکبیروں کی طرح واجب ہے، کیوں کہ ان کے تابع اور ان کے ساتھ متصل ہے بخلاف پہلی رکعت کے رکوع کی تکبیر کے۔

۱۸- باجماعت نماز میں مقتدی کا خاموش رہنا اور امام کی پیروی کرنا

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک نماز کے ارکان:

علامہ خلیل اور ان کے متن کے شارحین کے مطابق مالکیہ کے نزدیک (۱۳) نماز کے چودہ فرائض ہیں، جو یہ ہیں: نیت، تکبیر تحریمہ، فرائض میں قیام، امام اور اکیلے نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا، فرض نماز میں فاتحہ پڑھنے کے لیے قیام، رکوع، رکوع سے اٹھنا، سجدے، سجدوں کے درمیان بیٹھنا، سلام، سلام کے لیے بیٹھنا، تمام ارکان میں اطمینان، رکوع اور سجدوں کے بعد تعدیل، ارکان میں ترتیب کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے نیت کی جائے، پھر سورۂ فاتحہ پھر رکوع، پھر رکوع سے سیدھے کھڑے ہو جانا، پھر سجدے...... الخ۔ مالکیہ نے نماز کے ارکان کے لیے ایک ضابطہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ: نماز کچھ اقوال و افعال کا مجموعہ ہے، اقوال میں صرف تین چیزیں فرض ہیں اور وہ ہیں تکبیر تحریمہ، سورۂ فاتحہ اور سلام اور تین افعال کے علاوہ سب فرض ہیں اور وہ تین ہیں: تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا، تشہد کے لیے بیٹھنا اور سلام پھیرتے ہوئے دائیں طرف رخ کرنا۔

شافعیہ کے نزدیک (۱۴) نماز میں تیرہ ارکان ہیں، جو یہ ہیں:

نیت، تکبیر تحریمہ، فرض نماز میں جو قیام پر قادر ہے اس کے لیے قیام، ہر نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ البتہ جو مسبوق ہو یا اور کسی عذر کا شکار ہو وہ مستثنیٰ ہے، رکوع، دو بار سجدے کرنا، دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا، آخری تشہد، آخری تشہد میں بیٹھنا، آخری تشہد کے بعد

بیٹھ کر درود شریف پڑھنا، سلام پھیرنا اور اوپر مذکور ترتیب قائم رکھنا۔

فرض کی کمی سجدۂ سہو سے پوری نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی فرض بھول گیا پھر نماز کے اندر اور سلام کے فوراً بعد یاد آ گیا تو جو فرض چھوٹ گیا وہ ادا کرے اور وہیں سے آگے نماز مکمل کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

حنابلہ کے بقول (۱۵) نماز کے چودہ ارکان ہیں، جو یہ ہیں:

تکبیر تحریمہ، جو شخص قیام پر قادر ہے اس کے لیے فرائض میں قیام، امام اور اکیلے نمازی کے لیے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا، رکوع، رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا۔ سجدے، سجدوں میں تعدیل، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا، ان تمام افعال (رکوع اور اس کے بعد) میں اطمینان، آخری تشہد، آخری تشہد کے بعد اکثر حنابلہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا، اس کے لیے بیٹھنا، اور دونوں طرف سلام پھیرنے کے لیے بیٹھنا، سلام پھیرنا، تمام ارکان اسی ترتیب سے ادا کرنا۔ نماز کے فرائض یا ارکان دانستہ، بھولے سے، غلطی سے چھوڑنے سے نماز نہیں ہوتی۔

ان تمام ارکان پر ہم تفصیلی گفتگو کریں گے۔ یاد رہے کہ نیت پر شرائط کی بحث میں حنفیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ (ابن رشد اور ابن جزی) کے منہج پر بحث گزر چکی ہے۔ مالکیہ کی مستند روایت یہ ہے کہ نیت رکن ہے اور نماز کا آغاز نیت اور تکبیر تحریمہ کے مجموعہ کا نام ہے۔

تمام فقہاء کے نزدیک نماز کے متفقہ ارکان:

یاد رہے کہ نماز کے چھ فرائض یا ارکان پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اور وہ ہیں: تحریمہ، قیام، قراءت، رکوع، سجود، قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار یعنی عبدہ و رسولہ کے پڑھنے تک بیٹھنا۔

پہلا رکن: تحریمہ یا تکبیر تحریمہ:

نمازی کھڑے ہو کر اتنی آواز میں اللہ اکبر (۱۶) کہے جسے وہ خود سن سکے، البتہ اگر کھڑے ہونے سے عاجز ہو تو قیام فرض نہیں رہتا، جو عربی میں اللہ اکبر کہہ سکتا ہے وہ عربی میں ہی کہے اور کسی زبان میں نہ کہے اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک مبتدا یعنی اللہ اور خبر یعنی اکبر کے درمیان نہ کوئی اور لفظ کہے اور نہ لمبا وقفہ کرے۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ نمازی امام نہ ہو تو کم از کم اتنی آواز سے اللہ اکبر کہے کہ خود سن سکے۔ اگر امام ہو تو مستحب یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہے تاکہ پیچھے کھڑے لوگ سن سکیں۔(۱۷) تکبیر کہنا رکن ہے، شرط نہیں ہے اس لیے اللہ اکبر کہے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اگر تکبیر کہنے سے عاجز ہو، مثلاً گونگا ہو یا کسی زبان میں تکبیر نہ کہہ سکتا ہو تو فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر تکبیر کا کچھ حصہ کہہ سکتا ہو اور اس کے کوئی معنی نکلتے ہوں تو اتنا ہی کہے۔(۱۸)

فقہاء کی دلیل کہ اللہ اکبر کا لفظ کہنا شرط ہے اور تکبیر رکن ہے یہ ارشاد ربانی ہے: وربّک فکبر[المدثر ۷۴:۳] (اپنے رب کی بڑائی بیان کرو) نیز حضرت علیؓ کی مذکورہ بالا روایت: ''نماز کی کنجی طہارت ہے اور اس کا آغاز تکبیر سے ہے''(۱۹) نیز رفاعہ بن رافع کی حدیث ہے: ''کسی شخص کی نماز اللہ تعالیٰ اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ وضو ٹھیک طریقے سے نہ کرے، پھر قبلہ رخ ہو کر اللہ اکبر نہ کہے(۲۰)'' جس شخص نے جلدی جلدی نماز پڑھی تھی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو''،(۲۱) نیز آپ ؐ کا ارشاد ہے: نماز میں لوگوں کی گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں، نماز تو بس تسبیح، تکبیر اور قراءت قرآن کا نام ہے'' آپؐ نے تکبیر کو قراءت کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر بھی قراءت کی طرح رکن ہے۔

شافعیہ، حنفیہ میں سے امام محمدؒ(۲۲) اور مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ تکبیر رکن

ہے شرط نہیں ہے۔ البتہ شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ اکبر کے ساتھ کوئی ایسا اضافہ کیا جائے جس سے یہ تکبیر باقی رہے تو کوئی حرج نہیں، مثلاً اللہ الاکبر کہا جائے تو اس میں تکبیر بھی ہے اور زیادہ مبالغہ بھی یا اللہ الجلیل اکبر یا اللہ کی صفات میں سے کوئی اور صفت شامل کر دی جائے تو صحیح روایت یہ ہے کہ اگر زیادہ وقفہ نہ پیدا ہو جائے اور کام کا تسلسل باقی رہے تو جائز ہے۔ نماز کے تمام قولی ارکان کی طرح تکبیر کا اتنی آواز سے کہنا شرط ہے جسے خود سن سکے اور شافعیہ و حنابلہ نے وضاحت کی ہے کہ تکبیر صاف صاف اور واضح الفاظ میں کہے، جہاں حروف کو لمبا کرنا درست نہ ہو وہاں لمبا نہ کرے۔ اگر حرف اس طرح لمبے کر دیے کہ معنی بدل گئے، مثلاً اللہ کا ہمزہ یا اکبر کا ہمزہ لمبا کر دیا یا اکبر کی باء کے بعد الف بڑھا دیا تو تکبیر درست نہیں ہو گی، کیوں کہ اس سے معنی بدل گئے ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جو عربی میں تکبیر نہیں کہہ سکتا وہ جس زبان میں کہہ سکتا ہے اسی میں کہے اور اگر عربی سیکھ سکتا ہو تو سیکھنے کی کوشش ضرور کرے، جو تکبیر کے الفاظ ادا نہیں کر سکتا، مثلاً گونگا ہے تو جہاں تک ہو سکے، اپنی زبان، ہونٹ اور کوے کو حرکت دے، اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو دل سے نیت کرے۔

امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک (۲۴) تکبیر تحریمہ شرط ہے، رکن نہیں اور حنفیہ کے نزدیک انہیں کی رائے مستند ہے، ان کی دلیل ارشاد ربانی ہے: وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ [الاعلی ۸۷:۱۵] (اس نے اللہ کا نام لیا، پھر نماز پڑھی) ان کی رائے ہے کہ یہاں ذکر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے اور صلی کا ذکر پر عطف ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہوں پس تکبیر تحریمہ نماز میں شامل نہیں۔ نیز حضرت علیؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے: ''نماز کی تحریم تکبیر سے ہے'' اس میں تحریم کو نماز کی طرف مضاف کیا گیا اور مضاف اور مضاف الیہ الگ الگ ہوتے ہیں، کیوں کہ کوئی چیز اپنی ذات کی طرف مضاف نہیں ہو سکتی۔

شیخین (ابوحنیفہ اور ابو یوسف) جو تکبیر تحریمہ کے شرط ہونے کے قائل ہیں اور امام محمدؒ جو تکبیر تحریمہ کے رکن ہونے کے قائل ہیں ان میں اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے جب تکبیر تحریمہ کہی تو اس کے ساتھ نجاست لگی ہوئی تھی، جو اس نے فوراً جھٹک دی، یا اس نے ستر نہیں ڈھانپا ہوا تھا، جو فوراً ڈھانپ لیا یا وہ قبلہ رو نہیں تھا اور فوراً قبلہ رو ہو گیا یا جب اس نے تکبیر کہی تو سورج ابھی ڈھلا نہیں تھا لیکن تکبیر سے فارغ ہونے تک سورج ڈھل گیا تو ان تمام صورتوں میں شیخین کے نزدیک نماز درست ہے امام محمد کے نزدیک درست نہیں۔

اس صورت میں اگر کسی وجہ سے فرض نماز نہیں ہوئی تو شیخین کے نزدیک یہ نماز نفل ہو جائے گی، امام محمد کے نزدیک نماز ہی نہیں ہو گی۔البتہ نماز جنازہ کی تکبیر تحریمہ کے رکن ہونے پر حنفیہ کا اتفاق ہے کہ وہ دوسری تکبیروں کی طرح رکن ہے۔

نماز کے واجبات میں ہم بتا چکے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک اللہ اکبر سے نماز شروع کرنا واجب ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے لفظ سے شروع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ ایسے الفاظ سے نماز شروع کی جا سکتی ہے جو خالص اللہ کے لیے ہوں اور جن میں اللہ کی عظمت اور بڑائی بیان کی گئی ہو، مثلاً نمازی اللہ اجل، اللہ اعظم، کبیر یا جلیل یا الرحمٰن اعظم، یا سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا الحمدللہ وغیرہ کہے، کیوں کہ ان سب الفاظ میں تکبیر کا مفہوم ہے اور یہ الفاظ تعظیم کے مفہوم پر مشتمل ہیں پس اللہ اکبر کے مشابہ ہیں۔اگر کسی نے اللھم اغفرلی (اے اللہ مجھے بخش دے) سے نماز شروع کی تو یہ درست نہیں، کیوں کہ اس میں اپنی حاجت کا تذکرہ ہے اللہ کی تعظیم نہیں ہے۔اگر اللھم کے لفظ سے نماز شروع کی تو بھی صحیح روایت کے مطابق درست نہیں، کیوں کہ اس کے معنی ہیں: ''یا اللہ''۔

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ ''تکبیر'' کے لفظ کے مشتقات، مثلاً اکبر، اللہ الکبیر یا

الکُبّار سے نماز شروع کی جا سکتی ہے۔ اللہ کبیر سے نماز شروع کرنے کی صحت میں انہیں تردد ہے۔ اگر کوئی شخص تکبیر نہیں کہہ سکتا، مثلاً گونگا ہے تو اس سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ اس کے لیے واجب ادا کرنا مشکل ہے وہ صرف تکبیر تحریمہ کی نیت کرے، یہی کافی ہے۔

امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اگر عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں تکبیر کہی تب بھی جائز ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وذکر اسم ربہ فصلّٰی (الاعلیٰ، ۸۷:۱۵) (اس نے اپنے رب کا ذکر کیا پھر نماز پڑھی) اور یہ بھی اللہ کا ذکر ہے۔

البتہ صاحبین کی رائے شافعیہ سے ہم آہنگ ہے کہ اگر عربی نہیں جانتا تو دوسری زبان میں تکبیر جائز ہے اور اگر عربی میں کہہ سکتا ہے اس کے باوجود کسی اور زبان میں کہتا ہے تو جائز نہیں، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا، اسی طرح نماز پڑھو'' (۲۴)

حنفیہ کے مطابق تکبیر تحریمہ کے ادا کے لیے بیس شرائط ہیں، جو یہ ہیں:

نماز کا وقت ہونا، وقت شروع ہونے کا یقین یا غالب گمان ہونا، ستر ڈھانپنا، حدث سے، بدن، کپڑے اور جگہ کا ایسی نجاست سے پاک ہونا جو نماز کے لیے رکاوٹ ہے، نفل نماز کے علاوہ دوسری نمازوں میں جو قیام کر سکتا ہے اس کے لیے قیام کرنا، فجر کی سنتوں میں قیام کرنا، امام کی اقتدا کی نیت (درحقیقت یہ امام کی اقتدا درست ہونے کی شرط ہے، تکبیر تحریمہ کے لیے شرط نہیں ہے) زبان سے تکبیر کہنا (اتنی آواز سے کہ خود سن سکے، اگر زبان سے نہیں کہا اور دل میں ہی تکبیر کہہ لی تو تکبیر نہیں ہوگی جیسے کہ نماز کے تمام الفاظ زبان سے کہنے ضروری ہیں)۔

فرائض کی تعیین کہ ظہر کے ہیں یا عصر کے مثلاً، واجب کی تعیین کہ طواف کی دو رکعتیں ہیں، یا عیدین کی یا وتر کی یا سنت نماز ہے یا کوئی چھوڑی ہوئی نماز قضا کر رہا ہے،

ایسے جملے سے تکبیر کہے جو خالصؔ اللہ کا ذکر ہو، اس میں اپنی حاجت اور خواہش شامل نہ ہو، استغفار سے مثلاً اللھم اغفرلی کہنے سے تکبیر نہیں ہوئی، صحیح قول یہ ہے کہ اللھم سے تکبیر ہو جاتی ہے جیسے اللہ اکبر سے ہو جاتی ہے۔ ظاہر روایت میں ہے کہ اللھم اغفرلی یا اللھم سے نماز شروع نہ کرے۔ تکبیر کے ساتھ بسم اللہ نہ پڑھے، جو عربی میں تکبیر کہہ سکتا ہے کسی اور زبان میں نہ کہے۔ ورنہ تکبیر صحیح نہیں ہو گی، ہاں اگر نہ کہہ سکتا ہو تو کسی دوسری زبان، مثلاً فارسی وغیرہ میں جائز ہے جیسا کہ ایسے شخص کے لیے دوسری زبان میں قراءت جائز ہے۔ حنفیہ کی مستند اور متفقہ روایت یہ ہے کہ اگر عربی میں تکبیر کہہ سکتا ہو تب بھی کسی دوسری زبان میں تکبیر کہنا جائز ہے جب کہ قراءت جائز نہیں ہے، لفظ اللہ کی ھاء چھوڑ نہ دے، اللہ اور اکبر کے شروع کے ہمزہ کو لمبا نہ کرے اور اکبر کی باء کو لمبا نہ کرے، نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی ایسا کام نہ کرے جو نماز کے منافی ہو، مثلاً کھانا پینا، نیت تکبیر تحریمہ سے پہلے نہ کرے، اگر امام کے تکبیر ختم کرنے سے پہلے مقتدی تکبیر سے فارغ ہو گیا تو نماز صحیح نہیں ہو گی، قبلہ کی طرف منہ کر کے تکبیر کہے، ہاں کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے، یا شہر سے باہر سواری پر بیٹھ کر نفل پڑھ رہا ہو تو اس سے مستثنیٰ ہے۔

جمہور فقہاء نے یہ شرط عائد کی ہے کہ جب امام تکبیر سے فارغ ہو جائے تب مقتدی تکبیر کہے، کیوں کہ متفق علیہ روایت میں ہے: امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ حنفیہ نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ تکبیر وغیرہ میں مقتدی امام کے ساتھ ہی تکبیر کہے جیسا کہ رکوع اس کے ساتھ کرے۔

دوسرا رکن: جو کھڑے ہونے پر قادر ہو اس کے لیے فرض، واجب، مثلاً نذر نماز اور صحیح قول کے مطابق سنت میں حنفیہ کے نزدیک قیام کرنا۔(۲۵)

کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وقوموا للہ قانتین [البقرہ ۲: ۲۳۸] (اللہ کے مطیع بن کر خشوع کے ساتھ اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ) عمران بن حصین کی حدیث میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔(۲۶)

نفل نمازوں میں قیام واجب نہیں، قیام پر قدرت کے باوجود اس کے بغیر نوافل ہو جاتے ہیں ، کیوں کہ نوافل کا دارومدار آسانی اور سہولت پر ہے، نوافل بہت ہوتے ہیں، اگر ان میں قیام واجب کیا جاتا تو مشکل ہوتا اور نوافل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا۔

ایسا مریض جو کھڑا نہیں ہو سکتا اس پر بھی قیام واجب نہیں، خواہ فرض نماز ہو یا نوافل ، کیوں کہ قدرت اور طاقت کے مطابق تکلیف دی جاتی ہے، جو کھڑا نہیں ہو سکتا جیسے چاہے بیٹھ جائے۔

حنفیہ کے نزدیک قیام کی حد یہ ہے کہ ہاتھ نیچے کریں تو گھٹنوں تک نہ پہنچیں، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ قیام کی حد یہ ہے کہ نہ تو بیٹھا ہوا ہو اور نہ اس طرح جھکا ہوا ہو جیسے آدمی رکوع میں ہوتا ہے اگر سر نیچے کیا ہوا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ وہ قیام کے منافی نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے والے کی ریڑھ کی ہڈی کھڑی ہونا شرط ہے (۲۷) کیوں کہ کھڑے ہونے کا یہی مفہوم ہے، گردن کھڑی ہونا ضروری نہیں، کیوں کہ سر جھکانا مستحب ہے۔اگر جھک کر یا دائیں بائیں مائل ہو کر اس طرح کھڑا ہوا کہ اسے کھڑا ہونا نہ کہتے ہوں تو قیام درست نہیں ہے، کیوں کہ اس نے بلا عذر واجب ترک کر دیا۔ جھکنا جو قیام کے منافی ہے یہ ہے کہ رکوع کے قریب ہو، اگر جھکا ہوا ہو لیکن قیام کے قریب ہو یا رکوع اور قیام کے درمیان ہو تو درست ہے اس صورت میں شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ سے ہم آہنگ ہیں۔

جو شخص بیماری کے باعث یا بڑھاپے میں کبڑا ہونے کے باعث سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا تو اس طرح کھڑا ہو جیسے کہ کھڑا ہو سکتا ہے اور اگر ممکن ہو تو رکوع میں اور زیادہ جھک جائے۔

کتنی مقدار قیام فرض ہے: حنفیہ کے نزدیک جتنی قراءت مطلوب ہے یعنی سورۂ فاتحہ، سورت اور تکبیر تحریمہ کی مقدار قیام فرض ہے۔ جمہور کے نزدیک تکبیر تحریمہ اور سورۂ فاتحہ کی مقدار قیام فرض ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی قراءت فرض ہے، اس کے بعد سورت پڑھنا سنت ہے۔

کیا سہارے کے بغیر کھڑا ہونا فرض ہے؟

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جو کھڑا ہوسکتا ہو فرائض میں اس کے لیے بغیر سہارے کے کھڑا ہونا شرط ہے۔ اگر چھڑی یا دیوار وغیرہ کے ساتھ اس طرح ٹیک لگائی کہ اسے ہٹا دیا جائے تو گر جائے تو نماز نہیں ہوگی، اگر عذر کی وجہ سے اس طرح کھڑا ہو تو جائز ہے۔

نفل نمازوں میں بغیر سہارے کے کھڑا ہونا شرط نہیں ہے، خواہ کوئی عذر ہو یا نہ ہو البتہ ایسی نماز مکروہ ہے اس میں بے ادبی ہے، اگر بلا عذر ہو تو ثواب کم ہو جاتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک امام اور اکیلے نمازی کے لیے تکبیر تحریمہ اور سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت اور رکوع میں جاتے وقت بے سہارا کھڑا ہونا واجب ہے، سورت کی تلاوت کے وقت بے سہارا کھڑا ہونا سنت ہے۔ اگر سورت کی قراءت کے علاوہ کسی چیز سے اس طرح ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا کہ اگر وہ چیز ہٹا دی جائے تو گر پڑے، اس صورت میں نماز نہیں ہوتی، کیوں کہ فرض و رکن ادا نہیں ہوا اور اگر سورت کی قراءت کے دوران ٹیک لگائے تو نماز ہو جائے گی لیکن ٹیک لگانا مکروہ ہے۔ اگر سورت کی قراءت کے دوران بیٹھ جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، کیوں کہ نماز کی ہیئت میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ اگر مقتدی سورۂ فاتحہ کی قراءت کے دوران بھی کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا لے کہ اگر اسے ہٹا دیا جائے تو گر جائے تو بھی اس کی نماز ہو جائے گی، کیوں کہ مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کی قراءت کے وقت قیام واجب نہیں ہے۔

شافعیہ کے نزدیک سہارے کے بغیر قیام شرط نہیں ہے، اگر کسی چیز سے ٹیک لگا لی

تب بھی نماز ہو جائے گی اگرچہ مکروہ ہے، کیوں کہ قیام کا مفہوم موجود ہے البتہ اگر کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا لی کہ اگر اپنے دونوں پاؤں اٹھا دے تب بھی ٹیک لگائے رہے اور گرے نہیں تو نماز نہیں ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں وہ کھڑا نہیں ہے بلکہ معلق ہے۔

حنابلہ کے نزدیک جو شخص قیام پر قادر ہے اس کے لیے فرض نماز میں بے سہارا کھڑے ہونا شرط ہے اگر بلا عذر کسی مضبوط چیز سے ٹیک لگا لی تو نماز باطل ہوگئی۔

بیمار کی نماز: کب قیام فرض نہیں رہتا؟

فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیمار شخص اگر فرائض و نوافل میں قیام سے عاجز ہو تو اس پر قیام فرض نہیں رہتا، کیوں کہ عمران بن حصین کی حدیث میں ہے کہ ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر نہ کھڑے ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ نہ سکو تو لیٹ کر پڑھو'' اگر کوئی شخص تھوڑی سی قراءت، مثلاً ایک آیت کی مقدار کھڑا ہو سکتا ہے تو اتنا کھڑا ہونا واجب ہے۔

برہنہ نماز پڑھنے والوں کے لیے جمہور فقہا کے نزدیک قیام واجب نہیں ہے، شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ برہنہ افراد کو اگر ستر ڈھانپنے کو کچھ نہ ملے تو بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھیں، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جن صورتوں میں قیام فرض نہیں رہتا: بیماری کی حالت، مثلاً کھڑے ہونے سے زخم سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ آنکھ میں دوائی ڈالنے کی صورت میں کہ پیٹھ کے بل لیٹا ہوا ہے یا سلسل البول کی شکایت ہے کہ اگر کھڑا ہوتا ہے تو پیشاب کے قطرے بہنے لگتے ہیں جب کہ بیٹھنے سے نہیں بہتے تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اس نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے حتیٰ کہ شافعیہ کی صحیح روایت بھی یہی ہے۔

اسی طرح دشمن کا ایسا خوف، کہ اگر نماز کھڑے ہو کر ادا کرے، تو دشمن کو نظر آ سکتا ہو اسی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھے اس پر نماز کا اعادہ نہیں اور یہی شافعیہ کی رائے بھی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی شخص ایسی جگہ قید ہو کہ وہاں کھڑا نہ ہوسکتا ہو یا مستقل امام جو کھڑے ہونے سے عاجز ہو اس کے پیچھے بھی بیٹھ کر نماز پڑھے۔

عاجز مریض کی نماز کی کیفیت

مریض کی نماز کی کیفیت میں فقہاء کی آراء ایک دوسرے کے قریب ہیں، بعض آراء میں نسبتاً زیادہ آسانیاں ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک (۲۸)

الف- جب مریض قیام سے عاجز ہو تو قیام فرض نہیں رہتا، جیسے آسانی ہو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر رکوع سجدے کر سکتا ہو تو رکوع سجدے کرے اور اگر نہ کر سکتا ہو یا صرف سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اشارے سے پڑھے اور سجدے کا اشارہ رکوع سے پست تر کرے تاکہ دونوں میں فرق ہو۔ ان کی دلیل اوپر مذکور عمران بن حصین کی روایت ہے۔

سجدہ کرنے کے لیے کوئی چیز، کرسی یا تکیہ وغیرہ اٹھا کر اپنے چہرے کے قریب نہ کرے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیمار کی عیادت کی تو آپؐ نے دیکھا کہ وہ تکیے پر نماز پڑھ رہا ہے تو آپؐ نے تکیہ پھینک دیا، پھر اس نے لکڑی اٹھائی کہ اس پر سجدہ کرے، آپؐ نے وہ بھی پھینک دی اور فرمایا، اگر ہو سکے تو زمین پر نماز پڑھو ورنہ اشارے سے پڑھو اور سجدہ رکوع کی بہ نسبت پست کرو۔ (۲۹)

ب- اگر بیٹھ نہ سکتا ہو تو چت لیٹ جائے اور پاؤں قبلہ کی طرف کر لے اور رکوع سجدے اشارے سے کرے۔

اگر پہلو کے بل لیٹ گیا اور چہرہ قبلہ کی طرف کر کے اشارے سے نماز پڑھی تب بھی درست ہے۔ پہلی کیفیت زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ چت لیٹ کر اشارہ سیدھا کعبہ کی

فضا کی طرف ہوتا ہے اور پہلو کے بل لیٹ کر اشارہ اپنے ہی پاؤں کی طرف ہوتا ہے یعنی چت لیٹنا پہلو کے بل لیٹنے کی بہ نسبت بہتر ہے اور اگر پہلو کے بل لیٹے تو دائیں پہلو پر لیٹنا بائیں کی بہ نسبت بہتر ہے۔

ج۔ اگر اشارے سے بھی نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو نماز مؤخر کر دے، آنکھوں یا دل یا پلکوں سے اشارہ نہ کرے، کیوں کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں، اوپر مذکورہ حضرت عمرانؓ اور جابرؓ کی حدیث پر عمل کا یہی تقاضا ہے۔ نیز نماز کی کسی ہیئت کا اپنی رائے سے بدل مقرر کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اسے سر کے اشارے پر قیاس نہیں کر سکتے، کیوں کہ سر کے ذریعے نماز کا رکن ادا کیا جاتا ہے لیکن آنکھوں، پلکوں یا دل کے ساتھ کوئی رکن ادا نہیں ہوتا۔

ایسے شخص سے نماز معاف نہیں ہوتی اور اس پر قضا واجب ہے، نمازیں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائیں بشرطیکہ وہ ہوش وحواس میں ہے اور خطاب الٰہی کو سمجھتا ہے۔ یہی رائے صحیح ہے جیسا کہ ھدایہ میں ہے۔ البدائع وغیرہ میں ہے کہ اگر نمازیں بہت زیادہ ہو جائیں اور ایک دن رات سے زیادہ کی نمازیں چھوٹ جائیں تو قضا واجب نہیں ہے، خواہ نمازی شرعی خطاب کو سمجھتا ہو، کیوں کہ اسے نماز پڑھنے پر قدرت نہیں ہے اور اتنی زیادہ نمازیں اس کے ذمہ ڈالنا تنگی پیدا کرنا ہے جو درست نہیں۔ یہی رائے مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اگر مریض کھڑا ہو سکتا ہو لیکن رکوع سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے کھڑے ہونا ضروری نہیں بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے بلکہ بیٹھ کر اشارے سے پڑھنا افضل ہے، کیوں کہ بیٹھنا سجدے کے مشابہ ہے اس میں سر زمین کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

اگر کسی شخص نے صحت کی حالت میں کھڑے ہو کر نماز شروع کی، درمیان میں بیمار ہو گیا تو بیٹھ کر رکوع سجدے سے مکمل کرے اور اگر رکوع سجدہ نہیں کر سکتا تو اشارے سے مکمل کرے اور اگر بیٹھ نہیں سکتا تو چت لیٹ کر مکمل کرے، کیوں کہ اس صورت میں ادنی

درجے کی نماز کی اعلیٰ درجے کی نماز پر بنا رکھنا ہے اور ساری نماز کم تر درجے کی ادا کرنے سے بہتر ہے کہ اعلیٰ پر ادنیٰ کی بنا رکھی جائے۔

اگر کوئی شخص بیماری کے باعث بیٹھ کر رکوع سجدے سے نماز پڑھ رہا تھا، پھر نماز کے دوران تندرست ہو گیا تو کھڑے ہو کر وہیں سے آگے پڑھے، کیوں کہ پہلی نماز پر بنا رکھنا اقتدا کی مانند ہے اور کھڑا آدمی بیٹھنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے۔

اگر کوئی مریض اشارے سے نماز پڑھ رہا تھا کہ درمیان میں رکوع سجدے پر قادر ہو گیا تو نئے سرے سے نماز پڑھے، کیوں کہ رکوع سجدے کرنے والا اشارے سے پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا، اس لیے ایسی نماز پر بنا بھی جائز نہیں۔

مالکیہ کے بقول (۳۰)

الف۔ اگر نمازی کسی مجبوری یا تکلیف، مثلاً سر چکرانے کے باعث فرض نمازیں بے سہارا کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو اس کے لیے بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے لیکن بلا عذر لیٹ کر پڑھنا جائز نہیں۔ نماز کا کچھ حصہ کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر پڑھنے کے جواز پر تمام مذاہب متفق ہیں۔

ب۔ جو شخص کھڑے ہو کر فرض پڑھنے پر قادر ہے لیکن اسے کسی ایسی تکلیف کا اندیشہ ہے جس سے تیمم جائز ہو جاتا ہے (مثلاً نزلہ، بے ہوشی وغیرہ ہونے کا اندیشہ یا کسی بیماری کے بڑھ جانے کا خوف یا صحت یابی میں تاخیر کا ڈر) یا یہ خطرہ ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے وضو ٹوٹ جائے گا تو کسی دیوار یا لاٹھی یا لٹکتی ہوئی رسی کا جو مکان کی چھت سے لٹک رہی ہو اور اسے پکڑ کر کھڑا ہو سکتا ہو، سہارا لے لے یا کسی ایسے فرد سے ٹیک لگا لے جو جنبی یا حیض والی عورت نہ ہو۔ اگر کسی جنبی یا حیض والی عورت سے ٹیک لگا کر نماز پڑھی تو نماز کے ضروری وقت میں اس کا اعادہ کرے۔ اگر ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکتا تھا لیکن بغیر

سہارے کے بیٹھ کر نماز پڑھی تو نماز درست ہے۔

ج- اگر کسی طرح بھی (سہارے سے اور بغیر سہارے کے) کھڑا نہیں ہو سکتا تو اگر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے تو بیٹھ کر پڑھنا واجب ہے اور اگر بغیر سہارے کے نہیں بیٹھ سکتا تو سہارے سے بیٹھ کر پڑھے اگر قیام کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو تکبیر تحریمہ، قراءت اور رکوع کے دوران چوکڑی مار کر بیٹھے اور سجدوں کے درمیان بیٹھے اور تشہد کے لیے ہیئت تبدیل کر لے۔

د- اگر کسی طرح بھی (سہارے سے اور بغیر سہارے کے) نہیں بیٹھ سکتا تو دائیں پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھنا مستحب ہے، اگر دائیں پر نہ لیٹ سکے تو بائیں پر لیٹے، ورنہ چت لیٹ جائے اور پاؤں قبلہ کی طرف کر لے، اگر اس طرح بھی نہ لیٹ سکے تو پیٹ کے بل لیٹ جائے اور سر قبلہ کی طرف کر لے۔

جو شخص صرف قیام کر سکتا ہے، رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا، وہ کھڑے ہو کر اشارے سے رکوع اور سجدے کرے۔

جو شخص کھڑا بھی ہو سکتا ہے اور بیٹھ بھی سکتا ہے وہ رکوع کے لیے کھڑے ہو کر اشارہ کرے اور سجدہ کے لیے بیٹھ کر، اگر اس کے برعکس کیا تو نماز نہیں ہو گی۔

اگر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر سجدے کے لیے اشارہ کیا تو پیشانی سے عمامہ اس طرح ہٹانا واجب ہے کہ اگر سجدہ کرتا تو اس کی پیشانی زمین پر یا زمین سے متصل (جو فرش وغیرہ ہے) اس پر لگتی۔

اگر کسی شخص کی پیشانی زخمی ہو اور وہ صرف ناک پر سجدہ کرے تو جائز ہے، کیوں کہ اس نے اتنا اشارہ کیا ہے جتنا اس کی قدرت میں تھا حالانکہ سجدہ کے معنی زمین پر پیشانی رکھنے کے ہیں۔

اگر نمازی نے پہلی رکعت میں تمام ارکان ادا کیے لیکن رکوع اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد جب سجدہ کیا تو دوبارہ قیام نہیں کر سکا تو پہلی رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھے اور باقی نماز بیٹھ کر پوری کرے۔

ہ۔ اگر نمازی نماز کے ارکان میں سے نیت کے علاوہ کسی چیز پر قادر نہیں کہ نماز میں داخل ہونے کی نیت ذہن میں حاضر کر سکتا ہے یا نیت کے ساتھ آنکھوں کے اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے تو جس قدر اور جس طرح کی نماز پر قادر ہے اتنی پڑھنی اس کے لیے واجب ہے اور جس پر قادر نہیں وہ معاف ہے اگر سلام بھی پھیر سکتا ہے تو سلام پھیرے۔

جب تک مکلّف کے عقل و ہوش قائم ہیں اس کے لیے جائز نہیں کہ جس قدر نماز پر قادر ہے اس میں تاخیر کرے۔

شافعیہ کے نزدیک (۳۱)

الف۔ اگر فرض نماز میں ریڑھ کی ہڈی سیدھی رکھتے ہوئے کھڑا نہیں ہو سکتا تو جھک کر کھڑا ہو جائے، کیوں کہ کوئی کام اگر مشکل ہے تو اس کا آسان قابل عمل حصہ ساقط نہیں ہوتا۔

ب۔ اگر قیام سے بالکل عاجز آ جائے (، مثلاً ایسی شدید تکلیف ہو جو عادتاً برداشت کرنی مشکل ہے،، مثلاً کشتی میں سوار ہے اور سر کو چکر آ رہے ہیں) تو جیسے چاہے بیٹھ جائے۔ اس کی دلیل عمران بن حصین کی روایت ہے۔ اپنی پیشانی گھٹنوں کے اگلے سروں کے برابر کر کے رکوع کرے، افضل اور اکمل یہ ہے کہ سجدے کی جگہ کے برابر ہو۔ رکوع اور سجدے میں اپنی نظر وہیں رکھے جہاں کہ قیام کرنے والا آدمی نظر رکھتا ہے اور نمازی کے لیے مسنون یہ ہے کہ اپنے سجدے کی جگہ نظر رکھے۔

چوکڑی مار کر بیٹھنے کے بجائے اس طرح بیٹھنا جیسے تشہد میں بیٹھتے ہیں افضل ہے،

کیوں کہ یہ ایسی ہیئت ہے جو نماز میں اختیار کی جاتی ہے اس لیے دوسری کسی بھی ہیئت سے بہتر ہے اور کتے کی طرح بیٹھنا کہ سرین زمین پر رکھ کر دو گھٹنے کھڑے کر لے مکروہ ہے، کیوں کہ اس طرح کتا اور بندر بیٹھتا ہے۔

ج- اگر بیٹھنے پر قادر نہ ہو اور اسے اس طرح کی مشقت پیش آتی ہو جس کا اوپر ذکر ہوا ہے تو پہلو کے بل قبلہ کی طرف منہ کر کے، اپنا بدن آگے کر کے لیٹ جائے۔ بائیں پہلو کی بہ نسبت دائیں پر لیٹنا افضل ہے۔ بلا عذر بائیں پہلو پر لیٹنا مکروہ ہے۔

د- اگر پہلو کے بل نہ لیٹ سکتا ہو تو چت لیٹ جائے، سر کے نیچے تکیہ رکھ کر سر اونچا کر لے تاکہ چہرہ قبلہ کی طرف ہو جائے اور بدن آگے کر لے۔ ہاں اگر کعبہ میں چھت کے نیچے ہو تو پیٹھ کے بل لیٹنا جائز ہے اور اگر چھت کے نیچے نہ ہو تو منہ کے بل، کیوں کہ کعبہ میں جس طرف رخ ہو گا کعبہ کے کسی نہ کسی حصے کی طرف رخ ہو گا۔ اگر ممکن ہو تو رکوع سجدہ کرے ورنہ رکوع سجدے کی جگہ اشارہ کرے اور جتنا ممکن ہو سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ کرے۔

ہ- اگر اشارہ نہ کر سکتا ہو تو آنکھ سے نماز کے افعال کا اشارہ کر کے پڑھے۔

و- اور اگر آنکھ سے بھی اشارہ نہ کر سکتا ہو تو نماز کے ارکان اور سنن کا دل میں تصور کرے کہ اب قیام کر رہا ہوں، اب رکوع میں ہوں وغیرہ، کیوں کہ یہی ممکن ہے۔

اگر کسی کی زبان باندھ دی گئی ہو تو دل سے قراءت کرے۔

جب تک عقل موجود ہے نماز معاف نہیں ہو گی، کیوں کہ مکلف ہونے کا دارومدار عقل پر ہے۔ جب بھی نماز کے دوران اوپر مذکور کسی کام کے کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے تو اسے کرنا واجب ہو جائے گا۔

ز- جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے، اس کے لیے، صحیح روایت کے مطابق، بیٹھ کر

پہلو کے بل لیٹ کر نوافل پڑھنے جائز ہیں، چت لیٹ کر نہیں البتہ رکوع اور سجدے بیٹھ کر کرے اور لیٹے لیٹے رکوع سجدوں کا اشارہ نہ کرے، کیوں کہ سنت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

بیٹھ کر پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ثواب ملتا ہے اور لیٹ کر پڑھنے والے کو بیٹھ کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مریض جیسے ممکن ہو نماز پڑھے، خواہ اشارے سے اور اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں، جب کہ جو شخص ڈوب رہا ہو یا قید میں ہو دونوں اشارے سے نماز پڑھیں لیکن بعد میں دہرائیں۔

حنابلہ کا مذہب (۳۲) شافعیہ کی طرح ہے، وہ کہتے ہیں:

الف- اس امر پر اجماع ہے کہ مریض پر فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھنا واجب ہے، اگر چہ اس کا قیام رکوع کی کیفیت سے مشابہ ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ عمران بن حصین کی مرفوع روایت میں ہے: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر نہ پڑھ سکو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھو''، اسے صحاح ستہ نے روایت کیا، نسائی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ''اگر پہلو کے بل لیٹ کر نہ پڑھ سکو تو چت لیٹ کر پڑھو''۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''جب میں تمہیں کوئی کام کرنے کا کہوں تو حتی المقدور اسے پورا کرو''۔

اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو، خواہ اس کے لیے معمول کی اجرت یا اس سے کچھ زائد دینا پڑے بشرطیکہ اجرت دینے پر قادر ہو، اگر اجرت نہ دے سکتا ہو تو جیسے طاقت ہو اسی طرح پڑھ لے۔ یہ رائے مالکیہ کی رائے سے ہم آہنگ ہے۔

ب- اگر مریض کھڑا نہ ہو سکتا ہو یا کھڑے ہونے سے اسے شدید تکلیف ہوتی ہو یا بیماری

بڑھنے کا اندیشہ ہو یا صحت میں تاخیر کا خطرہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے جیسا کہ اوپر کی حدیث میں آیا ہے۔ مستحب یہ ہے کہ چوکڑی مار کر بیٹھے جیسے کہ نفل پڑھنے والا بیٹھتا ہے، یعنی جیسے مالکیہ کی رائے ہے اور نفل پڑھنے والے کی طرح جیسے بھی بیٹھ جائے جائز ہے۔ رکوع اور سجدے میں نفل پڑھنے والے کی طرح اپنے پاؤں دھرے کر لے۔

ج۔ اگر بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو یا بیٹھ کر پڑھنا مشکل ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لے جیسا کہ اوپر حضرت عمران کی حدیث میں ہے۔

بائیں پہلو کی بہ نسبت دائیں پہلو پر لیٹ کر پڑھنا افضل ہے، کیوں کہ حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ: مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے، اگر کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے، اگر سجدہ نہ کر سکے تو اشارہ کرے اور سجدے کا اشارہ رکوع کی بہ نسبت پست کرے۔ اگر بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر قبلہ رو ہو کر نماز پڑھے، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو چت لیٹ جائے اور پاؤں قبلہ کی طرف کر لے۔(۳۳) اگر بائیں کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھی تب بھی جائز ہے، کیوں کہ حضرت عمران کی حدیث کے ظاہر سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ نیز قبلہ رو اس طرح بھی ہو جاتا ہے۔

د۔ پشت کے بل لیٹ کر قبلہ کی طرف پاؤں کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ پہلو کے بل لیٹ سکتا ہو، کیوں کہ اس میں بھی قبلہ رو ہو جاتا ہے۔(۳۴) لیکن مکروہ ہے۔ اگر پہلو کے بل لیٹنا مشکل ہو تو حضرت علیؓ کی حدیث کے پیش نظر پیٹھ کے بل لیٹ کر پڑھے۔

اگر ممکن ہو تو رکوع سجدے میں سر سے اشارہ کرے، کیوں کہ حدیث میں ہے: ''جب میں تمہیں کوئی کام کرنے کا کہوں تو حتی المقدور اس پر عمل کرو'' اور یہ واجب ہے کہ سجدہ کا اشارہ رکوع سے پست ہو، کیوں کہ حضرت علیؓ کی حدیث میں ایسے ہی آیا ہے، نیز اس سے رکوع اور سجدے میں امتیاز ہوتا ہے۔

ہ- اگر رکوع اور سجدے میں اشارہ کرنے سے عاجز ہو، مثلاً عاجز قیدی ہو تو اپنی آنکھ سے اشارہ کرے اور دل سے نیت کرے، کیوں کہ زکریا الساجی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اشارے سے نہ پڑھ سکتا ہو تو آنکھ سے اشارہ کرے۔

و- اگر آنکھ سے اشارہ نہ کر سکتا ہو تو دل سے نیت کرے، اگر زبان سے الفاظ ادا نہ کر سکتا ہو تو دل میں الفاظ اور نماز کے افعال دہرائے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وما جعل علیکم فی الدین من حرج [الحج ۲۲:۷۸] (اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی) اور ارشاد ربانی ہے: لا یکلف اللہ نفساً الا وسعها [البقرہ،۲: ۲۸۶] (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) نیز ارشاد نبوی ہے: ”جب میں تمہیں کوئی کام کرنے کا کہوں تو اسے حتی المقدور پورا کرو“۔

جب تک مکلّف کی عقل صحیح ہے اس سے نماز معاف نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ دل سے نیّت کر سکتا ہے اور آنکھ سے یا اس کے بغیر اشارہ کر سکتا ہے جب کہ نماز کے واجب ہونے کے دلائل عام ہیں۔(۳۵)

خلاصہ یہ ہے کہ مریض کے لیے اشارہ کرنے کی انتہائی حد حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ سر سے اشارہ کرے، مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ آنکھ سے اشارہ کرے یا صرف نیت سے پڑھے اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ ہے کہ تمام کے ارکان ادا کرنے کا دل میں خیال کرے۔

اس امر پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ جب تک عقل موجود ہے نماز معاف نہیں ہوتی اور اگر سر سے اشارہ نہ کر سکے تو حنفیہ کے نزدیک بعد میں نماز قضا کرے۔

تیسرا رکن۔ جو قرآن پڑھ سکتا ہو اس کے لیے قراءت:

حنفیہ کے نزدیک (۳۶) امام اور اکیلے نمازی کے لیے نفل اور وتر کی تمام رکعات اور فرضوں کی پہلی دو رکعات میں قرآن حکیم کی کم از کم ایک آیت پڑھنا عملی فرض اور رکن ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فاقرء وا ماتیسر من القرآن [المزمل ۲:۷۳] (جس قدر قرآن آسان ہو اتنا پڑھو) مطلق امر وجوب کے لیے ہے، نیز ارشاد نبوی ہے "قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی" (۳۷) امام ابو حنیفہ کے نزدیک کم از کم واجب ایک آیت ہے جس کی مقدار چھ حروف ہے، مثلاً ثم نظر [المدثر ۷۴: ۲۱] اگرچہ آیت کے چھ حروف تقدیری ہی ہوں، مثلاً لم یلد (الاخلاص ۳:۱۱۲) کیوں کہ اصل میں لم یَولد ہے جو چھ حروف ہیں۔ صاحبین کی رائے یہ ہے کہ نماز میں تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت جو تین چھوٹی آیات کے برابر ہو پڑھنا فرض ہے۔

فرض کی پہلی دو رکعات میں متعین طور پر قراءت کرنا واجب ہے، کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "پہلی دو رکعات کی قراءت دوسری دو کی قراءت ہے" حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ فرض کی دوسری دو رکعات میں اختیار ہے چاہے قرآن پڑھے چاہے تسبیح کرے۔ نیز سورۂ فاتحہ، کوئی سورت یا تین آیات پڑھنا واجب ہیں۔(۳۸)

حنفیہ کے نزدیک سری اور جہری کسی نماز میں امام یا مقتدی کسی پر بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ مقتدی کے لیے پڑھنا مکروہ ہے۔

حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا:

بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی، البتہ سورۂ نمل کے درمیان میں جو آتی ہے وہ سورۂ نمل کی آیت ہے، کیوں کہ حضرت انس کہتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں، میں نے کسی کو

بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا''۔(۳۹)

البتہ اکیلا نمازی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ آہستہ بسم اللہ پڑھے، نیز آمین بھی آہستہ کہے۔بسم اللہ اور آمین دونوں آہستہ کہے جائیں۔ البتہ امام بسم اللہ نہ پڑھے اور آہستہ بسم اللہ نہ کہے تاکہ دو بلند آواز عبادتوں کے درمیان ایک آہستہ عبادت نہ واقع ہو۔ ابن مسعود کہتے ہیں: امام چار چیزیں آہستہ کہے: اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور ربنالک الحمد۔(۴۰)

حنفیہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- ارشاد ربانی ہے: فاقرء وا ما تیسر من القرآن [المزمل ۷۳: ۲۰] اس میں مطلق قراءت کا حکم ہے پس جس کم از کم مقدار پر قرآن کا اطلاق ہوتا ہے اتنا پڑھنا فرض ہے۔ چوں کہ نماز کے باہر قرآن کی تلاوت بالاجماع فرض نہیں ہے اس لیے یہ متعین ہے کہ اس سے مراد نماز کے اندر تلاوت کا فرض ہونا ہے۔

۲- قرآن حکیم کی قطعی دلیل سے جس امر کی فرضیت ثابت ہو اس پر ظنی خبر واحد کے ذریعے اضافہ کرنا جائز نہیں البتہ خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہے، اس لیے اس سے سورۂ فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوگی وجوب ثابت ہوگا یعنی اگر سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی گئی تو وہ صحیح ہوگی مگر مکروہ تحریمی ہوگی۔

۳- جو شخص جلدی جلدی نماز پڑھ رہا تھا اسے تعلیم کرنے والی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ رو ہو کر تکبیر کہو، جس قدر آسان ہو قرآن کی تلاوت کرو''۔(۴۱) پس قرآن پڑھنا واجب ٹھہرا جیسا کہ خود قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اگر سورۂ فاتحہ رکن یا فرض ہوتی تو آپؐ اسے ضرور بتاتے کیوں کہ وہ ناواقف تھا اور اسے مسائل جاننے کی ضرورت تھی۔

۴- رہی وہ حدیث جسے صحاح ستہ نے عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ

کے بغیر نماز نہیں ہوتی (۴۲) تو اس میں فضیلت کی نفی ہے نماز کے درست ہونے کی نفی نہیں جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے "مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز مسجد کے بغیر نہیں ہوتی"۔(۴۳)

مقتدی کی قراءت

حنفیہ کے نزدیک مقتدی کے ذمہ قراءت نہیں ہے، اس کے دلائل یہ ہیں:(۴۴)

۱- **کتاب اللہ:** ارشاد ربانی ہے: واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وَاَنْصِتُوا لعلکم ترحمون [الاعراف ۷:۲۰۴] (جب قرآن پڑھا جارہا ہو تو غور سے سنو اور خاموش رہو، شاید تم پر رحم کیا جائے) امام احمد کہتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے کہ اس آیت کا تعلق نماز سے ہے، اس میں غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے۔ غور سے سننے کا تعلق جہری نمازوں سے ہے اور خاموش رہنے کا جہری اور سری دونوں سے، پس نمازیوں پر واجب ہے کہ جہری نمازوں میں امام کی قراءت سنیں اور سری نمازوں میں خاموش رہیں۔ چونکہ احادیث میں قراءت کا حکم ہے اس لیے آیت سے وجوب ثابت ہوگا اور اس کی مخالفت مکروہ تحریمی ہے۔

۲- **سنت:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت ہی اس کی قراءت ہے (۴۵) اس حدیث کا حکم سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں پر مشتمل ہے، نیز آپؐ نے فرمایا: امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب قراءت کرے تو خاموش ہو جاؤ۔(۴۶)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، پیچھے کوئی شخص سبح اسم ربک الاعلی کی قراءت کر رہا تھا، جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے پوچھا، پیچھے کون پڑھ رہا تھا؟ ایک آدمی نے کہا، میں۔ آپ نے فرمایا،

مجھے لگا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے قراءت میں نزاع کر رہا ہے۔(۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی چاہیے تو جہری نمازوں میں تو بطریق اولیٰ درست نہیں۔

۳۔ قیاس: اگر مقتدی پر قراءت واجب ہوتی تو مسبوق (بعد میں نماز میں شریک ہونے والے) پر بھی واجب ہوتی، جیسے دوسرے تمام ارکان اس پر واجب ہیں۔ پس حنفیہ نے مقتدی کو مسبوق پر قیاس کرتے ہوئے اس کے لیے قراءت نہ صرف یہ کہ ضروری قرار نہیں دی بلکہ درست نہیں سمجھی۔

جمہور(۴۸)(غیر حنفیہ) کی رائے یہ ہے کہ نماز میں جو قراءت واجب ہے اور نماز کا رکن ہے وہ سورۂ فاتحہ ہے، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے:'' جو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی'' نیز آپ ؐ نے فرمایا: جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز نہیں ہوتی۔(۴۹) نیز آپ ؐ کا اپنا فعل بھی سورۂ فاتحہ کے وجوب پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ آپ ؐ نے فرمایا، '' جیسے تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو'' یہ روایت بخاری و مسلم میں ہے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد ہر نماز کی پہلی دو رکعات میں سورت پڑھنا سنت ہے۔ مقتدی سری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت بھی پڑھے مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جہری نمازوں میں کچھ بھی نہ پڑھے، اور شافعیہ کے نزدیک جہری نمازوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے۔(۵۰) امام احمد کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام فاتحہ پڑھنے کے دوران جب پہلی بار رکے تو مقتدی سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ اس وقفے میں پڑھ لے اور باقی حصہ دوسرے وقفہ میں پڑھے اور ان وقفوں کے درمیان امام کی قراءت سنے۔

البتہ شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ ہر رکعت میں امام، مقتدی اور اکیلے نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے خواہ یاد سے پڑھے یا مصحف میں دیکھ کر یا کسی کے سکھانے سے،

لیکن مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ہر نماز میں خواہ سری ہو یا جہری، فرض ہو یا نفل سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، نیز عبادہ بن صامتؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپؐ کے لیے قراءت مشکل ہو گئی، آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: میرا خیال ہے تم میرے پیچھے کھڑے ہو کر قراءت کرتے ہو، ہم نے کہا، جی ہاں یا رسول اللہ، آپؐ نے فرمایا، ایسا نہ کیا کرو، ہاں سورۂ فاتحہ پڑھا کرو، کیوں کہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔(۵۱) یہ صریح نص ہے۔خاص طور پر مقتدی کے بارے میں ہے اور سورۂ فاتحہ کی فرضیت بتاتی ہے اور ''نماز نہیں ہوتی'' کا مطلب یہ نہیں کہ نماز میں فضیلت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز سرے سے درست ہی نہیں ہوتی۔

امام شافعی کا جدید مذہب یہ ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ بھولے سے چھوٹ گئی تب بھی نماز نہیں ہو گی، کیوں کہ جو کام نماز کا رکن ہو، وہ اگر بھولے سے رہ جائے تو معاف نہیں ہے، مثلاً رکوع اور سجدے، البتہ رکعت کے آخر میں یعنی رکوع میں شامل ہونے والے کو سورۂ فاتحہ معاف ہے، کیوں کہ اس کی طرف سے اس کی ذمہ داری امام نے اٹھا لی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بھیڑ میں ہے یا بھول گیا کہ وہ نماز میں ہے یا وہ آہستہ حرکت کرتا ہے اور امام اس کے سجدے میں اٹھنے سے پہلے رکوع میں چلا جاتا ہے یا رکوع کے قریب پہنچ جاتا ہے یا امام کے رکوع میں جانے کے بعد اسے شک ہوا کہ فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں اور فاتحہ پڑھنے لگ گیا تو امام سے پیچھے رہ جائے گا تو ایسا شخص بھی مسبوق کی طرح ہے۔

شافعیہ کے نزدیک بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی آیت ہے۔کیوں کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ سات آیات ہیں اور بسم اللہ کو ایک آیت شمار کیا۔دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت

کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب الحمد للہ پڑھو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کرو۔ یہ سورت اُم القرآن، ام الکتاب اور سبع مثانی ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کی ایک آیت ہے۔(۵۲) نیز صحابہؓ نے قرآن حکیم کو جمع کیا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اس میں لکھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔اگر جہری نماز ہے تو بسم اللہ بھی بلند آواز سے پڑھے جیسے کہ ساری سورۂ فاتحہ بلند آواز سے پڑھنی ہوتی ہے، کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی۔(۵۳) نیز یہ اعوذ باللہ کے بعد پڑھی جاتی ہے اس لیے قرآن کی آیت کے طور پر پڑھی جاتی ہے۔ پس سنت یہ ہے کہ باقی فاتحہ کی طرح یہ بھی بلند آواز سے پڑھی جائے۔

سورۂ فاتحہ میں چودہ شد (مشدد کلمات) ہیں جن میں سے تین بسم اللہ میں ہیں اگر ان میں سے کوئی حرف بھی بغیر تشدید کے پڑھا جائے تو اس لفظ کی قراءت غلط ہو جاتی ہے اور قرآنی اسلوب تبدیل ہو جاتا ہے۔

قراءت میں یہ شرط ہے کہ ایسی غلطی نہ ہونے پائے جس سے معنی بدل جاتے ہوں جیسے انعمت کی تاء کو پیش یا زیر سے پڑھا جائے۔ یہ شرط اس شخص کے لیے ہے جو سیکھ سکتا ہے، نیز شاذ قراءت بھی نہ کرے، شاذ قراءت سات قراءتوں کے علاوہ ہے، بالخصوص اگر اس سے معنی تبدیل ہو جائیں، مثلاً انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (اللہ سے علماء ہی ڈرتے ہیں، فاطر ۲۸:۳۵) میں اللہ کے آخر میں پیش اور علماء کے آخر میں زبر پڑھ دیا جائے۔یا کوئی حرف گھٹا بڑھا دیا جائے۔ اگر ایسا کرے گا تو قراءت باطل ہو جائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں(۵۴) کہ اگر شاذ قراءت مصحف عثمانی کے رسم الخط کے مطابق ہو تو خواہ اس طرح پڑھنا جائز نہ ہو تب بھی قراءت درست ہوگی۔ اگر امام نے بلاارادہ غلط قراءت کی خواہ

سورۂ فاتحہ میں ہی ہوتب بھی قراءت درست ہوگی، اور اگر مقتدیوں میں کوئی امام سے بہتر قراءت کرنے والا موجود ہے تو امام گناہ گار ہوگا۔ ضاد اور ظاء میں فرق نہ کیا جائے تب بھی قراءت درست ہے جیسا کہ بعض اہل عرب اپنی زبان میں ضاد کو ظاء سے بدل دیتے ہیں لیکن دانستہ غلط پڑھنے یا حروف تبدیل کر دینے سے قراءت درست نہیں رہتی اور ایسے شخص کی اقتدا جائز نہیں ہے۔

اگر صاد کو ظاء میں تبدیل کر دیا تو صحیح روایت یہ ہے کہ اس لفظ کی قراءت درست نہیں رہی، کیوں کہ قرآن کی عبارت اور معنی تبدیل ہو گئے۔

آیات کی قراءت میں ترتیب (یعنی آیات جس ترتیب سے ہیں اسی ترتیب سے پڑھی جائیں) اور تسلسل (کہ الفاظ وکلمات ملا کر پڑھے جائیں اور سانس لینے سے زیادہ وقفہ نہ دیا جائے) واجب ہے۔ یہ سنت پر عمل کا تقاضا ہے۔ ارشاد نبوی ہے: ''جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو'' اگر درمیان میں کسی ذکر کی وجہ سے خلل پڑ گیا، مثلاً چھینک آنے پر الحمدللہ کہا تو تسلسل ختم ہو گیا، البتہ اگر وقفہ نماز سے متعلق ہو، مثلاً امام کی قراءت پر آمین کہنے کے لیے، یا جب امام قراءت کرتے ہوئے رکے تو اسے لقمہ دینے کے لیے(۵۵) یا رحمت کی دعا اور عذاب سے پناہ مانگنے کے لیے، یا امام کی قراءت پر سجدہ تلاوت کے لیے وقفہ ہو، تو صحیح یہ ہے کہ اس سے تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ طویل خاموشی بھی تسلسل کو توڑ دیتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اب قراءت نہیں کر رہا، یا اگر خاموشی مختصر ہو لیکن پڑھنے والے کی نیت قراءت کا تسلسل ختم کرنے کی ہو تو بھی نیت پر عمل کرتے ہوئے تسلسل ٹوٹ جائے گا۔

اگر کسی شخص کو سرے سے فاتحہ نہ آتی ہو اور استاد یا مصحف وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے سیکھنا بھی ممکن نہ ہو تو اس کے بدلے میں کسی جگہ سے اکٹھی یا متفرق اسی قدر سات آیات تلاوت کر لے اگر اتنی آیات بھی یاد نہ ہوں تو ایسے ذکر اور دعا پر اکتفا کرے جو

سات اقسام کی ہوں اور آخرت سے متعلق ہوں، دنیا سے نہیں اور ان کے حروف سورۂ فاتحہ کے حروف سے کم نہ ہوں، کیوں کہ ابو داؤد وغیرہ میں ہے: ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ، مجھے قرآن سے کچھ بھی یاد نہیں ہوتا، مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیں جو مجھے کافی ہو، آپؐ نے فرمایا، کہو: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اگر سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور کہیں سے قرآن نہ آتا ہو اور نہ ذکر آتا ہو تو سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرے۔ فاتحہ کے بعد تھوڑی دیر خاموشی اختیار کرے اور آمین کہے (میم پر تشدید نہ پڑھے اور الف کو مد کے ساتھ یا بغیر مد کے پڑھے) اس کے معنی ہیں، قبول فرما، نماز میں ہو چاہے نماز کے باہر، البتہ نماز میں آمین کہنا زیادہ مستحب ہے، کیوں کہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں وائل بن حجر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، جب آپ نے ولاالضالین کہا تو کہا آمین اور اس کے ساتھ آواز لمبی کی۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب امام ولاالضالین کہے تو آمین کہو، جس کسی کی آمین ملائکہ کی آمین سے ہم آہنگ ہوگئی اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

امام کی آمین کے ساتھ آمین کہی جائے اور اظہر روایت یہ ہے کہ بلند آواز سے کہی جائے۔(۵۶) اور اس میں امام کا اتباع کیا جائے۔ ابن حبان وغیرہ نے اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا، اس کے ساتھ وہ حدیث بھی ہے کہ: جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا اسی طرح نماز پڑھو۔

سنت کا اتباع کرتے ہوئے امام اور اکیلے نمازی کے لیے مسنون ہے کہ تیسری اور چوتھی رکعات کے علاوہ اظہر روایت کے مطابق سورۂ فاتحہ کے بعد سورت پڑھے۔ اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ اگر مقتدی کے نماز میں شامل ہونے سے پہلے شروع کی

دو رکعتیں پڑھی جا چکی تھیں تو وہ بعد میں کھڑے ہو کر جب اپنی نماز پڑھے تو ان میں سورت ملائے، نص کا تقاضا یہی ہے، کیوں کہ مقتدی نے جو نماز امام کے ساتھ پڑھی وہ آخری رکعتیں تھیں اور جو بعد میں کھڑے ہو کر پڑھیں وہ شروع کی فوت شدہ رکعتیں تھیں، اس لیے ان میں سورت پڑھے تاکہ اس کی نماز سورتوں سے خالی نہ رہ جائے۔

مقتدی جہری نماز میں سورت نہ پڑھے، ہاں اگر امام سے اتنا دور ہو کہ اس کے کان میں امام کی آواز نہیں آتی یا امام کی آواز سمجھ نہیں آتی یا بہرا ہے تو سورت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں البتہ سری نمازوں میں صحیح یہ ہے کہ سورت پڑھے، کیوں کہ خاموش کھڑے رہنے کے کوئی معنی نہیں۔

مالکیہ کی مشہور روایت اور حنابلہ کا قول یہ ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ جہری نمازوں میں مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے البتہ سری نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے، کیوں کہ قرآن کی تلاوت کے وقت غور سے سننا اور خاموش رہنے کا حکم جہری نمازوں کے ساتھ مختص ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا، کیا ابھی تم میں سے بھی کوئی قراءت کر رہا تھا! ایک آدمی نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا، میں بھی کہوں میں کیوں قرآن سے نزاع کر رہا ہوں؟ پس جب لوگوں نے آپؐ سے یہ بات سنی تو جہری نمازوں میں آپؐ کے پیچھے قراءت کرنے سے رک گئے۔(۵۷) یہ جہری نمازوں میں مقتدی کی قراءت کے مکروہ ہونے کا صریح حکم ہے۔

سری نمازوں میں قراءت کے مستحب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ارشاد نبوی ہے: جب میں آہستہ قراءت کروں تو تم بھی قراءت کرو۔(۵۸)

حنابلہ نے سری نمازوں کے ساتھ ان حالات کو بھی شامل کر لیا ہے جب امام کے دور ہونے یا کسی عذر یا امام کی خاموشی کے باعث مقتدی قراءت نہیں سن رہا، جیسا کہ

شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے، کیوں کہ مقتدی ان تمام حالات میں قراءت نہیں سن سکتا اس لیے سننے کا مقصد حاصل نہیں ہو رہا۔

میرے خیال میں یہی رائے سب سے مناسب ہے اس کے ذریعے اس آیت میں جس میں قرآن سننے کا وجوب ہے اور اس حدیث میں جس میں سری نماز میں قراءت کا حکم ہے اور سری نماز میں خاموشی کی کوئی افادیت نہیں ہے۔ ان سب احکام میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے البتہ مطلقاً سورۂ فاتحہ چھوڑ دینے پر میں مطمئن نہیں ہوں، کیوں کہ حضرت عبادہؓ وغیرہ کی متفق علیہ، متواتر حدیث موجود ہے کہ جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ نماز میں سورۂ فاتحہ کے وجوب کی یہ واضح دلیل ہے اور بظاہر نماز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سرے سے نماز نہیں ہوتی نہ یہ کہ نماز کے کمال اور فضیلت میں فرق پڑتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں ہے اور فرض نماز چاہے جہری ہو یا سری اس میں بسم اللہ نہ پڑھے، نہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ اور نہ کسی دوسری سورت کے ساتھ۔ مالکیہ کے نزدیک بھی دوسرے فقہاء کی طرح اگر سیکھنا ممکن ہو تو سورۂ فاتحہ سیکھنا واجب ہے اور اگر سیکھنا ممکن نہ ہو، مثلاً گونگا ہو یا کوئی استاد موجود نہ ہو یا وقت تنگ ہو تو اگر کوئی درست قراءت کرنے والا موجود ہو تو اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا واجب ہے اگر ایسا نہ کیا تو نماز نہیں ہوگی، اگر ایسا آدمی نہ ملے تو اکیلے نماز پڑھے۔ ہر نمازی جس کو آمین کہنا ہوتا ہے مالکیہ کے نزدیک اس کے لیے آہستہ آمین کہنا مستحب ہے، یہی حنفیہ کی رائے ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے اور اس کی قراءت واجب ہے لیکن آہستہ قراءت کرے بلند آواز سے نہیں۔

شافعیہ کی طرح حنابلہ کے ہاں بھی نمازی کے لیے ضروری ہے کہ سورۂ فاتحہ ترتیب سے اور تشدیدوں کا خیال رکھتے ہوئے بغیر کسی ایسی غلطی کے پڑھے جس سے معنی بدل

جاتے ہوں اگر ترتیب بدل دی یا تشدیدوں کا خیال نہ رکھا یا ایسی غلطی کی جس سے معنی بدل جاتے ہوں، مثلاً ایاک کی کاف کی زیر یا انعمت کی تا پر پیش یا اھدنا کے الف پر زبر پڑھی تو قراءت درست نہیں ہے، ہاں اگر اس کے سوا پڑھ ہی نہ سکتا ہو تو معذور ہے۔ اگر سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے درمیان میں ذکر یا دعا کرنے لگے یا اور کہیں سے قرآن پڑھنے لگے یا تھوڑا وقفہ دیا یا امام کی قراءت کے دوران آمین کہا، اس سے قراءت منقطع نہیں ہوتی۔ مالکیہ کی مستند روایت یہ ہے کہ اگر قراءت میں ایسی غلطی کرے جس سے معنی بدل جائیں تب بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔

سورۂ فاتحہ میں کم از کم یہ ضروری ہے کہ اتنی آواز سے پڑھے کہ خود سن سکے یا اگر سن سکتا ہو تو سن لے جیسا کہ تکبیر تحریمہ میں بھی یہی اصول ہے، اس سے کم آواز میں قراءت نہیں ہوتی۔ مستحب یہ ہے کہ صاف صاف ایک ایک آیت ترتیل سے پڑھے لیکن زیادہ کھینچ کھینچ کر نہ پڑھے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ورتل القرآن ترتیلا [المزمل، ۴:۸۳] (قرآن حکیم ٹھہر ٹھہر کر پڑھو)۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر خود نہ سن سکے تب بھی قراءت درست ہے۔

فقہا کا اجماع ہے کہ عربی کے بغیر کسی اور زبان میں قراءت جائز نہیں (۵۹) اور نہ عربی کے ایک لفظ کو عربی کے ہی دوسرے لفظ سے بدلنا جائز ہے خواہ عربی میں درست قراءت کر سکتا ہو یا نہ، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے قرآنا عربیاً (عربی قرآن، یوسف ۲:۱۲) نیز بلسان عربی مبین (عربی مبین کی زبان میں، الشعراء ۲۶:۱۹۵) چوں کہ قرآن اپنے الفاظ و معانی کے ساتھ معجزہ ہے اگر اس کا کوئی لفظ تبدیل کر دیا جائے تو وہ قرآن نہیں رہتا بلکہ اس کی تفسیر ہو جائے گا اور اصل و تفسیر الگ الگ چیزیں ہوتی ہیں۔ تفسیر اس قرآن کی مانند نہیں ہو سکتی جو معجزہ ہے اور جس کا یہ چیلنج موجود ہے کہ اس طرح کی کوئی سورت لا کر دکھاؤ، البتہ جو شخص عربی زبان میں قراءت سے عاجز ہو اس کے لیے بعض حنفیہ نے

اجازت دی ہے کہ وہ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں قراءت کرسکتا ہے۔(۶۰)

اوپر مذکورہ احادیث کی بنا پر حنابلہ نے بھی شافعیہ کی طرح امام اور مقتدی دونوں کے لیے آمین کہنے کو سنت قرار دیا ہے کہ جہری نمازوں میں امام اور مقتدی دونوں بلند آواز سے آمین کہیں اور سری نمازوں میں آہستہ آواز سے۔

چوتھا رکن۔ رکوع

لغت میں رکوع کے معنی ہیں جھکنا، شرعی اصطلاح میں رکوع سے مراد سر اور پیٹھ کو اکٹھے اس طرح جھکانا ہے کہ ہاتھ یا ہتھیلیاں گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور رکوع کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ اتنا جھکے کہ دونوں ہتھیلیاں گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور کامل رکوع یہ ہے کہ پیٹھ اور گردن کو برابر رکھے (یعنی دونوں کو اس طرح جھکائے کہ دونوں ایک تختے کی طرح برابر ہو جائیں)۔ مسلم کی روایت کے اتباع میں اور دونوں پنڈلیاں اور رانیں کھڑی رکھے، سر کو سرین کے برابر رکھے اور یہی کافی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے گھٹنے پکڑے اور انگلیاں قبلہ کی طرف ہوں اور کھلی ہوئی ہوں۔ سر نہ بلند کرے نہ پست، مرد اپنے بازو پہلوؤں سے الگ رکھے اور عورت بازو پہلوؤں سے ملا کر رکھے، جس شخص کی پیٹھ کبڑی ہو وہ اگر ممکن ہو تو تھوڑا سا زیادہ جھک جائے۔(۶۱)

رکوع کے فرض ہونے کی دلیل ارشاد ربانی ہے: یا یھا الذین امنوا ارکعوا (اے ایمان والو! رکوع کرو، الحج ۲۲:۷۷) جو شخص ٹھیک سے نماز نہیں پڑھ رہا تھا، اس کی حدیث میں ہے: پھر رکوع کرو، حتیٰ کہ رکوع میں اطمینان ہو جائے، نیز رکوع کی فرضیت پر اجماع ہے۔

دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی دلیل ابو حمیدؓ کی حدیث ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کیا کہ: میں نے دیکھا کہ آپؐ نے جب رکوع کیا تو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ٹکا دیے، پھر پشت مبارک جھکا کر ہموار کر دی۔

انگلیوں کو پھیلا کر رکھنے کے حکم کی دلیل ابو مسعود عقبہ بن عامر کی حدیث ہے کہ انہوں نے جب رکوع کیا تو اپنے بازو پہلوؤں سے الگ رکھے اور اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ دیے اور گھٹنوں کے اوپر انگلیاں کھول کر پھیلا دیں اور کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔(۶۲)

سر اونچا اور نیچا نہ رکھنے کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو نہ سر اونچا رکھتے اور نہ نیچا بلکہ درمیان میں رکھتے۔(۶۳) حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو اگر پانی سے بھرا ہوا پیالہ آپ کی پیٹھ پر رکھ دیا جاتا تو وہ ہلتا نہ گرتا یعنی آپ کی پشت اس قدر ہموار ہوتی تھی۔

شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ شرط ہے کہ رکوع میں کسی اور چیز کی نیت نہ ہو، مثلاً کوئی شخص تلاوت کے لیے جھکا اور اس نے اسے رکوع قرار دیا تو درست نہیں ہے۔

رکوع میں اطمینان: رکوع میں اطمینان کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ رکوع کی حالت میں تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ پر اتنی دیر رہے کہ ایک بار تسبیح پڑھ سکے، رکوع، سجدے میں اور ان دونوں سے اٹھنے میں اطمینان کی یہی مقدار حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وارکعوا واسجدوا (رکوع اور سجدہ کرو، الحج ۲۲:۷۷) اس آیت میں اطمینان کا ذکر نہیں کیا اس لیے فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک اطمینان فرض ہے ان کی دلیل اچھی طرح نماز نہ پڑھنے والے کی حدیث ہے جس میں ہے: ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً (پھر رکوع کرو حتیٰ کہ رکوع میں اطمینان ہو جائے)۔ قتادہؒ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے، لوگوں نے پوچھا، نماز میں کیسے چوری ہوتی ہے، آپؐ نے فرمایا، نہ رکوع پورا کرتا ہے نہ سجدہ نہ خشوع کرتا ہے۔(۶۴) نیز آپؐ نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو رکوع اور

سجدے میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں رکھتا (۶۵) البتہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث خبر واحد ہیں، ان سے نص قرآنی: وارکعوا واسجدوا (رکوع اور سجدے کرو، الحج ۲۲:۷۷) پر اضافہ درست نہیں ورنہ اس سے خبر واحد کے ذریعے متواتر (قرآن حکیم) کا نسخ لازم آتا ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک قرآن پر اضافہ نسخ ہے۔ امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اطمینان فرض ہے۔

پانچواں رکن۔ رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہونا:

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی رائے یہ ہے (۶۶) کہ رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا واجب ہے، رکن نہیں ہے، کیوں کہ سیدھا کھڑا ہونا تعدیل ارکان (تمام ارکان اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا) کا تقاضا ہے اور ارشاد ربانی: وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا (رکوع اور سجدہ کرو، الحج ۲۲:۷۷) میں اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا، رکوع صرف جھکنے سے ہو جاتا ہے اور حکم رکوع، سجدے اور قیام کا دیا گیا ہے، دوسرے امور فرض نہیں کیے گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی عمل کہ آپؐ اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاتے اور ٹھیک طرح سے نماز نہ پڑھنے والے کو دیے گئے حکم کہ ’’پھر اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ‘‘ سے اس کا وجوب معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ یہ حکم خبر واحد سے ثابت ہے۔ اگر اسے بھولے سے چھوڑ دے تو سجدۂ سہو کرے اور اگر دانستہ چھوڑ دے تو سخت مکروہ ہے اور وقت میں نماز کا اعادہ کرے جس سے پہلی نماز کی کمی پوری ہو گی، کیوں کہ فرض نماز بار بار نہیں پڑھی جاتی۔

یاد رہے کہ حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ قومہ (رکوع سے کھڑا ہونا) اور جلسہ (دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا) اور ان میں تعدیل سنت ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ واجب ہے اور وجوب کا قول دلائل کے مطابق ہے، یہی درست ہے اور یہی کمال بن الہمام اور متاخرین حنفیہ کی رائے ہے۔

امام ابو یوسف اور دوسرے ائمہ کی رائے یہ ہے(٦٧) کہ رکوع سے سیدھا اطمینان سے کھڑے ہو جانا نماز کا رکن ہے یا فرض ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رکوع میں جانے سے پہلے جس ہیئت میں تھا، اسی میں واپس آ جائے خواہ کھڑا تھا، بیٹھا تھا یا عاجز ہونے کی صورت میں جس طرح بھی نماز پڑھ رہا تھا، یہی مقصد ہے۔ اگر کسی سانپ وغیرہ کے خوف سے سیدھا کھڑا ہو گیا تو شافعیہ کے نزدیک یہ عمل رکوع سے کھڑا ہونے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

اگر سجدہ کر لیا اور جلسے میں اطمینان سے نہیں بیٹھا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی بلکہ باطل ہو گئی، کیوں کہ اس نے نماز کے ارکان میں سے ایک رکن چھوڑ دیا، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح نماز نہ پڑھنے والے کو فرمایا۔ ''پھر اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔'' اور کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ قومہ میں تعدیل فرمائی اور فرمایا جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھیک طرح سے نماز نہ پڑھنے والے کے عمل کو نماز نہ قرار دینا اور دوسری سب باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ تعدیل ارکان نماز کا رکن ہے اور رکوع سے اٹھنا تعدیل ارکان میں شامل اور اس کا لازمی جز ہے۔

چھٹا رکن۔ ہر رکعت میں دو سجدے کرنا:

لغت میں سجدہ عاجزی، ذلت اختیار کرنا، پست ہونا اور جھکنا کے معنی میں آتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں سجدہ کم از کم یہ ہے کہ نمازی اپنی کھلی پیشانی کا کچھ حصہ زمین پر یا کسی اور چیز پر رکھے، کیوں کہ حدیث میں ہے'' جب سجدہ کرو تو پیشانی زمین پر ٹکا دو اور ٹھونگیں نہ مارو''۔ (٦٨) خباب بن ارتؓ کی حدیث میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ گرمی سے ہماری پیشانیاں اور ہتھیلیاں جل جاتی ہیں لیکن آپؐ نے ہماری شکایت کی پروا نہیں کی(٦٩) پورا سجدہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پورے، دونوں گھٹنے،

دونوں پاؤں، پیشانی اور ناک زمین پر رکھ دیے جائیں۔

سجدہ کرنا بالاجماع فرض ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: یاایھا الذین امنوا ارکعوا و اسجدوا (اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو، الحج ۲۲:۷۷)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز میں سجدہ کرتے اور آپؐ نے ٹھیک طرح سے نماز نہ پڑھنے والے سے فرمایا: ’’پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ سجدہ میں مطمئن ہو جاؤ، پھر اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر سجدہ کرو تا آنکہ سجدے میں مطمئن ہو جاؤ‘‘، نیز سجدے پر امت کا اجماع ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۷۰) واجب یہ ہے کہ پیشانی کے جس حصے پر سجدہ کرنا آسان ہے یعنی بھنوؤں سے اوپر دونوں کناروں کے درمیان کی جگہ، اس پر سجدہ کرے اور ساری پیشانی زمین کے ساتھ لگا دینا اور ٹکا دینا مستحب ہے اور سجدے میں ناک بھی زمین پر رکھنا مستحب ہے۔ اگر ناک زمین پر نہیں رکھی تو نماز کے ضروری وقت (ظہر اور عصر کے لیے سورج زرد ہونے سے پہلے، مغرب اور عشاء کے لیے طلوع فجر سے پہلے اور صبح میں سورج نکلنے سے پہلے) کے اندر نماز کا اعادہ کرے تاکہ جو فقہاء ناک پر سجدہ کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں ان کی رعایت ہو سکے۔ اگر ناک کو چھوڑ کر صرف پیشانی پر سجدہ کیا تو درست نہیں ہے لیکن مالکی مذہب کا مشہور قول یہ ہے کہ صرف پیشانی پر سجدہ کرنا جائز ہے، صرف ناک پر جائز نہیں۔ اگر پیشانی زمین پر نہ ٹیک سکتا ہو، مثلاً پیشانی پر زخم ہوں جو سجدہ کرنے سے درد کرتے ہوں تو اشارے سے سجدہ کرے۔

شافعیہ، حنفیہ اور حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر بھیڑ کی وجہ سے زمین پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو اور نماز امام کے ساتھ ادا کی جا رہی ہو تو انسان، سامان، جانور وغیرہ جو چیز سامنے ہو اس پر سجدہ کر لے، کیوں کہ بیہقی نے صحیح سند سے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ’’جب بھیڑ زیادہ ہو جائے تو اپنے بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کر لو‘‘۔

دونوں ہاتھوں، گھٹنوں اور پاؤں کی انگلیوں پر سجدہ کرنا سنت ہے۔ اس کی دلیل عباسؓ

بن عبدالمطلب کی حدیث ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بندہ جب سجدہ کرے تو سات اعضاء پر سجدہ کرے: چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔(۷۱)

علماء کا اتفاق ہے (۷۲) کہ پورا سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے: چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے کنارے، کیوں کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: پیشانی اور ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔(۷۳) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ بال اور لباس نہ سمیٹیں (۷۴) پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔ بال اور کپڑے نہ سمیٹنے سے مراد یہ ہے کہ بال اور کپڑے زمین کو لگنے سے نہ بچائے تاکہ مغرور لوگوں سے مشابہت نہ ہو۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ پیشانی اور ناک دونوں پر سجدہ کرنا مستحب ہے اور ابن المنذرؒ نے بتایا ہے کہ صحابہ کا اجماع ہے کہ صرف ناک پر سجدہ نہیں ہوتا۔

حنفی اور دوسرے فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر سجدے میں صرف پیشانی زمین پر ٹیک دی اور ناک نہیں لگائی تو جائز ہے لیکن امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ نمازی کو اختیار ہے کہ چاہے پیشانی پر سجدہ کرے چاہے ناک پر البتہ اگر کسی ایک پر اکتفا کیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ ان کی دلیل اوپر مذکور ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے پیشانی کا ذکر کیا اور ناک کی طرف اشارہ کیا، نیز قرآن میں سجدے کا حکم ہے کہ واسجدوا (سجدہ کرو، الحج، ۲۲:۷۷) اور جس سجدے کا حکم ہے وہ یہ ہے کہ چہرے کا جو حصہ سجدے کی جگہ ہے اس کا کچھ حصہ زمین پر رکھ دینا، اس پر اجماع ہے۔ اور صرف ناک رکھنے سے یہ مفہوم پورا ہو جاتا ہے۔ کسی اور چیز کا اس پر اضافہ کرنے کی شرط لگانا خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر اضافے کے مترادف ہے، اس لیے ضروری ہے کہ جس طرح صرف پیشانی پر اکتفا جائز ہے صرف ناک پر اکتفا بھی جائز

ہو۔ البتہ ٹھوڑی اور رخساروں کا یہ حکم نہیں ہے، کیوں کہ وہ اجماعاً سجدے کے اعضاء نہیں ہیں البتہ سجدے میں پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر ٹکانا ان کے نزدیک واجب ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

صاحبین کی رائے یہ ہے کہ بلا عذر صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں پیشانی کو ان سات اعضاء میں شمار کیا گیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک راجح قول یہی ہے۔

سجدے میں دونوں ہاتھ اور گھٹنے زمین پر رکھنا حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، کیوں کہ ان کے بغیر بھی سجدہ ہوسکتا ہے البتہ سجدے میں دونوں پاؤں زمین پر رکھنا فرض ہے جیسا کہ امام قدوری نے ذکر کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک پیشانی کا کوئی سا حصہ خواہ تھوڑا سا ہو زمین پر رکھنے سے سجدہ ہو جاتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک پیشانی کا اکثر حصہ زمین پر رکھنا واجب ہے اور دونوں پاؤں کی ایک انگلی زمین پر رکھنے سے سجدے کا فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن اگر زمین پر پاؤں کا کوئی حصہ نہیں لگتا تو سجدہ درست نہیں ہے۔

دوسرا سجدہ امر تعبدی ہے۔ امر تعبدی کا مطلب یہ ہے کہ عقل کے ذریعے اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ یہ اکثر حنفی مشائخ کا قول ہے اور اس حکم کا مقصد بندے کی فرماں برداری کی آزمائش ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی پگڑی کے بل پر یا کپڑے کے کنارے پر سجدہ کیا تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے البتہ بلاعذر مکروہ ہے کیوں کہ حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت گرمی میں نماز پڑھتے تھے، جب ہم میں سے کوئی اپنی پیشانی زمین پر نہ رکھ سکتا تو اپنا کپڑا پھیلا لیتا اور اس پر سجدہ کرتا (۷۵)۔ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ سجدے میں گھٹنے ننگے کرنا واجب نہیں تاکہ ستر نہ کھل جائے، ایسے ہی ہاتھ اور پاؤں ننگے رکھنا بھی ضروری نہیں تاہم اختلاف سے

بچنے کے لیے ان کو ننگا رکھنا مسنون ہے۔

ہاتھ ننگے نہ کرنے کا جواز عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ کی حدیث ہے۔ وہ کہتے ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں آئے اور آپؐ نے بنو اشہل کی مسجد میں ہمیں نماز پڑھائی، میں نے دیکھا کہ سجدے میں آپ نے اپنے ہاتھ کپڑے کے اندر رکھے ہوئے تھے''۔(۷۶)

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی ایسے کپڑے پر سجدہ کیا جو بدن سے لگا ہوا ہے، مثلاً لمبی آستین کا یا عمامے کا کنارہ ہے لیکن نمازی کے حرکت کرنے سے ہلتا نہیں ہے تو اس پر سجدہ جائز ہے، کیوں کہ وہ الگ کپڑے کے حکم میں ہے، اگر کپڑا نمازی کے اٹھنے بیٹھنے سے حرکت کرتا ہے، مثلاً کندھے کا رومال وغیرہ تو سجدہ اس پر جائز نہیں، اگر دانستہ اور علم ہوتے ہوئے اس پر سجدہ کیا تو نماز باطل ہوگئی اور اگر بھولے سے یا غلطی سے اس پر سجدہ کیا تو نماز باطل نہیں ہوگی، سجدے دوبارہ کرے۔ اگر اپنے لباس کے کنارے پر سجدہ کرلیا لیکن نمازی کے حرکت کرنے سے وہ کپڑا ہلتا نہیں ہے تو نماز جائز ہے۔ جن احادیث میں عمامے کے بل پر سجدہ کرنے کا تذکرہ ہے، شافعیہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے یا یہ کہا ہے کہ عذر کی حالت میں ایسا ہوا ہوگا۔(۷۷)

شافعیہ اور حنابلہ متفق ہیں کہ اوپر مذکور حدیث میں آنے والے تمام سات اعضاء پر سجدہ کرنا واجب ہے اور شافعیہ کے نزدیک پیشانی کے ساتھ ناک زمین پر رکھنا مستحب ہے جب کہ حنابلہ کے نزدیک ناک کا کچھ حصہ زمین سے لگانا واجب ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ سجدے میں شرط ہے کہ ہاتھوں کا اندر کا حصہ اور پاؤں کی انگلیوں کا اندر کا حصہ زمین سے لگے، یعنی مذکورہ سات اعضاء میں سے ہر عضو کا کوئی نہ کوئی جز زمین پر لگے جیسا کہ پیشانی کا کچھ حصہ زمین پر لگنا ضروری ہے۔ ہاتھوں میں اندر کے حصہ کا اعتبار ہے، چاہے انگلیاں لگیں یا ہتھیلیاں اور پاؤں میں انگلیوں کے اندر کے حصے کا، اگر پاؤں کی پشت یا کنارہ

زمین سے لگایا تو سجدہ درست نہیں ہوگا۔

سجدے میں اطمینان: نمازی کا اطمینان سے سجدے کرنا واجب ہے۔ اطمینان یا تعدیل ارکان جمہور کے نزدیک فرض ہے اور حنفیہ کے نزدیک واجب، کیوں کہ ٹھیک طرح سے نماز نہ پڑھنے والے کی حدیث میں ہے'' پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ سجدے میں مطمئن ہو جاؤ''۔ شافعیہ کے نزدیک یہ بھی واجب ہے کہ سر کا بوجھ زمین پر رکھ دے، اس کی دلیل اوپر مذکور حدیث ہے کہ: جب سجدہ کرو تو پیشانی زمین پر ٹکا دو، اس کا مطلب یہ ہے کہ فرض کریں نمازی کے نیچے روئی یا نرم گھاس ہو تو وہ دبے نہیں اور اس کا اثر نمازی کے ہاتھوں پر ظاہر ہو۔

اوپر کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ سجدہ درست ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ سجدے میں اطمینان ہو، شافعیہ کے نزدیک پیشانی کھلی ہو، یہ جمہور کے نزدیک شرط نہیں ہے اور سجدہ بالاتفاق پیشانی پر کیا جائے، حنفیہ نے اس کے ساتھ دونوں پاؤں اور شافعیہ اور حنابلہ نے دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں جب کہ حنابلہ نے ناک کو بھی شامل کیا ہے۔ سجدہ ایسی چیز پر ہونا چاہیے جس پر نمازی کی پیشانی ٹک جائے۔ یعنی نمازی کے اعضاء کے باعث وہ چیز جس پر سجدہ کر رہا ہے دب جائے ہاں اگر بھیڑ ہو تو دوسرے نمازی کی پیٹھ پر سجدہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ شافعیہ اور حنفیہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ سجدے کی نیت ہو اگر کوئی شخص منہ کے بل گر جائے تو اس کے لیے واجب ہے کہ اطمینان اور تعدیل سے سجدہ کرے۔

جمہور کے نزدیک سجدے کا طریقہ یہ ہے کہ نمازی پہلے زمین پر اپنے دو گھٹنے رکھے، پھر دونوں ہاتھ، پھر پیشانی اور ناک جب کہ اٹھتے ہوئے پہلے چہرہ اٹھائے، پھر دونوں ہاتھ، پھر دونوں گھٹنے، کیوں کہ وائل بن حجرؓ کی روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا کہ آپؐ نے ہاتھ رکھنے سے پہلے

اپنے گھٹنے زمین پر رکھے اور جب اٹھے تو پہلے ہاتھ اٹھائے، پھر گھٹنے۔(۷۸) خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے جو آگے مذہب مالک میں بیان ہو گی۔ اگر یہ ترتیب بدل دے تو سنت کی مخالفت ہے لیکن نماز درست ہو گی۔اگر معذور ہو تو معافی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ سجدے میں جاتے ہوئے پہلے ہاتھ زمین پر رکھے پھر گھٹنے اور سجدے سے کھڑے ہوتے ہوئے پہلے گھٹنے اٹھائے اور پھر ہاتھ۔ کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ پہلے ہاتھ زمین پر رکھے پھر گھٹنے۔(۷۹) ابن سید الناس کہتے ہیں پہلے ہاتھ اور پھر گھٹنے رکھنے کی حدیث زیادہ راجح ہے۔

نووی نے درمیان کی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی ایک مذہب کی ترجیح واضح نہیں ہے۔

نماز کی جگہ:

مالکیہ کے نزدیک زمین اور زمین سے اگنے والی اشیاء کے علاوہ اور کسی چیز پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اگر زمین کے اور نمازی کے درمیان برف ہو تو برف پر یا برف پر کچھ بچھا کر نماز جائز ہے بشرطیکہ وہ چیز ایسی ہو کہ اس کا حجم ہو اور اس پر سجدہ کے اعضاء ٹک سکتے ہوں جیسا کہ اگر گھاس یا دھنی ہوئی روئی پر نماز پڑھے تو اگر اس کا حجم ہے تو نماز درست ہے اور اگر حجم نہیں ہے تو درست نہیں، کیوں کہ اس پر پیشانی نہیں ٹک سکتی۔(۸۰)

ساتواں رکن: دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا (جلسہ)

دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھ جانا جمہور کے نزدیک رکن اور حنفیہ کے

نزدیک واجب ہے، (۸۱) کیوں کہ ٹھیک طرح سے نماز نہ پڑھنے والے کی حدیث میں آیا ہے: ''پھر سجدے سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ'' صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدے سے سر اٹھاتے تو دوسرا سجدہ نہیں کرتے تھے جب تک کہ ٹھیک طرح سے بیٹھ نہ جاتے۔

شافعیہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ سجدے سے اٹھنے کے علاوہ اور کوئی نیت نہ ہو، اگر کوئی شخص گھبرا کر اٹھ بیٹھا تو درست نہیں ہے۔ نیز جلسہ کو اور تعدیل کو طول نہ دے، کیوں کہ یہ دونوں مختصر رکن ہیں جو بذات خود مقصود نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد دو سجدوں کو الگ الگ کرنا ہے۔

سجدے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھے کہ بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں نیچے سے نکال کر کھڑا کر لے اور اس پر بوجھ ڈال کر اس کی انگلیاں قبلہ رو موڑ لے تاکہ سنت کی پیروی ہو جائے اس کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے طریقے میں آئے گی کہ آپؐ نے بایاں پاؤں موڑ کر بچھا لیا اور اس پر اطمینان سے بیٹھ گئے حتیٰ کہ ہر جوڑ اپنی جگہ پر آ گیا، پھر دوسرا سجدہ کیا، حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں بچھا لیتے اور دایاں کھڑا کر لیتے۔ (۸۲)

دونوں ہاتھ انگلیاں کھلی رکھتے ہوئے دونوں رانوں میں گھٹنوں کے قریب اس طرح رکھے کہ دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں بائیں ران پر۔

آٹھواں رکن۔ تشہد کی مقدار آخری قعدہ:

حنفیہ کی صحیح روایت کے مطابق اتنی دیر بیٹھنا فرض ہے کہ عبدہ و رسولہ تک تشہد پڑھا جا سکے۔ اگر مقتدی امام سے پہلے فارغ ہو جائے اور بات کر لے یا کھا پی لے تو اس کی نماز مکمل ہو جاتی ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اتنی دیر بیٹھنا اور تشہد پڑھنا اور

اللھم صل علیٰ محمد تک درود شریف پڑھنا رکن ہے اور مالکیہ کے نزدیک تشہد کی اور سلام کی مقدار بیٹھنا رکن ہے۔(۸۳) یاد رہے کہ پہلا اور دوسرا تشہد پڑھنا حنفیہ کے نزدیک واجب اور جمہور کے نزدیک پہلا تشہد سنت ہے اور دوسرے تشہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک سنت ہے۔

حنفیہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تشہد سکھانے کے بعد فرمایا: جب تم یہ کہہ چکو یا کر چکو تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی۔(۸۴) یعنی جب تم تشہد پڑھ چکو یا اتنی دیر بیٹھ چکو تو تمہاری نماز مکمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تکمیل کو اتنی دیر بیٹھنے سے مشروط کر دیا، خواہ تشہد پڑھے یا نہ پڑھے، کیوں کہ آپؐ نے تشہد پڑھنے اور بیٹھنے دونوں میں سے کوئی ایک شرط عائد کی اور بیٹھے بغیر تشہد نہیں پڑھا جاتا، کیوں کہ آپؐ نے کبھی بیٹھے بغیر تشہد نہیں پڑھا، گویا درحقیقت نماز کی تکمیل تشہد کی مقدار بیٹھنے سے مشروط ہے، کیوں کہ تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھنا ضروری ہے، جب ایک چیز دوسری سے مشروط کر دی جائے تو اس کے بغیر نہیں پائی جاتی۔ چوں کہ نماز کی تکمیل واجب یا فرض ہے اور نماز آخری قعدہ میں بیٹھے بغیر مکمل نہیں ہوتی اس لیے آخری قعدہ بھی فرض یا واجب ہے، کیوں کہ جس کام کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو وہ کام بھی واجب ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ابن مسعودؓ کی حدیث خبر واحد ہے اس سے فرضیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خبر واحد کتاب اللہ کے مجمل کا بیان ہے اور بیان اگر ظنی ہو تب بھی اس سے فرضیت ثابت ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس سورۂ فاتحہ کی نماز میں فرضیت اس لیے نہیں ثابت ہوتی کہ نماز میں قراءت کا حکم قرآن میں موجود ہے اور وہ مجمل نہیں بلکہ خاص ہے، اس پر خبر واحد کے ذریعے اضافہ کرنا قرآن کو منسوخ کرنے کے مترادف ہے جو درست نہیں۔

مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ تشہد اور تشہد کی مقدار بیٹھنا اس لیے واجب نہیں کہ اگر کوئی بھول جائے تو پھر بھی اس کی نماز ہو جاتی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ سنتوں کے مشابہ ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قعدہ فرمایا اور آپؐ ہمیشہ بیٹھتے رہے اور ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اس کا حکم دیا اور فرمایا: ''التحیات للہ پڑھو''۔(۸۵) اور جب کبھی آپؐ بھول گئے تو آپؐ نے سجدۂ سہو کیا، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:'' جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اس طرح نماز پڑھو''۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ تشہد فرض ہونے سے پہلے ہم کہا کرتے تھے بندوں کی طرف سے اللہ پر سلام، جبریل پر سلام، میکائیل پر سلام، فلاں پر سلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نہ کہا کرو اللہ پر سلام، اللہ تو خود سلام ہے بلکہ یوں کہا کرو: ''التحیات للہ...... الخ''(۸۶)

اس حدیث سے دو طرح استدلال کیا گیا ہے:

ایک یہ کہ اس میں تشہد فرض ہونے کا لفظ استعمال کیا گیا، دوسرے یہ کہ اس کا حکم دیا گیا اور اسے قعدہ اخیرہ میں پڑھنے کا حکم دیا گیا، رہا اس کے لیے بیٹھنا تو وہ تشہد پڑھنے کا موقع ہے اس لیے اس کے تابع ہے۔

رہا آخری تشہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا معاملہ تو علماء کا اجماع ہے کہ نماز کے علاوہ درود واجب نہیں ہے، پس یہ متعین ہو گیا کہ نماز میں ہی واجب ہے، نیز حدیث میں آتا ہے، صحابہ نے پوچھا، یا رسول اللہ، ہمیں معلوم ہے کہ آپؐ کو سلام کیسے کریں لیکن آپؐ پر درود کیسے بھیجا جائے؟ آپؐ نے فرمایا: کہو اللھم صلّ علیٰ محمد و علیٰ آل محمد ...... الخ(۸۷) ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے پوچھا، جب ہم نماز میں آپؐ پر درود بھیجنا چاہیں تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا''یوں

کہو......الخ'' (۸۸) نماز کے آخر میں تشہد میں ہی آپؐ پر درود بھیجنے کا مناسب موقع ہے، اس لیے اس موقع پر درود پڑھنا واجب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود وتر میں اپنے آپ پر درود بھیجا، جیسا کہ ابوعوانہ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ اور واجب قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ''جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو'' اور اس حکم کو واجب کے درجے سے نکالنے والی کوئی شے نہیں ہے۔ درود کے واجب ہونے کی ایک دلیل حضرت علیؓ کی روایت ہے جسے ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے، جس میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے'' اور تشہد میں آپؐ کا تذکرہ ہے۔ درود کے واجب ہونے کی سب سے قوی دلیل ابن مسعودؓ کی حدیث ہے جسے حاکم اور بیہقی نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی بھی نماز میں تشہد پڑھے تو یوں کہے: اللھم صلّ علیٰ محمد''۔

شافعیہ کے نزدیک پہلے تشہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا سنت ہے آپؐ کی آل پر بھیجنا سنت نہیں ہے، کیوں کہ پہلے تشہد میں تخفیف ملحوظ رکھی گئی ہے آخری تشہد میں آپؐ کی آل پر (بنو ہاشم اور بنو مطلب) پر درود بھیجنا بھی سنت ہے ایک قول یہ ہے کہ دوسرے تشہد میں واجب ہے، کیوں کہ اوپر مذکورہ حدیث میں ہے: کہو: ''اللھم صلّ علیٰ محمد و علی آل محمد'' اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔

بیٹھنے کا طریقہ:

حنفیہ کے نزدیک تشہد میں بیٹھنے کا وہی طریقہ ہے جو دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں بایاں پاؤں بچھاتے ہوئے بیٹھنے کا طریقہ ہے جو ہم نے بیان کر دیا، تشہد خواہ آخری ہو یا درمیان کا۔ ان کی دلیل ابوحمید ساعدی کی حدیث ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقے کے بارے میں روایت کی کہ آپؐ تشہد کے لیے بیٹھ گئے۔ آپؐ

نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور دایاں پاؤں کھڑا کر کے قبلہ رو کر دیا۔(۸۹) وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں مدینہ گیا تا کہ دیکھوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیسے پڑھتے تھے۔ جب آپ تشہد کے لیے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا لیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیا۔(۹۰)

مالکیہ کہتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے تشہد دونوں میں سرین زمین پر ٹیک کر بیٹھے،(۹۱) کیوں کہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے درمیان میں اور آخر میں اسی طرح بیٹھتے تھے۔(۹۲)

حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ دوسرے تشہد میں سرین ٹیک کر بیٹھنا سنت ہے۔ بایاں پاؤں دائیں طرف سے نکال کر سرین زمین پر ٹیک کر بیٹھ جائے۔ اس کی دلیل ابو حمید الساعدی کی حدیث ہے کہ: جب آپ نماز کی آخری رکعت میں ہوتے تو بایاں پاؤں پیچھے کر لیتے اور ایک طرف زمین پر ٹیک کر بیٹھ جاتے، پھر سلام پھیرتے۔(۹۳) اس طرح بیٹھنے کو تورک کہتے ہیں۔ نماز میں تورک کا مطلب ہے بائیں سرین زمین پر ٹیک کر بیٹھ جانا۔ رانوں سے اوپر جو جگہ ہوتی ہے اسے ورکان: (دوسرینیں) کہتے ہیں جیسے کہ بازو کا آخری حصہ کعبین (کندھوں کے ساتھ کی جگہ) کہلاتا ہے۔ حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ صبح کی نماز کے تشہد میں سرین پر نہ بیٹھے، کیوں کہ وہ دوسرا تشہد نہیں ہے۔ ابو حمید کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور دوسرے تشہد میں فرق کرنے کے لیے دوسرے تشہد میں اس طرح بیٹھتے تھے۔ جن نمازوں میں صرف ایک تشہد ہو وہاں اشتباہ نہیں ہوتا، اس لیے فرق کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسرے تشہد میں سرین پر بیٹھنا جمہور کے نزدیک سنت ہے حنفیہ کے نزدیک نہیں۔

تشہد کے الفاظ:

تشہد کے الفاظ دو طرح سے منقول ہوئے ہیں:

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک (۹۴) تشہد یہ ہے: التحیات للہ والصلوات والطیبات، السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ، السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین، اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ

(میری تمام زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں، اے نبیؐ! آپؐ پر اللہ کا سلام، رحمت و برکتیں ہوں، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں)۔

یہ وہ تشہد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سکھایا۔(۹۵)

امام مالک کہتے ہیں کہ بہترین تشہد حضرت عمرؓ بن الخطاب کا تشہد ہے:

التحیات للہ الزاکیات للہ الصلوات للہ (میری زبانی، مالی اور بدنی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں) اس کے بعد وہی الفاظ ہیں جو عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد میں ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک (۹۶) کم از کم تشہد یہ ہے: التحیات للہ، سلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ، سلام علینا و علی عباداللہ الصالحین، اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ اور مکمل تشہد وہ ہے جو ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس طرح تشہد بھی سکھاتے تھے جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھایا کرتے تھے، وہ یہ ہے: التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ (ہماری بابرکت زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں) السلام علیک ایھا

النبی ورحمة الله و بركاته، السلام علينا و على عبادالله الصالحين، اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول اللهؐ(۹۷)

تشہد کے الفاظ کے معانی:

التحیات لله کے معنی یہ ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو مالک ہے اور مخلوق کی تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ التحیات ،تحیۃ کی جمع ہے اس سے مراد بقا، عظمت اور بادشاہت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تحیات سے سلام مراد ہے۔

المبارکات : بڑھنے والی، الصلوات: پانچ نمازیں اور دوسری بدنی عبادتیں، الطیبات: اچھے اعمال، السلام: اللہ کا نام ہے، یا مراد یہ ہے کہ وہ سلامتی جو تمام انبیاء اور رسولوں کو ملی ہے وہ آپؐ کی طرف متوجہ ہو۔علینا: ہم لوگ جو امام مقتدی اور ملائکہ وغیرہ موجود ہیں۔ عباد: عبد کی جمع ہے بندے، الصالحین: صالح کی جمع ہے نیکوکار، جو اللہ کے اور بندوں کے حقوق ادا کرے، رسول الله: جو اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچائے۔ اس کا نام تشہد اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں دوشہادتیں (یعنی توحید و رسالت کی گواہی) ہیں۔

آخری تشہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جو کم از کم درود آخری تشہد میں رکن ہے وہ ''اللھم صلّ علی محمد'' ہے، کیوں کہ آیت یا ایھا الذین آمنوا صلّوا علیه وسلموا تسلیما(۹۸) [اے ایمان والو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجو، الاحزاب ۵۶:۳۳] کے ظاہر کا تقاضا یہی ہے۔ یہ آیت درود کے واجب ہونے کی دلیل ہے، کیوں کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے جب کہ تشہد میں السلام علیک ایھا النبی کہہ کر آپؐ پر سلام بھیج دیتے ہیں۔ آپؐ کی آل پر درود بھیجنا سنت ہے۔

مکمل ترین درود یہ ہے: اللھم صلّ علیٰ محمد و علی آل محمد کما

صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید (اے اللہ! محمد اور آل محمد پر رحمت نازل فرما جیسے تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل کی اور محمد اور آل محمد کو برکت عطا فرما جیسے تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم کو برکت عطا کی، بے شک تو لائق ستائش، عزت والا ہے)

بخاری اور مسلم سے درود کے یہ الفاظ ثابت ہیں بلکہ کعب بن عجرہؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو ہم نے کہا، یا رسول اللہ! اللہ نے ہمیں سکھایا ہے کہ آپؐ کو کیسے سلام کریں، لیکن ہم آپؐ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپؐ نے فرمایا، کہو: اللھم صلّ علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی آل ابراھیم انک حمید مجید و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔(۹۹)

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا سنت ہے، اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

عربی میں تشہد پڑھنا

تشہد تسلسل سے پڑھنا اور نماز کے تمام دوسرے مسنون اذکار کی طرح عربی میں پڑھنا شرط ہے۔ جو کوئی عربی میں تشہد اور درود پڑھ سکتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی اور زبان میں پڑھے جیسا کہ تکبیر اور قراءت میں ہم نے بتایا۔ اگر کوئی شخص وقتی طور پر عاجز ہے تو جب تک عربی میں سیکھ نہ لے اپنی زبان میں پڑھے، جیسا کہ گونگے کے لیے یہی حکم ہے جو کوئی عربی میں تشہد اور درود سیکھنے پر قادر ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ سیکھے، کیوں کہ یہ فرض عین ہے اور قراءت کی طرح ضروری ہے۔ اگر عربی میں سیکھ سکتا تھا لیکن سیکھے بغیر نماز پڑھ لی تو نماز نہیں ہوئی، اگر وقت نکل جانے کا خوف ہے یا سیکھنے سے عاجز آ گیا

ہے تو جس قدر ممکن ہو پڑھ لے، ضرورت کے تحت وہی کافی ہے اگر بالکل نہیں پڑھ سکتا تو پھر مکمل معافی ہے۔(۱۰۰)

نواں رکن۔ سلام

قعدہ میں بیٹھے ہوئے نماز ختم کرنے کے لیے پہلا سلام مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک فرض ہے اور حنابلہ کے نزدیک دونوں سلام فرض ہیں۔(۱۰۱) البتہ نماز جنازہ، نوافل، سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر سے ایک سلام سے نکل سکتا ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک پہلے سلام سے نماز ختم ہو جاتی ہے، حنابلہ کے نزدیک دوسرے سلام سے۔

ان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: نماز کی کنجی طہارت، اس کا آغاز تکبیر اوراس کا اختتام سلام ہے،(۱۰۲) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز ختم کرنے کے لیے سلام پھیرتے تھے(۱۰۳) اور کبھی آپؐ نے اسے چھوڑا نہیں اور آپؐ کا ارشاد ہے: ''جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اس طرح نماز پڑھو''(۱۰۴) ابن المنذر کہتے ہیں، جن اہل علم سے میں نے استفادہ کیا ہے ان کا اس امر پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے ایک سلام پر اکتفا کیا تو جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک(۱۰۵) سلام فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے اور دونوں سلام واجب ہیں۔ اگر تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد سلام یا گفتگو یا کسی کام یا وضوتوڑنے سے نماز سے نکل آیا تو نماز ہوگئی۔ فرض یہ ہے کہ نمازی اپنے ارادے سے نماز سے نکلے، کیوں کہ حضرت ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے: جب تو نے یہ کر لیا تو تیری نماز مکمل ہو گئی، نیز جو شخص ٹھیک طرح سے نماز نہیں پڑھ رہا تھا اس کی حدیث میں سلام کا ذکر نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک پہلے سلام کا لفظ ''السلام'' کہتے ہی ''علیکم'' سے پہلے نماز ختم ہو جاتی ہے۔

سلام کے فرض نہ ہونے کی اور یہ کہ نماز کے آخر میں تشہد کی مقدار بیٹھنا ہی فرض

ہے، دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام نماز پڑھ کر آخری قعدہ بیٹھ چکے پھر بات کرنے سے پہلے اس کا وضوٹوٹ جائے تو اس کی نماز بھی مکمل ہو گئی اور جو لوگ پیچھے ہیں ان میں سے جنہوں نے نماز پوری کر لی ان کی بھی مکمل ہو گئی۔(۱۰۶) ابن عباسؓ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تشہد سے فارغ ہونے کے بعد جس کا وضوٹوٹ گیا، اس کی نماز مکمل ہو گی۔(۱۰۷)

سلام کے الفاظ:

حنیفہ کے نزدیک سلام کے الفاظ میں جو کم ،ر م واجب ہے وہ دوبار السلام کہنا ہے علیکم کہنا واجب نہیں ہے، اور کامل ترین سلام جو سنت ہے وہ دوبار السلام علیکم و رحمة اللہ کہنا ہے۔

امام دونوں طرف سلام پھیرتے ہوئے دائیں بائیں موجود فرشتوں اور مسلمان انسانوں اور جنوں کی نیت کرے، سلام کے الفاظ لمبے نہ کرے اور جلدی ادا کرے، کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے جو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ مختصر سلام سنت ہے، ابن مبارک کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلام کے الفاظ کو لمبا کر کے کھینچ کر ادا نہ کرے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کم از کم سلام جو مکمل سلام کافی ہوتا ہے السلام علیکم ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ایک بار اور حنابلہ کے نزدیک دوبار دائیں اور بائیں السلام علیکم ورحمة اللہ ہے، پہلے سلام پر دائیں طرف رخ کرے تاکہ نمازی کا دایاں رخسار نظر آئے اور دوسرے پر بائیں طرف اور سلام پھیرتے ہوئے دائیں اور بائیں طرف کے ملائکہ، انسانوں اور جنوں کو سلام کرنے کی نیت کرے اور امام ان کے علاوہ

مقتدیوں کو سلام کرنے کی بھی نیت کرے اور مقتدی امام کو جواب دینے کی اور دوسرے مقتدی جنہوں نے سلام کیا ہے انہیں جواب دینے کی نیت کریں امام شافعی کے نزدیک امام کے دائیں جانب مقتدی دوسرے سلام میں جواب دینے کی نیت کرے اور جو بائیں جانب ہیں وہ پہلے سلام میں اور جو پیچھے یا آگے ہیں وہ جس سلام میں چاہیں امام کی نیت کر لیں۔

اس کی دلیل حضرت سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم امام کے سلام کا جواب دیں، ایک دوسرے سے محبت کریں اور ایک دوسرے کو سلام کیا کریں۔(۱۰۸)

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر امام مقتدی کے دائیں طرف ہے تو مقتدی پہلے سلام میں امام کی نیت کرے اور اگر بائیں جانب ہے تو دوسرے سلام میں اور اگر برابر پیچھے ہے تو دونوں سلاموں میں اور اکیلا نمازی صرف ملائکہ کو سلام کرنے کی نیت کرے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وبرکاتہٗ کا اضافہ مستحب نہیں ہے، ان کی دلیل وہی ہے جو حنفیہ کی دلیل ہے یعنی حضرت ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں سلام پھیرتے اور کہتے السلام علیکم و رحمۃ اللہ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ حتیٰ کہ آپؐ کے رخساروں کی سفیدی نظر آتی۔

اگر سلام کو الٹ کر علیکم السلام کہے تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ صحیح روایت یہ ہے کہ سلام علیکم کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

سلام کے ساتھ نماز سے نکلنے کی نیت:

شافعیہ کے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ نماز سے نکلنے کے لیے نیت واجب نہیں ہے۔ انہوں نے نماز کو دوسری تمام عبادات پر قیاس کیا ہے۔ نیز سابقہ نیت ساری نماز کے ساتھ ساتھ چلتی ہے لیکن اختلاف سے بچنے کے لیے نیت کر لینا مستحب ہے۔ مالکیہ کا مستند

اور مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ حنابلہ کے نزدیک دونوں سلام پھیرنے کے ساتھ نماز سے نکلنے کی نیت کرنا مسنون ہے تاکہ نماز دوسرے امور سے ممتاز ہو جائے جیسے کہ تکبیر تحریمہ میں یہ امتیاز ضروری تھا۔ اگر نیت نہیں کی تو نماز باطل ہو جائے گی لیکن امام احمد نے جس رائے کی تصریح کی ہے وہ یہ ہے کہ نماز باطل نہیں ہوتی۔ امام اور مقتدیوں کو سلام کرنے کی نیت مستحب نہیں اگر کر لے تو حضرت سمرہؓ کی حدیث کی رو سے جو ابوداؤد میں ہے جائز ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں امام کے سلام کا جواب دینے اور ایک دوسرے کو سلام کرنے کا حکم دیا تھا"۔ بعض حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ پہلے سلام کے ذریعے نماز سے نکلنے کی نیت کرے اور دوسرے کے ذریعے حفاظت کرنے والے فرشتوں کی اور مقتدیوں کی نیت کرے، اگر امام ہے اور اگر مقتدی ہے تو امام اور فرشتوں کی نیت کرے۔

مالکیہ کے نزدیک کم از کم الفاظ جن سے سلام ہو جاتا ہے عربی میں السلام علیکم کہنا ہے۔ سلام علیکم کہنا بھی جائز ہے لیکن مکمل سلام: السلام علیکم و رحمة الله و بركاته ہے، کیوں کہ ابوداؤد نے وائل بن حجرؓ سے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن ماجہ نے ابن مسعودؓ سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ (۱۰۹) مالکیہ کے نزدیک مقتدی تین بار سلام کرے، ایک بار نماز سے نکلنے کے لیے، دوسری بار امام کو اور تیسری بار اگر بائیں طرف کوئی نمازی ہو تو اس کو۔ یہ مالکیہ کا مشہور مذہب ہے۔

مقتدی کا امام کے سلام کا جواب دینا سنت ہے اور اگر بائیں طرف کوئی ایسا نمازی ہو جو ایک رکعت یا اس سے زیادہ میں شریک ہوا ہے تو اس کے سلام کا جواب دینا بھی مسنون ہے، اگر اس سے کم میں شریک ہوا ہے تو پھر نہیں۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ایک سلام پر اکتفا کرنے کا جواز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف سامنے ایک سلام کیا کرتے تھے۔ نیز سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار سلام کہتے دیکھا

ہے۔(۱۱۰) نیز ایک بار سلام کہنے سے نمازی نماز سے نکل جاتا ہے اس لیے دوسری بار کے سلام کا کوئی جواز نہیں ہے۔حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک دونوں سلاموں کے واجب ہونے کی دلیل حضرت ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے اور صحیح مسلم میں مذکور حضرت جابر بن سمرہؓ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھو اور اپنے دائیں بائیں موجود بھائیوں کو سلام کہو''۔

دسواں رکن: نماز کے متعین افعال میں اطمینان:

جمہور کے نزدیک رکوع میں، رکوع سے کھڑے ہونے میں، سجدے میں، سجدوں کے درمیان اطمینان جمہور کے نزدیک (۱۱۱) رکن یا شرط اور حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، کیوں کہ جو شخص ٹھیک طریقے سے نماز نہیں پڑھ رہا تھا اسے ہدایات دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر جس قدر آسان ہو قرآن کی قراءت کرو، پھر رکوع کرو حتیٰ کہ رکوع میں اطمینان ہو جائے، پھر کھڑے ہو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ سجدے میں اطمینان ہو جائے پھر ساری نماز اسی طرح مکمل کرو، (۱۱۲) نیز حضرت حذیفہؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ رکوع سجدے پورے نہیں کر رہا تھا، آپؐ نے اس سے کہا، تیری نماز نہیں ہوئی اور اگر تو مر گیا تو اس طریقے پر نہیں مرے گا جو اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا (۱۱۳) بظاہر اطمینان ساری نماز میں ایک رکن ہے اور یہ قیام کو بھی شامل ہے۔(۱۱۴)

اطمینان، حرکت کے بعد سکون یا دو حرکتوں کے درمیان سکون کا نام ہے کہ جس میں حرکت بالکل ختم ہو جائے۔کم از کم اطمینان یہ ہے کہ، مثلاً رکوع میں اس طرح رکے کہ نہ نیچے جا رہا ہو نہ اوپر اٹھ رہا ہو بلکہ سکون کی حالت میں ہو جیسا کہ شافعیہ نے کہا یہ سکون اتنی دیر کے لیے ہونا چاہیے جتنی دیر میں اس موقع کا واجب ذکر کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ذکر کرنا

یاد رہے اور اگر یاد نہ رہے تو بس معمولی درجے کا سکون کافی ہے جیسا کہ حنابلہ کی رائے ہے۔ صحیح مذہب یہ ہے کہ سکون ہونا چاہیے چاہے تھوڑا ہی ہو۔

حنفیہ کے بقول رکوع، سجدوں، قومہ اور جلسہ میں ایک تسبیح (سبحان ربی الاعلیٰ) کی مقدار سکون واجب ہے۔

مالکیہ کے نزدیک نماز کے تمام ارکان میں معمولی سے وقت کے لیے اعضاء کا پرسکون ہونا ہے۔

گیارہواں رکن: نماز کے مسنون طریقے کے مطابق تمام ارکان کی ترتیب

جمہور کے نزدیک ترتیب نماز کا رکن ہے، حنفیہ کے نزدیک قراءت میں اور ان افعال میں جو نماز کی ہر رکعت میں ایک سے زائد مرتبہ ہوتے ہیں واجب ہے اور جو نماز میں یا ہر رکعت میں مکرر نہیں ہوتے ان میں فرض ہے، مثلاً قیام اور رکوع میں ترتیب اور رکوع اور سجدوں میں ترتیب (۱۱۵) کہ نیت کو تکبیر تحریمہ پر مقدم رکھے، تکبیر کو فاتحہ پر، فاتحہ کو رکوع پر، رکوع کو اس سے کھڑا ہونے پر اور اعتدال کو سجدے پر اور سجدوں کو سلام پر اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک آخری تشہد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے پر۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب سے نماز پڑھتے تھے اور جو شخص ٹھیک طرح سے نماز نہیں پڑھ رہا تھا اسے آپؐ نے ترتیب سے نماز سکھائی اور بتایا کہ پھر یوں کرو، چوں کہ نماز عبادت ہے اور حنفیہ کے علاوہ باقی علماء کے نزدیک حدث سے باطل ہو جاتی ہے، پس اس میں ترتیب کا لحاظ رکھنا رکن ہے جیسا کہ دوسرے امور میں۔

جمہور کے نزدیک ترتیب کو رکن قرار دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ جیسا کہ شافعیہ نے ذکر کیا، جو جان بوجھ کر ترتیب چھوڑ دے، مثلاً رکوع سے پہلے سجدہ کر لے تو اجماعاً نماز باطل ہو جاتی ہے، کیوں کہ یہ نماز کو کھیل تماشا بنانے کے مترادف ہے۔ اگر ترتیب بھول جائے

تو جو رکن چھوٹ گیا اس کے بعد کا تمام عمل بے کار چلا جاتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے مقام پر ادا نہیں ہوئے۔ اگر اگلی رکعت میں اسی جگہ پر پہنچنے سے پہلے جہاں سے کوئی رکن بھول گیا تھا یاد آ گیا تو فوراً ادا کر لے، اگر دیر ہو گئی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

اگر نمازی کو اس وقت تک یاد نہیں آیا جب تک کہ اگلی رکعت کا وہی رکن ادا نہیں کر لیا جو پچھلی رکعت میں چھوٹ گیا تھا، مثلاً دوسرا سجدہ، تو اب اس رکعت کو مکمل کر لے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ نماز کے درمیان کا حصہ بے کار چلا گیا ہے باقی نماز پوری کرے۔

اگر نماز کے آخر میں نمازی کو یقین ہو گیا کہ اس نے آخری رکعت کا سجدہ چھوڑ دیا ہے تو سجدہ کرے، تشہد پڑھے اور نماز مکمل کر لے۔

اگر آخری رکعت کے علاوہ کسی اور رکعت کا سجدہ رہ گیا یا نمازی کو شک ہو گیا کہ آخری رکعت کا سجدہ رہ گیا ہے یا کسی اور رکعت کا تو ایک رکعت اور پڑھے، کیوں کہ ناقص رکعت بعد میں پڑھی جانے والی رکعت کے سجدے سے مکمل ہو گئی اور باقی حصہ بے کار چلا گیا۔

اگر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور یاد آیا کہ اس نے پہلی رکعت کا ایک سجدہ چھوڑ دیا تو اگر پہلی رکعت کا ایک سجدہ کرنے کے بعد بیٹھا تھا خواہ استراحت کے لیے بیٹھا ہو تو سیدھا سجدے میں چلا جائے اور اگر نہیں بیٹھا تھا تو پہلے بیٹھ جائے اور پھر سجدے کرے۔

اگر نماز کے آخر میں معلوم ہوا کہ نمازی نے دو یا تین سجدے چھوڑ دیے تھے لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس جگہ کے سجدے رہ گئے تھے تو یہ فرض کر کے کہ دو مختلف جگہوں سے دو سجدے رہ گئے ہیں دو رکعت زائد پڑھے تاکہ دوسری رکعت کے سجدے سے پہلی رکعت کے سجدے کی کمی پوری ہو اور چوتھی رکعت کے سجدے سے تیسری رکعت کی کمی پوری ہو۔ نماز کا باقی حصہ بے کار چلا جائے گا۔

اگر اسے معلوم ہوا کہ اس نے چار سجدے چھوڑ دیے تو ایک سجدہ زائد کرے اور دو رکعات پڑھے اور اگر پانچ یا چھ سجدے رہ گئے ہوں تو تین رکعات پڑھے اور اگر سات سجدے رہ گئے ہوں تو ایک سجدہ کرے اور تین رکعات پڑھے۔

اگر سلام کے بعد یاد آیا کہ نماز کا ایک رکن رہ گیا ہے تو اگر وہ رکن نیت یا تکبیر تحریمہ ہے تو نماز باطل ہوگئی اور اگر کوئی اور رکن ہے تو جہاں سے رکن چھوٹا تھا وہیں سے آگے نماز پڑھے بشرطیکہ ابھی زیادہ وقت نہ گزرا ہو، نماز کے منافی کوئی کام نہ کیا ہو، مثلاً نجاست کو چھونا۔ اگر تھوڑے وقت کے لیے قبلہ سے پھر گیا یا کوئی معمولی بات کر لی تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ نماز میں ان کی گنجائش موجود ہے۔

اگر وقفہ اتنا ہوگیا جسے عرف میں زیادہ سمجھا جاتا ہے تو نئے سرے سے نماز پڑھے۔

حنفیہ کے نزدیک(۱۱۶) ترتیب کے واجب ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ افعال جو ہر رکعت میں ایک سے زائد مرتبہ آتے ہیں، مثلاً اگر پہلے سجدہ کیا پھر رکوع کر لیا تو سجدے کا اعتبار نہیں ہے دوبارہ سجدہ کرے، اگر دوبارہ سجدہ کر لیا تو ترتیب درست ہونے کی وجہ سے نماز صحیح ہو جائے گی اور سجدۂ سہو واجب ہوگا، کیوں کہ فرض سجدہ پہلے کر لیا گیا تھا۔

اگر آخری قعدہ میں بیٹھے ہوئے یاد آیا کہ نماز کا کوئی اصل سجدہ رہ گیا ہے(۱۱۷) تو سجدہ کرے اور دوبارہ قعدہ اخیرہ میں بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کرے، کیوں کہ قعدہ اخیرہ اور اس سے پہلے عمل میں ترتیب واجب ہے اور سجدے میں چلے جانے کے باعث ترتیب متأثر ہوگئی، نماز کا اصلی سجدہ یا سجدہ تلاوت کرنے کی وجہ سے قعدہ اخیرہ ختم ہوگیا اس لیے دوبارہ قعدہ کرے۔

اگر کوئی رکوع چھوڑ دیا تو اسے قضا کرے اور اس کے بعد کے سجدوں کو بھی، اور اگر قیام یا قراءت کی حالت میں یاد آیا تو پوری رکعت دوبارہ پڑھے۔

اگر پہلی رکعت میں کوئی سجدہ بھول گیا تو اسے قضا کرے خواہ سلام کے بعد بات

چیت کرنے سے پہلے یاد آیا ہو، پھر تشہد پڑھے، پھر سجدۂ سہو کرے پھر تشہد پڑھے اور فقط عبدہ و رسولہ تک پڑھے۔

حواشی وتعلیقات

۱- اللباب شرح الکتاب ،۱:۶۸-۷۷، الدر المختار و رد المحتار ،۱:۴۰۶،۴۱۰ وبعد، ۴۲۴-۴۳۷، مراقی الفلاح، ۳۷،۳۹، وبعد فتح القدیر ،۱:۱۹۲-۲۲۶، البدائع، ۱:۱۰۵،۱۶۰-۱۶۴

۲- صحاح ستہ نے عبادہ بن الصامتؓ سے روایت کی ہے، نصب الرایۃ، ۱:۳۶۵

۳- ابو داؤد، ابن حبان احمد ، ابو یعلی الموصلی، بعض نے مرفوع روایت کی ہے اور بعض نے موقوف نصب الرایہ، ۱: ۳۶۰

۴- موقوف حدیث ہے۔ بخاری و مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ نصب الرایہ۱:۳۶۵

۵- ضعیف حدیث ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں روایت کی ہے: نصب الرایہ، ۱:۳۶۳

۶- سجدہ خواہ نماز کا ہو یا سجدۂ تلاوت ہو۔ جو آیت سجدہ کی تلاوت سے واجب ہوتی ہے۔

۷- متفق علیہ، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے (نیل الاوطار ،۲:۲۶۴)

۸- عبداللہ بن بحینہ سے صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار ،۲:۲۷۳)

۹- احمد اور نسائی نے ابن مسعودؓ سے روایت کی (نیل الاوطار ،۲:۲۷۱)

۱۰- پانچوں کتب صحاح نے روایت کی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا اسی طرح دارقطنی نے بھی روایت کی ہے۔ ابن حبان میں الگ الفاظ سے روایت ہوئی ہے، جو دراصل مسلم میں ہے (نیل الاوطار ،۲:۲۹۲)

۱۱- بلند آواز سے مراد ہے جسے دوسرا سنے، خواہ ایک ہی آدمی کیوں نہ ہو اور آہستہ سے مراد یہ ہے کہ صرف خود سنے۔

۱۲- پانچوں کتب صحاح نے روایت کی۔ ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا، اس کے راوی ثقہ ہیں، حضرت عائشہ سے روایت ہوئی ہے (نیل الاوطار ،۳:۵۹)

۱۳- الشرح الصغیر ۱:۳۰۳-۳۱۷، الشرح الکبیر ،۱:۲۳۱-۲۴۲، القوانین الفقهیة، ۵۱،۵۷-۶۶

۱۴- مغنی المحتاج، ۱:۱۴۸-۱۸۴

۱۵- المغنی، ۱:۴۶۰-۵۵۸، کشاف القناع، ۱:۴۵۰-۴۵۵

۱۶- اس کو تکبیر تحریمہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ کام جو نماز شروع کرنے سے پہلے جائز تھے وہ حرام ہو جاتے ہیں، مثلاً کھانا، پینا اور گفتگو وغیرہ۔ اس سے مقصود اللہ کا خالص ذکر ہے جو نمازی پر حرام کر دیتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا اور کسی طرف متوجہ ہو۔

۱۷- المجموع، ۳:۲۵۸، المغنی، ۱:۴۶۲

۱۸- الشرح الصغیر، ۱:۳۰۵ و بعد، المغنی، ۱:۴۶۰-۴۶۴، کشاف القناع، ۱:۴۵۱

۱۹- ابوداؤد اور ترمذی نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت کی۔

۲۰- چاروں اصحاب سنن اور طبرانی نے روایت کی

۲۱- متفق علیہ

۲۲- مغنی المحتاج، ۱:۱۵۰ و بعد، اللباب، ۱:۶۸

۲۳- فتح القدیر، ۱:۱۹۲، ۱۹۸ و بعد، الدر المختار ورد المحتار، ۱:۴۱۱، ۴۲۱، تبیین الحقائق، ۱:۱۰۳، اللباب، ایضاً، الدرر شرح الغرر، ۱:۶۶

۲۴- بخاری، احمد

۲۵- تبیین الحقائق، ۱:۱۰۴، فتح القدیر، ۱:۱۹۲، ۲۰۴، ۲۷۸، الشرح الصغیر، ۱:۳۰۷، ۳۱۲، ۳۶۰، مغنی المحتاج، ۱:۱۵۳ و بعد، کشاف القناع، ۱:۴۵۰، المهذب، ۱:۷۰، الشرح الکبیر مع الدسوقی، ۱:۲۳۱، ۲۳۷، ۲۵۵-۲۵۷، غایۃ المنتهی، ۱:۱۳۸، ۱۵۱

۲۶- صحاح ستہ نے حاکم اور عمران سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی: مجھے بواسیر تھی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا، کھڑے ہو کر پڑھو، اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو، اگر بیٹھ کر نہ پڑھ سکو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھو، نسائی نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ اگر پہلو کے بل لیٹ کر نہ پڑھ سکے تو چت لیٹ کر پڑھے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، (نصب الرایۃ ۲:۱۷۵)

۲۷- یعنی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے مہرے۔

۲۸- اللباب،۱:۱۰۰ و بعد، فتح القدير ،۱:۲۷۵ و بعد، البدائع ، ۱:۱۰۵ و بعد، تبيين الحقائق ، ۱:۱۹۹-۲۰۴

۲۹- البزار، البیہقی، ابویعلی الموصلی، طبرانی نے ابن عمرؓ سے روایت کی، (نصب الرایہ،۲:۱۷۵ و بعد)

۳۰- الشرح الصغير ، ۱:۳۵۸-۳۶۳، الشرح الكبير ، ۱:۲۵۷-۲۶۲

۳۱- مغنی المحتاج ، ۱:۱۵۴ و بعد، الحضرمیه، ۳۸ و بعد، تحفة الطلاب، ٦٩

۳۲- كشاف القناع، ۱:۵۸۷-۵۸۹، المغنی ۲:۱۴۳-۱۴۹

۳۳- دارقطنی

۳۴- اسی لیے نزع کی حالت میں مرنے والے کو اسی طرح لٹاتے ہیں۔

۳۵- دارمی وغیرہ میں ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث کہ: ''مریض بیٹھ کر نماز پڑھے، بیٹھ نہ سکے تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھے پہلو کے بل نہ لیٹ سکے تو چت لیٹ کر پڑھے اور اگر چت بھی نہ لیٹ سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو جانتا ہے'' اس کی سند ضعیف ہے۔

۳٦- الدر المختار و رد المحتار ، ۱:۴۱۵، فتح القدير ، ۱:۱۹۳،۲۰۵،۳۲۲ و بعد، البدائع، ۱:۱۱۰، تبيين الحقائق ، ۱:۱۰۴ و بعد

۳۷- مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔

۳۸- کبھی فرض کی چاروں رکعات میں قراءت فرض ہو جاتی ہے، مثلاً امام کی مسبوق کو آخری دو رکعات میں اپنا قائم مقام بنا دے اور یہ کہہ دے کہ اس نے پہلی دو رکعتوں میں قراءت نہیں کی۔

۳۹- مسلم، احمد

۴۰- یعنی ربنا لک الحمد، ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

۴۱- دیکھیے: نصب الرایہ، ۱:۳٦٦

۴۲- ایضاً، ۱:۳٦۵

۴۳- دارقطنی نے حضرت جابرؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت کی، ضعیف حدیث ہے۔

۴۴- البدائع، ۱:۱۱۰ و بعد، شلتوت و سایس، مقارنة المذاهب فی الفقه، ۲۵ و بعد

۴۵- امام ابوحنیفہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی۔

۴۶- مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔

۴۷- متفق علیہ، عمران بن حصین سے

۴۸- الشرح الصغیر، ۱:۳۰۹، بدایة المجتهد، ۱:۱۱۹ و بعد، الشرح الكبير مع الدسوقی، ۱:۲۳۶، مغنی المحتاج، ۱:۱۵۶-۱۶۲، المغنی، ۱:۴۷۶-۴۹۱، ۵۶۲-۵۶۸، کشاف القناع، ۱:۴۵۱ المهذب، ۱:۷۲، المجموع، ۳:۲۸۵ و بعد، حاشية الباجوری، ۱:۱۵۳-۱۵۶

۴۹- ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کی۔

۵۰- المجموع، ۳:۳۴۴-۳۵۰

۵۱- ابو داؤد، ترمذی، احمد، ابن حبان (سبل السلام، ۱:۱۷۰)

۵۲- بسم اللہ کے موضوع پر بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ایک حضرت ام سلمہؓ سے بخاری، مسلم، ابن خزیمہ نے صحیح سند سے روایت کی۔ یہ حدیث دارقطنی میں ہے اور موقوف ہے (سبل السلام ۱:۱۷۳)

۵۳- بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کی روایات بخاری یا مسلم یا دونوں میں چھ صحابہ یعنی ابو ہریرہؓ، ام سلمہ، ابن عباس، حضرت علی، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے روایت ہے (المجموع ۲:۳۰۲)

۵۴- الشرح الصغیر، ۱:۴۳۷

۵۵- امام کو لقمہ دینے کا وقت وہ ہے جب وہ خاموش ہو کر رک جائے، اگر ابھی آیت دہرا رہا ہو تو لقمہ نہ دیا جائے۔

۵۶- مقتدی امام کے پیچھے پانچ مقامات پر بلند آواز سے بولے، چار جگہ آمین کہنے کے لیے: ایک جب امام آمین کہے، دوسرے فجر کی نماز میں دعائے قنوت میں، تیسرے رمضان کے دوسرے نصف میں وتر کی دعائے قنوت میں، چوتھے پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ میں اور پانچویں امام کو کسی آیت کا لقمہ دینے کے لیے۔

۵۷- ابو داؤد، نسائی اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی اور بتایا کہ حدیث حسن ہے۔

۵۸- دارقطنی، ترمذی

۵۹- امام ابوحنیفہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے عربی کے علاوہ قراءت کے جواز سے رجوع کر لیا

تھا، آپ کے مقلدین وغیرہ میں سے کسی نے آپ کے پہلے قول پر عمل نہیں کیا۔

۶۰- البدائع، ۱:۱۱۲

۶۱- فتح القدیر، ۱:۱۹۳، ۲۰۸، وبعد الدر المختار، ۱:۴۱۶، الشرح الصغیر، ۱:۳۱۳، القوانین الفقهية، ۶۲، مغنی المحتاج، ۱:۱۶۳ و بعد، المغنی، ۱:۴۹۹ و بعد، کشاف القناع، ۱:۴۵۲، المهذب، ۱:۷۴

۶۲- احمد، ابوداؤد، نسائی (نیل الاوطار، ۲:۲۴۳ و بعد)

۶۳- متفق علیہ

۶۴- احمد اور حاکم نے ابو قتادہ الطیالسی سے روایت کی، نیز احمد اور ابویعلیٰ نے ابوسعید خدریؓ سے بھی روایت کی (نیل الاوطار، ۲:۲۶۸)

۶۵- بخاری

۶۶- رد المحتار، ۱:۴۳۲-۴۳۳، فتح القدیر، ۱:۲۱۰ و بعد

۶۷- رد المحتار، ایضاً، اللباب، ۱:۷۳، القوانین الفقهية، ۶۲، الشرح الصغیر، ۱:۳۱۳، ۳۲۸، مغنی المحتاج، ۱:۱۶۵-۱۷۰، المهذب، ۱:۷۵، المغنی، ۱:۵۰۸، ۵۱۴، ۵۱۶، کشاف القناع، ۱:۴۵۲، بداية المجتهد، ۱:۱۳۰

۶۸- ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی۔

۶۹- بیہقی نے صحیح سند سے روایت کی، مسلم نے اپنی حدیث میں ''ہماری پیشانیاں اور ہماری ہتھیلیاں'' کے الفاظ روایت نہیں کیے۔

۷۰- الشرح الصغیر، ۱:۳۱۴، القوانین الفقهية، ۶۳، بداية المجتهد، ۱:۱۳۳ و بعد

۷۱- بخاری کے سوا صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۲:۲۵۷)

۷۲- فتح القدیر، ۱:۲۱۲-۲۱۴، مراقی الفلاح، ۴۵، تبیین الحقائق، ۱:۱۱۶ و بعد، مغنی المحتاج، ۱:۱۶۸-۱۷۰، المغنی، ۱:۵۱۵، ۲:۳۱۳، کشاف القناع، ۱:۴۵۳، مغنی المحتاج، ۱:۲۹۸، المهذب، ۱:۷۵، الدر المختار ورد المحتار، ۱:۱:۴

۷۴- اجمال اور تفصیل کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ بالوں سے سر کے بال مراد ہیں۔ بظاہر یہ حکم نماز کے اندر کا ہے باہر کا نہیں، قاضی عیاض نے اسے رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات جمہور کی رائے کے خلاف ہے، ان کے نزدیک نمازی کے لیے یہ مکروہ ہے چاہے نماز میں کرے یا نماز شروع کرنے سے پہلے۔ بال اور کپڑے سمیٹنے سے روکنے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں مغرور اور متکبر لوگوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔

۷۵۔ صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار،۲:۲۶۰)

۷۶- احمد، ابن ماجہ نے کہا ہے کہ اپنے کپڑے پر سجدہ کیا،(نیل الاوطار،۲:۲۶۱)

۷۷- نیل الاوطار،۲:۲۶۰

۷۸- احمد کے علاوہ پانچوں محدثین نے روایت کی (نیل الاوطار،۲:۲۵۳)

۷۹- احمد، ابــــــو داؤد، نسائی، ترمذی، خطابی کہتے ہیں: وائل بن حجر کی حدیث اس کی بہ نسبت زیادہ ثابت شدہ ہے۔ ترمذی کہتے ہیں کہ حدیث ابی الزناد کو ہم صرف اسی سلسلۂ سند سے جانتے ہیں (نیل الاوطار،۲:۲۵۵)

۸۰- القوانین الفقهية، ۴۹، کشاف القناع، ۱:۳۴۶

۸۱- رد المحتار، ۱:۴۳۲ و بعد، الشرح الصغير، ۱:۳۱۴، القوانين الفقهية، ۶۴، مغنی المحتاج، ۱:۱۷۱، المغنی، ۱:۵۲۲ و بعد، کشاف القناع، ۱:۴۵۳

۸۲- متفق علیہ (نصب الرايہ، ۱:۴۱۸)

۸۳- فتح القدير مع العناية، ۱:۱۱۳، البدائع، ۱:۱۱۳، تبيين الحقائق، ۱:۱۰۴، الشرح الكبير، ۱:۲۴۰ و بعد ۲۵۱، القوانين الفقهية، ۶۴، مغنی المحتاج، ۱:۱۷۲، المغنی، ۱:۵۳۲ و بعد، کشاف القناع، ۱:۴۵۳ و بعد، بداية المجتهد، ۱:۱۲۵

۸۴- یہ روایت دارقطنی کے ہاں مدرج ہے اور موقوف کے حکم میں ہے۔ ســنن ابو داؤد اور مسند امام احمد میں یہ روایت ان الفاظ سے آئی ہے:''جب تم نے یہ کہا اور یہ ادا کر دیا تو تم نے نماز ادا کر دی، اگر بیٹھنا چاہو تو بیٹھو اگر کھڑے ہونا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ''نیــل الاوطـــار،۲:۲۹۸، نصب الرايہ، ۱:۴۲۴، سلام کے رکن میں حنفیہ کی دلیل کے طور پر ایک اور حدیث آرہی ہے۔

۸۵- مسلم، ابو داؤد (نیل الاوطار،۲:۲۸۱)

۸۶- دارقطنی اور بیہقی دونوں نے روایت کی ہے اور اس کی سند کو صحیح بتایا۔

۸۷- متفق علیہ

۸۸- دارقطنی، ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کی اور کہا کہ یہ مسلم کی شرط پر ہے۔

۸۹- بخاری، یہ حدیث صحیح حسن ہے (نیل الاوطار، ۲:۲۷۵)

۹۰- ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے (نصب الرایہ، ۱:۴۱۹، نیل الاوطار، ۲:۲۷۳)

۹۱- الشرح الصغیر، ۱:۳۲۹ و بعد

۹۲- المغنی، ۱:۵۳۳

۹۳- نسائی کے علاوہ صحاح خمسہ نے روایت کی، ترمذی نے اسے صحیح بتایا، بخاری نے مختصر روایت کی (نیل الاوطار، ۲:۱۸۴)

۹۴- فتح القدیر، ۱:۲۲۱، القوانین الفقهیة، ۶۵، المغنی، ۱:۵۳۴ و بعد، ۵۳۹

۹۵- صحاح ستہ نے روایت کی ہے، نیل الأوطار، ۲:۲۷۸، نصب الرایة، ۱:۴۱۹

۹۶- مغنی المحتاج، ۱:۱۷۴

۹۷- مسلم اور ابوداؤد نے انہی الفاظ سے روایت کی ہے۔ ترمذی نے بھی اسی طرح روایت کی اور اسے صحیح قرار دیا لیکن سلام کو نکرہ روایت کیا۔ ابن ماجہ کی روایت بھی مسلم کی طرح ہے البتہ انہوں نے واشهد ان محمداً عبده و رسوله روایت کیا (نیل الاوطار، ۲:۲۸۱)

۹۸- اللہ کی طرف سے بندوں پر صلاۃ کے معنی رحمت اور رضا ہے، فرشتوں کی طرف نسبت ہو تو دعا اور استغفار ہے۔ امت کی طرف سے دعا اور نبی کی تعظیم کا مفہوم ہے جس سے اللہ کے ہاں آپؐ کے مقام و مرتبے کا اظہار ہوتا ہے اور اس سے ثواب ملتا ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل کرتا ہے۔

۹۹- یہ الفاظ اور دوسرے الفاظ ابومسعود، حضرت علی، ابوہریرہؓ، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیے (نیل الاوطار، ۲:۲۸۴ و بعد، تفسیر ابن کثیر، ۲:۵۰۷)

۱۰۰- المغنی، ۱:۵۴۵، مغنی المحتاج، ۱:۱۷۷

۱۰۱- القوانين الفقهية،٦٦، مغنى المحتاج، ۱:۱۷۷، حاشية الباجوری، ۱:۱٦۳، كشاف القناع، ۱:۴۵۴، المغنی، ۱:۵۵۱-۵۵۸، الشرح الصغير، ۱:۳۱۵-۳۲۱، الشرح الكبير، ۱:۲۴۰ و بعد

۱۰۲- مسلم، حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرائط پر ہے۔ یہ متواتر حدیث ہے۔ سات صحابہ نے روایت کی ہے (النظم المتناثر، ۵۷)

۱۰۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث سے ثابت ہے، ان میں سے ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں سلام پھیرتے، السلام عليكم و رحمة الله، السلام عليكم و رحمة الله حتیٰ کہ آپ ؐ کے رخساروں کی سفیدی نظر آتی۔ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی، ترمذی نے اسے صحیح بتایا، عامر بن سعد نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں بائیں سلام پھیرتے دیکھا حتیٰ کہ آپ کے رخساروں کی سفیدی نظر آئی۔ احمد، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی، (نيل الاوطار، ۱:۲۹۲)

۱۰۴- بخاری

۱۰۵- فتح القدير، ۱:۲۲۵، تبيين الحقائق، ۱:۱۰۴، الدر المختار، ۱:۴۱۸، البدائع، ۱:۱۱۳

۱۰٦- ترمذی، دار قطنی، بیہقی۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔ اس کی سند میں اضطراب ہے (نصب الرايہ، ۲:٦۳)

۱۰۷- ابونعیم اصفہانی نے روایت کی۔ یہ حدیث غریب ہے۔ دوسروں نے اسے مرسلاً روایت کیا۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے حضرت علیؓ سے روایت کی (نصب الراية، ۲:٦۳)

۱۰۸- احمد، ابوداؤد

۱۰۹- نيل الاوطار، ۲:۲۹۴

۱۱۰- یہ دونوں حدیثیں ابن ماجہ نے روایت کیں۔

۱۱۱- مالکیہ، حنابلہ اور بعض شافعیہ کے نزدیک رکن ہے اور بعض شافعیہ کے نزدیک رکن کی شرط ہے۔

۱۱۲- متفق علیہ، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے (نيل الاوطار، ۲:۲٦۴)

۱۱۳- بخاری

۱۱۴- الدر المختار ورد المحتار، ۱:۴۳۲، الشرح الصغير، ۱:۳۱٦، حاشية الباجوری، ۱:۱۵۷،

۱۵۹، کشاف القناع، ۱:۴۵۳

۱۱۵- الدر المختار، ۱:۴۲۹-۴۳۱، الشرح الصغیر، ۱:۳۱۷، حاشیۃ الباجوری، ۱:۱۶۴، مغنی المحتاج، ۱:۱۷۸ و بعد، کشاف القناع، ۱:۴۵۵، الشرح الکبیر للدردیر، ۱:۲۴۱

۱۱۶- رد المحتار، ۱:۴۲۹-۴۳۲، البدائع، ۱:۱۶۳

۱۱۷- اس سے مراد وہ سجدہ ہے جو اصل نماز کا جز ہو۔ نماز کے سجدۂ تلاوت کا بھی یہی حکم ہے، کیوں کہ جب نماز میں ہو تو اسے بھی نماز کا سجدہ سمجھا جاتا ہے۔

فصل ششم

نماز کی سنتیں، نماز کا طریقہ، مکروہاتِ نماز نماز کے بعد کے اذکار اور دعائیں

اس فصل میں سات مباحث ہیں:

نماز کی سنتوں کی اقسام: نماز کی سنتیں دو قسم کی ہیں۔ کچھ نماز کے اندر ہیں اور کچھ نماز سے خارج ہیں مثلاً مسواک کرنا جس کا بیان گزر چکا اور نمازی کا اپنے سامنے سُترہ رکھنا جس کی ہم آگے وضاحت کریں گے۔

پہلی بحث: نماز کی داخلی سنتیں:

نماز کی سنتوں سے مراد وہ اقوال و افعال ہیں جن کے کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور چھوڑنے والے کو گناہ نہیں ہوتا البتہ انہیں چھوڑنے پر عتاب اور ملامت کی جا سکتی ہے۔ اگر چھوڑ دے تو سجدۂ سہو کرنے سے ان کی کمی پوری نہیں ہوتی اور انہیں دانستہ چھوڑنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

سنت، حنفیہ کے بیان کے مطابق (۱) وہ امور ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ انجام دیا ہو اور بلا عذر انہیں ترک نہ کیا ہو جیسے ثنا کی دعا، اعوذ باللہ پڑھنا اور رکوع سجدوں کی تکبیرات۔

حنفیہ کے نزدیک نماز کی کچھ سنتیں ہیں اور کچھ آداب ہیں۔ نماز کے آداب وہ کام ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو بار کیے ہوں، ہمیشہ نہ کیے ہوں مثلاً رکوع اور سجدوں میں تین بار سے زائد تسبیحات پڑھنا یا مسنون قراءت سے زائد قراءت کرنا۔ آداب

کے ذریعے سنتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

سنت یا ادب حنفیہ کے نزدیک واجب سے کم درجے کے امور ہیں کیوں کہ نماز میں واجب وہ امور ہیں جن کے ترک سے نماز تو ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی بھول کر چھوڑ دے تو سہو کے دو سجدے واجب ہوتے ہیں۔

حنفیہ نے نماز کی اکیاون سنتیں اور سات آداب بیان کیے ہیں۔

مالکیہ (۲) نے نماز کی چودہ سنتیں اور اڑتالیس آداب بیان کیے ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک سنت وہ کام ہے جس کا شریعت نے مطالبہ کیا ہو، اس کی تاکید کی ہو، اس کی قدر و منزلت بتائی ہو اور اس کا عوام الناس میں اظہار کیا ہو۔ اس کے کرنے والے کو ثواب ملے اور چھوڑنے والے کو سزا نہ دی جائے مثلاً وتر اور عیدین کی نماز۔

مالکیہ کے نزدیک مستحب وہ کام ہے جس کا مطالبہ شارع کی طرف سے قطعیات سے نہ ہو، اس کے بارے میں نرمی ہو، اس کے کرنے پر ثواب ہو اور چھوڑنے والے کو گناہ نہ ہو جیسے ظہر سے پہلے کی چار سنتیں، نماز کی آٹھ سنتیں ایسی ہیں کہ جن میں بھولنے سے سجدۂ سہو کرنا ہوتا ہے اور وہ ہیں: سورۃ پڑھنا، جہری نماز میں بلند آواز سے اور سری نماز میں آہستہ قرآت کرنا، تکبیر، تحمید (ربنا لک الحمد کہنا) دونوں تشہد پڑھنا اور ان کے لیے بیٹھنا۔

شافعیہ کے نزدیک نماز کی سنتوں کی دو قسمیں ہیں: (۳) ابعاض (یعنی اجزائے نماز) اور ہیئات (ہیئت کی جمع ہے کیفیت)

ابعاض وہ سنتیں ہیں جو چھوٹ جائیں تو سجدۂ سہو کر کے نماز درست کی جا سکتی ہے۔ یہ آٹھ ہیں۔ (۴)

پہلا تشہد، اس کے لیے بیٹھنا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا، دوسرے تشہد میں آپ ؐ کی آل پر درود بھیجنا، صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا، رمضان

کے آخری نصف میں وتر میں دعائے قنوت پڑھنا، دعائے قنوت کے لیے کھڑا ہونا، دعائے قنوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور آپؐ کی آل پر درود بھیجنا۔ہیات کی تعداد چالیس ہے مثلاً تسبیحات وغیرہ، یہ اگر چھوٹ جائیں تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہوتی۔

شافعیہ کے نزدیک سنت یا مستحب وہ عمل ہے کہ اگر نمازی اسے بھولے سے چھوڑ دے تو اگر اگلا فرض شروع کر دے تو واپس سنت ادا کرنے کی طرف نہ لوٹے مثلاً کسی شخص نے پہلا تشہد چھوڑ دیا اور سیدھا کھڑا ہونے کے بعد اسے یاد آیا تو واپس تشہد کے لیے نہ بیٹھے بلکہ آخر میں سجدۂ سہو کرے، اگر جان بوجھ کر بیٹھ گیا اور اسے یاد تھا کہ نماز میں ہے تو نماز باطل ہو جائے گی، اگر یہ یاد نہیں تھا کہ نماز میں ہے تو نماز باطل نہیں ہوگی البتہ جونہی یاد آئے، کھڑا ہو جائے اور آخری سجدۂ سہو کرے۔ یہ مسئلہ اسی صورت میں ہے جب نمازی امام ہے یا اکیلا ہے۔

اگر نمازی مقتدی ہے تو اس پر واجب ہے کہ امام کی پیروی کرے۔ اگلے فرض کو جاری رکھنے کی بہ نسبت امام کی اقتدا زیادہ ضروری ہے اگر دانستہ اور جانتے بوجھتے امام کی اقتدا کی طرف نہیں لوٹا تو نماز باطل ہو جائے گی بشرطیکہ مقتدی نے امام سے علیحدہ ہو جانے کی نیت نہ کی ہو، اور اگر امام سے علیحدہ ہو جانے کی نیت کرتا تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

حنابلہ کی رائے (۵) یہ ہے کہ جو کام فرض نہیں ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: واجبات اور سنتیں۔ واجبات وہ کام ہیں جو جان بوجھ کر چھوڑ دیے جائیں تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر بھولے سے یا غلطی سے رہ جائیں تو سجدۂ سہو سے کمی پوری کی جا سکتی ہے۔ واجبات آٹھ ہیں:

۱- تکبیر (اللہ اکبر کہنا)، ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف منتقل ہونے کے لیے،

ایک کام کے اختتام اور دوسرے کے آغاز پر اللہ اکبر کہنا واجب ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر اللہ اکبر کہا کرتے تھے اور آپ کا ارشاد ہے: ''اسی طرح نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو'' اگر ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف منتقل ہونے سے پہلے تکبیر شروع کر دی، مثلاً رکوع یا سجدے کے لیے جھکنے سے پہلے تکبیر کہہ لی تو صحیح نہیں ہے البتہ منتقل ہونے کے آغاز اور انتہا کے درمیان کہی تو درست ہے۔

البتہ تکبیر تحریمہ اور مقتدی جو تکبیر اس وقت کہتا ہے جب وہ بعد میں آتا ہے اور دیکھتا ہے کہ امام رکوع میں ہے تو تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہو جاتا ہے، یہ دونوں تکبیریں اس میں شامل نہیں، پہلی تکبیر رکن ہے اور دوسری سنت ہے، تکبیر تحریمہ سے اس کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔

۲- **تسمیع** (سمع اللہ لمن حمدہ کہنا) امام اور اکیلے نمازی کے لیے واجب ہے، مقتدی کے لیے نہیں۔

۳- **تحمید** (ربنا لک الحمد کہنا) امام، مقتدی اور اکیلے نمازی سب کے لیے واجب ہے۔

۴- **رکوع کی تسبیح** (سبحان ربی العظیم کہنا)

۵- **سجدے کی تسبیح** (سبحان ربی الاعلیٰ کہنا)

۶- **دونوں سجدوں کے درمیان دعا**: رب اغفرلی (اے میرے رب! مجھے بخش دے) یہ سب ایک ایک بار کہنا واجب ہیں، اور کامل عمل یہ ہے کہ بار بار کہے، کمال کا ادنیٰ درجہ تین بار کہنا ہے۔

۷- **پہلا تشہد**: کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پہلے تشہد میں بیٹھے اور اس کا حکم دیا اور بھولنے کی صورت میں سجدۂ سہو کیا۔ تشہد کی کم از کم مقدار یہ ہے: التحیات للہ

والصلوات والطيبات ، السلام عليك ايها النبی و رحمة الله و بركاته، السلام علينا و على عبادالله الصالحين، اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده و رسوله :(میری ساری قولی عبادتیں، میری بدنی عبادتیں اور میری مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں، اے نبیؐ آپؐ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکتیں نازل ہوں، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں)۔

۸۔ **پہلے تشہد کے لیے بیٹھنا:** یہ بیٹھنا اور پہلا تشہد دونوں کام ہر شخص پر واجب ہیں چاہے وہ شخص ایسے امام کا مقتدی ہو جو بھولے سے پہلا تشہد پڑھے بغیر کھڑا ہو گیا۔

نماز کی سنتوں میں اقوال، افعال اور ہیئتیں سب شامل ہیں، ان کی تعداد سترہ ہے: جو یہ ہیں: ثنا پڑھنا، اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا، آمین کہنا، تین یا چار رکعات والی نمازوں میں پہلی دو رکعات میں سورت پڑھنا، اسی طرح فجر، جمعہ، عیدین اور تمام نوافل میں سورت پڑھنا، جہری نمازوں میں بلند آواز سے اور سری نمازوں میں آہستہ قراءت کرنا، امام اور اکیلے نمازی کے لیے ربنا لک الحمد کہنے کے بعد ''ملٔ السموات و ملٔ الارض و ملٔ ماشئت من شئی بعد (آسمان، زمین اور ان کے بعد جو کچھ تو چاہے سب بھر کر تیرے لیے حمد و ثنا ہے) کے الفاظ کہنا، مقتدی یہ الفاظ نہ کہے، رکوع اور سجدہ میں ایک بار سے زائد تسبیح پڑھنا، دونوں سجدوں کے درمیان رب اغفرلی کہنا، آخری تشہد میں اعوذ باللہ من عذاب جهنم ...... الخ (میں جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں) پڑھنا، آخری تشہد کے آخر میں دعا کرنا، آخری تشہد میں آل نبیؐ کے لیے رحمت و برکت کی دعا کرنا یعنی بارک علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کہنا، پہلے تشہد میں لازمی تشہد سے زائد اور وتر میں دعائے قنوت پڑھنا۔ ان کے علاوہ افعال اور ہیئتوں سے متعلق سنتیں ہیں:(٦) مثلاً تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیاں سیدھی ، ایک دوسری سے پیوستہ، قبلہ رو رکھتے

ہوئے کندھوں تک اٹھانا، اسی طرح رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے اور ہاتھ اٹھانے کے بعد ہاتھ چھوڑ دینا۔

نماز کی داخلی سنتوں کا بیان:

۱- تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا:

نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ کہنے کے لیے ہاتھ اٹھانے کے مستحب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مالکیہ (۷) اور شافعیہ کے نزدیک کندھوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں، حنابلہ کے نزدیک اختیار ہے چاہے کانوں کی لو تک اٹھائے یا کندھوں تک، حنفیہ کے نزدیک مرد اپنے ہاتھ کانوں تک اس طرح اٹھائے کہ انگوٹھے کانوں کے برابر ہوں اور عورت کندھوں تک ہاتھ اٹھائے کیوں کہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انگلیوں کے کنارے اس مقام تک پہنچیں۔ نووی کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر کے حصوں کے برابر ہوں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوں اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر۔ مالکیہ نے اسی ہیئت کو مستند قرار دیا ہے۔ فقہاء نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ انگلیوں کے سرے تھوڑے سے کعبہ کی طرف مڑے ہوئے ہونے چاہیں۔ یہ کعبہ کے احترام کا تقاضا ہے۔

حنفیہ کی دلیل: وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ کانوں کے برابر تک اٹھائے اور تکبیر کہی۔ (۸) براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے برابر ہوتے۔ (۹) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے تکبیر کہی اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر کر لیے۔ (۱۰)

شافعیہ اور مالکیہ کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔(۱۱)

حنابلہ نے اس بنا پر اختیار دیا ہے کہ دونوں طرح کی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایت ابوحمید،(۱۲) ابن عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث سے ثابت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایت وائل بن حجر اور مالک بن حویرث (۱۳) کی احادیث سے ثابت ہے۔

ہاتھ اٹھانے کا وقت: حنفیہ کے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے، کیوں کہ ہاتھ اٹھانے کا عمل غیر اللہ کی کبریائی کی نفی کی علامت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھ اس طرح پھیلا کر اٹھائے جائیں کہ ان کی پشت آسمان کی طرف اور ہتھیلیاں زمین کی طرف ہوں جیسے کہ خوف کی حالت میں اٹھائے جاتے ہیں، اس طرح صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں اور کسی تکبیر کے وقت نہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے اور تکبیر مکمل ہوتے ہی ہاتھ نیچے کر لے اور یہ دونوں کام بیک وقت کرے، آگے پیچھے نہیں، جونہی تکبیر ختم کرے تو ہاتھ نیچے چھوڑ دے۔ اگر ہاتھ اٹھانے بھول گیا، تکبیر کہہ لی تو اب ہاتھ نہ اٹھائے، کیوں کہ ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور اس کا موقع اب نکل گیا، اگر تکبیر کے دوران یاد آ جائے تو ہاتھ اٹھا لے کیوں کہ ابھی اس کا موقع باقی ہے۔ اگر کندھوں تک ہاتھ اٹھانے ممکن نہ ہوں تو جہاں تک اٹھا سکتا ہو اٹھائے، اگر ایک ہاتھ اٹھا سکتا ہو اور دوسرا نہ اٹھا سکتا ہو تو ایک ہی اٹھا لے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے، جب میں تمہیں کوئی کام کرنے کا کہوں تو حتی المقدور اسے انجام دیا کرو۔ اگر ہاتھ اس طرح اٹھا سکتا ہو کہ جہاں تک اٹھانے سنت ہیں وہاں سے زیادہ اوپر لے جا کر ہی اٹھا سکتا ہو تو اسی طرح اٹھائے کیوں کہ اس میں

سنت کا عمل شامل ہے۔

انگلیاں کیسے ہوں: حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ انگلیاں کھلی رکھنا مسنون ہیں یعنی نہ تو بالکل ملا کر رکھی جائیں اور نہ بہت کھول کر بلکہ اپنی معمول کی حالت پر کھلی رکھی جائیں، یعنی درمیانی حالت میں الگ الگ ہوں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تھے تو ہاتھ اٹھاتے اور انگلیاں کھلی رکھتے۔(۱۴)

حنابلہ کہتے ہیں کہ جب ہاتھ اٹھائے تو انگلیاں سیدھی لمبی اور ایک دوسری سے ملا کر رکھے، کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو انگلیاں ملا لیتے۔(۱۵) حدیث میں ''مد'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ''نشر'' یعنی کھلی رکھنے کے متضاد ہے۔

بلند آواز سے تکبیر تحریمہ کہنا: مالکیہ کہتے ہیں(۱۶) کہ ہر نمازی کے لیے خواہ امام ہو، مقتدی ہو یا اکیلا بلند آواز سے تکبیر تحریمہ کہنا مستحب ہے۔نماز کی دوسری تکبیریں جو ایک حالت سے دوسری حالت میں جانے کے لیے کہی جاتی ہے وہ صرف امام کے لیے بلند آواز سے کہنا مستحب ہے۔ دوسروں کے لیے آہستہ کہنا مستحب ہے۔

تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہاتھ اٹھانا: حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور کسی موقع پر یعنی رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک اس سلسلے میں کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔اور ان کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو ہاتھ اٹھاتے تھے، اس کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔(۱۷)

نیز انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ کے عمل سے بھی استدلال کیا، انہوں نے کہا کیا میں تمہارے سامنے اس طرح نماز نہ پڑھوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے،

پھر انہوں نے نماز پڑھی اور پھر شروع میں ہاتھ اٹھائے، ایک روایت میں ہے، ''صرف شروع میں ہاتھ اٹھائے اور اس کے بعد نہیں اٹھائے''۔(۱۸) نیز انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی، ان میں سے کوئی بھی نماز کے شروع کے علاوہ ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔(۱۹)

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے بھی ہاتھ اٹھانا مسنون ہیں، کیوں کہ اکیس صحابہ سے متواتر کے طور پر یہ ثابت ہے۔(۲۰) ان میں سے ابن عمرؓ کی متفق علیہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے پھر تکبیر کہتے، جب رکوع میں جاتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے کھڑے ہوتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور کہتے: ''سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد''(۲۱)

شافعیہ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے، جیسا کہ نووی نے کہا کہ جب پہلے تشہد سے کھڑا ہو تو بھی ہاتھ اٹھائے کیوں کہ حضرت نافع کی حدیث ہے کہ ابن عمرؓ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے، جب رکوع کرتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعت مکمل کر کے کھڑے ہوتے تو ہاتھ اٹھاتے اور یہ بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔(۲۲)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک ہاتھ اٹھانے کے دوران انگلیاں درمیانی کھلی ہونی چاہیں اور حنابلہ کے نزدیک ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں۔ اور اس امر پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ انگلیوں کا اندر کا حصہ قبلہ رُخ ہو کیوں کہ کعبہ کی عزت کا تقاضا یہی ہے۔

۲- مقتدی کی تکبیر تحریمہ امام کی تکبیر سے ملی ہوئی ہو:

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ مسنون ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو" شرط یہ ہے کہ مقتدی امام کے اللہ اکبر کہنے سے فارغ ہونے سے پہلے تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

۳- دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھنا:

مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد مسنون یہ ہے کہ نمازی اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت اور گٹے پر رکھے کیوں کہ وائل بن حجر کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے نماز شروع کرنے کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے، تکبیر کہی، پھر اپنے کپڑے (چادر) میں لپٹ گئے، پھر آپؐ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت گٹے اور کلائی پر رکھا۔(۲۳) قبیصہ بن ہلب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کرتے تو بایاں ہاتھ دائیں سے پکڑ لیتے۔(۲۴) سہل بن سعد کہتے ہیں کہ لوگوں کو بتایا جاتا تھا کہ مرد نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھے۔(۲۵)

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے بایاں ہاتھ دائیں پر رکھا ہوا تھا، آپؐ نے ان کا دایاں ہاتھ پکڑا اور بائیں پر رکھ دیا۔(۲۶)

حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک ہاتھ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے گٹے پر یا اس کے قریب رکھے کیوں کہ ابن حجر کی مذکورہ بالا حدیث میں یہی ہے۔ گٹہ سے مراد کلائی کا وہ کنارہ ہے جو انگوٹھے کی طرف ہے۔ حنفیہ کے ہاں طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور مرد گٹے کے اردگرد چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا لے جب کہ عورت اپنے دونوں ہاتھ حلقہ بنائے بغیر سینے پر رکھے کیوں کہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہاتھ ناف کے نیچے باندھے کیوں کہ حضرت علیؓ سے

روایت ہے کہ ''ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون ہے''۔(۲۷) مسنون سے مراد یہ ہے کہ سنت نبوی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ ناف کے اوپر سینے کے نیچے بائیں جانب باندھے۔ کیوں کہ دل اس طرف ہوتا ہے، پس ہاتھوں کو تمام اعضاء میں سے اشرف عضو پر ہونا چاہیے۔ نیز وائل بن حجر کی مذکورہ بالا حدیث پر عمل کا تقاضا یہی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپؐ نے اپنے ہاتھ سینے پر ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے، اس حدیث کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جو صحیح ابن خزیمہ میں ہے جس میں ہاتھ رکھنے کی یہی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ وقار کے ساتھ ہاتھ نیچے چھوڑ دے، قوت کے ساتھ نہیں۔ ہاتھوں سے سامنے آنے والی کوئی چیز پرے نہ ہٹائے کیوں کہ ایسا کرنا خشوع کے منافی ہے۔نفل نماز میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھنے جائز ہیں کیوں کہ نفل میں کوئی چیز بلا ضرورت پکڑنا جائز ہے اور فرض نماز میں کسی چیز کا پکڑنا ایسا ہے جیسے کسی چیز پر ٹیک لگانا اور یہ جائز نہیں۔ اگر ٹیک لگانے کی نیت کے بجائے سنت کی نیت سے ایسا کرتا ہے تو مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بلا نیت کرتا ہے تو بظاہر مکروہ نہیں ہے۔

میرے نزدیک متعین طور پر جمہور کی رائے کو ترجیح ہے۔ یہ رائے مذہب مالکی کی اصل حقیقت سے بھی ہم آہنگ ہے کیوں کہ مذہب مالکی میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ ایک غیر مسنون عمل یعنی سہارا لینے کو رد کیا جائے یا اس عام غلط خیال کو مسترد کیا جائے کہ یہ واجب ہے۔

۴۔ سجدے کی جگہ نظر رکھنا:

شافعیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ نمازی سجدے کی جگہ پر نظر رکھے کیوں کہ

اس میں خشوع زیادہ ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو سجدے کی جگہ کے علاوہ کہیں اور نہیں دیکھتے تھے۔(۲۸) البتہ تشہد کا استثنا ہے کہ اس کے دوران اپنی شہادت کی انگلی کو دیکھتے تھے،جس سے اشارہ کرنا ہے۔(۲۹)

۵- ثنا پڑھنا یا نماز کے آغاز کی دعا:

مالکیہ کہتے ہیں کہ ثنا پڑھنا مکروہ ہے۔نمازی تکبیر کہہ کر قراءت شروع کر دے کیوں کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ اور عمرؓ الحمد للہ رب العلمین سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔(۳۰)

جمہور کے نزدیک پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھنا مسنون ہے اور میرے نزدیک اس کو ترجیح ہے۔اس کے کئی ایک الفاظ ہیں، حنفیہ اور حنابلہ کے منتخب الفاظ یہ ہیں:

سبحانک اللھم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک ولا الہ غیرک

(اے اللہ! تو پاک ہے، تیری تعریف کے ساتھ، تیرا نام بابرکت ہے، تیری عظمت بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں) کیوں کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کہتے: سبحانک اللھم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک ولا الہ غیرک (۳۱) سبحانک تسبیح سے ماخوذ ہے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور پاکی ہے۔ تبارک اسمک ، برکت سے ہے یعنی ہر چیز سے اللہ کی خبر ثابت ہے وتعالیٰ جدک، جد سے مراد عظمت ہے۔ تعالیٰ، علو سے تفاعل کے باب سے ہے یعنی تیری عظمت ہر کسی کی عظمت سے بلند ہے، تیرا جلال اور تیری شان بہت اونچی ہے۔اجمالاً اس کا مفہوم یہ ہے کہ الٰہی پاکی تیرے لیے ہے، میں تیری تعریف کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، ہر چیز میں تیرے نام کی برکت

ہمیشہ سے ہے، تیری شان بلند ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جو امر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اسے اختیار کرنا ہی اولیٰ ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ثنا کے ان الفاظ کو ترجیح ہے:

وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنيفاً مسلماً وما انا من المشركين، ان صلاتی و نسكی و محیای ومماتی لله رب العلمين، لا شريك له و بذلك امرت وانا من المسلمين (میں نے اپنا رُخ اس ذات کی طرف کر دیا ہے، جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، یکسو ہو کر، اس کا فرماں بردار ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے، اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا اور میں مسلمانوں میں سے ہوں)۔

احمد، مسلم اور ترمذی نے اسے روایت کیا اور ترمذی نے بتایا کہ یہ حضرت علیؓ سے صحیح روایت ہے۔(۳۲) یہ قرآنی آیت ہے البتہ آخری حصہ میں ذرا سی تبدیلی کر کے اسے ہر مسلمان کے مطابق کر دیا گیا ہے یعنی ''من المسلمين'' جب کہ اصل میں اول المسلمين ہے، جیسا کہ مسلم میں روایت ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں: میں اپنی عبادت سے زمین و آسمان کے خالق کی نیت کرتا ہوں، سچے دین یعنی اسلام کی طرف مائل ہوں اور شرک سے دور ہوں، ہر چیز کو خالص اللہ کے لیے کرتا ہوں کہ میری نماز میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے اور میں اس کا مطیع ہوں۔

امام احمد نے سبحانك اللهم کے علاوہ ثنا پڑھنے کو جائز قرار دیا اور حنفیہ کے نزدیک نوافل میں دونوں کو جمع کرنا جائز ہے لیکن نماز جنازہ میں صرف ثنا پڑھی جائے، توجہ والی دعا نہیں۔

امام جب قراءت شروع کر دے خواہ جہری نماز ہو یا دوسری، حنابلہ اور حنفیہ کی معتمد روایت (۳۳) کے مطابق مقتدی ثنا نہ پڑھے خواہ مسبوق ہو یعنی امام کے نماز شروع کرنے کے بعد نماز میں شامل ہوا ہو یا مدرک ہو یعنی امام کے ساتھ پہلی رکعت میں شامل ہوا ہو لیکن امام کے قراءت شروع کرنے کے بعد کیوں کہ جہری نماز میں قراءت سننا فرض ہے اور سری میں قرآن کی تعظیم کا تقاضا ہے۔ پس ثنا ایسی سنت ہے جو مقصود بالذات نہیں۔ سری نماز میں ثنا نہ پڑھنے کی یہ وجہ نہیں کہ خاموش رہنا واجب ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کے لیے کافی ہے اور حنابلہ کے نزدیک سری نماز میں مقتدی امام کی قراءت کے درمیان کے وقفوں میں ثنا اور اعوذ باللہ پڑھ لے۔

شافعیہ کے نزدیک (۳۴) سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر (اللہ پاک ہے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ بہت بڑا ہے) سے یا اللہ اکبر کبیرا، والحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ و بحمدہ بکرۃ و اصیلا (اللہ سب سے بڑا ہے، سب تعریفیں، بے حساب اسی کے لیے ہیں، اللہ پاک ہے، لائق ستائش ہے صبح و شام) سے، یا اس دعا سے نماز شروع کرنا جائز ہے: اللھم باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب ، اللھم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس ، اللھم اغسلنی بالماء والثلج والبرد (اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اس طرح دوری پیدا کر دے جیسے تو نے مشرق و مغرب کو دور دور کر دیا ہے، الٰہی مجھے گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک ہوتا ہے ، الٰہی مجھے پانی، برف اور اولوں سے نہلا دے)۔

اکیلے نمازی اور ایسے امام کے لیے جس کے مقتدی لمبی نماز پڑھنے کے لیے تیار اور راضی ہوں یہ ساری دعائیں جمع کرنا مستحب ہے بلکہ ان پر اس دعا کا اضافہ کرے:

اللھم انت الملک، لا الہ الا انت، انت ربی وانا عبدک، ظلمت نفسی، واعترفت بذنبی، فاغفرلی ذنوبی جمیعاً، فانه لا یغفر الذنوب الا انت واھدنی لأحسن الاخلاق فانہ لا یھدی لأ حسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا فانه لا یصرف سیئھا الا انت ، لبیک وسعدیک، والخیر کله فی یدیک والشرلیس الیک، انابک الیک، تبارکت ربی و تعالیت، فلک الحمد علیٰ ما قضیت استغفرک واتوب الیک"۔

(اے اللہ! تو بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ، میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، مجھے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے، میرے تمام گناہ بخش دے، کیوں کہ تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں، اچھے اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما، کیوں کہ تیرے سوا کوئی اچھے اخلاق کی رہنمائی نہیں کرسکتا، مجھے برے اخلاق سے دور رکھ کیوں کہ تیرے سوا کوئی برے اخلاق سے دور نہیں رکھ سکتا، میں حاضر ہوں، بار بار حاضر ہوں، تمام بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے، برائی تیری طرف سے نہیں ہوتی، میں تجھ سے ہوں، تیری طرف لوٹنے والا ہوں، میرا رب با برکت اور عظمت والا ہے، تیرے فیصلوں پر تیرے لیے تمام تعریفیں ہیں، میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں)

شافعیہ کے نزدیک اکیلے نمازی ، امام اور مقتدی کے لیے فرض اور نفل نماز میں وجھت و جھی ...... پڑھنا مستحب ہے،حتی کہ مقتدی کے شروع کرنے سے پہلے امام نے سورۂ فاتحہ شروع کر لی یا امام کی آمین کے ساتھ آمین کہہ ڈالی تب بھی۔ البتہ جب امام سورۂ فاتحہ یا اعوذ باللہ پڑھ رہا ہوتو اس وقت نہ پڑھے۔شافعیہ کہتے ہیں کہ پانچ شرائط کے ساتھ یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

اوّل: نماز جنازہ میں نہ ہو، اس میں وجھت وجھی پڑھنا مسنون نہیں بلکہ اعوذباللہ

سے شروع کرے۔

دوم: نماز ادا کرنے کا وقت ختم ہونے کا خوف نہ ہو، یعنی اتنا وقت ہو کہ اس میں ایک رکعت پڑھی جا سکتی ہو، اگر اتنا وقت نہ بچتا ہو جس میں ایک رکعت پڑھی جا سکتی ہو تو پھر یہ دعا نہ پڑھے۔

سوم: مقتدی کو سورۂ فاتحہ کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اگر ایسا خوف ہو تو پھر مسنون نہیں۔ اگر شروع کر چکا ہے تو پھر اتنی مقدار فاتحہ بھی پڑھے۔

چہارم: امام قیام کے علاوہ کسی اور حالت میں نہ ہو۔ اگر امام قومہ (رکوع سے کھڑا ہونا) میں ہو تو مسنون نہیں۔ اگر امام تشہد میں تھا، مقتدی اس میں شریک ہوا، امام نے سلام پھیر لیا یا امام کے ساتھ بیٹھنے سے پہلے مقتدی کھڑا ہے تو مسنون یہ ہے کہ وجہت وجھی کی دعا پڑھ لے۔

پنجم: اعوذ باللہ یا قراءت نہ شروع کر دی ہو، اگر بھولے سے بھی ان میں سے کوئی چیز شروع کر دی تو پھر وجہت ...... نہ پڑھے۔

۶- نماز کی قراءت سے پہلے تعوذ (اعوذ باللہ) پڑھنا:(۳۵)

مالکیہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ اور سورت سے پہلے تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔ کیوں کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ اور عمرؓ الحمد للہ رب العلمین سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ پہلی رکعت میں تعوذ پڑھے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہر رکعت میں قراءت سے پہلے آہستہ تعوذ پڑھے یعنی اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم کہے۔(۳۶) پھر کہے بسم اللہ الرحمن الرحیم حنفیہ اور حنابلہ کے

نزدیک آہستہ اور شافعیہ کے نزدیک جہری نمازوں میں بلند آواز سے جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔تعوذ کے سنت ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔ فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم (جب قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو۔ النحل ۱۶:۹۸)

۷- آمین کہنا:

نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا، سورۂ فاتحہ ختم ہونے پر آمین (اے اللہ! قبول فرما) کہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک آہستہ اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک سری نمازوں میں آہستہ اور جہری نمازوں میں بلند آواز سے مقتدی امام کی آمین کے ساتھ ہی آمین کہے۔

اس کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، جس کی آمین ملائکہ کی آمین سے ہم آہنگ ہو گئی اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہا کرتے تھے۔(۴۷)

حنابلہ نے یہ اضافہ کیا ہے۔(۴۸) کہ اگر امام آمین کہنا بھول جائے تو مقتدی آمین کہے اور بلند آواز سے کہے تاکہ امام کو یاد آ جائے اور وہ بھی کہے کیوں کہ یہ قولی سنت ہے، اگر امام اسے چھوڑ دے تو مقتدی کہہ لے جیسے کہ تعوذ میں بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر نمازی آمین کہنا بھول گیا، یا اس نے دانستہ آمین چھوڑ دی اور وہ سورت پڑھنا شروع کر دے تو پھر آمین نہ کہے کیوں کہ اس کا موقع جاتا رہا۔

آمین آہستہ کہنے کے بارے میں مالکیہ اور حنیفہ کی دلیل ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ چار چیزیں امام آہستہ کہے: تعوذ، تسمیہ (بسم اللہ کہنا) آمین اور ربنا لک الحمد۔(۴۹)

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بلند آواز سے آمین کہنے کی دلیل ابوہریرہؓ کی روایت

ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیھم ولاالضالین کہتے تو آمین اتنی آواز سے کہتے کہ پہلی صف میں جولوگ آپ کے قریب ہوتے وہ سن لیتے تھے۔(۴۰) نیز وائل بن حجر کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ جب آپؐ نے غیر المغضوب علیھم ولاالضالین کی تلاوت کی تو کہا، آمین اور آواز لمبی کی۔(۴۱)

۸- تھوڑی دیر کی خاموشی:

شافعیہ کے نزدیک (۴۲) نماز میں چھ مقامات پر مختصر خاموشی مسنون ہے جتنی دیر میں سبحان اللہ کہا جاتا ہے البتہ آمین اور سورت کے درمیان کی خاموشی اس میں شامل نہیں ہے جہری نماز میں امام کو اس موقع پر اتنی دیر خاموش رہنا چاہیے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے اس دوران امام کے لیے مسنون ہے آہستہ قراءت میں مشغول رہے یا دعا کرتا رہے۔ قراءت میں مشغول رہنا بہتر ہے۔ اس موقع پر سکوت سے مراد یہ ہے کہ بلند آواز سے کچھ نہ پڑھے ورنہ حقیقتاً نماز میں خاموشی مطلوب نہیں ہے۔

چھ مقامات کی خاموشی: ثنا اور تعوذ کے درمیان، تکبیر تحریمہ اور ثنا کے درمیان، تعوذ اور تسمیہ کے درمیان ، فاتحہ اور آمین کے درمیان، آمین اور سورت کے درمیان اور سورت اور رکوع کی تکبیر کے درمیان یعنی تین بار سورۂ فاتحہ سے پہلے اور تین بار سورۂ فاتحہ کے بعد۔ چوتھی خاموشی میں حکمت یہ ہے کہ مقتدی کو معلوم ہو کہ آمین قرآن کا حصہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں (۴۳) کہ مستحب یہ ہے کہ امام سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بعد خاموش کھڑا ہو کر آرام کرے تاکہ اس وقفے میں مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لیں اور ان کا امام سے قراءت میں نزاع نہ ہو، اسی طرح تکبیر کے بعد اور قراءت ختم کرنے کے بعد اور سورۂ فاتحہ کے بعد آمین سے پہلے مختصر وقفہ مستحب ہے۔

وقفوں کے جواز کی دلیل: سمرہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مرتبہ وقفہ فرمایا کرتے تھے۔ جب نماز شروع کرتے اور جب پوری رکعت سے فارغ ہو جاتے اور ایک روایت میں ہے ایک وقفہ اس وقت کرے جب تکبیر کہے اور ایک وقفہ اس وقت کرے جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین (۴۴) پڑھ کر فارغ ہو۔ یہ حدیث تین وقفوں کی دلیل ہے۔ تکبیر کے بعد، فاتحہ کے بعد اور قراءت مکمل کرنے کے بعد۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ وقفے مکروہ ہیں۔ البتہ مالکیہ نے (۴۵) سورۂ فاتحہ کے وجوب کے مشہور قول کی بحث میں کہا ہے کہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے درمیان خاموش وقفہ یا ذکر مستحب ہے تاکہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر گڈ مڈ نہ ہو جائیں۔ اگر وقفہ نہیں کیا اور رکوع کر لیا تب بھی جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک (۴۶) فرض پڑھنے والے کو آخری دو رکعتوں (تیسری اور چوتھی) میں اختیار ہے چاہے سورۂ فاتحہ پڑھے چاہے تین بار تسبیح کہہ لے چاہے اتنی دیر خاموش کھڑا رہے۔ اگر خاموش کھڑا رہے تب بھی گناہ نہیں ہے کیوں کہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے یہ اختیار ثابت ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان رکعات میں ہمیشہ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس لیے ان میں سورۂ فاتحہ واجب نہیں ہے۔

۹- پاؤں کے درمیان فاصلہ:

حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں پاؤں کے درمیانی چار انگلیوں کا فاصلہ ہونا چاہیے، یہ خشوع کے لیے زیادہ بہتر انداز ہے۔

شافعیہ کے نزدیک دونوں پاؤں کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ ہونا چاہیے۔ بلا عذر دونوں پاؤں کو ملا کر کھڑا ہونا درست نہیں کیوں کہ اس میں تکلف ہے جو خشوع کے منافی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دونوں پاؤں درمیانی حالت میں کھول کر کھڑے ہونا مستحب ہے اس طرح کہ نہ تو بالکل ملے ہوئے ہوں اور نہ اتنے کھلے ہوں کہ عادتاً معمول نہ ہوں۔

۱۰- سورۂ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا:

حنفیہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا ہر نماز کی پہلی اور دوسری رکعت میں واجب ہے اور جمہور کے نزدیک سنت ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، جن نمازوں میں سورۂ فاتحہ بلند آواز میں پڑھی جاتی ہے ان میں سورت بھی بلند آواز سے پڑھی جائے گی اور جن میں سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھی جاتی ہے ان میں سورت بھی آہستہ پڑھی جائے گی، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزعمل یہی تھا۔ ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی پڑھتے تھے، پہلی رکعت لمبی کرتے اور دوسری اس سے کم، کبھی کوئی آیت سنائی بھی دی جاتی تھی، عصر کی پہلی دو رکعات میں بھی سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت پڑھتے پہلی میں لمبی اور دوسری میں چھوٹی، فجر کی دو رکعات میں بھی سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملاتے، پہلی میں طویل اور دوسری میں اس سے کم۔(۴۷) ابو برزہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ساٹھ سے سو آیات تک پڑھتے تھے۔(۴۸) جہری نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سورت پڑھنے کی روایات تواتر کی حد تک مشہور ہیں۔ آپ نے معاذؓ بن جبل کو والشمس و ضحاھا اور سبح اسم ربک الاعلی اور واللیل اذا یغشی پڑھنے کا حکم دیا تھا۔(۴۹)

کس طرح کی سورت پڑھی جائے: حنفیہ کے نزدیک (۵۰) ایک ہی سورت دو رکعات میں دہرانا اور پہلی رکعت میں ایک جگہ سے اور دوسری میں دوسری جگہ سے پڑھنا دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اگر ایک ہی سورت دونوں رکعات میں پڑھے اور درمیان سے دو یا دو

سے زیادہ آیات چھوڑ دے تب بھی کوئی حرج نہیں۔

البتہ درمیان میں کوئی چھوٹی سورت چھوڑ دینا یا قرآن کی ترتیب الٹ دینا مکروہ ہے کہ پہلی رکعت میں آگے کی کوئی سورت پڑھے اور دوسری میں اس سے پیچھے کی کیوں کہ قرآن میں سورتوں کی ترتیب کا لحاظ رکھنا تلاوت کے واجبات میں سے ہے بچوں کے لیے ترتیب بدل دینا جائز ہے تا کہ تعلیم میں آسانی ہو۔ نیز اگر ایک رکعت میں قرآن ختم کیا ہو تو دوسری میں سورۂ بقرہ سے شروع کرنا جائز ہے، اور یہ صورت ترتیب کی پابندی سے مستثنیٰ ہے۔

اگر پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون (۱۰۹) اور دوسری میں الم تر کیف (الفیل ۱۰۵) یا تبت (المسد۱۱۱) پڑھی اور پڑھتے ہوئے یاد آ گیا تو قراءت مکمل کر لے۔نفل نماز میں ان میں سے کوئی بات بھی مکروہ نہیں۔

تین آیات جو ایک چھوٹی سورت کے برابر یا ایک بڑی آیت کے برابر ہوں پڑھے کیوں کہ قرآن کا چیلنج اور اعجاز ایک چھوٹی سورت سے متعلق ہے ایک آیت سے نہیں۔ فضیلت کا تعلق زیادہ ثواب سے ہے اور اعتبار اس امر کا ہے کہ پوری سورت یا سورت کا کچھ حصہ ایسا پڑھا جائے جس میں زیادہ آیات ہوں۔

بلند آواز سے اور آہستہ قراءت کرنے کے مواقع: فقہاء کا اتفاق ہے کہ صبح، مغرب، عشا، جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان کے وتر میں بلند آواز سے قراءت کرے اور ظہر و عصر میں آہستہ۔ وتر اور دوسرے نوافل کے بارے میں فقہاء کے ہاں تفصیل ہے۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ رمضان میں وتر کی تمام رکعات میں عیدین اور تراویح میں امام کے لیے بلند آواز سے قراءت واجب ہے اور سورج گرہن، استسقا اور دن کے نوافل میں امام اور اکیلے نمازی کے لیے آہستہ قراءت واجب ہے۔ رات کے نوافل میں اختیار ہے۔

اکیلے نمازی کو جہری نمازوں میں اختیار ہے کہ بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ، ادا

پڑھ رہا ہو یا قضاء وقت پر یا وقت کے علاوہ البتہ رات کو بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ سری نمازوں میں آہستہ پڑھنا واجب ہے۔ مقتدی کو بہر حال خاموش رہنا ہوتا ہے۔

مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ رات کے تمام نوافل میں بلند آواز سے اور دن کے تمام نوافل میں آہستہ پڑھنا مسنون ہے البتہ دن کی ایسی نمازیں جن میں خطبہ ہوتا ہے مثلاً نماز عید اور استسقا، ان میں بلند آواز سے پڑھنا مستحب ہے۔ مقتدی کے لیے آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں عیدین میں، چاند گرہن میں، نماز استسقا، تراویح، رمضان کے وتر اور رات یا صبح کے وقت طواف کی دو رکعات میں بلند آواز سے قراءت کرنا سنت ہے اور دوسری نمازوں میں آہستہ قراءت کی جائے البتہ رات کے نوافل میں متوسط بلند آواز سے جو بلند اور آہستہ کے درمیان ہو قراءت کرے۔ متوسط سے مراد یہ ہے کہ کبھی بلند آواز سے اور کبھی آہستہ تاکہ سنت کا اتباع ہو بشرطیکہ اس کی وجہ سے سونے والوں، نماز پڑھنے والوں اور دوسرے لوگوں کی مصروفیات میں غلطی نہ واقع ہو۔ فرض نماز کی قضا کے سلسلے میں اس وقت کا اعتبار ہے جس وقت نماز قضا کی جا رہی ہے یہی مستند روایت ہے۔ عورت اپنی آواز مرد سے پست رکھے۔ اور ایسے موقع پر بلند آواز سے قراءت کر سکتی ہے جہاں غیر محرم مرد موجود نہ ہوں۔

حنابلہ کے نزدیک نماز عید، استسقا سورج گرہن، تراویح اور تراویح کے بعد کے وتر میں بلند آواز سے قراءت سنت ہے، باقی نمازوں میں آہستہ قراءت کرے۔

اکیلے نمازی کو جہری نمازوں میں اختیار ہے، چاہے بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ، جیسا کہ حنفیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

قراءت کے دوران دعا کرنا: جب رحمت کی آیت کی تلاوت کرے تو اللہ سے

مغفرت اور رحمت طلب کرنا اور جب عذاب کی آیت پڑھے تو عذاب سے پناہ مانگنا مسنون ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور دوزخ کے ذکر کے موقع پر ایسا ہی کرتے تھے۔ مثلاً آپؐ کہتے اعوذ باللہ من النار ویل لأھل النار (۵۱) (آگ سے اللہ کی پناہ، جہنمیوں کے لیے ہلاکت ہے) جس آیات میں خوفناک انجام اور مناظر کا ذکر ہوتا، اس کی تلاوت کے وقت آپؐ دعا کرتے اور اللہ کی پناہ مانگتے اور جس آیت میں خوش خبری ہوتی اس کی تلاوت کے وقت اللہ سے دعا کرتے اور اپنی رغبت کا اظہار فرماتے۔(۵۲) جب آپ الیس ذلکٔ بقادر علی ان یحیی الموتی (القیامة ۷۵:۴۰) (کیا اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟) کی تلاوت کرتے تو بعد میں فرماتے: سبحانک فبلیٰ (۵۳) (اے اللہ! تو پاک ہے، کیوں نہیں) جب تسبیح کی آیت مثلاً فسبح باسم ربّک العظیم (الواقعہ ۵۶:۷۴) (ایسے عظیم رب کی تسبیح بیان کرو) کی تلاوت کی جائے تو تسبیح پڑھے اور سورۂ التیــــن (۹۵) اور القیامہ کے آخر میں کہے: بلی وانا علی ذلک من الشاھدین (کیوں نہیں، میں اس پر گواہ ہیں) اور المرسلات کے آخر میں کہے آمنا باللہ (ہم اللہ پر ایمان لائے)۔

سورت کی قراءت کب اور کیسے کرے؟

شافعیہ کہتے ہیں کہ جہری نماز میں مقتدی سورت نہ پڑھے بلکہ سنے، اگر جہری نماز میں مقتدی دور کھڑا ہو یا سری نماز ہو تو صحیح یہ ہے کہ قراءت کرے کیوں کہ خاموش کھڑے رہنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ شافعیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کہتے ہیں مقتدی سورت نہ پڑھے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک سورۃ کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کرے اور سورۂ فاتحہ کے بعد پوری سورت پڑھنا مستحب ہے، سورۃ کے ایک حصہ، ایک آیت یا چند آیات پر اکتفا نہ کرے، سورۃ خواہ لمبی ہو پوری پڑھنا مستحب ہے۔ سری نمازوں میں،

مغرب کی آخری رکعت میں اور عشا کی آخری دو رکعات میں امام کے پیچھے آہستہ قراءت کرنا مستحب ہے۔

جمہور کے نزدیک دونوں رکعات میں ایک ہی سورت کی تکرار مکروہ ہے بلکہ مطلوب یہ ہے کہ دوسری رکعت میں پہلی رکعت میں پڑھی گئی سورۃ کے علاوہ کوئی سورۃ پڑھے جو آگے کی ہو، پیچھے کی نہ ہو، اگر پہلی رکعت میں سورۃ البیـــــنة پڑھی ہے تو دوسری میں سورۃ الـقـدر نہ پڑھے۔ حنفیہ کے نزدیک دوسری رکعت میں وہی سورت دہرا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے جو پہلی رکعت میں پڑھی تھی ۔ جمہور کے نزدیک فرض نماز میں دوسری رکعت کی قراءت کی مقدار پہلی رکعت کی مقدار سے کم ہونا مستحب ہے۔امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ صرف فجر کی نماز میں پہلی رکعت لمبی ہونی چاہیے لیکن فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے جن کی رائے جمہور سے ہم آہنگ ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت لمبی ہونی چاہیے۔اس میں سنت کا اتباع ہے۔ظہر اور عصر کے بارے میں یہ شیخین (بخاری اور مسلم) کی روایت ہے اور فجر کے بارے میں مسلم کی اور دوسری نمازوں کو ان پر قیاس کیا جائے گا۔

فقہاء کا اتفاق ہے کہ دونوں رکعات میں سورتوں کی ترتیب مصحف کی ترتیب کے مطابق ہونی چاہیے۔ اس ترتیب کو الٹ دینا مکروہ ہے۔ کسی بھی سورت کے آخری یا درمیانی حصہ سے قراءت کرنا مکروہ نہیں ہے کیوں کہ ابوسعید کہتے ہیں: ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ سورۂ فاتحہ پڑھیں اور اس کے علاوہ جو آسان ہو۔نفل نماز میں دو یا دو سے زائد سورتوں کو جمع کرنا جائز ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، آل عمران اور نساء تلاوت فرمائی البتہ فرض نماز میں مستحب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ ایک سورت پر اکتفا کرے اور اس پر اضافہ نہ کرے، کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

نماز میں سورتوں کی مستحب مقدار: اگر امام ایسے لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہے جو خوشی سے لمبی نماز پڑھتے ہیں تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ صبح کی نماز میں طوال مفصل (۵۴) پڑھنا مسنون ہے، مالکیہ، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ظہر میں بھی، حنابلہ کے نزدیک ظہر میں اوساط مفصل پڑھی جائیں، (۵۵) عصر اور عشا میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل، مالکیہ کے نزدیک عصر میں بھی مغرب کی طرح قراءت کی جائے (طوال مفصل، اوساط مفصل اور قصار مفصل کی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔

اس کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص سے زیادہ کسی کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ نہیں دیکھی۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ صبح کی نماز میں طوال مفصل، مغرب میں قصار مفصل اور عشا میں اوساط مفصل پڑھتے تھے۔ (۵۶) فجر اور ظہر میں لمبی قراءت کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان کا وقت طویل ہوتا ہے اور لمبی قراءت کے باعث جو کوئی نیند یا قیلولہ کی وجہ سے غفلت میں ہے وہ بھی شریک ہو سکتا ہے۔ عصر میں درمیانی قراءت کی وجہ یہ ہے کہ لوگ دن بھر کے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں اور عشا کے وقت نیند اور اونگھ کا غلبہ ہوتا ہے جب کہ مغرب میں مختصر قراءت اس لیے ہے کہ اس کا وقت تنگ ہوتا ہے۔

جابر بن سمرہؓ کی حدیث نمازوں میں قراءت کی مقدار بتانے میں جامع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۂ ق والقرآن المجید (۵۰) وغیرہ کی تلاوت فرماتے اور اس کے بعد کی نمازوں میں تخفیف ہوتی۔ ایک روایت میں ہے کہ ظہر کی نماز میں واللیل اذا یغشی (۹۲) اور عصر میں بھی تقریباً اتنی ہی جب کہ صبح کی نماز کی قراءت طویل ہوتی تھی۔ (۵۷) ایک اور روایت میں ہے، جب سورج ڈھلتا تو ظہر کی نماز پڑھتے اور اس میں واللیل اذا یغشی وغیرہ کی تلاوت کرتے، عصر کی نماز میں بھی اتنا ہی

تلاوت فرماتے البتہ صبح کی نماز طویل تر ہوتی تھی۔(۵۸)

ابن ماجہ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد کی تلاوت فرماتے۔ امام کے لیے بالعموم مختصر نماز پڑھانا مستحب ہے کیوں کہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذؓ! تم لوگوں کو آزمائش میں ڈال رہے ہو؟ تم سبح اسم ربک الاعلی اور والشمس وضحاھا اور واللیل اذا یغشی کیوں نہیں پڑھتے۔(۵۹) بخاری میں روایت ہے: جو کوئی نماز پڑھائے، مختصر نماز پڑھائے کیوں کہ نمازیوں میں کمزور، بیمار اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔

سورتوں کی مقدار کی حد بندی: لمبی، درمیانی اور چھوٹی سورتوں کی حد بندی میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔

حنفیہ کی مستند روایت یہ ہے کہ(۶۰) طوال مفصل: سورۃ الحجرات سے سورۃ البروج کے آخر تک (چالیس، پچاس آیات والی سورتیں) ہیں۔ اوساط مفصل: سورۃ الطارق سے سورۃ البینۃ کے شروع تک (پندرہ آیات والی سورتیں) ہیں اور قصار مفصل: سورۃ البینۃ سے آخر قرآن تک (ہر رکعت میں پانچ آیات والی سورتیں) ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک(۶۱) طوال مفصل: الحجرات سے سورۃ النازعات تک اوساط مفصل: عبس سے سورۃ واللیل تک اور قصار مفصل: والضحی سے آخر قرآن تک ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک(۶۲) طوال مفصل: الحجرات سے سورۃ النباء (عم) تک، اوساط مفصل: سورۃ النباء سے والضحی تک اور قصار مفصل: والضحی سے آخر قرآن تک۔ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ (الم، تنزیل) اور دوسری میں ھل اتی (الانسان ۷۶) پڑھے کیوں کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث سے یہ ثابت ہے۔(۶۳)

حنابلہ کے نزدیک (۶۴) پہلی مفصل سورۃ ق ہے اور ایک قول یہ ہے کہ الحجرات ہے۔

حنابلہ نے وضاحت کی ہے کہ مصحف عثمانی کے مطابق قراءت کرے جو متواتر ہے، صحت سند سے ثابت ہے اور عربی زبان سے مطابقت رکھتی ہے۔ مصحف عثمانی سے ہٹ کر قراءت کرنا مثلاً ابن مسعودؓ وغیرہ کی قراءت اور دیگر شاذ قراءتوں کے مطابق پڑھنا حرام ہے اور اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (شاذ قراءت سے مراد وہ قراءت ہے جو قراءت متواترہ کے تین ارکان میں سے کسی ایک رکن کے خلاف ہو۔ قراءت متواترہ کے تین ارکان یہ ہیں۔ عربی زبان سے مطابقت خواہ کسی اعتبار سے ہو، مصحف عثمان کی موافقت خواہ احتمال کے درجے میں ہو اور صحت سند)۔ (۶۵)

بلند آواز سے اور آہستہ پڑھنے کی حدود: حنفیہ کے نزدیک بلند آواز سے پڑھنے کی کم از کم حد یہ ہے کہ جو لوگ بہت قریب ہیں ان کے علاوہ بھی مثلاً پہلی صف والے سن سکیں۔ اور ایک دو آدمی سن سکتے ہیں تو یہ بلند آواز سے پڑھنا نہیں ہے اور آہستہ پڑھنے کی کم از کم حد یہ ہے کہ خود سنے یا قریب کے ایک دو آدمی سن سکیں۔

مالکیہ کے نزدیک بلند آواز سے پڑھنے کی کم از کم حد یہ ہے کہ قریب کا آدمی سن سکے اور آہستہ پڑھنے کی کم از کم حد زبان کی حرکت ہے۔ عورت کا بلند آواز سے پڑھنا یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بلند آواز کی کم از کم حد یہ ہے کہ پاس کا آدمی سن سکے خواہ ایک ہی ہو اور آہستہ پڑھنے کی کم از کم حد یہ ہے کہ خود سنے، عورت اجنبی مرد کی موجودگی میں بلند آواز سے قراءت نہ کرے۔

۱۱- رکوع اور سجدے کے لیے، سجدے سے اٹھنے اور قیام کرنے کے لیے تکبیر کہنا:

اجماع امت سے ثابت ہے کہ اللہ اکبر کہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بار اٹھتے، جھکتے، کھڑے ہوتے اور بیٹھتے اللہ اکبر کہتے دیکھا ہے۔ (۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام حالتوں میں اللہ اکبر کہنے کا شرعی حکم

ہے البتہ رکوع سے اٹھتے ہوئے آپؐ سمع اللہ لمن حمدہ کہا کرتے تھے۔ حنابلہ کے نزدیک اللہ اکبر کہنا، سمع اللہ لمن حمدہ کہنا اور دونوں سجدوں کے درمیان اور پہلے تشہد میں رب اغفرلی کہنا واجب ہے۔

رکوع کی سنتیں یہ ہیں:

الف- دونوں ہاتھوں سے گھٹنے پکڑے اور دونوں ہاتھ مضبوطی سے گھٹنوں پر رکھے، رکوع کے دوران پشت سیدھی رکھے، مرد اپنی انگلیاں کھلی رکھے، عورت اپنی انگلیاں کھلی نہ رکھے، دونوں پنڈلیاں کھڑی رکھے، سر اور پیٹھ برابر رکھے، سر نہ اونچا ہو نہ نیچا، مرد اپنے بازو پہلوؤں سے الگ رکھے کیوں کہ ابو مسعودؓ عقبہ بن عمرو کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رکوع کیا تو اپنے ہاتھ پہلوؤں سے الگ رکھے، دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور گھٹنوں کے ارد گرد اپنی انگلیاں کھلی رکھیں اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔(٦٧) مصعب بن سعد کہتے ہیں، میں نے اپنے والد کے پہلو میں نماز پڑھی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر رانوں کے درمیان رکھ لیے تو انہوں نے مجھے منع کرتے ہوئے کہا، ہم بھی اس طرح کرتے تھے، ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں۔(٦٨) ابو حمید الساعدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے۔ بازو کی کمان بنا لی اور پہلوؤں سے الگ کر لیے۔(٦٩) ابن ماجہ میں وابصہ بن معبد کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا، آپؐ جب رکوع کرتے تو اپنی پشت سیدھی رکھتے حتی کہ اگر اس پر پانی ڈالا جاتا تو ٹھہر جاتا۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث مسلم میں ہے کہ آپؐ جب رکوع کرتے تو نہ سر بلند رکھتے اور نہ پست بلکہ درمیان میں رکھتے۔

ب- کم از کم ایک بار سبحان ربی العظیم کہے اور جمہور کے نزدیک کمال کا درجہ یہ

ہے کہ تین بار کہے۔ مالکیہؒ کے نزدیک زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کے ساتھ وبحمدہ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس کی دلیل حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپؐ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے اور جب کوئی آیت رحمت پڑھتے تو وہاں رک کر رحمت کی دعا کرتے اور جب آیت عذاب پڑھتے تو پناہ مانگتے۔(۷۰) عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ جب فسبح باسم ربک العظیم نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اِسے اپنے رکوع میں شامل کر لو۔ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور یہ کم از کم مقدار ہے۔(۷۱)

امام تین بار سے زائد تسبیح نہ پڑھے بلکہ اس کے لیے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے تاکہ مقتدیوں کے لیے تنگی نہ ہو البتہ شافعیہ کے نزدیک اکیلا نمازی اور ایسا امام جس کے مقتدی لمبی نماز پڑھنے پر راضی ہوں رکوع میں یہ دعا بھی پڑھے۔

اللھم لک رکعت و بک آمنت و لک اسلمت و خشع لک سمعی و بصری و مخی و عظمی و عصبی وما استقلت به قدمی(۷۲)

”اے اللہ!میں نے تیرے لیے رکوع کیا، تجھ پر ایمان لایا، تیری اطاعت کی، تیرے لیے میرے کان، آنکھیں، دماغ، ہڈیاں، پٹھے اور وہ سب کچھ جس سے میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوں عاجزانہ حاضر ہیں“۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی آنے والے کو پہچانتے ہوئے نماز میں شریک کرنے کے لیے لمبا رکوع کیا یا لمبی قراءت کی تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر پہچانے بغیر کیا تو کوئی حرج نہیں۔ باقی ائمہ بھی اس رائے سے ہم آہنگ ہیں۔ رکوع میں اطمینان چاروں مذاہب کے نزدیک واجب ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

۱۲۔ تسمیع وتحمید

یعنی سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد کہنا۔(۷۳) امام اور اکیلا نمازی ربنا لک الحمد حنفیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی مشہور روایت کے مطابق آہستہ کہے اور مقتدی حنابلہ کے نزدیک اور حنفیہ کی مستند روایت کے مطابق صرف ربنا لک الحمد یا ربنا ولک الحمد یا اللھم ربنا و لک الحمد کہے۔ شافعیہ کے نزدیک ربنا لک الحمد کہنا بہتر ہے کیوں کہ سنت میں اسی طرح آیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک اللھم ربنا و لک الحمد کہنا سب سے افضل ہے پھر ربنا ولک الحمد اور پھر ربنا لک الحمد۔ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک ربنا و لک الحمد کہنا افضل ہے۔

مالکیہ کے نزدیک امام ربنا لک الحمد نہ کہے اور مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے اور اکیلا نمازی جب کھڑا ہو تو دونوں کہے، رکوع سے اٹھتے وقت نہیں کیوں کہ رکوع سے اٹھنا سمع اللہ کے ساتھ ملا ہوا ہونا چاہیے اور جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو کہے ربنا......الخ

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک مقتدی صرف تحمید (ربنا لک الحمد) پر اکتفا کرے۔
شافعیہ کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو، مقتدی ہو یا اکیلا سب کے لیے تسمیع وتحمید دونوں کہنا مسنون ہیں۔

شافعیہ کی دلیل حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، پھر جب رکوع میں جاتے تو تکبیر کہتے، پھر جب رکوع سے اٹھتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے، پھر کھڑے ہو کر ربنا ولک الحمد کہتے......"

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور ایک روایت میں ربنا لک الحمد ہے۔(۷۴)

جمہور کے نزدیک امام اور مقتدی میں فرق کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو۔(۷۵)

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ربنالک الحمد مل السموات و ملٔ الارض و ملٔ ما شئت من شئی بعد (اے ہمارے رب! تیرے لیے زمین اور آسمان بھر اور ان کے بعد جو تو چاہے اس کو بھر کر تعریف ہے) یعنی زمین و آسمان کے بعد عرش، کرسی وغیرہ وہ اشیاء جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اکیلا نمازی اور ایسا امام جس کے مقتدی لمبی نماز کے لیے بخوشی تیار ہوں یہ الفاظ بھی کہے اھل الثناء والمجد (۷۶) احق ماقال العبد (۷۷) وکلنالک عبد لامانع لما اعطیت ولامعطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد(۷۸) (تو عظمت وتوصیف کا اہل ہے، بندے نے جو سب سے سچی بات کہی اور ہم سب تیرے بندے ہیں، وہ یہ ہے کہ جو تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روک دے وہ کوئی دے نہیں سکتا، تیرے ثمر آور بنائے بغیر کسی کی محنت کارگر نہیں ہوسکتی)۔

ان کی دلیل ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے:

اللھم ربنالک الحمد ملٔ السموات وملٔ الارض وملٔ مابینھما وملٔ ماشئت بعد اھل الثناء والمجد، لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولاینفع ذاالجدمنک الجد۔(۷۹)

(اے اللہ! تیرے لیے زمین، آسمان اور جو ان کے درمیان ہے اور ان کے بعد جو تو چاہے سب کچھ بھر بھر کر تعریفیں ہیں، تو توصیف وعظمت کے لائق ہے، جو تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روک دے اسے کوئی دے نہیں سکتا، کسی قسمت یا محنت والے

کی قسمت یا محنت تیرے سوا نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی)۔

حنفیہ کے نزدیک یہ اکیلے نمازی کے لیے ہے۔(۸۰)

۱۳- سجدے میں جاتے ہوئے پہلے دونوں گھٹنے، پھر دونوں ہاتھ اور پھر چہرہ زمین پر رکھنا اور اٹھتے ہوئے اس کے برعکس اٹھنا:

مالکیہ کے علاوہ یہ جمہور کی رائے ہے اور ان کی دلیل وائل بن حجر کی مذکورہ بالا روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ رکھنے سے پہلے دونوں گھٹنے رکھ دیتے اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے اٹھاتے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سجدے میں جاتے ہوئے پہلے ہاتھ رکھے پھر گھٹنے اور اٹھتے ہوئے پہلے گھٹنے اٹھائے پھر ہاتھ۔کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ پہلے اپنے ہاتھ رکھے پھر گھٹنے، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اور دونوں طریقوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں ہے۔

۱۴- سجدے کی دوسری ہیئتیں:

الف- حنفیہ کے نزدیک چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھے اور اس پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ انگلیاں ملی ہوئی اور کپڑے سے باہر قبلہ رو ہوں، حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک سجدے کے دوران ہاتھ کندھوں کے برابر رکھے اور انہیں کپڑے سے باہر رکھے اور ہتھیلیاں زمین پر ٹیک دے اور شافعیہ کے نزدیک دونوں پاؤں، دونوں گھٹنوں اور دونوں رانوں کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ ہونا چاہیے۔

دونوں پاؤں کی انگلیاں بھی قبلہ رو رکھنا سنت ہیں۔

پہلی حالت کی دلیل وائل بن حجرؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سجدہ کرتے تو اپنا چہرہ ہتھیلیوں کے درمیان رکھتے۔(۸۱)

ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر قبلہ رو رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ اس طرح کعبہ کی عظمت کا اظہار ہے اور سجدہ نزول رحمت کا موقع ہے، ہاتھ ملا کر رکھنے سے زیادہ رحمت سمیٹی جا سکتی ہے۔ (۸۲)انگلیاں ملا کر قبلہ رو رکھنے کی دلیل ابوحمید ساعدی کی روایت ہے: جب آپؐ سجدے کرتے تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دیتے، بازو زمین پر نہ بچھاتے، مٹھیاں بند نہ کرتے اور پاؤں کی انگلیاں بھی قبلہ رو رکھتے۔(۸۳)

تیسری ہیئت کی دلیل ابوحمید ساعدیؓ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدے کرتے تو دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر رکھتے۔(۸۴)

کپڑے سے ہاتھ باہر نکالنے کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی کپڑا اس طرح بدن پر لپیٹ لینے سے منع فرمایا کہ کسی طرف سے ہاتھ باہر نکالنے کا راستہ نہ ہو۔(۸۵)

ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھنے کا حکم اس لیے ہے کہ ان کی وجہ سے حرکت میں آسانی ہوتی ہے، خشوع اور تواضع زیادہ ہوتی ہے۔ دونوں پاؤں وغیرہ کے درمیان فاصلہ اتباع سنت کا تقاضا ہے۔

ب- مرد اپنا پیٹ رانوں سے دور اور کہنیاں پہلوؤں سے الگ رکھے: دونوں کلائیاں سجدے میں زمین سے الگ رکھے بشرطیکہ بھیڑ نہ ہو، دونوں گھٹنوں اور پاؤں میں فاصلہ رکھے۔

عورت سجدے کے دوران تمام احوال میں اپنا پیٹ رانوں سے ملا کر رکھے کیوں کہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔(۸۶)

مرد کی ہیئت کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت میمونہؓ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو اپنے بازو رانوں اور پہلوؤں سے اس قدر الگ رکھتے کہ اگر کوئی چھوٹا جانور درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا۔(۸۷)

عبداللہ بن بحینہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو اپنے بازو اس طرح رکھتے کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی۔(۸۸)

ابوحمید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو رانوں کو اس طرح کھول کر رکھتے کہ پیٹ کے کسی حصے کا بوجھ رانوں پر نہ پڑنے پائے۔(۸۹)

حضرت انسؓ کی حدیث میں بازوؤں کو الگ نہ رکھنے کی ممانعت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سجدوں میں اعتدال برقرار رکھو اور اس طرح بازو نہ بچھاؤ جیسے کتا بچھا دیتا ہے۔(۹۰)

ج- **سجدے میں اطمینان واجب ہے:** اس پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، نیز پیشانی کے ساتھ ناک بھی زمین پر رکھنا مستحب ہے کیوں کہ ابوحمید کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو پیشانی اور ناک زمین پر ٹیک دیتے تھے، اپنے ہاتھ پہلوؤں سے الگ رکھتے اور دونوں ہتھیلیاں کندھوں کے برابر رکھتے۔(۹۱)

د- **سجدے کی تسبیح:** سجدے میں کم از کم ایک بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور کمال کا کم از کم درجہ تین بار تسبیح کہنا ہے۔ ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا حدیث کی رو سے یہ بالاتفاق سنت ہے، جس میں ہے: جب آپ سجدے کرتے تو سجدے میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہتے۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہتے سنا۔ (۹۲) حنفیہ کے نزدیک مقتدیوں کی رعایت کا تقاضا یہ ہے کہ امام تین بار سے زیادہ تسبیح نہ پڑھے، مالکیہ کے نزدیک تسبیح کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد نہیں ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کے ساتھ وبحمدہ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ شافعیہ کے بقول اکیلا نمازی اور ایسا امام جس کے مقتدی خوش دلی سے لمبی نماز پڑھنا چاہتے ہوں یہ دعا بھی پڑھے:

سبوح قدوس رب الملائکہ والروح، اللھم لک سجدت و بک امنت و لک اسلمت ،سجد وجھی للذی خلقہ وصورہ، وشق سمعہ و بصرہ،تبارک اللہ احسن الخالقین

(پاک ہے، مقدس ہے، ملائکہ اور روح القدس کا رب، الٰہی میں نے تیرے لیے سجدہ کیا، تجھ پر ایمان لایا، تیری اطاعت اختیار کی، میرا چہرہ اس ذات کے سامنے جھک گیا جس نے اس کی تخلیق کی، صورت گری کی، آنکھیں اور کان دیے بابرکت ہے اللہ جو سب سے خوب صورت تخلیق کار ہے)۔

پہلے جملے کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں سبوح قدوس، رب الملائکہ والروح (۹۳) کہا کرتے تھے۔ سبوح، قدوس اللہ کی صفات ہیں جو مسبح، مقدس کے معنی میں ہیں۔ سبوح سے مراد ہے ہر نقص اور شریک سے پاک جو اس کی شان الوہیت کے لائق نہیں اور قدوس سے مراد ہے ہر ایسی چیز سے پاک جو خالق کے شایان شان نہیں۔
تسبیح کا باقی حصہ مسلم نے روایت کیا ہے۔

۵ - **سجدوں میں دعا** (۹۴) حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نمازی رکوع اور سجدوں میں صرف

تسبیح پڑھے، دعا نہ کرے۔ جن احادیث میں دعا کا ذکر ہے ان کا تعلق نفل نمازوں سے ہے۔ مالکیہ کے نزدیک سجدوں میں دین و دنیا کے لیے، اپنے لیے دوسرں کے لیے، خصوصی اور عمومی ہر طرح کی دعا جس کی اللہ تعالیٰ توفیق دے، کرنا مستحب ہے۔ حنابلہ کے نزدیک مسنون دعائیں اور اذکار کی سجدے میں اجازت ہے۔

شافعیہ کے نزدیک سجدوں میں دعا کرنے کی تاکید ہے۔

ان کی دلیل مسلم وغیرہ کی حدیث ہے کہ بندہ سب سے زیادہ اللہ کے قریب سجدے میں ہوتا ہے پس سجدے میں زیادہ دعا کیا کرو، یہ ایسا موقع ہے کہ اس میں دعا قبول ہوتی ہے۔(۹۵)

ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذؓ! جب اپنا چہرہ سجدے میں زمین پر رکھ دو تو کہو: اللھم اعنی علیٰ شکرک و حسن عبادتک (الٰہی! مجھے اپنے شکر اور عمدہ عبادت کی توفیق عطا فرما)۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ سجدے میں اللہ کو بندے کی جو بات سب سے زیادہ پسند ہے وہ ہے: رب إني ظلمت نفسي فاغفرلي (۹۶)

(اے میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، تو مجھے معاف کر دے)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں کہا کرتے تھے: اللھم اغفرلی ذنبی کلہ،دقہ وجلہ،اولہ و آخرہ و علانیتہٖ و سرہ (۹۷)

(الٰہی! میرے تمام گناہ چھوٹے، بڑے، اگلے، پچھلے، ظاہری، چھپے سب معاف فرما دے)۔

۱۵- دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا:

مرد بایاں پاؤں بچھالے اور دایاں کھڑا کر لے انگلیاں قبلہ کی طرف موڑ لے، دونوں ہاتھ رانوں پر اس طرح پھیلا دے کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں کے برابر ہوں۔

حنفیہ کے نزدیک عورت تورک کرے یعنی سرین پر بیٹھ جائے، ایک ران دوسری پر رکھ لے، بایاں پاؤں دائیں سرین کے نیچے سے نکال لے کیوں کہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔

مرد کے لیے اس ہیئت پر بیٹھنے کی دلیل ابو حمیدؓ کی حدیث ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کیا ہے، پھر آپؐ نے بایاں پاؤں بچھا لیا اور اس پر بیٹھ گئے۔ پھر اطمینان سے اس طرح بیٹھ گئے کہ ہر ہڈی اور جوڑ اپنی جگہ پر آ گیا، پھر سجدے میں چلے گئے۔ نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ آپؐ اپنا بایاں پاؤں بچھا لیتے اور دایاں کھڑا کر لیتے۔(۹۸)

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نماز میں دایاں پاؤں کھڑا کر لینا اور اس کی انگلیاں قبلہ رو کر لینا سنت ہے۔ (۹۹) کتے کی طرح بیٹھنا کہ دونوں پاؤں پھیلا لے اور سرینوں پر بیٹھ جائے مکروہ ہے، کیوں کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو سجدوں کے درمیان کتے کی طرح نہ بیٹھو۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سجدے سے سر اٹھاؤ تو کتے کی طرح نہ بیٹھو۔(۱۰۰)

حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک سجدے اور قعدے سے اُٹھ کر کھڑے ہوتے وقت ہاتھ زمین پر ٹیک کر اُٹھنا سنت ہے، اوراس کی ممانعت کی روایت ضعیف ہے۔(۱۰۱)

۱۶- دو سجدوں کے درمیان دعا:

حنفیہ کے نزدیک دو سجدوں کے درمیان کوئی دعا مسنون نہیں ہے۔(۱۰۲) جیسا کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد کوئی دعا نہیں ہے۔ اسی طرح رکوع اور سجدوں میں بھی دعا نہیں ہے اور جن احادیث میں ان مواقع پر دعا کا ذکر ہے وہ نفل نماز یا تہجد سے متعلق ہیں۔

مالکیہ نے سجدوں کے درمیان دعا کو نماز کے مستحبات میں ذکر نہیں کیا البتہ ابن جزی نے اس موقع پر دعا کا ذکر کیا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سجدوں کے درمیان دعا ہے بلکہ حنابلہ کے نزدیک واجب ہے اور کم از کم یہ ہے کہ ایک بار رب اغفرلی کہے اور کمال کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تین بار کہے جیسا کہ رکوع اور سجدے کی تسبیحات تین تین بار ہیں۔

شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس موقع کی دعا یہ ہے: رب اغفرلی، وارحمنی،واجبرنی، وارفعنی، وارزقنی، واھدنی، وعافنی (اے میرے رب! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، میری کمی پوری کر دے، مجھے بلندی عطا فرما، مجھے ہدایت عطا فرما، مجھے عافیت سے نواز)۔

حنابلہ کے نزدیک ایسی دعا کرنا جائز نہیں جو سنت میں نہ آئی ہو، اور نہ آخرت سے متعلق ہو، دنیا کی ضروریات اور لذات کی دعا کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

اس دعا کے جواز کی دلیل حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپؐ نے دونوں سجدوں کے درمیان رب اغفرلی کہا۔(۱۰۳)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان اللھم اغفرلی، وارحمنی،واھدنی وعافنی و ارزقنی کہا کرتے تھے۔(۱۰۴)

مسلم کی روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا، میں جب اپنے رب سے مانگوں تو کیسے مانگا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: یوں کہو: اللھم اغفرلی وارحمنی وارزقنی۔ یہ دعا دنیا اور آخرت کی جامع ہے کیوں کہ مغفرت میں پردہ ہے، عافیت میں انسان سے مصائب کا دفعیہ ہے اور رزق کی دو قسمیں ہیں، ظاہری رزق یعنی غذا جو بدن کے لیے ہے اور باطنی رزق یعنی علوم و معارف جو قلب و روح کے لیے ہے۔

جلسہ استراحت (آرام کے لیے بیٹھنا): شافعیہ کے مشہور مذہب (۱۰۵) کے مطابق

دوسرے سجدے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا سنت ہے اسے جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ یہ ہر ایسی رکعت میں ہے جس کے بعد قیام ہے۔ سجدۂ تلاوت کے بعد مسنون نہیں ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع ہے جو بخاری کے نزدیک ثابت ہے۔ مسلم اور ابن ماجہ کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے مالک بن حویرثؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ جب آپؐ وتر نماز میں ہوتے تو جب تک سیدھے ہو کر بیٹھ نہ جاتے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ (۱۰۶)

جمہور کے نزدیک جلسہ استراحت مستحب نہیں ہے کیوں کہ ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کیا۔ (۱۰۷)

۱۷۔ **پہلا تشہد:** اس کے لیے اس طرح بیٹھنا جیسے دو سجدوں کے درمیان بیٹھتے ہیں اور آخری تشہد میں سرین پر بیٹھنا۔

شافعیہ کے نزدیک تشہد کے الفاظ یہ ہیں: **التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ، السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین، اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمدا رسول اللہ** (میری تمام بابرکت زبانی عبادات، بدنی عبادات اور مالی عبادات اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبیؐ! آپؐ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں)۔

تمام فقہاء پہلے تشہد اور اس کے لیے بیٹھنے کی شرعی حیثیت پر متفق ہیں، جمہور کے نزدیک یہ دونوں سنت ہیں اور حنفیہ کے نزدیک واجب۔ دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کا حکم دیا گیا اور اگر بھول جائے تو نماز دہرانا نہیں پڑتی۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم دو رکعات پڑھ کر بیٹھو تو یوں کہو، التحیات للہ والصلوات والطیبات، السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ، السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین، اشھدان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ۔ پھر تمہیں اختیار ہے جو دعا تمہیں اچھی لگے وہ اپنے رب سے مانگ لو۔ (۱۰۸)

حنابلہ نے اسے واجب قرار دیا ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ تشہد کے لیے قعدہ کیا اور تشہد پڑھا اور حضرت ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ التحیات للہ...... پڑھا کرو اور جب کبھی آپؐ بھول گئے تو آپؐ نے سجدۂ سہو کیا اور آپؐ نے فرمایا: جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اس طرح نماز پڑھو، جمہور کے نزدیک تشہد پر کوئی اضافہ جائز ہے نہ اسے لمبا کرنا، حنابلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بعد میں نماز میں شریک ہونے والا پہلے تشہد پر کوئی اضافہ نہ کرے بلکہ امام کے سلام پھیرنے تک اسی کو دہراتا رہے۔

شافعیہ کے نزدیک مسنون ہے کہ تشہد کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کا اضافہ کرے اور یوں کہے: اللھم صلّ علیٰ محمد عبدک ورسولک النبی الامی (اے اللہ! اپنے بندے اور رسول، نبی امی محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما)۔

یاد رہے کہ دونوں تشہد مالکیہ کے نزدیک سنت ہیں اور حنفیہ کے نزدیک واجب، اسی طرح پہلا قعدہ بھی خواہ نفل نماز کا ہو، شافعیہ کے نزدیک پہلا قعدہ پورا یا کچھ حصہ سنت ہے اور دوسرا فرض ہے جب کہ حنابلہ کے نزدیک پہلا واجب اور دوسرا فرض ہے۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ تشہد آہستہ پڑھا جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے تشہد نہیں پڑھا، ابن مسعودؓ کہتے ہیں: تشہد آہستہ پڑھنا سنت ہے۔ (۱۰۹) چوں کہ تسبیح کی طرح تشہد بھی ذکر ہے قراءت نہیں، اس لیے اسے آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔

پہلے تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ ہے کہ بایاں پاؤں

بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں کھڑا کر لے، حنفیہ کے نزدیک عورت سرین پر بیٹھ جائے، کیوں کہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔ پاؤں بچھانے کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں بچھا دیتے اور دایاں کھڑا کر دیتے تھے۔(۱۱۰)

وائل بن حجر کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا، آپؐ نے سجدہ کیا، پھر بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھ گئے۔(۱۱۱)ابوحمید کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے لیے بیٹھے تو آپؐ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا لیا اور دایاں پاؤں قبلہ رو کر لیا۔(۱۱۲) رفاعہؓ بن رافع کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا: جب تو سجدہ کرے تو سجدے میں زمین پر جم جا، جب تو بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھا کر۔(۱۱۳)

مالکیہ کہتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے دونوں تشہد میں سرین پر بیٹھ جائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا نیز ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے درمیان میں اور آخر میں اسی طرح بیٹھتے تھے۔(۱۱۴)

حنفیہ کہتے ہیں کہ دوسرا تشہد بھی پہلے تشہد کی طرح ہے اور اس کی دلیل ابوحمید کی روایت ہے کہ پاؤں بچھا کر بیٹھ جائے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے بقول دوسرے تشہد میں سرین پر بیٹھنا مسنون ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جو پاؤں بچھانے کا ہے کہ بایاں پاؤں دائیں طرف سے نکال لے اور ایک سرین زمین پر رکھ دے کیوں کہ ابوحمید کی حدیث میں ہے کہ جب آپؐ اس رکعت میں ہوتے جس میں نماز ختم کر رہے ہیں تو بایاں پاؤں پیچھے کر لیتے اور ایک طرف پر بیٹھ جاتے اور سلام پھیرتے۔(۱۱۵)

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ بعد میں نماز میں شامل ہونے والا (مسبوق)اور سجدۂ سہو کے بعد قعدہ کرنے والا بھی پاؤں بچھا کر بیٹھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک آخری قعدے میں سرین پر بیٹھنا سنت ہے، حنفیہ کے نزدیک نہیں۔ حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ سرین پر صرف اس نماز میں بیٹھے جس میں دو تشہد ہیں۔ فجر کی نماز میں اس طرح نہ بیٹھے۔

۱۸- دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا:

دونوں ہاتھ اس طرح رکھے کہ ان کی انگلیاں گھٹنوں کے برابر ہوں۔ تشہد میں شہادت (اشھد ان لا الہ الا اللہ) پڑھتے وقت دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اٹھائے۔

حنفیہ(۱۱۶) کے نزدیک دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں بائیں ران پر رکھے، انگلیاں کھلی رکھے جیسے کہ دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں رکھی جاتی ہیں۔ تھوڑی کھلی کھلی ہوں، انگلیوں کے کنارے گھٹنوں کے پاس ہوں، صحیح یہ ہے کہ گھٹنا نہ پکڑے۔ مستند روایت یہ ہے کہ شہادت کے وقت دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے اشارہ کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے الوہیت کی نفی (لا الــــہ) کے وقت انگلی اٹھائے اور اللہ کے لیے الوہیت کے اثبات (الا اللہ) کے وقت انگلی رکھ دے تاکہ انگلی اٹھانا نفی کا اشارہ ہو اور انگلی رکھنا اثبات کا۔ انگلیوں کا حلقہ نہ بنائے۔

ان کی دلیل مســـــلم میں مروی ابن زبیر کی روایت ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انگلی رکھنے اور اشارہ کرنے پر اکتفا کیا۔(۱۱۷)

مالکیہ کہتے ہیں(۱۱۸) بایاں ہاتھ کھلا چھوڑ دے۔ دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اور انگوٹھے کو چھوڑ کر تینوں انگلیوں کی مٹھی بنا لے تاکہ ان کے سرے انگوٹھے کے نیچے کے گوشت سے لگ رہے ہوں۔ انگشت شہادت لمبی کر کے رکھے تاکہ اس سے انتیس کا عدد بنے۔ کیوں کہ انگوٹھے کے ساتھ انگشت شہادت لمبی کر کے رکھنا بیس کی علامت ہے اور تینوں انگلیاں بند رکھنا نو کی۔

تشہد کے شروع سے آخر تک انگشت شہادت کو دائیں بائیں درمیانی حرکت میں رکھنا مستحب ہے اوپر نیچے حرکت نہ دی جائے۔ مالکیہ نے وائل بن حجر کی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے کہا: پھر آپؐ بیٹھ گئے، آپؐ نے بایاں پاؤں بچھا لیا، بایاں ہاتھ بائیں ران اور گھٹنے پر رکھ دیا اور دائیں کہنی کا کنارہ دائیں ران پر رکھ دیا، پھر دونوں انگلیاں بند کر کے حلقہ بنا لیا اور اپنی انگلی اٹھا لی اور اسے حرکت دینا شروع کر دی۔(۱۱۹) اور اس سے دعا کرتے رہے۔(۱۲۰)

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک (۱۲۱) پہلے اور دوسرے تشہد میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ لے، بایاں ہاتھ پھیلا دے لیکن شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ انگلیاں ملا کر رکھے، تاکہ انگلیوں کے کنارے گھٹنے کے برابر ہوں اور تمام انگلیاں قبلہ رو ہوں، انگلیوں کو کھلا نہ رکھے، کیوں کہ کھلا رکھنے سے انگوٹھے کا رُخ قبلہ سے پھر جائے گا۔

دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھے، چھوٹی اور دوسری انگلی کو اور شافعیہ کے نزدیک اظہر روایت میں درمیانی کو بھی بند کرے، حنابلہ کے نزدیک درمیانی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا لے۔

شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرے اور الا اللہ کہتے وقت اسے اٹھائے اور حرکت نہ دے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا اور مستقل نگاہ اسی پر رکھے جیسا کہ ابن زبیرؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں آیا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی اظہر روایت یہ ہے کہ انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو اس طرح ملائے کہ ترپن کا عدد بنے، اس طرح کہ انگلی کو انگوٹھے کے نیچے ہتھیلی پر رکھے، اگر انگلی اور انگوٹھا دونوں کھلے چھوڑ دے یا دونوں کو درمیانی انگلی کے اوپر سے پکڑ لیا یا دونوں کے کناروں کا حلقہ بنا لیا، یا درمیانی انگلیاں انگوٹھے کی گرہوں کے درمیان رکھ دیں، تما

صورتیں سنت کے مطابق ہیں، کیوں کہ حدیث میں یہ تمام صورتیں آئی ہیں لیکن پہلی افضل ہے جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے کیوں کہ اس کے راوی فقیہ ہیں۔

ان کی دلیل ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھا اور ترپینتیس کا حلقہ بنایا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ (۱۲۲) اس امر پر ان کی دلیل کہ انگلی کو حرکت نہ دی جائے عبداللہ بن زبیرؓ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو انگلی سے اشارہ کرتے لیکن اسے حرکت نہ دیتے۔ (۱۲۳)

سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث میں ہے، وہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے تو میں اپنی انگلیوں سے دعا کر رہا تھا، آپؐ نے فرمایا، ایک ایک اور انگشت شہادت کی طرف اشارہ کیا۔ (۱۲۴)

۱۹- فرض نمازوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں فاتحہ پڑھنا:

حنفیہ کے نزدیک ان میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے اور اگر کوئی سورت بھی ملا لے تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ اصل شرعی حکم ان میں قراءت کرنے کا ہے، کوئی خاص سورت مقرر نہیں ہے۔ شافعیہ کے نزدیک فرض اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک امام اور اکیلے نمازی کے لیے واجب ہے۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ فاتحہ نماز میں متعین نہیں ہے بلکہ کہیں سے قرآن کی کوئی آیت پڑھ لی جائے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فاقرؤا ما تیسر من القرآن (المزمل۷۳:۲۰) جو قرآن آسان ہو پڑھ لو، فاقرؤا ما تیسر منہ (المزمل ۷۳:۲۰) جو آسانی ہو اس کی تلاوت کر لیا کرو، نیز جو شخص ٹھیک طرح نماز نہیں پڑھتا تھا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جس قدر تمہارے لیے آسان ہو قرآن پڑھ لیا کرو۔ نیز تمام احکام میں سورۂ فاتحہ اور دوسری سورتیں برابر ہیں، اسی طرح نماز میں بھی برابر ہیں۔ کئی صحابہ (حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ) سے سورۂ فاتحہ کے سنت ہونے کی روایات

آئی ہیں۔ پس سورۂ فاتحہ کو ہمیشہ پڑھنے والی روایات جن سے وجوب ثابت ہو سکتا ہے انہیں سنت قرار دینے پر محمول کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ ادنیٰ درجہ ہے جن پر احادیث دلالت کرتی ہیں۔

جمہور کی دلیل: عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے کہ جس نے فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔(۱۲۵) چوں کہ قرآن کا کچھ حصہ نماز میں پڑھنا فرض یا رکن ہے تو سورۂ فاتحہ اس حصے کے طور پر متعین ہو جائے گی جیسے کہ رکوع اور سجدے متعین ہیں۔

جو شخص اچھی طرح نماز نہیں پڑھ رہا تھا اس کی روایت جو رفاعہ بن رافعؓ سے ہے اس میں امام شافعی کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو فرمایا کہ: سورۂ فاتحہ اور جو قرآن تم پڑھ سکتے ہو پڑھو۔(۱۲۶) پس اس حدیث سے مراد ہے سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد جس قدر آسان ہو۔

۲۰۔ آخری تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر درود پڑھنا:

حنفیہ کے نزدیک (۱۲۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر درود ابراہیمی بھیجنا سنت ہے۔ مالکیہ کے نزدیک (۱۲۸) بھی آخری تشہد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا سنت ہے جیسا کہ تشہد (پہلا، دوسرا اور سجدۂ سہو کا) مستقل سنت ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ(۱۲۹) کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرے تشہد میں درود بھیجنا واجب ہے، آل رسولؐ پر درود بھیجنا شافعیہ کے نزدیک سنت اور حنابلہ کے نزدیک واجب ہے۔

حنابلہ کے نزدیک وجوب کی دلیل کعب بن عجرہ کی مذکورہ بالا حدیث ہے کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے، ہم نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ آپؐ کو سلام کیسے کریں لیکن آپؐ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپؐ نے فرمایا: یوں کہو: اللھم

صلّ علیٰ محمد و علی آل محمد کما صلّیت علی ابراھیم انک حمید مجید و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید (۱۳۰)(اے اللہ! محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما جیسے تو نے ابراہیمؑ پر رحمت نازل کی بے شک تو لائق ستائش عزت والا ہے اور محمدؐ و آل محمدؐ پر برکت نازل فرما جیسے تو نے آل ابراہیمؑ پر برکت نازل کی بے شک تو لائق ستائش عزت والا ہے)۔

اثرم نے فضالہ بن عبید سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا کہ اس نے نہ تو اللہ کی بزرگی بیان کی اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، آپؐ نے فرمایا، اس نے جلدی کی، پھر آپؐ نے اسے بلایا اور کہا کہ جب تم میں سے کوئی دعا کرنے لگے تو پہلے اپنے رب کی تعریف کرے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر جو چاہے، دعا کرے۔

امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نماز کا طریقہ بھی وہی تھا جو کعب کی حدیث میں مذکور ہے۔

شافعیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے وجوب کا استدلال اس قرآنی آیت سے کیا: یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً (الاحزاب ۵۶:۳۳)اے ایمان والو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو اور سلام بھی) نیز اوپر مذکور حدیث اور اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث سے جسے دارقطنی، صحیح ابن حبان اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور کہا کہ یہ مسلم کی شرط پر ہے۔ نیز ابن مسعودؓ کی حدیث کی بنا پر جو احمد، مسلم اور نسائی میں ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۱۳۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل پر کم از کم درود یہ ہے اللھم صلّ علیٰ محمد و آلہ مجید تک اضافہ سنت ہے۔

آل پر درود کے سنت ہونے کی دلیل ابوزرعہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم ہے، جو اسے چھوڑ دے، اعادہ کرے'' ابو زرعہ نے آل کا ذکر نہیں کیا۔

درود (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر) کے مطلقاً سنت ہونے پر حنفیہ اور مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ احادیث مذکورہ میں جو حکم ہے اس کا تعلق درود کی کیفیت کی تعلیم سے ہے، اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ شوکانی (۱۳۲) کہتے ہیں۔ میرے نزدیک کوئی ایسی دلیل ثابت نہیں ہے جس سے درود کا وجوب ثابت ہوتا ہو اور بالفرض کسی دلیل سے ثابت بھی ہوتا ہو تو اچھی طرح نماز نہ پڑھنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود پڑھنے کی تعلیم نہیں دی بلکہ خصوصیت سے یہ فرمایا: جب تم یہ کر چکو تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی، اس امر کا قابل قبول قرینہ ہے کہ اسے استحباب پر محمول کیا جائے۔ اس کی تائید ابن مسعودؓ سے آپؐ کے ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے کہ آپؐ نے انہیں تشہد کی تعلیم دی اور فرمایا: جب تو نے یہ کر لیا یا ادا کر لیا تو تیری نماز مکمل ہو گئی اگر کھڑے ہونا چاہتے ہو تو کھڑے ہو جاؤ، اگر بیٹھنا چاہتے ہو تو بیٹھے رہو۔ (۱۳۳)

نماز کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا: نماز کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ طبری نے بتایا ہے کہ اس امر پر اجماع ہے کہ آیت کا حکم استحباب کے لیے ہے۔ حنفیہ کی رائے (۱۳۴) یہ ہے کہ زندگی میں ایک بار درود پڑھنا فرض ہے اور جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو، خواہ ایک ہی مجلس میں کئی بار ہو، ہر بار درود پڑھنا مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سیادت (سیدنا کے الفاظ کہنا): حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک (۱۳۵) درود ابراہیمی میں سیدنا کا اضافہ کرنا مستحب ہے کیوں کہ حدیث میں آنے والے درود شریف میں امر واقعہ کا اضافہ کر دینا عین ادب کا تقاضا ہے۔ اس کو چھوڑنے کی بہ نسبت اس کا اضافہ افضل ہے۔ رہی حدیث: ''نماز میں میری سیادت

کا ذکر نہ کرو' تو موضوع اور جھوٹ ہے(۱۳۶)۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر کامل ترین درود یہ ہے:

اللھم صَلِّ علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد کماصلیت علی سیدنا ابراھیم و علی آل سیدنا ابراھیم و بارک علی سیدنا محمد و علی آل سید نا محمد کما بارکت علی سیدنا ابراھیم و علیٰ آل سیدنا ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید۔(۱۳۷)

۲۱- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد دعا:

حنفیہ کے نزدیک نمازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعا کرے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک دنیا اور آخرت کی جو بھلائی چاہے مانگے، البتہ منقول دعا افضل ہے۔ مستحب ہے کہ عام دعا کی جائے کیوں کہ وہ زیادہ قبول ہوتی ہے۔ عام دعاؤں میں سے ایک یہ ہے:

اللھم اغفرلنا ولوالدینا ولمن سبقنا بالایمان مغفرۃ عزما (اے اللہ! ہمیں، ہمارے والدین اور ہم سے پہلے مسلمانوں کو قطعی مغفرت سے نواز)۔

منقول دعاؤں میں ہے: ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار (اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا)، نیز اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیرا، وانہ لایغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم(۱۳۸) (اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں، پس اپنی طرف سے میری مغفرت فرما، اور مجھ پر رحم کر، تو بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے، نیز اللھم انی اعوذبک من عذاب جھنم و من عذاب القبر و من فتنۃ المحیا والممات و من شر فتنۃ المسیح الدجال (۱۳۹) (اے اللہ! میں

عذاب جہنم، عذاب قبر، زندگی اور موت کے عذاب اور مسیح دجال کے فتنہ کے شر سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں)، نیز اللھم انی اعوذبک من المغرم والماثم (اے اللہ! میں، بوجھ اور گناہوں سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں)، نیز اللھم اغفرلی ما قدمت و ما اخرت، وما أسررت وما اعلنت، وما اسرفت، وما انت أعلم به منی، أنت المقدم و أنت المؤخر، لاالہ الا انت (۱۴۰) (اے اللہ! تو میرے پہلے، پچھلے، چھپے، علانیہ اور زیادتی والے سب گناہ معاف فرما دے جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی سب سے پہلے اور تو ہی سب سے آخر ہے۔ کوئی معبود نہیں سوائے تیرے)۔

ابن مسعودؓ ان کلمات سے دعا کیا کرتے تھے: اللھم انی اسألک من الخیر کله ما علمت منه و مالم اعلم و اعوذبک من الشر کله ما علمت منه و مالم اعلم، اللھم انی أسألک من خیر ماسألک عبادک الصالحون، واعوذبک من شر ما عاذ منه عبادک الصالحون، ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، ربنا اغفرلنا ذنوبنا و کفرعناسیئاتنا و توفنا مع الابرار، ربنا و آتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامة، انک لاتخلف المیعاد۔ (۱۴۱)

(اے اللہ! میں تجھ سے ہر طرح کی بھلائی مانگتا ہوں، جس کا مجھے علم ہے اور جس کا نہیں اور ہر طرح کی شر سے پناہ مانگتا ہوں، جس کا مجھے علم ہے اور جس کا نہیں، اے اللہ! میں تجھ سے وہ بھلائی مانگتا ہوں جو تیرے نیک بندوں نے مانگی اور اس شر سے پناہ مانگتا ہوں جس سے تیرے نیک بندوں نے پناہ مانگی۔ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے۔ اے ہمارے رب! جو تو نے اپنے رسولوں سے وعدہ کیا وہ ہمیں عطا فرما، ہمیں قیامت کے روز رسوا نہ کرنا، تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا)۔

معاذؓ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں کچھ کلمات سکھاتا ہوں، تم ہر نماز میں کہا کرو: اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک (۱۴۲) (اے اللہ! مجھے اپنے ذکر، شکر اور عمدہ عبادت کی توفیق عطا فرما)۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو اپنی نماز یا سجدوں میں یہ دعا کی: اللھم اجعل فی قلبی نوراً و فی سمعی نورا و فی بصری نوراً و عن یمینی نوراً و عن شمالی نوراً وأما می نوراً و خلفی نوراً و فوقی نوراً و تحتی نوراً واجعل لی نوراً یا فرمایا: واجعلنی نوراً(۱۴۳)

(اے اللہ! میرے دل، کانوں، آنکھ میں، دائیں، بائیں، سامنے، پیچھے، اوپر، نیچے نور ہی نور کر دے اور مجھے نور عطا کر یا مجھے نور بنا دے)۔

حنفیہ کے نزدیک نماز میں ایسی دعا کرنا جو لوگوں کی گفتگو کے مشابہ ہو جائز نہیں، مثلاً یہ کہے کہ یا اللہ! مجھے کھانے کو فلاں چیز دے دے یا ایسی چیز جس کا لوگوں سے حصول محال نہ ہو، مثلاً اے اللہ! فلاں سے میرے شادی کروا دے وغیرہ، یہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر آخری قعدہ میں بیٹھنے سے پہلے اور آخری قعدہ کی مقدار بیٹھنے سے پہلے ایسی دعا کر لی تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر بعد میں کی تو اس کی وجہ سے نماز سے سلام کے ذریعے نکلنے کا واجب فوت ہو جاتا ہے۔ ان کی دلیل مسلم کی حدیث ہے جو اوپر گزر گئی کہ ''نماز میں لوگوں کی باتوں کی گنجائش نہیں ہوتی، نماز تسبیح، تکبیر اور قراءت قرآن کا نام ہے''۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء نے اجازت دی ہے کہ جو دعا چاہے کر لے کیوں کہ بعض صحابہ مثلاً ابن مسعودؓ اور ابو ہریرہؓ (۱۴۴) کے حوالے سے سنت سے یہ ثابت ہے۔ نیز تشہد کے بیان میں ابن مسعودؓ کی جو حدیث اوپر بیان ہوئی اس میں بھی ہے کہ '' جو دعا تجھے اچھی لگے وہی مانگ لے''۔ ایک روایت ہے'' جو مانگنا چاہے مانگ لے''، ایک اور

روایت ہے، اس کے بعد جو بات کرنا چاہے کر لے۔(۱۴۵)

عربی میں دعا: فقہاء کا اتفاق ہے کہ دعا عربی میں ہونی چاہیے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی اور زبان میں دعا کرنا حرام ہے البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز کے اذکار دوسری زبان میں جائز ہیں مگر مکروہ تحریمی جب کہ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک جو شخص کسی عذر کی بنا پر عربی میں دعا یا نماز کے اذکار سے عاجز ہو وہ ترجمہ سے ادا کر سکتا ہے البتہ جسے کوئی عذر نہیں اور عربی زبان پر قادر ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے یہی شافعیہ کا صحیح قول ہے۔(۱۴۶)

۲۲۔ سلام پھیرتے ہوئے دائیں بائیں مڑنا:

اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ سلام حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور جمہور کے نزدیک رکن اور تمام فقہاء کے نزدیک اتنا دائیں بائیں مڑنا سنت ہے کہ رُخساروں کی سفیدی نظر آئے جمہور کے نزدیک ''السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہنا چاہیے اور مالکیہ کے نزدیک ''وبرکاتہ'' کا اضافہ کرے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک پہلا سلام واجب ہے اور حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک دونوں سلام واجب ہیں۔

دائیں بائیں مڑنے کے سنت ہونے کی دلیل: مسلم میں سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں بائیں سلام پھیرتے ہوئے دیکھا تھا کہ آپؐ کے رُخساروں کی سفیدی نظر آتی تھی۔ دارقطنی کی روایت میں ہے: ''آپؐ دائیں طرف سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپؐ کے رُخسار کی سفیدی نظر آتی، پھر بائیں طرف سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپؐ کے رُخسار کی سفیدی نظر آتی''۔

مالکیہ کے نزدیک برکاتہ کے اضافے کی دلیل ابن مسعودؓ اور وائل بن حجرؓ کی احادیث ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں۔ اوپر ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ دائیں اور بائیں سلام

پھیرتے ہوئے فرشتوں، انسانوں اور جنوں کی نیت کرے، امام سلام پھیرتے ہوئے مقتدیوں کی نیت کرے اور مقتدی امام کو جواب دینے کی نیت کریں، البتہ حنفیہ کے بقول اگر امام دائیں جانب ہو تو مقتدی پہلے سلام میں امام کی نیت کریں اور اگر بائیں جانب ہو تو دوسرے سلام میں جب کہ شافعیہ کے نزدیک اس کے برعکس نیت کریں۔

القفال الشاشی الکبیر نے کہا ہے کہ سلام کا مطلب یہ ہے کہ نمازی لوگوں سے کٹا ہوا تھا اب واپس ان کی طرف متوجہ ہو رہا ہے۔(۱۴۷)

سلام میں قبلہ رو ہونا: حنفیہ کے بقول پہلے سلام میں دائیں طرف مڑنا اور دوسرے میں بائیں طرف مڑنا سنت ہے۔ مالکیہ کے نزدیک مقتدی کے لیے نماز سے نکلنے کے لیے ایک سلام کے ساتھ دائیں طرف مڑنا مستحب ہے۔امام اور اکیلا نمازی سلام کے الفاظ ادا کرتے وقت قبلہ کی طرف اشارہ کرے اور جب ختم کرے تو ''علیکم'' کے کاف اور میم ادا کرتے وقت دائیں مڑ جائے تا کہ پچھلی صف کے لوگ اس کا چہرہ دیکھ سکیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ قبلہ رو ہونے کی حالت میں سلام کا آغاز کرے۔ السلام علیکم کہے، پھر رُخ پھیرے اور ورحمة الله مکمل کرے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے سلام کا آغاز فرماتے اور مڑ کر ورحمة الله کہتے۔

۲۳-دوسرا سلام پہلے کی بہ نسبت آہستہ کہنا:

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ سنت ہے کیوں کہ پہلا سلام اعلان اور اطلاع کے لیے ہے اس لیے وہ بلند آواز سے کہنا چاہیے اور کبھی اسی سے اطلاع ہو جاتی ہے اس لیے دوسرے سلام کو بلند آواز سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک صرف پہلا سلام جس سے نماز ختم کی جاتی ہے وہی بلند آواز سے کہنا مسنون ہے دوسرا سلام جو جواب کے لیے ہوتا ہے وہ نہیں بلکہ وہ آہستہ کہنا مستحب ہے۔

یعنی امام، مقتدی اور اکیلے نمازی کے لیے صرف وہی سلام بلند آواز سے کہنا مسنون ہے جس کے ذریعے نماز ختم کرتا ہے اور مقتدی جس سلام میں امام کو یا اپنی بائیں جانب امام اور مقتدیوں کو جواب دیتا ہے وہ آہستہ کہنا مستحب ہے۔حنابلہ کے بقول امام صرف پہلا سلام بلند آواز سے کہے اور باقی سب دونوں سلام آہستہ کہیں۔

۲۴- مقتدی امام کے ساتھ سلام کہے:

امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ سنت ہے تا کہ امام کی موافقت ہو جیسا کہ سلام کے علاوہ دوسرے امور مثلاً تکبیر تحریمہ اور ایک حالت سے دوسری حالت میں جانے کے لیے کہی جانے والی تکبیرات مقتدی امام کے ساتھ کہے۔

صاحبین اور شافعیہ کے نزدیک مسنون یہ ہے کہ مقتدی امام کے بعد سلام پھیرے تا کہ یہ نہ ہو کہ مقتدی کو دنیا کے کاموں میں مصروفیت کی زیادہ جلدی ہے۔

شافعیہ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ امام کے سلام پھیرنے سے اقتدا ختم ہو جاتی ہے، مقتدی دعا وغیرہ میں مشغول رہے پھر سلام پھیرے۔اگر امام ایک سلام پر اکتفا کرے تو مقتدی دونوں طرف سلام پھیرے تا کہ دوسرے سلام کی فضیلت حاصل کر سکے کیوں کہ پہلے سلام میں امام کی پیروی نہیں کر سکا۔

۲۵۔ مسبوق (بعد میں نماز میں شامل ہونے والا) امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کا انتظار کرے:

کیوں کہ امام کی پیروی واجب ہے، تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ امام نے کہیں سجدۂ سہو کرنے کے لیے تو سلام نہیں پھیرا۔حنیفہ کے نزدیک یہ سنت ہے۔

۲۶- شافعیہ کے مطابق خشوع: قراءت میں اور نماز کے اذکار میں غور و فکر کرنا اور نماز کو بشاشت اور دنیوی خیالات سے خالی الذہن ہو کر شروع کرنا مسنون ہے، کیوں کہ اس

سے نماز میں خشوع وخضوع کی کیفیت حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نماز کے آداب:

ہمیں معلوم ہے کہ ادب اس کام کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ایک بار کیا ہو اور آپؐ کا دائمی معمول نہ ہو، جیسے رکوع اور سجدوں میں زیادہ تسبیحات کہنا، مسنون قراءت سے زیادہ قراءت کرنا۔ آداب کا مقصد سنن کی تکمیل ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نماز کے آداب درج ذیل ہیں:(۱۴۸)

۱- تکبیر تحریمہ کے وقت مرد اپنے دونوں ہاتھ آستینوں سے باہر نکال لے، کیوں کہ اس میں تواضع ہے۔ کوئی مجبوری، مثلاً سردی وغیرہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں البتہ عورت اپنے ہاتھ کپڑے کے اندر رکھے تاکہ اس کی کلائیاں نہ کھل جائیں۔

۲- قیام کی حالت میں نمازی اپنی نگاہ سجدے کی جگہ رکھے، رکوع میں پاؤں کی پشت پر، سجدے میں ناک کے سرے پر، بیٹھنے کی حالت میں گود میں اور سلام پھیرتے ہوئے کندھوں پر تاکہ نماز میں خشوع حاصل ہو، ارشاد نبویؐ میں مذکور اس کیفیت کا خیال رکھے کہ "اللہ کی ویسے عبادت کرو جیسے اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے"۔(۱۴۹)

بعض حنفیہ نے یہ تفصیل بیان کی ہے، ظاہر روایت یہی ہے کہ سجدے کی جگہ پر نظر رکھے جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے۔

۳- جمائی آئے تو منہ بند رکھے، اگر ممکن نہ ہو تو بائیں ہاتھ کی پشت یا آستین منہ پر رکھ لے۔ بلا ضرورت منہ ڈھانپنا مکروہ ہے۔

۴- جہاں تک ممکن ہو کھانسی کو روکے کیوں کہ بلا عذر کھانسنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

۵- امام اور مقتدی اقامت میں حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں کیوں کہ یہ کھڑے ہونے کا حکم ہے جس کی تعمیل واجب ہے۔ یہ ادب اس صورت میں ہے کہ امام

محراب کے قریب موجود ہو، اگر امام موجود نہ ہو تو ہر صف اس وقت کھڑی ہو جب امام ان کے پاس پہنچے۔اظہر روایت یہی ہے۔ اگر امام آگے سے آئے تو جب مقتدیوں کی اس پر نظر پڑے، کھڑے ہو جائیں۔ اگر امام کسی مسجد میں خود ہی اقامت کہتا ہو تو مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب اقامت مکمل ہو جائے۔

امام اس وقت نماز شروع کرے جب قد قامت الصلوة کہا جائے۔ اگر اقامت مکمل ہونے پر نماز شروع کرے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اس پر اجماع ہے اور یہ امام ابو یوسف اور تینوں غیر حنفی ائمہ کی رائے ہے اور یہی متوازن رائے ہے۔

امام کے پیچھے کھڑے مقتدیوں تک آواز پہنچانا:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ امام کے لیے اتنی بلند آواز سے تکبیر کہنا، سمع اللہ لمن حمدہ کہنا اور سلام کہنا مسنون (مالکیہ کے نزدیک مستحب) ہے جس سے مقتدیوں تک آواز پہنچے، اگر خود آواز نہ پہنچا سکتا ہو تو دوسرے کے ذریعے آواز پہنچانا جائز ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں ابوبکر رضی اللہ عنہ مقتدیوں تک آپؐ کی تکبیر کی آواز پہنچاتے تھے۔مقتدی اور اکیلا نمازی اپنے آپ کو سنائے۔ مالکیہ کے نزدیک ہر نمازی کے لیے تکبیر تحریمہ بلند آواز سے کہنا مستحب ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اگر امام کی آواز مقتدیوں تک پہنچ سکتی ہو تو کسی دوسرے کے ذریعے آواز پہنچانا مکروہ ہے کیوں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

امام اور مکبّر (امام کی آواز لوگوں تک پہنچانے والا) کے لیے واجب ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے نماز شروع کرنے کی نیت ہو، اگر صرف اعلان کی نیت ہو تو نماز نہیں ہو گی۔ اسی طرح اگر کوئی نیت نہیں کی تو شافعیہ کے نزدیک نماز نہیں ہو گی اور اگر تکبیر تحریمہ اور اعلان دونوں کی نیت کی تو شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک نماز درست ہے۔

تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیرات اور تسمیع وتحمید میں اگر صرف اعلان کی نیت کی

تو بھی جمہور کے نزدیک نماز باطل نہیں ہوتی البتہ ثواب نہیں ملتا۔

لیکن حنفیہ کے بقول (۱۵۰) اگر اس سے لوگوں کو حیران کرنے کا ارادہ کیا تو اس شخص کی نماز راجح روایت کے مطابق فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ضرورت سے زیادہ آواز بلند کی تو یہ بھی غلط ہے اگرچہ مکروہ سے کم درجے کا عمل ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نمازی نے صرف اعلان کا ارادہ کیا یا کوئی ارادہ نہیں کیا تو اگر عام شخص یعنی جاہل نہیں ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر جاہل ہے تو باطل نہیں ہوگی۔ خواہ اس نے صرف اعلان کی نیت کی ہو۔

اعلان کے جائز ہونے کی دلیل متفق علیہ حدیث ہے جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور ابوبکر آپؐ کے پیچھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو ابوبکر بھی تکبیر کہتے تاکہ ہم سن سکیں۔

ہر مذہب کے مطابق نماز کی سنتوں کی اجمالی فہرست:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب کے مطابق نماز کی سنتیں الگ الگ گنوا دی جائیں کیوں کہ ان میں اختلاف ہے، بعض چیزیں ایک مذہب میں فرض اور دوسرے میں سنت ہیں۔

مذہب حنفی:

نماز کے کچھ آداب ہیں جو ہم نے الگ بیان کر دیے ہیں اور کچھ سنتیں ہیں، جن کی تعداد اکیاون (۵۱) ہے اور وہ یہ ہیں: (۱۵۲)

۱- مرد کے لیے تکبیر تحریمہ میں کانوں تک اور آزاد عورت کے لیے کندھوں تک ہاتھ اٹھانا

۲- انگلیاں معمول کے مطابق رکھنا، نہ ملانا اور نہ کھلی رکھنا

۳- مقتدی امام کے ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کہے

۴- مرد اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھے اور عورت دونوں ہاتھ سینے پر رکھے

۵-۷- ثنا اور قراءت کے لیے اعوذ باللہ پڑھنا اور ہر رکعت کے شروع میں فاتحہ سے پہلے آہستہ بسم اللہ پڑھنا

۸-۱۰- آمین کہنا، ربنالک الحمد کہنا اور یہ دونوں نیز ثنا، تعوذ اور تسمیہ آہستہ کہنا

۱۱- تکبیر تحریمہ کے آغاز و اختتام کے وقت سر جھکائے بغیر سیدھے کھڑے ہونا۔

۱۲- امام تکبیر، سمع اللہ لمن حمدہ اور سلام بلند آواز سے کہے

۱۳- قیام میں دونوں پاؤں میں چار انگشت کا فاصلہ رکھنا

۱۴- فجر اور ظہر میں سورۂ فاتحہ کے بعد طوال مفصل سے کوئی سورت، عصر اور عشا میں اوساط مفصل سے اور مغرب میں قصار مفصل سے کوئی سورت پڑھنا، بشرطیکہ مقیم ہو۔ مسافر جو سورت چاہے پڑھ لے۔

۱۵- ہر نماز کی پہلی رکعت میں لمبی قراءت کرنا، حنفیہ کے نزدیک اسی قول پر فتویٰ ہے اور یہ امام محمد کا قول ہے۔

۱۶-۱۷- رکوع اور سجدوں میں اٹھتے اور جاتے تکبیر کہنا اور البتہ رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہنا سنت ہے۔ رکوع اور سجدوں میں تین تین بار تسبیحات پڑھنا، رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدوں میں سبحان ربی الاعلی

۱۸- رکوع میں دونوں گھٹنے ہاتھوں سے پکڑنا

۱۹- مرد رکوع میں ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر رکھے اور عورت نہ کھولے۔

۲۰-۲۱- رکوع میں پشت ہموار رکھنا اور سر کو پشت کے آخری حصے کے برابر رکھنا

۲۲-۲۳- اطمینان سے کھڑا ہونا اور رکوع، سجدوں سے اٹھنے میں اطمینان رکھنا

۲۴- سجدے میں جاتے ہوئے پہلے دونوں گھٹنے، پھر دونوں ہاتھ اور پھر چہرہ زمین پر رکھنا اور اٹھتے ہوئے اس کے برعکس ترتیب رکھنا

۲۵- دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کرنا اور دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر رکھنا

۲۶- مرد سجدے میں اپنا پیٹ رانوں سے اور کہنیاں پہلوؤں سے الگ رکھے اور بازو زمین پر نہ بچھائے۔

۲۷- عورت سجدوں میں اپنا پیٹ رانوں کے ساتھ لگالے۔

۲۸- دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا، صحیح یہ ہے کہ یہ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے

۲۹- دنوں سجدوں کے درمیان اور تشہد میں بیٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھنا

۳۰- دونوں سجدوں کے درمیان اور تشہد میں بیٹھتے ہوئے بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جانا اور دایاں پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رو کر لینا

۳۱- عورت اپنی دونوں سرینوں پر بیٹھ جائے، ایک ران دوسری کے اوپر رکھ دے اور بایاں پاؤں دائیں سرین کے نیچے سے نکال لے، کیوں کہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔

۳۲- شہادت (اشھد ان لا الہ الا اللہ) کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا، لاالہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر رکھ دے۔

۳۳- فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

۳۴- آخری قعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان الفاظ میں درود پڑھنا: (۱۵۳)

اللھم صلّ علیٰ محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابرھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

صحیحین وغیرہ میں اسی طرح آیا ہے۔

۳۵- درود کے بعد ایسے الفاظ میں دعا کرنا جو قرآن و سنت کے الفاظ کے مشابہ ہوں

۳۶- دونوں سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں مڑنا

۳۷- امام دونوں سلام پھیرتے وقت مقتدیوں اور حفاظت کرنے والے ملائکہ (۱۵۴) اور نیک جنات کی نیت کرے۔

۳۸- مقتدی جس طرف امام ہے، ادھر سلام پھیرتے وقت امام کی نیت کرے، اگر امام دائیں جانب ہے تو دائیں طرف سلام پھیرتے وقت اور اگر بائیں جانب ہے تو بائیں طرف سلام پھیرتے وقت اور اگر سامنے ہے تو دونوں طرف کے سلاموں میں امام کی، دوسرے لوگوں کی اور ملائکہ اور نیک جنات کی نیت کرے۔

۳۹- اکیلا نمازی اپنے سلام میں صرف ملائکہ کی نیت کرے کیوں کہ اس کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے۔

۴۰- دوسرے سلام میں پہلے سلام کی بہ نسبت آواز پست رکھے۔

۴۱- امام کے ساتھ سلام پھیرے

۴۲- پہلے دائیں طرف سلام پھیرے

۴۳- مسبوق (بعد میں نماز میں شامل ہونے والا) امام کے دوسرے سلام کا انتظار کرے تاکہ معلوم ہو سکے کہ امام نے سجدۂ سہو کے لیے تو سلام نہیں کیا۔

مالکیہ کا مذہب:

نماز میں کچھ سنتیں ہیں اور کچھ مستحبات، سنتیں چودہ ہیں، جو یہ ہیں: (۱۵۵)

۱- وقتی فرائض میں اگر وقت میں گنجائش ہو تو پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک آیت تلاوت کرنا یا کسی لمبی آیت کا اتنا حصہ پڑھنا جو پوری آیت کے قائم مقام ہو مثلاً اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم (اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے

نگہبان ہے، البقرہ۲:۲۵۵)۔ پوری سورت پڑھنا مستحب ہے۔

۲- فرض نماز میں سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت کے لیے قیام کرنا، اگر اس دوران میں کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا کہ جسے ہٹا دیا جائے تو نمازی گر جائے تو نماز باطل نہیں ہو گی۔ اگر بیٹھ گیا اور بیٹھے ہوئے قراءت کی تو نماز باطل ہو جائے گی کیوں کہ نماز کی ہیئت برقرار نہیں رہتی کیوں کہ فرض نماز میں قیام فرض ہے البتہ نفل میں قیام سنت ہے۔

۳- فجر، جمعہ، مغرب اور عشا کی پہلی دو رکعات میں بلند آواز سے قراءت کرنا۔

۴- ظہر، عصر اور مغرب کی آخری اور عشا کی آخری دو رکعات میں آہستہ قراءت کرنا، فاتحہ بلند اور آہستہ آواز سے پڑھنے کی تاکید ہے، اس کے بعد کی سورت کی تاکید نہیں ہے۔

یہ چار سنتیں فرائض کے ساتھ مخصوص ہیں، نفل میں یہ سنتیں نہیں ہیں۔ مرد کے لیے جہر کی کم از کم حد اور عورت کے لیے بھی اگر وہاں غیر محرم افراد موجود نہ ہوں تو یہ ہے کہ پاس کے افراد سن سکیں، یعنی اگر یہ فرض کیا جائے کہ درمیانی سماعت والا آدمی پہلو میں کھڑا ہو تو سن سکے۔ آہستہ پڑھنے کی کم از کم حد مرد اور عورت دونوں کے لیے یہ ہے کہ زبان کو حرکت دیں۔

۵- تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہر تکبیر

۶- سمع اللہ لمن حمدہ کا ہر لفظ امام اور اکیلے نمازی کے لیے، جب رکوع سے اٹھے، مقتدی کے لیے یہ مسنون نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔

۷- تمام تشہد، پہلا ہو یا بعد کا، خواہ سجدۂ سہو کا تشہد ہو۔

۸- ہر تشہد کے لیے بیٹھنا

۹- آخری تشہد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا، اس کے لیے جو الفاظ چاہے اختیار کرے، افضل الفاظ یہ ہیں:

اللھم صل علیٰ محمد و علی آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و علی آل ابراھیم و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم و علی آل ابراھیم فی العالمین، انک حمید مجید۔

۱۰- پاؤں کے نیچے کے بل اور دونوں گھٹنوں اور پاؤں پر سجدہ کرنا۔ مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ سجدے میں واجب یہ ہے کہ پیشانی پر سجدہ کرے۔

۱۱- مقتدی امام کے سلام کا جواب دے اور اگر بائیں طرف بھی کوئی ہو تو اس کے سلام کا، بشرطیکہ ایک رکعت یا اس سے زائد میں شریک رہا ہو۔ اگر کم میں شریک رہا ہو تو اس کے سلام کا جواب نہ دے اور سلام کے جواب میں السلام علیکم یا وعلیکم السلام کہنا کافی ہے۔

۱۲- صرف آخری سلام بلند آواز سے کہے۔ (۱۵۶) سلام کا جواب نہیں

۱۳- جب امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو مقتدی خاموش رہے حتی کہ اگر امام خاموش ہو جائے، مقتدی کو آواز نہ آ رہی ہو تب بھی۔

۱۴- واجب اطمینان سے زائد اطمینان کے ساتھ نماز پڑھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قراءت کے لیے قیام، تشہد اور قعدہ، چھ اعضاء پر سجدہ اور جہری نماز میں امام کی قراءت کے وقت مقتدی کی خاموشی کے علاوہ باقی تمام امور میں سنتوں کی تحدید میں مالکیہ اور حنفیہ کا اتفاق ہے۔

مالکیہ کے نزدیک نماز کے اڑتالیس مستحبات ہیں (۱۵۷) جن میں سے اہم یہ ہیں:

۱- وقتی نماز کے لیے ادا اور قضا نماز کے لیے قضا کی نیت کرنا

۲- رکعات کی تعداد کی نیت کرنا

۳- خشوع یعنی اللہ کی عظمت اور ہیبت کا دماغ میں تصور حاضر رکھنا اور یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کر رہا اور نہ کوئی اور مقصود ہے۔ نماز کی ادائیگی سے اللہ کے حکم کی

اطاعت کا خیال، یہ مستحب ہے۔اصل خشوع واجب ہے۔

۴- صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کندھوں تک اٹھانا ، اس کے علاوہ رکوع میں جانے یا رکوع سے اٹھنے وغیرہ کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے۔

۵- دونوں ہاتھ وقار کے ساتھ نیچے چھوڑ دینا،نفل میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھنا بھی جائز ہیں،فرض میں مکروہ ہیں کیوں کہ اس میں سہارا لینے کا تصور ہے گویا کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگا لی ہو۔

۶- سورۂ فاتحہ کے بعد پوری سورت پڑھنا،سورت کے کچھ حصے یا ایک آیت پر خواہ لمبی ہو،اکتفا نہ کرے۔

۷- فرض نماز میں دوسری رکعت میں اس سورت کے علاوہ کوئی سورت پڑھے جو پہلی رکعت میں پڑھی ہو،نفل میں یہ پابندی نہیں۔فرض میں ایک سورت کو دو رکعتوں میں دہرانا مکروہ ہے جیسا کہ ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا مکروہ ہیں۔نفل میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک سورت سے زائد پڑھنا جائز ہے۔مستند روایت یہ ہے کہ نفل میں بھی ایک رکعت میں سورت کا تکرار مکروہ ہے۔

۸- صبح اور ظہر کی نماز میں لمبی قراءت کرنا،البتہ ظہر کی قراءت صبح سے کم ہونی چاہیے اور مستند روایت کے مطابق مفصل کی پہلی سورت الحجرات ہے۔اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے یا ایسے لوگوں کا امام ہے جو لمبی نماز پڑھنے میں رغبت رکھتے ہیں تو لمبی نماز پڑھے ورنہ امام کے لیے مختصر نماز افضل ہے کیوں کہ جماعت میں کمزور اور مصروف لوگ بھی ہوتے ہیں۔

۹- عصر اور مغرب میں مختصر قراءت کرے اور قصار مفصل میں سے پڑھے۔قصار مفصل سورۂ والضحیٰ سے شروع ہوتی ہیں۔

۱۰- عشا میں اوسط مقدار کی قراءت کرے اور اوسط مفصل سورۃ عبس سے واللیل تک کی سورتیں ہیں۔

۱۱- دوسری رکعت کا وقت پہلی رکعت سے کم ہونا چاہیے۔ دونوں رکعات برابر پڑھنا جائز ہیں مگر خلاف اولیٰ ہے اور دوسری رکعت پہلی سے لمبی پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۲- سری نمازوں میں نمازی اس طرح پڑھے کہ خود سن سکے، یہ کامل درجہ ہے اس کے ذریعہ ان فقہاء کے اختلاف سے بچا جا سکتا ہے جو اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

۱۳- سری نماز میں امام کے پیچھے مقتدی قراءت کرے، نیز مغرب کی تیسری اور عشا کی آخری دو رکعات میں۔

۱۴- اکیلا نمازی اور مقتدی سری نمازوں میں مطلقاً آمین کہے اور جہری نمازوں میں جب مقتدی امام کو ولا الضالین کہتے ہوئے سنے تو آمین کہے اور سرّی نمازوں میں فقط امام آمین کہے۔

۱۵- ہر نمازی آہستہ آمین کہے۔

۱۶- رکوع میں نمازی اپنی پشت ہموار رکھے۔

۱۷- رکوع میں دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھے اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنے مضبوط پکڑے۔

۱۸- رکوع میں دونوں گھٹنے سیدھے رکھے، ان میں بل نہ پڑنے دے۔

۱۹- رکوع کی تسبیح میں سبحان ربی العظیم و بحمدہٖ پڑھے اور سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہٖ کہے اور رکوع میں نہ تو دعا کرے اور نہ قراءت، البتہ سجدے میں تسبیح کے ساتھ دعا بھی کرے۔

۲۰- مرد اپنی کہنیاں پہلوؤں سے الگ رکھے۔

۲۱- اکیلا نمازی اور مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد اللھم ربنا و لک الحمد کہے۔ ''واؤ'' حذف کرنا جائز ہے، لیکن واو کے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے۔ امام کھڑے ہو کر ربنا ولک الحمد نہ کہے جیسا کہ مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے بلکہ سیدھے

کھڑے ہونے کے بعد ربنا و لک الحمد کہے اور اکیلا نمازی دونوں کلمات کہے۔

۲۲- رکوع اور سجدوں میں جاتے ہوئے اور سجدوں سے اٹھتے ہوئے پہلے سجدے میں اور پہلے تشہد کے بعد اللہ اکبر کہے۔

۲۳- سجدے میں پیشانی اور ناک زمین پر لگا دے اور جو چیز زمین سے متصل ہے مثلاً کوئی سطح، تختہ، چھت وغیرہ وہ زمین کی طرح ہے۔

۲۴- سجدے میں جاتے ہوئے پہلے دونوں ہاتھ رکھے اور پھر گھٹنے اور قراءت کے لیے اٹھتے ہوئے پہلے گھٹنے اور پھر ہاتھ۔

۲۵- سجدوں میں دونوں ہاتھ دونوں کانوں کے برابر یا ان کے قریب رکھے یعنی ہاتھوں کی انگلیاں کانوں کے برابر ہوں۔

۲۶- ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر رکھے اور اس کے سرے قبلہ رو رکھے۔

۲۷- مرد سجدے میں اپنا پیٹ رانوں سے الگ رکھے، اپنا پیٹ رانوں سے نہ ملا دے اور کہنیاں گھٹنوں سے اور پہلوؤں سے درمیانی حد تک دور رکھے۔

عورت ان تمام حالتوں میں اپنے اعضاء ملا کر کھڑی ہو، کیوں کہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔

۲۸- سجدوں میں پشت کا آخری حصہ سر سے اونچا رکھے، اگر برابر ہو گئے یا سر اونچا ہو گیا تو مالکیہ کے نزدیک نماز باطل نہیں ہو گی لیکن شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک باطل ہو جائے گی۔

۲۹- سجدوں میں دین، دنیا اور آخرت کے لیے، اپنے لیے، دوسروں کے لیے، خصوصی عمومی جو چاہے اور جیسے چاہے، بغیر حد و حساب کے دعا کرے جیسا کہ بغیر حساب کے تسبیح پڑھے۔ تسبیح کو دعا پر مقدم رکھے۔

۳۰- دونوں سجدوں کے درمیان پہلے اور دوسرے تشہد میں اس طرح بیٹھے کہ بائیں پاؤں اور بائیں سرین کو زمین پر رکھ دے، پھر بائیں پاؤں کو دائیں پاؤں کی طرف سے باہر نکال دے اور دائیں پاؤں کو اس کے پیچھے کھڑا کر لے اور دائیں پاؤں کے انگوٹھے کا اندرونی حصہ زمین پر رکھ دے۔

۳۱- بیٹھنے میں دونوں ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے دونوں گھٹنوں پر ہوں۔

۳۲- مرد بیٹھتے ہوئے دونوں رانوں میں فاصلہ رکھے، ملائے نہیں، عورتیں ملا کر رکھیں۔

۳۳- انگوٹھے اور انگشت شہادت کو چھوڑ کر تینوں انگلیاں پہلے اور دوسرے تشہد میں اس طرح بند کر لے کہ انگوٹھے کے نیچے آ جائیں اور انگشت شہادت اور انگوٹھے کو کھلا رکھے اور تشہد کے اول سے آخر تک مسلسل شہادت کی انگلی کو دائیں بائیں درمیانی حرکت دیتا رہے۔

۳۴- صبح کی نماز میں قنوت (۱۵۸) پڑھے۔ جو ان الفاظ سے ہو، مثلاً اللھم اغفر لنا وارحمنا (اے اللہ! ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما) اس کا موقع دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے کا ہے اور نماز کی تمام دعاؤں کی طرح آہستہ دعا کرے۔ جو الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں الفاظ کو اختیار کیا ہے، ان کا پڑھنا مستحب ہے اور وہ یہ ہیں:

اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونؤمن بک و نتوکل علیک و نخنع لک و نخلع (۱۵۹) و نترک من یکفرک ، اللھم ایاک نعبد و لک نصلی، ونسجد والیک نسعی و نحفد (۱۶۰)، نرجو رحمتک و نخاف عذابک ان عذابک الجد (۱۶۱) بالکافرین ملحق (۱۶۲)

(اے اللہ! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں، تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، تجھ پر

ایمان لاتے ہیں، تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں، تیرے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور تیرے نافرمانوں سے قطع تعلق کرتے ہیں اے اللہ! ہم تیری عبادت کرتے ہیں، تیرے لیے نماز پڑھتے ہیں، تجھے سجدہ کرتے ہیں، تیری طرف دوڑتے ہیں، تیرے سامنے حاضری کی سعی کرتے ہیں، تیری رحمت کے امیدوار ہیں، تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں، تیرا برحق عذاب کافروں کو پہنچ کر رہے گا)

۳۵- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے بعد اور سلام سے پہلے جو چاہے دعا کرے۔

۳۶- تشہد کی طرح دعا آہستہ کرے کیوں کہ ہر دعا آہستہ مانگنا مستحب ہے۔

۳۷- عام دعا کرے کیوں کہ عمومی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اور عمومی دعاؤں میں یہ دعائیں شامل ہیں:

اللهم اغفرلنا(۱۶۳) ولوالدينا ولأ ئمتنا و لمن سبقنا بالايمان مغفرة عزماً

(اے اللہ! ہمیں، ہمارے والدین، ہمارے ائمہ اور ہم سے پہلے جو لوگ مسلمان ہوئے سب کو یقینی مغفرت سے نواز)۔

اللهم اغفرلنا ماقدمنا وما اخرنا وما اسررنا وما اعلنا ومانت اعلم به منا، ربنا اتنا فی الدنيا حسنة و فی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار

(اے اللہ! ہمارے پہلے، پچھلے، چھپے، اعلانیہ سب گناہ معاف فرما دے، جنہیں تو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا)۔

یعنی ہمیں دنیا میں ہدایت، عافیت اور بھلائی عطا فرما اور آخرت میں ہمیں نیک لوگوں میں شامل فرما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما، اور آگ کے اور ہمارے درمیان آڑ کھڑی کر دے کہ ہم اس میں جانے سے بچ سکیں۔

بہترین دعا وہ ہے جو کتاب و سنت میں آئی ہو پھر جو بندے کی اپنی ضروریات ہوں۔

۳۸- مقتدی نماز ختم کرنے کے لیے صرف دائیں طرف سلام پھیرے۔ امام اور اکیلا نمازی قبلہ رو کی حالت میں سلام شروع کرے اور ''علیکم'' کے کاف اور میم تک پہنچتے پہنچتے اتنا دائیں طرف مڑ جائے کہ پیچھے اس کا رُخسار نظر آئے۔

۳۹- امام اور اکیلے نمازی کو سُترہ (نمازی کے سامنے آڑ) کھڑا کرنا چاہیے۔ مقتدی کے لیے امام کا سُترہ کافی ہے۔ سُترہ سے مراد ایسی چیز ہے جسے نمازی اپنے سامنے اس لیے کھڑی کر دے کہ سامنے سے لوگ نہ گزریں۔ اس پر تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

شافعیہ کا مذہب:

اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ شافعیہ کے نزدیک سنتوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) ابعاض، جو آٹھ ہیں جو ہم نے اوپر بالاختصار ذکر کر دی ہیں، بلکہ درحقیقت بیس ہیں جن کا ذکر ہم سجدۂ سہو کی بحث میں کریں گے۔(۲) ہیئات: جو چالیس ہیں۔ ان میں سے اہم درج ذیل ہیں(۱۶۴)۔ یاد رہے کہ شافعیہ اور حنابلہ سنت، مندوب اور مستحب میں فرق نہیں کرتے۔

۱- تکبیر تحریمہ میں، رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھائے جائیں جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انگلیوں کے کنارے کانوں کے اوپر کے حصے کے برابر ہوں، انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر۔ صحیح یہ ہے تکبیر اور تسمیع شروع کرتے ہی ہاتھ اٹھائے جائیں۔

۲- انگلیوں کے کنارے قبلہ کی طرف جھکے ہوئے ہوں اور انگلیاں کھلی ہوں۔

۳- دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے، دونوں ہاتھ سینے سے نیچے ناف سے اوپر رکھے۔ اس میں سنت کا اتباع ہے جیسا کہ ابن خزیمہ نے روایت کیا۔

۴-۵- فرض اور نفل نماز میں ابتدائی دعا اور اعوذ باللہ کہے۔ ابتدائی دعا یہ ہے:

وجهت وجهي للذي فطر السموات والارض حنيفاً مسلما وما انا من المشركين ان صلاتي و نسكي و محياي و مماتي لله رب العلمين، لاشريك له و بذلك امرت وانا اوّل المسلمين(۱۶۵)

(میں اپنی توجہ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کیے، یکسو ہو کر، اطاعت کرتے ہوئے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اس کا حکم دیا گیا اور میں پہلا مسلمان ہوں)۔

۶-۷- جن مواقع پر بلند آواز سے قراءت کرنا ہے وہاں بلند آواز سے سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنا اور جہاں آہستہ کرنا ہے وہاں آہستہ کرنا، اس میں ان روایات کا اتباع ہے جو بخاری و مسلم نے روایت کی ہیں۔ صبح میں، جمعہ، عیدین، چاند گرہن، استسقا مغرب اور عشا کی پہلی دو دو رکعات میں، تراویح، رمضان کے وتر، رات یا صبح کے وقت کے طواف کی دو رکعات میں بلند آواز سے اور ان کے علاوہ آہستہ قراءت کرے، البتہ رات کی نمازوں میں بلند اور آہستہ آواز کے درمیان رہتے ہوئے قراءت کرے تاکہ کسی سونے والے، نمازی وغیرہ کے کام میں خلل نہ پڑے۔

فرض نماز کی قضا میں مستند قول کے مطابق اس وقت کا اعتبار ہے جس وقت وہ قضا کی جا رہی ہے۔ رات کی نماز میں درمیانی آواز سے قراءت کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ولاتجهر بصلاتك ولا تخافت بها (اپنی نماز میں آواز نہ تو بلند کرو اور نہ بہت پست، الاسراء ۱۷:۱۱۰) اگر غیر محرم مرد موجود نہ ہوں تو عورت بلند آواز سے قراءت کرتے ہوئے اپنی آواز مرد کی آواز سے پست رکھے۔

۸- فاتحہ کی قراءت کے بعد آمین کہنا، جہری نمازوں میں بلند آواز سے، سری نمازوں

میں ہر نمازی آہستہ آمین کہے۔

یاد رہے کہ پانچ مقامات ایسے ہیں جہاں مقتدی امام کے پیچھے بلند آواز میں پکارے۔امام کے ساتھ آمین کہتے ہوئے۔صبح کی نماز کی دعائے قنوت میں، رمضان کے آخری نصف کی دعائے قنوت میں، پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ میں اور امام کو لقمہ دیتے وقت۔

۹- امام اور دوسرے لوگ پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت پڑھیں (۱۶۶) البتہ جہری نمازوں میں جب امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو مقتدی کے لیے سورت پڑھنا مکروہ ہے البتہ ایسا شخص جسے حدث اکبر ہوا ہو اور اسے طہارت کے لیے پانی اور مٹی کوئی چیز نہ ملے تو وہ قراءت نہ کرے۔ اور نماز جنازہ پڑھنے والا نیز مسبوق جب بعد میں اپنی نماز پڑھ رہا ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں قراءت کرے کیوں کہ یہ اس کی نماز کا پہلا حصہ ہے۔

کم از کم قراءت کی مقدار ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیات ہیں مثلاً سورۃ الکوثر۔

مسنون یہ ہے کہ پہلی رکعت دوسری سے طویل ہو اور پہلی اور دوسری رکعات میں مسلسل آگے پیچھے کی سورتیں پڑھی جائیں۔ترتیب بدل دینا افضل طریقے کے خلاف ہے۔

قرآن کہیں سے بھی پڑھنے سے اصل سنت پوری ہو جاتی ہے لیکن پوری سورت پڑھنا افضل ہے، خواہ سورت چھوٹی ہی ہو البتہ تراویح میں لمبی سورت کا کچھ حصہ پڑھنا افضل ہے، کیوں کہ سنت یہ ہے کہ پورا قرآن حکیم تراویح میں پڑھا جائے۔

دو رکعات نفل پڑھنے والے کے لیے مسنون یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورت پڑھے اور اگر دو رکعات سے زیادہ نوافل پڑھ رہا ہے تو اکثر فقہاء کا فتویٰ یہ ہے کہ تیسری چوتھی رکعات میں سورت پڑھنا مستحب نہیں ہے، حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

صبح کی دوسنتوں میں مختصر قراءت کرے۔پہلی رکعت میں قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا (البقرہ ۱۳۶) اور دوسری میں قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء

(آل عمران ۶۴) پڑھے، جیسا کہ مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ پہلی رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد پڑھے۔(۱۶۷)

جمعہ کی صبح کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ الم السجدہ: ۳۲ اور دوسری میں ھل اتی علی الانسان: ۷۶ پڑھنا مسنون ہے، اس میں سنت کی پیروی ہے (۱۶۸)۔ اگر پہلی رکعت میں الم السجدہ چھوڑ دی تو مسنون یہ ہے کہ دوسری میں پڑھ لے۔ اگر ان سورتوں کا کچھ حصہ پڑھا اور ان کے علاوہ کوئی اور سورتیں پڑھیں تو سنت کے خلاف ہے۔ اگر وقت تنگ ہو اور پوری سورتیں نہ پڑھی جا سکتی ہوں تو جتنی ممکن ہو پڑھ لے، خواہ سورۂ الم سجدہ کی آیت اور ھل اتی کا کچھ حصہ۔ بعض شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ ہمیشہ یہ سورتیں پڑھنا مستحب نہیں تا کہ کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کا پڑھنا واجب ہے۔

۱۰- ہر دفعہ جھکنے اور اٹھنے کے وقت اللہ اکبر کہے(۱۶۹) البتہ رکوع سے اٹھتے وقت اللہ اکبر نہ کہے۔ تکبیر تحریمہ اس میں شامل نہیں، وہ فرض ہے۔

۱۱- دونوں ہتھیلیاں رکوع میں دونوں گھٹنوں پر رکھے اور انگلیاں گھٹنوں پر پھیلا کر قبلہ رو کر کے رکھے۔(۱۷۰)

۱۲- رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے(۱۷۱) اور ساتھ وبحمدہ کا اضافہ کرے یہ کمال کا ادنیٰ درجہ ہے۔

۱۳- ہر نمازی خواہ وہ امام ہو یا نہ رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ (۱۷۲) کہے۔ امام کے لیے بلند آواز کہنا سنت ہے اور اگر دور آواز پہنچانے کے لیے مکبر کی ضرورت ہے تو وہ بھی بلند آواز سے کہے کیوں کہ یہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کے لیے ذکر ہے۔ ربنا لک الحمد بلند آواز سے نہ کہے جیسا کہ تسبیح اور دوسرے اذکار بلند آواز سے نہیں کہے جاتے لیکن عام طور پر ربنا لک الحمد بلند آواز

سے کہنے کا رواج ہو گیا ہے اور سمع اللہ لمن حمدہ کو بلند آواز سے نہیں کہتے کیوں کہ اکثر ائمہ اور مؤذن سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ناواقف ہیں۔

جب نمازی سیدھا کھڑا ہو جائے تو ہاتھ چھوڑ کر ربنا لک الحمد ملء السموات وملء الارض وملء ما شئت من شئ (۱۷۳) کہے اور اکیلا نمازی نیز ایسا امام جس کے مقتدی شوق سے لمبی نماز پڑھتے ہوں ان الفاظ کا اضافہ کرے: اھل اللہ المجد، و حق ما قال العبد، و کلنا لک عبد، لامانع لما اعطیت ولامعطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجدؑ (۱۷۴)

۱۴- سجدہ کرتے ہوئے پہلے دونوں گھٹنے، پھر دونوں ہاتھ، پھر پیشانی اور ناک رکھے۔ (۱۷۵)

۱۵- سجدے میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے (۱۷۶) اور و بحمدہٖ کا اضافہ کرے، یہ کمال کا ادنی درجہ ہے۔

۱۶- سجدے میں دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر رکھے۔ اپنی انگلیاں ملا کر سیدھی قبلہ رو رکھے (۱۷۷)

۱۷- مرد رکوع اور سجدے میں اپنے بازو پہلو سے اور پیٹ رانوں سے الگ رکھے، البتہ عورت اور ہیجڑا الگ نہ رکھیں بلکہ ملا کر رکھیں کیوں کہ اس میں پردہ ہے، ہیجڑے کے لیے بھی احتیاط اسی میں ہے، مسنون یہ ہے کہ گھٹنوں اور پاؤں میں ایک بالشت کا فاصلہ رکھے۔ (۱۷۸)

۱۸- نمازی مرد ہو یا عورت اپنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ رُخ رکھے۔ (۱۷۹)

۱۹- دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا کرے: رب اغفرلی وارحمنی، واجبرنی وارفعنی وارزقنی واھدنی وعافنی۔ (۱۸۰)

۲۰- دونوں سجدوں کے درمیان اور پہلے قعدہ میں اس طرح بیٹھے کہ بائیں پاؤں پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا کر لے۔(۱۸۱) اس میں حکمت یہ ہے کہ نمازی کو بالعموم حرکت کرنا پڑتی ہے اور اس طرح بیٹھ کر اٹھنا آسان ہوتا ہے۔

۲۱- دوسرے سجدے کے بعد تھوڑی دیر آرام کر کے اطمینان سے بیٹھ کر پھر کھڑا ہو جائے۔(۱۸۲) اگر جتنی دیر دو سجدوں کے درمیان بیٹھتا ہے اس سے زیادہ بیٹھ جائے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر امام نہ بیٹھے تب بھی مقتدی بیٹھ جائے۔

۲۲- بیٹھنے کے بعد کھڑے ہونے کے لیے ہاتھوں پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو(۱۸۳) اگر سجدے سے کھڑا ہو تب بھی ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو، کیوں کہ اس سے خشوع و خضوع میں مدد ملتی ہے اور نمازی کی آسانی ہوتی ہے۔

۲۳- پہلے تشہد سے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے۔(۱۸۴)

۲۴- آخری تشہد میں سرین پر بیٹھ جائے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں سرین زمین پر رکھ دے، دایاں پاؤں کھڑا کر لے (۱۸۵)ہاں اگر سجدۂ سہو کرنا چاہتا ہو یا کوئی ارادہ نہ ہو، یا آخری قعدے کا ارادہ نہ ہو تو پھر پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے، کیوں کہ اس کے بعد اس نے سجدہ کرنا ہوتا ہے۔

۲۵- دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے، دائیں ہاتھ کی مٹھی بند کر لے البتہ انگشت شہادت کھلی رہنے دے اور اسے جھکا کر حرکت دیے بغیر الا اللہ پر اشارہ کرے، بائیں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر سیدھی رکھے۔(۱۸۶)

۲۶- اپنی نگاہ انگشت شہادت کے اشارے سے آگے نہ جانے دے۔(۱۸۷)

۲۷- آخری تشہد کے بعد عذاب سے پناہ مانگے،(۱۸۸) اور دعا بھی مسنون ہے، مثلاً اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت

اعلم بہ منی، انت المقدم و انت المؤخر لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک، اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیرا کبیراً ولا یغفرالذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم۔

(اے اللہ! میرے پہلے، پچھلے، خفیہ، اعلانیہ تمام گناہ اور کوتاہیاں معاف فرما دے، جنہیں تو مجھ سے بہتر جانتا ہے، تو ہی اول ہے، تو ہی آخر ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں، اے اللہ، میں نے اپنے آپ پر بہت زیادہ اور بڑے بڑے ظلم کیے اور تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں، مجھے معاف کر دے، اپنی طرف سے مغفرت سے نواز اور مجھ پر رحم فرما، بلاشبہ تو غفور ورحیم ہے)۔

۲۸-۲۹- دوسرا سلام(۱۸۹)، پہلے سلام کے ذریعے نماز سے نکلنے کی نیت کرے، اگر اس سے پہلے نماز سے نکلنے کی نیت کر لی تو نماز باطل ہو جائے گی، اگر سلام کے دوران یا سلام کے بعد نماز سے نکلنے کی نیت کی تو سنت پر عمل نہیں ہوگا۔

۳۰- دونوں سلام پھیرتے وقت دائیں اور بائیں جانب چہرہ پھیرنا یہاں تک کہ پہلے سلام میں دائیں طرف کا رُخسار نظر آئے اور دوسرے سلام میں بائیں طرف کا۔(۱۹۰) دائیں بائیں اور سامنے سلام پھیرنے میں ملائکہ، انسانوں اور جنات کی نیت کرے، مسنون یہ ہے کہ سلام معمول کے مطابق کرے اسے لمبا نہ کرے، مقتدی امام کے بعد سلام پھیرے اور اگر تمام ارکان کی طرح سلام بھی امام کے ساتھ کر لیا تو جائز ہے البتہ تکبیر تحریمہ امام کے بعد ہونا ضروری ہے۔

۳۱- نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت مسواک کرنا خواہ کپڑے سے ہو یا انگلی سے، (۱۹۱) خواہ ایسا آدمی ہو جسے پانی اور مٹی کوئی بھی چیز طہارت کے لیے میسر نہ ہو، البتہ روزہ دار سورج ڈھلنے کے بعد مسواک نہ کرے، اس کے لیے مکروہ ہے، اس کی تفصیل مسواک کی

بحث میں گزر چکی ہے اور یہ نماز سے باہر کی سنت ہے۔

۳۲- پوری نماز میں خشوع کرے، یعنی دل حاضر رہے اور اعضاء پرسکون رہیں یعنی یہ ذہن میں رکھے کہ وہ اللہ کے سامنے کھڑا ہے، اللہ اسے دیکھ رہا ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون (المومنون ۲۳:۱-۲) (وہ اہل ایمان کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں)، نیز ارشاد نبویؐ ہے: جو مسلمان بندہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ اپنی توجہ اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔(۱۹۲) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے داڑھی سے کھیل رہا ہے تو آپؐ نے فرمایا: اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء پرسکون ہوتے۔(۱۹۳)

۳۳- قراءت میں غور وفکر کرے کیوں کہ خشوع اور ادب اسی سے حاصل ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے: أفلا یتدبرون القرآن، أم علی قلوب اقفا لها (محمد،۴۷:۲۴) (کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں) قرآن حکیم کو ترتیل سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا سنت ہے اور جلدی جلدی قراءت کرنا مکروہ ہے۔

قرآن حکیم کی تلاوت کرنے والے کے لیے مسنون ہے کہ وہ خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، جب رحمت کی آیت آئے تو اللہ سے رحمت مانگے، جب عذاب کی آیت آئے تو عذاب سے پناہ مانگے،(۱۹۴) جب تسبیح کی آیت آئے تو تسبیح پڑھے اور جب مثال کی آیت آئے تو غور وتدبر کرے اور جب الیس اللہ با حکم الحاکمین (کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے) پڑھے تو کہے بلی و انا علی ذلک من الشاهدین (کیوں نہیں، میں اس پر گواہ ہوں) اور جب فبأیّ حدیث بعده یؤمنون (المرسلات ۷۷:۵۰) (اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے) پڑھے تو

آمنت باللہ (میں اللہ پر ایمان لایا) کہے اور جب فمن یاتیکم بماء معین (کون ہمیں خوشگوار پانی دے گا۔ الملک ۶۷:۳۰) پڑھے تو کہے: اللہ رب العالمین۔

۳۴- نماز کے اذکار قرآن پر قیاس کرتے ہوئے، ان پر بھی غور وفکر کرے۔

۳۵- خوشی، تازگی اور دنیوی مشاغل سے دل کو خالی کر کے نماز میں داخل ہو کیوں کہ پہلی صفت چھوڑنے کی مذمت آئی ہے۔ منافقین کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ (النساء ۴:۱۴۲) (جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں) سستی کسی چیز میں کوتاہی اور تاخیر کرنے کا نام ہے اس کی ضد تازگی اور چستی ہے۔ دل کے خالی ہونے سے خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے۔

نماز میں دنیوی امور یا فقہی مسائل میں غور کرنا مکروہ ہے۔ آخرت کے بارے میں غور کرنے میں کوئی حرج نہیں اور قرآن جو تلاوت میں پڑھا جا رہا ہو۔ اس کے معانی پر غور کرنا مستحب ہے۔

۳۶- اگر امام نماز میں غلطی کرے تو اسے لقمہ دیا جائے۔ (۱۹۵)

نماز میں جس کسی کو کوئی چیز پیش آ جائے مثلاً امام کو غلطی پر تنبیہ کرنا ہو، یا کوئی شخص اندر آنا چاہتا ہے، اسے آنے کی اجازت دینا ہو، کوئی اندھا کہیں گرنے لگا ہو یا کوئی بے خبر یا بے شعور فرد کسی جگہ گرنے لگا ہو یا کوئی ظالم یا درندہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہو تو نمازی ایسے موقع پر سبحان اللہ کہے لیکن شرط یہ ہے کہ صرف تنبیہ کی نیت نہ ہو ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

عورت دائیں ہاتھ کی اندر کی طرف کو بائیں کی پشت پر یا اس کے برعکس مار کر تالی بجائے۔ اس کی دلیل بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ جسے نماز میں کوئی واقعہ پیش آ جائے تو وہ تسبیح پڑھے۔ عورت تالی بجائے (۱۹۶) ہیجڑا بھی تالی بجائے۔

اس سنت پر اتفاق ہے البتہ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ جس کسی کو نماز میں کوئی واقعہ

پیش آ جائے تو وہ تسبیح کہے لیکن عورت کا تالی بجانا مکروہ ہے۔

نماز کے وہ امور جن میں مرد اور عورت کا اختلاف ہے: شافعیہ نے نماز میں چار چیزیں ایسی گنوائی ہیں جن میں عورت اور مرد کا اختلاف ہے اور اوپر کی تفصیل میں انہیں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ وہ چار امور درج ذیل ہیں (۱۹۷):

۱- مرد اپنی کہنیاں پہلوؤں سے الگ رکھے، اپنا پیٹ رکوع اور سجدے کے دوران رانوں سے الگ رکھے لیکن عورت انہیں ملا کر رکھے، رکوع اور سجدے میں پیٹ، رانوں سے اور گھٹنے اور پاؤں ملا کر رکھے کیوں کہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔

۲- مرد جہری نمازوں میں بلند آواز سے اور سری نمازوں میں آہستہ پڑھے جس کی تفصیل گزر چکی ہے لیکن عورت غیر محرم مردوں کی موجودگی میں اپنی آواز اتنی آہستہ رکھے کہ جن غیر محرم مردوں کے سامنے نماز پڑھ رہی ہے وہ اس کی آواز نہ سنیں تاکہ فتنہ سے بچا جا سکے۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ عورت کی آواز کا پردہ نہیں ہے، عورت کی آواز سننا حرام نہیں، خواہ وہ گانے والی ہو، البتہ اگر فتنہ کا خوف ہو یعنی مرد اور عورت اکیلے ہوں تو حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں تو حرام ہے۔

۳- اگر مرد کو نماز میں کوئی واقعہ پیش آ جائے تو وہ تسبیح کہے یعنی سبحان اللہ کہے لیکن یا تو صرف ذکر کی نیت کرے یا ذکر اور اطلاع دونوں کی یا کوئی نیت نہ کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی لیکن اگر صرف اطلاع دینے کی نیت کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

عورت کو اگر کوئی واقعہ پیش آئے تو تالی بجائے، خواہ ایسی صورت ہو کہ اجنبی مرد وہاں موجود نہ ہوں تب بھی مستند قول یہی ہے کہ دائیں ہاتھ کا اندر کا حصہ بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے۔ اگر دونوں ہاتھوں کے اندر کے حصے سے کھیل کی نیت سے تالی بجائی خواہ معمولی سی ہو تو بھی نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر کھیل کی نیت نہ ہو تو نہیں ٹوٹے گی۔ ہیجڑے کا بھی وہی حکم ہے جو عورت کا ہے، تالی بجانے میں اور اعضاء کو باہم ملانے میں۔

تالی اگر زیادہ بار یا مسلسل بجائی جائے تب بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ضرورت ہو۔اگر مرد تالی بجائے اور بار بار یا مسلسل بجائے تو بھی نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ یہ معمولی عمل ہے، ہاتھ میں تسبیح گھمانے یا کھینچنے کی طرح کا عمل ہے۔

تالی اگر محض اطلاع دینے کے لیے بجائی ہو، اور خواہ مرد نے بجائی ہو اس سے مستند قول کے مطابق نماز نہیں ٹوٹتی۔جب کہ تسبیح اگر محض اطلاع کے لیے ہو تو اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے کیوں کہ تسبیح ایسی چیز ہے جو ذکر کی صلاحیت رکھتی ہے جب کہ تالی ذکر کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

نماز کے باہر کھیل کود کی نیت کے بغیر تالی بجانا الرملی کے مطابق مکروہ ہے اور ابن حجر کے بقول کھیل کود کی نیت سے بھی مکروہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے جاہلی دور کے عربوں سے مشابہت لازم آتی ہے، جس کی ممانعت ہے۔ارشاد ربانی ہے: وما کان صلاتھم عندالبیت الا مکاء وتصدیۃ فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون (۱۹۸) (بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا تھا، پس اب اپنے کفر کا عذاب چکھو)۔

۴- مرد کا ستر نماز اور طواف میں اجنبی مردوں اور محرم عورتوں کے سامنے ناف سے زانو تک ہے اور غیر محرم عورتوں کے سامنے پورا بدن ہے اور تنہائی میں صرف آگے، پیچھے کی شرم گاہ کا ستر ہے۔ باندی ستر میں مرد کی طرح ہے۔

ناف اور گھٹنا ستر میں شامل نہیں ہیں لیکن ان کے کچھ حصے کو ڈھانپنا واجب ہے تاکہ ستر صحیح طور پر ڈھانپا جاسکے، کیوں کہ جس کام کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہوتی ہو وہ کام واجب ہوتا ہے۔

آزاد عورت کے تمام بدن کا نماز میں پردہ ہے البتہ اس کا چہرہ اور ہتھیلیاں مستثنیٰ ہیں۔نماز کے باہر اس کا تمام بدن ستر میں شامل ہے۔

حنابلہ کا مذہب:

حنابلہ کے نزدیک تہتر سنتیں ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی (۱۹۹)۔قولی سنتیں سترہ ہیں اور وہ ہم نے بحث کے شروع میں گنوا دی تھیں۔فعلی سنتیں چھپن ہیں، ان میں سے اہم درج ذیل ہیں۔ یاد رہے کہ حنابلہ بھی شافعیہ کی طرح سنت، مندوب اور مستحب میں فرق نہیں کرتے۔

۱-۳- تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا، اس طرح کہ انگلیاں لمبی کی ہوئی ہوں، ملی ہوئی ہوں اور اندر کی طرف سے قبلہ رو ہوں اور کندھوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں۔

۴- امام اتنی بلند آواز سے تکبیر کہے کہ مقتدی اس کی آواز سن سکیں، کیوں کہ ان کے لیے امام کی تکبیر کے بعد ہی تکبیر کہنا جائز ہے۔

۵-۶- رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے اوپر مذکور طریقے کے مطابق ہاتھ اٹھانا اور پھر دونوں ہاتھ چھوڑ دینا۔

۷-۸- قیام اور قراءت کے دوران دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی انگوٹھے کی ساتھ والی ہڈی (۲۰۰) پر رکھنا اور دونوں ہاتھ زیر ناف باندھ لینا۔

۹- قیام کی حالت میں سجدے کی جگہ پر نگاہ رکھنا۔

۱۰-۱۱- ترتیل سے ٹھہر ٹھہر کر قراءت کرنا اور مختصر نماز پڑھانا کیوں کہ حدیث میں ہے: ''جو امامت کروائے وہ مختصر نماز پڑھائے''۔

۱۲-۱۳- نماز خوف کے علاوہ دیگر نمازوں میں پہلی رکعت دوسری رکعت کی بہ نسبت لمبی پڑھے۔

۱۴- قیام کے دوران نمازی اپنے پاؤں کے درمیان معمولی فاصلہ رکھے۔

۱۵-۱۶- رکوع کی حالت میں ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر دونوں گھٹنے پکڑے۔

۱۷-۱۸- رکوع کی حالت میں پشت ہموار رکھنا اور سر کو پشت کے برابر رکھنا، اونچا نہ نیچا۔

۱۹- رکوع میں بازو پہلوؤں سے الگ رکھنا

۲۰-۲۱- سجدے میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے اور پھر ہاتھ رکھنا اور اٹھتے ہوئے اس کے برعکس اٹھنا۔

۲۲-۲۳-سجدے میں تمام اعضاء سجدہ کو زمین پر لگا دینا، یعنی پوری پیشانی زمین پر رکھ دینا۔ پوری ناک اور اس کے کنارے زمین پر رکھنا، نمازی اپنے ہاتھ اور پیشانی اس طرح زمین پر رکھے کہ بیچ میں کوئی چیز حائل نہیں ہو جو نمازی کے ساتھ متصل ہو، نیز اپنے دونوں گھٹنے بھی براہ راست زمین پر رکھ دے۔

۲۴- سجدے میں بازو پہلوؤں سے، پیٹ رانوں سے اور رانیں پنڈلیوں سے الگ رکھے۔

۲۵- سجدے میں دونوں گھٹنوں کے درمیان فاصلہ رکھے، پاؤں کھڑے رکھے، ان کی انگلیاں زمین پر پھیلا کر رکھے، دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں اور تشہد میں بھی اسی طرح رکھے۔

۲۶- سجدے میں دونوں ہاتھ انگلیاں کھلی رکھتے ہوئے کندھوں کے برابر رکھے۔

۲۷- سجدے میں انگلیاں ملا کر قبلہ رُخ رکھے۔

۲۸- دوسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت پاؤں کے پنجوں پر زور دیتے ہوئے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھے، اگر مشکل ہو تو زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھ سکتا ہے۔

۲۹-۳۱- دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں اور پہلے تشہد میں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دوسرے تشہد میں سرین پر بیٹھے۔

۳۲-۳۵-دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے، ہاتھ کھلے رکھے، انگلیاں ملا کر قبلہ رو رکھے، یہ کیفیت دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں اور پہلے اور دوسرے تشہد میں مسنون ہے۔

۳۶- تشہد میں مطلقاً دائیں ہاتھ کی چھوٹی اور دوسری انگلی کو بند کرے اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا لے۔

۳۷- تشہد میں اللہ کا نام آنے پر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔

۳۸-۳۹- بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو تشہد میں ملا کر رکھے اور انہیں قبلہ رو رکھے۔

۴۰- سلام کے ابتدا میں چہرے سے قبلہ کی طرف اشارہ کرے۔

۴۱-۴۲- سلام کرتے ہوئے دائیں بائیں مڑے، بائیں کی بہ نسبت دائیں طرف زیادہ مڑے۔

۴۳- سلام سے نماز ختم کرنے کی نیت کرے جیسا کہ شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

۴۴- نماز میں خشوع: اوپر مذکور آیت الذین ھم فی صلوتھم خاشعون (المومنون ۲۳:۱-۲، جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں) اور حدیث مذکورہ بالا کے باعث جس میں داڑھی سے کھیلنے والے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء پرسکون ہوتے''۔

خشوع ایک ایسی باطنی کیفیت ہے جس کے نتیجے میں ظاہری اعضاء پر سکون ہو جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا تمام امور میں عورت بھی مرد کی طرح ہے البتہ رکوع اور سجدے میں وہ تمام اعضاء کو الگ الگ رکھنے کے بجائے ملا کر رکھے، یہی مسنون ہے۔ اپنے پاؤں دائیں طرف سے نکال کر بیٹھے یہ افضل ہے، اگر کوئی غیر محرم سن رہا ہو تو آہستہ قراءت کرے اور خنثی مشکل عورت کی طرح ہے۔

دوسری بحث: نماز سے باہر کی سنتیں:

نماز سے پہلے کچھ سنتیں ہیں، مثلاً مسواک کرنا، اذان، اقامت اور سُترہ بنانا، یہاں ہم صرف آخری سنت کے بارے میں بیان کریں گے۔ پہلی سنتوں کا بیان گزر چکا ہے۔

۱- سُترہ کی تعریف:

نمازی سامنے سے گزرنے والوں کو روکنے کے لیے جو چیز سامنے رکھے اسے سُترہ کہتے ہیں۔

۲- سُترہ کا حکم:

سُترہ رکھنا سنت ہے، شریعت نے اس کا حکم دیا ہے، ارشاد نبوی ہے: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو سُترہ کی طرف نماز پڑھے، اس سے قریب کھڑا ہو اور کسی کو سامنے سے گزرنے نہ دے، اگر کوئی شخص گزرنا چاہے تو اسے زبردستی روکے کیوں کہ وہ شیطان ہے۔(۲۰۱)

فقہاء کا اتفاق ہے کہ سُترہ بنانا واجب نہیں ہے بلکہ سُترہ کا حکم استحباب پر محمول ہے، کیوں کہ سُترہ نہ بنانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ سُترہ نماز کی شرائط میں سے نہیں ہے۔ سلف سُترہ بنانے کا التزام نہیں کرتے تھے، اگر واجب ہوتا تو اس کی پابندی کرتے۔

نیز نمازی کے سامنے سے گزرنے کا گناہ گزرنے والے کو ہوتا ہے، اگر سُترہ بنانا واجب ہوتا تو گناہ نمازی کو ہوتا۔ نیز بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلی جگہ پر نماز پڑھی اور سامنے سُترہ کھڑا نہیں کیا۔

۳- سُترہ کھڑا کرنے کی حکمت:

سُترہ کھڑا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے سے روکا جائے تاکہ نمازی کی توجہ اور خشوع وخضوع متأثر نہ ہو اور نمازی اپنی پوری توجہ سے نماز پڑھ سکے، نیز نمازی کی نگاہ ادھر ادھر نہ بھٹکتی رہے اور سُترہ سے آگے اس کی نگاہ نہ جائے تاکہ خشوع ختم نہ ہو۔

۴- سُترہ کے بارے میں فقہاء کی آراء:

ہر حال میں سُترہ کھڑا کرنے یا جب کسی کے گزرنے کا اندیشہ ہو تو سُترہ کھڑا کرنے کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ مالکیہ اور حنفیہ کی (۲۰۲) رائے یہ ہے کہ امام اور اکیلے نمازی کے لیے فرض اور نفل نمازوں میں سُترہ کھڑا کرنا مستحب ہے بشرطیکہ سجدے کے اندر کی جگہ سے کسی کے گزرنے کا اندیشہ ہو، رہا مقتدی تو امام کا سُترہ مقتدی کا سُترہ ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحاء مکہ میں نیزہ گاڑ کر نماز پڑھائی۔ (۲۰۳) مقتدیوں کا سُترہ کھڑا نہیں کیا۔ (۲۰۴) اگر نمازی کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ سامنے سے کوئی گزرے گا اور نمازی کا رُخ راستے کی طرف نہ ہو تو سُترہ کھڑا نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جو شخص صحرا میں نماز پڑھ رہا ہو اس کے لیے مناسب ہے کہ سامنے کوئی لکڑی گاڑ لے یا کوئی چیز رکھ لے، کسی چیز کو گاڑ لینے کا اعتبار ہے، یونہی ڈال دینا یا لکیر کھینچ لینا درست نہیں، کیوں کہ سُترہ کا مقصد یہ ہے کہ نمازی اور گزرنے والے کے درمیان آڑ ہو جو کوئی چیز رکھ دینے یا لکیر کھینچ لینے سے حاصل نہیں ہوتا۔

شافعیہ اور حنابلہ (۲۰۵) کی رائے یہ ہے کہ نمازی کے لیے سُترہ کھڑا کر کے نماز پڑھنا مستحب ہے، خواہ گھر میں ہو یا مسجد میں، پس کسی دیوار یا ستون کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور اگر کھلی جگہ ہو تو حنابلہ کے نزدیک سامنے کوئی نظر آنے والی چیز کھڑی کر لے، مثلاً لاٹھی یا نیزہ گاڑ لے، اونٹ یا اس کا کجاوا کھڑا کر لے، اور اگر کوئی چیز نہ ہو تو سامنے لکیر کھینچ لے یا جائے نماز بچھا لے جیسا کہ شافعیہ نے ذکر کیا ہے۔

ان کی دلیل ابو جُحیفہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیزہ گاڑ لیا، اس کی طرف منہ کر کے ظہر کی دو رکعات پڑھیں، سامنے سے گدھا اور کتا وغیرہ گزرتے رہے، کسی نے نہیں روکے۔ (۲۰۶) طلحہ بن عبید اللہ کی روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے سامنے کجاوے کا پچھلا حصہ کھڑا کرے تو اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور

اس کے آگے جو کوئی گزرتا ہے اس کی کوئی پروا نہ کرے۔(۲۰۷)

اس امر پر اتفاق ہے کہ امام کا سُترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُترہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور اپنے صحابہ کو دوسرا سُترہ کھڑا کرنے کا حکم نہیں دیا جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک گدھی پر سوار آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں اس طرح نماز پڑھا رہے تھے کہ سامنے دیوار وغیرہ کچھ نہیں تھا، میں ایک صف کے کچھ لوگوں کے سامنے سے گزرا، پھر اتر گیا۔گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود صف میں کھڑا ہو گیا، مجھ پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔(۲۰۸)

حنابلہ کہتے ہیں کہ مکہ میں سُترہ کے بغیر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔امام احمد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے وہاں نماز پڑھی، آپؐ کے اور طواف کرنے والوں کے درمیان سُترہ نہیں تھا، گویا یہ مکہ کا خاص حکم ہے۔

۵۔ سُترہ کی کیفیت اور اس کی مقدار:

اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔حنفیہ کہتے ہیں کم از کم سُترہ ایک ذراع یعنی ۴۶،۲ سینٹی میٹر یا اس سے زائد لمبا ہو اور ایک انگلی کے برابر موٹا ہو۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم اپنے سامنے کجاوے کے پچھلے حصے جیسے کوئی چیز کھڑا کر دو تو کسی کے سامنے گزرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔(۲۰۹) اور جو نیزہ گاڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحرا میں نماز پڑھتے تھے اس کی لمبائی کا اندازہ ایک ذراع کیا گیا ہے۔ گاڑنے کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز یونہی ڈالی ہوئی نہ ہو اور نہ لکیر کھینچی گئی ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک کسی آدمی کی پیٹھ کی آڑ میں، خواہ وہ کھڑا ہو یا بیٹھا اور کسی جانور کی آڑ میں نماز پڑھنا درست ہے لیکن قرآن حکیم یا تلوار کو آڑ بنانا درست نہیں۔ سوار آدمی،

حیلہ کر سکتا ہے کہ نمازی کے سامنے جانور سے اتر جائے اور جانور کو اپنے اور نمازی کے درمیان آڑ بنا کر گزر جائے، وہ جانور سُترہ ہو جائے گا۔ جو کوئی نمازی کے سامنے سے گزرنا چاہے، کوئی چیز نمازی کے سامنے رکھ دے اور گزر جائے۔

مالکیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سُترہ ایک ہاتھ لمبا اور نیزے جتنا موٹا ہو بشرطیکہ ایک جگہ کھڑی چیز ہو، پاک ہو، نجس سُترہ کھڑا کرنا مکروہ ہے، ایسی چیز نہ ہو جو دل میں بے چینی پیدا کرے، بچہ جو ایک جگہ کھڑا نہ رہتا ہو یا عورت یا باتیں کرنے والے لوگوں کے حلقہ کو، اسی طرح کوڑے، رسی، رومال، کھلے چھوڑے ہوئے جانور کو سُترہ بنانا درست نہیں البتہ بندھے ہوئے اونٹ، گائے اور بکری کو سُترہ بنانا جائز ہے۔ کیوں کہ مالکیہ کے نزدیک ان کا فضلہ (گوبر، مینگنیاں وغیرہ) پاک ہے۔ زمین پر لکیر کھینچ کر اسے سُترہ بنانا یا کسی گڑھے کو سُترہ بنانا جائز نہیں کیوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے روز نماز پڑھنے نکلتے تو نیزہ منگواتے وہ آپؐ کے سامنے رکھا جاتا، آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور لوگ آپؐ کے پیچھے ہوتے، سفر میں بھی آپؐ اسی طرح کرتے (۲۱۰) ابو جُحیفہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے سامنے نیزہ ہوتا، یہ چھوٹی لاٹھی ہوتی جس کے نیچے لوہا لگا ہوتا تھا۔ (۲۱۱) لکیر کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ضعیف اور مضطرب ہے۔ (۲۱۲)

غیر محرم عورت یا کافر کی پیٹھ کو سُترہ بنانا مکروہ ہے اور غیر کافر مرد اور محرم عورت کو سُترہ بنانا بلا کراہت جائز ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نمازی کسی نظر آنے والی چیز کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے جس کی لمبائی تین ہاتھ ہو، خواہ اس کی چوڑائی نہ ہو مثلاً تیر کیوں کہ حدیث میں ہے اپنی نمازوں میں سُترہ بنایا کرو خواہ تیر کا ہی ہو۔ (۲۱۳) جانور کو سُترہ نہ بنائے۔

حنابلہ کی رائے حنفیہ اور مالکیہ سے ہم آہنگ ہے، ان کے نزدیک بھی سُترہ کی لمبائی

ایک ہاتھ کے برابر ہونی چاہیے۔موٹا یا باریک ہونے میں ان کے نزدیک کوئی حد نہیں ہے۔خواہ تیر، اور نیزے کی طرح باریک ہو یا دیوار کی طرح موٹا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیزے کو سُترہ بنایا کرتے تھے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سامنے لکیر کھینچ لینا جائز ہے کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے چہرے کے سامنے کوئی چیز رکھ لے، اگر اور کچھ نہ ہو تو چھڑی گاڑ لے، اگر چھڑی بھی نہ ہو تو لکیر کھینچ لے، اس کے بعد اگر کوئی گزرتا ہے تو کوئی نقصان نہیں ہے۔(۲۱۴)

شافعیہ کے نزدیک لکیر لمبائی میں سیدھی ہونی چاہیے اور حنابلہ کے نزدیک عرض میں پہلی تاریخ کے چاند کی طرح ہونی چاہیے جیسے پل ہوتا ہے،بعض حنابلہ کہتے ہیں، جیسے بھی لکیر کھینچے، لمبائی میں چاہے چوڑائی میں، درست ہے۔

اگر نمازی کے پاس لاٹھی ہو لیکن اسے گاڑنا ممکن نہ ہو تو جمہور کے نزدیک اسے چوڑائی میں سامنے ڈال دے، یہ لکیر کی طرح سمجھا جائے گا، اس کے قائم مقام ہوگا، مالکیہ کہتے ہیں کہ عصا کو کھڑا کرنا ضروری ہے۔

حنابلہ کے نزدیک اونٹ کسی دوسرے حیوان اور انسان کو سُترہ بنانا جائز ہے۔ابن عمرؓ اور حضرت انسؓ ایسا کر لیتے تھے،نیز ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی(۲۱۵)ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو بٹھا کر اس کی چوڑائی کی جانب منہ کر کے نماز پڑھ لیتے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا، اگر سواری ادھر ادھر ہو گئی ہو تو انہوں نے کہا کہ کجاوے کے پچھلے حصہ کی طرف منہ کر لے۔اگر کسی انسان کو سُترہ بنا لیا تو وہ بھی سُترہ کے قائم مقام ہو جائے گا، نافع کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ اگر مسجد کے کسی ستون کو سُترہ نہ بنا سکتے تو کہتے کہ اپنی پیٹھ میری طرف کر لو۔

حمید بن ہلال سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا کہ لوگ اس کے سامنے سے گزر رہے تھے آپؒ نے اپنی پیٹھ اس کی طرف کر دی اور اپنے کپڑے سے یوں اشارہ کیا، اپنے دونوں ہاتھ یوں پھیلا دے اور نمازی سے کہا، اطمینان سے نماز پڑھو۔(۲۱۶)

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرد یا عورت کی پیٹھ کو سُترہ بنانا جائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک صرف مرد کی پیٹھ یا کسی اور عضو کو سُترہ بنانا جائز ہے۔شافعیہ کے نزدیک آدمی کو مطلقاً سُترہ بنانا جائز نہیں، جمہور کے نزدیک غصب کیے ہوئے سُترہ کی طرف نماز پڑھنا درست ہے، حنابلہ کے نزدیک درست نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ جمہور کے نزدیک ناپاک چیز سُترہ ہوسکتی ہے، مالکیہ کے نزدیک نہیں ہوسکتی۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ دیوار کو سُترہ بنایا جاسکتا ہے۔

۶- کسی آدمی کے چہرے کی طرف یا آگ یا تصویر یا نماز پڑھتی ہوئی عورت کی طرف منہ کرنا:(۲۱۷)

فقہاء کا اتفاق ہے کہ کسی انسان کے چہرے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ نے اس پر تادیب کی تھی۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار پائی کے درمیانی حصہ کے سامنے نماز پڑھتے ، میں آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی ہوتی، مجھے ضرورت پیش آتی تو مجھے اچھا نہ لگتا کہ اس طرح اٹھ کھڑی ہوں کہ میرا رُخ آپؐ کی طرف ہو جائے تو کھسک کر ایک طرف ہو جاتی (۲۱۸) چوں کہ اس میں کسی انسان کو سجدہ کرنے کی مشابہت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس طرح نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ آگ کے تنور، چراغ، مشعل، موم بتی اور قندیل وغیرہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ آگ کی پرستش کی جاتی ہے، پس اس کی طرف منہ

کر کے نماز پڑھنے میں آگ کی پرستش سے مشابہت ہے۔

اگر سامنے تصویر آویزاں ہو تو اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ تصاویر کی پرستش کی جاتی ہے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ہمارے پاس کچھ کپڑے تھے جن میں تصاویر تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، میں نے وہ کپڑے آپؐ کے سامنے کر دیے، آپؐ نے مجھے اس سے منع فرمایا، یا اسے ناپسند سمجھا(۲۱۹) کیوں کہ تصاویر آدمی کی نگاہ کو متوجہ کرتی ہیں اور نماز میں خلل ڈالتی ہیں۔ امام احمد کہتے ہیں:

یہ مکروہ ہے کہ قبلہ کی جانب کوئی چیز مصحف وغیرہ معلق ہو، اگر زمین پر کوئی چیز رکھی ہوئی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس امر میں کوئی حرج نہیں کہ نمازی کے سامنے مصحف یا تلوار معلق ہو، کیوں کہ ان کی پرستش نہیں کی جاتی، اگر جائے نماز پر تصاویر ہوں تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس میں تصاویر کی اہانت ہے۔

یہ امر مکروہ ہے کہ اس طرح نماز پڑھے کہ سامنے عورت نماز پڑھ رہی ہو کیوں کہ ارشاد نبوی ہے۔ عورتوں کو پیچھے کھڑا کرو کیوں کہ اللہ نے انہیں پیچھے کیا ہے۔(۲۲۰) نماز کے علاوہ عورت کے سامنے ہونے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے اور ابوحفص نے اپنی سند سے ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے، وہ کہتی ہیں کہ میرا بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے نماز کے سامنے تھا۔

۷- سُترہ نمازی سے کتنے فاصلہ پر ہو؟

جمہور کے نزدیک مستحب ہے کہ سُترہ نمازی کے پاؤں سے تین ہاتھ یا اس سے کم فاصلے پر ہو کیوں کہ حضرت بلالؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، آپؐ نے وہاں نماز پڑھی، آپؐ کے اور دیوار کعبہ کے درمیان تقریباً تین ہاتھ کا فاصلہ تھا۔(۲۲۱) اسماعیلی حضرت سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عہد نبوی میں منبر

ایسی جگہ تھا کہ اس کے اور دیوار قبلہ کے درمیان اتنا فاصلہ تھا جس میں سے ایک بکرا گزر سکتا تھا، اور بکرا گزرنے کی جگہ تین ہاتھ کے برابر ہوتی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نمازی کے اور سُترہ کے درمیان اتنی جگہ ہونی چاہیے جہاں سے بلی یا بکری گزر سکے۔ اس قول میں یہ کہا گیا ہے کہ تین ہاتھ جگہ ہونی چاہیے، کیوں کہ سہل بن سعد سے مروی متفق علیہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ اور دیوار کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کی جگہ تھی۔

۸- نمازی سُترہ کے سامنے کہاں کھڑا ہو؟

چاروں مذاہب کا اتفاق ہے کہ نمازی سُترہ کے سامنے دائیں یا بائیں ہٹ کر کھڑا ہو، اس کے بالکل سامنے نہ کھڑا ہو اور اسے اپنے چہرے کے سامنے نہ رکھے کیوں کہ مقداد بن اسودؓ سے سنن ابی داؤد میں روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی لکڑی، ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو آپؐ اس چیز کو اپنے دائیں یا بائیں پلکوں کی طرف رکھتے تھے، چہرے کے بالکل سامنے نہیں رکھتے تھے۔ (۲۲۲)

۹- نمازی کے سامنے سے گزرنا:

حنفیہ کے نزدیک (۲۲۳) نمازی کے سامنے سے گزرنا مکروہ تحریمی ہے اور نمازی کے سجدے کی جگہ سے گزرنے والا گناہ گار ہوتا ہے، بشرطیکہ نمازی نے سُترہ کھڑا کیا ہو، اور نمازی اور گزرنے والے کے درمیان کوئی آڑ مثلاً ستون یا دیوار نہ ہو اور گزرنے والے کے بعض اعضاء نمازی کے بعض اعضاء کے برابر آ جائیں مثلاً گزرنے والے کا سر نمازی کے پاؤں کے برابر ہو جائے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ کھلی جگہ پر نماز پڑھ رہا ہو۔ اگر دو آدمی گزر رہے ہوں تو جو نمازی کے قریب ہوگا اسے گناہ ہوگا۔

اگر کوئی شخص نمازی کے سجدے کی جگہ کے آگے سے گزرا، یا نمازی نے سُترہ نہیں کھڑا کیا تھا، یا کوئی آڑ مثلاً پردہ وغیرہ تھا یا گزرنے والے کے تمام اعضاء نمازی کے اعضاء کے برابر نہیں آئے بلکہ گزرنے والا ایک طرف سے کھسک گیا یا مسجد سے سُترہ کے آگے سے گزر گیا تو گزرنا حرام نہیں اور گزرنے والا گناہ گار نہیں ہو گا کیوں کہ نمازی کے آگے سے گزرنا گناہ ہے اور ساری مسجد ایک قطعۂ زمین کی طرح ہے۔ اگر کسی صف میں جگہ خالی ہے تو نمازی کے آگے سے گزر کر اس جگہ کو پر کرنا جائز ہے۔

اسی طرح نمازی کے لیے بھی مکروہ ہے کہ وہ ایسی جگہ نماز پڑھنا شروع کر دے کہ لوگوں کے گزرنے کا راستہ روک دے مثلاً سُترہ رکھے بغیر راستے میں نماز پڑھنے لگ جائے تو اگر اس کے سامنے سے لوگ گزرتے ہیں تو وہ گناہ گار ہو گا نہ کہ سترہ نہ رکھنے کی وجہ سے اور اگر کوئی نہیں گزرا تو گناہ گار نہیں ہو گا کیوں کہ بذات خود سُترہ کھڑا کرنا واجب نہیں ہے۔

گناہ گار کون ہو گا؟ نمازی یا گزرنے والا؟ اس کی چار صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ صرف گزرنے والا گناہ گار ہو گا، جب کہ گزرنے والے کے لیے نمازی کے سامنے سے گزرنے کے علاوہ راستہ تھا اور نمازی نے راستہ نہیں روکا ہوا تھا تو کوئی شخص اگر اس صورت میں نمازی کے سامنے سے گزرتا ہے تو صرف وہی گناہ گار ہو گا۔ دوسری یہ کہ صرف نمازی گناہ گار ہو گا، جب کہ نمازی نے راستہ روک کر نماز شروع کر دی اور گزرنے والے کے لیے اور کوئی راستہ نہیں تو نمازی گناہ گار ہو گا، گزرنے والا نہیں، تیسری یہ کہ نمازی نے راستہ روک کر نماز شروع کر دی اور گزرنے والے کے لیے اور راستہ تھا تو دونوں گناہ گار ہوں گے، چوتھی یہ کہ نمازی نے راستہ روک کر نماز نہیں شروع کی لیکن گزرنے والے کے لیے اور کوئی راستہ نہیں تھا تو کوئی بھی گناہ گار نہیں ہو گا۔

مالکیہ کے نزدیک (۲۲۴) جو جگہ نمازی کی نماز کے لیے مختص ہے اگر گزرنے والا اس

کے اندر سے گزرتا ہے تو گزرنے والا گناہ گار ہو گا خواہ نمازی نے سُترہ کھڑا کیا ہو یا نہ کیا ہو بشرطیکہ گزرنے والا نماز کی نیت سے نہ گزر رہا ہو، اگر کوئی شخص صف میں خالی جگہ پر کرنے کے لیے گزر جائے یا کسی کو نکسیر پھوٹ گئی ہو اور اسے دھونے کے لیے سامنے سے گزرے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، یا اگر کوئی بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے نمازی کے سامنے سے گزرے تو نہ نمازی کو اس کا گناہ ہے نہ گزرنے والے کو، ان صورتوں میں خواہ گزرنے کے لیے اور راستہ موجود ہو تب بھی گزرنے میں گناہ نہیں ہے۔ نمازی کے سامنے سے گزرنے کی حرمت ان صورتوں میں ہے جب گزرنے کے لیے اور راستہ موجود ہو اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو اور گزرنا ضروری ہو تو کوئی گناہ نہیں۔ اگر نمازی ایسی جگہ بغیر سُترہ کے نماز شروع کر دیتا ہے جہاں سے کسی کے گزرنے کا اندیشہ ہے اور کوئی شخص گزر جاتا ہے تو اس کا گناہ نمازی کو ہو گا۔

اگر کوئی شخص بغیر سُترہ کے راستہ روک کر نماز شروع کر دیتا ہے اور گزرنے والے کے لیے راستہ موجود ہے پھر بھی وہ گزر جاتا ہے تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔

کبھی صرف ایک ہی شخص کو گناہ ہوتا ہے۔ اگر نمازی راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور گزرنے والے کے لیے اور کوئی راہ نہیں تو نمازی گناہ گار ہو گا اور اگر نمازی نے راستہ نہیں روکا ہوا تھا اور گزرنے والے کے لیے اور راستہ تھا تو صرف گزرنے والا گناہ گار ہو گا، یعنی اگر کسی ایک کی کوتاہی ہے تو جس کی کوتاہی ہے وہی گناہ گار ہو گا۔

کبھی کسی کو بھی گناہ نہیں ہوتا مثلاً گزرنے والا مجبوراً گزر گیا اور نمازی نے راستہ نہیں روکا ہوا تھا تو کوئی بھی گناہ گار نہیں ہو گا۔

شافعیہ کے نزدیک(۲۲۵) اگر نمازی نے سُترہ گاڑا ہوا تھا تو صحیح یہ ہے کہ گزرنا حرام ہے خواہ گزرنے والے کے لیے گزرنے کا اور کوئی راستہ نہ ہو کیوں کہ ابوجہم انصاری کی حدیث میں ہے کہ اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو معلوم ہو کہ اس کا کتنا گناہ

ہے تو نمازی کے سامنے سے گزرنے کے بجائے چالیس سال کھڑا رہنا اس کے لیے بہتر ہے۔(۲۲۶)

ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے جہاں سے لوگوں کو گزرنا پڑتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۲۲۷) اگر نمازی نے سترہ نہ بھی کھڑا کیا ہو تب بھی اس کے سامنے سے گزرنے سے گزرنے والا گناہ گار ہو جاتا ہے، ان کی دلیل ابوجہم انصاری کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ اور ایسی جگہ نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے جہاں سے لوگ گزرتے ہوں جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے۔

طواف کے دوران نمازی کے سامنے سے گزرنا:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والے یا خانہ کعبہ میں داخل ہونے والے یا مقام ابراہیم کے پیچھے داخل ہونے والے کے لیے نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے بشرطیکہ اس نے سترہ کھڑا کیا ہو۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ پورے مکہ اور حدود حرم میں نمازی کے سامنے سے گزرنا حرام نہیں ہے۔

۱۰- کس جگہ سے گزرنا حرام ہے:

حنفیہ کی رائے یہ ہے (۲۲۸) کہ اگر کوئی شخص صحرا میں، (یعنی کھلی جگہ) یا بڑی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے تو صحیح قول یہ ہے کہ اس کے سامنے سے (یعنی پاؤں کی جگہ سے لے کر سجدے کی جگہ تک) کے اندر سے گزرنا حرام ہے اور اگر کمرے میں یا چھوٹی مسجد (جو چالیس ہاتھ سے چھوٹی ہو، مختار قول کے مطابق) میں نماز پڑھ رہا ہے تو پاؤں کی جگہ سے لے کر قبلہ کی طرف واقع دیوار تک کے اندر سے گزرنا حرام ہے، کیوں کہ یہ ایک قطعہ کی طرح ہے، بشرطیکہ نمازی نے سترہ نہ کھڑا کیا ہو، اور اگر سترہ کھڑا کیا ہو تو اس کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں۔

بڑی مسجد یا کھلی جگہ کو ایک قطعہ قرار نہیں دیا جا سکتا ورنہ گزرنے والوں پر تنگی ہوتی ہے، اس لیے صرف سجدے کی جگہ تک پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۲۲۹) اگر نمازی نے سُترہ کھڑا کیا ہے تو نمازی کے اور سُترہ کے درمیان سے گزرنا حرام ہے اور اس کے آگے گزرنا حرام نہیں اور اگر سُترہ نہیں کھڑا کیا تو نمازی کے قیام، رکوع اور سجدے کی جگہ کے اندر سے گزرنا حرام ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۲۳۰) نمازی اور اس کے سُترہ کے درمیان سے جو تین ہاتھ یا اس سے کم فاصلہ پر ہوتا ہے گزرنا حرام ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۲۳۱) اگر نمازی نے سُترہ کھڑا کیا ہے تو خواہ دور کھڑا کیا ہو اس کے اندر سے گزرنا حرام ہے اور اگر سُترہ کھڑا نہیں کیا تو نمازی کے پاؤں سے تین ہاتھ کے فاصلے تک کے اندر سے گزرنا حرام ہے۔

۱۱- نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو روکنا:

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ نمازی اپنے سامنے سے گزرنے والے کو روک سکتا ہے کیوں کہ یہ سنت صحیح احادیث کی رو سے ثابت ہے، مثلاً ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو کسی کو سامنے سے گزرنے نہ دے، اگر نہ مانے تو اس سے قتال کرے کیوں کہ اس کے ساتھ شیطان ہے۔(۲۳۲)

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جب تم میں سے کوئی لوگوں کے لیے سُترہ کھڑا کر کے نماز پڑھ رہا ہو تو اگر کوئی شخص اس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو اسے روکے، اگر نہ رکے تو اس سے لڑائی کرے کیوں کہ وہ شیطان ہے۔(۲۳۳)

لیکن فقہاء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا گزرنے والے کو روکنا افضل ہے یا نہیں؟ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ(۲۳۴) روکنے کی اجازت ہے، نہ روکنا بہتر ہے، عزیمت یہی ہے کہ اس سے تعرض نہ کرے، رہی گزرنے والے سے لڑائی کرنے کی بات تو یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب نماز میں عمل کی اجازت تھی۔ اب منسوخ ہو گیا ہے۔

اگر کوئی شخص رُخصت پر عمل کرتے ہوئے گزرنے والے کو روکنا چاہتا ہے تو اشارے سے، تسبیح کہہ کر یا بلند آواز سے تلاوت قرآن کے ذریعے روکے، اس سے زیادہ نہیں۔ ان میں سے کسی دو کو جمع کرنا مکروہ ہے۔ عورت اشارے سے روکے یا تالی بجا کر لیکن ہاتھوں کے اندر کی طرف سے نہیں بلکہ دائیں ہاتھ کے اندر کی طرف کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مار کر۔

اشارے سے روکنے کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے کہ آپؐ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دو بچوں کو اشارے سے روکا(۲۳۵) اور تسبیح پڑھ کر روکنے کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جسے نماز میں کوئی بات پیش آ جائے تو تسبیح کہے، کیوں کہ جب تسبیح کہے گا تو اس کی طرف توجہ ہوگی، اور عورتوں کو تالی بجانا چاہیے۔(۲۳۶)

مالکیہ کے نزدیک(۲۳۷) نمازی کے لیے مستحب ہے کہ سامنے سے گزرنے والے کو معمولی انداز سے روکے، اگر زیادہ عمل سے روکا تو نماز ٹوٹ جائے گی، اگر گزرنے والے کو روکا جس سے اس کا کوئی نقصان ہو گیا مثلاً کپڑا پھٹ گیا یا کوئی چیز گر گئی تو مستند روایت یہ ہے کہ نمازی کو اس کا تاوان دینا پڑے گا، خواہ اسی قدر روکا ہو جس کی شرعاً اجازت تھی۔

شافعیہ اور حنابلہ کے مطابق(۲۳۸) جو شخص نمازی اور اس کے سُترہ کے درمیان سے گزرنا چاہے، اس کو روکنا مسنون ہے، اوپر مذکور احادیث پر عمل کا تقاضا یہی ہے۔ اگر نمازی نے گزرنے والے کو قتل کر دیا یا نقصان پہنچایا تو نقصان کا ذمہ دار ہو گا البتہ مکہ

معظمہ اور حرم میں گزرنے والے کو نہ روکا جائے، اس کی دلیل احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کی حدیث ہے جسے مطلب بن وداعہ نے روایت کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی سہم کے دروازے کے پاس نماز پڑھتے دیکھا، سُترہ نہیں تھا اور لوگ سامنے سے گزر رہے تھے۔

۱۲- کیا نمازی کے سامنے سے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

چاروں مذاہب کے ائمہ کا اتفاق ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، اگر اسے روکے نہیں تو نماز میں کمی واقع ہوتی ہے (۲۳۹) کیوں کہ ارشاد نبوی ہے:

''نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی، جس قدر ممکن ہو انہیں دور ہٹایا کرو''۔ (۲۴۰)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آدمی کے سامنے سے گزرنے سے نماز آدھی رہ جاتی ہے۔ جب کوئی ان کے سامنے سے گزرنا چاہتا تو اسے پکڑ کر واپس کر دیتے۔(۲۴۱) قاضی ابو یعلیٰ حنبلی کہتے ہیں کہ نماز میں کمی آنے کا تعلق اس شخص سے ہے جو گزرنے والے کو روک سکتا تھا لیکن اس نے روکا نہیں، اور اگر روکا تھا لیکن وہ رکا نہیں تو نماز مکمل ہے، کیوں کہ نمازی نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس سے نماز میں کمی واقع ہو اور دوسرے کے کام کا گناہ نمازی کو کیوں ہو؟

امام احمد کی رائے یہ ہے کہ کالا کتا اگر سامنے سے گزر جائے تو اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔(۲۴۲) معاذ اور مجاہد کہتے ہیں کہ کالا کتا شیطان ہے، اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

ظاہریہ کی رائے یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے عورت، کتا اور گدھا گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے: عورت، گدھے اور کتے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، ہاں! اگر کجاوے کا پچھلا حصہ نمازی کے سامنے ہو تو نماز ٹوٹنے سے بچ جاتی ہے۔(۲۴۳) ابو ذرؓ کی حدیث میں ہے: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو

کجاوے کی آخری لکڑی کی طرح کوئی چیز سامنے کھڑی کر لے، اگر ایسی کوئی چیز سامنے نہ ہو تو گدھے، عورت اور کالے کتے کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ عبداللہ بن الصامتؓ نے کہا: اے ابوذرؓ! کالے، سرخ اور پیلے کتے میں کیا فرق ہے؟ انہوں نے کہا: بھتیجے! میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح پوچھا تھا جیسے تم نے پوچھا ہے، آپؐ نے فرمایا تھا: سیاہ کتا شیطان ہے۔(۲۴۴)

حنابلہ صرف کالے کتے کے سامنے سے گزرنے پر نماز ٹوٹنے کے قائل ہیں کیوں کہ دونوں احادیث کے متعارض احادیث موجود ہیں۔ ابو داؤد میں فضل بن عباسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور سامنے گدھا تھا، حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوتی تھیں اور آپؐ نماز پڑھ لیتے اور ابن عباسؓ کی متفق علیہ روایت ہے کہ وہ گدھے پر سوار نمازیوں کے سامنے سے گزرے، پھر اتر کر اسے چرنے کے لیے چھوڑ دیا، البتہ کتے کے گزرنے سے نماز ٹوٹنے کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کے متعارض کوئی حدیث نہیں ہے لہٰذا اس پر عمل کرنا واجب ہے کیوں کہ یہ ثابت ہے اور اس کے متعارض کوئی روایت نہیں۔

نووی نے ان احادیث کا جو ظاہر یہ اور حنابلہ کے نزدیک ثابت ہیں، وہی جواب دیا ہے جو امام شافعی، خطابی اور دیگر محققین فقہاء و محدثین نے دیا کہ اس سے مراد خشوع و خضوع ٹوٹ جانا ہے کیوں کہ ان چیزوں کی طرف متوجہ ہونے سے خشوع باقی نہیں رہتا، نہ یہ کہ نماز ٹوٹ جاتی ہے۔(۲۴۵)

عشا کی نماز سے پہلے شام کا کھانا کھالینا:

اگر نماز کے وقت شام کا کھانا آ جائے تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ اگر کھانے کی اشتہا بہت زیادہ ہے تو پہلے کھانا کھائے پھر نماز پڑھے تا کہ نماز کے لیے دل فارغ ہو اور ذہن حاضر۔ شام کے یا دوپہر کے کھانے سے پہلے جلدی جلدی نماز پڑھ

لینا مستحب نہیں۔ مسلم وغیرہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شام کا کھانا رکھ دیا گیا ہو اور نماز کا وقت ہو گیا ہو تو پہلے کھانا کھاؤ پھر مغرب کی نماز پڑھو اور شام کے کھانے سے پہلے نماز کی جلدی نہ کرو۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کھانا آ جائے یا پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ نماز با جماعت ہے یا بغیر جماعت کے۔ کیوں کہ مسلم میں ابن عمرؓ کی روایت ہے: جب تم میں سے کسی کا شام کا کھانا آ جائے اور نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ اور جلدی نہ کرو تا آنکہ کھانے سے فارغ ہو جاؤ۔ نماز کھڑی ہو جانے سے مراد جماعت کا کھڑا ہونا ہے۔

امام مالک کہتے ہیں پہلے جماعت سے نماز پڑھے، پھر کھانا کھائے، ہاں اگر کھانا ہلکا پھلکا ہو تو پہلے کھانا کھا لے(۲۴۶)۔

تیسری بحث: نماز کا طریقہ اور اس کی کیفیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ:

ابو حمید الساعدیؓ، دس صحابہ میں موجود تھے جن میں سے ایک ابوقتادہؓ تھے، ان سے کہنے لگے: میں تمہیں بتاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا، نہ آپؓ کو ہم سے پہلے کا شرف صحابیت حاصل ہے، نہ ہم سے زیادہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضری کے مواقع؟ کہنے لگے کیوں نہیں، پس صحابہ نے کہا، بتایئے(۲۴۷) انہوں نے بتایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو سیدھے کھڑے ہوتے اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھاتے، پھر تکبیر کہتے، جب رکوع کرنا چاہتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے، پھر اللہ اکبر کہتے اور رکوع کرتے۔

پھر پیٹھ اور سر برابر رکھتے، اونچا نہ نیچا۔(۲۴۸) دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر دونوں ہاتھ اٹھاتے اور سیدھے کھڑے ہو جاتے حتی کہ ہر جوڑ اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا۔(۲۴۹)

پھر سجدہ کرتے ہوئے زمین کی طرف جھکتے،(۲۵۰) پھر کہتے اللہ اکبر، پھر اتنا پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے۔(۲۵۱) سیدھے بیٹھتے حتی کہ ہر جوڑ اپنی جگہ آ جاتا، پھر اٹھ کھڑے ہوتے۔

پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے، حتی کہ جب دونوں سجدوں سے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے جیسا کہ نماز کے شروع میں اٹھائے تھے، پھر اسی طرح نماز پڑھتے، حتی کہ جب آخری رکعت ہوتی، جس میں نماز مکمل کرنا ہوتی تو بایاں پاؤں پیچھے کر لیتے اور ایک جانب پر بیٹھ جاتے۔(۲۵۲) پھر سلام پھیرتے۔

لوگوں نے سن کر کہا، آپ نے صحیح بتایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے(۲۵۳) آپ کا ارشاد ہے: جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو۔(۲۵۴)

نماز کی کیفیت کی وضاحت:

اس حدیث سے اور مختلف مذاہب کی روشنی میں ہم نے نماز کی جو شرائط، ارکان، سنن، آداب اور مستحبات بیان کیے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ نماز کا طریقہ درج ذیل ہے(۲۵۵):

نمازی نماز کی تمام شرائط، یعنی ستر ڈھانپنا، بدن کپڑے اور جگہ کی پاکی وغیرہ کا اہتمام کرتے ہوئے نماز کے لیے وضو کرے۔ پھر نماز کا وقت شروع ہونے پر اذان و اقامت کہے، پھر قبلہ رو ہو کر، دل سے نماز کی نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہے۔ جمہور کے

نزدیک (مالکیہ کے علاوہ) زبان سے نیت کرنا مسنون ہے۔ اللہ اکبـــــر مد کے بغیر کہنا واجب ہے اور مالکیہ کے نزدیک بلند آواز سے کہے۔ تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ بلند کرے، مرد اپنے ہاتھ آستینوں سے نکال لے، عورت نہیں نکالے۔ جمہور (حنابلہ کے علاوہ) کے نزدیک انگلیاں کھلی رکھے اور قبلہ رو ہوں حنفیہ کے نزدیک مرد اپنے انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر رکھے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک مرد اور عورت دونوں اور حنفیہ کے نزدیک صرف عورت کندھوں تک ہاتھ اٹھائے، جیسا کہ سنت سے ثابت ہے۔ جمہور کے نزدیک (مالکیہ کے علاوہ) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور شافعیہ کے نزدیک سینے کے نیچے اور مالکیہ کے نزدیک ہاتھ چھوڑ دے۔

نمازی سجدے کی جگہ پر نظر رکھے، پھر حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ثنا پڑھے۔ (۲۵۶) اور شافعیہ کے نزدیک وجہت پڑھے۔ (۲۵۷) مالکیہ کے نزدیک ان میں سے کوئی چیز نہ پڑھے۔ پھر بالاتفاق آہستہ اعوذ باللہ پڑھے اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک بسم اللہ بھی آہستہ پڑھے، شافعیہ کے نزدیک بلند آواز سے بسم اللہ پڑھے، مالکیہ کے نزدیک بسم اللہ نہ پڑھے۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھے اور مالکیہ وحنفیہ کے نزدیک ولاالضالین کے بعد آہستہ آمین کہے اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک بلند آواز سے۔ پھر سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت یا چند آیات پڑھے، فجر اور ظہر میں طوال مفصل، عصر اور عشا میں اوساط مفصل، حنابلہ کے نزدیک ظہر میں بھی اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھے، مالکیہ کے نزدیک عصر میں بھی قصار مفصل پڑھے، رات کو بلند آواز سے اور دن میں آہستہ قراءت کرے۔

رکوع کے لیے جھکنے کے ساتھ ہی تکبیر کہنا شروع کرے اور رکوع میں جھکنے کی انتہا پر تکبیر ختم کرے جمہور کے نزدیک (حنفیہ کے علاوہ) دونوں ہاتھ اٹھائے اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنے پکڑ لے، اطمینان سے، انگلیاں کھول کر، پشت بالکل سیدھی رکھتے ہوئے، پنڈلیاں کھڑی کرتے ہوئے کہنیاں پہلوؤں سے الگ رکھتے ہوئے تین بار سبحان ربی

العظیم کہے اور حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک وبحمدہٖ کا اضافہ کرے۔

پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے رکوع سے سر اٹھائے، جمہور کے نزدیک (شافعیہ کے علاوہ) مقتدی صرف ربنالک الحمد کہے اور شافعیہ کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں، دونوں کلمات کہیں لیکن تحمید آہستہ کہیں، جیسا کہ مالکیہ کے نزدیک اکیلا نمازی دونوں کلمات کہتا ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک امام دونوں کلمات کہے، مالکیہ کے نزدیک امام تحمید نہ کہے۔ حنفیہ کے علاوہ دوسروں کے نزدیک ہاتھ اٹھائے، بالاتفاق اطمینان سے سیدھا کھڑا ہو جائے۔ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہاتھ نہ اٹھائے۔

پھر سجدہ کے لیے جھکے اور مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک پہلے گھٹنے، پھر دونوں ہاتھ، پھر پیشانی اور ناک زمین پر رکھے، مالکیہ کے نزدیک پہلے ہاتھ رکھے، دونوں پاؤں کھڑے رکھے، ان کی انگلیاں قبلہ رو رکھے، حنفیہ کے نزدیک چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان، پیٹ رانوں سے اور بازو پہلوؤں سے الگ رکھے، عورت الگ نہ رکھے کیوں کہ اس میں پردہ زیادہ ہے، حنفیہ کے علاوہ دوسروں کے نزدیک دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر رکھے، انگلیاں لمبی کر کے ملا کر قبلہ رو رکھے، ہاتھوں پر زور رکھے، اطمینان سے سجدہ کرے اور تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور مالکیہ کے علاوہ دوسروں کے نزدیک و بحمدہٖ کا اضافہ کرے۔

پھر تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائے اور اطمینان سے دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھ جائے بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے، دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے اور حنفیہ کے علاوہ دوسروں کے نزدیک رب اغفرلی کہے، پھر سجدے کے لیے تکبیر کہے اور دوسرا سجدہ بھی پہلے سجدے کی طرح کرے۔

پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو اور حنفیہ کے نزدیک پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑا ہو (۲۵۸)۔ اور نہ بیٹھے نہ زمین پر ہاتھ ٹیکے بلکہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا

ہو جائے، ہاں اگر اس طرح کھڑا ہونا مشکل ہو تو زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھ سکتا ہے۔ شافعیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک دوسرے سجدے کے بعد استراحت (آرام) کے لیے نہ بیٹھے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زمین پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو جائے اور اٹھتے وقت شافعیہ کے نزدیک تھوڑی دیر آرام کے لیے بیٹھے اور دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے۔

جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو بالاتفاق ثنا نہ پڑھے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک آہستہ اعوذ باللہ پڑھے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اعوذ باللہ نہ پڑھے اور مالکیہ کے نزدیک بسم اللہ بھی نہ پڑھے، حنفیہ کے نزدیک امام بسم اللہ نہ پڑھے، جمہور کے نزدیک بسم اللہ پڑھے اور فاتحہ اور سورت پڑھے، دوسری رکعت کی سورت پہلی رکعت کی سورت سے مقدار میں کم ہونی چاہیے۔

پھر جس طرح پہلی رکعت میں رکوع اور سجدہ کیا تھا، اسی طرح رکوع اور سجدہ کرے اور فجر کی نماز میں مالکیہ کے نزدیک رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھنا افضل ہے اور رکوع کے بعد جائز ہے۔ شافعیہ کے نزدیک رکوع کے بعد افضل ہے اور حنابلہ کے نزدیک سارا سال وتر میں رکوع کے بعد قنوت پڑھے، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

جب دوسری رکعت کا دوسرا سجدہ کر چکے تو پہلے تشہد کے لیے بیٹھ جائے، جمہور کے نزدیک پاؤں بچھا کر بیٹھے اور مالکیہ کے نزدیک سرین پر بیٹھ جائے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ انگلیاں قبلہ رو رکھے، دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے، حنفیہ کے نزدیک دونوں ہاتھ کھلے رکھے، مالکیہ کے نزدیک بایاں ہاتھ کھلا رکھے اور دائیں ہاتھ کا انگوٹھا اور شہادت کی انگلی کے علاوہ باقی ہاتھ بند رکھے اور شافعیہ کے نزدیک انگشت شہادت کے علاوہ ہاتھ بند رکھے اور حنابلہ کے نزدیک انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا لے اور حنفیہ کے نزدیک لا الہ پر انگشت شہادت سے اشارہ کرے اور الا اللہ پر انگلی رکھ دے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک الا اللہ پر انگلی کو حرکت دیے بغیر اشارہ کرے اور مالکیہ کے نزدیک تشہد کے شروع

سے ہی انگلی سے اشارہ کرتا رہے اور اسے حرکت دیتا رہے۔

پھر عبدہ و رسولہ تک اوپر مذکور تشہد کے تین صیغوں میں سے کوئی ایک پڑھے۔(۲۵۹) شافعیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک تشہد کے ساتھ اور کچھ نہ ملائے، یعنی قعدہ اولیٰ میں اس سے زیادہ نہ پڑھے۔ جب کہ شافعیہ کے نزدیک تشہید کے ساتھ صرف نبی کریم ﷺ پر درود شریف کا اضافہ کرے، البتہ دوسرے تشہد میں درود ابراہیمی پڑھے۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک دوسرے تشہد میں سرین پر بیٹھ جائے اور حنفیہ کے نزدیک قرآن وسنت میں مذکور کوئی دعا پڑھے اور جمہور کے نزدیک جو دعا چاہے مانگ لے۔

پھر دو رکعت والی نماز میں السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہتے ہوئے دائیں بائیں سلام پھیر لے اور مالکیہ کے نزدیک وبرکاتہ بھی کہے لیکن سلام کے کلمات کو لمبا نہ کرے اور جلدی کہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''سلام کہنے میں اختصار سنت ہے''(۲۶۰) ابن مبارک کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلام کے الفاظ لمبے نہ کرے۔

اگر نماز تین رکعت والی ہے تو تیسری رکعت پڑھے، پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے اور اگر چار رکعتوں والی ہے تو مزید دو رکعتیں پڑھے، پھر تشہد کے بعد سلام پھیر لے۔ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعات میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھے، حنفیہ کے نزدیک نوافل اور وتر کی تمام رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت پڑھے اور شافعیہ کے نزدیک فرائض کی طرح نوافل میں بھی تیسری اور چوتھی رکعات میں سورت نہ پڑھے۔

چوتھی بحث: مکروہات نماز

اس بحث میں چار امور زیر بحث لائے گئے ہیں: (۱) نماز کے مکروہات (۲) وہ

جگہیں جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے(۳) جو کام کرنے مکروہ نہیں ہیں(۴) وہ مقامات جن میں نماز پڑھنا حرام ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک یا تو تنزیہی ہے جو خلاف اولیٰ ہے یا تحریمی ہے اور جب مطلقاً مکروہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے۔ مکروہ تحریمی ایسا فعل ہے جس کی شریعت نے ممانعت کی ہو لیکن ممانعت کی دلیل کا ثبوت ظنی ہو اور کوئی ایسا امر نہ ہو جو اسے حرام قرار دینے سے مانع ہو۔ اگر کوئی ایسا امر جو اسے حرام قرار دینے سے مانع ہو تو وہ مکروہ تنزیہی ہے۔

سنت مؤکدہ کا ترک مکروہ تحریمی ہے اور غیر مؤکدہ سنت کا ترک مثلاً چاشت کی نماز نہ پڑھنا یا مستحب امر کو ترک کر دینا مکروہ تنزیہی اور نامناسب ہے۔ فقہاء کے نزدیک اگر کوئی شخص ایسے طریقے سے نماز پڑھتا ہے جو مکروہ ہے تو اگر وقت باقی ہو تو اس کا اعادہ مستحب ہے۔

مطلب اوّل: نماز کے مکروہات:

نماز میں درج ذیل امور مکروہ ہیں: (۲۶۱)

۱- نماز کا کوئی واجب دانستہ چھوڑ دینا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے جیسے سورۂ فاتحہ یا اس کے بعد کی سورت نہ پڑھنا یا سری نماز میں بلند آواز سے یا جہری نماز میں آہستہ قراءت کرنا۔ واجب چھوڑنے سے نماز ہو جاتی ہے لیکن اسے دہرانا واجب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے، البتہ اس سے صحیح قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۲- دانستہ نماز کی کوئی سنت چھوڑ دینا، مثلاً ثنا یا وجہت یا رکوع یا سجدے کی تسبیح یا تکبیر، تسبیح یا تحمید یا رکوع میں سر اوپر اور نیچے رکھنا یا ہاتھوں یا پاؤں کی انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف سے پھیر لینا مکروہ ہے اور اس پر اتفاق ہے۔

۳- فرض نماز میں فاتحہ اور سورت پڑھنے سے پہلے مالکیہ کے نزدیک اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔ نوافل میں پڑھنا جائز ہے البتہ نوافل میں بھی بہتر یہی ہے کہ نہ پڑھے، ہاں اگر علماء کے اختلاف سے بچنا چاہے تو بسم اللہ پڑھ لینا بہتر ہے۔

۴- سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنے سے پہلے یا ان کی قراءت کے دوران مالکیہ کے نزدیک دعا کرنا مکروہ ہے۔

۵- دوسری رکعت میں پہلی رکعت کی بہ نسبت لمبی قراءت کرنا مکروہ ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس کا اندازہ یہ ہے کہ دوسری رکعت میں تین آیات پہلی سے زیادہ پڑھے۔

۶- ایک رکعت میں ایک ہی سورت کو بار بار پڑھنا یا فرض کی دو رکعت میں ایک ہی سورت پڑھنا مکروہ ہے۔ نوافل میں حنفیہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ حنابلہ کے نزدیک دو رکعات میں ایک ہی سورت پڑھنا مکروہ نہیں کیوں کہ زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی دونوں رکعات میں سورۂ اعراف پڑھی، (۲۶۲) البتہ ایک رکعت میں بار بار سورۂ فاتحہ کی تلاوت مکروہ ہے کیوں کہ حنابلہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ رکن ہے۔ حنفیہ (۲۶۳) کے بقول نماز کے لیے کوئی سورت اس طرح متعین کر لینا کہ اس کے علاوہ اور کوئی سورت نہ پڑھے مکروہ ہے۔

۷- قرآن کی ترتیب کے برعکس تلاوت کرنا مکروہ ہے اور اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ مثلاً پہلی رکعت میں سورۂ اخلاص اور دوسری میں سورۂ لہب یا کافرون پڑھے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ قرآن کی ترتیب کے مطابق دوسری رکعت میں بعد والی سورت تلاوت کیا کرتے تھے۔ ابن مسعودؓ سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص قرآن الٹ ترتیب سے پڑھتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسا آدمی الٹے دل والا ہے۔ ابو عبیدہؒ اس قول کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ایک سورت پڑھے اور دوسری رکعت میں ایسی سورت پڑھے جو ترتیب میں اس سے پہلے ہو۔

۸- مالکیہ کے نزدیک رکوع یا سجدے میں قراءت کرنا یا رکوع میں جا کر سورت کی تکمیل کرنا مکروہ ہے اور اگر فاتحہ کی تکمیل رکوع میں جا کر کی تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیوں کہ فاتحہ ان کے نزدیک فرض ہے، حنفیہ اسے مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے البتہ مالکیہ نے سجدے میں دعا کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر قرآنی آیت مثلاً ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا (آل عمران ۳:۸) اے اللہ! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو راہ راست سے نہ بھٹکانا) دعا کی نیت سے سجدے میں پڑھی تو مکروہ نہیں ہے۔ رکوع میں دعا کرنا یا پہلے یا دوسرے تشہد سے پہلے دعا کرنا یا تشہد مطلقاً اونچی آواز سے پڑھنا مکروہ ہے، نیز امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی کے لیے سجدے وغیرہ میں بلند آواز سے ایسی دعا کرنا جو نماز میں مطلوب ہے مکروہ ہے۔

کوئی ایک دعا اس طرح مختص کر لینا کہ اس کے علاوہ کوئی دعا نہ کرے مکروہ ہے۔ افضل یہ ہے کہ کبھی مغفرت کی دعا کرے، کبھی رزق کی وسعت کی دعا کرے کبھی اپنی ذات، اور بیوی بچوں کی بھلائی کے لیے دعا کرے اور کبھی ان کے علاوہ دنیا اور آخرت سے متعلق دعا کرے، اللہ تعالیٰ بہت فضل والا ہے۔ جامع ترین دعا یہ ہے: اللھم انی اسألک من کل خیر سألک منہ محمد نبیک و رسولک صلی اللہ علیہ وسلم واعوذبک من کل شر استعاذک منہ محمد نبیک و رسولک صلی اللہ علیہ وسلم (اے اللہ! میں تجھ سے ہر وہ بھلائی مانگتا ہوں جو تیرے نبی اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے مانگی اور ہر اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس سے تیرے نبی اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے پناہ مانگی)۔

۹- اپنے ہاتھ سے تھوڑا بہت کپڑے، بدن یا داڑھی سے کھیلنا (۲۶۴) یا منہ پر ہاتھ رکھنا یا بلا ضرورت ناک پر ہاتھ رکھ لینا۔ حنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی دلیل یحییٰ

بن ابی کثیر کی مرسل روایت ہے جسے قضاعی نے روایت کیا ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے تین باتوں کو مکروہ قرار دیا ہے: نماز میں کھیلنا، روزے میں جنسی باتیں کرنا اور قبرستان میں ہنسنا۔ اگر کسی ضرورت کے باعث ہو مثلاً چہرے سے پسینہ اور تکلیف دہ مٹی صاف کرنے کے لیے یا جمائی کی وجہ سے تو مکروہ نہیں ہے۔ انگلیاں چٹخانا، کنکریاں الٹ پلٹ کرنا اور سجدے کی جگہ ہموار کرنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ صحیح حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ معیقب سے ایک جماعت نے روایت کیا کہ جو شخص سجدے کی جگہ ہموار کرنے کے لیے کنکریاں الٹ پلٹ کرتا ہے، اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا کرنا پڑے تو صرف ایک بار کرے۔(۲۶۵) ابو داؤد نے حضرت ابوذرؓ سے مرفوعاً روایت کیا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریوں کو ہاتھ نہ لگائے کیوں کہ رحمت خداوندی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

نماز میں کھیلنے کی کراہت کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اس سے منع کیا گیا نیز یہ خشوع کے منافی ہے اللہ تعالیٰ نے نماز میں خشوع کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون (المومنون۲۳:۱-۲) وہ اہل ایمان کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیاں چٹخانے سے منع فرمایا کہ ''نماز میں اپنی انگلیاں نہ چٹخاؤ''(۲۶۶)۔ ابو داؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں چہرہ ڈھانپنے سے منع فرمایا۔ عورت کے لیے بھی مکروہ ہے کہ نقاب ڈال کر نماز پڑھے کیوں کہ عورت کے چہرے کا پردہ نہیں ہے۔ پس وہ مرد کے چہرے کی طرح ہی ہے۔

حنابلہ نے تصریح کی ہے(۲۶۷) کہ ضرورت ہو تو نماز میں تھوڑا عمل مکروہ نہیں ہے مثلاً فرض نماز میں آدمی اپنے بچے کو اٹھا لے، کیوں کہ ابوقتادہؓ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے چل کر

آئے اور دروازہ کھول دیا(۲۶۸) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حالت میں سانپ اور بچھو کو مارنے کا حکم دیا۔(۲۶۹) جب آپؐ نے بچھو دیکھا، اس کی طرف چل کر گئے، جوتا اٹھایا اور اسے مار دیا اور پھر جوتا اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ اور یہ کام بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔

امام احمد کہتے ہیں کہ اگر دو بچوں کو جھگڑتا ہوا دیکھے اور یہ ڈر ہو کہ ان میں سے ایک دوسرے کو کنوئیں میں گرا دے گا تو ان کے پاس جائے، انہیں چھڑائے اور واپس آ کر نماز جاری رکھے۔

کون سا عمل زیادہ ہے اور کون سا کم اس کا فیصلہ عرف کی بنا پر کیا جائے گا البتہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کے مشابہ ہے وہ کم ہے، زیادہ نہیں۔

اگر نماز میں کئی ایک چھوٹے چھوٹے کام کرتا ہے کہ اگر ان سب کو ملا لیا جائے تو زیادہ کام بن جاتا ہے جب کہ ہر کام علیحدہ علیحدہ چھوٹا ہے تو اسے چھوٹا کام ہی سمجھا جائے گا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں امامہ کو اٹھا لیتے اور پھر نیچے رکھ دیتے تھے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک نماز میں بچے کو اٹھانا مکروہ ہے اور مذکورہ بالا حدیث دوسری حدیث سے منسوخ ہے جس میں ہے کہ ''نماز کی اپنی مصروفیت ہے'' اگر اس قدر کام سے زائد کسی نے کوئی کام کیا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو نماز باطل ہو جائے گی، خواہ ضرورت کے تحت کیا ہو یا بلا ضرورت، البتہ اگر شدید ضرورت ہو تو پھر ایسا نمازی نماز خوف پڑھنے والے کے حکم میں ہے، اس کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز میں مچھر وغیرہ کو مارنا مکروہ ہے۔ حنفیہ حنابلہ سے ہم آہنگ ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ بلا عذر چھوٹے سے چھوٹا کام بھی مکروہ ہے مثلاً چچڑی کو کاٹنے سے پہلے جھٹک دینا، اسی طرح رکوع اور سجدے میں کپڑے سمیٹنا، بال اکھٹے کرنا اور سمیٹنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ نہ تو

میں کپڑے سمیٹوں اور نہ بال۔(۲۷۰) یہ حنفیہ کے نزدیک کراہت تحریمی ہے۔نیز نماز ختم کرنے سے پہلے پیشانی سے غبار صاف کرنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ سنن ابن ماجہ میں ہے: یہ امر بہت نامناسب ہے کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے آدمی اپنی پیشانی صاف کرنے لگے۔

۱۰- انگلیاں ایک دوسری میں ڈالنا اور کولے پر ہاتھ رکھنا بھی بالاتفاق مکروہ ہے کیوں کہ ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مسجد میں ہوتو کوئی شخص انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے، یہ شیطانی عمل ہے، کیوں کہ جب تک تم مسجد میں ہو گویا نماز میں ہو، حتیٰ کہ مسجد سے باہر نہ آ جاؤ۔(۲۷۱)

ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ جو شخص نماز میں انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیتا اس کے بارے میں فرماتے کہ یہ ان لوگوں کی نماز ہے جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کولہے پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا۔(۲۷۲) انگلیاں چٹخانا یا انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا اور کولہے پر ہاتھ رکھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے حتی کہ اگر نماز کا انتظار کر رہا ہو یا نماز کے لیے جا رہا ہو تب بھی۔ البتہ نماز کے علاوہ کولہے پر ہاتھ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے جب کہ انگلیاں چٹخانے یا انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے میں نماز کے علاوہ کوئی حرج نہیں۔

۱۱- آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر یہ خوف ہو کہ کسی ایسی چیز پر نگاہ پڑ جائے گی جو نماز سے توجہ ہٹا دے گی تو جائز ہے۔ابن عدی نے ضعیف سند سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ ”جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنی آنکھیں بند نہ کرے“ کیوں کہ نماز میں سجدے کی جگہ نظر رکھنا مسنون ہے اور آنکھیں بند کرنے سے یہ سنت چھوٹ جاتی ہے جو بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے۔

۱۲- بغیر اہم ضرورت کے نماز کی حالت میں کسی طرف متوجہ ہونا، اگر پاؤں قبلہ رو رہیں

اور باقی بدن قبلہ سے پھر جائے تو مکروہ ہے ورنہ نماز باطل ہو جائے گی، یہ مالکیہ کی رائے ہے۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر صرف گردن گھوم گئی یعنی چہرہ پورے کا پورا یا اس کا کچھ حصہ یا نگاہ قبلہ سے ہٹ گئی تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر سینہ قبلہ کی طرف سے ہٹ جائے تب بھی مستند روایت کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوتی۔اگر گردن گھمائے بغیر کن انکھیوں سے دائیں یا بائیں دیکھا تو مکروہ نہیں ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دائیں بائیں نگاہ ڈال لیتے تھے لیکن گردن گھما کر پیچھے نہیں دیکھتے تھے۔(۲۷۳)

شافعیہ کے نزدیک نماز میں بلا ضرورت چہرہ قبلہ کی طرف سے پھیرنا مکروہ ہے، اگر کوئی ضرورت ہو تو مکروہ نہیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے، آپؐ نے ایک گھڑ سوار کو نگرانی کے لیے گھاٹی کی طرف بھیجا تو آپؐ نماز پڑھتے ہوئے گھاٹی کی طرف متوجہ ہوتے رہے (۲۷۴)۔ اگر سینہ قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے، کیوں کہ وہ قبلہ کی طرف سے ہٹ جاتا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک بلا ضرورت معمولی التفات بھی نماز میں مکروہ ہے اور اگر نمازی پورا گھوم جائے یا قبلہ کی طرف پیٹھ کر لے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، کیوں کہ اس نے بلا عذر قبلہ رو ہونے کا عمل ترک کر دیا۔ البتہ اگر کعبہ کے اندر ہو یا خوف کی شدت میں قبلہ سے پھر جائے یا نماز کے دوران اس کا اجتہاد بدل جائے اور اس کے خیال میں قبلہ کسی دوسری جانب ہو اور اس طرف گھوم جائے تو نماز درست ہو جاتی ہے یا قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر لیا، کیوں کہ اسی صورت میں قبلہ رو ہونا اس پر لازم نہیں کیوں کہ اجتہاد بدل جانے کی صورت میں اس کے لیے وہی قبلہ ہے۔اگر قبلہ کی طرف سے سینہ اور چہرہ پھر گیا تو نماز باطل نہیں ہوگی جب تک کہ مکمل طور پر قبلہ کی طرف سے گھوم نہ جائے۔

بلا ضرورت کسی دوسری طرف توجہ کرنے کے بالاتفاق مکروہ ہونے کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے، وہ کہتی ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں کسی طرف متوجہ ہونے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''اس طرح شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے''(۲۷۵) نیز حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نمازی بندے کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ کسی اور طرف نہ پھر جائے ، جب وہ اپنا چہرہ پھیر لے تو اللہ کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔(۲۷۶)حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں کسی دوسری طرف متوجہ ہونے سے بچو، نماز میں ادھر ادھر توجہ کرنا باعث ہلاکت ہے۔اگر ضروری ہو تو صرف نوافل میں اجازت ہے، فرائض میں ہرگز نہیں ۔(۲۷۷)آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت پیش آئے تو نوافل میں ایسا کرنا جائز ہے۔فرض نمازوں میں اس کی ممانعت ہے۔ضرورت کے تحت کسی طرف متوجہ ہونے کی اجازت جن دلائل سے معلوم ہوتی ہے ان میں ایک علی بن شیبان کی حدیث ہے ،وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی، آپؐ نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ ایک شخص رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں رکھتا،آپؐ نے فرمایا: جو شخص پیٹھ سیدھی نہیں رکھتا، اس کی نماز نہیں ہوتی۔(۲۷۸)

۱۳- آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا:اس کی کراہت پر اتفاق ہے،کیوں کہ حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کا حال کیا ہو گا جو نمازوں میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں، پھر آپؐ نے اپنی بات میں شدت پیدا کرتے ہوئے فرمایا: اس سے باز آ جائیں مبادا ان کی آنکھیں ہی اچک لی جائیں۔(۲۷۹)

البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نصیحت پذیری اور آسمانی نشانیوں پر توجہ کے لیے ایسا کرے تو مکروہ نہیں ہے، حنابلہ کے نزدیک ڈکار لینے کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے، اس صورت میں مکروہ نہیں۔

۱۴- ایک پاؤں پر کھڑے ہونا یا ایک پاؤں اٹھا لینا اور دوسرے پر کھڑے ہونا، ہاں اگر کوئی مجبوری یا عذر ہو مثلاً ایک پاؤں میں درد ہے اور اسے زمین پر نہیں ٹیک سکتا تو اس صورت میں مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے کیوں کہ اس میں تکلیف ہے جو خشوع کے منافی ہے۔

مالکیہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ساری نماز میں دونوں پاؤں ملا کر رکھنا مکروہ ہے اور شافعیہ کہتے ہیں کہ پاؤں کو آگے پیچھے رکھنا یا ایک پاؤں کو دوسرے سے ملا کر رکھنا مکروہ ہے بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو، کیوں کہ اس میں تکلیف ہے جو خشوع کے منافی ہے۔ البتہ اگر نماز میں قیام لمبا ہے یا اور کوئی سبب ہے تو ایک پاؤں پر زیادہ وزن ڈال کر آرام کر لینا مکروہ نہیں۔

۱۵- پیشاب یا پاخانہ روک کر نماز پڑھنا، یا ہوا روک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو۔ یا کھانا موجود ہو یا آنے والا ہو اور سخت بھوک لگی ہو کہ اگر پہلے نماز شروع کر دے گا تو خشوع متاثر ہوگا تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: کھانا تیار ہو یا پیشاب پاخانے کی حاجت ہو تو نماز نہیں ہوتی یعنی کامل نہیں ہوتی۔(۲۸۰) پیاس بھی بھوک کی طرح ہے۔ پیشاب یا پاخانے کو روک کر نماز پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔

سخت نیند آئی ہو کہ صحیح طور پر قرآن نہ پڑھ سکتا ہو اور اس میں بھولنے کا اندیشہ ہو تو اس حالت میں بھی نماز مکروہ ہے کیوں کہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: جب نماز کے دوران تم میں سے کسی کو نیند آ جائے تو جا کر سو جائے تا آنکہ نیند پوری ہو جائے کیوں کہ اگر سخت نیند کی حالت میں نماز پڑھتا رہا تو ہو سکتا ہے

کہ اپنے خیال میں استغفار کر رہا ہو لیکن حقیقت میں اپنے آپ کو گالیاں دے رہا ہو۔

۱۶- مسجد سے باہر نماز پڑھتے ہوئے اپنے سامنے یا دائیں جانب تھوکنا یا ناک صاف کرنا مکروہ ہے، بخاری، مسلم اور مسند احمد میں ہے: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، اس حالت میں نہ سامنے تھوکے نہ دائیں جانب۔ بخاری میں ہے کہ دائیں جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے البتہ بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔

اگر نماز میں نہ ہو لیکن قبلہ رُخ ہو تو بھی دائیں جانب یا سامنے تھوکنا مکروہ ہے۔ یہ کعبہ کے احترام کا تقاضا ہے۔

۱۷- مالکیہ کے نزدیک دنیوی باتیں سوچنا مکروہ ہیں، نیز آستین سے کوئی چیز اٹھانا یا منہ سے کوئی چیز اٹھانا بھی مکروہ ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے حروف مخارج سے ادا کرنے میں رکاوٹ نہ ہو اور اگر رکاوٹ ہو تو نماز ٹوٹ جاتی ہے یا چھینک مارنے پر الحمد للہ کہے یا کوئی خوش خبری سن کر نماز کی حالت میں ہی الحمد للہ کہے یا بلا ضرورت خارش کرے اگر معمولی خارش ہو تو مکروہ ہے اور اگر زیادہ خارش کی تو نماز ٹوٹ جائے گی اور ارادے سے معمولی تبسم کرنا مکروہ ہے اور زیادہ تبسم سے نماز ٹوٹ جاتی ہے خواہ اضطراری ہو۔

حنابلہ کے نزدیک کوئی ایسی چیز اٹھانا جو نماز کی تکمیل میں رکاوٹ ہو مکروہ ہے کیوں کہ اس سے خشوع باقی نہیں رہتا۔ نیز زبان نکالنا، منہ کھولنا، منہ میں کوئی چیز رکھنا مکروہ ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے نماز کی ہیئت سے نکل جاتا ہے اور ہاتھ یا آستین میں کوئی چیز اٹھانا مکروہ نہیں ہے، ہاں اگر وہ نماز کی تکمیل میں رکاوٹ بنے تو مکروہ ہے۔

۱۸- جمائی لینا کیوں کہ اس کا تعلق سستی اور پیٹ بھرے ہوئے ہونے سے ہے اور جمائی شیطان کی طرف سے ہے۔ انبیاء جمائی سے محفوظ رہے ہیں۔ اگر جمائی کا زور ہو تو حتی المقدور اسے روکے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جمائی شیطان کی طرف سے ہے، جب تم میں

سے کسی کو جمائی آئے تو حتی المقدور اسے روکے۔(۲۸۱) مسلم کی روایت میں ہے کہ ''اپنا ہاتھ منہ پر رکھ دے کیوں کہ اس میں شیطان داخل ہو جاتا ہے''۔نماز میں انگڑائی لینا بھی مکروہ ہے کیوں کہ یہ خشوع کے منافی ہے اور اس سے سستی کا اندازہ ہوتا ہے۔ دار قطنی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اور عورتوں کی موجودگی میں انگڑائی لینے سے منع فرمایا۔ ہاں اپنی بیوی اور باندیوں کے سامنے انگڑائی لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہے البتہ اگر دانستہ انگڑائی لی تو مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ یہ کھیل کی طرح ہے اور نماز میں کھیل مکروہ تحریمی ہے، نماز سے باہر مکروہ تنزیہی ہے۔

۱۹- شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ کسی دیوار وغیرہ کے ساتھ اس طرح ٹیک لگا کر کھڑے ہونا مکروہ ہے کہ اگر وہ گر پڑے تو نمازی گر جائے، البتہ اگر ضرورت ہو تو مکروہ نہیں ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب عمر مبارک زیادہ ہوگئی اور بدن بھاری ہو گیا تو آپؐ نے اپنی نماز کی جگہ پر ایک ستون بنوا لیا تھا جس سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔(۲۸۲) اگر اس ٹیک کو ہٹا دیا جائے تو نمازی گر جائے یا اس کے پاؤں زمین سے اکھڑ جائیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے کیوں کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں تھا۔

بیٹھے ہوئے ہاتھوں پر ٹیک لگانا مکروہ ہے کیوں کہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ہاتھ ٹیک کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔(۲۸۳)

۲۰- حنفیہ کے نزدیک ہاتھ یا سر کے اشارے سے سلام کا جواب دینا مکروہ تنزیہی ہے کیوں کہ یہ بھی سلام ہے، اگر سلام کے ارادے سے مصافحہ کر لیا تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اور آنکھ یا ہاتھ سے ہر قسم کا اشارہ مکروہ ہے۔

شافعیہ کے نزدیک سلام کرنے والے کو اشارے سے سلام کا جواب دینا مستحب ہے

اور اگر نماز میں چھینک آئے تو اپنی آواز سے الحمد للہ کہے جسے خود سن سکے، اگر امام کے ایاک نستعین کے جواب میں مقتدی استعنا باللہ (ہم اللہ سے مدد مانگتے ہیں) کہے تو اگر تلاوت یا دعا کی نیت نہیں ہے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

مالکیہ کے نزدیک جسے سلام کیا گیا ہو اس کے لیے اشارے سے جواب دینا مکروہ نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ البتہ ان کے نزدیک سر یا ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے چھینک مارنے والے کو یرحمک اللہ کہنا مکروہ ہے البتہ چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا درست ہے۔

مالکیہ کے نزدیک کسی بھی ضرورت کے لیے معمولی اشارہ کرنا جائز ہے جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک نمازی سے اگر کوئی بات پوچھی جائے تو وہ سر ہلا کر ہاں یا نہ کر دے تو یہ جائز ہے۔

البتہ کسی بات کا جواب دینے سے بالاتفاق نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

۲۱۔ فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورت یا کوئی آیت پڑھنا، شافعیہ کے نزدیک جس شخص کی پہلی دو رکعت امام کے ساتھ پڑھنے سے چھوٹ گئی ہوں وہ بعد کی دو رکعتوں میں امام کے پیچھے قراءت کرے، کیوں کہ یہ اس کی پہلی دو رکعتیں ہیں جو اسے امام کے ساتھ میسر آئی ہیں۔ اگر ان میں قراءت نہ کر سکے تو بعد میں پڑھی جانے والی رکعات میں قراءت کرے تاکہ اس کی نماز قراءت سے خالی نہ ہو، اور اگر صرف پہلی رکعت چھوٹ گئی ہے تو دوسری اور تیسری رکعات میں قراءت کرے۔

۲۲۔ آہستہ قراءت والی نماز میں بلند آواز سے اور جہری نماز میں آہستہ قراءت کرنا مکروہ ہے۔ شافعیہ کے نزدیک امام کے پیچھے بلند آواز سے قراءت مکروہ ہے اور اگر بلند آواز سے پڑھنے سے کسی دوسرے کو الجھن ہوتی ہو تو حرام ہے۔ مالکیہ کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ اس صورت میں سجدہ سہو کرے۔(۲۸۲)

۲۳- شافعیہ کے نزدیک جلسہ استراحت (دوسرے سجدے کے بعد آرام کے لیے بیٹھنا) میں اس مقدار سے زیادہ بیٹھنا مکروہ ہے جتنی مقدار دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا ہے۔ پہلے تشہد کو لمبا کرنا، خواہ آل رسول پر درود یا دعا کے لیے ہی تشہد لمبا ہو جائے کیوں کہ پہلے تشہد میں تخفیف مطلوب ہے۔ دوسرے تشہد میں دعا چھوڑ دینا بھی مکروہ ہے تا کہ ان اہل علم کے اختلاف سے بچا جا سکے جو دعا کو واجب قرار دیتے ہیں۔امام کے ساتھ ساتھ تمام افعال و اقوال ادا کرنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ امام کے ساتھ ادا کرنے کی صورت میں نماز کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔

اس آخری کراہت کے باعث جماعت کا ثواب نہیں ملتا، جیسا کہ صف سے الگ ہو کر کھڑے ہونے والے یا جو شخص صف میں ایسی جگہ خالی چھوڑ دے جسے پُر کرنا آسان ہو اسے بھی نماز با جماعت کا ثواب نہیں ملتا۔ یہ عمل حنفیہ کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔اگر صف سے الگ ہو کر نماز پڑھی یا بلا ضرورت امام سے اونچی جگہ یا پست جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی خواہ مسجد میں ہی ہو یا مخالف مثلاً فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی یا فرض پڑھنے والے نے نفل پڑھنے والے کی اقتدا کی یا ظہر پڑھنے والے نے عصر پڑھنے والے کی یا اس کے برعکس اقتدا کی تو حنابلہ کے نزدیک نماز نہیں ہوئی۔(۲۸۵) حنفیہ کے نزدیک یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے کہ امام کسی امتیازی جگہ پر مقتدیوں سے بلندی پر کھڑا ہو یا کسی پست جگہ کھڑا ہو، کیوں کہ حاکم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ امام بلند جگہ پر کھڑا ہو اور مقتدی نیچے ہوں اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہے کیوں کہ وہ اپنے امام کے لیے بلند جگہ بناتے تھے۔

۲۴- بالوں کا جوڑا باندھنا(۲۸۶) اور آستینیں اوپر چڑھانا بھی مکروہ ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اگر آستینیں نماز کے لیے اوپر چڑھائی جائیں تو مکروہ ہیں۔

جوڑا بنانے کے مکروہ ہونے کی دلیل ابو رافعؓ کی روایت ہے جو احمد اور ابن ماجہ نے

بیان کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مرد جوڑا باندھ کر نماز پڑھے۔ یہ کراہت بالاتفاق تنزیہی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک کہنیوں تک آستینیں چڑھا لینا مکروہ تحریمی ہے کہنیوں سے نیچے نہیں۔ بحر الرائق میں اس کی تصریح ہے۔

۲۵- کتے کی طرح بیٹھنا: سرین زمین پر ٹیک کر دونوں گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھنا مکروہ ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اس طرح بیٹھنا حرام ہے لیکن اظہر روایت میں نماز باطل نہیں ہوتی۔ مالکیہ کے نزدیک چار صورتیں مکروہ ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ انگلیوں کے اندر کی جانب زمین کی طرف ہو، دونوں پاؤں کھڑے ہوں، سرین پاؤں کے پیچھے ہو یا دونوں پاؤں پر اس طرح بیٹھے کہ ان کی پشت زمین کی طرف ہو۔

کتے کی طرح بیٹھنے کی کراہت کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے، وہ کہتے ہیں، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے منع فرمایا: مرغ کی طرح ٹھونگیں مارنے سے، کتے کی طرح بیٹھنے سے اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر دیکھنے سے (۲۸۷) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں سجدوں کے درمیان کتے کی طرح نہ بیٹھو۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب سجدے سے سر اٹھاؤ تو کتے کی طرح نہ بیٹھو''۔ (۲۸۸)

نماز میں بلا عذر چوکڑی مار کر بیٹھنا مکروہ ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے جلسہ کا مسنون طریقہ چھوٹ جاتا ہے۔ نماز کے علاوہ اس طرح بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بالعموم اسی طرح بیٹھتے تھے۔

۲۶- دونوں بازو درندوں کی طرح زمین پر بچھانا مکروہ ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیح مسلم میں روایت ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطانی طریقے سے بیٹھنے سے منع فرمایا (۲۸۹) اور اس سے کہ آدمی درندے کی طرح اپنے بازو زمین پر بچھا لے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے۔

۲۷- مالکیہ کے مطابق جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں نماز میں تالی بجانا مکروہ ہے خواہ عورت نماز سے متعلق کسی امر، مثلاً امام کے بھول جانے یا چار رکعات والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیرنے پر ہی تالی بجائے یا نماز کے باہر کسی امر سے متعلق ہو، مثلاً نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو روکنے کے لیے یا کسی اور معاملہ پر توجہ کرنے کے لیے نماز میں اگر کسی شخص کو ایسی ضرورت پیش آ جائے تو درست طریقہ یہ ہے کہ سبحان اللہ کہے۔

مذہب مالکی میں زمین یا زمین سے اگنے والی اشیاء کے علاوہ اور کسی چیز پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں۔

۲۸- معمولی کپڑوں میں (جو گھر میں پہنے جاتے ہیں)یا کام کاج کے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے بشرطیکہ اور لباس ہو، اگر اور لباس نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: خذوا زینتکم عند کل مسجد (الاعراف ۷:۳۱)(ہر نماز کے وقت زیب و زینت اختیار کرو)معمولی لباس پہننا بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے۔

۲۹- قمیص میسر ہونے کے باوجود صرف شلوار یا تہ بند میں نماز پڑھنا یا سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، مگر عاجزی کے اظہار کے لیے اس طرح نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیوں کہ نماز کا دارومدار خشوع پر ہے اور کراہت بالاتفاق تنزیہی ہے۔ شریعت میں مستحب یہ ہے کہ مرد دو کپڑوں یعنی قمیص اور تہ بند یا قمیص اور شلوار میں نماز پڑھے کیوں کہ ابو داؤد میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے دونوں کپڑے پہن لے کیوں کہ اللہ اس امر کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کے لیے زینت اختیار کی جائے۔ جس کے پاس دو کپڑے نہ ہوں تو نماز پڑھتے ہوئے تہ بند باندھ لے اور یہود کی طرح چادر لپیٹ نہ لے نیز سر ڈھانپنا مستحب ہے۔

۳۰- ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جن میں کسی جاندار یا انسان کی تصویریں ہوں(۲۹۰)

کیوں کہ ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصاویر ہوں'' (۲۹۱) نیز اس طرح نماز پڑھنے والا اس شخص کے مشابہ ہے جس نے بت اٹھا رکھا ہو۔ نیز بخاری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جسے حضرت انسؓ نے روایت کیا کہ حضرت عائشہ نے اپنے کمرے کی ایک جانب باریک پردہ لٹکا دیا تھا، آپؐ نے فرمایا، اسے اتار دو، اس میں موجود تصاویر نماز میں میرے سامنے آتی ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ حرام کیوں نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی حدیث جو ابوطلحہ کی ہے اس کے آخر میں زید بن خالد نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ ''اگر کپڑے منقش ہوں تو مستثنیٰ ہیں''۔ (۲۹۲)

اگر سامنے تصویر لٹکی ہوئی ہو یا سر کے اوپر یا سامنے یا دائیں یا بائیں برابر میں کوئی بت ہو، خواہ تکیہ کھڑا کر کے اس پر رکھا گیا ہو تو نماز مکروہ ہے، اگر تکیہ زمین پر پڑا ہو تو مکروہ نہیں، کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کفار سے مشابہت لازم آتی ہے جو تصاویر وغیرہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بت پرستی کی مشابہت ہے۔

تصویر پر سجدہ کرنا حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک مکروہ ہے، تصویر خواہ چھوٹی ہو۔ حنفیہ کہتے ہیں۔ (۲۹۳) کہ اگر تصویر پاؤں کے نیچے ہو تو مکروہ نہیں کیوں کہ اس میں تصویر کی اہانت ہے یا بیٹھنے کی جگہ پر ہو یا بازو پر ہو اور کپڑے سے چھپی ہوئی ہو یا انگوٹھی پر منقش ہو اور واضح نہ ہو۔ اگر تصویر لفافے میں یا کسی دوسری تصویر یا کپڑے میں لپٹی ہوئی ہو تو مکروہ نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے۔ حنفیہ نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اگر زمین پر پڑی ہوئی ہو اور اتنی چھوٹی ہو کہ نمازی کو کھڑے ہو کر اس کے اعضاء الگ الگ نظر نہ آتے ہوں یا تصویر کا سر یا چہرہ کٹا ہوا ہو یا کوئی ایسا عضو جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں کٹا یا مٹا ہوا ہو تو نماز مکروہ نہیں ہے۔ ایسی چیزیں جو جاندار نہیں مثلاً نباتات وغیرہ ان کی تصویر سے بھی نماز مکروہ نہیں ہوتی کیوں کہ ان کی عبادت نہیں کی

جاتی۔ مسلم میں حضرت جبریلؑ کے قول ''ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا یا تصویر ہو'' کا تعلق اس سے ہے کہ تصویر کو احترام سے رکھا گیا ہو۔

حنفیہ کے بقول اگر سامنے قرآن حکیم یا تلوار لٹک رہے ہوں تو نماز مکروہ نہیں ہوتی کیوں کہ ان کی عبادت نہیں کی جاتی۔ اگر جس کپڑے پر نماز پڑھی جا رہی ہو، اس پر تصاویر ہوں یا نیچے پڑے ہوئے تکیہ یا قالین پر تصاویر ہوں تو نماز مکروہ نہیں ہے کیوں کہ ان صورتوں میں تصویر کا احترام نہیں ہے۔

کپڑے پر صلیب کا نشان بنا ہو تو مکروہ ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں رہنے دیتے تھے جس پر صلیب کا نشان ہو بلکہ اسے توڑ دیتے تھے''۔(۲۹۴)

۳۱- حنفیہ کے نزدیک مکمل محراب میں کھڑے ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر پاؤں باہر ہوں اور سجدہ محراب میں کرے تو کوئی حرج نہیں تاکہ امام مقتدیوں سے الگ ممتاز جگہ پر کھڑا نہ ہو، کیوں کہ محراب کی حیثیت دوسرے کمرے کی ہے اور محراب اہل کتاب کی ساخت ہے، ہاں اگر جگہ تنگ ہو تو مکروہ نہیں۔

نیز حنفیہ کے نزدیک ہاتھ سے آیات، سورتوں اور تسبیحات کو شمار کرنا مطلقاً مکروہ تنزیہی ہے، نماز خواہ فرض ہو یا نفل، کیوں کہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔ نماز کے باہر شمار کرنے میں کراہت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے جو باتیں کر رہے ہوں، قسم قسم کی آوازیں نکال رہے ہوں یا کوئی ایسا کام کر رہے ہوں یا اس طرح سو رہے ہوں کہ اس امر کا امکان ہو کہ ان کے کسی فعل سے نمازی کو ہنسی آجائے۔

اگر سجدے میں پیشانی کا کچھ حصہ زمین پر لگتا ہو تو پگڑی کے بل پر سجدہ کرنا مکروہ ہے اور اگر پیشانی سرے سے زمین پر نہ لگے تو نماز درست نہیں ہوتی۔ پگڑی اس طرح باندھنا کہ سر درمیان سے کھلا رہے مکروہ ہے۔

اگر ریا کاری کا اندیشہ نہ ہو تو تسبیح پر پڑھنا درست ہے۔

۳۲- جلتی ہوئی آگ کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ اس میں مجوسیوں اور آتش پرستوں سے مشابہت ہے۔ اوپر سُترہ کی بحث میں ہم بتا چکے ہیں کہ اس پر اتفاق ہے اور یہ بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے البتہ شافعیہ نے اسے مکروہات میں ذکر نہیں کیا۔

۳۳- کندھوں پر کپڑا ڈال کر پہنے بغیر لٹکا دینا، جیسے احرام یا چادر وغیرہ دونوں کندھوں پر اس طرح ڈال دینا کہ ایک طرف کا کنارہ دوسری طرف کے کندھے پر نہ ڈالا گیا ہو۔ مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک بلا عذر یہ مکروہ ہے اور اگر عذر ہو تو مکروہ نہیں، (۲۹۵) کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھوں پر کپڑا لٹکانے اور منہ ڈھانپنے سے منع فرمایا۔ (۲۹۶)

حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک کندھوں پر چادر ڈال لینا مستحب ہے بلکہ امام مسجد کے لیے اس کی زیادہ تاکید ہے کہ وہ اس طرح کا کپڑا ڈال لے جیسا کہ آج کل مغربی گاؤن ڈالا جاتا ہے۔

۳۴- سارے بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹ لینا کہ کسی طرف سے اس کا کنارا اوپر نہ اٹھایا گیا ہو، اور اس سے ہاتھ نکالنے کی جگہ نہ ہو، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک ہی کپڑا لپیٹا ہوا ہو اور کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو اور اگر ایک طرف سے اٹھا کر اسے کندھے پر رکھ دیا جائے تو ستر کھل جائے۔ اس تفصیل کی بنا پر ممانعت کا تعلق حرمت سے ہے اور ستر کھلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ (۲۹۷)

اگر ستر نہ کھلتا ہو، مثلاً احرام وغیرہ اس طرح لپیٹ لیا کہ ہاتھ نکالنے کے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑی تو بالاتفاق مکروہ ہے اور حنفیہ کے نزدیک کراہت تحریمی ہے کیوں کہ بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کے لباس پہننے سے منع فرمایا، ایک تو اوپر سے نیچے تک ایک ہی کپڑا لپیٹ

لینے سے اور دوسرے ایک کپڑا پہن کر اس طرح گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھنے سے جس سے شرم گاہ برہنہ ہوتی ہو۔(۲۹۸)

شیرازی نے المھذب میں لکھا ہے: ایک ہی کپڑا اس طرح لپیٹ لینا کہ پھر سینے کی طرف سے ہاتھ نکالنے پڑیں مکروہ ہے۔(۲۹۹)

۳۵- حنابلہ کے نزدیک(۳۰۰) سرخ کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے بلکہ مردوں کے لیے سرخ کپڑا پہننا بھی مکروہ ہے۔ امام احمد نے بعض صحابہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ کپڑا پہننے سے منع فرمایا۔ عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا، اس نے سرخ رنگ کی دو چادریں لپیٹی ہوئی تھیں، اس نے سلام کیا تو آپؐ نے سلام کا جواب نہیں دیا۔(۳۰۱) حنفیہ کے نزدیک(۳۰۲) سرخ اور زعفرانی رنگ کے کپڑے پہننا مردوں کے لیے مکروہ ہیں۔ عورتیں تمام رنگ پہن سکتی ہیں۔

امام مالک کے نزدیک زینت اور شہرت کے لیے سرخ رنگ کے کپڑے پہننا مکروہ ہیں۔ کام کاج کے لیے اور گھر میں پہننے جائز ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک سرخ رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا جائز ہیں۔(۳۰۳)

۳۶- مالکیہ کے نزدیک (۳۰۴) ایسا لباس پہننا جو باریک ہونے یا تنگ ہونے یا مختصر ہونے کی وجہ سے شرم گاہ کی حدود واضح کر دے مکروہ ہے، جیسا کہ اس طرح کا پاجامہ پہننا خواہ نماز کے علاوہ ہو، کیوں کہ یہ اسلاف کا لباس نہیں ہے۔

۳۷- اس طرح چادر اوڑھنا کہ اس کا ایک کنارہ دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈال دیا جائے اور دوسرا کندھا کھلا چھوڑ دیا جائے مکروہ ہے۔ کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں ایک ہی کپڑا لپیٹنے کی ممانعت میں یہ صورت بھی داخل ہے۔

۳۸- نماز میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کی جو متعین اذکار یعنی

تکبیر، تسمیع اور تحمید وغیرہ ہیں ان کو اپنے مقام سے بدل دینا مثلاً رکوع مکمل کرنے کے بعد رکوع کی تکبیر کہنا یا قیام مکمل کر کے سمع اللہ لمن حمدہ کہنا، کیوں کہ سنت یہ ہے کہ جب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کا آغاز کرے تو ساتھ ہی متعین ذکر کی ابتدا کرے۔

حنابلہ کے نزدیک اگر ایسا دانستہ کرے تو نماز نہیں ہوتی۔ مالکیہ کے نزدیک یہ مستحب کے خلاف ہے۔

۳۹- نمازی اپنے سامنے سُترہ کھڑا نہ کرے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

آخری امر یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بیت الخلا میں شرم گاہ قبلہ کی طرف کرنا مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ سنت میں اس کی ممانعت ہے اور قبلہ کی طرف پشت کرنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ احترام کے خلاف ہے، کیوں کہ ممانعت کی حدیث میں ہے: ''جب تم پاخانہ کرنے لگو تو قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پیٹھ بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کرو''۔(۳۰۵)

ان مکروہات کا تعلق نماز کے باہر سے ہے اور قضائے حاجت کے آداب میں ہم ان پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

مطلب دوم: وہ جگہیں جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے:

مذکورہ ذیل جگہوں پر نماز پڑھنا حنابلہ کے نزدیک حرام ہے، شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے،(۳۰۶) حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ سنت سے ان جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہے۔ بالعموم حنفیہ ان جگہوں کا ذکر شرائط نماز میں جگہ کے پاک ہونے کے ضمن میں کرتے ہیں۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ کوڑا خانہ، جانور ذبح کرنے کی جگہ قبرستان میں، راستوں میں، حمام میں، اونٹوں کے باڑے میں اور بیت اللہ کی چھت پر۔

(۳۰۷) اگر یہ روایت صحیح ہے تو ان جگہوں پر نماز پڑھنا حرام ہے اور یہی حنابلہ کی رائے ہے۔ ممانعت کی حکمت اور اس حکم کی تفصیل ذیل کے بیان سے واضح ہو گی۔

۱- راستے میں یعنی راستے کے اوپر یا درمیان میں نماز پڑھنا، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ (۳۰۸) کیوں کہ راستے سے لوگ گزرتے ہیں، اس لیے ہو سکتا ہے کسی نے گزرنا ہو، نیز راستے گوبر اور پیشاب وغیرہ سے پاک نہیں ہوتے، اس لیے نجاست کا بھی امکان ہوتا ہے پس لوگوں کے گزرنے سے خشوع وخضوع ختم ہو جاتا ہے۔ اگر راستے پر نماز پڑھ لی تو ہو جائے گی کیوں کہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ خشوع نہیں رہتا یا لوگوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر نماز باطل نہیں ہوتی، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور باعث طہارت بنائی گئی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے: جہاں تمہیں نماز کا وقت آ جائے تو نماز پڑھ لو کیوں کہ ہر جگہ سجدہ گاہ ہے۔ (۳۰۹) شافعیہ کے نزدیک بازاروں میں اور مسجد سے باہر کے میدان میں نماز مکروہ ہے۔

مالکیہ کے نزدیک راستوں پر اور کوڑا ڈالنے کی جگہ، قبرستان میں، حمام میں اور جانور ذبح کرنے کی جگہوں پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، بشرطیکہ وہ جگہیں ناپاک نہ ہوں۔ اگر وہ جگہیں یقینی طور پر یا غالب گمان کے مطابق ناپاک ہوں تو نماز نہیں ہو گی، اگر شک ہو تو وقت کے اندر نماز کا اعادہ کر لے۔ اگر مسجد تنگ ہے اور راستے میں نماز پڑھ لی اور راستے کے پاک ہونے میں شک ہے تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

البتہ اگر ایسے راستے میں نماز پڑھی، جہاں سامنے سے لوگ گزرتے ہیں تو مکروہ ہے۔ حنابلہ کے نزدیک نماز حرام ہے اور راستے پر (۳۱۰) کوڑا ڈالنے کی جگہ پر، قبرستان میں، مذبح میں، حمام میں اور اونٹوں کے باڑے میں نماز درست نہیں بلکہ ان عمارتوں کی چھت پر بھی نماز درست نہیں کیوں کہ فضا نیچے کی زمین کے تابع ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جنبی کے لیے مسجد کی چھت پر ٹھہرنا بھی جائز نہیں اور اگر کوئی شخص قسم کھا لے کہ فلاں گھر میں

داخل نہیں ہوگا، اس کی چھت پر جانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر راستے پر کوئی چھت ڈالی گئی ہو تو اس پر بھی نماز درست نہیں کیوں کہ فضا نیچے کی زمین کے تابع ہے اور نہر کے پل پر بھی نماز درست نہیں کیوں کہ پانی راستے کی مانند ہے اس پر نماز صحیح نہیں ہے۔

البتہ قبرستان میں نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اور قبرستان کی چھت پر بھی نماز جنازہ درست ہے ۔اسی طرح اگر چند گھروں کو راستہ جاتا ہو تو اس راستے کے دائیں بائیں بلا کراہت نماز جائز ہے، کیوں کہ وہ عام راستے نہیں ہیں۔ عذر کی وجہ سے ان جگہوں پر نماز جائز ہے، مثلاً ایسی جگہ کوئی شخص نظر بند کر دیا گیا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ان جگہوں پر نماز کی ممانعت تعبدی (ایسا شرعی حکم جو علت پر مبنی نہ ہو) حکم ہے، عقلی دلیل مثلاً نجاست کا وہم وغیرہ سے وابستہ نہیں ہے اور ان کی دلیل ابن عمرؓ کی روایت کی نص پر ہے۔ یہ بات کشاف القناع میں مذکور ہے جب کہ ابن قدامہ نے المغنی میں کہا ہے کہ قبرستان کے علاوہ مذکورہ تمام جگہوں پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ''میرے لیے تمام زمین سجدہ گاہ بنا دی گئی'' ہر اس جگہ کو شامل ہے جہاں کوئی شخص نماز پڑھنا چاہتا ہے، البتہ ان جگہوں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔اگر پڑھ لی تو درست ہو جائے گی۔جمہور کی طرح حنابلہ کی بھی اصل رائے یہی ہے۔

قبرستان کے استثنا کی دلیل دو صحیح روایات ہیں اور وہ یہ ہیں: تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے، قبرستان کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں اس سے روک رہا ہوں، نیز فرمایا:''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت! انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا''۔(۳۱۱) قبور کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا درست نہیں ہے کیوں کہ اس کی ممانعت ہے۔ باقی جگہوں پر نماز پڑھنا درست ہے کیوں کہ اباحت کا عموم باقی ہے، اور جن جگہوں پر نماز کی ممانعت ہے ان پر قیاس کرنا درست نہیں۔

۲- حمام کے اندر نماز پڑھنا: حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مکروہ ہے کیوں کہ یہ شیاطین کے رہنے کی جگہ ہے اور ان جگہوں پر ستر کھلنے کے امکانات ہوتے ہیں، مستعمل پانی اور نجاستیں وغیرہ بالعموم وہاں ڈالی جاتی ہیں۔

۳- اونٹوں کے باڑے میں یعنی ان کے بیٹھنے کی جگہ پر(۳۱۲)نماز پڑھنا ان علماء کے نزدیک مکروہ ہے جن کے نزدیک اونٹ کا پیشاب اور مینگنیاں ناپاک ہیں یعنی حنفیہ اور شافعیہ یا اس وجہ سے کہ اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے، ہوسکتا ہے کہ نماز کے دوران نفرت پیدا ہو تو نماز توڑ دے یا اس کے باعث اذیت ہو یا دل اس قدر پریشان ہو کہ نماز کا خشوع ختم ہو جائے۔

مالکیہ کے نزدیک بھی اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن نجاست کے باعث نہیں بلکہ اوپر مذکور دوسرے اسباب کی بنا پر۔ بھیڑ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے: بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیا کرو، اونٹوں کے باڑے میں نہ پڑھا کرو۔ (۳۱۳) بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے مکروہ نہ ہونے کے بارے میں اتفاق ہے۔

اگر اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لی تو اگر نجاست سے محفوظ رہا یا پاک کپڑا بچھا کر پڑھی تو اظہر روایت کے مطابق وقت کے اندر اعادہ کر لینا چاہیے یہ امر تعبدی ہے۔

۴- کوڑا ڈالنے کی جگہ یا ذبح خانے میں نماز پڑھنا مالکیہ کے علاوہ دوسروں کے نزدیک مکروہ ہے کیوں کہ نجاست قریب ہی ہوتی ہے یا نجاست کے ہونے کا غالب گمان ہوتا ہے۔ کوڑا ڈالنے کی جگہ، کوڑا کرکٹ، گندگی اور مکھیوں کی آماج گاہ ہوتی ہے اور مذبح، جانوروں کو ذبح کرنے کی جگہ ہے۔ اگر ایسی جگہ پر کوئی پاک چیز بچھا کر نماز پڑھی تو مکروہ ہے ورنہ نماز درست نہیں، کیوں کہ نجاست پر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اگر واقعی نجاست موجود ہے تو پاک چیز بچھا کر نماز پڑھنا شافعیہ کے نزدیک مکروہ ہے اور اگر غالب گمان ہے کہ

نجاست ہو گی تو اس پر پاک چیز بچھا کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔

قضائے حاجت کے لیے جو جگہ بنائی گئی ہو(۳۱۴) اور اس میں نجاست ڈالی جاتی ہو تو وہاں بطریق اولیٰ نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، اس کے دروازے پر، کوڑا ڈالنے کی جگہ پر اور اس عمارت کی چھت پر، کیوں کہ جس جگہ شریعت نے ذکر اللہ کرنے سے اور باتیں کرنے سے منع کیا، وہاں نماز کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہے۔

۵- کلیسا (عیسائیوں کی عبادت گاہ) بیعہ (یہودیوں کی عبادت گاہ) وغیرہ کفر کی جگہوں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جمہور اور ابن عباسؓ کے نزدیک ان جگہوں پر مطلقاً نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ آباد ہوں یا ویران البتہ اگر کوئی مجبوری ہو مثلاً سردی، گرمی، بارش، دشمن یا درندے کا خوف تو مکروہ نہیں ہے۔

کراہت کی حکمت یہ ہے کہ یہ شیاطین کی آماج گاہیں ہیں، بالعموم یہاں تصاویر اور بت ہوتے ہیں، فتنے اور خواہشات جنم لینے کی جگہیں ہیں، یہاں خشوع پیدا نہیں ہو سکتا۔

حنابلہ کے نزدیک اگر کلیسا صاف ستھرا ہو تو اس میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، شعبی، اوزاعی اور سعید بن عبدالعزیز نے اس کی اجازت دی ہے اور حضرت عمرؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایات سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھی جب کہ وہاں تصاویر تھیں۔(۳۱۵) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''جہاں نماز کا وقت ہو نماز پڑھ لو، وہی تمہاری سجدہ گاہ ہے'' کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ ان جگہوں پر نماز درست ہو۔

نووی نے المجموع میں لکھا ہے کہ شیطان کی آماج گاہوں مثلاً شراب خانے اور چونگی وغیرہ فحاشی کی جگہوں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۶- قبرستان میں نماز، مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک مکروہ ہے کیوں کہ اس کے نیچے نجاست اور پیپ وغیرہ ہے اور اس میں یہود سے مشابہت ہے جیسا کہ اوپر مذکور حدیث

میں ہے: ''یہود پر اللہ کی لعنت! انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، میرے بعد میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا''۔

قبرستان میں نماز کے سلسلے میں فقہاء کے ہاں تفصیل ہے:

حنفیہ کے نزدیک اگر قبر نمازی کے اس طرح سامنے ہو کہ اگر خشوع سے نماز ادا کر رہا ہو تو اس کی نظر قبر پر پڑتی ہو تو نماز مکروہ ہے اور اگر قبر پیچھے ہو یا اوپر یا نیچے ہو تو تحقیقی رائے یہ ہے کہ نماز مکروہ نہیں جیسا کہ نماز کے لیے تیار کی گئی ایسی جگہ جس میں کوئی نجاست اور گندگی نہ ہو اس پر نماز مکروہ نہیں ہے۔ انبیاء کی قبور کے پاس مطلقاً نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک ایسی قبریں جو اکھاڑ نہ دی گئی ہوں ان میں نماز پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے، خواہ قبر سامنے ہو یا پیچھے، دائیں ہو یا بائیں یا نیچے۔ انبیاء اور میدان جنگ کے شہداء کی قبور اس سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے بدن کھا سکے، وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، جیسا کہ شہداء بھی زندہ ہیں۔ البتہ اگر صاحب قبر کی تعظیم کی نیت ہو تو حرام ہے۔ اگر قبر اکھاڑ دی گئی ہو تو بغیر کسی رکاوٹ کے اس پر نماز درست نہیں اور رکاوٹ کے ساتھ نماز مکروہ ہے۔

حنابلہ کے نزدیک قبرستان وہ جگہ ہے جسے دفن کے لیے وقف کیا گیا ہو اور اس میں تین یا اس سے زائد قبریں ہوں، اگر تین قبریں نہیں ہیں تو نماز بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ نمازی کا رُخ قبر کی طرف نہ ہو ورنہ مکروہ ہے۔

حنابلہ کے نزدیک قبرستان میں نماز جائز نہیں کیوں کہ ابو سعید خدریؓ سے مرفوع روایت ہے کہ'' زمین ساری کی ساری مسجد ہے بجز قبرستان اور حمام کے'' (۳۱۶) اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو تو قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ ابو مرثد الغنوی کی حدیث میں ہے: '' قبروں کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ قبروں پر بیٹھو''۔ (۳۱۷)

ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے: کچھ نماز گھر پر بھی پڑھا کرو اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔(۳۱۸)اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مسجد پہلے بنی ہے یا قبرستان، قبرستان مسجد کے اردگرد ہے یا قبلہ کی جانب۔

۷- کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ اس میں کعبہ کی بے حرمتی کا پہلو ہے جب کہ اس کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز اس وجہ سے نمازی کے سامنے کوئی قائم سُترہ نہیں ہے کیوں کہ وہ بیت اللہ پر نماز پڑھ رہا ہے بیت اللہ کی طرف نہیں۔ البتہ کعبہ کی چھت پر یا کعبے کے اندر نفل نماز بالاتفاق جائز ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک فرض نماز جائز نہیں جب کہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک فرض اور نفل تمام نمازیں جائز ہیں جیسا کہ قبلہ رو ہونے کی شرط کے ضمن میں ہم بیان کر چکے ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں دو رکعات نماز ادا فرمائی تھی۔اگر دروازے کے پاس نماز پڑھی یا کعبہ کی چھت پر اس طرح نماز پڑھی کہ کعبہ کی عمارت کی کوئی چیز جو کعبہ سے متصل ہے نمازی کے سامنے ہے تو حنابلہ کے نزدیک نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر ایسی کوئی چیز سامنے نہیں ہے تو نماز نہیں ہوگی کیوں کہ اس صورت میں قبلہ رو ہونے کی شرط نہیں پائی جاتی۔

لیکن ابن قدامہ(۳۱۹) کہتے ہیں کہ بہتر رائے یہ ہے کہ سامنے کسی چیز کے ہونے کو شرط نہ قرار دیا جائے کیوں کہ کعبہ کی جگہ اور اس کی ہوا اور فضا کا رُخ کرنا شرط ہے، کعبہ کی دیواروں کا نہیں کیوں کہ اگر خدانخواستہ کعبہ منہدم ہو جائے تو اس جگہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز درست ہو جائے گی۔ اگر کسی بلندی پہاڑ پر نماز پڑھی جس سے کھینچی جانے والی سیدھی لکیر بلندی پر سے گزر جائے تو اس فضا کی طرف رُخ ہونے کی وجہ سے نماز درست ہو گی، اسی طرح کعبہ کی چھت پر بھی نماز درست ہے۔

مطلب سوم: نماز میں جو کام مکروہ نہیں ہیں:

اوپر کی بحث سے واضح ہو گیا کہ حنفیہ کے نزدیک درج ذیل افعال نماز میں مکروہ

نہیں ہیں۔(۳۲۰)

۱- کسی کھڑے یا بیٹھے ہوئے شخص کی پشت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ وہ شخص محو گفتگو ہو بشرطیکہ اس کی گفتگو نمازی کے لیے باعث خلل نہ ہو۔ حضرت ابن عمرؓ اپنے سفر کے دوران کبھی اپنے غلام نافع کو سُترہ بنا لیتے تھے۔

۲- سامنے قرآن حکیم یا تلوار لٹکی ہوئی ہو تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ ان کی عبادت نہیں کی جاتی۔

۳- اگر چٹائی یا قالین پر تصاویر ہوں لیکن ان تصاویر پر سجدہ نہ کیا جائے تو نماز مکروہ نہیں ہوتی کیوں کہ اس میں تصاویر پاؤں تلے آتی ہیں تو ان کی اہانت ہوتی ہے۔

۴- نماز کے دوران سانپ یا بچھو وغیرہ کسی موذی جانور کو مارنا بالاتفاق مکروہ نہیں ہے خواہ اس کے لیے دو ضربیں لگانی پڑیں جب تک کہ عمل کثیر نہ ہو۔ اگر اس دوران قبلہ سے پھر گیا تب بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران بچھو اور سانپ کو مار دینے کا حکم دیا۔(۳۲۱)

۵- تھوڑے عمل کے ذریعے کپڑا الگ کر لینے میں کوئی حرج نہیں تاکہ رکوع کے دوران بدن سے چمٹ نہ جائے تاکہ اعضاء ظاہر نہ ہوں۔

۶- اگر امام کو ضرورت پیش آئے یا غلط قرآن پڑھ رہا ہو تو مقتدی کے امام کو لقمہ دینے میں بالاتفاق کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس سے نماز کے درست کرنے پر تنبیہ ہے، اس کی تفصیل نماز توڑنے والے امور کے ذیل میں آئے گی۔

۷- باری باری دائیں اور بائیں پاؤں پر زور دے کر کھڑے ہونا تاکہ آرام کر سکے کیوں کہ اس طرح لمبا قیام کیا جا سکتا ہے لیکن بکثرت ایسا کرنا مکروہ ہے کیوں کہ اس سے سستی اور بے زاری کا اظہار ہوتا ہے جو مکروہ ہے۔

مطلب چہارم: جہاں نماز پڑھنا حرام ہے (غصب کی ہوئی جگہ پر نماز)

غصب کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا بالاجماع حرام ہے کیوں کہ نماز کے بغیر ایسی جگہ رکنا حرام ہے تو نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔(۳۲۲)

کیا غصب شدہ جگہ پر نماز ہو جاتی ہے؟

حنابلہ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ نماز درست ہو جاتی ہے کیوں کہ ممانعت کا نماز سے تعلق نہیں ہے۔اس لیے نماز کے درست ہونے میں کوئی مانع نہیں۔مثلاً کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے کسی کو ڈوبتا دیکھے جسے بچانا ممکن تھا لیکن اس نے نہیں بچایا، کسی کو جلتا ہوا دیکھے جس کی آگ بجھانا ممکن تھی، لیکن اس نے نہیں بجھائی، یا قرض خواہ کے قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتے ہوئے نماز پڑھتا رہا تو نماز ادا ہو گئی، فرض ساقط ہو گیا لیکن گناہ گار ہو گا۔نماز ادا کرنے پر اسے ثواب ہو گا اور غصب جگہ پر کھڑے ہونے کا گناہ ہو گا۔

حنابلہ کے ہاں راجح روایت یہ ہے کہ غصب شدہ جگہ پر نماز نہیں ہوتی، خواہ اس جگہ کا ایک جز ہی ایسا ہو جو غصب شدہ ہے یا کسی دوسرے نے اس کی ملکیت کا دعویٰ کیا ہوا ہے یا کسی زمین یا جانور کے منافع غصب کر کے اس پر نماز ادا کی گئی ہو یا ان منافع کے ظالمانہ اجارہ کا دعویٰ کیا گیا ہو یا ناحق کسی چیز پر قبضہ کر لیا گیا ہو، کیوں کہ نماز ایک عبادت ہے اور ایسے طریقے سے ادا کی گئی ہے جس طریقے کی ممانعت ہے، پس نماز درست نہیں ہو گی۔یہ اسی طرح ہے جیسے حیض والی عورت نماز پڑھے یا روزہ رکھے۔ممانعت کا تقاضا یہ ہے کہ فعل حرام قرار پائے، اس سے اجتناب کیا جائے اور اس کے ارتکاب پر گناہ ہو، اب یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص ایک فعل پر بیک وقت ثواب کا حق دار بھی ہو اور گناہ گار بھی کہ اس نے حرام کا ارتکاب بھی کیا اور عبادت بھی کی؟ اس کی تمام حرکات و سکنات مثلاً قیام، رکوع اور سجود اختیاری افعال ہیں اور ان کی ممانعت کے باوجود اس نے یہ اختیاری افعال کیے ہیں۔غصب شدہ زمین میں نماز پڑھنا ڈوبتے ہوئے کو بچانے در

جلتے ہوئے کی آگ بجھانے سے مختلف ہے کیوں کہ یہاں نماز کے افعال کی بذات خود ممانعت ہے۔

حنابلہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ غصب شدہ جگہ پر وضو کرنا، اذان کہنا، زکوٰۃ ادا کرنا، روزہ رکھنا اور معاہدات مثلاً خرید وفروخت اور نکاح وغیرہ نیز معاہدات فسخ کرنا، مثلاً طلاق اور خلع درست ہیں، کیوں کہ ان امور کے لیے جگہ شرط نہیں ہے جب کہ نماز کے لیے جگہ شرط ہے۔

ایسی زمین پر جس کی عمارت غصب شدہ ہو نماز درست ہے، خواہ جگہ کی نسبت عمارت کی طرف ہو، کیوں کہ نماز کے درست ہونے کے لیے قطعۂ زمین کا اعتبار ہے۔

جس شخص سے امانت یا غصب شدہ چیز کی واپسی کا مطالبہ کیا جا رہا ہو اس کی نماز ان اشیاء کی واپسی سے قبل بھی درست ہے، خواہ واپسی میں بلا عذر تاخیر کر رہا ہو، کیوں کہ حرمت کا تعلق نماز سے نہیں ہے۔

اگر کسی دوسرے کی زمین پر نماز پڑھی، خواہ وہ زیر کاشت ہو لیکن نہ تو کوئی نقصان پہنچایا اور نہ غصب یا کسی دوسرے کی جائے نماز پر اسے نقصان پہنچائے اور غصب کیے بغیر نماز پڑھی تو جائز ہے اور نماز درست ہے۔

اگر بے خبری میں یا بھولے سے کسی غصب شدہ زمین یا غصب شدہ چیز پر نماز پڑھ لی تو نماز درست ہے، کیوں کہ اس میں کوئی گناہ نہیں۔

اگر کسی غصب شدہ جگہ میں نظر بند کر دیا گیا تو وہاں نماز درست ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”میری امت کی خطا، بھول چوک اور وہ کام معاف ہیں جن پر انہیں مجبور کیا گیا ہو“۔

ایسی زمین جس پر عذاب نازل ہوا ہو: ایسی زمین جس پر عذاب نازل ہوا ہو نماز درست ہے مثلاً دھنسنے والی زمین یا ہر وہ جگہ جس پر عذاب نازل ہوا مثلاً بابل کی زمین اور حجر کی زمین (۳۲۳) اور مسجد ضرار (۳۲۴) البتہ ان جگہوں پر نماز مکروہ ہے کیوں کہ یہ

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible]

[illegible] ۲۵

۳۔ [illegible] کی اقسام

[illegible] چار اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ [illegible]

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible]

۲۔ [illegible]

[illegible]

قبا میں یا جانگیہ اور قمیص میں نماز پڑھے۔(۳۲۹) حضرت عمرؓ یہ بھی فرماتے: اگر کسی کے پاس دو کپڑے ہوں تو ان میں نماز پڑھے اور اگر ایک ہی ہو تو اس کا تہ بند باندھ لے اور اسے یہود کی طرح اوپر سے نیچے تک لپیٹ نہ لے۔(۳۳۰)

عورت کے لیے مستحب ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے: اوڑھنی جس سے سر اور گردن ڈھانپے، لمبی قمیص جس سے بدن اور پاؤں ڈھانپ لے اور باریک بڑی چادر جس سے کپڑے چھپا لے کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: عورت تین کپڑوں میں نماز پڑھے: قمیص، اوڑھنی اور تہ بند۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: عورت قمیص، اوڑھنی اور بڑی چادر میں نماز پڑھے۔ مستحب یہ ہے کہ عورت کی بڑی چادر موٹی ہو تا کہ اس کے اعضاء الگ الگ نظر نہ آئیں اور رکوع اور سجدے میں بڑی چادر بدن سے الگ کھلی ہو تا کہ کپڑوں کی ساخت واضح نہ ہو۔

۳- مکروہ لباس:

اوپر سے نیچے تک ایک کپڑا لپیٹ لینا اور پھر سینے کی طرف سے ہاتھ باہر نکالنا جیسے کہ آج کل کی ساڑھی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک کپڑے سے اضطباع مکروہ ہے۔ اضطباع یہ ہے کہ چادر کا درمیانی حصہ دائیں بغل کے نیچے سے گزارنا اور دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈال دینا اور دایاں کندھا کھلا چھوڑ دینا۔ اس کی تفصیل مکروہات نماز میں گزر چکی ہے۔

سدل یعنی کپڑے کے دونوں کنارے دونوں کندھوں سے نیچے اس طرح لٹکا دینا کہ کوئی کنارا کندھے پر پڑا ہوا نہ ہو مکروہ ہے جیسا کہ آج کل عبا پہنی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے۔

نیز قمیص، شلوار یا تہ بند متکبروں کے انداز میں نیچے لٹکا کر رکھنا مکروہ ہے کیوں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو متکبرانہ اپنا لباس زمین پر گھسیٹتا ہوا چلتا ہے اللہ اس کی طرف نہیں دیکھتا۔(۳۳۱) نیز ارشاد نبوی ہے: جو شخص نماز میں اپنا تہ بند تکبر کے طور پر نیچے لٹکاتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔(۳۳۲)

نماز میں منہ اور ناک ڈھانپنا مکروہ ہے کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ ڈھانپنے سے منع فرمایا۔

حنابلہ سے ناک ڈھانپنے کے بارے میں دو روایات ہیں: ایک یہ کہ مکروہ ہے کیوں کہ ابن عمرؓ اسے مکروہ بتاتے تھے اور دوسری یہ کہ مکروہ نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں صرف منہ ڈھانپنے کی ممانعت آئی ہے۔

زعفران کے رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے میں مرد کے لیے نماز پڑھنا مکروہ ہے، نیز زرد رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے میں بھی کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زعفرانی رنگ سے منع فرمایا(۳۳۳) مسلم میں ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا، عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دونوں کپڑے زرد رنگ کے پہنے ہوئے دیکھے تو آپؐ نے فرمایا: یہ کفار کا لباس ہے، یہ نہ پہنا کرو۔

لباس کو درمیان سے کسی کپڑے، ازار بند وغیرہ سے باندھ لینا اور قبا کو درمیان سے باندھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حنابلہ کے نزدیک مردوں کے لیے سرُخ لباس پہننا اور اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس کی دلیل عبداللہ بن عمرؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا جس نے دو سرخ چادریں اوڑھی ہوئی تھیں۔ ابن قیم کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زرد اور سرُخ لباس پہننے کی ممانعت بلاشبہ ثابت ہے۔(۳۳۴)

۴- جو لباس پہننا حرام ہے اور جس میں نماز درست نہیں:

اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم جو مردوں اور خواتین سب کے لیے ہے، اس کی مزید دو اقسام ہیں: ایک وہ لباس جو ناپاک ہے اس میں نماز درست نہیں، نہ اس پر نماز پڑھنا درست ہے کیوں کہ نجاست سے پاکی شرط ہے۔دوسرے وہ جو غصب کیا گیا ہو، اس میں جمہور کے نزدیک نماز درست ہے، حنابلہ کے نزدیک درست نہیں، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

دوسری قسم جس کی حرمت مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتوں کے لیے حرام نہیں: وہ ریشم، سونے کی تاروں سے بنا ہوا لباس، یا سونے کا گوٹہ لگا ہوا، ایسا لباس پہننا اور نماز وغیرہ کے لیے اسے بچھانا حرام ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ریشم اور سونے کا لباس میری امت کے مردوں کے لیے حرام اور عورتوں کے لیے جائز ہے(۳۳۵) نیز آپ ؐ نے فرمایا: ریشم مت پہنو، جو دنیا میں ریشم پہنے گا آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔(۳۳۶)

ریشم کے مردوں کے لیے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہاں کوئی مجبوری یا عذر ہو تو الگ بات ہے اس کی مزید تفصیل ممانعت اور اباحت کی بحث میں آئے گی۔

۵- جن امور میں عورتوں کا مردوں سے اختلاف ہے:

چھ امور میں عورتوں کا مردوں سے اختلاف مسنون ہے۔یہ چھ امور شافعیہ نے ذکر کیے ہیں:

۱- سجدے میں اعضاء ملا کر، سمٹ کر سجدے کرے، دونوں کہنیاں پہلوؤں سے، پیٹ رانوں سے ملا کر رکھے جب کہ مرد کہنیاں پہلوؤں سے، پیٹ رانوں سے الگ رکھے۔اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو بیہقی نے عورت کے بارے میں روایت کی ہے۔(۳۳۷)

۲- غیر محرم مردوں کی موجودگی میں عورت اپنی آواز پست رکھے۔مرد کے لیے جہری

نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کرنا مسنون ہے۔

۳- عورت کو نماز کے دوران ضرورت پڑے تو دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر مار کر تالی بجائے جب کہ مرد بلند آواز سے تسبیح پڑھے۔اس کی دلیل سہل بن سعد کی حدیث ہے جو شیخین نے بیان کی ہے۔(۳۳۸)

۴- چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ عورت کے سارے بدن کا پردہ ہے جب کہ مرد کے لیے ناف سے زانوں تک ستر ہے جیسا کہ نماز کی شرائط میں بیان ہوا۔

۵- عورت کے لیے اقامت کہنا سنت ہے، اذان نہیں۔ اذان میں عورت کے لیے آواز بلند کرنا مکروہ ہے جب کہ مرد کے لیے ہر فرض نماز کے لیے اذان اور اقامت دونوں شافعیہ کے نزدیک مسنون ہیں۔

۶- عورت عورتوں کی امامت کراتے ہوئے صف کے درمیان میں کھڑی ہو اور اگر مرد امام ہو تو مردوں کی صف کے بعد کھڑی ہو۔مرد امام مقتدیوں سے آگے کھڑا ہو اور مرد مقتدی پہلی صف میں کھڑے ہوں۔(۳۳۹)

پانچویں بحث: نماز کے بعد کے اذکار مسنونہ:

نماز کے بعد اللہ کا ذکر اور مسنون دعا پڑھنا سنت ہے۔ اگر فرض نماز کے فوراً بعد سنتیں نہ ہوں جیسے فجر اور عصر میں تو فرضوں کے بعد اور اگر فرض نماز کے بعد سنتیں ہوں جیسے ظہر، مغرب اور عشا میں تو ان کے بعد ذکر اور دعا کرے، کیوں کہ استغفار سے نماز کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔اور دعا، نماز کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے بعد مزید اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔

ذیل میں دی گئی ترتیب کے مطابق آہستہ ذکر کرے، البتہ اگر امام نماز میں موجود لوگوں کو تعلیم دینے کی غرض سے بلند آواز سے پڑھے تو درست ہے تاکہ وہ بھی سیکھ

جائیں۔امام اپنا بایاں پہلو محراب کی طرف کرتے ہوئے مقتدیوں کی طرف رُخ کرے۔
(۳۴۰)حضرت سمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو ہماری طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ (۳۴۱)

۱- تین بار استغفر اللہ کہے یا تین بار استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ (میں خدائے عظیم سے معافی مانگتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور نگہبان ہے اور اسی طرف رجوع کرتا ہوں) کہے۔پھر اللھم انت السلام و منک السلام و الیک السلام ، تبارکت و تعالیت یا ذا الجلال و الاکرام (اے اللہ! تو ہی سلام ہے سلامتی تجھی سے ہے اور تیری طرف سے ہے تو بابرکت اور بلند مرتبہ ہے اے عزت و جلال والے!) کہے، کیوں کہ ثوبانؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے اور نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار کہتے اور پھر اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام کہتے۔(۳۴۲)

پھر کہے: اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک (اے اللہ! اپنی یاد، اپنے شکر اور اپنی خوبصورت عبادت کرنے پر میری مدد فرما)۔معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں، انہیں تم ہر نماز کے بعد کہا کرو اور وہ ہیں: اللھم اعنّی علیٰ ذکرک و شکرک و حسن عبادتک۔ (۳۴۳)

۲- آیت الکرسی، سورۂ اخلاص [قل ھو اللہ احد]، معوذتین [قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس، یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس] اور سورۃ فاتحہ پڑھے، کیوں کہ حضرت حسین بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لی اس کی اگلی نماز اللہ کے ذمہ ہے۔(۳۴۴)ابوامامہؓ کی حدیث میں ہے کہ جس کسی نے فرض نماز کے بعد آیت الکرسی اور

قل ھو اللہ احد پڑھ لی تو اس کے لیے جنت میں داخل ہونے سے موت کے علاوہ کوئی رکاوٹ نہیں۔(۳۴۵)

عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرض نماز کے بعد معوذات (۳۴۶) پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔(۳۴۷)

۳۔ تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہے اور پھر ایک بار لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت وھو علی کل شی قدیر، اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجدمنک الجد (اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو روک دے وہ کوئی دے نہیں سکتا، تیرے سامنے کسی کی محنت ثمر آور نہیں ہو سکتی) ایک بار پڑھ کر سو کی تعداد پوری کرے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہا تو یہ اللہ کے ننانوے خوبصورت ناموں کے برابر ننانوے کی تعداد میں ہو جاتا ہے، پھر ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھوعلیٰ کل شیء قدیر کہہ کر سو کی گنتی پوری کر لی تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں(۳۴۸) ایک روایت میں ہے کہ دس دس بار سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہے۔(۳۴۹)

مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت(۳۵۰) ولاینفع ذاالجدمنک الجد(۳۵۱)

مسلم میں ابن الزبیرؓ سے اسی طرح کی روایت بیان کی اور قدیر کے بعد یہ دعا

ذکر کی گئی ہے: لاحول ولا قوۃ الا باللہ، لا الہ الا اللہ، ولانعبد الا ایاہ، لہ النعمة ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون۔

(اللہ کی توفیق کے بغیر نیکی کرنے کی طاقت ہے اور نہ گناہ سے بچنے کی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا ہم کسی کی عبادت نہیں کرتے، وہی نعمت دینے والا ہے، اسی کو فضیلت سزاوار ہے، اسی کے لیے عمدہ تعریف ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کے لیے ہم خالص عبادت کرتے ہیں، خواہ کافر اسے ناپسند کریں)۔

۴- اوپر دونوں نمبروں (۲-۳) میں مذکور قراءت اور تحمید سے پہلے صبح اور مغرب کی نماز کے بعد پاؤں بچھائے ہوئے، بات کرنے سے قبل دس مرتبہ کہے:

لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، یحیی ویمیت وھو علی کل شی قدیر

عبدالرحمٰن بن غنم سے امام احمد نے مرفوعاً یہ روایت بیان کی ہے۔(۳۵۲)

اسی طرح بیٹھے ہوئے سات بار اللھم اجرنی من النار (اے اللہ! مجھے آگ سے نجات عطا فرما) کہے۔ مسلم بن حارث تمیمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں راز دارانہ انداز میں یہ دعا بتائی اور فرمایا کہ جب مغرب کی نماز سے فارغ ہوتو سات بار اللھم اجرنی من النار کہو،ایک روایت میں ہے کہ بات کرنے سے پہلے کہو۔اگر یہ دعا کی ہو اور اسی رات فوت ہو گئے تو تمہارے لیے آگ سے نجات لکھ دی گئی اور جب صبح کی نماز پڑھوتو بھی اسی طرح کہو۔اگر اس دن فوت ہو گئے تو آگ سے نجات لکھ دی جائے گی۔ حارث کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے راز دارانہ انداز میں بتائی اور ہم اپنے مخصوص بھائیوں کو بتاتے ہیں۔(۳۵۳)

۵- پھر نمازی اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دعا کرے بالخصوص فجر اور عصر کے بعد کیوں کہ ان اوقات میں دن اور رات کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں

اور دعا پر آمین کہتے ہیں اس لیے دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے۔افضل دعا وہ ہوتی ہے جو سنت میں منقول ہو مثلاً سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ دعائیہ کلمات اس طرح سکھاتے تھے جیسے بچوں کو لکھنا سکھایا جاتا ہے اور کہا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعے پناہ مانگتے تھے۔کلمات یہ ہیں:

اللھم انی اعوذبک من البخل واعوذبک من الجبن واعوذبک ان اردالیٰ ارذل العمر واعوذبک من فتنة الدنیا و اعوذبک من عذاب القبر (۳۵۴)

(اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں، میں بزدلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس بات سے کہ عمر کے بدترین حصے کی طرف لوٹ جاؤں اور دنیا کی آزمائش سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔

دعا کے اہم آداب:(۳۵۵)

دعا کے لیے دونوں ہاتھ بلند کرے یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی نظر آئے اگر کوئی معاملہ بہت سخت ہوتو زیادہ سے زیادہ دونوں کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھائے پھر دونوں ہاتھ منہ پر پھیر لے، اتباع سنت کا تقاضا یہی ہے۔ ابو داؤد نے سند حسن سے مالک بن یسار سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ:" جب اللہ سے مانگو تو اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیاں پھیلا دو ہاتھوں کی پشت نہیں"۔ دونوں ہاتھ ملا کر رکھے، کیوں کہ طبرانی نے معجم کبیر میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو دونوں ہاتھ ملا لیتے تھے اور ہتھیلیوں کا رُخ چہرے کی طرف کر لیتے لیکن مواھب میں اس حدیث کو ضعیف بتایا گیا ہے۔

پھر اللہ کی حمد و ثنا سے دعا کا آغاز کرے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے آغاز کرے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر

درود بھیجے، پھر اپنے لیے جو چاہے مانگے۔(۳۵۶) افضل یہ ہے کہ حمد کے جامع کلمات کہے مثلاً الحمد للہ حمداً یوا فی نعمه و یکافی مزیده، یا ربنالک الحمد کما ینبغی لجلال و جھک و عظیم سلطانک (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ایسی تعریفیں جو اس کی نعمتوں کا حق ادا کریں اور اس کی طرف سے اضافوں کے لیے کافی ہوں۔ اے رب! سب تعریف تیرے لیے ہے جیسا کہ تیری ذات کے جلال اور تیری قدرت کی عظمت کے لیے سزاوار ہے)۔

اللہ کی تعریف کے ساتھ اپنی دعا ختم کرے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وآخر دعواھم ان الحمد للہ رب العلمین (ان کی دعا کا اختتام اس پر ہوگا کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو جہانوں کا رب ہے۔ یونس ۱۰:۱۰) ان آیات پر دعا کا اختتام کرے: سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین (الصفات ۳۷:۱۸۲) تیرا رب، رب العزت ان چیزوں سے پاک ہے جو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کے رسولوں پر سلام ہو، اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب العالمین ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اسے قیامت کے دن اس کے اعمال کا بھرپور صلہ ملے۔تو اس چاہیے کہ اس کے مجلس کا اختتام ''سبحان ربک رب العزہ عمایصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین'' پر ہو۔(۳۵۷)

دعا کے شروع اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے کیوں کہ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ بناؤ(۳۵۸)۔سوار اپنا پیالہ بھر کر رکھ لیتا ہے، پھر سامان اٹھا لیتا ہے، اگر اسے اس سے پانی پینے کی ضرورت پیش آئے تو پی لیتا ہے، وضو کی ضرورت ہو تو وضو کر لیتا ہے ورنہ گرا دیتا ہے، بلکہ میرا ذکر دعا کے شروع میں، درمیان میں اور آخر میں کرو۔(۳۵۹)

امام کے علاوہ باقی دعا کرنے والے اپنا رُخ قبلہ کی طرف رکھیں کیوں کہ بیٹھنے کا بہترین انداز یہ ہے کہ آدمی قبلہ رو ہو، امام کے لیے قبلہ رو ہونا مکروہ ہے، امام مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے بیٹھے کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو نمازیوں کی طرف رُخ پھیر لیتے تھے۔

دعا کرنے والا دعا میں خوف وخشیت سے، عاجزی اور اصرار سے دعا کرے کیوں کہ حدیث میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ عاجزی اور اصرار سے دعا کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔(۳۶۰) ایک دوسری حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرو کہ تمہیں دعا کی قبولیت کا یقین ہو۔ جان لو، اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔(۳۶۱) دعا تین تین بار کرے کیوں کہ اس میں اصرار پایا جاتا ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو تین بار دعا فرماتے، جب اللہ سے مانگتے تو تین بار مانگتے۔(۳۶۲)

دعا کرتے ہوئے پاک ہو اور دعا سے پہلے توبہ واستغفار کرے۔

بلند آواز کی بہ نسبت آہستہ دعا کرنا افضل ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ادعوا ربکم تضرعاً و خفیة (الاعراف ۷:۵۵) اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو۔ آہستہ دعا کرنا اخلاص سے قریب تر ہے۔ نماز وغیرہ میں بلند آواز سے دعا کرنا مکروہ ہے البتہ حاجی اس سے مستثنیٰ ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: افضل ترج غبار آلودگی اور بلند آواز سے پکارنا ہے۔(۳۶۳)

عمومی دعا کرے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: علی، عمومی دعا کیا کرو اپنی ہیئت اور الفاظ میں دعا میں ادب ملحوظ رکھے، خشوع وخضوع، پختہ یقین، اللہ کی طرف رغبت، حضوری دل اور امید سے دعا کرے کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے: اللہ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا: دعا کی شرط اخلاص ہے۔

اللہ کے اسماء، صفات اور اس کی توحید کے وسیلے سے دعا کرے۔ دعا سے پہلے صدقہ کرے۔ دعا کی قبولیت کے اوقات تلاش کرے، جو یہ ہیں:

رات کا آخری تہائی حصہ، اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت، فرض نمازوں کے بعد، جمعہ کے روز جب امام منبر پر بیٹھے، اس وقت سے لے کر نماز جمعہ مکمل ہونے تک جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد آخری گھنٹہ،عرفہ کا دن، جمعہ کا دن، بارش برسنے کے وقت، جہاد میں جب صفیں درست کی جا رہی ہوں اور سجدے کے دوران۔

دعا کی قبولیت کا انتظار کرے کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے: اللہ کو پکارو، اس طرح کہ تمہیں دعا کی قبولیت کا یقین ہو اور جلدی نہ کرو کہ یوں کہو، کہ میں دعا کرتا رہا، قبول ہی نہیں ہوئی۔ صحیح بخاری میں مرفوع روایت ہے: ''جب تک تم جلدی نہ کرو تمہاری دعا قبول ہوتی رہے گی۔ لوگوں نے پوچھا، جلدی کیسے؟ یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: یوں کہنے لگو، میں نے دعا کی لیکن قبول نہیں ہوئی''۔ اس وجہ سے دعا کرنا چھوڑ دے۔

حنابلہ کے نزدیک آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا مکروہ نہیں ہے۔(۳۶۴) صرف اپنے لیے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ ابوبکرؓ، ام سلمہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی جو دعا حدیث میں آئی ہے اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: **اللھم انی اعوذبک واسئلک** (اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں) اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مبارکہ کے لیے بطور خاص دعا کی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: افضل ترین دعا، اپنی ذات کے لیے آدمی کی دعا ہے۔(۳۶۵)

مستحب یہ ہے کہ دعا مختصر کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں افراط سے منع فرمایا۔(۳۶۶) افراط یہ ہے کہ بہت سی چیزیں اکٹھی مانگی جائیں۔

ایسی دعا کرے جو قرآن میں یا سنت میں یا صحابہ، تابعین اور ائمہ دین سے منقول ہو، مثلاً حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کا سلام پھیر

کر یہ دعا کرتے: اللھم انی اسئلک علماً نافعاً ورزقا طیباً وعملاً متقبلاً (۳۶۷)
(اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، پاکیزہ رزق اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں)۔

جامع منقول دعاؤں میں سے یہ دعا ہے:

اللھم انی اسئلک موجباتِ رحمتک وعزائمَ مغفرتِک، والسلامةَ من کل اثم، والغنیمة من کل بِرّ، والفوز بالجنة والنجاةَ من النار، اللھم انی اعوذبک من الھم والحزن واعوذبک من العجز والکسل واعوذبک من الجبن والبخل والفشل ومن غلبةِ الدَّینِ و قھرِ الرجال اللھم انی اعوذبک من جھد البلاء ودرک الشقاء وسوء القضاء و شماتة الاعداء وعضال الداء۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب اور تیری مغفرت کے لیے یقینی حصول، ہر گناہ سے حفاظت، ہر نیکی سے حصہ، جنت کی کامیابی اور آگ سے نجات کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں غم و اندوہ سے، عاجزی اور سستی سے، بزدلی، بخل اور ناکامی سے، قرض کے غلبے اور لوگوں کے قہر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! میں آزمائش کی مشقت، بدبختی کی آمد، فیصلے کی خرابی، دشمنوں کی خوشی اور بیماری کی تکلیف سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

فرض نماز کے بعد نمازی کے لیے مستحب اعمال:

فرض نماز کی تکمیل کے بعد نمازی کے لیے درج ذیل امور کو فقہاء نے مستحب قرار دیا ہے:(۳۶۸)

۱- اگر نماز میں عورتیں بھی شریک ہوں تو امام کو مرد مقتدیوں کے ساتھ کچھ دیر انتظار کرنا مستحب ہے تاکہ عورتیں چلی جائیں اور مردوں کے ساتھ ان کا اختلاط نہ ہو کیوں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب سلام پھیر دیتے تو عورتیں اٹھ کھڑی ہوتیں اور آپ ؐ کچھ دیر سلام پھیرنے کے بعد اپنی جگہ بیٹھے رہتے، غالباً اس لیے کہ عورتیں

چلی جائیں اور مرد بعد میں مسجد سے نکلیں۔(۳۶۹)

۲- نمازی جس طرف اسے کام ہو دائیں یا بائیں جانب اسی طرف سے گھوم جائے اور اگر کوئی کام نہ ہو تو دائیں طرف گھومے، یہ افضل ہے کیوں کہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ رکھے۔اور یہ سوچے کہ اس کا فرض ہے کہ وہ صرف دائیں جانب سے ہی مڑے، جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالعموم بائیں جانب سے مڑتے دیکھا ہے۔(۳۷۰)قبیصہ بن ہُلب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپؐ کبھی بائیں جانب اور کبھی دائیں جانب سے مڑتے تھے۔(۳۷۱)

۳- نمازی کے لیے مستحب ہے کہ فرض اور سنت نماز کو گفتگو کے ذریعے یا جگہ بدل کر علیحدہ علیحدہ کر دے۔ جگہ بدل لینا افضل ہے، کیوں کہ دونوں نمازوں کو ملا لینے کی ممانعت آئی ہے۔جگہ بدل لینا اس لیے افضل ہے کہ قیامت کے روز زیادہ جگہیں گواہی دیں گی۔ صبح کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان وقفہ کرنے کے لیے مسنون یہ ہے کہ دائیں یا بائیں پہلو پر لیٹ جائے۔

امام احمد کے مطابق امام نے جہاں فرض نماز پڑھائی ہو وہاں نوافل نہ پڑھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔نیز امام احمد کے مطابق مقتدی اسی جگہ نفل پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ ابن عمرؓ ایسا کرتے تھے۔مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام نے جس جگہ لوگوں کو نماز پڑھائی ہو وہاں نوافل نہ پڑھے(۳۷۲) شافعیہ کہتے ہیں(۳۷۳) کہ جن نوافل میں جماعت سنت نہیں ہے انہیں مسجد کے بجائے گھر میں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: ''فرض کے علاوہ گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے'' تا کہ نماز کی برکت گھر میں بھی ہو۔

چھٹی بحث: نماز میں قنوت

نماز میں دعائے قنوت پڑھنا مستحب ہے (۳۷۴) لیکن فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کون سی نماز میں قنوت پڑھی جائے۔ حنفیہ اور حنابلہ وتر میں قنوت پڑھتے ہیں لیکن حنفیہ رکوع سے پہلے اور حنابلہ رکوع کے بعد اور وتر کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے۔

مالکیہ اور شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ صبح کی نماز میں رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھے۔ مالکیہ کے نزدیک رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا افضل ہے اور بظاہر صبح کے علاوہ اور کسی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا مکروہ ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آ جائے تو فرض نمازوں میں دعائے قنوت پڑھنا مستحب ہے۔ حنابلہ صرف صبح کی نماز میں پڑھنے کے قائل ہیں جب کہ حنفیہ جہری نمازوں میں۔

ہر مذہب کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- **وتر یا صبح کی نماز میں دعائے قنوت:** حنفیہ کے مطابق (۳۷۵) نمازی وتر میں دعائے قنوت پڑھے۔ قراءت سے فارغ ہونے کے بعد اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھائے جیسے نماز شروع کرتے ہوئے اٹھائے جاتے ہیں، پھر ناف کے نیچے ہاتھ باندھ لے اور دعائے قنوت پڑھے اور پھر رکوع کرے۔ وتر کے علاوہ کسی نماز میں دعائے قنوت نہ پڑھے البتہ اگر کوئی مصیبت آ جائے تو جہری نمازوں میں دعائے قنوت پڑھے۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی تو وہ اجماعاً منسوخ ہے۔

کیوں کہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی۔ (۳۷۶)

حنفیہ کے نزدیک دعائے قنوت کا حکم یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے

اور صاحبین کے نزدیک سنت۔وتر کے بارے میں جو اختلاف آگے آ رہا ہے اسی طرح کا اختلاف ہے۔

دعائے قنوت سارا سال وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھی جائے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جو صحابہ کرام کی ایک جماعت (حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور ابی بن کعبؓ) نے بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے تھے۔(۳۷۷)

دعائے قنوت اذا السماء انشقت کے برابر ہوتی ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعائے قنوت میں اللھم انا نستعینک یا اللھم اھدنا فیمن ھدیت...... الخ پڑھا کرتے تھے اور یہ دونوں دعائیں سورۂ اذا السماء انشقت کے برابر ہیں۔حنفیہ کے نزدیک افضل دعائے قنوت اور مالکیہ کے نزدیک یہ الفاظ ہیں:

اللھم انا نستعینک و نستھدیک و نستغفرک و نتوب الیک و نؤمن بک و نتوکل علیک و نثنی علیک الخیر کله و نشکرک ولا نکفرک و نخلع ونترک من یفجرک اللھم ایاک نعبد ولک نصلی و نسجد و الیک نسعی و نحفد و نرجو رحمتک و نخشی عذابک ان عذابک الجد بالکفار ملحق۔(۳۷۸)

(اے اللہ! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے ہدایت چاہتے ہیں اور تجھ سے معافی مانگتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر بھروسا کرتے ہیں اور ساری اچھی تعریف تیرے لیے کرتے ہیں اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں، تیری ناشکری نہیں کرتے اور تیری نافرمانی کرنے والوں سے ہم الگ ہیں اور ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں، اے اللہ! ہم تیری عبادت کرتے ہیں تیرے لیے نماز پڑھتے ہیں، تیری طرف دوڑتے ہیں، تیری طرف بھاگتے ہیں، تیری رحمت کے امیدوار ہیں، تیرے

عذاب سے ڈرتے ہیں۔ تیرا خوفناک عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے)۔

یہ دعا ابن عمرؓ کے حوالے سے مشہور ہے لیکن اس کے حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ دونوں کی طرف درست طور پر منسوب ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

اس کی دلیل ابو داؤد کی مرسل حدیث ہے جو انہوں نے خالد بن ابی عمران سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مضر کے لیے بددعا کر رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آپؐ کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔آپؐ خاموش ہو گئے تو انہوں نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے آپؐ کو دشنام طراز اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اس نے آپؐ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اور اس معاملے میں آپؐ کا کوئی اختیار نہیں۔ پھر آپؐ کو دعائے قنوت سکھائی، اللھم انا نستعینک......الخ(۳۷۹) نیز صحابہ کا اس دعائے قنوت پر اتفاق ہے اس لیے اسے پڑھنا بہتر ہے اور اگر دوسری دعائے قنوت پڑھ لی تو جائز ہے اور اگر اسے دوسری کے ساتھ پڑھ لیا تو زیادہ اچھا ہے۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ اسے اس دعائے قنوت کے بعد پڑھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو سکھائی تھی یعنی اللھم اھدنا فیمن ھدیت......الخ(۳۸۰) اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل پر درود بھیجے، فتویٰ اسی پر ہے، اور یوں کہے: وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ و سلم (اللہ کی رحمت ہو ہمارے سردار محمد پر، آپؐ کی آل اور آپؐ کے صحابہ پر اور سلامتی ہو)۔

جو عربی نہ جانتا ہو یا اسے عربی میں دعائے قنوت یاد نہ ہو تو یا تو یا رب یا اللھم اغفرلی (اے اللہ! مجھے بخش دے) تین تین بار کہے یا ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار (البقرہ۲:۲۰۱) اے اللہ! مجھے دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور مجھے آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ) پڑھے اور یہ آخری آیت پڑھنا افضل ہے۔

رہی یہ بات کہ دعائے قنوت آہستہ پڑھے یا بلند آواز سے تو پسندیدہ امر یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ پڑھیں۔

دعائے قنوت بھول جانے کا حکم:

اگر نمازی دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں چلا جائے پھر رکوع سے اٹھنے کے بعد یاد آئے تو دعائے قنوت نہ پڑھے، اگر رکوع میں یاد آ جائے تب بھی اٹھ کر دعائے قنوت نہ پڑھے البتہ نماز کے آخر میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کرے، کیوں کہ دعائے قنوت اپنی جگہ پر نہیں پڑھی گئی۔ اگر کسی نے رکوع سے اٹھ کر دعائے قنوت پڑھ لی، پھر رکوع نہیں کیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، کیوں کہ رکوع قراءت پوری کرنے کے بعد کیا گیا۔

مقتدی بھی وتر میں قنوت پڑھے۔ اگر کسی شخص نے شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھی تو رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھے کیوں کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔

اگر کوئی شخص وتر کی تیسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہوا تو وہ حکماً دعائے قنوت میں بھی شامل ہو گیا، نماز کے آخر میں دعائے قنوت نہ پڑھے۔

اور حنفیہ کی آخری بات یہ ہے کہ اگر امام نے صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مقتدی خاموش کھڑا رہے، یہی ظاہر روایت ہے کیوں کہ فجر کی دعائے قنوت منسوخ ہو گئی، اس میں اقتدا نہ کی جائے۔ امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ مقتدی اس میں بھی اقتدا کرے کیوں کہ وہ اپنے امام کے تابع ہے اور دعائے قنوت کا مسئلہ اجتہادی ہے۔

مالکیہ کا مذہب:

مالکیہ کے نزدیک (۳۸۱) صرف صبح کی نماز میں آہستہ دعائے قنوت پڑھنا مستحب

ہے۔ وتر وغیرہ میں دعائے قنوت پڑھنا مکروہ ہے۔ دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھنا افضل ہے اور رکوع کے بعد جائز ہے اور دعائے قنوت کے پسندیدہ الفاظ اللھم انا نستعینک...... ہیں جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک بھی یہی افضل ہیں البتہ مالکیہ کی مشہور روایت کے مطابق ان کے ساتھ اللھم اھدنا فیمن ھدیت..... الخ، نہ ملائے۔

امام، مقتدی اور اکیلا نمازی آہستہ دعائے قنوت پڑھیں، دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔

شافعیہ کا مذہب:

شافعیہ کے نزدیک فجر کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھنا مسنون ہے۔(۳۸۲) دعائے قنوت کے پسندیدہ الفاظ یہ ہیں:

"اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت و تولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شرما قضیت (۳۸۳) فانک تقضی ولا یقضی علیک وانہ لا یذل من والیت ولایعز من عادیت، تبارکت ربنا و تعالیت، فلک الحمد علی ماقضیت، استغفرک واتوب الیک (۳۸۴) وصلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الامی وعلی الہ و صحبہ وسلم"۔

(اے اللہ! مجھے ہدایت عطا فرما، ان میں سے جنہیں تو نے ہدایت دی، اور مجھے عافیت بخشے ان میں سے جنہیں تو نے عافیت دی)، دوست بنا، ان میں سے جنہیں تو نے دوست بنایا۔ جو کچھ تو نے دیا اس میں برکت عطا فرما اور جو فیصلہ تو نے کر لیا اس کے شر سے بچا۔ تو ہی فیصلہ کرتا ہے، تیرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا، جس سے تیری دوستی ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا اور جس سے تو دشمنی کرے اسے عزت نہیں ملتی، اے ہمارے رب! تو بابرکت ہے، تیرے فیصلوں پر تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں، میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ

وسلم پر جو نبی امی ہیں، آپ ؐ کی آل پر، آپ ؐ کے صحابہ پر اور سلامتی نازل ہو)۔

امام جمع کے صیغے کے ساتھ دعائے قنوت پڑھے یعنی اللھم اھدنا...... الخ کہے، کیوں کہ بیھقی میں جمع کے لفظ کے ساتھ دعا آئی ہے جو امام کے لیے ہے۔نووی نے الاذکار میں اس کی یہ وجہ بتائی ہے کہ امام کے لیے مکروہ ہے کہ وہ صرف اپنی ذات کے لیے دعا کرے۔کیوں کہ حدیث میں ہے" جو شخص کسی قوم کی امامت کرے وہ صرف اپنی ذات کے لیے دعا نہ کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو ان لوگوں سے خیانت کی"۔(۳۸۵)

ان الفاظ کو اختیار کرنے کی دلیل حاکم کی روایت ہے جو انہوں نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو یہ دعا کرتے:

اللھم اھدنی فیمن ھدیت...... الخ جو دعا اوپر مذکور ہے۔(۳۸۶) بیھقی میں اس عبارت کا اضافہ ہے: فلک الحمد علی ما قضیت (۳۸۷) (تیرے فیصلوں پر تیرے لیے تعریف ہے)۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رُخصت ہونے تک فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے رہے۔(۳۸۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ وغیرہ کی موجودگی میں صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے تھے۔

دعائے قنوت کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا سنت ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے، اسی طرح آپ ؐ کی آل پر درود بھیجنا بھی سنت ہے اور دوسری تمام دعاؤں کی طرح دعائے قنوت میں بھی ہاتھ اٹھانا مسنون ہے، اتباع سنت کا تقاضا ہے۔(۳۸۹)

اگر دعا مصیبت کے دفعیہ کے لیے ہو تو دونوں ہاتھوں کی پشت آسمانوں کی طرف کرنا سنت ہے اور کسی چیز کے حصول کے لیے دعا کرنے کے لیے دونوں ہتھیلیاں آسمانوں کی

طرف کرے۔ بعض شافعیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ دعائے قنوت میں وقنی شرما قضیت کے وقت ہاتھ الٹے کرنا مسنون نہیں کیوں کہ نماز میں حرکت نہیں کرنا چاہیے۔

صحیح یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانے کے بعد منہ پر ہاتھ نہ پھیرے کیوں کہ حدیث میں ایسا نہیں آیا، جیسا کہ بیھقی میں ہے۔امام، اتباع سنت میں بلند آواز سے دعائے قنوت پڑھے۔(۳۹۰)اور مقتدی وقنی شرما قضیت تک دعا پر آمین کہے۔(۳۹۱) جیسے قراءت کے بعد بلند آواز سے آمین کہی جاتی ہے اسی طرح بلند آواز سے آمین کہے۔فانک تقضی...... کے بعد سے آہستہ ثنا پڑھے کیوں کہ یہ ثنا اور ذکر ہے اور اس میں امام کی موافقت زیادہ مناسب ہے یا مقتدی اشھد (میں گواہی دیتا ہوں) کہے لیکن آہستہ پڑھنا افضل ہے، بعض کے نزدیک اشھد کہنا افضل ہے۔اگر امام کی آواز مقتدیوں تک نہ پہنچ رہی ہو تو دوسری تمام دعاؤں کی طرح مقتدی یہ دعا بھی آہستہ پڑھے، مستحب یہ ہے کہ ایسی تمام دعاؤں اور اذکار میں جن میں امام کی آواز نہ آئے آہستہ پڑھا جائے۔

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا دعا ہے کہ اس پر مقتدی آمین کہے یا ثنا ہے کہ اس میں مقتدی خود بھی شریک ہو؟

اسے دعا سمجھنا زیادہ مستند رائے ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے، صرف آمین پر اکتفا نہ کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔(۳۹۲) یہ نمازی کے علاوہ دوسرے افراد کے لیے ہے، البتہ آمین کہنا بھی درود بھیجنے کے مفہوم میں ہے۔

ان الفاظ کے علاوہ دعا اور ثنا پر مشتمل کسی بھی ذکر کے الفاظ دعا کے لیے استعمال کرنا درست ہیں مثلاً اللھم اغفرلی یا غفور کہے۔اللھم اغفرلی دعا ہے اور یا غفور ثنا ہے یا وارحمنی یا رحیم والطف بی یا لطیف لیکن بہتر یہ ہے کہ اللھم اھدنی...... پڑھے۔

پہلے تشہد کی طرح قنوت کو لمبا کرنا بھی مکروہ ہے البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

دعائے قنوت اللھم اھدنی...... الخ اور حضرت عمرؓ یا ابن عمرؓ کی دعائے قنوت اللھم انا نستعینک و نستھدیک...... الخ کو جمع کرنا مستحب ہے۔اکیلا نمازی یا ایسی جماعت کا امام جو لمبی نماز پڑھنا چاہتی ہو دونوں کو جمع کر لیں ۔ اگر ایک دعا پر اکتفا کرنا ہو تو صرف پہلی دعا پر اکتفا کرے۔

ان دعاؤں پر یہ اضافہ کرے:

اللھم عذب الکفرۃ والمشرکین اعداءک اعداء الدین ، الذین یصدون عن سبیلک و یکذبون رسلک و یقاتلون اولیائک، اللھم اغفر للمومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات، الاحیاء منھم والاموات، اللھم اصلح ذات بینھم والف بین قلوبھم، واجعل فی قلوبھم الایمان والحکمۃ و ثبتھم علی ملۃ رسولک و اوزعھم(الھمھم)ان یوفوا بعھدک الذی عاھدتھم علیہ وانصرھم علی عدوک و عدوھم ، الہ الحق، واجعلنا منھم.

اے اللہ! کافروں اور مشرکوں پر جو تیرے اور تیرے دین کے دشمن ہیں، عذاب نازل فرما، جو تیرے راستے سے روکتے ہیں، تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں، تیرے دوستوں سے جنگ کرتے ہیں۔اے اللہ! اہل ایمان مرد اور عورتوں مسلمان مرد اور عورتوں کو زندہ ہوں خواہ وفات پا گئے ہوں مغفرت فرما۔ اے اللہ! مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں اصلاح فرما دے، ان کے دلوں میں محبت پیدا فرما، ان کے دلوں میں ایمان و حکمت پیدا کر، انہیں اپنے رسول کی ملت پر ثابت قدم رکھ، انہیں توفیق دے کہ انہوں نے تجھ سے جو عہد کیا ہے اسے پورا کریں، مسلمانوں کی اپنے اور ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرما، اے سچے خدا! ہمیں بھی اہل ایمان میں سے بنا دے۔

دعائے قنوت جیسا کہ ہم بیان کریں گے نماز کے اجزا میں سے ہے۔ اگر کسی نے پوری یا کچھ دعائے قنوت چھوڑ دی یا قنوت نبوی اور قنوت حضرت عمرؓ کو جمع کرتے ہوئے

حضرت عمرؓ کی قنوت کا کچھ حصہ چھوڑ دیا یا قنوت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجا تو سجدۂ سہو کرے جیسا کہ اگر حنفی امام کی اقتدا میں قنوت چھوڑ دی یا حنفی امام نے قنوت چھوڑ دی اور مقتدی نے ادا کی تو بھی سجدۂ سہو کرے۔

حنابلہ کا مذہب:

حنفیہ کی طرح حنابلہ کے نزدیک (۳۹۳) بھی سارا سال وتر کی ایک رکعت میں رکوع کے بعد دعائے قنوت مسنون ہے، جیسا کہ رمضان کے دوسرے نصف کے بارے میں امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے۔ اگر رکوع سے قبل دعائے قنوت پڑھ لی تب بھی کوئی حرج نہیں، کیوں کہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔ (۳۹۴) حمید کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ سے صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ہم کبھی رکوع سے پہلے اور کبھی رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھتے تھے۔ (۳۹۵)

اگر امام ہو یا اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو بلند آواز سے اللھم انا نستعینک...... اور اللھم اھدنا فیمن ھدیت...... پڑھے۔ ابن قدامہ کے بقول دوسری دعا پڑھنا افضل ہے۔ کیوں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں پڑھنے کے لیے یہ کلمات سکھائے تھے جنہیں میں نماز وتر میں پڑھتا ہوں: اللھم اھدنی فیمن ھدیت...... الخ (۳۹۶) حضرت عمرؓ نے فجر کی نماز میں یوں دعائے قنوت پڑھی: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللھم انا نستعینک...... الخ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر درود بھیجا۔ اوپر مذکور دعا کے علاوہ اگر کوئی اور دعا قنوت میں کرنا چاہے تو کوئی حرج نہیں۔

جب امام دعائے قنوت شروع کرے تو پیچھے کھڑے ہوئے لوگ آمین کہیں، ہاتھ اٹھا لیں اور پھر ہاتھ چہرے پر پھیریں، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جب تم دعا کرو تو ہتھیلیوں

سے مانگو، ہاتھ کی پشت سے نہیں اور جب فارغ ہو جاؤ تو دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لو۔(۳۹۷) سائب بن یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور پھر چہرے پر پھیر لیتے (۳۹۸) مقتدی اگر امام کی دعائے قنوت سنے تو آمین کہے اور اگر نہ سنے تو خود دعائے قنوت پڑھے۔

وتر کے علاوہ صبح یا اور کسی نماز میں دعائے قنوت مسنون نہیں ہے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ فجر میں دعائے قنوت پڑھی اور عرب کے کسی قبیلے پر بددعا کی، پھر چھوڑ دی۔(۳۹۹)

دوم: مصیبت کے وقت دعائے قنوت:

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ (۴۰۰) کے نزدیک صرف مصیبت کے وقت دعائے قنوت کا حکم ہے مطلقاً نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف جہری نمازوں میں دعائے قنوت پڑھی جائے اور حنابلہ کے نزدیک جمعہ کے علاوہ تمام فرض نمازوں میں پڑھی جائے۔ جمعہ میں خطبے پر اکتفا کیا جائے(۴۰۱) یہ دعائے قنوت بلند آواز سے پڑھی جائے۔ مصیبت سے مراد، خوف، قحط، وبا، ٹڈی دل یا اس قسم کی کوئی اور مصیبت ہے۔ اس قنوت کا حکم سنت سے ثابت ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بئر معونہ میں قراء صحابہ کے قاتلوں پر ایک ماہ تک قنوت میں بددعا فرمائی۔(۴۰۲) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لیے دعا یا بد دعا کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد قنوت میں کرتے۔(۴۰۳)

مصیبت کے وقت جس قنوت کا حکم ہے وہ ہمیشہ نہیں پڑھی جائے گی، شافعیہ کی مشہور روایت یہی ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مصیبت کے وقت دعائے قنوت پڑھی تھی۔

جس طرح کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے اس طرح کی دعا کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قنوت میں یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللھم اغفر للمومنين والمومنات، والمسلمين والمسلمات، و الف بين قلوبهم و اَصلح ذات بينهم، و انصرهم على عدوک و عدوهم، اللهم العن كفرة اهل الكتاب الذين يكذبون رسلک، ويقاتلون اوليائک، اللهم خالف بين كلمتهم و زلزل اقدامهم، و انزل بهم بأسک الذى لايرد عن القوم المجرمين. بسم الله الرحمن الرحيم، اللهم انا نستعينک...... الخ

اے اللہ! اہل ایمان مردوں اور عورتوں، مسلمان مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما، ان کے دلوں میں محبت پیدا فرما، ان کی باہمی اصلاح فرما، ان کے اور اپنے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد فرما۔ اے اللہ! اہل کتاب کافروں پر لعنت فرما جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے دوستوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان کی آراء میں اختلاف پیدا کر دے، ان کے پاؤں متزلزل کر دے، ان پر ایسا عذاب بھیج جو مجرم قوم سے نہیں ٹلتا، بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللهم انا نستعينک......

اگر قنوت نازلہ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کرنا مسنون نہیں کیوں کہ شافعیہ کے بقول، یہ نماز کا حصہ نہیں ہے۔

ساتویں بحث: نماز وتر

وتر کے بارے میں بحث، اس کا حکم، اس کا طریقہ، وتر واجب ہے یا سنت، کس پر واجب ہے، کتنی رکعات ہیں، اس کا وقت کیا ہے۔ اس میں قراءت کیسے کی جائے، اس میں دعائے قنوت کا حکم اور دعائے قنوت پڑھنے کا موقع۔ (۴۰۴)

۱- وتر کا حکم اور اس کا طریقہ:

وتر پڑھنا اجماعاً مطلوب ہیں کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''اے اہل قرآن، وتر پڑھا کرو کیوں کہ اللہ وتر ہے اور وتر کو محبوب رکھتا ہے''۔(۴۰۵)وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھے کیوں کہ حدیث میں ہے: ''تین چیزیں مجھ پر واجب کی گئی ہیں، تم پر نہیں: چاشت کی نماز، قربانی اور وتر''۔(۴۰۶)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر نماز عیدین کی طرح واجب ہیں اور صاحبین اور دوسرے فقہاء کے نزدیک مؤکدترین سنت ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے اس ارشاد نبوی سے استدلال کیا ہے'' اللہ تعالیٰ نے ایک نماز کا تمہارے لیے اضافہ کر دیا ہے، وہ نماز وتر ہے۔ اسے عشا اور طلوع فجر کے درمیان پڑھا کرو''۔(۴۰۷) اس حدیث میں وتر پڑھنے کا حکم ہے جو وجوب کے لیے ہے، البتہ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ وتر کے منکر کو کافر قرار نہیں دیں گے کیوں کہ اس کا وجوب خبر واحد سے ثابت ہے اور اسے سنت قرار دینے کا مفہوم بھی یہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیٹھ کر یا بلا عذر سواری پر وتر پڑھنا درست نہیں۔

اس کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے، مثلاً ابوایوبؓ کی روایت ہے: وتر حق ہیں جو پانچ رکعات پڑھنا چاہے پانچ پڑھے، جو تین پڑھنا چاہے تین پڑھے اور جو ایک پڑھنا چاہے وہ ایک پڑھے۔(۴۰۸)

نیز بریدہ کی حدیث میں ہے: وتر حق ہیں، جو وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(۴۰۹)

جمہور نے متعدد احادیث کی بنا پر وتر کو سنت قرار دیا ہے مثلاً:

ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرض نمازوں کے بارے میں پوچھا

تو آپؐ نے فرمایا: پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا، کیا ان کے علاوہ بھی کوئی نماز فرض ہے۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں، ہاں! تم نفل پڑھو تو صحیح ہے۔(۴۱۰)

عبادہ بن صامتؓ کے سامنے ایک شخص نے وتر کو واجب کہا تو انہوں نے اسے جھوٹا قرار دیتے ہوئے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بندے پر دن رات میں پانچ نمازیں اللہ نے فرض کی ہیں۔(۴۱۱)

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ وتر فرض نمازوں کی طرح قطعی نہیں ہیں بلکہ مسنون ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔(۴۱۲)

چوں کہ بلا عذر سواری پر وتر پڑھنا جائز ہیں اس لیے سنن کے مشابہ ہیں۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔(۴۱۳)

یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے کیوں کہ امام ابوحنیفہ کی پیش کردہ روایات اگر صحیح ہوں تو تاکید پر محمول ہیں۔ بعض محدثین نے ان کے بارے میں گفتگو بھی کی ہے مثلاً ''جس نے وتر نہیں پڑھے وہ ہم میں سے نہیں''۔ اس حدیث میں ایک راوی ضعیف ہے۔ ابو ایوب کی حدیث ''وتر حق ہیں'' اگرچہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن یہ حدیث مستحب کام کی تاکید پر محمول ہے، کیوں کہ امام احمد کا قول ہے: جس نے جان بوجھ کر وتر چھوڑ دیے پس وہ برا شخص ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جانی چاہیے۔

۲- امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر کس پر واجب ہیں؟

وتر امام ابو حنیفہ کے نزدیک جمعہ اور عیدین کی طرح ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہیں جب کہ وہ واجب کا اہل ہو۔ ابو ایوب کی مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے جس میں ہے: وتر حق ہیں، ہر مسلمان پر واجب ہیں، جو پانچ رکعات پڑھنا چاہے پانچ پڑھے،

جو تین پڑھنا چاہے تین پڑھے اور جو ایک پڑھنا چاہے ایک پڑھے۔(۴۱۴)

جمہور کے نزدیک وتر ہر مسلمان کے لیے سنت مؤکدہ ہیں۔

۳- وتر کی مقدار اور کیفیت:

حنفیہ کے نزدیک وتر تین رکعات ہیں، ان کے درمیان سلام نہ پھیرا جائے بلکہ آخر میں سلام پھیرے جیسے کہ مغرب کی نماز پڑھی جاتی ہے حتی کہ اگر ان میں پہلا تشہد اور قعدہ بھول جائے تو واپس قعدہ کی طرف نہ لوٹے، اگر واپس لوٹ آیا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے تھے۔(۴۱۵)

وتر کی نیت کے بغیر وتر پڑھنا درست نہیں، تین رکعات کی نیت کرے، تینوں میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے، دو تشہد بیٹھے، پہلا اور دوسرا اور تیسری رکعت شروع کرتے ہوئے ثنا نہ پڑھے۔تیسری رکعت کے رکوع سے پہلے قراءت کے بعد تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے اور دعائے قنوت پڑھے اور آخر میں دائیں بائیں سلام پھیرے۔وتر میں ایک ہی بار تکبیر تحریمہ کہے اور ایک ہی بار سلام پھیرے۔

مالکیہ کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے، ان سے پہلے عشا کے فرضوں کے بعد کی دو سنتیں پڑھے اور سلام پھیر کر وتر کی رکعت پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص اور معوذتین یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھے۔

حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے کہ وتر ایک رکعت ہے۔(۴۱۶) امام احمد کہتے ہیں: ہم وتر ایک ہی رکعت کو سمجھتے ہیں۔اگر تین یا زیادہ رکعات پڑھی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک وتر کم از کم ایک رکعت اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعات ہیں۔جو شخص ایک سے زائد وتر پڑھنا چاہے اس کے لیے افضل یہ ہے کہ ہر دو رکعات کے

درمیان سلام پھیرے، پھر آخر میں ایک رکعت وتر کی نیت سے پڑھے اور سلام پھیرے، کیوں کہ ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعات اور وتر میں سلام پھیر کر انہیں الگ الگ کر دیتے تھے۔

وتر کی کم از کم مقدار پر مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کی دلیل مسلم کی روایت ہے جو ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے ہے کہ وتر رات کے آخری حصہ کی ایک رکعت ہے۔ ابوداؤد میں ابو ایوب کی روایت میں بھی ہے کہ جو ایک رکعت وتر پڑھنا چاہے وہ ایک رکعت پڑھ لے۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے تھے''۔

کامل وتر کی کم از کم مقدار تین رکعات ہیں، ان سے کامل تر پانچ، پھر سات پھر نو اور پھر گیارہ کیوں کہ یہ تعداد صحیح احادیث میں آئی ہے۔ مثلاً حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور دوسرے اوقات میں گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے''۔ پس دوسری سنتوں کی طرح ان میں بھی اضافہ درست نہیں۔ مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد صبح تک گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے، ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیتے اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کی نماز دو دو رکعات ہیں، جب تمہیں صبح ہونے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لو۔ (۴۱۷)

پانچ وتر پڑھنا حضرت ابو ایوب کی مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہے کہ: وتر ہر مسلمان پر حق واجب ہیں، جو پانچ رکعات پڑھنا چاہے وہ پانچ پڑھ لے۔ زید بن ثابت سے روایت ہے کہ وہ پانچ رکعات وتر پڑھتے تھے اور آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث جو بخاری ومسلم میں ہے یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعات پڑھتے جن میں سے پانچ وتر ہوتے۔ وتر کی رکعات میں صرف آخر میں بیٹھتے

تھے۔ابن عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی ایک روایت بیان کی۔(۴۱۸)حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تین وتر نہ پڑھا کرو، پانچ یا سات پڑھو تا کہ وتر نماز مغرب کے مشابہ نہ ہو جائیں۔(۴۱۹)

سات اور نو رکعات وتر پڑھنا حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہیں جو مسلم اور ابو داؤد نے بیان کیں اور ابن عباسؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اوپر مذکور حضرت عائشہؓ کی حدیث سے جو صحیحین میں ہے گیارہ رکعات وتر بھی ثابت ہوتے ہیں، امام احمد کا قول یہ ہے کہ مختلف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی ایک رکعت پڑھی اور اس سے پہلے نماز کی رکعات شامل کیں۔

۴- وتر کا وقت:

(۱) وتر کا اصلی وقت (۲) وتر کا مستحب وقت:

جمہور کے نزدیک وتر کا وقت نماز عشا کے بعد سے شروع فجر تک کا ہے۔عشا کی نماز سے پہلے وتر پڑھنا صحیح نہیں، اگر کسی نے نماز عشا سے قبل دانستہ یا بھولے سے وتر پڑھ لیے تو ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک وتر کا وہی وقت ہے جو عشا کی نماز کا وقت ہے البتہ وتر ادا کرنے کا وقت نماز عشا ادا کرنے کے بعد کا ہے، نماز عشا سے پہلے ادا نہیں کیے جا سکتے اگرچہ وہ بھی وتر کا شرعی وقت ہے لیکن اس وقت شرط مفقود ہے، یعنی عشا کی نماز اور وتر میں باہمی ترتیب ۔ البتہ اگر کسی نے بھولے سے نماز عشا سے قبل وتر پڑھ لیے تو انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں، صاحبین کے نزدیک دہرانے کی ضرورت ہے۔

کیوں کہ حدیث میں آتا ہے''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک نماز کا اضافہ کیا ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور اس کا وقت عشا سے طلوع فجر تک کا رکھا

ہے"۔(۴۲۰)

وتر کے وقت کے ساری رات پر پھیلے ہوئے ہونے کی دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت ہے وہ فرماتی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھے،شروع رات میں، درمیان میں اور آخر میں، سحری کے وقت تک آپؐ نے وتر پڑھے ہیں۔(۴۲۱) نیز حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح ہونے سے قبل وتر پڑھ لیا کرو۔(۴۲۲)

مالکیہ کے نزدیک وتر کا پسندیدہ وقت تہائی رات تک ہے اور جس وقت میں وتر ہو جاتے ہیں وہ طلوع فجر سے صبح کی نماز مکمل ہونے تک کا وقت ہے۔ اگر کسی نے وتر پڑھے بغیر صبح کی نماز پڑھ لی تو وتر کا وقت ختم ہو گیا اور اب اس کے ذمہ وتر کی قضا نہیں ہے کیوں کہ ان کے نزدیک وتر نوافل میں سے ہیں اور صبح کی سنتوں کے علاوہ اور کسی نفل نماز کی قضا نہیں ہے۔صبح کی سنتیں سورج ڈھلنے سے پہلے قضا کر لینی چاہییں۔وتر میں بلا عذر اتنی تاخیر کرنا کہ فجر طلوع ہو جائے مکروہ ہے اور وتر کا افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے۔

اگر کسی شخص نے رات کے شروع کے حصے میں وتر پڑھ لیے، پھر نفل پڑھتا رہا تو مالکیہ کے نزدیک وتر دوبارہ نہ پڑھے کیوں کہ ایک رات میں دو وتر نمازیں درست نہیں ہیں۔ یہی جمہور کی رائے ہے۔

شافعیہ کے نزدیک وتر کا پسندیدہ وقت آدھی رات تک ہے۔ باقی وقت میں وتر پڑھنا جائز ہیں۔اگر کسی نے مغرب اور عشا کی نمازیں اول وقت میں جمع کر کے پڑھیں تو عشا کا وقت شروع ہونے سے پہلے وتر پڑھ سکتا ہے۔رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنا مسنون ہے، خواہ اس سے پہلے سو گیا ہو کیوں کہ صحیحین میں ہے "وتر کو اپنی رات کی آخری نماز قرار دو"۔ اگر تہجد پڑھنے کی عادت ہے تو وتر تہجد کے بعد پڑھے۔اگر رات کے آخری حصہ میں جاگنے کا یقین نہ ہو تو عشا کے فرض اور سنتیں پڑھنے کے بعد وتر پڑھ

لے۔ اگر رات کے آخری حصہ میں جاگنے کا یقین ہو تو وتر تاخیر سے پڑھنا افضل ہیں کیوں کہ مسلم کی روایت ہے: ''جس کسی کو اندیشہ ہو کہ رات کے آخری حصے میں نہیں جاگ سکے گا تو رات کے شروع میں وتر پڑھ لے اور اگر امید ہو کہ رات کے آخری حصے میں جاگ جائے گا تو آخری حصے میں وتر پڑھے کیوں کہ اس وقت کی نماز میں فرشتے موجود ہوتے ہیں'' یہ طریقہ افضل ہے اور مسلم کی اس روایت کہ ''صبح کا آغاز وتر سے کرو'' کا مفہوم بھی یہی ہے۔(۴۲۳)

اگر کسی نے پہلے وتر پڑھ لیے پھر تہجد کی نماز پڑھی تو دوبارہ وتر نہ پڑھے یعنی وتر کا اعادہ سنت نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ایک رات میں دو بار وتر نہ پڑھے جائیں۔(۴۲۴)

حنفیہ کے نزدیک وتر کا مستحب وقت رات کا آخری حصہ ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کے اوقات کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ''آپؐ کبھی رات کے شروع میں پڑھ لیتے، کبھی درمیان میں اور کبھی آخر شب۔ پھر عمر کے آخری حصے میں آپؐ رات کے آخری حصے میں ہی وتر پڑھتے تھے''(۴۲۵) نیز ارشاد نبوی ہے: دو دو رکعات نماز پڑھا کرو اور جب صبح ہونے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ لو تا کہ پچھلی دو رکعات کے ساتھ مل کر وتر ہو جائیں۔(۴۲۶)

اسی طرح حنابلہ کے نزدیک بھی رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنا افضل ہے اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے، کیوں کہ مسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے: ''جسے اندیشہ ہو کہ رات کے آخری حصے میں نہیں اٹھ سکے گا......'' اور صحیحین میں ہے: تمہاری رات کی آخری نماز وتر ہونی چاہیے۔ اگر کسی کو اندیشہ ہو کہ رات کے آخری حصے میں نہیں اٹھ سکے گا تو رات کے شروع میں وتر پڑھ لے۔ ان تمام باتوں پر اتفاق ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ، ابو ذرؓ اور ابوالدرداءؓ کو سونے سے پہلے وتر پڑھنے کا حکم دیتے

ہوئے فرمایا: جسے اندیشہ ہو کہ رات کے آخر میں نہیں اٹھ سکے گا وہ رات کے شروع میں وتر پڑھ لے۔(۴۲۷)

جس نے رات کو وتر پڑھ لیے تھے، پھر تہجد کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو حنابلہ کے نزدیک دو دو رکعات پڑھے لیکن پچھلے پڑھے ہوئے وتر کو ضائع نہ کرے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے ایک رکعت پڑھے تاکہ پچھلی پڑھی ہوئی وتر کی ایک رکعت کے ساتھ مل کر یہ دو رکعات ہو جائیں، پھر دو دو رکعات پڑھتا رہے اور پھر تہجد کے آخر میں وتر پڑھ لے، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے:''وتر کو اپنی رات کی آخری نماز بناؤ''۔حنابلہ کی یہ رائے جمہور کی اوپر مذکور رائے کے خلاف ہے۔

حنابلہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے اور وتر میں بھی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہے لیکن اس کی خواہش یہ بھی ہے کہ وتر رات کے آخری حصے میں پڑھے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام جب سلام پھیرے تو یہ شخص اس کے ساتھ سلام نہ پھیرے بلکہ کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے تاکہ امام کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کے ساتھ مل کر یہ دو رکعات ہو جائیں۔

۵- وتر میں قراءت کا طریقہ:

حنفیہ کے نزدیک وتر کی ہر رکعت میں قراءت واجب ہے۔اور مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ[۸۷] دوسری میں الکافرون[۱۰۹] اور تیسری میں سورۂ اخلاص [۱۱۲] پڑھے، کیوں کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے تھے۔(۴۲۸)

مالکیہ کے نزدیک وتر کی ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص اور معوذتین یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھے اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سبح اسم

ربک الاعلی اور دوسری میں قل یا ایھا الکافرون پڑھے اور پہلی دو رکعات کی الگ نیت کرے اور تیسری رکعت میں وتر کی نیت کرے اور دو رکعات کے بعد سلام پھیرے، ہاں اگر کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو جو تینوں رکعات اکٹھی پڑھاتا ہو تو سلام نہ پھیرے۔ اکٹھی تینوں رکعات پڑھانے والے امام کے مقتدی کے علاوہ کسی کے لیے بھی دو رکعات کے بعد سلام پھیرے بغیر تینوں رکعات اکٹھی پڑھنا مکروہ ہیں، نیز پہلے دو رکعات پڑھے بغیر ایک وتر پڑھنا بھی مکروہ ہے، خواہ نمازی مسافر یا مریض ہو۔

شافعیہ کے نزدیک جو شخص تین وتر پڑھ رہا ہو اس کے لیے مستحب ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں الکافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھے اور جو شخص تین سے زائد رکعات پڑھنا چاہتا ہے اس کے لیے بھی یہی سورتیں پڑھنا مناسب ہیں کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین یعنی سورۃ الفلق اور الناس پڑھتے تھے۔(۴۲۹)

حنابلہ کے نزدیک تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص پر اکتفا کرنا مستحب ہے کیوں کہ ابی بن کعبؓ کی مذکورہ بالا روایت کا تقاضا یہی ہے۔ رہی حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث تو یہ ثابت نہیں ہے کیوں کہ اس میں ایک راوی یحییٰ بن ایوب ضعیف ہے۔ امام احمد اور یحییٰ بن معین نے معوذتین کے اضافے کو درست قرار نہیں دیا۔

۶- وتر میں دعائے قنوت:

حنفیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے۔(۴۳۰) وتر میں سارا سال دعائے قنوت پڑھی جائے، البتہ حنفیہ کے نزدیک وتر کی نماز ادا ہو چاہے قضا تیسری رکعت کے رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھی جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے پہلے دعائے قنوت

پڑھی ۔(۴۳۱)اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعائے قنوت پڑھے کیوں کہ حضرت علیؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعائے قنوت پڑھنا چاہتے تو تکبیر کہتے اور دعائے قنوت پڑھتے۔صبح کی نماز میں دعائے قنوت کے بارے میں مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے، وتر میں نہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھے کیوں کہ مسلم میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھی اور زہری نے حضرت سعید اور ابوسلمہ کے حوالے سے حضرت ابوہریرہؓ کے توسط سے اور حضرت انسؓ نے بھی یہی روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھتے تھے۔(۴۳۲) محدثین نے ابی بن کعبؓ کی حدیث کے بارے میں گفتگو کی ہے کہ وہ صحیح نہیں ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث میں ایک راوی متروک ہے۔

حنفیہ کے نزدیک دعائے قنوت کے الفاظ وہ مشہور دعا ہے جو حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے منقول ہے یعنی **اللھم انا نستعینک و نستھدیک**...... جو ہم نے قنوت کی بحث میں نقل کر دی ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ اس دعا کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھی بھیجے۔

حنابلہ کے نزدیک **اللھم اھدنی فیمن ھدیت**...... کے الفاظ پڑھنا افضل ہیں اور نمازی **اللھم انا نستعینک**...... بھی پڑھ لے۔حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ دعائے قنوت آہستہ پڑھی جائے۔(۴۳۳) حنابلہ کے نزدیک امام اور اکیلا نمازی بلند آواز سے پڑھے۔

شافعیہ کے نزدیک رمضان کے دوسرے نصف میں وتر کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھنا مستحب ہے اور یہ دعائے قنوت نماز فجر کی دعائے قنوت کی طرح ہے اور اس دعا کے آخر میں **اللھم انا نستعینک و نستھدیک و نستغفرک**...... بھی پڑھے، کیوں کہ **ابوداؤد** اور **بیھقی** میں ہے کہ حضرت ابی

بن کعبؓ رمضان کے نصف اخیر میں جب تراویح پڑھتے تو دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔(۴۳۴)

وتر کے بعد ذکر:

مستحب یہ ہے کہ وتر کے بعد سبحان الملک القدوس (پاک ہے بادشاہ عظمت والا) تین بار کہے اور تیسری بار آواز لمبی کرے، کیوں کہ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے سبحان الملک القدوس کہتے تھے۔(۴۳۵)

عبدالرحمٰن بن ابزی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ، قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے اور جب وتر سے اٹھنا چاہتے تو تین بار سبحان الملک القدوس کہتے اور تیسری بار آواز بلند کرتے تھے۔(۴۳۶)

وتر کے بعد کی دعا:

حضرت علیؓ بن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے آخر میں یہ دعا پڑھتے تھے:اللھم انی أعوذ برضاک من سخطک وأعوذ بمعافاتک من عقوبتک و أعوذبک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیتَ علی نفسک(۴۳۷)

(اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری مغفرت و بخشش کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ سے پناہ چاہتا ہوں۔ میں تیری تعریف اس طرح نہیں کرسکتا جیسے تو خود اپنی تعریف کرسکتا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کا طریقہ:

سعید بن ہشام کہتے ہیں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ کے وتر پڑھنے کا طریقہ بتائیں، تو انہوں نے کہا،

''ہم آپؐ کے لیے مسواک اور وضو کا پانی تیار کر دیتے، رات کو اللہ تعالیٰ جب چاہتا آپؐ کو اٹھا دیتا، آپؐ مسواک کرتے، وضو کرتے اور نو رکعات نماز پڑھتے تھے۔(۴۳۸) ان میں صرف آٹھویں رکعت کے بعد بیٹھتے، اللہ کا ذکر کرتے، اس کی حمد بیان کرتے، دعا کرتے پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پڑھتے، پھر بیٹھ جاتے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، اس کی حمد بیان کرتے، دعا کرتے پھر اتنی آواز سے سلام پھیرتے کہ ہم سن سکتے تھے پھر سلام پھیرنے کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے تو اس طرح، میرے بیٹے، یہ گیارہ رکعات ہو جاتیں''۔

''پھر جب آپؐ کی عمر مبارک زیادہ ہو گئی، بدن بھاری ہو گیا تو آپؐ سات رکعات وتر پڑھتے اور پھر دو رکعات اسی طرح پڑھتے جیسے پہلے پڑھتے تھے تو، میرے بیٹے، یہ نو رکعات ہوتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھنا شروع کرتے تو اس کا ہمیشہ التزام فرماتے اگر کبھی آپؐ پر نیند کا غلبہ ہوتا یا کوئی تکلیف ہوتی، رات کو نہ اٹھ سکتے تو دن میں بارہ رکعات پڑھتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پورا قرآن ایک رات میں نہیں پڑھا، اور کبھی پوری رات، صبح تک نماز نہیں پڑھی اور کبھی رمضان کے علاوہ پورا مہینہ روزے نہیں رکھے۔(۴۳۹)

احمد، نسائی اور ابوداؤد میں بھی اسی طرح کی روایت ہے اور اس میں ہے کہ جب آپؐ کی عمر مبارک زیادہ ہو گئی اور بدن بھاری ہو گیا تو آپؐ سات رکعات وتر پڑھتے اور صرف چھٹی اور ساتویں رکعات کے بعد بیٹھتے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے۔

نسائی کی روایت میں ہے کہ جب آپؐ کی عمر زیادہ ہو گئی اور بدن بوجھل ہو گیا تو آپؐ سات رکعات پڑھتے اور صرف آخر میں قعدہ کرتے تھے۔

حواشی وتعلیقات

۱- فتح القدیر والعنایة،۱:۱۹۴، البدائع،۱:۱۹۸-۲۲۰، تبیین الحقائق،۱:۱۰۶-۱۳۲، الدر المختار،۱:۴۴۷-۵۱۱، مراقی الفلاح،۴۱-۴۴

۲- الشرح الصغیر،۱:۳۱۷-۳۲۷، الشرح الکبیر،۱:۲۴۲، القوانین الفقهیه،۵۰وبعد، ۵۸، ۶۰

۳- تحفة الطلاب مع حاشیة الشرقاوی،۱:۱۹۵-۲۱۶،حاشیه الباجوری،۱:۱۶۷-۱۸۱، ۱۹۳ وبعد، مغنی المحتاج،۱:۱۵۲-۱۸۴، المهذب،۱:۷۱-۸۲، المجموع،۳:۳۵۶

۴- بلکہ شافعیہ نے ان کی تعداد بیس تک پہنچا دی ہے، سجدۂ سہو کی بحث میں ہم ان کی تفصیل بتائیں گے۔ان کو ابعاض اس لیے کہا جاتا ہے کہ کمی پوری ہونے میں یہ حقیقی اجزا یعنی ارکان کے مشابہ ہیں۔

۵- کشاف القناع،۱:۴۵۰، ۴۵۵-۴۶۰، المغنی،۱:۴۶۲-۵۵۹

۶- انہیں ہیئت اس لیے کہا گیا ہے کہ دوسرے مواقع پر یہ صفات ہیں۔

۷- ان کے نزدیک یہ آداب وفضائل کہلاتے ہیں۔

۸- مسلم(نصب الرایہ ۱:۳۱۰)

۹- احمد، اسحاق بن راہویہ، دارقطنی، طحاوی (نصب الرایة،۱:۳۱۱)

۱۰- حاکم، دارقطنی (مرجع سابق)

۱۱- متفق علیہ

۱۲- مسلم کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی

۱۳- وائل کی حدیث مسلم نے روایت کی اور مالک کی مسلم اور احمد نے (نیل الاوطار،۲:۱۷۹-۱۸۳)

۱۴- ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ الفاظ روایت کیے'' آپؐ جب نماز کے لیے تکبیر کہتے تو اپنی انگلیاں کھلی رکھتے(نیل الاوطار،۲:۱۷۶)

۱۵- ابن ماجہ کے علاوہ صحاح کی پانچوں کتب نے روایت کی(نیل الاوطار،۲:۱۷۶)

۱۶- الشرح الکبیر مع الدسوقی، ۱:۲۴۴، الشرح الصغیر و حاشیة الصاوی، ۱:۳۲۲

۱۷- حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ حدیث محدثین کے اصطلاح میں ایسی حدیث کو موضوع کہتے ہیں(نیل الاوطار، ۲:۱۸۱)

۱۸- ابوداؤد، نسائی، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے(نیل الاوطار، ۱:۳۹۴)

۱۹- دارقطنی، بیھقی، یہ حدیث ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ مرسل ہے(مرجع سابق، ۱:۳۹۶)

۲۰- دیکھیے: النظم المتناثر من الحدیث المتواتر از سید محمد جعفر کتانی، ۵۸، بخاری نے رفع یدین کے منکرین کے رد میں اپنی تالیف میں بتایا ہے کہ سترہ صحابہ سے رفع یدین ثابت ہے اور ان میں سے کسی نے ہاتھ نہ اٹھانے کی روایت بیان نہیں کی۔

۲۱- نیل الاوطار، ۲:۱۷۹-۱۸۲

۲۲- بخاری (المجموع، ۳:۴۲۴)

۲۳- احمد، مسلم، ابو داؤد، الفاظ نسائی کے ہیں۔

۲۴- ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

۲۵- بخاری

۲۶- ابوداؤد

۲۷- احمد، ابو داؤد

۲۸- نووی کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کی یہ حدیث غریب ہے میں اسے نہیں جانتا۔ بیہقی نے حضرت انسؓ سے اس مفہوم کی کئی احادیث روایت کی ہیں، لیکن سب ضعیف ہیں (المجموع، ۳:۲۷۲) لیکن مسلم کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے اور ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا کہ نماز میں نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں'' پھر آپؐ نے اتنی شدت سے یہ بات کہی کہ فرمایا: اس سے باز آ جائیں مبادا ان کی نظریں ہی اچک لی جائیں''۔ ابن سیرین سے ایک مرسل روایت ہے کہ الذین ھم فی صلاتھم خاشعون (المؤمنون ۲۳:۲)(جو لوگ اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں) کا سبب نزول یہی تھا کہ کچھ لوگ نگاہیں ادھر ادھر گھماتے رہتے تھے(نیل الاوطار، ۲:۱۸۹)

۲۹- احمد، نسائی اور ابو داؤد نے عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد کے لیے بیٹھتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھ دیتے، انگشت شہادت سے اشارہ کرتے، آپ کی نگاہ اشارے سے آگے نہ بڑھتی (نیل الاوطار، ۲:۱۸۹)

۳۰- متفق علیہ

۳۱- ابو داؤد، دارقطنی نے بھی اسی طرح کی ایک روایت بیان کی، ابو سعیدؓ سے صحاح کی پانچوں کتب نے اسی طرح کی روایت بیان کی۔ مسلم نے اپنی صحیح میں بتایا کہ حضرت عمرؓ یہ بلند آواز سے پڑھتے تھے (نیل الاوطار ۲:۱۹۵)

۳۲- (نیل الاوطار، ۲:۱۹۱-۱۹۲)، مسلم کی روایت میں ہے وانا اول المسلمین۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ اس امت کے پہلے مسلمان تھے اس لیے آپؐ کے حوالے سے درست تھا۔

۳۳- رد المحتار، ۱:۴۵۶، المغنی، ۱:۵۶۵

۳۴- حاشیہ الباجوری، ۱:۱۷۱ و بعد

۳۵- استعاذہ کا مطلب ہے قوت والے سے پناہ مانگنا تاکہ ہر ناپسندیدہ امر سے بچ سکے۔

۳۶- اس کی دلیل احمد اور ترمذی کی ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ثنا پڑھتے اور پھر کہتے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم من همزه و نفخه و نفثه۔ ابن المنذر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ قراءت سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا کرتے تھے۔ (نیل الاوطار، ۲:۱۹۶ و بعد)

۳۷- پانچ اصحاب صحاح نے روایت کی البتہ ترمذی نے ابن شہاب کا قول نقل نہیں کیا (نیل الاوطار، ۲:۲۲۲)

۳۸- المغنی، ۱:۴۹۰

۳۹- فتح القدیر، ۱:۲۰۴۔ یہ قول ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا۔

۴۰- ابو داؤد، ابن ماجہ نے کہا ہے کہ پہلی صف والے اسے سن لیتے اور پھر مسجد گونج اٹھتی (نیل الاوطار، ۲:۲۲۴)

۴۱- احمد، ابو داؤد، ترمذی (مرجع سابق)

۴۲- حاشیۃ الباجوری، ۱:۲۷۱، مغنی المحتاج،۱:۱۶۳

۴۳- المغنی،۱:۴۹۱، ۴۹۵

۴۴- ابو داؤد، احمد، ترمذی، ابن ماجہ (نیل الاوطار ،۲:۲۳۹)

۴۵- الشرح الکبیر، ۱:۲۳۸، الشرح الصغیر ،۱:۳۱۰

۴۶- الدر المختار ،۱:۴۷۷

۴۷- متفق علیہ۔ ابو داؤد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں، ہمیں خیال ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے کہ لوگ پہلی رکعت میں شامل ہوسکیں (نیل الاوطار ،۲:۲۲۶)

۴۸- متفق علیہ

۴۹- متفق علیہ

۵۰- الدر المختار ،۱:۵۱۰-۵۱۱

۵۱- احمد، ابن ماجہ نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے ان کے والد کے حوالے سے روایت کی۔

۵۲- احمد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

۵۳- ابو داؤد نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے روایت کی (نیل الاوطار ،۲:۲۲۳)

۵۴- ان کا نام مفصل اس لیے ہے کہ ان میں فواصل بہت زیادہ ہیں، ان کو بسم اللہ کے ذریعے الگ الگ کیا گیا ہے۔ یہ قرآن کے سات حصوں میں سے ساتویں حصہ پر مشتمل ہیں۔

۵۵- ان کی دلیل حضرت عمرؓ کا مکتوب ہے جو انہوں نے ابو موسیٰؓ کو لکھا تھا، جس میں کہا تھا کہ صبح کی نماز میں طوال مفصل، ظہر میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھا کرو، ابو حفص نے روایت کی۔

۵۶- احمد، الفاظ نسائی کے ہیں۔

۵۷- مذکورہ دونوں روایات کو احمد اور مسلم نے روایت کی ہیں

۵۸- ابو داؤد (نیل الاوطار ،۲:۲۳۱)

۵۹- متفق علیہ (نیل الاوطار ،۲:۲۳۵)

۶۰- الدر المختار و رد المحتار ،۱:۵۰۴، تبیین الحقائق، ۱:۱۳۰

۶۱- الشرح الصغیر، ۱:۳۲۵، الشرح الکبیر، ۱:۲۴۷

۶۲- حاشیہ الشرقاوی علی تحفۃ الطلاب، ۱:۲۰۵،شرح المحلی علی المنہاج،۱:۱۵۴

۶۳- ترمذی اور ابو داؤد کے علاوہ صحاح کی چاروں کتب نے روایت کی (نیل الاوطار،۳:۲۷۷)

۶۴- کشاف القناع،۱:۳۹۹ و بعد،۴۰۲

۶۵- نیل الاوطار،۲:۲۳۷

۶۶- احمد، نسائی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے(نیل الاوطار ،۲:۲۴۰) ابو موسیٰؓ سے اس طرح کی ایک حدیث احمد، مسلم، نسائی اور ابو داؤد نے روایت کی ہے (مرجع سابق،۲۴۱ و بعد)

۶۷- احمد، ابو داؤد، نسائی (مرجع سابق،۲۴۳ و بعد

۶۸- صحاح ستہ نے روایت کی (مرجع سابق،۲۴۴)

۶۹- صحیح حدیث ہے۔نسائی کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا، بخاری نے مختصراً روایت کی (مرجع سابق،۱۸۴)

۷۰- پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی۔ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔(مرجع سابق ۲۴۵)

۷۱- ابو داؤد، ابن ماجہ اور احمد نے یہ دونوں احادیث روایت کیں (مرجع سابق، ۲۴۶)

۷۲- آخری جملے کے علاوہ مسلم نے روایت کی، آخری جملے کا اضافہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں کیا۔

۷۳- یعنی اے رب! ہماری دعائیں قبول فرما، تو نے ہمیں ہدایت دی اس پر ہم تیری تعریف کرتے ہیں۔

۷۴- متفق علیہ(نیل الاوطار،۲:۲۴۹ و بعد)

۷۵- ایضاً (ایضاً،۲۵۱)

۷۶- اے تعریف وعظمت کے مستحق

۷۷- یہ مبتدا ہے اس کی خبر لامانع لما اعطیت ہے اور وکلنا لک عبد جملہ معترضہ ہے۔

۷۸- کسی مالدار یا خوش قسمت کو کچھ نہیں ملتا اصل خوش قسمتی آخرت کی ہے اور صرف تیری اطاعت ہی نفع پہنچاتی ہے۔

۷۹- مسلم، نسائی (نیل الاوطار،۲:۲۵۱)

۸۰- منیته المصلی للجلبی، ۳۱۸

۸۱- مسلم، ابو داؤد

۸۲- رد المحتار و الدر المختار، ۱:۴۶۵، ۴۷۰

۸۳- بخاری، (نصب الرایة،۱:۳۸۸)

۸۴- بخاری، ابو داؤد، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۸۵- متفق علیہ، یعنی کپڑا اس طرح لپیٹے کہ کوئی حصہ اوپر نہ اٹھا سکے اور نہ کہیں سے ہاتھ باہر نکال سکے۔(نیل الاوطار،۲:۷۶)

۸۶- مرد کی ہیئت کو تخویہ اور عورت کی ہیئت کو تطامن کہتے ہیں۔بعض فقہاء نے یہ تعبیر اختیار کی ہے کہ مرد اپنی کہنی سے بغل تک کا حصہ پہلو سے الگ رکھے۔

۸۷- مسلم، جانور سے مراد بھیڑ یا بکری کا چھوٹا بچہ ہے(نصب الرایہ،۱:۳۸۷)

۸۸- متفق علیہ(نیل الاوطار،۲:۲۵۶)

۸۹- ابو داؤد (ایضاً، ۲۵۷)

۹۰- صحاح ستہ نے روایت کی (ایضاً، ۲۵۶)یعنی زمین پر بازو نہ بچھائے۔قرطبی کہتے ہیں کہ اس کی کراہت میں کوئی شک نہیں اور اس کو ترک کرنا مستحب ہے۔ایک روایت میں افتراش الکلب کے الفاظ ہیں۔معنی ایک ہی ہیں۔

۹۱- ابو داؤد، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا(نیل الاوطار،۲:۲۵۷)

۹۲- ابن ماجہ، ابو داؤد، نے اور ثلاث مرات یعنی ”تین بار“ کا لفظ ساتھ نہ کہے۔

۹۳- احمد، مسلم، نسائی، ابو داؤد (نیل الاوطار،۲:۲۴۶)

۹۴- الدر المختار،۱:۴۷۲، تبیین الحقائق،۱۱۸۱، الشرح الصغیر،۱:۳۲۹، المغنی،۱:۵۲۲، حاشیه الباجوری،۱:۱۷۷، مغنی المحتاج،۱:۱۸۱

۹۵- احمد، مسلم، ابو داؤد

۹۶- سعید بن منصور نے یہ دونوں احادیث اپنی سنن میں روایت کیں

۹۷- مسلم، ابو داؤد، دقه وجله کے معنی ہیں کم اور زیادہ (نیل الاوطار،۲:۲۸۹)

۹۸- متفق علیہ

۹۹- نسائی

۱۰۰- یہ دونوں روایات ابن ماجہ کی ہیں۔

۱۰۱- شرح الحضرمیہ، ۴۶

۱۰۲- الدر المختار، ۱:۴۷۲، تبیین الحقائق، ۱:۱۱۸

۱۰۳- نسائی، ابن ماجہ (نیل الاوطار ۲:۲۶۳)

۱۰۴- ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ نے کہا ہے کہ یہ دعا رات کی نماز میں پڑھتے۔ ابو داؤد نے واجبرنی کی جگہ وعافنی کے الفاظ روایت کیے ہیں (نیل الاوطار ۲:۲۶۳، سبل السلام، ۱:۱۸۴)

۱۰۵- مغنی المحتاج، ۱:۱۷۱ و بعد

۱۰۶- مسلم اور ابن ماجہ کے علاوہ چاروں اصحاب صحاح نے روایت کی (نیل الاوطار ۲:۲۶۹)

۱۰۷- نیل الاوطار ۲:۱۸۴

۱۰۸- احمد، نسائی (نیل الاوطار ۲:۲۷۱) حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ الفاظ افضل ہیں۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک افضل الفاظ بھی ہم نے درج کر دیے ہیں'' جو چاہے دعا کرے'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے بارے میں نمازی جو چاہے دعا کر سکتا ہے بشرطیکہ گناہ کی دعا نہ ہو یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ قرآن و سنت میں مذکور دعاؤں کے علاوہ اور کوئی دعا جائز نہیں۔

۱۰۹- ابو داؤد

۱۱۰- مسلم، احمد، ابو داؤد (نیل الاوطار ۲:۲۷۵)

۱۱۱- احمد، ابو داؤد، نسائی، سعید بن منصور کی روایت میں ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، جب آپؐ قعدہ میں بیٹھے، تشہد پڑھا تو آپؐ نے بایاں پاؤں زمین پر بچھا دیا اور اس پر بیٹھ گئے (نیل الاوطار ۲:۲۷۳)

۱۱۲- بخاری، (نیل الاوطار ۲:۲۷۵)

۱۱۳- احمد (ایضاً)

۱۱۴- المغنی، ۱: ۵۳۳

۱۱۵- نسائی کے علاوہ صحاح کی تمام کتب نے روائیت کی۔ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا (نیل الاوطار، ۲: ۱۸۴)

۱۱۶- الدر المختار، ۱: ۴۷۴

۱۱۷- نیل الاوطار، ۲: ۲۸۳

۱۱۸- الشرح الصغیر، ۱: ۳۳۰

۱۱۹- بیہقی کہتے ہیں کہ ممکن ہے حرکت دینے سے اشارہ کرنا مراد ہو نہ کہ بار بار ہلانا تا کہ یہ حدیث ابن زبیر کی اس حدیث کے معارض نہ ہو جائے جو احمد، ابو داؤد، نسائی اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ آپ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے، اسے حرکت نہیں دیتے تھے اور آپ کی نگاہ اشارے سے تجاوز نہیں کرتی تھی۔ابن حجر کہتے ہیں کہ اصل میں یہ روایت مسلم میں ہے البتہ اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ آپ کی نگاہ تجاوز نہیں کرتی تھی (نیل الاوطار، ۲: ۲۸۳)

۱۲۰- احمد، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، بیہقی (مرجع سابق) بیہقی نے ابن عمرؓ سے ایک ضعیف حدیث بھی روایت کی ہے کہ ”نماز میں انگلی ہلانا شیطانی حرکت ہے“

۱۲۱- مغنی المحتاج، ۱: ۱۷۲ و بعد، حاشیہ الباجوری، ۱: ۱۷۷، المغنی، ۱: ۵۳۴

۱۲۲- مسلم نے روایت کیا ہے بعض شمار کنندگان کے نزدیک یہ پینتیس کا اشارہ ہے، اکثر لوگ اسے انسٹھ کا اشارہ قرار دیتے ہیں، فقہاء نے حدیث کے الفاظ کی پیروی میں پہلی رائے کو ترجیح دی ہے۔

۱۲۳- احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان

۱۲۴- نسائی

۱۲۵- مسند احمد اور صحاح ستہ نے روایت کی ہے۔ص ۹۰۵

۱۲۶- ابو داؤد نے بھی روایت کی (نیل الاوطار، ۲: ۲۳۲)

۱۲۷- الدر المختار، ۱: ۴۷۸

۱۲۸- الشرح الصغیر، ۱: ۳۱۹

۱۲۹- مغنی المحتاج، ۱: ۱۷۳ و بعد، المغنی، ۱: ۵۴۱

۱۳۰- مسند احمد اور صحیحین میں مذکور ہے۔

۱۳۱- نیل الاوطار ۲: ۲۸۴ و بعد

۱۳۲- ایضاً ۲: ۲۸۸

۱۳۳- احمد، ابو داؤد، ترمذی، دارقطنی

۱۳۴- الدر المختار ۱: ۴۸۰، تبیین الحقائق و حاشیه الشلبی ۱: ۱۰۸

۱۳۵- الدر المختار ۱: ۴۷۹، حاشیه الباجوری ۱: ۱۶۲، شرح الحضرمیة ، ۴۷

۱۳۶- اسنی المطالب فی احادیث مختلفة المراتب للحوت البیروتی ، ۲۵۳

۱۳۷- ابراہیم علیہ السلام کا بطور خاص ذکر اس لیے ہے کہ قرآن حکیم میں صرف انہیں کے لیے ''رحمت و برکت'' دونوں کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے رحمة الله و برکاته علیکم اهل البیت (هود ۱۱: ۷۳) (اے گھر والو، تم پر اللہ کی رحمت و برکت ہو) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں بنو ہاشم، بنو مطلب شامل ہیں اور آل سیدنا ابراہیم علیہ السلام میں حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور ان کی اولاد شامل ہیں۔

۱۳۸ بخاری، مسلم، الفاظ بخاری کے ہیں جنہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روایت کیا ہے (نیل الاوطار ۲: ۲۸۷)

۱۳۹- متفق علیہ، مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ الفاظ آئے ہیں: جب تم میں سے کوئی نماز سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے پناہ مانگے، عذاب جہنم سے، عذاب قبر سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ دعا واجب ہے (سبل السلام، ۱: ۱۹۴)

۱۴۰- مسلم نے حضرت علیؓ سے روایت کی

۱۴۱- اثرم نے روایت کی

۱۴۲- احمد، مسلم، ابو داؤد، حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کی سند قوی ہے (نیل الاوطار ۲: ۲۹۱)

۱۴۳- صحیح مسلم سے اختصار کے ساتھ (نیل الاوطار ۲: ۲۹۲)

۱۴۴- تشہد کے بعد کی دعا میں اور الفاظ بھی آئے ہیں۔ مثلاً ابو داؤد میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تشہد کے بعد یہ دعا سکھائی تھی: اللھم الف علی

الخیربین قلوبنا و اصلح ذات بیننا، واھدنا سبل السلام، ونجنا من الظلمات الی النور، وجنبنا الفواحش والفتن، ماظھر منھا وما بطن، و بارک لنافی اسماعنا و ابصارنا و قلوبنا و ازواجنا و ذریاتنا، و تب علینا انک انت التواب الرحیم، واجعلنا شاکرین لنعمتک مثنین بھا قابلیھا واتمھا علینا (اے اللہ! بھلائی پر ہمارے دلوں میں محبت پیدا کر دے، ہمارے باہمی معاملات کی اصلاح فرما دے، ہمیں سلامتی کی راہ دکھا، ہمیں تاریکیوں سے نجات دے کر نور کی طرف لے جا، ہمیں ظاہری اور پوشیدہ بے حیائیوں اور فتنوں سے بچا، ہمارے کانوں، آنکھوں، دلوں، بیویوں، شوہروں اور اولاد میں برکت فرما، اور ہم پر توجہ فرما، بے شک تو توبہ قبول کرنے والا ہے، رحم کرنے والا، ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار بنا، کہ انہیں قبول کرتے ہوئے ان کی وجہ سے تیری تعریف کریں۔اور ہم پر اپنی نعمتیں مکمل فرما)ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے پوچھا، نماز میں کیا کہتے ہو،تو اس نے کہا،تشہد پڑھتا ہوں، پھر کہتا ہوں اللھم انی اسالک الجنة و اعوذبک من النار (اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور آگ سے پناہ مانگتا ہوں)مجھے آپ کی اور معاذؓ کی گنگناہٹ نہیں آتی۔آپؐ نے فرمایا: میں اور معاذؓ بھی یہی کچھ گنگناتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جو دعا چاہے کرے، ماثور ہو یا نہ ہو۔ (سبل السلام،۱:۱۹۵)

۱۴۵- پہلی اور دوسری حدیث احمد نے اور تیسری بخاری نے روایت کی (نصب الرایة ۱:۴۲۸)

۱۴۶- مغنی المحتاج،۱:۱۷۷،الدر المختار،۱:۴۸۶

۱۴۷- مغنی المحتاج،۱:۱۷۷

۱۴۸- مراقی الفلاح،۴۴،الدر المختار،۱:۴۴۶ و بعد، تبیین الحقائق،۱:۱۰۸ و بعد

۱۴۹- جبرئیلؑ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا: کہ تم اللہ کی یوں عبادت کرو کہ اسے دیکھ رہے ہو، اگر اسے دیکھ نہیں رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ مسلم نے حضرت عمرؓ سے روایت کی۔

۱۵۰- ردالمختار،۱:۴۴۳ و بعد،مغنی المحتاج،۱:۱۶۵،المغنی،۱:۴۶۲،الشرح الصغیر،۱:۴۴۸

۱۵۱- یادر ہے کہ کبھی تعداد کم بھی ہوتی ہے کیوں کہ دو یا زیادہ سنتیں ایک نمبر کے تحت درج کر دی جاتی ہیں۔

۱۵۲- مراقی الفلاح، ۴۱-۴۴

۱۵۳- رد المحتار، ۱: ۴۷۸

۱۵۴- حفظةً، حفاظت کرنے والے فرشتے جو نامہ اعمال لکھتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے دن اور رات کے فرشتے تمہارے پاس بار بار آتے ہیں اور صبح اور عصر کے وقت اکھٹے ہوتے ہیں اور گناہ لکھنے والے، جنسی عمل کے وقت، بیت الخلاء میں جاتے وقت اور نماز کے دوران انسان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (الدر المختار و ردالمحتار، ۱: ۴۹۳)

۱۵۵- الشرح الصغیر، ۱: ۳۱۷-۳۲۲

۱۵۶- یہ سلام ہے جس کی وجہ سے وہ سب کام جائز ہو جاتے ہیں جو نماز میں ممنوع ہوتے ہیں۔

۱۵۷- الشرح الصغیر، ۱: ۳۲۳-۳۲۷

۱۵۸- یعنی دعا اور عاجزی

۱۵۹- نخنع یعنی تیرے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں، نخلع، ہر ایسی چیز کو چھوڑتے ہیں جو تجھ سے بے گانہ کر دے جیسے کہ ارشاد ربانی ہے۔ ففروا الی اللہ (الذاریات، ۵۱: ۵۰، اللہ کی طرف بھاگ کر جاؤ)

۱۶۰- نحفد: حاضری کے لیے تیز دوڑتے ہیں۔

۱۶۱ الجد: حق

۱۶۲- یہ امام مالک کی روایت ہے۔ ملحق، اسم فاعل ہے یا اسم مفعول یعنی ان سے ملنے والا، یا ان سے ملا ہوا۔

۱۶۳- یعنی نماز میں موجود لوگ

۱۶۴- تحفۃ الطلاب للانصاری، ۴۴-۴۹، حاشیۃ الشرقاوی علی التحفہ، ۱: ۱۹۹-۲۱۵، مغنی المحتاج، ۱: ۱۵۲-۱۸۴

۱۶۵- مسلم، مسلما کا لفظ ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

۱۶۶- ظہر اور عصر کے بارے میں بخاری و مسلم کی روایت ہے، ان کے علاوہ نمازوں کو ان پر قیاس کریں۔

۱۶۷- المجموع ،۱:۳۴۹-۳۵۲

۱۶۸- بخاری و مسلم

۱۶۹- صحیحین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل مذکور ہے۔

۱۷۰- پہلی حدیث صحیحین میں ہے دوسری صحیح ابن حبان اور بیہقی میں۔

۱۷۱- ابو داؤد

۱۷۲- یعنی اس کی حمد قبول کر کے اس کا بدلہ عطا فرما، ایک قول ہے، غفرله، (اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے) شیخین نے اس حدیث کے ساتھ روایت کی ہے کہ: "اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو"۔

۱۷۳- بخاری و مسلم نے رفاعہ بن رافع سے روایت کی۔

۱۷۴- مسلم

۱۷۵- ترمذی نے اسے حسن بتایا ہے۔

۱۷۶- مسلم کی روایت میں تین بار کا ذکر نہیں، ابو داؤد نے تین بار کا ذکر کیا ہے۔

۱۷۷- پہلی روایت ابو داؤد کی ہے جسے نووی نے صحیح بتایا ہے۔ ملانے اور کھلی رکھنے کی روایت بخاری کی ہے۔

۱۷۸- صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

۱۷۹- بخاری

۱۸۰- روایت کا کچھ حصہ ابو داؤد اور باقی ابن ماجہ میں ہے۔

۱۸۱- ترمذی نے سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے بارے میں اسے صحیح قرار دیا، بخاری نے تشہد میں بیٹھنے کی باب میں روایت کی۔

۱۸۲- بخاری نے استراحت کے بارے میں روایت کی ہے۔ پاؤں بچھانے کا ذکر ترمذی میں ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ روایت حسن صحیح ہے۔

۱۸۳- بخاری

۱۸۴- بخاری و مسلم

۱۸۵- بخاری

۱۸۶- مسلم، انگلیاں نہ ہلانے کا بیان ابو داؤد میں ہے۔

۱۸۷- ابو داؤد نے صحیح سند سے بیان کیا۔

۱۸۸- مسلم کی مذکورہ بالا حدیث کے باعث، جس میں ہے: جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھ چکے تو چار چیزوں سے پناہ مانگے اور کہے: اللهم إني اعوذبك من عذاب القبر و عذاب النار ومن فتنة المحيا و الممات و من فتنة المسيح الدجال (اے اللہ! میں عذاب قبر سے، آگ کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں)۔

۱۸۹- مسلم

۱۹۰- صحیح ابن حبان

۱۹۱- صحیحین کی اوپر مذکور حدیث کی وجہ سے کہ: اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا یعنی واجب کر دیتا۔

۱۹۲- مسلم

۱۹۳- ترمذی، یہ حدیث ضعیف ہے۔

۱۹۴- احمد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں، میں پوری رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑی رہی، آپؐ نے سورۂ البقرہ، آل عمران اور النساء پڑھیں۔ آپؐ جب کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں خوف کی بات ہوتی تو پناہ مانگتے، خوش خبری کی بات ہوتی تو اللہ سے اس کی درخواست کرتے تھے (نیل الاوطار ۲:۳۲۳)

۱۹۵- مغنی المحتاج ۱:۱۹۷ و بعد، المغنی ۲:۱۷ و بعد، کشاف القناع ۱:۴۴۴، فتح القدیر ۱:۲۸۵، الشرح الصغیر ۱:۳۴۲

۱۹۶- نسائی، ابو داؤد (نیل الاوطار ۲:۳۲۰)

۱۹۷- حاشیۃ الباجوری ۱:۱۷۸-۱۸۱

۱۹۸- الانفال: آیۃ ۳۵، المکاء: سیٹیاں بجانا، التصدیۃ: تالیاں بجانا

۱۹۹- کشاف القناع ۱:۴۵۰، ۴۵۷-۴۶۰، المغنی ۱:۴۶۲-۵۵۹

۲۰۰- الکــوع: ہاتھ کے انگوٹھے کے ساتھ کی ہڈی، البـوع: پاؤں کے انگوٹھے کے ساتھ کی ہڈی، الکرسوع: ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ساتھ کی ہڈی، الوسغ: گٹا، ہاتھ اور کلائی کے درمیان کا جوڑ۔

۲۰۱- ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کی (نصب الرایۃ ۲:۸۰)

۲۰۲- فتح القدیر ،۱:۲۸۸ و بعد، الدر المختار ،۱:۶۱۰، البدائع ۱:۲۱۷، الشرح الصغیر، ۱:۳۳۴، القوانین الفقہیہ ،۵۶، الدردیر نے کہا ہے کہ مستند یہ ہے کہ سُترہ کھڑا کرنا مستحب ہے۔ دیگر علماء کے مطابق مالکیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ سنت ہے (الشرح الکبیر ،۱:۲۴۴)

۲۰۳- العنزہ (نیزہ) لاٹھی سے بڑا اور نیزے سے چھوٹا ہوتا ہے۔

۲۰۴- بخاری اور مسلم نے ابو جُحیفہ سے انؓ کے والد کے حوالے سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحاء میں نماز پڑھی آپؐ نے سامنے چھوٹا نیزہ گاڑ لیا، عورتیں اور گدھے سامنے سے گزرتے تھے۔ (نصب الرایہ ،۱:۸۴)

۲۰۵- مغنی المحتاج ،۱:۲۰۰، المغنی ،۱:۲۳۷-۲۴۴، شرح الحضرمیۃ ،۵۶ و بعد

۲۰۶- متفق علیہ

۲۰۷- مسلم

۲۰۸- متفق علیہ

۲۰۹- مسلم نے طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت ابوذرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے سامنے کجاوے کے آخری حصے کی مانند سُترہ کھڑا کر لے۔

۲۱۰- متفق علیہ (نیل الاوطار ،۳:۲)

۲۱۱- الزج: نیزے کے نیچے لگا ہوا لوہا

۲۱۲- نیل الاوطار ،۳:۴

۲۱۳- حاکم نے کہا ہے کہ مسلم کی شرط پر ہے۔

۲۱۴- احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، بیہقی، امام احمد اور ابن مدینی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، سفیان بن عیینہ اور بغوی نے اسے ضعیف بتایا ہے۔ ابن الصلاح نے اسے مضطرب حدیث کی

مثال کے طور پر پیش کیا، ابن حجر کہتے ہیں: اس حدیث کے بارے میں ہم پریشان خیال ہیں۔(نیل الاوطار، ۳:۴)

۲۱۵- بخاری، مسلم

۲۱۶- یہ دونوں احادیث بخاری نے روایت کیں۔

۲۱۷- المغنی، ۱:۲۴۲ و بعد، المهذب، ۱:۶۹

۲۱۸- متفق علیہ

۲۱۹- عبدالرحمٰن بن حاتم نے اپنی سند سے روایت کی۔

۲۲۰- رزین (کنوز الحقائق للمناوی بهامش الجامع الصغیر، ۱:۱۲)

۲۲۱- احمد، نسائی، بخاری میں ابن عمرؓ سے اسی مفہوم میں ایک حدیث ہے (نیل الاوطار، ۳:۳)

۲۲۲- الصمد: بالکل وسط میں (نیل الاوطار، ۳:۵)

۲۲۳- فتح القدیر، ۱:۲۸۷ و بعد، البدائع، ۱:۲۱۷، رد المحتار، ۱:۵۹۴

۲۲۴- الشرح الصغیر، ۱:۳۳۶

۲۲۵- مغنی المحتاج، ۱:۲۰۰

۲۲۶- بخاری، مسلم میں (من الاثم کے الفاظ نہیں ہیں) بخاری میں خریفا کے الفاظ نہیں ہیں۔ سُترہ کی احادیث دیکھیے: شرح مسلم، ۴:۲۱۶-۲۲۸

۲۲۷- المغنی، ۱:۲۴۵ و بعد

۲۲۸- الدر المختار و رد المحتار، ۱:۵۹۳

۲۲۹- الشرح الکبیر، ۱:۲۴۶، حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر، ۱:۳۳۵

۲۳۰- مغنی المحتاج، ۱:۲۰۰، المهذب، ۱:۶۹، المجموع، ۳:۲۳۰

۲۳۱- المغنی، ۲:۲۳۹، کشاف القناع، ۱:۴۳۹

۲۳۲- احمد، مسلم، ابن ماجہ، قرین سے مراد شیطان ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ (نیل الاوطار، ۳:۵)

۲۳۳-ترمذی اور ابن ماجہ کے علاوہ کئی محدثین نے روایت کی ہے، نمازی کے سامنے سے گزرنے والے پر شیطان کا اطلاق عام ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ شیطانی عمل ہے(مرجع سابق)

۲۳۴-الدر المختار، ۱:۵۹۶ و بعد، البدائع،۱:۲۱۷، فتح القدیر، ۱:۲۸۹ و بعد

۲۳۵- ام سلمہؓ سے ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی،(نصب الرایہ،۲:۸۵)

۲۳۶- سہل بن سعد سے بخاری ومسلم نے روایت کی۔(نصب الرایہ،۲:۷۵ و بعد)

۲۳۷- القوانین الفقهیه،۵۶، حاشیه الدسوقی علی الشرح الکبیر،۱:۲۴۶

۲۳۸- مغنی المحتاج،۱:۲۰۰، المغنی،۲:۲۴۵، و بعد، کشاف القناع،۱:۴۳۸ و بعد

۲۳۹- رد المحتار ،۱:۵۹۳، القوانین الفقهیه،۵۶،المهذب ،۱:۶۹،المغنی،۲:۲۳۱، کشاف القناع،۱:۴۳۹

۲۴۰- ابوسعید خدریؓ سے ابو داؤد نے ضعیف سند سے روایت کی (المجموع،۳:۲۲۷، نصب الرایة، ۳:۷۶)

۲۴۱- بخاری

۲۴۲- البهیم۔ایسا سیاہ جس میں سیاہی کے علاوہ کوئی رنگ نہ ہو۔

۲۴۳- احمد، مسلم، الفاظ مسلم کے ہیں، ابن ماجہ

۲۴۴- بخاری کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی یعنی، مسلم اور چاروں اصحاب سنن کے ساتھ امام احمد نے بھی روایت کی۔

۲۴۵- المجموع،۳:۲۳۲

۲۴۶- عرض الکتاب، زبانی پڑھنا

۲۴۸- نہ بلند رکھے اور نہ پست یعنی پشت سے بلند نہ کرے۔

۲۴۹- یہاں تک کہ ہر جوڑ اپنی جگہ پر آ جائے۔بخاری کی روایت ہے حتی کہ ریڑھ کی ہڈی کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر آ جائے۔

۲۵۰- الهوی: بلندی سے نیچے کی طرف آنا

۲۵۱- اسے قعدہ استراحت کہتے ہیں

۲۵۲- نماز میں تورک کا مطلب ہے بائیں سرین پر بیٹھ جانا، الورکان: رانوں سے اوپر، جیسے کہ کعبین، پاؤں کے اوپر کے حصہ کو کہتے ہیں۔

۲۵۳- نسائی کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی۔ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا، بخاری نے مختصر روایت کی(نیل الاوطار،۲:۱۸۴)

۲۵۴- بخاری نے مالک بن حویرثؓ سے روایت کی(سبل السلام،۱:۲۰۰)

۲۵۵- اللباب شرح الکتاب،۱:۶۸-۷۷،القوانین الفقهیه:۵۷-۶۶،المهذب،۱:۷۰-۸۰، کشاف القناع،۱:۳۸۱-۳۵۹، مغنی المحتاج،۱:۱۴۸-۱۸۴، مراقی الفلاح،۴۴-۴۶

۲۵۶- ثنا یہ ہے کہ سبحانک اللهم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لااله غیرک کہے

۲۵۷- توجہ یہ ہے:وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفاً مسلما و ما انا من المشرکین، ان صلاتی و نسکی و محیایی و مماتی لله رب العلمین، لاشریک له و بذلک امرت و انا من المسلمین

۲۵۸- یعنی اس طرح کھڑا ہو کہ پاؤں کی انگلیاں اسی انداز میں ہوں جس میں سجدے میں تھیں۔

۲۵۹- حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک تشہد یوں پڑھے:التحیات لله والصلوات والطیبات ،السلام علیک ایها النبی و رحمة الله و برکاته،السلام علینا و علی عبادالله الصلحین، اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده و رسوله ،مالکیہ کے نزدیک یوں پڑھے:التحیات لله، الزکیات لله،الطیبات الصلوات لله...... الخ شافعیہ کے نزدیک یوں پڑھے:التحیات المبارکات الصلوات الطیبات لله،السلام علیک......الخ

۲۶۰- احمد،ابوداؤد،ترمذی نے موقوفاً روایت کی اور صحیح قرار دیا(نیل الاوطار،۲:۲۹۵)

۲۶۱- فتح القدیر،۱:۲۹۰-۲۹۷،البدائع،۱:۲۱۵-۲۲۰،الدر المختار،۱:۵۹۷-۶۱۳،الشرح الصغیر، ۱:۳۲۷-۳۴۲، القوانین الفقهیه،۵۱ وبعد،مغنی المحتاج،۱:۲۰۱-۲۰۳، المهذب ۱:۸۸ وبعد، کشاف القناع،۱:۴۲۱-۴۴۶، المغنی،۲:۷-۱۲

۲۶۲- سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔

۲۶۳-الکتاب مع اللباب،۱:۷۹

۲۶۴- عبث: کھیلنا، ایسا کام جس میں کوئی فائدہ نہ ہو، یہاں ایسا کام مراد ہے جو نماز کے افعال میں سے نہ ہو۔ کیوں کہ ایسا کام نماز کے منافی ہے۔

۲۶۵- حنفیہ کے نزدیک سجدہ کرنے کے لیے ایک بار کنکریاں ہموار کرنا جائز ہے لیکن نہ کرنا بہتر ہے کیوں کہ جب کسی کام کے بارے میں تردد ہو کہ یہ سنت ہے یا بدعت تو ترک سنت کو ارتکاب بدعت پر ترجیح ہوتی ہے نیز نماز شروع کرنے سے پہلے کنکریاں ہموار کرنا ممکن ہے۔ رد المحتار، ۱:۶۰۰

۲۶۶- ابن ماجہ نے حضرت علیؓ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے: نماز میں انگلیاں نہ چٹخارو (نیل الاوطار، ۲:۳۳۰)

۲۶۷- المغنی، ۲:۲۴۷-۲۴۹

۲۶۸- حضرت عائشہؓ کی حدیث احمد، ابن ماجہ کے علاوہ تمام اصحاب سنن نے روایت کی۔ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔

۲۶۹- احمد اور چاروں اصحاب سنن نے روایت کی۔ ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دی۔

۲۷۰- بخاری و مسلم، الفاظ مسلم کے ہیں۔

۲۷۱- احمد نے روایت کی، احمد، ابو داؤد اور ترمذی نے اسی مفہوم کی ایک اور حدیث کعب بن عجرہ سے روایت کی اور ابن ماجہ نے بھی کعب بن عجرہ سے ایک اور حدیث روایت کی جس میں کہا کہ ایک شخص نے نماز میں اپنی انگلیوں میں انگلیاں پھنسائی ہوئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ کر دیں (نیل الاوطار، ۲:۳۲۸-۳۳۰)

۲۷۲- ابن ماجہ کے علاوہ صحاح ستہ نے روایت کی۔ نیل الاوطار، ۲:۳۳۰

۲۷۳- ترمذی، نسائی، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے المستدرک میں روایت کی اور کہا کہ بخاری کی شرائط پر صحیح ہے لیکن بخاری نے روایت نہیں کی۔ نصب الرایہ، ۱:۸۹

۲۷۴- ابو داؤد نے صحیح اسناد سے روایت کی۔

۲۷۵- احمد، بخاری، نسائی، ابو داؤد (نیل الاوطار، ۲:۳۲۷، نصب الرایہ، ۲:۸۹)

۲۷۶- احمد، نسائی، ابو داؤد (ایضاً)

۲۷۷- ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے (ایضاً)

۲۷۸- ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی۔

۲۷۹- بخاری

۲۸۰- مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

۲۸۱- شیخین نے روایت کی۔ترمذی کی روایت میں ہے ''اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے'' آستین کا تعلق ہاتھ سے ہوتا ہے۔

۲۸۲- ابو داؤد (نیل الاوطار،۲:۳۳۱)

۲۸۳- احمد، ابو داؤد (نیل الاوطار،۲:۳۳۱)

۲۸۴- القوانین الفقهیه،۷۸

۲۸۵- شرح الحضرمیه، ۵۶

۲۸۶- یعنی بالوں کے کنارے اندر گھسیڑ دینا یا دوسرے الفاظ میں گوندھ لینا

۲۸۷- احمد نے مسند میں روایت کی (نصب الرایه ۲:۹۲)

۲۸۸- دونوں روایات ابن ماجہ میں ہیں۔

۲۸۹- اقعاء سے مراد دونوں سجدوں کے درمیان اپنی سرین ایڑیوں پر رکھ لینا۔عربوں کے ہاں یہی معنی ہیں۔اہل حدیث کے ہاں یہ مفہوم ہے کہ دونوں پاؤں بچھا لے اور ان پر بیٹھ جائے۔

۲۹۰- المغنی،۱:۵۹۰،کشاف القناع ،۱:۴۳۲،غایة المنتهی ،۱:۱۰۳،المهذب،۱:۶۶، المجموع، ۳:۱۸۵

۲۹۱- متفق علیہ

۲۹۲- متفق علیہ

۲۹۳- الدر المختار و رد المحتار،۱:۶۰۶ ،و بعد، فتح القدیر ،۱:۲۹۴ و بعد، البدائع،۱:۱۱۵

۲۹۴- ابو داؤد، احمد (نیل الاوطار،۲:۱۰۲)

۲۹۵- در المختار ،۱:۵۹۷ و بعد، البدائع،۱:۲۱۸ و بعد، المجموع،۳:۱۸۳، کشاف القناع، ۱:۳۱۹، غایة المنتهی ،۱:۱۰۱،المغنی،۱:۵۸۴

۲۹۶- ابو داؤد، احمد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کپڑا لٹکانے کی ممانعت کی روایت بیان کی اور ابن ماجہ نے منہ ڈھانپنے کی (نیل الاوطار ۲:۷۷ و بعد) کپڑا لٹکانے کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ کپڑا اتنا لمبا ہو کہ زمین پر گھسٹ رہا ہو۔

۲۹۷- المغنی، ۱:۵۸۴، نیل الاوطار ۲:۷۶

۲۹۸- نیل الاوطار ۲:۷۶

۲۹۹- المجموع ۳:۱۸۲، المہذب، ۱:۶۵

۳۰۰- المغنی، ۱:۵۸۶

۳۰۱- ترمذی، ابو داؤد (جامع الاصول، ۱۱:۲۸۰)

۳۰۲- الدر المختار، ۵:۲۵۲

۳۰۳- القسطلانی شرح البخاری، ۸:۴۳۰

۳۰۴- الشرح الکبیر، ۱:۲۱۷ و بعد

۳۰۵- چاروں اصحاب سنن نے ابو ایوب انصاریؓ سے روایت کی ہے (نصب الرایہ ۲:۱۰۲)

۳۰۶- البدائع، ۱:۱۱۵ و بعد، الشرح الصغیر، ۱:۲۶۷ و بعد، القوانین الفقہیہ، ۴۹، ۵۲، مغنی المحتاج، ۱:۲۰۳، حاشیہ قلیوبی و عمیرہ، ۱:۱۲۰، المہذب، ۱:۶۳، المجموع، ۳:۱۶۴-۱۶۸، المغنی ۲:۶۷-۷۶ کشاف القناع، ۱:۳۴۱-۳۴۹

۳۰۷- عبد بن حمید نے اپنی مسند میں روایت کی، ابن ماجہ، ترمذی نے کہا کہ اس کی روایت قوی نہیں ہے، اس میں ایک راوی ضعیف ہے۔ نیل الاوطار ۲:۱۳۸

۳۰۸- شافعیہ کے معتمد روایت کے مطابق بستیوں کے راستوں میں مکروہ ہے جنگل کے راستوں میں نہیں۔

۳۰۹- متفق علیہ

۳۱۰- راستہ جسے پاؤں سے روندا جاتا ہو، محجة الطريق اس راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ بالعموم چلتے ہوں۔

۳۱۱- پہلی حدیث مسلم اور نسائی نے جندب بن عبداللہ البجلی سے روایت کی۔ دوسری شیخین اور ابوداؤد

نے ابوہریرہؓ ان الفاظ سے: اللہ یہود کو تباہ کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے (نیل الاوطار ،۲:۱۳۶، الجامع الصغیر ،۲:۸۰)

۳۱۲- یعنی پانی پی کر جہاں بیٹھتے ہیں۔ معاطن ،معطن کی جمع ہے، پانی کے پاس جانوروں کے بیٹھنے کی جگہ

۳۱۳- احمد، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا (نیل الاوطار ،۲:۱۳۷) بکریوں کا باڑا، اونٹوں کے باڑے کی طرح ہے

۳۱۴- حش: حاء کی زبر اور پیش کے ساتھ، جو جگہ قضائے حاجت کے لیے ہو، خواہ نجاست سے طہارت کا انتظام بھی ہو۔ اصل میں حش باغ کو کہتے ہیں، پھر اس کا اطلاق قضائے حاجت کی جگہ پر ہونے لگا، کیوں کہ عرب قضائے حاجت کے لیے باغات میں جاتے تھے، پھر شہروں میں قضائے حاجت کی ہر جگہ کو حش (جمع، حشوش) کہا جانے لگا۔

۳۱۵- ابن القیم کی تحقیق کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز کعبہ میں داخل ہوئے، اندر سے تصاویر ہٹا دیں، پھر اس کے چاروں کونوں میں تکبیر کہی لیکن وہاں نماز نہیں پڑھی۔

۳۱۶- نسائی کے علاوہ صحاح کی پانچوں کتب حدیث نے روایت کی۔ شافعی ،ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔ مرسلاً روایت کی گئی ہے (نیل الاوطار ، ۲:۱۳۳)

۳۱۷- بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ چاروں اصحاب صحاح نے روایت کی (نیل الاوطار ،۲:۱۳۴)

۳۱۸- ابن ماجہ کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی (ایضاً ،۲:۱۳۵)

۳۱۹- المغنی ،۲:۷۴

۳۲۰- مراقی الفلاح ،۵۹

۳۲۱- پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا (نیل الاوطار ،۲:۳۳۶)

۳۲۲- المجموع ،۳:۱۶۹، المهذب ،۱:۶۴، البدائع ،۱:۱۱۶، المغنی ،۱:۵۸۸، ۲:۷۴، کشاف القناع ۱:۳۱۳، ۳۴۳-۳۴۶

۳۲۳- مدینہ اور شام کے درمیان ثمود یعنی قوم صالح علیہ السلام کی بستی

۳۲۴- یہ مسجد مدینہ میں مسجد قبا کے قریب منافقین نے تعمیر کی تھی تا کہ ان کی سازشوں کا مرکز بن سکے۔اس کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی:والذین اتخذ وامسجداً ضراراً و کفراً و تفریقاً بین المومنین وارصاداً لمن حارب اللہ و رسولہ من قبل (التوبہ،۱۰۷)

۳۲۵- تفسیر ابن کثیر،۲:۵۵۶

۳۲۶- المغنی،۱:۵۸۲-۵۸۸،المھذب،۱:۶۴-۶۶

۳۲۷-متفق علیہ

۳۲۸- بخاری وغیرہ نے روایت کی

۳۲۹- بخاری،تبان،(تا کی پیش اور با کی شد کے ساتھ)جانگیہ،چھوٹا لنگوٹا جو ملاح وغیرہ پہنتے ہیں۔ایک بالشت کپڑے کی مقدار شلوار جس سے صرف شرم گاہ ڈھانپی جاتی ہے۔

۳۳۰- ابو داؤد

۳۳۱- متفق علیہ

۳۳۲-ابوداؤد نے ابن مسعودؓ سے اور ترمذی ونسائی نے ابن عمرؓ سے روایت کی،ترمذی نے اسے صحیح بتایا۔

۳۳۳-بخاری ومسلم

۳۳۴-زاد المعاد،۱:۴۴۱

۳۳۵-ابو داؤد اور ترمذی نے ابو موسیٰؓ سے روایت کی،ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۳۳۶-متفق علیہ،عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے۔

۳۳۷-اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں،آپؐ نے ان سے فرمایا:جب تم سجدہ کرو تو اپنا بعض گوشت زمین سے لگا لیا کرو کیوں کہ اس معاملے میں عورت مرد کی طرح نہیں ہے۔

۳۳۸-اس حدیث کا متن ہے:جسے نماز میں کوئی شک ہو تو وہ تسبیح پڑھے،جب تسبیح پڑھے گا تو امام اس کی طرف متوجہ ہوگا۔عورتیں تالی بجائیں۔

۳۳۹-الحضرمیہ،۳۳،۴۶،۵۱،۶۸

۳۴۰- الدر المختار،۱:۵۹۵،القوانین الفقھیه،۶۶،الشرح الصغیر،۱:۴۱۰ وبعد،المھذب،

۸۰:۱،المغنی، ۵۵۹:۱ و بعد، کشاف القناع، ۴۲۶:۱ و بعد

۳۴۱- بخاری، مسلم اور ابو داؤد نے براء بن عازبؓ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو اسے پسند کرتے کہ آپؐ کی دائیں جانب ہوں تاکہ آپؐ ہماری طرف رُخ کریں۔ (نیل الاوطار ۳۰۶:۲)

۳۴۲- بخاری کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی (نیل الاوطار ۳۰۰:۲) احمد، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو اتنی مقدار بیٹھتے جتنی اللھم انت السلام و منک السلام، تبارکت یاذاالجلال والاکرام کہتے وقت لگتا۔ (ایضاً، ۳۰۵)

۳۴۳- احمد، نسائی، ابو داؤد، دوسری روایت میں "ہر نماز کے فوراً بعد" ان کلمات کی تخصیص کا سبب یہ ہے کہ یہ دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیوں پر مشتمل ہیں۔ (نیل الاوطار ۲۹۱:۲)

۳۴۴- طبرانی

۳۴۵- اس کی سند جید ہے۔ اس میں کلام کیا گیا ہے۔ نسائی و طبرانی نے قل ھو اللہ احد کا اضافہ کیا ہے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ دبر، قبل کی ضد ہے، کسی چیز کا پچھلا حصہ۔ (سبل السلام ۲۰۰:۱)

۳۴۶- غلبہ کے طور پر معوذات کہا گیا ہے، اس میں سورۂ اخلاص، فلق اور الناس تینوں شامل ہیں۔

۳۴۷- یہ حدیث کئی اسناد سے روایت ہوئی ہے، حسن یا صحیح ہے۔ احمد، ابو داؤد، نسائی، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ بعض حنابلہ کہتے ہیں کہ اس میں بہت بڑا راز ہے اور وہ یہ کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک کے وقت میں شر سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

۳۴۸- مسلم، مسلم کی دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اللہ اکبر چونتیس بار کہے تاکہ سو پورے ہو جائیں۔ (سبل السلام ۱۹۸:۱)

۳۴۹- پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی۔ ترمذی نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی اور صحیح قرار دیا۔ (نیل الاوطار ۳۰۱:۲)

۳۵۰- عبد بن حمید کی روایت میں "ولا راد لما قضیت" (جو فیصلہ تو کردے اسے رد کرنے والا کوئی نہیں) کا اضافہ ہے۔

۳۵۱- متفق علیہ۔طبرانی میں یہ اضافہ ہے:له الملک وله الحمد، يحيى و يميت وهو حيى لايموت بيده الخير اس کے راوی ثقہ ہیں(نيل الاوطار ۲:۳۰۰،سبل السلام،۱:۱۹۷)

۳۵۲- ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کی۔ترمذی نے کہا ہے کہ حسن صحیح ہے۔اس کے بعض راویوں پر سخت الفاظ میں تنقید کی گئی ہے۔نسائی نے لفظ مغرب کا ذکر نہیں کیا۔

۳۵۳-ابو داؤد، احمد،صحیح ابن حبان۔ایک راوی غیر معروف ہے۔

۳۵۴-بخاری، ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔بخل سے مراد ایسے مال کو روکنا ہے جسے خرچ کرنا شرعاً یا عادتاً واجب ہو۔بزدلی :خوف اور کام کرنے سے گریز کرنا، دنیا کی آزمائش سے مراد ایسی شہوات میں مبتلا ہو جانا جن کی وجہ سے واجب امور کا ترک لازم آئے۔اسے دوسری حدیث میں فتنة المحيا کہا گیا ہے،جس میں نماز میں چار اشیاء سے پناہ مانگی گئی۔ان امور سے پناہ مانگنے کا سبب یہ ہے کہ یہی وہ امور ہیں جو مختلف گناہوں میں مبتلا ہونے کا اور ہلاکت کا سبب بنتے ہیں۔(نيل الاوطار ۲:۳۰۳)

۳۵۵- دیکھیے:الاحیاء للغزالی،۱:۲۷۴-۲۷۸

۳۵۶- ابو داؤد،نسائی:ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے

۳۵۷-بخاری

۳۵۸-یعنی میرا ذکر آخر میں نہ کرو جس طرح سوار اپنا پیالہ کجاوے کے آخر میں لٹکا دیتا ہے(النهايه فى غريب الحديث والاثر لابن الاثير)

۳۵۹- بزار،اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے۔(مجمع الزوائد،۱۰:۱۵۵)

۳۶۰- ترمذی،ابن عدی اور بیہــــقــــی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے(حضرت عائشہؓ سے) الفتح الكبير،۱:۳۵۵

۳۶۱- ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی اور بتایا کہ غریب ہے۔احمد،حاکم وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔

۳۶۲- مسلم،اس کی اصل متفق علیہ ہے۔(تخريج احاديث الاحياء للعراقى،۱:۲۷۶)

۳۶۳-ترمذی نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔بیہقی،حاکم اور ابن ماجہ نے حضرت ابو بکرؓ سے۔ ابو یعلی نے ابن مسعودؓ سے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

۳۶۴-کشاف القناع،۱:۴۳۰،انہوں نے حدیث مقدادؓ سے استدلال کیا، جس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور دعا کی،اے اللہ! جس نے ہمیں کھلایا تو بھی اسے کھلا،جس نے ہمیں پلایا تو بھی اسے پلا۔اس سے متعارض حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جو بزار نے روایت کی اس کے تمام راوی ثقہ ہیں کہ:دعا کے وقت لوگ اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آ جائیں مبادا ان کی آنکھیں اچک لی جائیں(مجمع الزوائد،۱۰:۱۶۷)

۳۶۵-حاکم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔یہ صحیح حدیث ہے۔

۳۶۶-کشاف القناع،۱:۴۳۱

۳۶۷-احمد، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ (نیل الاوطار،۲:۳۰۴)

۳۶۸-المهذب،۱:۸۱،المغنی،۱:۵۶۰-۵۶۲

۳۶۹-بخاری،احمد (نیل الاوطار،۲:۳۰۹)

۳۷۰-مسلم

۳۷۱- ابو داؤد، ابن ماجہ

۳۷۲-المغنی،۱:۵۶۲

۳۷۳-شرح الحضرمیه،۴۹

۳۷۴-قنوت: دعا، عاجزی

۳۷۵-البدائع،۱:۲۷۳ و بعد، اللباب،۱:۷۸ و بعد، فتح القدیر ،۱:۳۰۹ و بعد، الدر المحتار،۱:۶۲۶-۶۲۸

۳۷۶- بزار، طبرانی، ابن ابی شیبہ، طحاوی (نصب الرایہ،۲:۱۲۷)،احمد ،ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ابن ماجہ نے ابو مالک اشجعی سے روایت کی ہے کہ ان کے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی، ان میں سے کسی نے دعائے قنوت نہیں پڑھی، امام احمد نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ عیہ وسلم نے ایک ماہ دعائے قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی۔بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ''دعائے قنوت مغرب اور فجر میں پڑھی گئی'' مسند احمد اور بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مضر کے لیے بد دعا کی تھی تا آنکہ یہ آیت نازل ہوئی۔ لیس لک من

الامر شی (آل عمران۳:۱۲۸) آپؐ کے اختیار میں کچھ نہیں ہے) احمد، مسلم، ترمذی، نے براء بن عازبؓ سے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں دعائے قنوت پڑھی (نیل الاوطار ۲:۳۳۸-۳۴۴)

۳۷۷-نصب الرایہ،۲:۱۲۳ و بعد

۳۷۸-نخلع کے معنی ہیں ہم چھوڑ دیتے ہیں۔نحفد: ہم تیری عبادت گرم جوشی سے بھاگ کر کرتے ہیں۔جیسے مسجد کی طرف جانا۔الجد: سچ یعنی ھزل (مذاق) کا متضاد ہے ملحق: ملنے والا۔ اسے حاء کی زیر اور زبر سے بھی پڑھا گیا ہے اور زیر سے فصیح تر ہے۔

۳۷۹- نصب الرایہ،۲:۱۳۵ و بعد

۳۸۰- ترمذی، ابو داؤد (المجموع،۲:۴۷۷)

۳۸۱- الشرح الصغیر، ۱:۳۳۱، الشرح الکبیر، ۱:۲۴۸، القوانین الفقھیہ، ۶۱

۳۸۲-مغنی المحتاج،۱:۱۶۶، المجموع،۲:۴۷۴-۴۹۰، المھذب،۱:۸۱،حاشیہ الباجوری، ۱:۱۶۸ و بعد

۳۸۳-یہاں دعا ختم ہوتی ہے اور اس کے بعد کا حصہ ثنا ہے۔ مقتدی دعاء میں آمین کہے اور ثنا آہستہ پڑھے یا اشھد (میں گواہی دیتا ہوں) کہے۔

۳۸۴-اس کا اجمالی مفہوم یہ ہے، مجھے ایسا راستہ دکھا جو تجھ تک پہنچائے، ان لوگوں کے ہمراہ جنہیں تو نے اپنے تک پہنچنے کا راستہ دکھایا، مجھے آزمائشوں سے محفوظ رکھ، ان کے ہمراہ جنہیں تو نے محفوظ رکھا، میرے معاملات کا وکیل اور محافظ ہو جا، ان لوگوں کے ساتھ جن کا تو ضامن اور محافظ ہو گیا۔ اے اللہ! برکت نازل فرما، جو کچھ تو نے مجھے دیا اس میں خیر فرما، تیری ناراضگی پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان سے حفاظت فرما، ورنہ تیری قضا سے بچنا ممکن نہیں۔ تو فیصلہ کرتا ہے، تیرے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ تیرے فیصلے کو کوئی بدل نہیں سکتا، تیرا دوست کبھی ذلیل نہیں ہوتا اور تیرے دشمن کو کبھی عزت نہیں ملتی۔ تیری بھلائی اور تیرا احسان ہردم بڑھتا رہتا ہے، تو ان باتوں سے پاک ہے جو تیرے لائق نہیں (جمع کے صیغہ کے ساتھ ربنا کہے خواہ نماز پڑھنے والا اکیلا ہوتا کہ سنت کی پیروی ہو) تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، ہر تعریف کی نسبت تجھ سے ہے، کیوں کہ تجھ سے ہمیشہ خیر صادر ہوتی ہے، شر ہماری نسبت سے ہوتی ہے۔ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور تیری

طرف رجوع کرتا ہوں۔

۳۸۵- ترمذی نے اسے حسن بتایا ہے۔

۳۸٦- حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۳۸۷- بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کی (سبل السلام، ۱:۱۸۷) بیہقی اور طبرانی میں یہ اضافہ ہے ولا یعز من عادیت (جس کا تو دشمن ہوا اسے عزت نہیں ملتی) ایضاً، ۱۸٦

۳۸۸- احمد، عبدالرزاق، دارقطنی، اسحاق بن راھویہ (نصب الرایہ، ۲:۱۳۱ و بعد)

۳۸۹- بیہقی نے جید سند سے روایت کی۔ دوسری تمام دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کی روایت شیخین وغیرہ نے کی ہے۔

۳۹۰- بخاری وغیرہ، ماوردی نے کہا کہ قراءت کی بہ نسبت آواز کم بلند ہونی چاہیے۔

۳۹۱- ابو داؤد نے سند حسن یا صحیح سے روایت کی۔

۳۹۲- ترمذی، حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ حدیث صحیح ہے۔

۳۹۳- المغنی، ۱:۱۵۱-۱۵۵، کشاف القناع، ۱:۴۹۰-۴۹۴

۳۹۴- مسلم

۳۹۵- ابن ماجہ

۳۹٦- ابو داؤد، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ قنوت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے زیادہ مستند روایت ہمیں کوئی معلوم نہیں، احمد، نسائی، ابن ماجہ (سبل السلام، ۱:۱۸٦، نصب الرایہ، ۲:۱۲۲)

۳۹۷- ابو داؤد، ابن ماجہ

۳۹۸- ابو داؤد نے ابن لھیعہ سے روایت کی۔

۳۹۹- مسلم، حضرت ابوہریرہؓ، ابو مسعودؓ اور ابو مالک اشجعیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی روایت کی جیسا کہ مذہب حنفیہ میں ہم نے بیان کیا۔

۴۰۰- اللباب، ۱:۷۹، حاشیہ الباجوری، ۱:۱٦۸، مغنی المحتاج، ۱:۱٦۸، المغنی، ۱:۱۵۵، کشاف القناع، ۱:۴۹۴، المہذب، ۱:۸۲، المجموع، ۳:۴۸٦

۴۰۱- یہ کشاف القناع کا قول ہے۔ ابن قدامہ نے کہا ہے کہ صبح کے علاوہ اور کسی فرض نماز میں دعائے قنوت نہیں ہے۔

۴۰۲- شیخین نے صلوا کما رأیتمونی اصلی (اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو) کے ساتھ روایت کی۔

۴۰۳- احمد، بخاری (نیل الاوطار، ۲:۳۴۳)

۴۰۴- فتح القدیر، ۱:۳۰۰-۳۰۱، الکتاب مع اللباب، ۱:۷۸ و بعد، البدائع،
۱:۲۷۰-۲۷۴، الشرح الصغیر، ۱:۴۱۱-۴۱۴، الشرح الکبیر، ۱:۳۱۵-۳۱۸، المھذب، ۱:۸۳، مغنی المحتاج، ۱:۲۲۱-۲۲۳، المغنی، ۲:۱۵۰-۱۶۵، القوانین الفقھیہ، ۸۹، کشاف القناع، ۱:۴۸٦-۴۸۸

۴۰۵- ابو داؤد، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۴۰٦- حاکم، احمد نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔ ذہبی کہتے ہیں کہ حاکم اس کے بارے میں خاموش رہے جب کہ یہ غریب منکر روایت ہے (نصب الرایہ، ۲:۱۱۵)

۴۰۷- آٹھ صحابہ نے روایت کی: خارجہ بن حذافہ، عمرو بن العاص، عقبہ بن عامر، ابن عباس، ابی بصرہ غفاری، عمرو بن شعیب اپنے والد، اپنے دادا سے، ابن عمر، ابو سعید خدریؓ۔ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے خارجہ کی حدیث روایت کی۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ حاکم نے روایت کی، اور کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ ترمذی اور حاکم نے اس کی تخریج نہیں کی کیوں کہ صحابی سے اکیلے تابعی نے روایت کی ہے۔ نصب الرایۃ، ۲:۱۰۸-۱۱۱

۴۰۸- ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ (نصب الرایہ، ۲:۱۱۲)

۴۰۹- احمد

۴۱۰- متفق علیہ۔ اسی طرح کی صحیحین میں حضرت معاذ کی حدیث ہے: اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ نصب الرایہ، ۲:۱۱۴

۴۱۱- ابو داؤد، احمد

۴۱۲- احمد، ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے

۴۱۳- متفق علیہ

۴۱۴- ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ابن حبان، حاکم ۔حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔(نصب الرایہ، ۲: ۱۱۲)

۴۱۵- حاکم نے روایت کی اور کہا کہ یہ روایت بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہے، صحیحین نے اسے روایت نہیں کیا۔نسائی میں الفاظ یوں ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعات میں سلام نہیں پھیرتے تھے، ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے(نصب الرایہ ۲: ۱۱۸ و بعد)

۴۱۶- المغنی، ۲: ۱۵۰

۴۱۷- متفق علیہ

۴۱۸- المغنی، ۲: ۱۵۹

۴۱۹- دارقطنی نے اپنی سند سے بیان کی اور کہا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں(نیل الاوطار، ۳: ۳۵)

۴۲۰- نسائی کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی(نیل الاوطار، ۳: ۳۹)

۴۲۱- صحاح ستہ نے روایت کی(نیل الاوطار، ۳: ۴۰)

۴۲۲- بخاری اور ابوداؤد کے علاوہ چاروں اصحاب صحاح نے روایت کی (ایضاً)

۴۲۳- حضرت ابوہریرہؓ کی وہ روایت کہ مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی نصیحت کی۔''ہر ماہ تین دن روزے رکھوں، چاشت کی دو رکعات اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں'' یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ اگر آخر شب اٹھنے کا یقین نہ ہو۔

۴۲۴- احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ضیاء نے طلق بن علی سے روایت کی اور وہ ضعیف ہیں۔ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے(نیل الاوطار، ۲: ۴۵)

۴۲۵- ابو داؤد نے دوسرے الفاظ سے روایت کی (نصب الرایہ ۲: ۱۴۵)

۴۲۶- صحیحین نے ابن عمرؓ سے روایت کی(نصب الرایہ، ۲: ۱۴۵)

۴۲۷- یہ تمام روایات صحیح ہیں۔مسلم وغیرہ نے روایت کی ہیں۔

۴۲۸- احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ (نیل الاوطار، ۲: ۴۲،۳۴)، ابن عباسؓ سے اسی طرح کی ایک روایت

ابن ماجہ نے بیان کی۔

۴۲۹- چاروں اصحاب سنن نے روایت کی۔ نیز ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی (نصب الرایة ۱۱۸:۲)

۴۳۰- المغنی،۲:۱۵۱-۱۵۳

۴۳۱- چار صحابہ سے روایت کی گئی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے ابی بن کعبؓ سے۔ دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے ابن مسعودؓ سے، ابونعیم نے الحلیة میں ابن عباسؓ سے اور طبرانی نے ابن عمرؓ سے لیکن ابن مسعودؓ کی روایت میں ایک راوی متروک ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث غریب ہے اور ابن عمرؓ سے صرف سعید بن سالم روایت کرتے ہیں (نصب الرایة ۲:۱۲۳)

۴۳۲- متفق علیہ

۴۳۳-حنفیہ نے ''بہترین دعا وہ ہے جو آہستہ کی جائے'' کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

۴۳۴-حنابلہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں انقطاع ہے۔

۴۳۵- ابو داؤد

۴۳۶-امام احمد نے مسند میں روایت کی۔

۴۳۷- پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی۔ (نیل الاوطار،۲:۴۲)

۴۳۸- اس حدیث سے نو رکعات اکٹھی پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ صرف آخر میں سلام پھیرا جائے اور آٹھویں رکعت کے بعد قعدہ کیا جائے لیکن سلام نہ پھیرا جائے۔

۴۳۹- احمد، مسلم، ابو داؤد، نسائی (نیل الاوطار،۲:۳۷)

فصل ہفتم

مفسدات نماز

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے نماز چند متعین اقوال و افعال کا نام ہے اور اسے تمام ارکان وشرائط کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے تا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق درست ہو، نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اس طرح نماز پڑھو۔(۱)

اگر نماز میں کوئی ایسا کام شامل ہو جائے جو نماز کی شرعی کیفیت کے خلاف ہو تو نماز فاسد یا باطل ہو جاتی ہے اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ عبادات میں فساد اور بطلان کا ایک ہی مفہوم ہے، البتہ معاملات میں حنفیہ کے نزدیک فساد اور بطلان میں فرق ہے۔

جب عبادت فاسد ہو جائے تو اس کا اعادہ واجب ہے۔فساد یا بطلان کا مطلب ہے، بعض فرائض کے فوت ہو جانے کے باعث عبادت عبادت نہ رہے۔

نماز کی شرائط سے اگر کوئی شرط، مثلاً طہارت اور ستر ڈھانپنا وغیرہ چھوڑ دی جائے تو نماز شروع سے ہی فاسد ہوتی ہے۔اگر نماز کے دوران ستر کھل جائے تو حنفیہ کے نزدیک اگر ایک رکن ادا کرنے کے دورانیہ کے برابر یعنی جتنے وقت میں تین بار تسبیح کہی جاتی ہے اتنا وقت اگر ستر کھلا رہے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔کبھی نماز کے فرائض میں سے کوئی فرض مثلاً تکبیر تحریمہ چھوڑنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور کبھی نماز کے ارکان میں سے کوئی رکن، مثلاً رکوع، سجدے چھوڑنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اول: فقہاء کے نزدیک نماز توڑنے والے امور:

فقہاء کے نزدیک نماز توڑنے والے اہم امور مندرجہ ذیل ہیں۔(۲) یاد رہے کہ

حنفیہ نے نماز توڑنے والی اشیاء کی تعداد اڑسٹھ، مالکیہ نے تقریباً تیس، شافعیہ نے ستائیس اور حنابلہ نے چھتیس بتائی ہے۔

۱- **نماز میں بات کرنا:** نماز میں جان بوجھ کر یا بھولے سے کم از کم دو حرف بولنا، خواہ ان کا کوئی مفہوم نہ ہو یا ایک ایسا حرف بولنا جس کا کوئی مفہوم ہو بشرطیکہ وہ حروف نماز کا حصہ نہ ہوں۔زید بن ارقم کہتے ہیں: ہم نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے، نمازی اپنے ساتھ کھڑے ہوئے دوسرے نمازی سے بات کر لیتا تھا تا آنکہ قوموا للہ قانتین (اللہ کے سامنے ادب اور خشوع و خضوع سے کھڑے ہوا کرو) کی آیت نازل ہوئی تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے روک دیا گیا۔(۳) معاویہ بن حکم السلمی کی روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک آدمی نے چھینک ماری، میں نے کہا یرحمک اللہ، تو لوگ گھور گھور کر میری طرف دیکھنے لگے، میں نے کہا، افسوس ہے، تمہیں کیا ہو گیا کہ میری طرف یوں گھور گھور کر دیکھ رہے ہو، تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارے، جب میں نے دیکھا کہ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے بہتر معلم نہیں دیکھا، آپ نے مجھے جھڑکا، نہ مارا نہ برا بھلا کہا بلکہ آپ نے فرمایا: نماز میں دنیوی باتیں نہیں کرتے۔نماز تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن کا نام ہے۔(۴)

اگر کوئی شخص بلا عذر اس طرح کھنکھارے کہ اس سے دو یا زیادہ حرف پیدا ہوں یا اوہ، ہائے، یا اُف کرے یا اس طرح روئے جس سے حروف سنے جائیں تو اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص بیماری سے یا اللہ کے خوف سے ایسا کرے تو اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہنے سے، سلام کا جواب دینے یا ایسی دعا کرنے سے جو انسانی گفتگو کے مشابہ ہو نماز ٹوٹ جاتی ہے البتہ ان مسائل میں فقہاء کے

ہاں تفصیلات ہیں جنہیں یہاں بیان کر دینا مناسب ہے۔

حنفیہ کے نزدیک (۵) گفتگو کرنے سے خواہ دانستہ ہو یا نادانستہ ،بھولے سے ہو یا جہات کے باعث، غلطی سے ہو یا زبردستی ہر حالت میں مستند رائے کے مطابق نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ گفتگو سے مراد ہے دو حرف ادا کرنا یا ایک ایسا حرف بولنا جس کا کوئی مفہوم ہو مثلاً عِ (سنو) قِ (بچو) وغیرہ۔اسی طرح سلام کرنے، زبان سے سلام کا جواب دینے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔صرف ہاتھ سے جواب دینا مستند رائے کے مطابق مکروہ ہے۔ چھینک کا جواب دینے یا بھولے سے ہی کسی انسان کو پکارنے کے لیے یا کہنے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔اگر کسی شخص نے بھولے سے نماز ختم کرنے کے لیے سلام کہہ دیا لیکن واقعتاً ابھی نماز ختم نہیں ہوئی تھی تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اگر سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی کیوں کہ یہ عمل کثیر (بڑا کام) ہے۔اگر کتے، بلی کو ایسی آواز میں بلایا یا گدھے کو ایسی آواز میں چلایا جس میں حرف نہ ہوں تو نماز نہیں ٹوٹتی کیوں کہ یہ صرف آواز ہے حروف نہیں۔

اگر کوئی شخص کسی مصیبت کے باعث بلند آواز سے رونے لگا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی کیوں کہ اس نے مصیبت کا اظہار کیا ہے۔

اس طرح بلا عذر کھنکھارنے سے جس سے کم از کم دو حروف کی آواز پیدا ہو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔اگر کوئی عذر ہو مثلاً کسی کی عادت ہو یا کسی ضرورت کے تحت مثلاً آواز بہتر کرنے اور گلا صاف کرنے کے لیے ہو یا امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے ہو یا یہ بتانے کے لیے کہ وہ نماز میں مصروف ہے تو صحیح قول یہ ہے کہ نماز نہیں ٹوٹتی۔اگر کسی عذر کی وجہ سے کھنکھارے تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ایسی دعا جو لوگوں کی گفتگو کی مشابہ ہو یعنی قرآن اور حدیث میں منقول نہ ہو اور ایسی شے سے متعلق ہو جس کا لوگوں سے مانگنا محال نہ ہو تو اس سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔نماز میں اوہ، آہ، اف اور تف وغیرہ کہنے

سے یا ایسی آواز سے رونے سے جس سے حروف پیدا ہوتے ہوں اگر کسی درد یا بیماری کے باعث ہوتو نماز ٹوٹ جائے گی۔ہاں، اگر بیماری اتنی شدید ہو کہ اوہ اور ہائے وغیرہ سے رکنا بس میں ہی نہ ہوتو حروف ادا ہونے کے باوجود نماز نہیں ٹوٹے گی اور انہیں چھینک آنے، کھانسی، ڈکار اور جمائی کی طرح سمجھا جائے گا۔

اتنی آواز سے سانس چھوڑنا جو سنی جائے خواہ اس سے اُف کہنے کا ارادہ ہو یا نہ۔ امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک نماز ٹوٹنے کا سبب ہے کیوں کہ ابن عباس کا قول ہے''نماز میں آواز سے سانس چھوڑنا گفتگو کی طرح ہے''۔(٦)

امام قراءت کے دران جنت اور دوزخ کا ذکر کرے تو اس وقت دعا کرنے یا رونے لگ جانے یا ہاں اور نہیں کہنے سے نماز نہیں ٹوٹتی کیوں کہ اس سے خشوع کا اندازہ ہوتا ہے۔

کوئی بری خبر سن کر اس کے جواب میں انا للہ و انا الیہ راجعون (البقرہ۲:۱۵٦)، ہم اللہ کے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) کہنے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے کیوں کہ اس سے جواب دینا مقصود ہوتا ہے، گویا یہ بھی گفتگو کے مشابہ ہے۔

اگر قرآنی آیت کا کوئی حصہ کسی بات کے جواب کے طور پر پڑھے مثلاً اس سے پوچھا گیا ہو، ھل مع اللہ الہ؟(کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے)تو جواب میں لا الہ الا اللہ کہے یا اس سے پوچھا جائے کہ تمہارا مال کیا کیا ہے تو کہے: الخیل والبغال والحمیر (گھوڑے، خچر اور گدھے) یا پوچھا جائے، کہاں سے آئے ہوتو کہے بئر معطلة و قصر مشید (بے کار کنواں اور کھنڈر محل)

یا قرآن کے الفاظ میں کسی کو خطاب کرے مثلاً اگر کسی کا نام یحییٰ یا موسیٰ ہوتو اسے کہے یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ(یحییٰ، کتاب قوت سے پکڑو)یا وما تلک بیمینک یا موسی (موسیٰ،تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟)یا دروازے پر کوئی کھڑا ہوتو اسے کہے ومن دخلہ کان آمنا (جو داخل ہوا اسے امن ہے)۔

اگر اللہ تعالیٰ کا نام سن کر جواب میں لا الہ الا اللہ یا جل جلالہ کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر جواب میں درود شریف پڑھا یا امام کی قراءت کے جواب میں صدق اللہ و رسولہ (اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا) کہا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر جواب کا ارادہ نہیں کیا بلکہ صرف ثنا اور تعظیم کی نیت سے یہ الفاظ کہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ نماز میں اللہ کی ثنا کرنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا نماز کے منافی نہیں ہے۔

کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر اس کا مفہوم سمجھ جانے سے نماز نہیں ٹوٹتی البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنے سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز ٹوٹ جاتی ہے کیوں کہ مصحف اٹھانا، اس میں دیکھنا اور ورق الٹنا عمل کثیر ہے نیز یہ اسی طرح ہے جیسے کسی دوسرے کا بتایا ہوا پڑھنا۔ صاحبین کے نزدیک نماز ٹوٹتی نہیں البتہ مکروہ ہے کیوں کہ نماز میں دیکھ کر تلاوت کرنا ایک عبادت کو دوسری عبادت سے ملانے کے مترادف ہے۔ مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: (۷)

مالکیہ کے نزدیک نماز درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں بات نہ کی جائے ہاں اگر ایسی بات ہو جو نماز کی جنس سے متعلق ہو یا نماز کی اصلاح کے لیے ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ جان بوجھ کر نماز کے دوران ایک لفظ بھی باہر کا کہنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مثلاً کسی کے جواب میں ہاں یا نہیں کہنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر نماز کی اصلاح کے لیے کوئی بات کی جائے اور صرف اتنی کی جائے جتنی کی ضرورت ہو، ضرورت سے زائد نہ ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی مثلاً امام نے چار رکعات والی نماز میں دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا یا پانچویں کے لیے کھڑا ہو گیا تو تسبیح کہنے سے نہیں سمجھ رہا تو مقتدی اگر اس سے کہے کہ "تم نے دو ہی رکعات پڑھی ہیں یا پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے ہو تو

نماز نہیں ٹوٹے گی، کیوں کہ ذوالیدین کے واقعہ میں ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مغرب یا عشا یا ظہر یا عصر کی نماز پڑھا رہے تھے، آپ نے دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا، پھر آپ قبلہ کی طرف ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس آ کر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے جب کہ آپ غصے میں تھے۔لوگوں میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی موجود تھے لیکن کسی کو بات کرنے کا حوصلہ نہ ہوا، جلدی جانے والے لوگ اٹھ کر چلے گئے تو ذوالیدین کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا ،یا رسول اللہ یا نماز مختصر ہو گئی یا آپ بھول گئے،آپ نے پوچھا، ذوالیدین کیا کہتے ہیں؟لوگوں نے کہا،صحیح کہتے ہیں، آپ نے دو ہی رکعات پڑھی ہیں۔آپ نے دو رکعات اور پڑھیں،سلام پھیرا، سجدہ سہو کیا پھر سلام پھیرا۔(۸)

اگر کوئی شخص کسی کو کوئی بات سمجھانے کے لیے نماز میں کوئی آیت تلاوت کرے مثلاً کہے ادخلو ھا بسلام (سلامتی کے ساتھ اندر آ جاؤ) تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

دانستہ کوئی ایسی آواز پیدا کرنے سے جو حروف سے خالی ہو مثلاً کوے کی آواز یا دانستہ منہ سے لمبا سانس لینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، ناک سے لمبا سانس لینے سے نہیں ٹوٹتی۔اگر یہ معلوم ہو یا گمان یا شک ہو کہ نماز ابھی پوری نہیں ہوئی اور دانستہ سلام کہہ لے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

شافعیہ کے نزدیک(۹) کوئی بھی ایسی بات جو انسانی گفتگو پر مشتمل ہو خواہ دو حروف ہوں جن کا کوئی مفہوم ہو اور خواہ نماز کی مصلحت اور ضرورت کے لیے کہے گئے ہوں اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مثلاً کوئی شخص کہے: مت اٹھو یا بیٹھو یا ایک حرف ایسا کہے جس کے معنی ہوں یا ایک حرف کو لمبا کر کے کہے کیوں کہ لمبا کرنے سے ایک حرف حقیقت میں دو حرف ہو جاتے ہیں۔صحیح یہ ہے کہ کھنکھارنا ، رونا اور اوہ کہنا یا لمبا سانس لینا اگر اس سے دو حروف پیدا ہوں تو ان سے نماز ٹوٹ جائے گی۔اگر غیر ارادی طور پر کوئی معمولی لفظ زبان سے

نکل گیا یا نماز میں بھول کر بات کر لی تو معذور ہے۔ذوالیدین کے واقعہ پرعمل اس کی دلیل ہے۔یا اگر کوئی شخص نیا نیا مسلمان ہوا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ نماز میں باتیں کرنا منع ہیں تو وہ بھی معذور ہے ہاں صحیح قول کے مطابق زیادہ گفتگو سے نماز ٹوٹ جائے گی۔(۱۰) معمولی بات میں معذور سمجھا جائے گا کیوں کہ عرف میں اگر کوئی شخص کھانستا ہے یا کھنکھارتا ہے یا اسے چھینک آتی ہے اور اس میں دو حرف ظاہر ہو جاتے ہیں یا لمبا سانس لیتا ہے تو عام طور پر ایسا غیر اختیاری طور پر ہو جاتا ہے اس لیے اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔اگر واجب قراءت کرنے کے لیے یا نماز کی دوسری دعائیں پڑھنے کے لیے گلا صاف کرنے کی ضرورت پڑے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔ہاں بلند آواز سے قراءت کرنے کے لیے کھنکھارنا عذر نہیں سمجھا جائے گا۔اگر کسی نمازی سے زبردستی کوئی معمولی بات کروائی گئی تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی، یہ اظہر روایت ہے، کیوں کہ اس طرح کا واقعہ شاذ و نادر پیش آتا ہے جیسے زبردستی کسی کا وضو توڑا جائے۔

حنابلہ کے نزدیک (۱۱) نماز کی مصلحت کے علاوہ انسانی گفتگو (جو دو یا دو سے زائد حروف پر مشتمل ہو) سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مثلاً کوئی کہے: لڑکے، مجھے پانی پلاؤ وغیرہ۔اگر نماز مکمل کرنے سے پہلے کسی نے بھولے سے سلام پھیر لیا اور پھر نماز کی مصلحت سے متعلق معمولی بات کر لی تو خواہ وہ امام ہو یا مقتدی اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی اور اس کی دلیل ذوالیدین کا واقعہ ہے۔اگر بغیر اختیار کے کسی کی زبان سے بات نکل گئی، مثلاً بھولے سے سلام کر دیا یا نیند کی حالت میں جب کہ اس پر ذمہ داری نہیں ہوتی کوئی بات زبان سے نکل گئی یا قراءت کرتے ہوئے سبقت لسانی سے کوئی ایسا لفظ نکل گیا جو قرآن میں نہیں ہے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی، کیوں کہ اس سے بچنا ممکن نہیں یا کسی کو زور کی کھانسی، چھینک یا جمائی آئی اور اس سے دو حرف ظاہر ہو گئے تو بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔

اگر زور سے سانس لینے سے دو حرف ظاہر ہو گئے تو نماز ٹوٹ جائے گی کیوں کہ ابن

عباس کی مذکورہ بالا روایت میں ہے" جس نے نماز میں زور سے سانس لیا اس نے گفتگو کی" اسی طرح اگر خوف خدا کے علاوہ کسی وجہ سے آواز سے نماز میں رویا جس سے کم از کم دو حرف پیدا ہو گئے یا بلا ضرورت کھنکھارا جس سے دو حروف پیدا ہو گئے تو نماز ٹوٹ گئی۔ اگر ضرورت کی وجہ سے کھنکھارے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

حنابلہ کے نزدیک نماز کے دوران مصحف سے دیکھ کر پڑھنا جائز ہے البتہ حافظ کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے خشوع باقی نہیں رہتا اور بلاضرورت سجدے کی جگہ دیکھنے سے انحراف ہوتا ہے۔ فرض نمازوں میں مطلقاً دیکھ کر پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ بالعموم فرض نمازوں کی اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان دو صورتوں (یعنی حافظ ہو اور فرض نماز میں) کے علاوہ چوں کہ قرآن سننے اور طویل قراءت کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک غلام حضرت عائشہ کی امامت کرتا تھا اور دیکھ کر قرآن پڑھا کرتا تھا۔ (۱۲) زہری سے پوچھا گیا کہ اگر رمضان میں کوئی شخص قرآن سے دیکھ کر (تراویح میں) قراءت کرتا ہے تو؟ انہوں نے کہا، ہم سے بہت بہتر افراد مصحف میں دیکھ کر قراءت کیا کرتے تھے۔

امام کو یا کسی دوسرے کو لقمہ دینا: یعنی قراءت کرتے ہوئے اگر غلط پڑھ جائے تو اسے بتانا کہ صحیح کیا ہے۔ اگر مقتدی امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دے تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ لقمہ دینا درحقیقت تعلیم و تعلم ہے اس لیے لوگوں کی گفتگو کی طرح ہے۔ البتہ مقتدی کے امام کو لقمہ دینے کے بارے میں فقہاء کے ہاں تفصیل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک (۱۳) اگر امام قراءت کرتے ہوئے رک جائے یا شک میں پڑ جائے تو دوسری آیت شروع کرنے سے پہلے مقتدی کے لیے جائز ہے کہ وہ امام کو لقمہ دے کر صحیح آیت بتا دے۔ اور اس میں قراءت کی نیت نہ کرے بلکہ امام کو لقمہ دینے کی نیت کرے کیوں کہ لقمہ دینے کی اجازت ہے۔ جب کہ امام کے پیچھے قراءت کرنا مکروہ

تحریمی ہے۔اگر امام نے اگلی آیت شروع کر دی تو لقمہ دینے والے کی نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر امام نے لقمہ لے لیا تو اس کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی کیوں کہ اب یہ لقمہ دینا اور لقمہ لینا بلا ضرورت ہے۔

مقتدی کے لیے مناسب یہ ہے کہ امام کو فوراً لقمہ نہ دے اور لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے جیسا کہ امام کے لیے بھی مکروہ ہے کہ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور کرے بلکہ مناسب یہ ہے کہ امام اگر قراءت میں رک جائے تو رکوع کر لے یا اگلی آیت شروع کر دے۔

اگر مقتدی نے امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دے دیا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ہاں اگر لقمہ دینے کے بجائے تلاوت کی نیت سے آیت پڑھی تو نماز نہیں ٹوٹے گی لیکن یہ مکروہ تحریمی ہے۔

اگر نماز سے باہر کوئی شخص لقمہ دے تو اس کا لقمہ لینے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے یا نماز سے باہر کا کوئی شخص کوئی کام کرنے کا کہے مثلاً صف کے درمیان کی خالی جگہ پُر کرنے کے لیے کہے اور اس کی بات مان کر وہ کام کر لے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔مناسب یہ ہے کہ کچھ دیر انتظار کرے پھر اپنے طور پر وہ کام کر لے تو درست ہے۔

امام کو لقمہ دینے کے جواز کی دلیل مسوّر بن یزید مکی کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور ایک آیت چھوڑ دی۔بعد میں ایک آدمی نے یاد دلایا کہ فلاں آیت رہ گئی، آپ نے فرمایا، تم نے اس وقت کیوں یاد نہیں دلایا۔(۱۴) ابن عمر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو قراءت میں کچھ گڑبڑ ہو گئی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو میرے والد سے پوچھا، آپ نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے انہوں نے کہا جی ہاں، تو فرمایا، آپ کو بتانے سے کس نے روکا تھا۔(۱۵)

مالکیہ کے نزدیک (۱۶) امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے

خواہ لقمہ دینے والا نمازی ہو یا کوئی اور۔اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو قراءت کرتے سنا اور دیکھا کہ وہ قراءت کرتے ہوئے رک گیا تو اسے صحیح الفاظ بتا دیے تو یہ باہمی گفتگو کی طرح ہے، البتہ امام اگر رک جائے یا آیت دہرا رہا ہو تو خواہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ ہی ہو اسے لقمہ دینا جائز ہے، اس سے نماز نہیں ٹوٹتی بلکہ واجب ہے۔اگر امام رک گیا لیکن آیت نہیں دہرائی تو لقمہ دینا مکروہ ہے۔

شافعیہ کے بقول (۱۷) امام کو لقمہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب امام رک جائے اور خاموش ہو جائے تو اسے آیت بتانا ہے۔جب تک امام آیت دہرا رہا ہو لقمہ نہ دیا جائے یا رحمت یا عذاب کی آیات پڑھتے ہوئے بار بار رحمت کی دعا اور عذاب سے پناہ مانگ رہا ہو تو بھی لقمہ نہ دیا جائے۔امام کی خاموشی کے وقت لقمہ دینے سے مقتدی کی قراءت کا تسلسل نہیں ٹوٹتا البتہ اگر امام دہرا رہا ہے تو اس صورت میں لقمہ دینے سے مقتدی کی قراءت کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اور اسے نئے سرے سے قراءت کرنی چاہیے۔

جو شخص امام کو لقمہ دے رہا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ یا تو صرف قراءت کی نیت کرے یا قراءت کی اور لقمہ دینے کی دونوں کی نیت کرے۔اگر صرف لقمہ دینے کی نیت کی یا سرے سے کسی چیز کی نیت نہ کی تو مستند روایت یہ ہے کہ نماز باطل ہو جائے گی۔امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دینے سے قراءت کا تسلسل منقطع ہو جاتا ہے۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ (۱۸) اگر امام قراءت سے رک جائے یا غلط پڑھنے لگ جائے تو مقتدی اسے لقمہ دے، نماز خواہ فرض ہو خواہ نفل۔اگر امام سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے رک جائے یا غلط پڑھ جائے تو لقمہ دینا واجب ہے کیوں کہ سورۂ فاتحہ صحیح پڑھی جائے گی تو نماز صحیح ہو گی۔اس طرح اگر امام کوئی رکن مثلاً سجدہ کرنا بھول جائے تو اس کے بارے میں لقمہ دینا بھی واجب ہے۔

اگر نمازی سورۂ فاتحہ مکمل پڑھنے سے عاجز ہو جائے تو اس کی مثال اس شخص کی سی

ہے جو کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، تو جس قدر پڑھ سکتا ہو اتنا پڑھ لے اور جو نہیں پڑھ سکتا وہ معاف ہے اور نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ اگر سورہ فاتحہ پڑھنے پر قادر نہ ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی کیوں کہ وہ نماز میں قراءت پر قادر ہے اور سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی کیوں کہ ارشاد نبوی ہے:'' جو شخص سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی''۔

جو شخص کوئی دوسری نماز پڑھ رہا ہو اسے لقمہ دینا نمازی کے لیے مکروہ ہے یا جو نماز میں نہ ہو اسے بھی لقمہ نہ دے، کیوں کہ اس طرح اپنی نماز سے توجہ ہٹ جاتی ہے البتہ نماز باطل نہیں ہوتی کیوں کہ ارشاد نبوی ہے:''نماز بذات خود مشغولیت ہے''۔(۱۹)

۲- **کھانا پینا:** کھانے پینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے البتہ فقہاء کے ہاں اس سلسلے میں چند معمولی تفصیلات ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک دانستہ یا بھولے سے جیسے بھی کھائے، تھوڑا چاہے زیادہ اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے کیوں کہ کھانا پینا نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے البتہ اگر چنے کے دانے سے کم کوئی چیز دانتوں میں پھنسی ہوئی رہ گئی، اگر اسے نگل لیا تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی، کیوں کہ اس سے مستقل طور پر بچنے کا اہتمام کرنا مشکل ہے، جیسا کہ روزے میں بھی یہی مسئلہ ہے۔

البتہ کسی چیز کو زیادہ چبانا مثلاً مسلسل تین بار چبانے سے یا منہ میں موجود شکر یا مٹھائی کی ڈلی نگل لینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جان بوجھ کر کھانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے خواہ ایک لقمہ ہی چبا کر کھایا ہو یا تھوڑی سی کوئی چیز پی لی ہو، اگر کوئی دانہ دانتوں میں پھنسا رہ گیا اسے کھانے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔اسی طرح راجح قول یہ ہے بھولے سے کھانے پینے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔البتہ سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لے۔اگر کھانا پینا دونوں جمع ہو گئے یا کوئی ایک سجدہ سہو

کے ساتھ جمع ہو گیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دانستہ معمولی سی چیز کھانے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے کیوں کہ کھانا پینا نماز کے بہت منافی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی نماز سے ہٹ گیا ہے۔البتہ بھولے سے یا لاعلمی کی وجہ سے اگر تھوڑی سی کوئی چیز کھا لی تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔اگر بھولے سے یا لاعلمی کی بنا پر زیادہ کھا لیا، خواہ وقفے وقفے سے تب بھی نماز ٹوٹ جائے گی البتہ اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔

بہت زیادہ کوئی چیز چبانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے خواہ وہ چیز معدے تک نہ پہنچے۔ شکر کی ڈلی منہ میں پگھل جائے اور اسے نگل لے تو اس سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے کیوں کہ یہ عمل نماز کے منافی ہے۔

اگر دانتوں کے درمیان اٹکی ہوئی کوئی کھانے کی چیز تھوک کے ساتھ معدے میں چلی جائے اور اسے منہ میں الگ کر کے نکال پھینکنا ممکن نہ ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

۳۔ مسلسل زیادہ کام کرنا: (عمل کثیر)

فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز میں مسلسل کوئی بڑا کام (زیادہ کام) کیا جائے خواہ بھولے سے ہو تب بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے کیوں کہ نماز میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حنفیہ کے نزدیک ہر وہ عمل کثیر جو نماز کا حصہ نہ ہو اور نہ نماز کی اصلاح کے لیے ہو اس کے کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مثلاً زیادہ رکوع اور سجدے کرنا اور نماز میں چلنا البتہ اگر کسی شخص کا نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے اور وہ نیا وضو کرنے کے لیے چل کر جائے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔زائد تکبیرات میں ہاتھ اٹھانے سے نماز نہیں ٹوٹتی البتہ مکروہ ہوتی ہے۔عمل کثیر سے مراد ایسا کام ہے جسے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ کام کرنے والا نماز میں نہیں ہے۔اگر دیکھنے والے کو شبہ ہو جائے کہ یہ نماز میں ہے یا نہیں تو وہ عمل قلیل ہے، صحیح قول یہی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک عمل کثیر دانستہ کرے یا بھول کر ہر حالت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے مثلاً بدن کو خارش کرنا، داڑھی سے کھیلنا، کندھے پر چادر ڈالنا، گزرنے والے کو روکنا یا ہاتھ سے اشارہ کرنا۔عمل قلیل مثلاً اشارہ کرنا یا کھجلی کرنا وغیرہ اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ایسا عمل جو کثیر اور قلیل کے درمیان ہو، مثلاً نماز سے ہٹ جانا، ایک طرف مڑ جانا اگر دانستہ ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی، بھولے سے ہو تو نہیں ٹوٹے گی۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عمل کثیر خواہ دانستہ ہو یا بھولے سے اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تھوڑے عمل سے نہیں ٹوٹتی ۔کم اور زیادہ عمل کا دارومدار عرف و عادت پر ہے۔ دو قدم چلنا یا دو بار مارنا کم عمل ہے اور مسلسل تین بار شافعیہ کے نزدیک عمل کثیر ہے۔ مسلسل کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بار کا عمل دوسری بار سے علیحدہ نہ ہو بلکہ لگاتار ہو۔

اچھلنے یا کوئی چیز پھاندنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، کیوں کہ یہ نماز کے منافی ہے البتہ مسلسل معمولی حرکت سے نماز نہیں ٹوٹتی، مثلاً تسبیح یا ہار کے دانوں کو انگلیوں سے حرکت دینا یا کھجلی کرنا وغیرہ یا زبان، پلکوں، ہونٹوں یا عضو تناسل کو مسلسل کئی بار حرکت دینے سے صحیح روایت کے مطابق نماز نہیں ٹوٹتی۔

ایسا کام جو نماز میں شامل نہ ہو لیکن عادتاً اسے معمولی سمجھا جاتا ہو اس کے کرنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے لیے نماز میں دروازہ کھول دیا تھا اور نماز کے دوران حضرت امامہؓ کو اٹھاتے اور نیچے چھوڑتے رہے۔(۴۰) اسی طرح اگر وقفے وقفے سے کوئی کام کیا جو ملا کر عمل کثیر ہو جاتا ہو یا کسی عذر کی بنا پر کوئی شخص غیر اختیاری طور پر کوئی کام کرتا رہا، مثلاً کسی کو ایسی بیماری ہو کہ وہ مسلسل ساری نماز کے دوران حرکت کرتا رہا ہو اور پرسکون رہنا اس کے بس میں نہ ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

بلاضرورت غیر مسلسل عمل کثیر مکروہ ہے۔حنابلہ کے نزدیک عمل کثیر کا اندازہ تین بار

یا اور کسی تعداد سے کرنا درست نہیں۔

شافعیہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے(۲۱) کہ عرف میں عمل کثیر، تین یا زیادہ بار کے عمل کو کہتے ہیں اگرچہ متعدد اعضاء سے کوئی عمل کیا گیا ہو مثلاً کسی نے اگر اپنے سر اور ہاتھ کو حرکت دی تو ہاتھ کے جانے اور واپس اپنی جگہ پر لوٹنے کو ایک بار کا عمل کہیں گے بشرطیکہ درمیان میں وقفہ نہ ہو۔ اسی طرح پاؤں اٹھانا ایک بار کا عمل ہے خواہ واپس پہلی جگہ رکھا ہو یا کسی دوسری جگہ، البتہ پاؤں کو حرکت دینا اور واپس اسی جگہ پر لانا دو بار شمار ہوگا کیوں کہ اچھل کود عمل کثیر ہے۔ اسی طرح سارے بدن یا اکثر بدن کو حرکت دینا بھی عمل کثیر ہے خواہ پاؤں اپنی جگہ پر جمے رہیں۔

اعضاء کی حرکت کے حوالے سے نماز فاسد ہونے کا تعلق بھاری اعضاء سے ہے۔ اگر کسی معمولی عضو کو حرکت دی گئی تو نماز باطل نہیں ہوتی مثلاً اگر کسی شخص نے ہتھیلی کو حرکت دیے بغیر صرف انگلیوں کو حرکت دی، مثلاً تسبیح یا ہار چلانے کے لیے یا زبان کو، یا پلکوں کو یا ہونٹ کو یا عضو تناسل کو بار بار حرکت دی تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ اس کی وجہ سے خشوع اور تعظیم میں خلل نہیں پیدا ہوتا اس لیے یہ عمل قلیل کے مشابہ ہے۔

اگر کسی کام کے بارے میں شبہ پڑ جائے کہ یہ تھوڑا ہے یا زیادہ تو مستند رائے یہ ہے کہ اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔

گفتگو اور عمل میں فرق یہ ہے کہ گفتگو خواہ کم یا زیادہ اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جب کہ عمل اگر قلیل ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی، زیادہ عمل سے ٹوٹتی ہے کیوں کہ معمولی حرکت سے احتراز ممکن نہیں ہے اس لیے وہ معاف ہے، اس سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ جب کہ شافعیہ کے نزدیک دانستہ بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ ہاں نادانستہ تھوڑی بات سے فرق نہیں پڑتا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

مصحف میں دیکھ کر پڑھنے سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو وجوہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے:

۱- مصحف اٹھانے، دیکھنے اور ورق پلٹنے میں عمل کثیر سے

۲- قرآن سے دیکھ کر پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی دوسرے سے سن کر پڑھنا۔ صاحبین نے اسے جائز قرار دیا ہے مگر مکروہ بتایا ہے۔ امام شافعی اور احمد کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

۳-نماز میں چلنا: اگر کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے قبلہ کی طرف چلے، اس طرح کہ پہلا اور دوسرا قدم رکھنے کے درمیان اتنا وقفہ ہو جتنے میں نماز کا ایک رکن ادا کیا جاتا ہے، ایک قدم رکھ کر کھڑا ہو جائے، پھر چلے اور پھر کھڑا ہو تو جتنا بھی چلے نماز نہیں ٹوٹتی بشرطیکہ اس جگہ سے نکل نہ جائے یعنی اگر نماز مسجد میں پڑھ رہا ہے تو مسجد سے نہ نکل جائے اور اگر صحرا میں ہے تو صفوں سے آگے نہ نکل جائے۔

۴-قبلہ کی طرف پشت کرنا: حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بلا عذر قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً وضو کرنے کے لیے جانے کی وجہ سے قبلہ کی طرف پیٹھ ہو جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی، کیوں کہ یہ معاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص لاعلمی کے باعث قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر دے یا بھول جائے اور قریب ہی سے واپس ہو جائے تو وہ بھی معذور ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جب تک نمازی کے پاؤں قبلہ کے رخ سے پھر نہ جائیں اس وقت تک نماز نہیں ٹوٹتی اور حنابلہ کے نزدیک جب تک نمازی سارے کا سارا قبلہ کی طرف سے نہ پھر جائے نماز نہیں ٹوٹے گی۔

۵- دانستہ ستر کھول دینا یا نادانستہ ہوا وغیرہ سے اتنی دیر کے لیے ستر کھل جائے جتنی دیر میں نماز کا ایک رکن ادا کیا جاتا ہے یا حنفیہ کے نزدیک تین تسبیحات کہنے کی مقدار اعضاء ستر میں سے کسی عضو کا ایک چوتھائی کھلا رہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر فوراً ستر ڈھانپ لیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ مالکیہ کے نزدیک اگر شرم گاہ کھل جائے تو نماز ٹوٹ

جائے گی، دوسرا ستر کھلنے سے نہیں ٹوٹے گی۔ ستر کھلنے میں پہلو یا کسی جانب سے کھلنے کا اعتبار ہے۔ اگر نیچے کے سوراخ وغیرہ سے ستر کھل جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

۶- **نماز کے دوران حدث اصغر یا حدث اکبر پیش آ جائے:** یعنی بے وضو ہو جائے یا غسل کی ضرورت پیش آ جائے، خواہ اس شخص کو پانی اور مٹی میں سے کوئی چیز میسر نہ ہو اور خواہ جان بوجھ کر حدث ہو یا بھولے سے ہو جائے۔ اگر کوئی شخص ہر وقت بے وضو رہنے کی وجہ سے معذور ہے اس کا عذر کے علاوہ کسی اور وجہ سے وضو ٹوٹ جائے تو اس کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی اگر شک ہو کہ شاید وضو ٹوٹ گیا ہے تو نماز جاری رکھے۔

اگر نماز میں اس طرح سو جائے کہ سرین زمین پر ٹکی ہوئی نہ ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس حدث سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جو قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر لاحق کیا جائے یعنی خواہ وضو توڑ دیا جائے۔ اگر کسی شخص کا قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے خود بخود وضو ٹوٹ گیا تو اس کی نماز درست ہو گئی۔ اگر نماز کے دوران کسی شخص کا بلا قصد وضو ٹوٹ گیا تو وہ وضو کر کے دوبارہ وہیں سے نماز جاری رکھ سکتا ہے۔ یہ استحسان کا تقاضا ہے۔ یعنی اگر بلا ارادہ کسی کے بدن میں پیشاب، پاخانہ، ہوا، نکسیر یا زخم وغیرہ سے خون بہہ نکلا ہو تو وہ دوبارہ وضو کر کے نماز جاری رکھ سکتا ہے۔

۷- **بدن، کپڑے یا جگہ میں ایسی نجاست لگ جانا جو معاف نہیں ہے:** جس شخص کا بدن یا کپڑا ناپاک ہو جائے یا کسی نے ناپاک چیز پر سجدہ کیا جو ایسی ناپاک ہے کہ اتنی نجاست معاف نہیں ہے یا اس کے منہ، ناک یا کان کے اندر نجاست بہہ پڑی تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر نجاست ایسی ہے یا اتنی مقدار میں ہے جس کی معافی ہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اگر کسی کے کپڑے پر خشک نجاست آ پڑے اور وہ فوراً اسے جھٹک دے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

۸- **قہقہہ مار کر ہنسنا:** یعنی آواز سے ہنسنا۔جمہور کے نزدیک (حنفیہ کے علاوہ)اگر اس طرح آواز سے ہنسا کہ اس سے دو حرف ظاہر ہو گئے یا ایک ایسا حرف جس کا کوئی مفہوم ہے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔قہقہہ مارنے سے نماز ٹوٹنے کی بنیاد وہ الفاظ ہیں جو قہقہہ کی صورت میں منہ سے نکلتے ہیں۔

حنفیہ نے ہنسنے اور قہقہہ مارنے میں فرق کیا ہے۔(۲۲) اگر نمازی اس طرح ہنسے کہ اس کی آواز پاس کھڑے شخص تک نہیں پہنچی تو یہ ہنسنا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے صرف نماز ٹوٹے گی، وضو نہیں اور قہقہہ وہ ہے جس کی آواز ہنسنے والا خود بھی سنے اور پاس کھڑے شخص تک بھی آواز پہنچے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں۔اگر ہنسنے میں سرے سے آواز نہ پیدا ہو تو یہ تبسم ہے، اس سے نماز ٹوٹتی ہے نہ وضو۔

حنفیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو کوئی قہقہہ مار کر ہنسے وہ نماز اور وضو دونوں کا اعادہ کرے۔(۲۳)

حنفیہ کے نزدیک قہقہہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جیسے تشہد کی مقدار آخری قعدہ بیٹھنے سے قبل دانستہ وضو توڑنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔اگر تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد وضو توڑا تو اس وقت نماز مکمل ہو جائے گی، اگرچہ وضو ٹوٹ جائے گا۔نماز کا وہی جز متاثر ہو گا جو وضو ٹوٹنے کے وقت کے ساتھ متصل تھا۔البتہ اس سے مسبوق کی نماز ٹوٹ جائے گی اور اس پر باقی ماندہ نماز کی بنیاد نہیں رکھی جا سکے گی، کیوں کہ جس جز میں امام قہقہہ مار کر ہنسا وہ فاسد ہو گیا، جس کے نتیجے میں ان مقتدیوں کی نماز درمیان سے فاسد ہو گئی جو بعد میں نماز میں شامل ہوئے اور جب نماز کا ایک جز فاسد ہو گیا تو ساری نماز فاسد ہو گئی۔

۹- **مرتد ہو جانا:** (کسی قول یا فعل سے اسلام چھوڑ دینا)، مر جانا، دیوانہ ہو جانا، بے ہوش ہو جانا۔

۱۰- **نیت میں تبدیلی:** نیت توڑنے سے یا نیت میں شک واقع ہونے سے یا نیت ختم

کرنے کا پختہ ارادہ کرنے سے یا نماز سے نکلنے کی نیت کرنے سے یا نماز میں جو کام کیے ہیں ان کو باطل کر دینے سے یا اس شک کی بنا پر کہ نیت کی ہے یا نہیں اور شک کے ساتھ نماز کے ارکان ادا کرنے سے بالاتفاق نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک (۲۴) اگر نماز کے دوران ایک نماز سے دوسری نماز کی طرف منتقل ہو جائے مثلاً ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا، ایک رکعت کے بعد عصر کی نماز یا نفل نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہہ لی تو ظہر کی نماز ٹوٹ گئی کیوں کہ دوسری نماز شروع کرنا صحیح تھی، اس لیے پہلی نماز سے نکل گیا۔ اگر اکیلا فرض پڑھ رہا تھا کہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی نیت سے تکبیر کہی یا عورتوں کی امامت کرانے کی نیت سے تکبیر کہی تو پہلی نماز فاسد ہوگئی اور دوسری نماز شروع ہوگئی۔

اگر نفل، واجب یا نماز جنازہ کی نیت سے نماز پڑھ رہا تھا کہ دوسرا جنازہ آ گیا اور اس نے تکبیر کہتے ہوئے دونوں کی نیت کر لی اور دوسری نماز جنازہ کی نیت کر لی تو پہلی نماز ٹوٹ گئی، دوسری شروع ہوگئی۔

لیکن اگر مثلاً ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا، ایک رکعت، یا اس سے کم یا زیادہ پڑھ چکا کہ پھر اس نماز کی از سر نو نیت کر کے تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دی تو پہلی پڑھی ہوئی نماز نہیں ٹوٹتی اور وہ رکعت اس نماز کی پہلی رکعت شمار ہوگی، کیوں کہ دوبارہ وہی نماز شروع کرنا صحیح نہیں تھا۔ اگر دوبارہ اسی نماز کے شروع کرنے کی نیت کی تو نیت بے کار چلی گئی۔ البتہ اگر تکبیر کہہ کر عورتوں کی امامت کرانے کی نیت کی یا امام کی اقتدا کی نیت کی یا امام کے پیچھے پڑھ رہا تھا اور اکیلے پڑھنے کی نیت کی تو ان صورتوں میں پہلی پڑھی ہوئی نماز باطل ہوگئی اور نئی نماز شروع ہوگئی۔

اگر زبان سے از سر نو نیت کر کے نماز شروع کی تو بہر حال نئی نماز شروع ہو جائے گی، خواہ پہلی نماز کو دوبارہ شروع کیا گیا ہو یا کسی اور نماز کو کیوں کہ زبان سے نیت کرنے سے پہلی نماز ٹوٹ جاتی ہے اور دوسری نماز شروع کرنا درست ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر نمازی نے نئی نماز شروع کرنے کی نیت کی تو دیکھا جائے گا کہ:

اگر دوسری نیت سے نمازی نے بعینہٖ وہی پہلی نماز شروع کی ہے اور کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے تو پہلی نماز باطل نہیں ہوگی اور پہلے پڑھی ہوئی نماز شمار ہوگی، ہاں اگر زبان سے نیت کر لی یا امام کی اقتدا کرنے کی یا عورتوں کی امامت کرنے کی نیت کر لی تو پہلی نماز ٹوٹ جائے گی۔

اگر کسی دوسری نماز کی نیت کی تو پہلی نماز باطل ہو جائے گی اور نئی نماز شروع ہو جائے گی، خواہ زبان سے نیت کی ہو یا دل سے۔شافعیہ کے نزدیک فرض نماز کو نفل میں تبدیل کرنا جائز ہے،اس صورت میں پڑھی ہوئی نماز توڑنا ضروری نہیں، اس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔

۱۱- **غلط قرآن پڑھنا:** حنفیہ کی اس سلسلے میں دو آراء ہیں:(۲۵) ایک متقدمین کی اورشافعیہ بھی اس رائے سے متفق ہیں اور وہی رائے احتیاط کے تقاضوں کے مطابق ہے اور دوسری متاخرین کی اور اس میں آسانی ہے۔متقدمین کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ:

قرآن کے الفاظ میں ایسی تبدیلی جس کے باعث کفر کے اعتقاد کا مفہوم پیدا ہوتا ہو یا ایسے الفاظ بولنا جو قرآن کے الفاظ نہ ہوں یا ایسے الفاظ جن کے باعث معنی میں بہت زیادہ فرق پڑ جاتا ہو مثلاً ھذا الغراب (المائدہ ۳۱:۵) کے بجائے ھذا الغبار پڑھنا۔یا ایسے الفاظ پڑھنا جو قرآن میں نہیں ہیں اور ان کا کوئی مفہوم نہیں،مثلاً السرائر (الطارق ۹:۸۶) کے بجائے السرائل پڑھنا۔امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ایسے الفاظ جو قرآن میں دوسری جگہ موجود ہوں لیکن ان کی وجہ سے معنی میں فرق پڑتا ہو لیکن بہت شدید فرق نہ پڑتا ہو،اس سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک نماز نہیں ٹوٹتی کیوں کہ اس میں ابتلا بہت عام ہے۔

اگر ایسا لفظ پڑھا جائے جو قرآن میں نہ ہو لیکن اس سے معنی میں زیادہ تبدیلی نہ آتی

ہو مثلاً قوامین (النساء۴:۱۳۵) کی جگہ قیامین پڑھنا تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نماز نہیں ٹوٹتی جب کہ امام یوسف کے نزدیک ٹوٹ جاتی ہے۔

متأخرین کی رائے یہ ہے کہ اعراب میں غلطی سے نماز مطلقاً نہیں ٹوٹتی۔خواہ اس کا اعتقاد کفر ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ اکثر لوگ اعراب میں فرق نہیں کر سکتے۔

اگر ایسی غلطی ہو کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا تو اگر یہ تبدیلی ایسی ہے کہ بلا تکلف اس میں فرق کیا جا سکتا ہے، مثلاً صاد کی جگہ طا پڑھ لیا گیا اور صالحات کی جگہ طالحات پڑھ لیا تو بالاتفاق نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر ان الفاظ میں مشکل سے فرق کیا جا سکتا ہے جیسے سین اور صاد تو اگر صراط کی جگہ سراط پڑھ لیا تو اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ اس میں عام ابتلا ہے۔

شدّ والے حرف کو بغیر شدّ کے اور اس کے برعکس پڑھنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، مثلاً افعیینا کو شد کے ساتھ یا اھدنا الصراط میں لام کو ظاہر کر کے پڑھا یا ایک آدھ حرف کا اضافہ کر دیا مثلاً الصراط الذین ، یا دولفظوں کو ملا کر، مثلاً ایا کنعبد پڑھ لیا یا درمیان میں وقف کر لیا یا وقف کو ملا لیا تو خواہ اس سے معنی بدل جائیں نماز نہیں ٹوٹتی۔البتہ اگر رب العلمین اور ایاک نعبد(الفاتحہ، ۱:۵) میں شد کے بغیر پڑھا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔اگر کسی لفظ کا اضافہ کر دیا یا کم کر دیا یا کوئی حرف کم کر دیا اور آگے پیچھے ہو گیا یا ایک حرف کو دوسرے سے بدل دیا مثلاً من ثمرہ اذا اثمر واستحصد اور تعال جد ربنا اور انفجرت کی جگہ انفرجت یا اواب کی جگہ ایاب پڑھ لیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی جب تک کہ معنی نہ بدل جائیں۔

اگر کوئی لفظ دہرانے سے معنی بدل جائیں مثلاً رب رب العلمین پڑھا تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔اگر کسی لفظ کو دوسرے ایسے لفظ سے بدل دیا جس سے معنی بدل گئے مثلاً ان الفجار لفی جنات یا لعنۃ اللہ علی الموحدین پڑھ لیا یا نسب تبدیل کر دیا، مثلاً عیسیٰ

بن لقمان یا مریم بنت غیلان پڑھ لیا تو نماز ٹوٹ جائے گی، البتہ موسیٰ بن لقمان پڑھنے سے نہیں ٹوٹے گی۔ اگر لفظ تبدیل کرنے سے معنی نہ بدلیں مثلاً الرحمن کی جگہ الکریم پڑھ لیا تو بالاتفاق نماز درست ہو جائے گی۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے(۲۶) کہ اگر سورۂ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کی قراءت میں غلطی ہوئی تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی، نہ امامت میں فرق پڑے گا، ہاں اگر دانستہ غلط پڑھا تو نماز اور امامت دونوں باطل ہو جائیں گی اور اگر غلطی سورۂ فاتحہ میں کی جس سے معنی بدل گئے تو نماز مطلقاً ٹوٹ جائے گی۔

۱۲- **کسی رکن کو قضا کیے بغیر اور کسی شرط کو بلا عذر چھوڑ دینا:** مثلاً کسی رکعت میں ایک سجدہ چھوڑ دیا اور سلام پھیرنے سے پہلے ادا نہیں کیا تو یہ رکن کا ترک ہے اور بلاعذر ستر ڈھانپنا ترک کر دیا تو شرط چھوڑ دی اس سے نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر کوئی عذر ہو مثلاً ستر ڈھانپنے کے لیے کچھ نہ ہو یا نجاست دور کرنے کے لیے پانی نہ ہو یا قبلہ رو ہونے کی قدرت نہ ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

۱۳- **مقتدی دانستہ امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کرے:** مثلاً مقتدی پہلے رکوع میں چلا جائے اور امام کے رکوع میں جانے سے پہلے رکوع سے کھڑا ہو جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر بھولے سے ایسا کرے تو واپس امام کے ساتھ شامل ہو جائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی، لیکن حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر بھولے سے بھی مقتدی نے امام سے پہلے کوئی رکن ادا کر لیا اور لوٹ کر امام کے ساتھ شامل نہیں ہوا یا امام کے بعد وہ رکن ادا نہ کیا اور امام کے ساتھ سلام پھیرا تو اس کی نماز نہیں ہوگی اور اگر لوٹ کر امام کے ساتھ شامل ہو گیا یا امام کے بعد وہ رکن ادا کیا اور آخر میں امام کے ساتھ سلام پھیرا تو نماز درست ہو گئی۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ مقتدی کی نماز صرف اس وقت باطل ہوتی ہے جب وہ

امام سے دو فعلی رکن ادا کرنے میں بلا عذر آگے بڑھ گیا ہو۔اگر عذر سے مثلاً بھولے سے پیچھے رہ جائے تو نماز درست ہوگی۔اسی طرح اگر دانستہ بلا عذر امام سے پیچھے رہ گیا تو بھی نماز ٹوٹ جائے گی ۔عذر سے مراد مثلاً آہستہ قراءت کرنا ہے۔

۱۴- مرد اور عورت کا نماز میں ساتھ ساتھ کھڑے ہونا: کہ ان کے درمیان ایک نمازی کے کھڑے ہونے کی جگہ کا فاصلہ یا کوئی حائل نہ ہوتو نماز فاسد ہو جائے گی۔خواہ عورت محرم ہو مثلاً بہن اور بیٹی یا غیر محرم ہو مثلاً بیوی۔حنفیہ کے نزدیک ساتھ ساتھ کھڑے ہونے کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱- ساتھ ساتھ کھڑے ہونے سے مراد یہ ہے کہ پنڈلیاں اور ٹخنے برابر ہوں۔

۲- دونوں ایک ہی نماز کی تکبیر تحریمہ کہہ کر اس میں شریک ہوئے ہوں اور دونوں ادا نماز پڑھ رہے ہوں، امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو یا یہ نیت کی ہو کہ دوسرے مرد کے ساتھ عورت بھی اس کی اقتدا میں نماز پڑھے یا مرد کی اقتدا کی نیت ہو اور عورت کو پیچھے کھڑے ہونے کا اشارہ نہ کیا ہو۔اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو وہ اس کے ساتھ نماز میں شریک نہیں سمجھی جائے گی اور اگر مرد نے عورت کو پیچھے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا لیکن وہ پیچھے نہیں ہٹی تو صرف اس کی نماز فاسد ہوگی، مرد کی نہیں۔

۳- دونوں ایک ہی جگہ کھڑے ہوں، درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔

۴- وہ صنفی اعتبار سے اپنی طرف متوجہ کرتی ہو۔

امام محمد کے نزدیک اگر دونوں نے ایک رکن اکٹھے کھڑے ہو کر ادا کیا ہو اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک رکن ادا کرنے کی مقدار یعنی تین تسبیحات کہنے کی مقدار اکٹھے کھڑے رہے ہوں تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۱۵- اگر تیمّم کر کے نماز پڑھنے والے کو نماز کے دوران پانی دست یاب ہو گیا

اور وہ پانی کے استعمال پر قادر ہو گیا تو حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک محض پانی دیکھتے ہی نماز ٹوٹ جائے گی البتہ حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر آخری قعدہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے پانی دیکھ لیا تو نماز ٹوٹے گی بعد میں نہیں، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک تشہد کی مقدار آخری قعدہ میں بیٹھنے سے نماز مکمل ہو جاتی ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک محض پانی دیکھنے سے نماز نہیں ٹوٹتی البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نمازی بھول گیا تھا کہ اس کے پاس پانی موجود ہے، پھر یاد آ گیا تو اگر وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ وضو کر کے ایک رکعت نماز پڑھ سکتا ہے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۱۶- ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑا مل جانا: اگر کوئی شخص ننگا نماز پڑھ رہا تھا کہ نماز کے دوران اسے کپڑا مل گیا اور کپڑا لانے اور پہننے کے لیے عمل کثیر سے گزرنا پڑتا ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کپڑا نمازی کی اپنی صف چھوڑ کر مزید دو صفوں کے فاصلے پر ہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی، وہ اپنی نماز مکمل کرے پھر کپڑا پہن کر وقت کے اندر نماز کا اعادہ کرے۔

۱۷- نماز پوری کرنے سے پہلے جان بوجھ کر سلام پھیر لینا۔ اگر بھولے سے سلام پھیر لیا تو اگر کوئی عمل کثیر نہیں کیا اور زیادہ باتیں نہیں کیں تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس سلسلے میں اوپر مذکورہ اختلاف جو سلام کی بحث میں ہے، پیش نظر رہے۔

۱۸- امام ابوحنیفہ کے بارہ مسائل جن میں صاحبین کا اختلاف ہے: (۲۷)

بارہ صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز ٹوٹ جاتی ہے صاحبین کے نزدیک مکمل ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہیں:

(۱) تیمم کرنے والے کو پانی نظر آ جائے (۲) موزے پر مسح کی مدت پوری ہو جائے۔ (۳) جو شخص کسی قرآن پڑھنے والے کا مقتدی نہیں تھا، وہ جسے کوئی آیت نہیں آتی

تھی وہ کوئی آیت سیکھ لے۔(۴) ننگے نماز پڑھ رہا تھا اسے کپڑا مل جائے، (۵) اشارے سے نماز پڑھنے والا رکوع سجدہ کرنے پر قادر ہو جائے، (۶) صاحب ترتیب (۲۸) تھا، اسے کوئی فوت شدہ نماز یاد آ جائے، (۷) جو شخص امام نہیں ہو سکتا مثلاً عورت، اسے خلیفہ بنا لیا جائے یعنی امامت کے لیے اپنی جگہ کھڑا کر لیا جائے۔ (۸) فجر کی نماز میں سورج نکل آئے۔ (۹) عیدین کی نماز میں سورج ڈھل جائے۔ (۱۰) جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت شروع ہو جائے۔(۱۱) زخم درست ہو کر پٹی گر جائے۔ (۱۲) معذور کا عذر ختم ہو جائے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام امور فرض میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں، پس یہ نماز کے شروع میں ہوں یا آخر میں ان کا اثر یکساں ہو گا۔

صاحبین کی رائے یہ ہے کہ اگر یہ امور قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد وقوع پذیر ہوں تو ان سے نماز نہیں ٹوٹتی، کیوں کہ ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا روایت کا تقاضا یہی ہے جس میں ہے کہ: جب تم یہ کہہ چکو یا کر چکو تو تمہاری نماز مکمل ہو جائے گی۔یہ حدیث اس امر پر نص ہے کہ قعدہ اخیرہ سے نماز مکمل ہو جاتی ہے،اس کے بعد کوئی چیز فرض نہیں۔ اس کے بعد کسی شے کو فرض قرار دینا نص پر اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔مذکورہ بالا امور سے اگر چہ نماز ٹوٹ جاتی ہے لیکن ان کا وقوع نماز کے تمام فرائض اور ارکان کی تکمیل کے بعد ہوا ہے اس لیے ان سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔

کچھ اور امور بھی ہیں جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے لیکن وہ نادر ہیں ان کا تذکرہ ذیل میں مختلف مذاہب کی آراء کے ضمن میں آ رہا ہے۔

دوم: ہر مذہب کے مطابق الگ الگ نماز توڑنے والے امور:

مذہب حنفی:

نماز اڑسٹھ چیزوں سے ٹوٹ جاتی ہے:(۲۹)

بات کرنا خواہ بھولے سے یا غلطی سے ہو، ایسی دعا جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو، مثلاً اے اللہ مجھے فلاں خاتون دے یا مجھے کپڑے پہنا دے، سلام کرنے کی نیت سے السلام علیکم کہنا خواہ بھولے سے ہو، زبان سے یا مصافحہ سے سلام کا جواب دینا۔

عمل کثیر، قبلہ سے سینہ پھر جانا، منہ میں کوئی چیز باہر سے ڈال کر کھانا خواہ تھوڑی ہو، چنے کے دانے کے برابر دانتوں میں پھنسی ہوئی کوئی چیز کھانا، پینا، اگر نماز میں گوند (چیونگم) چبائی تو نماز ٹوٹ جائے گی، کیوں کہ دور سے دیکھنے والا یقین سے یہ سمجھے گا کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے۔

بلاوجہ کھنکھارنا، اف کہنا جیسے مٹی کو زور سے پھونکتے ہیں، کسی کو جھڑکنا، اوہ یا آہ کہنا، کسی درد اور مصیبت کے باعث بلند آواز سے رونا، جنت اور دوزخ کے ذکر سے رونے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

یرحمک اللہ کہہ کر چھینکنے والے کا جواب دینا، اللہ کے شریک کے بارے میں پوچھنے والے کو لا الہ الا اللہ کہہ کر جواب دینا، بری خبر سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا، اچھی خبر پر الحمد للہ کہنا، تعجب کی بات پر لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ کہنا اور ہر شے جس میں جواب کا ارادہ ہو مثلاً کتاب مانگنے والے کو یا یحیی خذ الکتاب وغیرہ کہنا یا کوئی چیز لانے کا پوچھنے والے کو آتنا غدائنا کہنا، کوئی چیز لینے کی اجازت مانگنے والے کو تلک حدود اللہ فلا تقربوھا کہنا، لیکن اگر یہ الفاظ کسی کے جواب میں نہ کہے جائیں بلکہ یہ بتانے کے لیے کہے جائیں کہ وہ نماز میں ہے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

تیمم کرنے والے کو اگر تشہد کی مقدار آخری قعدہ میں بیٹھنے سے پہلے پانی نظر آ جائے جس کے استعمال پر وہ قادر ہو جائے، موزے پر مسح کی مدت ختم ہو جانا، موزہ اتار دینا، ناخواندہ شخص اگر مقتدی نہ ہو اور نماز کے دوران کوئی آیت سیکھ لے، اشارے سے نماز پڑھنے والا رکوع سجدے پر قادر ہو جائے، اگر اہل ترتیب ہے اور اسے کوئی قضا نماز یاد

آ جائے اور وقت میں قضا نماز پڑھنے کی گنجائش ہو۔ جو شخص امام نہیں ہو سکتا اس کو اپنی جگہ امامت کے لیے خلیفہ بنانا، ننگے نماز پڑھنے والے کو کپڑا مل جانا، نماز فجر کے دوران سورج نکل آئے، عیدین کی نمازوں کے دوران سورج ڈھل جائے، جمعہ کی نماز کے دوران عصر کا وقت شروع ہو جائے، زخم ٹھیک ہو کر پٹی گر جائے، اور معذور کا عذر ختم ہو جائے۔ اگر ان بارہ امور میں سے کوئی قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے واقع ہو جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

جان بوجھ کر وضو توڑنا، کسی دوسرے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جانا، مثلاً کسی پر پھل آ گرا جس سے وہ زخمی ہو گیا، بے ہوشی، دیوانگی، کسی کو دیکھنے سے منی نکل آنا، نماز میں سرین ٹیک کر بیٹھے ہوئے سو جانے والے کو احتلام ہو جانا۔

قابل شہوت عورت کا مرد کے ساتھ پنڈلیاں اور ٹخنے برابر کر کے کھڑے ہو جانا، عورت خواہ محرم ہو یا بیوی ہو یا بوڑھی عورت ہو امام محمد کے نزدیک ایک رکن میں اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک رکن ادا کرنے کی مقدار کھڑی رہے، بشرطیکہ نماز رکوع سجدے والی ہو، نماز جنازہ اس صورت میں باطل نہیں ہوتی، کیوں کہ اس میں سجدہ نہیں ہے، نیز ایک امام کی اقتدا میں دونوں کھڑے ہوں یا عورت مرد کی اقتدا میں ہو، ایک جگہ ہوں، درمیان میں ایک ہاتھ کے برابر جگہ یا اتنی جگہ جس میں ایک مرد کھڑا ہو سکتا ہے نہ ہو اور مرد نے عورت کو پیچھے ہٹ کر کھڑے ہونے کا اشارہ نہ کیا ہو، اگر اشارہ کیا ہو لیکن وہ پیچھے نہیں ہٹی تو صرف عورت کی نماز نہیں ہو گی، مرد کی ہو جائے گی۔ اور مرد کو اس سے آگے ہونے کے لیے نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اس صورت میں مرد نے عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہو، اگر نیت نہیں کی تو عورت کی نماز نہیں ہو گی اور اس صورت میں ساتھ ساتھ کھڑے ہونا نہیں قرار پائے گا۔ ساتھ کھڑے ہونے سے نماز ٹوٹنے کی نو شرائط ہیں جنہیں ہم نے پہلے بالاختصار پانچ شرائط میں بیان کر دیا ہے۔

جس کا پہلے وضو ٹوٹ گیا ہو اس کے ستر کا برہنہ ہو جانا، ظاہر روایت میں اس سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے، خواہ اس کی ضرورت ہو مثلاً عورت کو وضو کرنے کے لیے بازو ننگے کرنے کی، یا مرد کو استنجا کرنے کی ضرورت ہو جب کہ نماز کے دوران اس کا وضو ٹوٹ گیا ہو۔

جس کا پہلے وضو ٹوٹ گیا ہو اور وہ وضو کرنے کے لیے جاتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے قراءت کرے کیوں کہ اس صورت میں اس نے نماز کا ایک رکن بغیر طہارت کے ادا کیا۔ جس کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ جاگ رہا ہو اور ایک رکن ادا کرنے کی مقدار بلا عذر رکا رہے البتہ اگر اژدہام کی وجہ سے یا نکسیر ختم ہونے کے انتظار میں رکا رہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

کسی دوسرے کا پانی قریب ہی دو صف سے زائد کے فاصلے پر موجود ہو، نمازی یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے مسجد سے نکل جائے کیوں کہ بلا عذر نماز کے منافی عمل کا ارتکاب کیا گیا، اگر مسجد سے نہ نکلے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

یہ سمجھتے ہوئے کہ وضو نہیں ہے یا موزے پر مسح کی مدت ختم ہو گئی ہے یا اس کے ذمے پہلے سے کوئی قضا نماز ہے یا نجاست لگی ہوئی ہے اپنی نماز کی جگہ سے ہٹ جائے خواہ مسجد سے نہ نکلا ہو۔

بلا ضرورت تعلیم کے لیے مقتدی اپنے امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دے۔ امام کو لقمہ دینا جائز ہے، خواہ امام نے اتنی قراءت کر لی ہو جو نماز میں فرض ہے۔ نمازی کسی دوسرے کو لقمہ دے یا نماز کے دوران کسی دوسرے کی ہدایت پر عمل کرے۔

پہلی نماز چھوڑ کر دوسری نماز کی نیت سے تکبیر تحریمہ کہنا، اکیلا نمازی کسی دوسرے کی اقتدا کی نیت کرے یا اس کے برعکس ہو یا تکبیر کہہ کر ایک فرض چھوڑ کر دوسرے فرض یا ایک فرض چھوڑ کر نفل یا اس کے برعکس کرے۔ اگر یہ کام آخری قعدہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے کیے جائیں تو نماز ٹوٹ جائے گی ورنہ نہیں، یہی مختار قول ہے۔ اگر قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد سلام سے پہلے نماز کے منافی کوئی کام ہو گیا تو مختار رائے یہ

ہے کہ نماز درست ہو گئی، کیوں کہ صحیح روایت یہ ہے نمازی کے اختیار سے نماز سے نکلنا واجب ہے۔

تکبیر تحریمہ میں ہمزہ کو لمبا کر کے پڑھنا، مصحف سے جو یاد نہ ہو اس کی قراءت دیکھ کر کرنا یا کوئی دوسرا پڑھاتا جائے اور اس کے ساتھ پڑھتے جانا، ستر کھلا ہونے یا اتنی نجاست جو نماز کے لیے رکاوٹ ہے، لگی ہونے کے باوجود کوئی رکن، مثلاً رکوع ادا کرنا یا اتنی دیر اسی طرح رہنا جتنی دیر میں ایک رکن ادا کیا جا سکتا ہے، مقتدی امام سے پہلے کوئی رکن اس طرح ادا کر لے کہ امام اور مقتدی اس میں اکٹھے شریک نہ ہوئے ہوں، مسبوق (بعد میں نماز میں شامل ہونے والا) امام سے اکیلا ہونے کے بعد سجدہ سہو میں واپس ہو کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے (۳۰) یعنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد یا امام کے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اپنی باقی ماندہ نماز کے لیے کھڑا ہو جائے (۳۱) اور اگلی رکعت کا سجدہ کرے اور اس کے بعد امام کو سجدہ سہو یاد آ جائے اور سجدے میں چلا جائے اور مسبوق واپس آ کر سجدہ سہو میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی، کیوں کہ اس نے اپنی الگ نماز کے واجب ہونے کے بعد امام کی اقتدا کر لی۔

آخری قعدہ کے بعد اگر یاد آیا کہ نماز کا کوئی اصلی یا سجدہ تلاوت رہ گیا ہے، اسے ادا کرنے کے بعد اگر پھر قعدہ اخیرہ نہیں کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

اگر کوئی رکن سوئے ہوئے ادا کیا، اس کا اعادہ نہ کرنا، مسبوق کے امام نے اگر قہقہہ لگا دیا یا قصداً وضو توڑ دیا، یعنی قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اگر امام نے قہقہہ لگایا خواہ غیر اختیاری طور پر ہو یا جان بوجھ کر وضو توڑ دیا تو امام کی اور اس کے پیچھے پوری نماز پڑھنے والوں کی نماز درست ہو گئی لیکن مسبوق (بعد میں امام کے ساتھ شامل ہونے والا مقتدی) کی نماز ٹوٹ گئی، کیوں کہ اس کی نماز کے تمام ارکان ادا ہونے سے پہلے ہی نماز ٹوٹنے کا واقعہ پیش آ گیا، ہاں اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے مسبوق کھڑا ہو گیا

اور اس نے اگلی رکعت کا سجدہ کر لیا تو اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ اس کا اکیلے نماز پڑھنا ثابت ہو گیا۔

اپنے آپ کو مسافر سمجھتے ہوئے یا کسی اور نماز کے خیال سے تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا، مثلاً ظہر کے چار فرض پڑھ رہا تھا کہ اسے خیال ہوا کہ جمعہ کی نماز یا تراویح پڑھ رہا ہے یا نیا نیا مسلمان ہوا ہو اور فرض دو رکعات ہی پڑھے ہوں۔

مقتدی کے پاؤں امام سے آگے ہو جائیں، برابر ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

قراءت میں اس طرح کی غلطی کرنا جس سے معنی بدل جائیں، مثلاً فمالهم لایومنون کی جگہ فمالهم یومنون پڑھنا، اگر غلطی سے معنی نہ بدلیں تو نماز درست ہو جاتی ہے، مثلاً وجزاء سيئة سيئة مثلها کی جگہ وجزاء سيئة مثلها پڑھنا۔

اگر کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر اس کا مفہوم سمجھ لے اور زبان سے الفاظ ادا نہ کرے تو نماز نہیں ٹوٹے گی، اگر دانتوں کے درمیان چنے کے دانے کے برابر کچھ پھنسا ہوا رہ جائے اس کے کھانے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی کیوں کہ اس سے بچنا ممکن نہیں، نمازی کے سامنے سے گزرنے سے خواہ گھر میں ہو، بڑی یا چھوٹی مسجد میں یا صحرا میں یا نمازی جہاں نماز پڑھ رہا ہو وہاں سے نشیب سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، خواہ گزرنے والی عورت ہو یا کتا ہو، اگر سجدے کی جگہ کے اندر سے کوئی گزرے تو صحیح روایت یہ ہے کہ مکروہ ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

مذہب مالکیہ

نماز تقریباً تیس اسباب سے ٹوٹ جاتی ہے،(۳۲) جو یہ ہیں:

نیت توڑ دینا (نیت چھوڑ دینا اور اسے باطل کر دینا، نماز کا عمل ترک کر دینا) جان

بوجھ کر نماز کا کوئی رکن یا کوئی شرط چھوڑ دینا، بھولے سے کوئی رکن چھوڑ دینا یہاں تک کہ سلام پھیرنے کے بعد خاص وقت گزر جائے، کبھی عملی رکن کا اضافہ کر لینا مثلاً رکوع یا سجدے، کسی قولی رکن کے اضافے سے نماز نہیں ٹوٹتی مثلاً قراءت کا اضافہ۔ پہلی یا تیسری رکعت کے بعد دانستہ بیٹھ کر تشہد پڑھنا۔

دانستہ یا بھولے سے قہقہہ لگانا، جان بوجھ کر کھانا خواہ ایک لقمہ ہی چبا کر کھائے یا کوئی معمولی سی چیز پی لے، نماز میں نماز کی اصلاح کی غرض کے علاوہ کسی مقصد کے لیے بات کرنا، نماز کی اصلاح کے لیے معمولی بات کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، زیادہ کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے، جان بوجھ کر کوئی آواز نکالنا مثلاً کوے کی آواز، دانستہ منہ سے پھونک مارنا، جان بوجھ کر قے کرنا، خواہ تھوڑی ہو۔

نماز کے مکمل ہونے میں شک ہو اور سلام پھیر لینا، وضو ٹوٹ جانا یا یاد آ جانا کہ وضو ٹوٹ گیا تھا۔ شرم گاہ یا اس کا کچھ حصہ کھل جانا، اس کے علاوہ ستر کھلنے سے نماز نہیں ٹوتی، نمازی کو نجاست لگ جانا یا نماز کے دوران نجاست لگنے کا علم ہونا۔

امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دینا، دانستہ یا بھولے سے کوئی ایسا زیادہ کام کرنا جس کا نماز سے تعلق نہ ہو مثلاً بدن کو خارش کرنا، داڑھی سے کھیلنا، کندھے پر چادر ڈالنا، سامنے سے گزرنے والے کو قوت سے یا ہاتھ کے اشارے سے روکنا، اگر عمل قلیل ہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

کوئی ایسی حالت پیش آ جانا جو فرض پورا کرنے سے توجہ ہٹا دے، مثلاً پیشاب کو اس طرح روکنا کہ اس سے اطمینان ختم ہو جائے یا بہت زیادہ غم یا سانس پھول جانا یا منہ میں کوئی چیز رکھ لینا۔

دوسری نماز کے وقت میں ایسی قضا نماز یاد آ جانا جس کا وقت دوسری نماز کے ساتھ مشترک ہو مثلاً عصر کی نماز پڑھتے ہوئے یاد آ جائے کہ ظہر کی نماز نہیں پڑھی تو عصر کی نماز

باطل ہو جائے گی، کیوں کہ ان میں ترتیب واجب ہے۔

چار رکعات والی نماز میں چار رکعات کا اضافہ کرنا، خواہ سفر میں ہو، اسی طرح تین رکعات والی نماز پر اضافہ کرنا اور دو رکعات والی نماز مثلاً صبح، جمعہ کی نماز پر یا وتر پر دو رکعات کا اضافہ کرنا اور متعین رکعات کے نوافل مثلاً نماز عید، استسقا اور کسوف پر دو رکعات کا اضافہ کرنا۔

ایسا مسبوق جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت بھی نہیں پڑھی اس کا امام کے ساتھ سجدہ سہو کرنا، خواہ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہو یا بعد، کیوں کہ اس مسبوق پر سجدہ سہو لازم نہیں، یہ حقیقت میں مقتدی ہی نہیں ہے۔اس کا امام کے ساتھ سجدہ کرنا محض نماز میں اضافہ ہے۔اگر مسبوق کو امام کے ساتھ ایک رکعت دونوں سجدوں کے ساتھ مل گئی ہو تو سلام سے پہلے کا سجدہ سہو امام کے ساتھ کرے اور سلام کے بعد اپنی باقی نماز کے لیے کھڑا ہو جائے اور سلام کے بعد کے سجدہ سہو کو مؤخر کر کے نماز کے اختتام پر لے جائے۔اگر نماز مکمل کرنے سے پہلے یہ سجدہ سہو کر لیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

کوئی معمولی سنت مثلاً تکبیر کہنا یا سمع اللہ لمن حمدہ کہنا چھوٹ گیا ہو تو اس کی وجہ سے یا کوئی مستحب امر چھوٹ گیا ہو، مثلاً دعائے قنوت اس کے باعث سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

اگر نماز کی تین سنتیں بھولے سے چھوڑ دیں اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا اور سلام پھیرنے کے بعد خاصا وقت گزر گیا تو نماز دوبارہ پڑھے۔

مرتد ہو جانا، بلا عذر کھڑے ہونے کی حالت میں دیوار یا لاٹھی پر اس طرح ٹیک لگانا کہ اگر اسے ہٹا دیا جائے تو گر پڑے۔

قبلہ کے بارے میں معلوم نہ ہونا، فرض نماز کعبہ کے اندر یا کعبہ کی چھت پر پڑھنا، تیمم کرنے والے کو نماز کے دوران پانی یاد آ جانا، امام اور مقتدی کی نیتوں کا

اختلاف، سہو کے علاوہ کسی اور وجہ سے امام کی نماز ٹوٹ جانا۔

مذہب شافعیہ:

نماز ستائیس اسباب سے ٹوٹ جاتی ہے، جو درج ذیل ہیں:(۳۴)

۱-۲ حدث اصغر یا حدث اکبر پیش آ جانا، خواہ بلا ارادہ ہو، بدن لباس یا جگہ سے ایسی نجاست لگ جانا جو قابل معافی نہ ہو، البتہ اگر اس جگہ سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو جائے تو الگ بات ہے۔

۳- دانستہ ایسی بات کرنا جس سے کسی انسان کو مخاطب کیا جاتا ہو، جو دو حروف پر مشتمل ہو یا ایک ایسے حرف پر جس کا کوئی مفہوم ہو، خواہ نماز کی اصلاح کے لیے ہی بات کی گئی ہو، مثلاً اگر امام زائد رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو کہے، کھڑے نہ ہو، یا بیٹھ جاؤ یا یہ پانچویں رکعت ہے۔ البتہ قران حکیم ذکر اور دعا سے نماز نہیں ٹوٹتی، جیسا کہ اگر رسول ﷺ کا ذکر آئے تو آپ کو خطاب کر کے مثلاً الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اگر کسی اور نیت سے قرآن کی کوئی آیت پڑھی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی چیز لینے کی اجازت مانگ رہا ہو تو اسے کہا یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ (مریم۱۹:۱۲) اگر تو اس شخص کو سمجھانے کے ساتھ ساتھ قراءت کی نیت بھی کی تو نماز نہیں ٹوٹے گی ورنہ ٹوٹ جائے گی۔

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی مخلوق کو خطاب کیے بغیر ذکر یا دعا کی تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ نبی کے علاوہ کسی مخلوق کو خطاب کیے یا کسی سے مشروط کیے بغیر اگر دعا، نذر وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے تو ان سے نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ نذر بھی دعا کی قسم ہے، اگر بلاوجہ بہت دیر خاموش رہا تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ اس سے نماز کے تسلسل میں فرق نہیں پڑتا۔

اگر امام نے ایاک نعبدو ایاک نستعین پڑھا اور مقتدی نے کہا استعنا باللہ (ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں) تو نماز باطل ہو جائے گی، البتہ اگر دعا کی نیت کی تو باطل نہیں ہوگی۔

اگر کہا صدق اللہ العظیم (اللہ نے سچ فرمایا) تو نماز باطل نہیں ہوگی کیوں کہ یہ ثنا ہے۔

نماز توڑنے والی اشیاء میں رونا، ہائے اوہ وغیرہ کرنا، ہنسنا، کھنکھارنا شامل ہیں بشرطیکہ دو حرف کی آواز نکلے خواہ ان کا کوئی مفہوم نہ ہو۔ ایسا ذکر اور دعا جس میں انسانوں کو خطاب ہو، مثلاً کسی انسان کو کہے یرحمک اللہ۔

۴- روزہ افطار کرنے والے کا کوئی تھوڑی یا زیادہ چیز کھا پی لینا، اگر اسے زبردستی کھلایا گیا ہو تب بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے، ہاں اگر اس شخص کو علم نہ ہو کہ اس حالت میں کھانا پینا حرام ہے۔

۵- کوئی ایسا کام پے بہ پے اور زیادہ حد تک کرنا جو نماز کے اعمال میں سے نہ ہو مثلاً تین قدم چلنا، تین بار ہاتھ آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہلانا، سارے بدن کو حرکت دینا، اچھلنا، کودنا خواہ دانستہ ہو یا بھولے سے، کیوں کہ اس سے بچنے میں کوئی مشقت نہیں، البتہ سخت خوف کی حالت کی نماز اور سفر کے نوافل اس سے مستثنیٰ ہیں۔ تھوڑا عمل مثلاً تسبیح پر انگلیوں کو حرکت دینا، اس سے نماز نہیں ٹوٹتی کیوں کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامہ کو اٹھا کر نماز پڑھی، جب سجدے میں جاتے تو انہیں نیچے رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے تھے۔

اگر سخت خارش کی وجہ سے عمل کثیر کا ارتکاب ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی یا اگر عمل مسلسل نہ ہو بلکہ وقفے سے ہو تو بھی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۶-۷-۸: قہقہہ لگانا، مرتد ہونا اور نماز میں دیوانہ ہو جانا۔

۹-۱۰: جہاں قبلہ رو ہونا شرط ہو یعنی نماز خوف نہ ہو تو قبلہ سے پھر جانا، یعنی سینہ قبلہ سے

پھر جائے۔ ستر ڈھانپنے پر قدرت ہو اور دانستہ ستر کھول دے یا کسی نے زبردستی کھول دیا ہو اور فوراً ڈھانپ نہ لے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر ہوا سے ستر کھل جائے اور فوراً ڈھانپ لیا جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

۱۱- اگر نمازی برہنہ نماز پڑھ رہا ہے اور کپڑا اس سے دور ہے کہ کپڑے تک پہنچنے کے لیے زیادہ عمل کی ضرورت پڑتی ہے یا زیادہ دیر تک بدن کھلا رہا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر کپڑے قریب ہوں اور زیادہ عمل کے بغیر فوری طور پر ستر ڈھانپ سکتا ہو تو ڈھانپ لے نماز نہیں ٹوٹے گی، ورنہ ٹوٹ جائے گی۔

۱۲- نیت میں شک واقع ہو جائے یا نماز کی کسی شرط مثلاً طہارت وغیرہ میں شک واقع ہو جائے یا نیت کی کیفیت میں شک ہو جائے کہ مثلاً ظہر کی نیت کی ہے یا عصر کی اور اس حالت میں نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ادا کر لیا یا اتنا وقت گزر گیا جس میں رکن ادا کیا جا سکتا تھا تو نماز فاسد ہو گی۔

۱۳- نیت بدل کر دوسری نماز کی نیت کرے، مثلاً ایک وقت کے فرض چھوڑ کر دانستہ دوسری نماز کی نیت کر لی تو نماز ٹوٹ گئی۔ البتہ اگر اکیلے فرض پڑھ رہا تھا کہ اس خیال سے انہیں نفل میں تبدیل کر لیا کہ جماعت کے ساتھ فرض پڑھ سکے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی، دو رکعت مکمل کر کے سلام پھیر لے۔ اگر وقت میں گنجائش ہو تو ایسا کرنا مستحب ہے اور اگر وقت تنگ ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں۔ اگر جماعت کسی دوسری نماز کی ہو رہی ہو، مثلاً اکیلا نمازی ظہر کی نماز پڑھ رہا ہو اور پاس عصر کی نماز ہو رہی ہو تو اسے اپنے فرض نفل میں تبدیل نہیں کرنے چاہییں۔ اگر امام ایسا ہو کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہو تو بھی فرض نماز کو نفل میں تبدیل کرنا مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ اگر نماز تین یا چار رکعات والی ہے اور اکیلا نمازی تیسری چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا ہے تو اس کے لیے فرض نماز کو نفل میں بدلنا مستحب نہیں، البتہ جائز ہے۔ اگر نماز دو رکعات والی ہے اور اکیلا نمازی پہلی

رکعت میں ہے تو اس کے لیے بھی اسے نفل میں بدل دینا جائز ہے، مستحب نہیں کیوں کہ نفل نماز ایک رکعت پڑھنا بھی جائز ہے۔

۱۴-۱۵-۱۶: نماز مکمل کرنے سے پہلے اسے توڑنے کی نیت کر لینا یا نماز توڑنے کے بارے میں متردد ہونا اور نماز جاری رکھنا، اگر نماز توڑنے کو کسی بات کے ساتھ مشروط کر لیا، خواہ بات عادتاً محال ہو مثلاً چھری کا نہ کاٹنا تب بھی نماز ٹوٹ جائے گی مثلاً دل میں کہا، اگر زید آیا تو میری نماز ٹوٹ گئی۔ البتہ اگر کسی ایسی شرط سے مشروط کر لیا جو عقلاً محال ہے مثلاً اجتماع ضدین تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

۱۷-۱۸-۱۹: جان بوجھ کر نماز کے ارکان میں سے کوئی رکن چھوڑ دینا خواہ وہ رکن قولی ہو، اگر بھولے سے کسی عذر کی بنا پر کوئی رکن رہ گیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس کی تلافی کی جائے گی۔ کسی عملی رکن کو محض تفریح کے طور پر بار بار ادا کرنا یا ایک رکن کو دوسرے پر مقدم کر دینا، اس سے نماز کی صورت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ البتہ کسی قولی رکن کو جان بوجھ کر بار بار ادا کرنے مثلاً فاتحہ، تشہد یا ان میں سے کسی کو دوسرے پر مقدم یا کسی عملی رکن کو بھولے سے زیادہ بار ادا کرنے سے مستند رائے کے مطابق نماز نہیں ٹوٹتی۔

۲۰-۲۱: پاؤں کے موزے کے اندر چھپے ہوئے کچھ حصے کا ظاہر ہو جانا یا موزہ پھٹ جانا یا مسح کا ختم ہو جانا، اس سے طہارت کا بعض حصہ باطل ہو جاتا ہے۔

۲۲- جس شخص کی اقتدا جائز نہیں تھی، اس کے کفر وغیرہ کی وجہ سے، اس کی اقتدا کرنا۔ اگر چہ بعض صورتوں میں اس کی حالت کے بارے میں علم نہ ہو تب بھی مثلاً پوری واقفیت کے بعد اقتدا کی تھی لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی اقتدا درست نہیں تھی۔

۲۳- مختصر رکن کو دانستہ لمبا کرنا: مثلاً قومہ (رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہونا) اتنا طویل کرنا کہ اس میں جو دعا منقول ہے اس سے بہت زیادہ دیر کھڑا رہے مثلاً جتنی دیر سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے یا دو سجدوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھے کہ وہ منقول دعا سے زیادہ مثلاً تشہد کی

مقدار بیٹھے تو اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

البتہ تمام نمازوں میں آخری رکعت کا قومہ اس سے مستثنیٰ ہے کیوں کہ مصیبت کے وقت قومہ میں دعائے قنوت پڑھنے کا نماز میں اس کا ثبوت موجود ہے نیز صلاۃ تسبیح میں دو سجدوں کے درمیان زیادہ دیر کے لیے بیٹھنا درست ہے اس کی تفصیل نوافل میں آئے گی۔

۲۴- مقتدی اپنے امام سے بلا عذر دو عملی رکن ادا کرنے میں پیچھے رہ جائے یا دو عملی رکن ادا کرنے میں آگے بڑھ جائے۔

۲۵- وقت سے پہلے دانستہ سلام پھیر لینا۔

۲۶- نماز شروع کرنے کی نیت سے دوبارہ تکبیر تحریمہ کہنا

۲۷- تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے بعد دانستہ یہ جانتے ہوئے کہ بیٹھنا جائز نہیں قعدہ اولیٰ کے لیے بیٹھ جانا کیوں کہ اس میں دانستہ قعدہ کا اضافہ کرنا ہے۔ اگر بھولے سے واپس لوٹ آیا یا اسے معلوم نہیں تھا کہ واپس لوٹنا حرام ہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

مذہب حنابلہ

حنابلہ کے نزدیک چھتیس چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، (۳۴) جو یہ ہیں، ان میں اکثر شافعیہ کے مذہب سے ہم آہنگ ہیں۔

وضو ٹوٹ جانا، ایسی نجاست لگ جانا جسے فوراً دور نہ کیا گیا ہو، جہاں قبلہ رو ہونا شرط ہو وہاں قبلہ کی طرف پیٹھ کر لینا، ستر کھول دینا، اگر ہوا سے ستر کھل جائے اور فوراً ڈھانپ لیا جائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی، ننگے نماز پڑھنے والے کا سترہ دور ہونا، کسی چیز کے ساتھ اتنا مضبوط سہارا لینا کہ اسے ہٹا دیا جائے تو نمازی گر پڑے۔

کسی رکن کو مطلقاً چھوڑ دینا، دانستہ کوئی واجب ترک کر دینا، جان بوجھ کر کوئی فعل رکن مثلاً رکوع دوبارہ ادا کرنا، دانستہ بعض ارکان کو بعض پر مقدم کر دینا، قراءت شروع کرنے

کے بعد مسئلہ معلوم ہونے اور یاد ہونے کے باوجود پہلے قعدہ کے لیے لوٹ آنا۔

نماز پوری کرنے سے پہلے سلام پھیر لینا، مقتدی کا امام سے پہلے دانستہ سلام پھیر لینا، یا بھولے سے سلام پھیرنا اور پھر امام کے سلام کے بعد سلام نہ پھیرنا، صحیح تلاوت پر قدرت کے باوجود قراءت میں ایسی غلطی کرنا جس سے معنی بدل جائیں مثلاً انعمت (فاتحہ:۷) کی تـــا پر پیش پڑھنا۔ نماز کی نیت توڑ دینا، نیت توڑنے میں متردد ہونا، نیت توڑنے کا پکا ارادہ کر لینا اگرچہ عملاً نیت نہ توڑی ہو، نیت میں شک ہونا کہ کیا نیت کی ہے اور نماز کا تعین کیا ہے یا نہیں، شک کے باوجود کوئی عمل مثلاً رکوع، سجدہ کرنا، تکبیر تحریمہ میں شک ہونا۔

سیاہ کتے (۳۵) کا نمازی کے سامنے سے گزرنا، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے بخاری کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا کہ ''سیاہ کتا شیطان ہے''۔

قومہ اور جلسہ کے بعد رکوع اور سجدے کی تسبیحات پڑھنا، سجدے کے بعد مغفرت کی دعا کرنا، دنیوی لذتوں کی دعا کرنا مثلاً خوبصورت بیوی مانگنا۔

مطلقاً بات کرنا خواہ معمولی ہو، بھولے سے ہو، زبردستی کرائی جائے یا ہلاکت کے خوف سے کی جائے۔ اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو خطاب کرنا، مطلقاً قہقہہ لگانا، بلاضرورت کھنکھارنا، اس طرح پھونکنا کہ اس سے دو حرف پیدا ہوں، خوف خدا کے علاوہ کسی اور وجہ سے اس طرح رونا کہ دو حرف پیدا ہوں البتہ مغلوب ہو جائے تو معاف ہے، جو شخص بیٹھا اور کھڑا نہ ہو اور سو جائے اور اس حالت میں گفتگو کرے۔

بلاضرورت مسلسل زیادہ کوئی ایسا کام کرنا جو عموماً نماز کا کام نہ سمجھا جاتا ہو، مثلاً دشمن کے خوف سے بھاگنا خواہ بھولے سے ہو یا نادانستہ ہو۔ عمل کثیر کو تین بار سے مقید نہیں کیا گیا اور نہ کوئی اور تعداد مقرر کی گئی ہے۔ گونگے آدمی کا اشارہ کام کے مشابہ ہے۔

کھانا پینا البتہ اگر کوئی بھول کر یا لاعلمی سے تھوڑا سا کھا لے تو مستثنیٰ ہے، شکر کی ڈلی منہ میں گھول کر نگل جانا البتہ اگر کوئی بھول کر یا لاعلمی سے تھوڑا سا نگل لے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس کی نماز ٹوٹ گئی لیکن نماز جاری رکھے تو اسے تنبیہ کی جائے۔

معمولی عمل یا زیادہ غیر مسلسل عمل سے نماز نہیں ٹوٹتی، البتہ بلاضرورت مکروہ ہے، اس کی وجہ سے سجدہ سہو نہ کرے، دانتوں میں پھنسی ہوئی کسی چیز کو چبائے بغیر دانستہ نگل لینے سے نماز نہیں ٹوٹتی خواہ وہ لعاب سے نہ ملی ہوئی ہو۔ معمولی چیز پینے سے نفل نماز نہیں ٹوٹتی اور نہ طویل وقت کسی چیز، مثلاً کتاب وغیرہ کو دیکھنے سے اور دل ہی دل میں پڑھنے سے۔ کسی قلبی عمل سے خواہ کتنا ہی طویل ہو نماز نہیں ٹوٹتی۔ (۳۶)

وسوسے کے غلبے سے نماز نہیں ٹوٹتی، اگر کھانسی، چھینک یا جمائی کے غلبے سے دو حرفوں کی آواز پیدا ہو جائے تب بھی نماز نہیں ٹوٹتی، اگر نمازی کی ہلکی نیند ہو اور وہ نماز میں کھڑے یا بیٹھے ہوئے سو گیا ہو اور اس دوران کوئی بات کر لی ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔

حنابلہ کے نزدیک قبرستان، بیت الخلا، حمام اور اونٹوں کے باڑے میں نماز نہیں ہوتی جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: "تمام زمین مسجد ہے بجز حمام اور قبرستان کے" (۳۷)، نیز حدیث میں ہے: "اونٹوں کے باڑے میں نماز نہ پڑھو وہ شیاطین کی جگہ ہے"۔ (۳۸) نہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان جگہوں پر نماز پڑھنا حرام ہو، کیوں کہ ان میں سے بعض جگہیں نجاست کی ہیں اور بعض برہنہ ہونے کی۔

سوم: جن وجوہ سے نماز توڑی جا سکتی ہے:

کبھی کسی عذر کی بنا پر نماز توڑنا واجب ہوتا ہے اور کبھی جائز۔ (۳۹) جن ضرورتوں کے باعث نماز توڑنا واجب ہے وہ یہ ہیں:

۱- کسی مصیبت میں گرفتار شخص کی مدد کے لیے پکار پر نماز توڑ دی جائے خواہ فرض نماز ہو اور اس شخص نے متعین طور پر نمازی نہ پکارا ہو مثلاً نمازی نے کسی شخص کو پانی میں گرتے دیکھا، یا کسی جانور نے اس پر حملہ کر دیا یا کوئی ظالم ظلم کر رہا ہے اور یہ اسے بچا سکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک والدین میں سے کوئی اگر مدد کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے بلائے تو نماز توڑنا واجب نہیں، کیوں کہ بلا ضرورت نماز توڑنا جائز نہیں ہے۔

۲- اگر نمازی کو غالب گمان ہو کہ کوئی اندھا، بچہ یا اور کوئی کسی کنویں میں گر جائے گا یا آگ پھیل جانے اور سامان جل جانے یا بھیڑیا بکریوں پر حملہ آور ہو جانے کا خدشہ ہو تو نماز توڑ دی جائے کیوں کہ اس میں جان و مال کا تحفظ ہے اور نماز توڑنے کے بعد اس کی تلافی کی جا سکتی ہے اللہ کے حقوق کا دارو مدار رعایت پر ہے۔

جن عذروں کی بنا پر فرض نماز توڑنا جائز ہے وہ یہ ہیں:

۱- سامان کی چوری، خواہ چوری ہونے والا مال کسی دوسرے کا ہو، بشرطیکہ مال ایک درہم کے برابر یا اس سے زائد ہو۔

۲- عورت کو بچے کے بارے میں خطرہ ہو یا ہنڈیا ابلنے کا اندیشہ ہو یا آگ پر کھانا جل جانے کا ڈر ہو۔ اگر دایہ کو ڈر ہو کہ بچہ مر جائے گا یا اس کا کوئی عضو ضائع ہو جائے گا یا بچے کی ماں کو چھوڑ دیا گیا تو اس کا نقصان ہو جائے گا تو نماز اپنے وقت سے مؤخر کرنا واجب ہے اور اگر پڑھ رہی ہو تو توڑ دینا واجب ہے۔

۳- مسافر کو چوروں یا ڈاکوؤں کا ڈر ہو۔

۴- موذی جانور کو قتل کرنے کے لیے اگر اسے قتل کرنے میں عمل کثیر کی ضرورت ہو۔

۵- جانور اگر بدک کر بھاگ جائے تو اسے پکڑنے کے لیے

۶- پیشاب پاخانہ آیا ہوا ہو تو خواہ جماعت فوت ہو جائے

۷- نفل نماز میں والدین میں سے کوئی بلائے اور انہیں معلوم نہ ہو کہ نماز پڑھ رہا ہے۔اگر فرض نماز پڑھ رہا ہے تو اگر انہیں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتو نماز توڑ دے ورنہ نہیں۔ان مسائل پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱- اس کی تخریج اوپر گزر چکی ہے۔

۲- الدر المختار،۱:۵۷۴-۵۹۳، البدائع،۱:۲۳۳-۲۴۲، مراقی الفلاح،ص۵۲-۵۴، الشرح الصغیر، ۱:۳۴۳-۳۵۶، حاشیۃ الباجوری، ۱۸۲:۱-۱۸۶، القوانین الفقہیہ،۵۱، مغنی المحتاج،۱:۱۹۴-۲۰۰، المہذب،۱:۸۶-۸۸، کشاف القناع،۱:۴۶۵-۴۷۰، المغنی،۲:۱-۵،۴۴-۶۲

۳- ابن ماجہ کے سوا صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار،۲:۳۱۱)

۴- احمد، مسلم، نسائی، ابو داؤد (ایضاً،۳۱۴ و بعد)لیکن میں خاموش رہا'' سے مراد بقول منذری یہ ہے کہ میں نے بات نہیں کی بلکہ خاموش رہا۔

۵- الدر المختار،۱:۵۷۴-۵۹۳، البدائع،۱:۲۲۰،۲۳۲-۲۴۲، فتح القدیر، ۱:۲۸۰ -۲۸۶

۶- سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی (نیل الاوطار ۲:۳۱۷) حضرت ابو ہریرہ سے اس طرح کی روایت ہے لیکن ابن المنذر کہتے ہیں کہ یہ دونوں ثابت نہیں ہیں۔

۷- الشرح الصغیر ،۱:۳۴۴، القوانین الفقہیہ،۵۰

۸- بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، نیز عمران بن حصین سے بھی روایت کی۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی (نصب الرایہ،۲:۶۷ و بعد)

۹- مغنی المحتاج،۱:۱۹۴ و بعد

۱۰- قلیل اور کثیر کا دارومدار عرف پر ہے۔تھوڑی گفتگو کا اندازہ سات الفاظ سے کیا گیا ہے جیسا کہ ذوالیدین کے قصہ میں آیا ہے۔

۱۱- کشاف القناع،۱:۴۶۹ و بعد، المغنی،۱:۵۷۵،۲:۴۴-۵۴

۱۲- ابوبکر الاثرم اور ابن ابی داؤد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

۱۳- فتح القدیر ،۱:۲۸۳ و بعد، الدر المختار،۱:۵۸۱ و بعد

۱۴- ابو داؤد، عبداللہ بن احمد نے اپنے والد کے مسند میں روایت کی (نیل الاوطار ،۲:۳۲۲)

۱۵- ابو داؤد (ایضاً)

۱۶- الشرح الصغیر،۱:۳۴۷، القوانین الفقهیه،۴۷

۱۷- مغنی المحتاج،۱:۱۵۸

۱۸- کشاف القناع،۱:۴۴۲، المغنی،۲:۵۶-۶۰

۱۹- بخاری، مسلم، ابوداؤد، احمد، ابن ابی شیبہ اور ابن ماجہ نے ابن مسعود سے روایت کی۔ صحیح حدیث ہے۔

۲۰- یہ امر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی امامہ کو اٹھا کر نماز پڑھی، جب سجدے میں جاتے تو نیچے چھوڑ دیتے جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے، صحیحین نے روایت کی، نیز آپ نے نماز میں سانپ اور بچھو کو مارنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز میں جوتے اتار دیے۔

۲۱- حاشیہ الباجوری علی شرح ابن قاسم الغزی،۱:۱۸۴

۲۲- هدایه،۱:۶۱، البدائع،۲:۲۳۲

۲۳- اس سلسلے میں مسند احادیث بھی ہیں اور مرسل بھی۔ مسند احادیث ابوموسیٰ اشعری، ابوہریرہؓ، عبداللہؓ بن عمر، انسؓ بن مالک، جابرؓ بن عبداللہ، عمرانؓ بن حصین، ابوالملیح سے روایت کی گئی ہیں۔ ابو موسیٰ کی حدیث طبرانی میں یوں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، ایک آدمی آیا اور پھسل کر مسجد کے گڑھے میں گر گیا، اس کی آنکھوں میں کوئی نقص تھا، بہت سے لوگ نماز میں ہی ہنس پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہنس پڑے تھے دوبارہ وضو کریں اور نماز پڑھیں (نصب الرایه،۱:۴۷-۵۴)

۲۴- فتح القدیر،۱:۲۸۵، الدر المختار ورد المحتار،۱:۵۸۳، تبیین الحقائق،۱:۱۵۸

۲۵- الدر المختار ورد المحتار،۱:۵۸۹-۵۹۳

۲۶- المغنی،۲:۱۹۸

۲۷- رد المحتار،۱:۵۸۸

۲۸- مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ اگر ایک رکعت پوری کرنے سے پہلے یاد آ جائے تو اگر امام ہے یا اکیلا نمازی ہے تو نماز توڑ دے اور اگر مقتدی ہے تو امام کی اقتدا کرے۔ شافعیہ کے نزدیک قضا

نماز یاد آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

۲۹- مراقی الفلاح،۵۲-۵۴،الدر المختار،۱:۵۷۴-۵۸۹، البدائع،۱:۲۳۳-۲۴۲

۳۰- اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر امام کے تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو درست نہیں کیوں کہ امام کے ذمہ ابھی ایک فرض باقی ہے، اس لیے مسبوق کی الگ نماز شروع نہیں ہو گی۔

۳۱- البتہ اس سے پہلے امام کی اقتدا واجب ہے۔

۳۲- الشرح الصغیر،۱:۳۴۳-۳۵۷، القوانین الفقهیه، ۵۱

۳۳- حاشیه الباجوری، ۱:۱۸۲-۱۸۶، تحفة الطلاب للانصاری ،۵۰-۵۲، حاشیه الشرقاوی علی التحفة المذکوره،۱:۲۱۷-۲۲۶، مغنی المحتاج،۱:۱۹۴-۲۰۰،۲۰۶-۲۰۷

۳۴- غایة المنتهی،۱:۱۵۰-۱۵۱،المغنی ۲:۱ و بعد،۴۴-۶۲، ۶۷، ۲۴۹

۳۵- اس سے مراد ایسا کتا ہے جو مکمل سیاہ ہو،اور کسی رنگ کی ملاوٹ یا کوئی نشان نہ ہو۔

۳۶- اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کے لیے اذان ہوتی ہے تو شیطان بھاگتا ہے اور اس کی ہوا زور زور سے خارج ہوتی ہے تا کہ اذان کی آواز نہ سنے، پھر سجدہ سہو کا ذکر کیا،متفق علیہ،حضرت عمرؓ سے بخاری میں روایت ہے: میں نماز کے دوران لشکر کی ترتیب اور تیاری میں مصروف رہتا ہوں۔ (نیل الاوطار ۲:۳۲۷)

۳۷- ابو داؤد

۳۸- ابوداؤد نے براء بن عازب سے روایت کی،اسی طرح کی روایت مسلم میں جابرؓ بن سمرہ سے ہے، امام احمد نے ایسی ہی ایک حدیث اسید بن حضیرؓ سے روایت کی ہے۔

۳۹- مراقی الفلاح،۶۰

فصل ہشتم

نوافل یا مستحب نمازیں

تطوع کا مفہوم ہے عبادت کرنا اور شریعت اور عرف میں غیر واجب عبادت کو تطوع کہتے ہیں:

تطوع نماز وہ ہے جس کا فرائض کے علاوہ مکلّف سے غیر قطعی مطالبہ ہو، اور اگر کسی نمازی نے فرائض پورے طور پر ادا نہیں کیے تو قیامت کے روز نماز تطوع سے اس کمی کو پورا کیا جائے گا۔ اس بارے میں ایک صحیح مرفوع حدیث ہے جو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔(۱) اور وہ یہ ہے کہ اگر فرض نماز یا زکوۃ وغیرہ مکمل نہ ہوئے تو ان کی کمی تطوع یعنی نفل سے پوری کی جائے گی۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور چھوڑنے پر گناہ نہیں ہوتا۔

نفل نمازیں یا تو فرائض سے الگ مستقل ہیں مثلاً عیدین، استقا، سورج گرہن، چاند گرہن اور تراویح کی نمازیں، حنفیہ کے نزدیک عیدین کی نمازیں واجب ہیں اور حنابلہ کے نزدیک فرض کفایہ، یا نفل نمازیں فرض نمازوں کے تابع ہوتی ہیں اور ان سے پہلے یا بعد میں ادا کی جاتی ہیں۔

نوافل نافلہ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی زیادتی اور اضافہ کے ہیں۔ تنفل کے معنی ہیں عبادت کرنا۔ شرعاً نفل اس کام کو کہتے ہیں جس کا کرنا جائز ہو لیکن وہ فرض، واجب اور مسنون نہ ہو۔ (۲) شافعیہ کے نزدیک فرض کے علاوہ ہر عبادت نفل ہے۔ اس کا نام نفل اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ عبادت سے زائد ہے۔ (۳) نوافل کا شرعی جواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔ مسلم میں ربیعہ بن مالک اسلمیؓ کی

روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مانگو، میں نے عرض کی، جنت میں آپؐ کی رفاقت کی درخواست ہے۔ آپؐ نے فرمایا کچھ اور؟ میں نے کہا، بس یہی، آپؐ نے فرمایا، پھر بکثرت سجدے کرکے اس میں میری مدد کرو۔

افضل ترین بدنی عبادت نماز ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے،'' سیدھے کھڑے ہوا کرو، نماز تمہارا بہترین عمل ہے اور صرف مومن ہی وضو کی حفاظت کرتا ہے۔(۴) کیوں کہ نماز میں اتنی نیکیاں یکجا ہوجاتی ہیں جو کسی دوسری عبادت میں نہیں ہوتیں مثلاً طہارت، قبلہ رو ہونا، قراءت، اللہ تعالیٰ کا ذکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور نماز ان تمام کاموں سے روکتی ہے جن سے دوسری عبادات روکتی ہیں، مزید برآں گفتگو، چلنے پھرنے اور دوسرے تمام کاموں سے روکتی ہے۔ نفل عبادات میں سب سے افضل نفل نماز ہے۔(۵)

نوافل کی تقسیم کے سلسلے میں ہر فقہی مذہب کی اپنی اصطلاحات ہیں، جن کا الگ الگ ذکر مناسب ہے:

مذہب حنفیہ میں نوافل:

حنفیہ کے نزدیک نوافل کی دو قسمیں ہیں: مسنون اور مندوب(٦) : سنت سے مراد وہ نمازیں ہیں جن کی تاکید ہے، جنہیں ادا کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اہتمام کیا ہے اور شاذ ونادر ہی اس خیال سے چھوڑی ہیں تاکہ انہیں فرض نہ سمجھ لیا جائے۔ مندوب سے مراد غیر مؤکدہ سنتیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ادا کرتے تھے کبھی چھوڑ دیتے تھے۔

اوّل: سنن مؤکدہ:

جو درج ذیل ہیں:

۱۔ **فجر کی نماز سے پہلے دو رکعات:** یہ تمام مؤکدہ سنتوں سے زیادہ مؤکدہ ہیں کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے" فجر کی دو رکعات دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں"۔(۷) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں سے زیادہ کسی نفل نماز کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔(۸)

اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ بلا عذر فجر کی سنتیں بیٹھ کر یا سواری پر ادا کرنا جائز نہیں اور فجر کی سنتوں کے علاوہ اور کسی سنت نماز کی قضا بھی نہیں ہے اگر وہ بروقت نہ پڑھی جاسکی ہوں۔ البتہ فجر کی سنتیں قضا ہوجائیں تو اسی روز زوال سے پہلے قضا کی جائیں۔ اگر اکیلے فرض پڑھے ہیں تو فرض اور سنتوں دونوں کی قضا نہ کرے۔ ان کا وقت وہی ہے جو نماز فجر کا وقت ہے اور مسنون یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھے اور اوّل وقت میں اپنے گھر میں ادا کرے۔ اگر فجر کی فرض نماز کی جماعت کھڑی ہوجائے تو اگر سنتیں ادا کرکے جماعت کی دوسری رکعت میں بھی شامل ہوسکتا ہو تو سنتیں ادا کرے، ورنہ چھوڑ دے اور جماعت میں شریک ہوجائے۔ سورج ڈھلنے کے بعد سنتیں قضا نہ کرے۔ فجر کی سنتیں صبح روشن ہونے کے بعد پڑھنا افضل ہے۔

۲۔ **نماز ظہر سے پہلے یا نماز جمعہ سے پہلے چار رکعات:** ایک سلام کے ساتھ پڑھنا سنت ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل چار رکعات اور صبح کی دو رکعات نہیں چھوڑتے تھے۔(۹) فجر کی سنتوں کے بعد سب سے زیادہ تاکید انہیں سنتوں کی ہے، باقی سب برابر ہیں۔

نوافل کی افضلیت کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے زیادہ مؤکدہ سنتیں بالاتفاق فجر کی ہیں پھر صحیح روایت کے مطابق ظہر سے پہلے کی چار سنتیں ہیں، پھر تمام سنتیں برابر ہیں۔

۳۔ **ظہر کے بعد کی دو رکعات:** مستحب یہ ہے کہ ان کے ساتھ دو رکعات اور ملالے اور جمعہ کے بعد چار رکعات ایک سلام کے ساتھ کیوں کہ ظہر کے بارے میں ارشاد نبوی

ہے: ''جس کسی نے ظہر سے پہلے چار رکعات اور ظہر کے بعد چار رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کردے گا'' (۱۰) کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ سے پہلے چار رکعات پڑھا کرتے تھے اور ان میں سلام کے ذریعے وقفہ نہیں کرتے تھے اور چار رکعات جمعہ کے بعد پڑھتے تھے۔(۱۱)

۴۔ **مغرب کے بعد دو رکعات:** ان دونوں رکعات میں طویل قراءت مسنون ہے کیوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔

۵۔ **عشا کی فرض نماز کے بعد دو رکعات:** ان سنتوں کی تاکید پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دلیل ہے: جس کسی نے دن رات میں فرض نماز کے علاوہ بارہ رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا گھر بنائے گا۔ (۱۲) مسلم کے الفاظ یہ ہیں: جس کسی نے دن رات میں بارہ رکعات پڑھیں، ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا، چار رکعات ظہر سے پہلے، دو رکعات ظہر کے بعد، دو رکعات مغرب کے بعد، دو رکعات عشا کے بعد اور دو رکعات نماز فجر سے پہلے۔ نسائی نے عصر سے پہلے دو رکعات ذکر کی ہیں اور عشا کے بعد کی دو رکعات ذکر نہیں کیں۔

فرض نمازوں سے پہلے سنتیں پڑھنے کی شرعی حکمت یہ ہے کہ اس سے شیطان مایوس ہوجاتا ہے کہ اسنے وہ نماز جو فرض نہیں وہ بھی نہیں چھوڑی تو فرض کب چھوڑے گا؟ اور بعد کی سنتوں میں حکمت یہ ہے کہ اس سے کمی پوری ہوتی ہے تاکہ کسی عذر یا بھول چوک کی وجہ سے جو چیز چھوٹ گئی ہو آخرت میں یہ سنتیں اس کے قائم مقام ہو جائیں گی۔

۶۔ **نماز تراویح:** تراویح مردوں اور عورتوں سب کے لیے سنت مؤکدہ ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے ہمیشہ ان کی پابندی کی ہے۔ نماز تراویح میں جماعت سنت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی تیسری، پانچویں، ساتویں اور بیسویں رات میں جماعت سے نماز تراویح پڑھائی

اور باقاعدگی سے اس لیے نہیں پڑھائی تاکہ فرض نہ ہو جائے۔ آپؐ نے آٹھ رکعات پڑھائیں، باقی رکعات صحابہؓ اپنے گھروں میں پوری کرتے تھے۔ اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کے گھروں سے آوازیں آتی تھیں۔(۱۳)

نماز تراویح کا وقت: رمضان میں عشا کی نماز سے لے کر فجر تک ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ وتر سے پہلے اور بعد تراویح پڑھی جاسکتی ہے۔ ایک تہائی یا نصف رات تک تراویح مؤخر کرنا مستحب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس کے بعد پڑھنا بھی مکروہ نہیں ہے۔ اگر تراویح کی نماز چھوٹ جائے تو اسے قضا کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اگر کسی نے قضا کرلی تو مستحب نفل ہو جائیں گے۔ تراویح نہیں ہوگی، جیسے مغرب اور عشا کی سنتیں قضا کرنے سے محض نوافل ہوں گے، کیوں کہ قضا کرنا واجب نماز کا امتیاز ہے مثلاً وتر اور عیدین۔

تراویح میں جماعت، صحیح روایت کے مطابق سنت کفایہ ہے۔ اگر کسی مسجد کے نمازی تراویح چھوڑ دیں تو سب گناہ گار ہوں گے۔ جس نماز میں جماعت کا حکم ہے وہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ اگر کچھ لوگ باجماعت تراویح پڑھ لیتے ہیں تو جو شریک نہیں ہوتے وہ فضیلت سے محروم رہتے ہیں کیوں کہ کئی ایک صحابہ سے روایت ہے کہ وہ تراویح کی جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔ نماز تراویح اکیلے بھی پڑھی جاسکتی ہے لیکن افضل یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔ مسنون یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں تراویح میں ایک بار پورا قرآن ختم کیا جائے۔ اگر لوگ تھک جاتے ہوں تو اتنی قراءت مسنون ہے جس قدر لوگ بآسانی سننے کے لیے آمادہ ہوں، مثلاً ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیات ہر رکعت میں پڑھی جائیں۔ ایک یا دو آیات پڑھنا مکروہ نہیں بشرطیکہ ترتیل سے پڑھی جائیں اور رکوع، سجدے تسبیحات کے ساتھ اطمینان سے کیے جائیں۔ تراویح میں ثنا، اعوذ باللہ اور ہر تشہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا نہ چھوڑے۔

تراویح کی رکعات کی تعداد بیس ہے، دو دو رکعت ادا کی جائیں گی۔ چار رکعت کے بعد اتنا وقت بیٹھنا چاہیے جتنے میں چار رکعات پڑھی ہیں۔ بیس رکعات دس سلاموں کے ساتھ پڑھی جائیں۔ اس کے بعد وتر پڑھے جائیں۔ رمضان کے علاوہ جماعت کے ساتھ وتر نہیں پڑھے جائیں گے۔ بیس کی تعداد کی دلیل حضرت عمرؓ کا عمل ہے جسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے آخری عہد میں مسجد میں بیس رکعات پر لوگوں کو جمع کیا اور صحابہؓ نے اس پر اتفاق کیا اور خلفائے راشدین کے بعد بھی کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا، نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامو‘‘(۱۴) بیہقی نے ابن عباسؓ سے بیان کیا ہے کہ وہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے۔(۱۵)

امام ابو حنیفہؒ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا: تراویح سنت مؤکدہ ہے، حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے کوئی بات پیدا نہیں کی، آپؓ بدعتی نہیں تھے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت عمرؓ کے پاس کوئی اصل نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات ثابت نہ ہو اور حضرت عمرؓ نے اپنے طور پر حکم دے دیا ہو۔

البتہ بعض اہل حدیث علماء کی رائے یہ ہے کہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعات ثابت ہیں کیوں کہ بخاری وغیرہ سے حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، وہ کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعات سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات پڑھائیں، پھر وتر پڑھائے۔(۱۶)

دوم: مندوب یا غیر مؤکدہ سنتیں : جو درج ذیل ہیں:

غیر مؤکدہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ سنتیں پڑھتے تھے، کبھی چھوڑ بھی دیتے تھے۔

۱۔ **ظہر کے بعد کی دو سنتوں کے بعد دو رکعات:** جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

۲۔ **عصر سے پہلے چار رکعات:** ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے عصر سے قبل چار رکعات پڑھیں۔ (۱۷) عصر سے پہلے دو رکعات پڑھنے کا جواز ایک دوسری حدیث سے ثابت ہے، جس میں ہے: ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ (۱۸)

۳۔ **عشا کی نماز سے پہلے چار رکعات** اور عشا کے بعد ایک سلام سے چار رکعات، کیوں کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشا سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے، پھر عشا کے بعد چار رکعات پڑھتے تھے پھر لیٹ جاتے تھے۔ (۱۹)

اگر چاہے تو مذکورہ بالا حدیث "جس نے بارہ رکعات کی پابندی کر لی....." پر عمل کرتے ہوئے بعد کی دو مؤکدہ رکعات پر اکتفا کرے۔

۴۔ **اوابین کی نماز:** (۲۰) مغرب کے بعد کی چھ رکعات ہیں، ایک، دو یا تین سلاموں کے ساتھ، پہلی صورت مستقل اور مشقت والی ہے، ارشاد خداوندی ہے: **فانہ کان للاوابین غفوراً** (الاسراء ۱۷:۲۵) (اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے)، نیز حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے: جس نے مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھیں، اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (۲۱)

کمال بن ہمام بھی شافعیہ اور حنابلہ کی طرح مغرب سے پہلے دو ہلکی پھلکی رکعات کو مستحب قرار دیتے ہیں کیوں کہ عبداللہ مزنی سے متفق علیہ روایت ہے کہ: مغرب سے پہلے دو رکعات پڑھو، تیسری بار فرمایا: "جو چاہے" یہ نوافل فرائض کے تابع ہیں اور مستقل نوافل درج ذیل ہیں۔

۵۔ **چاشت کی نماز:** صحیح قول یہ ہے کہ یہ چار سے آٹھ رکعات ہیں، اور کم از کم دو

رکعات ہیں۔ اس کا وقت طلوع آفتاب کے بعد جب سورج ایک نیزے کے برابر آجائے یعنی تقریباً ایک تہائی یا نصف گھنٹہ بعد سے سورج ڈھلنے سے کچھ پہلے تک ہوتا ہے، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی چار رکعات پڑھتے تھے اور بیچ میں بات نہیں کرتے تھے۔(۲۲)

مسلم کی روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی چار رکعات پڑھتے، اور جتنی اللہ چاہتا اس پر اضافہ فرمالیتے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے چاشت کی دو رکعات مروی ہیں اور اس کا افضل وقت ایک چوتھائی دن کے بعد کا ہے۔

۶۔ **وضو کے بعد پانی خشک ہونے سے پہلے دو رکعات** (تحیۃ الوضو) پڑھنا، اس کی دلیل اوپر مذکور حدیث ہے کہ: جو شخص اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعات نماز پوری دلی توجہ کے ساتھ پڑھے تو اس کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے۔(۲۳)

۷۔ **تحیۃ المسجد:** جو شخص مسجد میں داخل ہو اس کے لیے مسجد کے مالک کے حضور سلام کرنے کے لیے دو رکعات پڑھنا مستحب ہیں، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: "جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک کہ دو رکعات پڑھ نہ لے"۔(۲۴) حنفیہ کے نزدیک اگر مکروہ وقت نہ ہو تو یہ نوافل پڑھے اور فرائض یا دوسری نماز بلانیت اس کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے بار بار مسجد میں جانا پڑے تو ہر روز ایک بار پڑھ لیا کرے، اگر تحیۃ المسجد پڑھنے سے پہلے بیٹھ گیا تو بھی حنفیہ کے نزدیک یہ نوافل ساقط نہیں ہوتے، کیوں کہ ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ذر! مسجد کا سلام ہوتا ہے، اور وہ ہے دو رکعات، پس اٹھو اور دو رکعات پڑھو۔ اوپر مذکور دوسری حدیث کہ "جب کوئی مسجد میں داخل ہو......" پہلی حدیث کا بیان ہے۔

البتہ مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے، کیوں کہ اس میں تحیۃ المسجد یہ ہے کہ طواف کیا جائے۔ اگر کوئی شخص بے وضو ہو اور تحیۃ المسجد نہ پڑھ سکتا ہوتو مستحب یہ ہے کہ یہ چار کلمات تسبیح پڑھ لے: سبحان اللہ، والحمد للہ ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر۔

۸۔ **تہجد کی نماز:** رات کی نماز خصوصاً آخری رات میں مستحب ہے۔ یہ نماز دن کی نماز سے افضل ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **فلا تعلم نفس ما أخفی لهم من قرة أعین** (السجدہ ۳۲:۱۷)، کسی نفس کو معلوم نہیں کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کے کیا کیا سامان مخفی ہیں) نیز **تتجافی جنوبهم عن المضاجع** (السجدہ ۳۲:۱۶) (ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں) مسلم نے صحیح میں روایت کی ہے: فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز رات کی نماز ہے۔ طبرانی نے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ رات کی نماز لازمی ہے، خواہ بکری کے دودھ دوہنے کی مقدار ہو، عشاء کی نماز کے بعد جو بھی نماز ہے وہ رات کی نماز ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کی نماز کی پابندی کیا کرو، یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طرز عمل تھا، تمہارے رب کی قربت کا ذریعہ ہے، گناہوں کی بخشش اور گناہوں سے بچنے کا باعث ہے۔

تہجد کی رکعات دو سے آٹھ تک ہیں:

عیدین (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کی راتوں کی شب بیداری اور رمضان کے آخری عشرے کی راتوں میں جاگنا تاکہ لیلۃ القدر کی شب بیداری مل سکے اور ذو الحجہ کی دس راتوں، اور نصف شعبان کی رات میں جاگنا مستحب ہے۔ پوری رات یا رات کا اکثر حصہ عبادت کرنی چاہیے۔ کیوں کہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے۔(۲۵)

سحری کے وقت بکثرت استغفار کرنی چاہیے۔ اور سید الاستغفار یہ کلمات ہیں: **اللهم انت ربی، لا اله الا انت، خلقتنی وانا عبدک، وانا علی عهدک و وعدک ما استطعت، اعوذبک من شر ما صنعت، أبوء (أعترف) لک بنعمتک**

عَلَیَّ،وأبُوءُ بذنبی، فاغفرلی، فانه لایغفر الذنوب الاانت۔

(اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا، میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے عہد اور وعدے پر مقدور بھر قائم ہوں، میں نے جو کچھ کیا اس کی شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں تیری نعمتوں کا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں پس میرے گناہ بخش دے)۔

ان راتوں میں سے کسی رات میں مسجد میں شب بیداری کرنا مکروہ ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہؓ نے ایسا نہیں کیا۔

اسی طرح نمازِ رغائب کا اجتماع بھی مکروہ ہے جو ماہ رجب کے پہلے جمعہ کے موقع پر منعقد ہوتا ہے اور یہ بدعت ہے۔

رات کو زیادہ دیر قیام کرنا زیادہ سجدے کرنے سے افضل ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: بہترین نماز طویل قیام ہے۔(۲۶) کیوں کہ لمبے قیام میں قراءت زیادہ ہوگی اور زیادہ سجدے کرنے میں تسبیحات زیادہ پڑھی جائیں گی اور قراءت تسبیحات سے افضل ہے۔

۹۔ **نماز استخارہ:** یعنی اللہ سے خیر مانگنا، ایسے امور جو جائز ہوں لیکن معلوم نہ ہو کہ کیا کرنا بہتر ہے ان کے لیے دو رکعات پڑھ کر ان کے بعد وہ منقول دعا کی جائے جسے مسلم کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے جابرؓ بن عبداللہ سے روایت کیا،(۲۷) وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دعائے استخارہ اسی طرح سکھاتے تھے جیسے کہ قرآن کی سورت سکھاتے تھے، آپؐ فرمایا کرتے کہ جب کسی معاملے میں تردد ہو تو فرض کے علاوہ دو رکعات پڑھ کر یہ دعا کرو:

اللھم انی استخیر بعلمک واستقدرک بقدرتک، و اسالک من فضلک العظیم، فانک تقدر ولا أقدر، وتعلم ولا أعلم، وأنت علام الغیوب، اللھم ان کنت تعلم أن ھذا الأمر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة أمری (یا کہے

عاجل امری و آجلہٗ) فاقدرہ لی، و یسرہ لی، ثم بارک لی فیه. و ان کنت تعلم أن هذاالأمر شرلی في ديني ومعاشي و عاقبة أمری (یا کہے عاجل أمری و آجله) فاصرفه عني، و اصرفني عنه، واقدرلی الخير حيث كان، ثم ارضني به، پھر آپؐ نے فرمایا: هذا الأمر کے موقع پر اپنی ضرورت کا نام لے۔

(اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کی بدولت خیر مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے توسط سے اختیار چاہتا ہوں اور تجھ سے تیرے عظیم فضل کی درخواست کرتا ہوں کیوں کہ اے اللہ اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے دین، دنیا اور آخرت کے اعتبار سے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر کردے اور آسان فرمادے پھر اس میں میرے لیے برکت فرمادے، اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے دین، دنیا اور آخرت میں بہتر نہیں ہے تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور جہاں کہیں بھلائی ہے اسے میرا مقدر کردے، پھر مجھے اس سے راضی کردے)۔

مستحب یہ ہے کہ یہ دعا الحمد للہ اور درود شریف سے شروع کرے اور پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے۔

اگر معاملہ واضح نہ ہو تو سات بار استخارہ کرے کیوں کہ ابن سنّی کی روایت میں ہے: انسؓ! جب تجھے کسی معاملے میں تردد ہو تو سات بار اللہ سے خیر مانگو، پھر دیکھو جس بات پر دل جم جائے اسی میں خیر ہے۔ اگر نماز پڑھنا مشکل ہو تو دعا سے استخارہ کرلے۔

۱۰۔ **نماز تسبیح:** اس کی فضیلت بہت زیادہ ہے اور اس کا غیر محدود ثواب ہے۔

مسلمان کسی بھی وقت، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو نماز تسبیح پڑھ سکتا ہے، دن اور رات میں ایک بار پڑھے ورنہ ہفتہ میں ایک بار یا جمعہ کے روز یا مہینے میں ایک بار یا زندگی میں ایک بار۔ اس کے بارے میں حدیث حسن ہے کیوں کہ متعدد طرق سے مروی ہے، جن لوگوں نے اسے موضوع کہا ہے انہیں وہم ہوا ہے۔

نمازِ تسبیح چار رکعات ہیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورت پڑھے، ایک سلام کے ساتھ یا دو سلاموں کے ساتھ، چار رکعات میں کل تین سو بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الااللہ واللہ اکبر پڑھے، یعنی ہر رکعت میں پچھتر بار۔

اس کی ترتیب یہ ہے: ثنا کے بعد پندرہ بار، قراءت کے بعد، رکوع میں، رکوع سے کھڑے ہوکر، دونوں سجدوں میں اور دونوں سجدوں کے درمیان دس دس بار، یہ تسبیح رکوع اور سجدوں کی تسبیحات کے بعد پڑھے۔ یہ وہ طریقہ ہے جو ترمذی نے امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سے عبداللہ بن مبارک سے روایت کیا ہے اور دونوں طریقوں میں سے صحیح تر ہے۔ اگر زبانی یاد رکھ سکتا ہو تسبیحات کا شمار انگلیوں پر نہ کرے۔(۲۸)

۱۱۔ **نماز حاجت:** عشا کے بعد چار رکعات ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ دو رکعات ہیں۔ جیسا کہ مرفوع حدیث میں ہے کہ پہلی رکعت میں ایک بار سورہ فاتحہ اور تین بار آیت کرسی پڑھے اور باقی تینوں رکعات میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک ایک بار سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ الناس پڑھے۔ اگر یہ پڑھے گا تو لیلۃ القدر جتنا ثواب ملے گا۔

ترمذی نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی کو اللہ سے یا کسی انسان سے کوئی کام پیش آئے تو اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعات نماز پڑھے، پھر اللہ کی ثنا بیان کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر یہ دعا کرے:

لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم، سبحان اللہ رب العرش العظیم، الحمدللہ رب العلمین، اسالک موجبات رحمتک و عزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل برّ والسلامۃ من کل اثم، لاتدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا ھما الافرجتہ (۲۹) ولا حاجۃ ھی لک رضا الا قضیتھا یا ارحم الرحمین (۳۰)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بردبار، کریم ہے، اللہ پاک ہے جو عرش عظیم کا رب

ہے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا رب ہے، میں تجھ سے اسباب رحمت کا، مغفرت کے یقینی ذرائع کا ہر نیکی میں کامیابی اور ہر گناہ سے تحفظ کا سوال کرتا ہوں، میرا ہر گناہ معاف فرمادے، ہر غم دور کردے اور ہر حاجت جو تیری رضا کے تحت ہو پوری کردے، اے ارحم الراحمین!

نفل نماز کے ذیلی احکام(۳۱)

دن اور رات کے نوافل ادا کرنے کی کیفیت:

اگر چاہے تو دن میں دو رکعات ایک سلام کے ساتھ ادا کرے اور چاہے تو چار رکعات لیکن ایک سلام کے ساتھ چار سے زیادہ رکعات پڑھنا مکروہ ہیں۔ البتہ رات کے نوافل کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر آٹھ رکعات ایک سلام سے پڑھ لیں تو جائز ہیں، اس سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہیں، افضل یہ ہے کہ دن اور رات میں چار چار رکعات پڑھے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ رات کے وقت افضل یہ ہے کہ ایک ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعات پڑھے، رات میں الگ الگ دو دو رکعات اور دن میں چار رکعات پڑھنا افضل ہے اور حدیث کے اتباع میں حنفیہ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشا کے بعد چار رکعات پڑھا کرتے تھے اور چاشت کے وقت بھی چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔ اکٹھی چار رکعات پڑھنے میں تکبیر تحریمہ مسلسل جاری رہتی ہے۔ اس وجہ سے اس میں زیادہ مشقت ہے اور ثواب زیادہ ہے۔ اور آٹھ سے زائد کے مکروہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات سے زیادہ ایک سلام سے نہیں پڑھیں، اگر یہ مکروہ نہ ہوتیں تو آپؐ بیان جواز کے لیے کبھی ان پر اضافہ بھی فرماتے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ تراویح پر قیاس کیا جائے گا کہ ہر دو رکعات ایک سلام سے پڑھی جائیں۔

ب۔ نفل اور وتر کی تمام رکعات میں قراءت واجب ہے: نفل میں اس وجہ سے کہ نفل کی ہر دو رکعات مستقل نماز ہیں اور تیسری رکعات میں کھڑا ہونا گویا نئی تکبیر تحریمہ کہنا ہے اسی لیے مشہور قول کے مطابق ایک بار تکبیر تحریمہ کہنے سے صرف دو رکعات نماز نفل واجب ہوتی ہے اور وتر میں ہر رکعت میں قراءت احتیاط کا تقاضا ہے۔

فرض نماز میں صرف پہلی دو رکعات میں قراءت واجب ہے اور دوسری دو رکعات میں نمازی کو اختیار ہے، چاہے سورہ فاتحہ پڑھے، چاہے تین بار تسبیح پڑھے یا اتنی مقدار خاموش کھڑا رہے۔ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ سے یہی مروی ہے۔ البتہ افضل یہ ہے کہ قراءت کرے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالالتزام سورہ فاتحہ پڑھی، تاہم ظاہر روایت کے مطابق اگر بھولے سے قراءت رہ جائے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

نفل میں ذکر کردہ اصول کے مطابق اگر چار رکعات پڑھیں اور کسی میں بھی قراءت نہیں کی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعات قضا کرے گا، کیوں کہ پہلی دو رکعات میں قراءت نہ کرنے کی وجہ سے تکبیر تحریمہ باطل ہوگئی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعات قضا کرے گا، کیوں کہ پہلی دو رکعات نہ کرنے کے باعث تکبیر تحریمہ باطل نہیں ہوئی، البتہ دو رکعات صحیح ادا نہیں ہوئیں، کیوں کہ قراءت ایک زائد رکن ہے اور صحیح ادا نہ ہونے کے باعث وہ دو رکعات نہیں ہوئیں، لیکن تکبیر تحریمہ باطل نہیں ہوئی لہٰذا اگلی دو رکعات بھی واجب ہوگئیں اور وہ بھی قضا کرے۔

ج۔ نفل نماز یا روزہ شروع کرنے سے حنفیہ کے نزدیک واجب ہوجاتا ہے:
امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ نفل پڑھنے والا محض ایک تبرع

کررہا ہے اور تبرع کرنے والے پر وہ عبادت واجب نہیں ہوتی، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ماعلی المحسنین من سبیل (التوبہ، ۹:۹۱) (احسان کرنے والوں پر ذمہ داری عائد نہیں ہوتی) اسی وجہ سے شافعیہ کے نزدیک سنن شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتیں، البتہ ان میں حج اور عمرے کا استثنا ہے یا فرض کفایہ ہو تو وہ بھی صحیح قول کے مطابق مستثنیٰ ہے پس جہاد، نماز جنازہ، حج اور عمرہ شروع کرنے سے واجب ہوجاتے ہیں۔(۳۲) حنفیہ کی دلیل یہ آیت ہے: ولا تبطلوا أعمالکم (محمد ۴۷: ۳۳) اپنے اعمال باطل نہ کرو، پس نماز وغیرہ شروع کرکے توڑ دینا حرام ہے۔

حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرنے اور اگر پہلی دو رکعات صحیح طور پر پڑھ لی ہوں تو تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے سے نفل واجب ہوجاتے ہیں۔ اگر دوسری دو رکعات فاسد ہوجائیں تو صرف انہیں کو قضا کرنا ہوگا اور پہلی دو رکعات صحیح ہوں گی کیوں کہ نفل کی ہر دو رکعات الگ الگ ہیں۔

اس بنا پر، جس کسی نے نفل شروع کرکے توڑ دیے تو ان کی قضا کرے گا اور اگر چار رکعات پڑھی تھیں اور دو کے بعد قعدہ کیا پھر دوسری دو توڑ دیں تو صرف دو رکعات قضا کرے گا۔

اس اصول سے یہ صورتیں مستثنیٰ ہیں: کسی فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل نماز کی نیت سے کھڑا ہوگیا پھر نفل توڑ دے یا فرض نماز یہ سمجھتے ہوئے شروع کی کہ اس نے فرض پڑھنے ہیں، پھر اسے یاد آ گیا کہ اس نے پڑھ لیے تھے اور نماز توڑ دی تو قضا نہیں ہے۔

د۔ اگر نوافل مؤکدہ ہیں اور چار رکعات ہیں (مثلاً ظہر اور جمعہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد) تو نمازی پہلے قعدہ میں صرف تشہد پڑھے، دعا نہ پڑھے اور تیسری رکعت ثنا سے شروع نہ کرے اور اگر چار رکعات کے نوافل غیر مؤکدہ ہیں تو دو رکعت کے بعد تشہد، درود ابراہیمی اور دعا پڑھے اور تیسری رکعت ثنا سے شروع کرے اور پھر تعوذ (اعوذ باللہ) بھی

پڑھے، یعنی ہر دو رکعات کے شروع میں ثنا پڑھے۔

ہ۔ **اگر دو رکعات سے زائد نفل پڑھے** اور صرف آخر میں قعدہ کیا تو استحساناً نماز درست ہوجائے گی کیوں کہ یہ ایک ہی نماز چار رکعات والی متصور ہوگی اور اس میں آخری قعدہ جو فرض تھا ادا ہوگیا۔ اگر درمیان کا قعدہ بھولے سے رہ گیا تو سجدہ سہو سے اس نقصان کی تلافی ہوجائے گی اور اگر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے بعد سجدہ کرنے سے پہلے یاد آ گیا تو قعدہ کے لیے واپس لوٹ آنا واجب ہے۔

و۔ **بیٹھ کر یا سوار ہو کر نفل پڑھنا جائز ہیں:** جس کی تفصیل نماز میں قیام کی بحث میں گزر چکی ہے کہ کھڑے ہونے پر قدرت ہو تب بھی بیٹھ کر نوافل پڑھے جاسکتے ہیں البتہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ثواب ملے گا، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جس نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی وہ افضل ہے اور جس نے بیٹھ کر پڑھی اسے کھڑے ہونے والے سے نصف ثواب ملے گا۔ اور جس نے لیٹ کر نماز پڑھی اسے بیٹھنے والے سے نصف ثواب ملے گا۔ (۴۳) شافعیہ نے مطلقاً لیٹ کر نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے اور باقی مذاہب میں اگر کوئی عذر ہو تو لیٹ کر نفل پڑھنا مباح ہے۔

اگر بیٹھ کر نفل پڑھنے ہوں تو تشہد کی حالت میں بیٹھ کر پڑھے، یہی مختار رائے ہے اور حنفیہ اور شافعیہ کے ہاں اسی پر فتویٰ ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک چار زانو بیٹھ کر نوافل پڑھنا مستحب ہے۔ جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے اس کے لیے جائز ہے کہ کھڑے ہو کر نوافل شروع کرے اور بیٹھ کر مکمل کرے، یہ بلا کراہت جائز ہے۔

سواری پر شہر سے باہر نوافل ادا کرنا جائز ہیں خواہ مؤکدہ سنتیں ہوں، مثلاً فجر کی سنتیں، (۴۴) اور جس طرف سواری کا رخ ہو اسی رخ کر کے اشارے سے رکوع سجدہ کرے کیوں کہ ضرورت کے تحت سواری پر نوافل جائز ہیں اور اگر درمیان میں سواری سے اتر جائے تو نماز مکمل کرلے، ظاہر روایت میں اس میں یہ شرط نہیں کہ تکبیر تحریمہ کے لیے سواری

روکنے سے عاجز ہو تب نماز درست ہو۔ اگر سواری کے دوران پاؤں حرکت میں رہیں یا سواری کو مارے تب بھی کوئی حرج نہیں، البتہ عمل کثیر سے پرہیز کرے۔ سواری پر نفل پڑھنے کے جائز ہونے کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے جو اوپر بیان ہوئی، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر نوافل پڑھتے ہوئے دیکھا، آپؐ اشارے سے رکوع سجدے کرتے تھے اور سجدے کا اشارہ رکوع سے پست تر ہوتا۔(۳۵)

جانور کے اوپر کجاوے پر نماز پڑھنا اسی طرح ہے جیسے جانور پر نماز پڑھنا، خواہ جانور چل رہا ہو یا کھڑا ہو، البتہ کجاوہ اگر زمین پر رکھا ہوا ہو تو اس پر فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

اگر جانور پر نجاست لگی ہو خواہ زین پر ہو یا پائیدانوں پر نماز درست ہے۔ البتہ چلتے ہوئے بالاتفاق نماز درست نہیں۔

اگر نوافل ادا کرنے والا تھک جائے تو کسی چیز سے ٹیک لگا لینا بلاکراہت جائز ہے اور بغیر عذر کے ٹیک لگانا اظہر روایت کے مطابق مکروہ ہے کیوں کہ اس میں بے ادبی ہے۔

ز۔ **سواری پر فرض یا واجب نماز پڑھنا:** بلا ضرورت اور بلا عذر سواری پر فرض یا واجب نماز مثلاً وتر یا نذر نماز پڑھنا یا جو نفل شروع کر کے توڑ دیے ہوں ان کی قضا اور نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت جس کی آیت زمین پر تلاوت کی گئی ہو جائز نہیں، البتہ ضرورت یا عذر ہو مثلاً کسی چور یا درندے کا خوف ہو کہ نمازی پر یا جانور پر حملہ آور ہو جائے گا، یا اگر اتر پڑا تو کپڑے چوری ہونے کا ڈر ہو، یا اس جگہ کیچڑ اور مٹی ہو، یا کسی بیماری کا یا ہڈیوں کے ٹوٹے ہوئے ہونے کا عذر ہو اور ایسا کوئی شخص موجود نہ ہو جو دوبارہ سواری پر بٹھا سکے تو فرض اور واجب نماز بھی درست ہے۔

ح۔ **کشتی، جہاز یا گاڑی میں نماز پڑھنا:** کشتی، جہاز یا گاڑی میں بیٹھ کر بلا عذر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ رکوع اور سجود کرے۔

صاحبین کے نزدیک بلا عذر جائز نہیں اور یہی اظہر روایت ہے، عذر سے مراد سر چکرانا یا وہاں سے باہر نکلنے پر قادر نہ ہونا۔

نماز کے شروع میں قبلہ کی طرف رخ کرنا شرط ہے اور اگر کشتی کسی اور طرف مڑ جائے تو نمازی گھوم کر قبلہ رو ہو جائے۔ اگر قبلہ رو نہ ہو سکا تو نماز نہیں ہوگی اور اگر قبلہ رو ہونے سے عاجز ہے تو نماز رہنے دے تا آنکہ پورے طور پر قبلہ رو ادا کرنے پر قادر ہو جائے۔

وہ کشتی جو طوفانی لہروں کے درمیان یا سمندر کے بیچ میں بندھی ہوئی ہو اور سخت ہوا اسے حرکت دے رہی ہو تو وہ چلنے والی کشتی کی طرح ہے اور اگر حرکت نہیں ہو رہی تو وہ کھڑی کشتی کی طرح ہے، صحیح روایت یہی ہے۔

کنارے پر یا ساحل پر بندھی ہوئی کشتی میں بالاتفاق بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

سنت سے ثابت یہ ہے کہ کشتی میں نماز پڑھنے والے پر کھڑے ہو کر پڑھنا واجب ہے اور اس کے لیے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں، ہاں اگر ڈوبنے کا ڈر ہو تو جائز ہے کیوں کہ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کشتی میں نماز کیسے پڑھیں؟ آپؐ نے فرمایا: کھڑے ہو کر پڑھو، ہاں اگر ڈوبنے کا ڈر ہو تو الگ بات ہے۔(۳۶)

مالکیہ کے نزدیک نوافل:

مالکیہ کے نزدیک نوافل کی تین قسمیں ہیں: سنت، فضیلت، نفل (۳۷)

سنت: دس نمازیں سنت ہیں: وتر، یہ سب سنتوں سے زیادہ مؤکد ہے اور ایک رکعت ہے جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص اور معوذتین (الفلق اور الناس) پڑھنی چاہیے اور وتر میں بلند آواز میں قراءت کرنی مستحب ہے، فجر کی دو رکعات، مالکیہ کے نزدیک انہیں رغیبہ (۳۸) کہتے ہیں۔ یعنی ان کی ترغیب دی گئی ہے یہ مستحب سے اوپر اور سنت سے

کم تر ہیں۔ ان کا وقت وہی ہے جو نماز فجر کا ہے یعنی صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک اور اگر کوئی شخص اس وقت نہ پڑھ سکا تو سورج ڈھلنے تک قضا کر لے، اگر سنتیں پڑھنے سے پہلے فجر کے فرض پڑھ لیے تو یہ مکروہ ہے اور جب سورج ایک نیزے (بارہ بالشت) کے برابر ہو جائے تو قضا کرے۔ ان کے علاوہ کوئی نفل ایسے نہیں کہ اگر ان کا وقت نکل جائے تو ان کو قضا کرنے کا حکم ہو، مالکیہ اس میں حنفیہ سے ہم آہنگ ہیں، جو شخص مسجد میں صبح کے فرض پڑھنا چاہتا ہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ سنتیں بھی مسجد میں پڑھے، پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے۔

عید الفطر کی نماز، عیدالاضحیٰ کی نماز، سورج گرہن، چاند گرہن اور استسقا کی نمازیں، سجدہ تلاوت، طواف کی دو رکعات اور حج کے احرام کی دو رکعات۔

ان نوافل کی ترتیب یہ ہے: وتر، عید، سورج گرہن، استسقا۔ علامہ خلیل نے اپنے متن میں لکھا ہے کہ چاند گرہن کی نماز مستحب ہے۔

فضائل بھی دس ہیں:

وضو کے بعد کی دو رکعات، تحیۃ المسجد کی دو رکعات، اس شخص کے لیے جو مسجد میں بیٹھنا چاہتا ہے، مسجد سے گزرنا نہیں چاہتا، خواہ نماز کی ممانعت کا وقت ہو، اگر فرض نماز پڑھ لی جائے تو تحیۃ المسجد ادا ہو جاتی ہے، چاشت کی نماز اور یہ مؤکدہ ہے، کم از کم دو رکعات اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات ہیں۔ رات کا قیام اس میں بلند آواز سے قراءت مستحب ہے، یہ مؤکدہ نماز ہے اور اس کا افضل وقت رات کا آخری تہائی حصہ ہے(۳۹) یہ دو نوافل ایک وتر کو چھوڑ کر دس رکعات ہیں۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ رمضان کا قیام یعنی تراویح یہ سنت مؤکدہ ہے دو نوافل اور ایک وتر کے علاوہ بیس رکعات ہیں ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیرے۔ اس نماز کی تہجد کی بہ نسبت زیادہ تاکید ہے اس میں قرآن حکیم ختم کرنا مستحب ہے۔ ایک پارہ ہر رات کی بیس رکعات پر تقسیم کر لے۔ اگر اکیلے پڑھنے کو

ضروری قرار دیا جائے تو مساجد بے آباد ہوجائیں گی، اس لیے مناسب یہ ہے کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھی جائیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشراف اور معززین کے لیے مستحب ہے کہ مسجد میں تراویح پڑھیں تا کہ دوسرے لوگ ان کی اقتدا کریں، اگر وہ نہیں پڑھیں گے تو مساجد غیر آباد ہوجائیں گی۔

ظہر کی نماز سے پہلے اور بعد، عصر کی نماز سے پہلے اور مغرب وعشا کی نماز کے بعد کسی تعداد کی تعیین کے بغیر نوافل پڑھنے کی تاکید ہے۔ دو رکعات پڑھنا کم از کم مستحب درجہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مغرب کے علاوہ ہر نماز کے بعد چار رکعات پڑھی جائیں اور مغرب کے بعد چھ رکعات۔

وتر سے پہلے کے دو نوافل سلام کے ذریعے الگ کرنا مستحب ہیں اور بغیر سلام کے وتر کے ساتھ ملا کر پڑھنا مکروہ ہیں اور وتر کی ایک رکعت پر اکتفا کرنا مکروہ ہے تاہم پہلے دو نوافل کے بغیر وتر جائز ہے، بعض علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ پہلی دو رکعات پڑھے بغیر وتر کی ایک رکعت درست نہیں۔

وتر سے پہلے کی دو رکعات میں سے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سبح اسم ربک الأعلی اور دوسری میں سورۃ الکافرون پڑھنا مستحب ہے۔

صبح کی سنتوں اور دن کے نوافل میں آہستہ آواز سے اور وتر میں اور رات کے نوافل میں بلند آواز سے قراءت مستحب ہے۔

مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے سے قبل تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے اور مسجد حرام میں تحیۃ المسجد خانہ کعبہ کے گرد سات بار طواف کرنا ہے البتہ مکہ معظمہ کا رہنے والا دو رکعات پڑھ لے تو کافی ہے۔

نوافل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جن نوافل کا کوئی متعین سبب نہیں ہوتا: پانچ مکروہ اوقات جن کا اوپر تذکرہ کردیا گیا

تھا، کے علاوہ جائز اوقات کے تمام نوافل اس میں شامل ہیں۔

۲۔ جن نوافل کا کوئی متعین سبب ہوتا ہے: یہ دس ہیں: سفر کے لیے نکلنے کے وقت نماز پڑھنا، سفر سے لوٹتے وقت نماز پڑھنا، گھر میں داخل ہوتے وقت، گھر سے نکلتے وقت، نماز استخارہ کی دو رکعات (۴۰)، نماز حاجت کی دو رکعات (۴۱)، نماز تسبیح کی چار رکعات (۴۲) اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعات، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''دونوں اذانوں کے درمیان نماز ہے'' دونوں اذانوں سے مراد اذان اور اقامت ہیں۔

سورج ڈھلنے کے بعد چار رکعات، توبہ کے وقت دو رکعات کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرے، پھر کھڑا ہوجائے، پاک ہوجائے، پھر نماز پڑھے، پھر استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا، پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: والذین اذا فعلوا فاحشة أو ظلموا انفسهم ذکروا...... (۴۳) (آل عمران ۳:۱۳۵)، جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں یا اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، اللہ کو یاد کرتے ہیں) ابن حبان، بیہقی اور ابن خزیمہ نے'' پھر دو رکعات پڑھے'' کا اضافہ کیا۔

بعض مالکیہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے: دعا کے وقت کی دو رکعات اور جس شخص کو قتل کیا جارہا ہو وہ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے دو رکعات پڑھے۔

مالکیہ کے نزدیک ادائے نوافل کے مکروہات (۴۴)

بلا عذر ضروری وقت سے وتر مؤخر کرکے پڑھنا مکروہ ہیں، ضروری وقت طلوع فجر اور صبح کی نماز کے درمیان کا وقت ہے اور عذر سے مراد نیند، غفلت وغیرہ ہیں۔

صبح کی نماز کے بعد دنیوی معاملات کے بارے میں گفتگو مکروہ ہے البتہ فجر کی سنتوں کے بعد اور صبح سے پہلے دنیوی گفتگو مکروہ نہیں۔

فجر کی نماز سے پہلے اور سنتوں کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جانا مکروہ ہے کیوں کہ

مدینہ منورہ میں رہنے والوں کا یہ طریقہ نہیں تھا۔ یہ رائے حنفیہ سے ہم آہنگ ہے(۴۵) انہوں نے ابن عمرؓ کی رائے سے استدلال کیا ہے کہ وہ سنتوں اور فرضوں کے درمیان لیٹ کر ان کو الگ الگ نہیں کرتے تھے بلکہ کہا کرتے تھے کہ سلام کے ذریعے یعنی سنتوں کے سلام کے ذریعے دونوں نمازیں الگ الگ ہوجاتی ہیں اور اس سے افضل طریقہ کون سا ہے؟ چوں کہ سلام ایک نماز کو دوسری سے الگ کرتا ہے اس لیے کسی کام یا گفتگو کے ذریعے نماز ختم کرنے کی بہ نسبت سلام کے ذریعے نماز ختم کرنا افضل ہے۔

تراویح کے علاوہ نفل نمازوں کے لیے زیادہ لوگوں کا اجتماع مکروہ ہے کیونکہ نفل میں اصل یہ ہے کہ اکیلے اکیلے پڑھے جائیں، اسی طرح کسی ایسی کھلی جگہ پر جو سب لوگوں کے لیے عام ہو چند افراد کا باجماعت نوافل پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

شافعیہ کے نزدیک نوافل:

نوافل کی دو قسمیں ہیں: اوّل: جن نوافل کے لیے جماعت مسنون ہے۔ دوم: جن کے لیے جماعت مسنون نہیں ہے۔(۴۶)

ا۔ جن نوافل کے لیے جماعت مسنون ہے وہ سات مسنون نمازیں ہیں:

عیدین یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ، سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازیں، نماز استسقا، تراویح، کیوں کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتیں نماز تراویح پڑھائی اور لوگوں نے آپؐ کے ساتھ پڑھی، پھر آپؐ مسجد نہیں تشریف لے گئے اور مہینے کے باقی ایام گھر پر تراویح پڑھتے رہے اور فرمایا کہ مجھے یہ ڈر تھا کہ کہیں تراویح فرض ہی نہ ہوجائے (۴۷) اور تم اسے ادا نہ کرسکو۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں ہمیں آٹھ رکعات پڑھائیں پھر آپؐ نے وتر پڑھے، اگلی رات ہم مسجد میں جمع ہوئے اور انتظار کرتے رہے کہ آپؐ تشریف لائیں گے، لیکن آپؐ تشریف نہ لائے حتی کہ صبح ہوگئی۔

حضرت جابرؓ تیسری یا چوتھی رات مسجد میں آئے تھے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے لیے لوگوں کو اکٹھا کر کے مردوں کے لیے ابی بن کعبؓ کو اور عورتوں کے لیے سلیمان بن ابی حثمہ کو امام مقرر کیا۔ (۴۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد تک لوگ مسجد میں باجماعت تراویح ادا نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کے ایام میں اکیلے تراویح اس لیے پڑھیں تاکہ فرض نہ ہو جائیں اور آپؐ کے وصال کے بعد اس کا اندیشہ باقی نہیں رہا۔ اتباع سنت اور صحابہ کرام کا دائمی عمل یہ ہے کہ تراویح رمضان کی ہر رات میں عشاء کی نماز کے بعد طلوع فجر سے پہلے دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعات پڑھی جائیں۔ (۴۹)

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی رمضان میں ایمان اور حسن نیت سے قیام کرے گا اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (۵۰)

تراویح پڑھنے والا ہر دو رکعات کے لیے تراویح یا قیام رمضان کی نیت کرے۔ اگر ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھیں تو درست نہیں۔ تراویح کا وقت عشا کی نماز سے طلوع فجر کے درمیان کا ہے۔

تراویح کے بعد وتر باجماعت پڑھنا مستحب ہے۔ البتہ اگر آخر شب جاگنے کا یقین ہو تو تاخیر سے پڑھنا افضل ہے کیوں کہ مسلم کی حدیث میں ہے: جس کسی کو اندیشہ ہو کہ آخر شب نہیں اٹھ سکے گا تو اوّل شب وتر پڑھ لے اور جسے آخر شب اٹھنے کی امید ہو وہ اس وقت وتر پڑھے کیوں کہ رات کے آخری حصے کی نماز میں دن اور رات کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ نفل کی یہ قسم دوسری قسم سے جس میں جماعت مسنون نہیں ہے افضل ہے، کیوں کہ اس میں جماعت مسنون ہونے کی وجہ سے یہ فرائض کے مشابہ ہے۔ اس میں سب سے مؤکد عید کی نماز ہے، کیوں کہ نماز عید فرض نماز کی طرح وقت سے وابستہ ہے پھر سورج گرہن کی نماز

ہے، کیوں کہ اس کا ذکر قرآن میں ہے پھر نماز استسقا ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ وقت سے وابستہ نمازیں تراویح سے افضل ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نمازیں ہمیشہ ادا کیں جب کہ تراویح آپؐ نے ہمیشہ جماعت سے ادا نہیں کی۔

۲۔ جن نمازوں کے لیے جماعت مسنون نہیں ہے:

ان کی دو قسمیں ہیں:

الف۔فرائض کے ساتھ کی مؤکدہ سنتیں: یعنی وہ سنتیں جو فرائض کے تابع ہیں، انہیں سنن رواتب یا مؤکدہ سنتیں کہتے ہیں، ان کی تعداد سترہ ہے۔

دو رکعات فجر سے پہلے، چار ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد، چار عصر سے پہلے اور دو مغرب کے بعد اور تین عشا کے بعد جن میں سے ایک وتر ہے۔ ایک رکعت وتر کی کم از کم تعداد ہے اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعات ہیں۔ وتر کا وقت عشا کی نماز اور طلوع فجر کے درمیان ہے۔ اگر کسی نے دانستہ یا نادانستہ عشا سے پہلے وتر پڑھ لیے تو وہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا۔

جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعات سنت ہیں جیسے کہ ظہر کی نماز سے پہلے ہیں اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعات ہیں اور یہ کامل تر ہیں۔(۵۱)

ب۔غیر مؤکدہ جو فرائض سے الگ ہوتی ہیں: جنہیں کوئی بھی شخص دن رات میں نفل کے طور پر پڑھتا ہے، ان میں افضل تر تہجد کی نماز یا رات کا قیام ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: فرض نمازوں کے بعد افضل تر نماز رات کی نماز ہے(۵۲)، کیوں کہ یہ نماز ایسے وقت ادا کی جاتی ہے جب عام طور پر لوگ عبادات چھوڑ کر سو جاتے ہیں، اس وجہ سے تہجد کے نوافل تمام غیر مؤکدہ نوافل میں افضل ہیں۔

مطلقاً نوافل رات کے وقت پڑھنا دن کے اوقات میں پڑھنے سے افضل ہیں۔ اگر

کوئی شخص رات کو تین حصوں میں تقسیم کرے تو درمیان کے حصے میں نفل پڑھنا افضل اور آخری حصے میں افضل تر ہیں اور اگر دو حصوں میں تقسیم کرے تو پہلے نصف کی بہ نسبت دوسرے نصف میں نوافل پڑھنا افضل ہیں۔ سب سے افضل یہ ہے کہ رات کو چھ حصوں میں تقسیم کرے ان میں سے تین حصے یعنی نصف رات سو جائے، چوتھے اور پانچویں حصے میں نوافل پڑھے اور چھٹے حصے میں پھر سو جائے تاکہ صبح تازہ دم ہو کر اٹھے۔

ساری رات نوافل میں کھڑے رہنا مکروہ ہے، کیوں کہ عبداللہؓ بن عمر کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا، کیا تم دن کو روزہ رکھتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! کیا رات بھر قیام کرتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپؐ نے فرمایا لیکن میں تو کبھی روزہ رکھتا ہوں کبھی نہیں رکھتا، نماز پڑھتا ہوں اور سو بھی جاتا ہوں، عورتوں سے اختلاط بھی رکھتا ہوں، جو میری سنت سے انحراف کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔(۵۳)

دن کے وقت افضل نوافل وہ ہیں جو گھر پر ادا کیے جائیں کیوں کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرائض کے علاوہ افضل ترین نماز وہ ہے جو گھر میں ادا کی جائے۔(۵۴)

سنت یہ ہے کہ تہجد میں ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیرے، کیوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کی نماز دو دو رکعات ہے جب تم دیکھو کہ صبح ہونے والی ہے تو ایک رکعت ملا کر وتر پڑھ لو۔(۵۵)

اگر کوئی شخص ایک سلام کے ساتھ کئی رکعات اکٹھی پڑھ لیتا ہے تو جائز ہے، کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعات پڑھا کرتے اور پانچ رکعات وتر کی پڑھتے جن کی آخری رکعت میں بیٹھتے اور سلام پھیر دیتے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات اور پانچ رکعات وتر پڑھے اور ان کو سلام یا گفتگو کے ذریعے الگ الگ نہیں کیا۔(۵۶)

اگر کسی نے ایک رکعت نفل پڑھ لیا تو بھی جائز ہے، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے پاس سے گزرے اور ایک رکعت نماز پڑھی، ایک آدمی نے آپ کی اقتدا کی، پھر کہا، امیر المومنین آپ نے تو ایک ہی رکعت پڑھی ہے، آپ نے فرمایا، یہ نفل ہے جو چاہے زیادہ پڑھے اور جو چاہے کم پڑھے۔(۵۷)

مستحب یہ ہے کہ آدمی رات کو سوتے وقت تہجد کے لیے اٹھنے کی نیت کر لے اور جب جاگے تو منہ پر ہاتھ پھیر کر نیند کے اثرات دور کرے، آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے اور ان فی خلق السموات والأرض (آل عمران ۳:۔۱۹۰) کی آیات تلاوت کرے اور تہجد کی دو مختصر رکعات سے آغاز کرے۔ سنت یہ ہے کہ رات کی نماز میں درمیانی آواز سے قراءت کرے بہت بلند نہ بہت آہستہ۔ زیادہ رکعات پڑھنے کی بہ نسبت طویل قراءت کرنا افضل ہے اور نماز میں اونگھ آتی رہے تو کوئی حرج نہیں۔ رات کے تمام اوقات بکثرت دعا اور استغفار کرے بالخصوص رات کے نصف اخیر میں اور سحری کے وقت دعا اور استغفار کرنا افضل ہے۔

غیر مؤکدہ نوافل میں چاشت کی نماز ہے، جو کم از کم دو رکعات ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ، کیوں کہ مسلم کی حدیث ہے کہ ”تم میں سے ہر شخص جو صحیح سالم صبح کو اٹھتا ہے اس کے ذمے ہر صحیح سالم عضو کے شکر کے طور پر صدقہ ہے۔ جو شخص چاشت کے وقت دو رکعات پڑھ لیتا ہے وہ اس صدقہ کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے۔ چاشت کی کامل نماز کی کم از کم تعداد چار رکعات، کامل تر چھ رکعات اور افضل آٹھ رکعات ہیں، کیوں کہ ام ہانی بنت ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات پڑھی تھیں۔ (۵۸) زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات کی دلیل ابو داؤد کی حدیث ہے، جس میں ہے: اگر تو نے چاشت کی دو رکعات پڑھیں تو غافل شمار نہیں ہوگا، اگر چار پڑھیں تو نیکو کار سمجھا جائے گا اور اگر چھ پڑھیں تو فرماں بردار قرار پائے گا اور اگر آٹھ پڑھ لیں تو کامیاب

افراد میں شمار ہوگا اور اگر دس پڑھ لیں تو اس روز تیرا کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور اگر بارہ پڑھ لیں تو اللہ تعالیٰ جنت میں تیرا گھر بنائے گا۔(۵۹)

چاشت کا وقت سورج بلند ہونے سے لے کر سورج ڈھلنے تک کا ہے۔

غیر مؤکد سنتوں میں سے دو رکعات تحیۃ المسجد ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ اگر بار بار مسجد میں داخل ہو تو بار بار پڑھے کیوں کہ ابو قتادہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعات پڑھنے سے پہلے نہ بیٹھے(۶۰) اگر مسجد میں داخل ہوا اور جماعت کھڑی تھی تو تحیۃ المسجد نہ پڑھے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جب نماز کھڑی ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھی جائے(۶۱) کیوں کہ اس سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل جاتا ہے۔ اگر مسجد میں جاکر کوئی فرض یا نفل نماز شروع کردی تو اس سے بلا نیت تحیۃ المسجد کا ثواب مل جائے گا، کیوں کہ اصل مقصد یہ ہے کہ بغیر نماز کے مسجد میں بیٹھنا مسجد کی توہین ہے، اس کا ارتکاب نہ کرے۔ اس بنا پر اگر فرض نماز کھڑی ہو اور فرض نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ ہو یا مسجد حرام میں داخل ہو اور طواف سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھنا شروع کردے تو مکروہ ہے۔ خطیب جب خطبہ دینے کے لیے مسجد میں آئے تو اس کے لیے تحیۃ المسجد پڑھنا مسنون نہیں اور اس شخص کے لیے بھی تحیۃ المسجد مسنون نہیں ہے جسے یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ تحیۃ المسجد پڑھتا رہا تو نماز جمعہ کے شروع میں شریک نہیں ہوسکے گا۔

غیر مؤکدہ نوافل میں نماز توبہ بھی ہے، کیوں کہ ابو داؤد وغیرہ میں ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے کہ "جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے، وضو کرکے دو رکعات پڑھ کر اللہ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کردیتا ہے"۔

غیر مؤکدہ نوافل میں سے صلوٰۃ تسبیح کی چار رکعات ہیں۔ ہر رکعت میں قراءت کے بعد پندرہ بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے اور ہر بار رکوع میں،

رکوع سے کھڑے ہو کر، دونوں سجدوں میں، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھے ہوئے اور دوسرے سجدے کے بعد جلسہ استراحت میں اور تشہد سے پہلے دس دس بار یہی کلمات پڑھے۔ اس طرح ہر رکعت میں پچھتر بار ہو جاتا ہے۔ (٦٢)

اسی قسم میں سے نماز استخارہ کی دو رکعات ہیں، بخاری کی مذکورہ بالا حدیث میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام امور میں نماز استخارہ سکھایا کرتے تھے۔ یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک نوافل کے زیر عنوان گزر چکی ہے۔ سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں قل یا ایھا الکافرون (سورہ کافرون) اور دوسری میں قل ھو اللہ احد (سورہ اخلاص) پڑھے۔

نیز سورج ڈھلنے کے فوراً بعد کی دو رکعات ہیں، جن میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور سورۂ اخلاص پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ یہ رکعات پڑھتے تھے اور آپؐ نے ان کے پڑھنے کا حکم بھی دیا۔ یہ حدیث غریب ہے یعنی اس کی سند میں ایک موقع پر ایک راوی ہے۔ نیز سفر سے واپسی پر گھر جانے سے پہلے مسجد میں دو رکعات نفل پڑھے۔ اس میں سنت کا اتباع ہے۔ شیخین نے روایت کی ہے۔

نیز وضو کے بعد دو رکعات پڑھے، خواہ پہلے وضو پر تازہ وضو کیا ہو کیوں کہ صحیحین میں آتا ہے "جس کسی نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا، پھر دو رکعات نماز پڑھی جس میں اپنے آپ سے ہم کلام نہیں ہوا (یعنی وسوسوں میں مبتلا نہیں ہوا) تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اسی قسم میں اوابین کی نماز ہے، اسے نماز غفلت بھی کہتے ہیں کیوں کہ لوگ عشا کی وجہ سے یا نیند وغیرہ کے باعث اس سے غفلت برتتے ہیں۔ یہ مغرب اور عشا کے درمیان بیس رکعات ہیں، ان کی کم از کم تعداد دو رکعات ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ترمذی میں ہے کہ جو کوئی مغرب اور عشا کے درمیان چھ رکعات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے بارہ

رکعات کا ثواب لکھ دیتا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک مؤکد اور غیر مؤکد نوافل:

۱۔ سنن مؤکدہ

(الف) فرائض کے تابع سنتوں کی دس رکعات: دو فجر سے پہلے، دو ظہر یا جمعہ سے پہلے اور دو اس کے بعد اور دو رکعات مغرب کے بعد اور دو رکعات عشا کے بعد۔(۶۳)

مغرب اور فجر کی دونوں رکعات میں سے پہلی رکعت میں سورہ الکافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھے(۶۴) اور ایک روایت میں ہے کہ فجر کی پہلی رکعت میں قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا (البقرہ۲:۱۳۶) اور دوسری میں قل یا اھل الکتاب تعالوا (آل عمران۳:۶۴) پڑھے۔

خلاصہ یہ ہے فجر، مغرب، نماز استخارہ تحیۃ المسجد اور احرام کی دو رکعات اور سورج ڈھلنے پر پڑھی جانے والی دو رکعات میں پہلی میں قل یا ایھاالکافرون اور دوسری میں قل ھو اللہ أحد پڑھے۔

مسنون یہ ہے کہ صبح کے سنتوں اور فرضوں کے درمیان لیٹ کر یا گفتگو کر کے یا اور کسی طریقے سے وقفہ کرے۔ کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ جب مؤذن صبح کی اذان دے چکتا اور صبح روشن ہوجاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مختصر رکعات پڑھتے، پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تاآنکہ مؤذن اقامت کے لیے آجاتا تو آپؐ نماز پڑھانے کے لیے نکلتے (۶۵) یہ رائے حنابلہ کی رائے سے ہم آہنگ اور مالکیہ وحنفیہ کی رائے کے خلاف ہے۔

(ب) **وتر:** اگر تین وتر پڑھنا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ دو سلاموں کے ساتھ ان کو علیحدہ علیحدہ کرے، کیوں کہ اس سلسلے میں بکثرت صحیح احادیث آئی ہیں، نیز اس میں عبادت کی

کثرت ہے کیوں کہ اس میں نئے سرے سے نیت کرنا ہوتی ہے اور دعا و توجہ اور نماز کے آخر کی دعا اور سلام وغیرہ کرنا ہوتا ہے۔

ج۔ **تین غیر مؤکد نوافل**،یعنی فرائض کے تابع نہیں ہیں: رات کی نماز (تہجد)، چاشت کی نماز اور تراویح کی نماز۔

سنن کی افضلیت کی ترتیب: فرائض کے تابع سنتوں میں سے سب سے زیادہ مؤکدہ سنتیں، فجر کی سنتیں اور وتر ہیں کیوں کہ جو تاکید ان کی آئی ہے وہ کسی دوسری سنت نماز کی نہیں۔ امام شافعی کا جدید مذہب یہ ہے کہ وتر فجر کی سنتوں سے افضل ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک اور نماز کا اضافہ کیا ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور یہ وتر ہے۔ نیز ارشاد نبوی ہے: جو وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔(٦٦)

صحیح یہ ہے کہ مؤکدہ سنتیں تراویح سے افضل ہیں۔ مؤکدہ سنتوں اور تراویح کے بعد افضل نماز چاشت کی نماز ہے پھر وہ سنتیں جو کسی فعل سے متعلق ہیں مثلاً طواف کی دو رکعات، احرام کی دو رکعات، تحیۃ المسجد اور پھر وضو کی سنت نماز۔(٦٧)

مؤکدہ سنتوں کا وقت: فرائض سے پہلے جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کا وقت ان فرائض کے داخل ہونے سے شروع ہوجاتا ہے اور جب تک ان فرائض کا وقت رہتا ہے ان کا وقت بھی رہتا ہے۔ فرائض کے بعد کی سنتوں کا وقت فرائض سے فارغ ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور فرائض کا وقت ختم ہونے پر ختم ہوجاتا ہے۔ فرائض سے پہلے کی سنتوں کا فرائض ادا کرنے کے بعد کا وقت بھی ادا کا وقت رہتا ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ انہیں فرائض سے مؤخر نہ کیا جائے۔ البتہ اگر جماعت کھڑی ہو تو بعد میں پڑھ لے اور بعد کی سنتیں فرائض سے پہلے نہیں ہوتیں، سفر میں چاہے قصر کرے چاہے پوری نماز پڑھے مؤکدہ سنتیں پڑھنا سنت ہے اور حضر میں ان کی زیادہ تاکید ہے۔(٦٨)

نوافل کی قضا: اگر نفل اپنے وقت سے قضا ہوجائیں تو اظہر روایت یہ ہے کہ انہیں بعد میں قضا کرنا مستحب ہے(۶۹) کیوں کہ صحیحین کی حدیث میں ہے: ''جو شخص کسی نماز کے وقت سو جائے یا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے ادا کرلے'' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وادی میں سو گئے تھے اور صبح کی نماز نہیں پڑھ سکے تاآنکہ سورج نکل آیا تو آپؐ نے فجر کی سنتیں بھی قضا کیں۔(۷۰) نیز آپؐ نے ظہر کے بعد کی دو سنتیں عصر کے بعد قضا کیں،(۷۱) کیوں کہ یہ مقررہ وقت کی نماز ہے اس لیے فرائض کی طرح ان کی بھی قضا ہے، سفر میں ہو خواہ حضر میں۔

۲۔ غیر مؤکدہ سنتیں:

الف۔ ان کی تعداد بارہ ہے: دو ظہر سے پہلے، یہ مؤکدہ سنتوں کے علاوہ ہیں، نیز اسی طرح دو رکعات ظہر کے بعد۔ جمعہ کی نماز ظہر کی طرح ہے، چار رکعات عصر سے پہلے اور دو رکعات مغرب سے پہلے۔ مغرب سے پہلے کی دو رکعات بہت مختصر پڑھی جائیں اور مؤذن کی اذان کا جواب دینے کے بعد شروع کی جائیں، کیوں کہ حدیث میں ہے: دونوں اذانوں (اذان واقامت) کے درمیان نماز ہے اور دو رکعات عشاء سے پہلے۔

ب۔ تمام غیر مؤکدہ نوافل جو اوپر سنن غیر مؤکدہ میں مذکورہ ہوئے ہیں۔

ج۔ مطلق نوافل جو کسی وقت یا سبب کے ساتھ وابستہ نہیں، جس کی اپنی تعداد اور تعداد رکعات بھی مقرر نہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: نماز بہترین شے ہے کم ہو چاہے زیادہ۔(۷۲)

اگر ایک رکعت سے زیادہ کی نیت سے تکبیر تحریمہ کہی تو ہر دو رکعات کے بعد تشہد پڑھے، صحیح یہ ہے کہ ہر رکعت کے بعد تشہد نہ پڑھے، اگر کچھ رکعات پڑھنے کی نیت کی تو دو رکعات سے پہلے کم یا زیادہ رکعات کی نیت کی جاسکتی ہے۔ ورنہ نماز باطل ہوجائے گی۔ اگر دو رکعات کی نیت کی، پھر بھولے سے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو صحیح یہ

ہے کہ بیٹھ جائے، پھر اگر مزید رکعات پڑھنا چاہے تشہد کے بعد کھڑا ہوجائے اور آخر میں زائد قیام کی غلطی کی بنا پر سجدہ سہو کرے۔ اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ نوافل رات کے وقت پڑھنا افضل ہیں اور درمیانی رات کا وقت افضل ہے پھر آخر شب۔

نفل کی دو رکعات کے بعد سلام پھیرے، ہمیشہ ساری رات قیام کرنا مکروہ ہے شب جمعہ کو ساری رات قیام کرنا بھی مکروہ ہے۔(۷۳) اگر تہجد پڑھنے کی عادت تھی، پھر بلا عذر چھوڑ دیے تو مکروہ ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمروؓ سے فرمایا: عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ ہوجانا، وہ رات کو قیام کیا کرتا تھا، پھر اس نے چھوڑ دیا۔(۷۴)

حنابلہ کے نزدیک نوافل:

نوافل میں حنابلہ کا مذہب بڑی حد تک شافعیہ کے مطابق ہے،وہ کہتے ہیں (۷۵) نوافل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جن کے لیے جماعت مسنون ہے اور وہ ہیں سورج گرہن کی نماز، نماز استسقا اور تراویح۔

۲۔ وہ جو الگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ متعین سنتیں اور مطلق نوافل۔

متعین سنتوں کی کئی اقسام ہیں:

پہلی قسم: فرائض کے ساتھ مؤکدہ سنتیں: یہ وتر کی ایک رکعت ہے کیوں کہ اس کے ادا کرنے کی بہت تاکید آئی ہے اور اسے چھوڑنا مکروہ ہے، جو شخص باقاعدگی سے وتر پڑھتا تھا، پھر اس نے چھوڑ دیے تو اس کی گواہی نہ قبول کی جائے کیوں کہ وہ عادل نہیں رہا، امام احمد کہتے ہیں: جو شخص دانستہ وتر چھوڑ دے وہ برا آدمی ہے، اس کی گواہی قبول کرنا مناسب نہیں۔

دس رکعات: دو ظہر سے پہلے ، دو ظہر کے بعد ، دو مغرب کے بعد اور دو عشا کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ سفر کے دوران اختیار ہے چاہے پڑھے چاہے چھوڑ دے کیوں کہ سفر میں مشقت کا احتمال ہوتا ہے اس لیے سفر میں نماز میں قصر کرنا جائز ہے البتہ فجر کی سنت اور وتر نہ چھوڑے کیوں کہ ان کی بہت تاکید آئی ہے۔

مؤکدہ سنتیں بلکہ وہ تمام سنتیں جن میں جماعت نہیں ہے گھر میں پڑھنا افضل ہیں، کیوں کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس رکعات محفوظ کی ہیں: دو رکعات ظہر سے پہلے ، دو رکعات ظہر کے بعد، دو رکعات گھر میں مغرب کے بعد اور دو رکعات گھر میں عشا کے بعد اور دو رکعات صبح سے پہلے، یہ ایسا وقت ہوتا تھا کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر نہیں جاتا تھا، مجھے حفصہؓ نے بتایا کہ جب مؤذن اذان دیتا اور فجر ہو جاتی تو آپؐ دو رکعات پڑھتے تھے(۷۶) مسلم میں ہے جمعہ کے بعد دو رکعات پڑھتے ۔مسلم نے نماز فجر سے پہلے کی دو رکعات کا ذکر نہیں کیا۔

فجر کی سنتیں مختصر پڑھنا مسنون ہے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے پہلے سنتیں اتنی مختصر پڑھتے کہ میں کہتی کہ آپؐ نے سورہ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں؟(۷۷)

فجر کی سنتوں کے بعد دائیں پہلو کے بل لیٹ جانا سنت ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعات پڑھتے تو لیٹ جاتے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر میں جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے ورنہ لیٹ جاتے۔ (۷۸)
حنابلہ کہتے ہیں کہ خواہ کچھ بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کا اتباع آپؐ کے مخالفین کے اتباع سے اولیٰ ہے۔

فجر اور مغرب کی سنتوں میں سورہ الکافرون اور سورہ اخلاص پڑھنا مسنون ہے فجر کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے اور مغرب کے بارے میں ابن مسعودؓ

سے روایت ہے (۷۹) یا فجر کی پہلی رکعت میں قولوا آمنا باللہ (البقرہ ۱۳۶) اور دوسری میں قل یا اھل الکتاب تعالوا، (آل عمران: ۶۴) پڑھے، اس کی دلیل اوپر مذکور حدیث ہے۔

فجر کی دو سنتیں اور وتر وغیرہ سواری پر پڑھنے جائز ہیں، مسلم میں ابن عمرؓ کی روایت فجر کی سنتوں کے بارے میں ہے اور بخاری میں ہے'' فرائض کے علاوہ'' ہر نماز سواری پر پڑھنا جائز ہے۔

ان تمام سنتوں میں سب سے مؤکدہ فجر کی سنتیں ہیں، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتوں میں فجر کی دو رکعتوں سے زیادہ کسی کی پابندی نہیں کرتے تھے۔(۸۰)

مؤکدہ سنتوں کا وقت: اگر فرض سے پہلے کی سنتیں ہیں تو فرائض سے پہلے کا وقت ہے اور اگر بعد کی ہیں تو بعد کا، پہلے کی سنتیں اگر رہ جائیں تو فرضوں کے بعد انہیں قضا نہ کرے البتہ فجر کی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ امام احمد کے نزدیک انہیں چاشت کے وقت قضا کرے جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے ہے۔ البتہ امام احمد کہتے ہیں کہ اگر فجر کے فرضوں کے بعد پڑھ لیں تب بھی ہوگئیں۔ نیز مؤکدہ سنتیں عصر کے بعد قضا کرنا بھی جائز ہیں۔ جیسا کہ ام سلمہؓ کی حدیث میں ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر سے پہلے کی سنتیں عصر کے بعد قضا کیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا اتباع متعین ہے اور عصر کے بعد پڑھنے کی ممانعت میں شدت نہیں ہے۔

کشاف القناع میں ہے کہ تمام سنتیں قضا کرے، باقی سنتوں کو فجر اور عصر کی سنتوں پر قیاس کیا گیا ہے۔ ابو حامد کہتے ہیں کہ سنن مؤکدہ ممنوع اوقات کے علاوہ تمام اوقات میں قضا کی جاسکتی ہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سنتیں قضا کی ہیں اور

باقی کو ان پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔یہی شافعیہ کی رائے ہے۔

دوسری قسم: غیر مؤکدہ سنتیں: مؤکدہ سنتوں کے ساتھ غیر مؤکدہ سنتیں بھی ہیں جو بیس ہیں۔ چار ظہر سے پہلے اور چار ظہر کے بعد، چار عصر سے پہلے اور چار مغرب کے بعد اور چار عشا کی نماز کے بعد، مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعات پڑھنا جائز ہیں۔

ان کے دلائل: ظہر کے بارے میں ام حبیبہؓ کی روایت ہے کہ: جس کسی نے ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد چار چار رکعات کی پابندی کی اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کردے گا(۸۱) عصر کے بارے میں ہے: اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جس نے عصر سے پہلے چار رکعات پڑھیں۔(۸۲) حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جب سورج ڈھل جاتا تو ظہر سے پہلے چار رکعات اور ظہر کے بعد دو رکعات اور پھر چار رکعات پڑھتے، عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتے، ہر دو رکعات کے بعد ملائکہ مقربین، انبیاء اور ان کے مسلمان متبعین پر سلام بھیجتے۔(۸۳)

مغرب کے بارے میں ہے کہ جس نے مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھیں اور ان کے درمیان کوئی بری بات نہیں کی تو اس کی نماز بارہ سال کی عبادت کے برابر ہے۔(۸۴)

عشا کے بارے میں ہے کہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عشا کی نماز کے ساتھ چار یا چھ رکعات پڑھیں۔(۸۵)

مغرب سے پہلے کی سنتوں کے بارے میں حضرت انسؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ کے عہد میں سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعات پڑھا کرتے تھے، حضرت انسؓ سے پوچھا گیا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے، انہوں نے کہا، آپؐ ہمیں پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے، نہ تو آپؐ نے پڑھنے کا حکم دیا نہ روکا۔(۸۶)

کشاف القناع میں ہے(۸۷) جمعہ سے پہلے مؤکدہ سنتیں نہیں ہیں اور جمعہ کے بعد کم از کم دو رکعات مؤکدہ سنتیں ہیں کیوں کہ ابن عمرؓ سے جو متفق علیہ روایت ہے اس میں ہے: جمعہ کے بعد دو رکعات اپنے گھر پر پڑھتے تھے، زیادہ سے زیادہ چھ رکعات ہیں اور جمعہ کی سنتیں مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔

وتر کے بعد دو رکعات پڑھنے کے بارے میں امام احمدؒ کے قول سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مستحب نہیں ہیں، البتہ اگر کوئی شخص پڑھ لے تو جائز ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ رکعات سنت نہیں ہیں کیوں کہ جن صحابہ نے مثلاً ابن عباسؓ، زید بن خالدؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کی تفصیل بتائی ہے انہوں نے ان رکعات کا ذکر نہیں کیا۔

مسنون یہ ہے کہ فرائض اور سنن کو علیحدہ علیحدہ کرنے کے لیے درمیان میں کھڑا ہوجائے یا بات چیت کرے۔ حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نمازیں باہم ملانے سے منع کیا اور بتایا کہ ہم بات چیت سے یا کسی اور طرح نمازوں کو الگ الگ کریں۔(۸۸)

تیسری قسم: متعین نمازیں

۱۔ نماز تراویح یا رمضان کے مہینے کا قیام

نماز تراویح بیس رکعات ہیں اور یہ سنت مؤکدہ ہے کیوں کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنت قرار دیا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے قیام کو لازمی قرار دیے بغیر ہمیں اس کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرماتے: جس کسی نے ایمان اور حسن نیت سے رمضان میں قیام کیا اسکے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے(۸۹) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، لوگوں نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر اگلی رات بھی نماز پڑھی تو لوگوں کی تعداد

زیادہ ہوگئی، پھر تیسری یا چوتھی رات لوگ بہت جمع ہوگئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک باہر تشریف نہیں لائے، صبح کے وقت آپؐ نے فرمایا مجھے تمہارے بارے میں علم تھا لیکن میں صرف اس وجہ سے باہر نہیں آیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تراویح تم پر فرض ہی نہ ہوجائے۔ یہ رمضان کا واقعہ ہے۔(۹۰)

تراویح کے بیس ہونے کی دلیل امام مالکؒ کی روایت ہے جو انہوں نے یزید بن رومان سے بیان کی کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تئیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ مؤکدہ سنتیں دس ہیں، رمضان میں انہیں دوگنا کردیا گیا ہے کیوں کہ یہ محنت کا وقت ہوتا ہے۔ یہ عمل صحابہ کی موجودگی میں ہوا، اسے عام شہرت مل گئی تو اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ ابوبکر بن عبدالعزیز نے اپنی کتاب الشافی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں بیس رکعات پڑھیں اور حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں تراویح پڑھنے کے لیے جمع کیا تو ابی بن کعبؓ انہیں بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو جو لوگوں کو تراویح پڑھاتا تھا بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا، یہ سب امور اجماع کی مانند ہیں اور ابی بن کعب سے ثابت ہے کہ وہ قیام رمضان کے سلسلے میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

تراویح میں امام بلند آواز سے قراءت کرے، شروع سے اب تک یہی طریقہ رائج ہے اور باجماعت تراویح پڑھنا اکیلے پڑھنے سے افضل ہے، کیوں کہ حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان اور صحابہ کو اکٹھا کرکے فرمایا، جو امام کے ساتھ آخر تک نماز میں شریک رہا اس کے حق ساری رات کا قیام لکھا جائے گا۔(۹۱) حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے۔ بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مردوں کے لیے الگ اور عورتوں

کے لیے الگ امام مقرر کیا ہوا تھا۔ حضرت علی، جابر اور عبداللہ رضی اللہ عنہم جماعت سے تراویح ادا کرتے، باجماعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔

تراویح کی رکعات کی تعداد کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں اور یہی قول سنت کے مطابق ہے کیوں کہ اس پر مہاجرین اور انصار کا عمل رہا۔ کچھ علماء کی رائے یہ ہے کہ تراویح دو رکعات نفل اور وتر کو چھوڑ کر چھتیس رکعات ہیں۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کا عمل ہے اور اہل مدینہ کا قدیم عمل یہی ہے۔(۹۲) ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ صحیح حدیث میں حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور رمضان کے علاوہ تیرہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔ ابن تیمیہؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ تینوں اقوال درست ہیں، امام احمدؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ قیام رمضان میں رکعات کی تعداد مقرر نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے کوئی تعداد مقرر نہیں کی، رکعات کی کثرت وقلت قیام کے طویل اور مختصر ہونے کے اعتبار سے ہے۔(۹۳) شوکانی کہتے ہیں کہ بہت سی احادیث سے رمضان کے مہینے میں رات کو قیام کرنے اور باجماعت یا اکیلے نماز پڑھنے کی شرعی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ تمام تراویح کی رکعات کی تعداد مقرر کرنے یا قرآن کے کسی خاص حصے کی تلاوت ان رکعات میں متعین کرنے کے بارے میں کوئی سنت نہیں ہے۔(۹۴)

تراویح میں قراءت:

امام احمد کہتے ہیں کہ امام رمضان کے مہینے میں تراویح میں اتنا قرآن پڑھے جو سننے والوں کے لیے آسان ہو، مشکل نہ ہو بالخصوص جب راتیں چھوٹی ہوں۔ اصل اعتبار اس بات کا ہے کہ لوگ کتنا برداشت کرتے ہیں۔ قاضی ابو یعلیٰ کی رائے یہ ہے کہ مہینے میں یک ختم قرآن سے کم مقدار میں پڑھنا مستحب نہیں ہے تاکہ لوگ پورا قرآن سنیں اور ایک ختم قرآن سے زیادہ نہ پڑھا جائے کیوں کہ مقتدیوں کو مشقت میں مبتلا کرنا مکروہ ہے۔

المغنی کے مؤلفؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں کی حالت کا اعتبار کرنا زیادہ مناسب ہے، اگر لوگ متفق ہوں کہ طویل قراءت کی جائے اور اسے پسند کریں تو زیادہ پڑھنا افضل ہے جیسا کہ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے رہے حتی کہ ہمیں اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں سحری کا وقت ہی نہ نکل جائے۔

مستحب یہ ہے کہ تراویح کا آغاز سورہ العلق (اقرأ باسم ربک) سے کرے کیوں کہ یہ نزول کے اعتبار سے قرآن کی پہلی سورت ہے، اس کے آخر میں سجدہ تلاوت کرکے کھڑا ہوجائے اور سورہ البقرہ سے شروع کرے۔

تراویح کی نیت:

ہر دو رکعات کی الگ الگ نیت کرے اور آہستہ یہ کہنا مستحب ہے کہ میں سنت تراویح کی دو رکعات پڑھتا ہوں یا قیام لیل کی دو رکعات پڑھتا ہوں کیوں کہ حدیث میں ہے ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' ہر چار رکعات کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کرے۔

چار رکعات کے بعد اگر نہ بیٹھے تب بھی کوئی حرج نہیں اور اس دوران آرام کرے، دعا نہ کرے کیوں کہ حدیث میں کوئی دعا منقول نہیں۔ تراویح کے بعد دعا کرنا مکروہ نہیں ہے کیوں کہ فاذا فرغت فانصب (الانشراح ۹۴: ۷) (جب فارغ ہوجاؤ تو اللہ کے حضور خوب محنت کیا کرو) کا حکم عام ہے۔

تراویح کا وقت:

تراویح کا وقت عشا کے فرض اور سنت پڑھنے کے بعد اور وتر سے پہلے صبح صادق طلوع ہونے تک ہے، عشا کی نماز سے پہلے تراویح پڑھنا درست نہیں۔ اگر کسی شخص نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر تراویح پڑھ لی، پھر اسے یاد آیا کہ اس نے تو عشاء کی نماز بے وضو

پڑھی تھی تو تراویح بھی دہرائے کیوں کہ یہ سنت نماز ہے جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہے، اس سے پہلے جائز نہیں جیسا کہ عشاء کے بعد کی سنتیں ہیں۔ اگر صبح صادق ہوجائے تو تراویح کا وقت ختم ہوگیا، ان کی قضا نہیں ہے۔ اگر عشاء کے فرضوں کے بعد اور سنتوں سے پہلے تراویح پڑھ لیں تو یقیناً درست ہوگئیں لیکن افضل یہ ہے کہ سنتوں کے بعد پڑھے جیسا کہ منقول ہے۔

مسجد میں تراویح ادا کرنا:

مسجد میں تراویح ادا کرنا افضل ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل تین راتیں مسجد میں تراویح پڑھی جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے اور ایک بار تین مختلف راتوں میں پڑھی جیسا کہ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے۔ نیز ارشاد نبوی ہے: جس نے امام کے ساتھ آخر تک قیام کیا اسے پوری رات قیام کرنے کا ثواب ملے گا۔(۹۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں صحابہ مختلف گروہوں میں مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے تاآنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابیؓ کی امامت میں لوگوں کو اکٹھا کردیا، صحابہ نے اور بعد کے مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی پیروی کی۔

رات کے ابتدائی حصے میں تراویح پڑھنا افضل ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ رات کے ابتدائی حصے میں ہی تراویح پڑھتے تھے۔

تراویح کے بعد نماز وتر:

تراویح کے بعد با جماعت تین رکعات وتر پڑھیں، جیسا کہ اوپر امام مالک کی یزید بن رومان سے روایت ہے۔

اگر تہجد پڑھنے کا عادی ہے تو مستحب یہ ہے کہ وتر تہجد کے بعد پڑھے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: وتر کو رات کی آخری نماز کے طور پر پڑھو(۹۶) اگر تہجد پڑھنے کا عادی نہیں ہے تو امام کے ساتھ وتر پڑھے تاکہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو۔ اگر تہجد پڑھنے کا عادی شخص

امام کے ساتھ وتر میں شریک ہونا چاہتا ہے تو جب امام سلام پھیر دے تو کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے تاکہ چار رکعات ہو جائیں، پھر جب تہجد پڑھے تو اس وقت وتر پڑھ لے، اس طرح آخر تک امام کے ساتھ شرکت کی فضیلت بھی حاصل ہوگی اور وتر کو آخری نماز کے طور پر پڑھنے کی فضیلت بھی۔

جس کسی نے جماعت کے ساتھ یا اکیلے وتر پڑھے پھر وتر کے بعد نوافل پڑھنا چاہتا ہے تو وتر کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اسے چار رکعت نہ کرلے جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے وتر توڑ کر ان کو نوافل کر دیتا ہے تو انہوں نے کہا: ''یہ شخص اپنے وتر کو کھیل تماشا بنا رہا ہے''(۹۷) وتر کے بعد صبح صادق تک جتنے چاہے نوافل پڑھے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ''آپؐ وتر کے بعد دو رکعات پڑھا کرتے تھے'' اور آخر میں دوبارہ وتر نہ پڑھے، تہجد سے پہلے جو وتر اس نے پڑھے تھے وہی کافی تھے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں''۔(۹۸)

تراویح کے درمیان اور تراویح کے بعد نوافل:

تراویح کے درمیان نوافل پڑھنا مکروہ ہیں البتہ درمیان میں یا تراویح کے بعد طواف کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگا کر طواف کرلیا کرتے اور طواف کی دو رکعات بھی پڑھ لیتے تھے۔ تراویح کے بعد یا باجماعت وتر پڑھنے کے بعد نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے، خواہ درمیان میں طویل وقفہ آجائے یا مختصر۔

۲۔ چاشت کی نماز:

چاشت کی نماز مستحب ہے یعنی غیر مؤکدہ ہے کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں: مجھے میرے خلیل نے تین باتوں کی وصیت کی: ہر ماہ تین روزے رکھنے کی، چاشت کی دو رکعات پڑھنے اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔(۹۹)

چاشت کی زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات ہیں جیسا کہ ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز ان کے گھر آئے اور آٹھ رکعات پڑھیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے اس سے مختصر نماز کبھی نہیں دیکھی، بس آپؐ رکوع سجدے مکمل کرتے تھے۔(۱۰۰)

چاشت کی نماز کا وقت: جب سورج بلند ہوجائے اور اس کی گرمی تیز ہوجائے، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: اللہ کی طرف رجوع کرنے والی کی نماز اس وقت ہوتی ہے جو اونٹنی کا بچہ گرمی محسوس کرے۔(۱۰۱)

بعض حنابلہ کے نزدیک باقاعدگی سے چاشت کی نماز پڑھنا مستحب نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدگی سے نہیں پڑھی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا(۱۰۲) نیز باقاعدگی سے پڑھنے میں فرض نماز کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

بعض دوسرے حنابلہ (ابو الخطاب) کی رائے یہ ہے کہ نماز چاشت باقاعدگی سے پڑھنا مستحب ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اس کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو شخص چاشت کی دو رکعات کی پابندی کرے اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے، خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔(۱۰۳) نیز اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہے جسے باقاعدگی سے کیا جائے۔

۳۔ نماز تسبیح:

امام احمد کے نزدیک نماز تسبیح مستحب نہیں ہے کیوں کہ جس حدیث میں نماز تسبیح کا ذکر ہے وہ ان کے نزدیک ثابت نہیں (۱۰۴) اگر کوئی شخص پڑھ لیتا ہے تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ نوافل اور فضائل کے لیے صحیح حدیث سے ثابت ہونا شرط نہیں۔

۴۔ نماز استخارہ:

حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر سنت ہے، جسے بخاری نے روایت کیا۔

۵۔ نماز حاجت:

عبداللہ بن ابی اوفیؓ کی مذکورہ حدیث کی بنا پر جسے ترمذی نے روایت کیا سنت ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔

۶۔ نماز توبہ:

ابو داؤد اور ترمذی کی مذکورہ بالا حضرت علیؓ کی روایت کی بنا پر سنت ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

۷۔ تحیۃ المسجد:

ابو قتادہؓ کی اوپر مذکورہ متفق علیہ روایت کی بنا پر سنت ہے۔

۸۔ نماز زوال:

شافعیہ کے مذہب میں حضرت علیؓ کی مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر سنت ہے۔

عام نوافل:

ممنوع اوقات کے علاوہ دن اور رات میں ہر وقت عام نوافل پڑھنے جائز ہیں۔ رات کے نوافل دن کے نوافل سے افضل ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک فرائض کے بعد رات کے نوافل سے افضل کوئی نماز نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی نماز کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے: **ومن الليل فتهجد به نافلة لک** (رات کے وقت تہجد پڑھا کریں، جو آپ کے لیے نوافل ہیں، الاسراء۱۷:۷۹) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز رات کی نماز ہے۔(۱۰۵)

تہجد کے لیے افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے کیوں کہ عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، رات کے کون سے وقت دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: رات کا آخری حصہ، اس میں جتنی نماز چاہو پڑھو۔(۱۰۶)

گھر میں نوافل پڑھنا افضل ہیں کیوں کہ حدیث میں ہے: ''اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو، فرض نماز کے علاوہ آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے''۔(۱۰۷)

تہجد سے پہلے مسواک کرنا مستحب ہے کیوں کہ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو اپنا منہ مسواک کر کے صاف کر لیتے۔(۱۰۸)

مستحب یہ ہے کہ تہجد کا آغاز دو ہلکی پھلکی رکعات سے کرے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: جب تم میں سے کوئی رات کے وقت اٹھے تو دو مختصر رکعات سے آغاز کرے۔(۱۰۹)

تہجد کی رکعات کی تعداد:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کی رکعات کے بارے میں اختلاف ہے۔ زید بن خالدؓ اور ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق تیرہ رکعات تھیں، جن میں سے تین وتر تھے۔(۱۱۰) حضرت عائشہؓ کے مطابق گیارہ رکعات تھیں، جن میں سے تین وتر تھے۔(۱۱۱) ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی رات تیرہ اور کسی رات گیارہ پڑھتے ہوں۔

تہجد پڑھنے والے کی قراءت:

مستحب یہ ہے کہ تہجد پڑھنے والا قرآن حکیم کا ایک پارہ تہجد میں پڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ تہجد پڑھنے والے کو اختیار ہے چاہے بلند آواز سے قراءت کرے چاہے آہستہ، البتہ اگر بلند آواز سے پڑھنے سے دل زیادہ خوش ہوتا ہے یا

پاس ایسے لوگ موجود ہوں جو سن رہے ہوں یا انہیں اس سے فائدہ ہو رہا ہو تو بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے۔ اگر قریب کوئی اور شخص تہجد پڑھ رہا ہو یا بلند آواز سے پڑھنے سے کسی کو تکلیف ہوتی ہو تو آہستہ پڑھنا بہتر ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہو تو جیسے چاہے پڑھ لے۔(۱۱۲)

تہجد کی قضا:

جس شخص کا تہجد کا معمول ہو اور تہجد قضا ہو جائیں تو فجر اور ظہر کی نمازوں کے درمیان انہیں قضا کرنا مستحب ہے۔(۱۱۳)

مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھنا:

مغرب اور عشا کے درمیان نوافل پڑھنا مستحب ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک سے "تتجافی جنوبھم عن المضاجع" (ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، السجدہ ۳۲:۱۶) کی تفسیر میں منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مغرب اور عشا کے درمیان نوافل پڑھا کرتے تھے۔(۱۱۴)

نوافل دو دو رکعات پڑھنا:

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ رات کی نماز دو رکعات پڑھی جائے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: رات کی نماز دو دو رکعات ہے(۱۱۵) دن میں اگر نوافل چار چار رکعات پڑھتے تب بھی کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ رات کی طرح دن میں بھی دو دو رکعات پڑھے۔

بیٹھ کر نوافل پڑھنا:

بیٹھ کر نوافل پڑھنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہیں، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی وہ افضل ہے اور جس نے بیٹھ کر پڑھی اسے کھڑے ہونے والے سے نصف ثواب ملے

گا(۱۱۶) صحیح مسلم میں الفاظ یوں ہیں: بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز آدھی نماز ہے۔

جو شخص بیٹھ کر نوافل پڑھ رہا ہو اس کے لیے مستحب ہے کہ قیام والے حصے میں چار زانو ہو کر بیٹھے جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے، کیوں کہ قیام، بیٹھنے سے مختلف ہے، اگر اس حصے کی ہیئت مختلف ہو تو مناسب ہے کیوں کہ قیام کی ہیئت قعدہ سے مختلف ہے۔ نیز اس طرح بھولنے کا امکان بھی کم ہوتا ہے۔

سو کر اٹھنے کے وقت کی دعا:

مستحب یہ ہے کہ جب کوئی شخص سو کر اٹھے تو وہ دعا پڑھے جو حضرت عبادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جو کوئی رات کو اٹھے(۱۱۷) تو یہ کہے:

لا اله الا الله وحده لاشريک له، له الملک وله الحمد وهو على كل شئ قدير، الحمد لله وسبحان الله ولا اله الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اس کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف وہ ہر چیز پر قادر ہے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اللہ پاک ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر نہ نیکی کی طاقت ہے نہ گناہ سے بچنے کی قوت وہ بلند ہے عظمت والا)۔

پھر کہے: اللهم اغفرلى (اے اللہ! مجھے بخش دے) یا کوئی اور دعا کرے، اس کی دعا قبول ہوگی، اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہوگی۔(۱۱۸)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے اٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے: اللهم لک الحمد، انت نور السموات والارض ومن فيهن، ولک الحمد، انت قيوم السموات والارض ومن فيهن، ولک الحمد، انت ملک السموات والا رض ومن فيهن، ولک الحمد انت الحق، ووعدک الحق،

وقولک الحق ولقاؤک حق، والجنة حق، والنار حق، والساعة حق، والنبیون حق، ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم حق، اللھم لک اسلمت، وبک آمنت، وعلیک توکلت، والیک انبت، وبک خاصمت، والیک حاکمت، فاغفرلی ماقدمت وما أخرت، ومااسررت وما اعلنت، انت المقدم وانت المؤخر، لااله الاانت، ولا حول ولا قوة الابک(۱۱۹)

اے اللہ! سب تعریفیں تیرے لیے ہیں، تو زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا نور ہے، سب تعریفیں تیرے لیے ہیں، تو زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا نگران ہے، سب تعریفیں تیرے لیے ہیں تو زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا بادشاہ ہے، سب تعریفیں تیرے لیے ہیں تو حق ہے، تیرا وعدہ، تیرا قول، تجھ سے ملاقات حق ہے، جنت، دوزخ اور قیامت حق ہیں۔ انبیاء سچے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں، اے اللہ، میں تیرا مطیع ہوں، تجھ پر ایمان رکھتا ہوں، تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں، تیری طرف رجوع کرتا ہوں، تجھے اپنا وکیل بناتا ہوں، تجھے اپنا حاکم قرار دیتا ہوں میرے پہلے اور پچھلے، خفیہ اور اعلانیہ سب گناہ بخش دے، تو ہی سب سے پہلے ہے اور تو ہی سب کے بعد، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیرے سوا نیکی کرنے کی طاقت ہے نہ گناہوں سے بچنے کی۔

قرآن حکیم کی تلاوت اور حفظ: (۱۲۰)

قرآن حکیم سب سے افضل ذکر ہے

قرآن حکیم تمام اذکار سے افضل ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: جس کسی کو تلاوت قرآن کے باعث مجھ سے مانگنے کا موقع نہیں ملا میں اسے مانگنے والوں سے بہتر دیتا ہوں اور اللہ کا کلام دوسری ساری کلاموں پر اسی طرح برتر ہے جیسے اللہ کی ذات تمام مخلوق سے برتر ہے۔(۱۲۱) البتہ نمازوں کے بعد مسنون اذکار میں مشغول ہونا ان مواقع پر تلاوت

قرآن میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ قرآن حکیم دوسری تمام کتابوں اور آسمانی صحیفوں سے افضل ہے۔ اور قرآن کے بعض حصے ثواب کے اعتبار سے یا دوسری وجوہ سے بعض دوسرے حصوں سے افضل ہیں جیسا کہ قل ھو اللہ احد، سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے۔

حفظ قرآن:

اس امر پر اجماع ہے کہ حفظ قرآن مستحب ہے اور حفظ قرآن فرض کفایہ ہے اور جتنا حصہ نماز میں پڑھنا واجب ہے یعنی مشہور روایت کے مطابق سورۂ فاتحہ یا سورۂ فاتحہ اور کسی دوسری سورت کا اتنا حصہ یاد کرنا واجب ہے۔ بچے کے نگران پر واجب ہے کہ بچے کے بالغ ہونے سے قبل قرآن سے اس کی تعلیم کا آغاز کرے اور اسے سارا قرآن پڑھائے البتہ اگر سارے قرآن کا یاد کرنا مشکل ہو تو جتنا آسان ہو اتنا پڑھا دے اور مکلف شخص واجب قراءت سیکھنے کے بعد شریعت کے احکام پہلے سیکھے۔

قرآن سننا:

مطلقاً قرآن سننا واجب ہے کیوں کہ الفاظ میں عموم کا اعتبار ہے، سبب کی خصوصیت کا نہیں، البتہ قرآن سننا فرض کفایہ ہے کیوں کہ اس میں قراءت کے حق کی ادائیگی ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہو تاکہ قرآن کی تلاوت بے سنے ضائع نہ چلی جائے۔ اگر کچھ لوگ سن رہے ہوں تو یہ فرض ادا ہو جاتا ہے جیسا کہ کچھ لوگ سلام کا جواب دے دیں تو کافی ہے۔(۱۲۲)

راہ چلتے ہوئے تلاوت کرنا:

راستے میں چلتے ہوئے لیٹے، بیٹھے اور سوار ہو کر تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ اسلاف کی ایک جماعت سے راہ چلتے ہوئے سورہ کہف تلاوت کرنے کا

ثبوت موجود ہے۔ حضرتؓ عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے بستر پر لیٹے لیٹے تلاوت کرتی رہتی ہوں۔ اسے الفریانی نے روایت کیا۔ شیخینؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی وہ کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سہارا لے کر لیٹے ہوئے ہوتے، میں حیض سے ہوتی، تو بھی آپؐ تلاوت قرآن کیا کرتے تھے۔

مستحب یہ ہے کہ ہفتہ کے تمام دنوں میں قرآن حکیم کی اتنی تلاوت کرے کہ ہفتہ بھر میں ختم ہو جائے ابو داؤد میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمروؓ سے فرمایا: سات دن میں قرآن پڑھا کرو، اس سے زیادہ نہ پڑھو۔

ختم قرآن:

ختم قرآن کو چالیس روز سے مؤخر کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن عمرؓ نے پوچھا، آپؐ کتنے دنوں میں قرآن ختم کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا، چالیس دنوں میں، پھر فرمایا، ایک ماہ میں، پھر فرمایا، بیس دن میں، پھر فرمایا، دس دن میں، پھر فرمایا، سات دن میں اور اس سے کم نہ کرے۔(۱۲۳)

اگر تین دن میں ختم کر لے تو بھی ٹھیک ہے کیوں کہ عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، مجھے زیادہ پڑھنے کی طاقت ہے، آپؐ نے فرمایا، تین دن میں پڑھو(۱۲۴)۔ اور تین دن سے کم میں پڑھنا مکروہ ہے، کیوں کہ عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی تین دن سے کم میں قرآن ختم کرتا ہے وہ اسے سمجھتا نہیں۔ (۱۲۵)

قرآن کو ترتیل اور خوش الحانی سے پڑھنا:

زیادہ مقدار میں جلدی جلدی پڑھنے کے بجائے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا افضل ہے۔ اسی طرح سمجھ کر اور غور و تدبر سے پڑھنا افضل ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ورتل القرآن

ترتیلاً (المزمل ۷۳: ۴، قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں) نیز فرمایا: کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ (ص ۳۸: ۲۹) بابرکت کتاب ہم نے آپؐ کی طرف نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں) خوش الحانی سے، ٹھہر ٹھہر کر اور صاف صاف پڑھنا مستحب ہے، حروف مد اور لین کو تکلف کے بغیر پورا پورا ادا کرے، کیوں کہ ترتیل سے تلاوت کرنے کا حکم ہے۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ قاری متاثر کن، پرسوز اور تدبر والی آواز سے تلاوت کرے۔ خوب صورت آواز سے نغمگی پیدا کر کے قرآن حکیم کی تلاوت کرنا مستحب ہے، مکروہ نہیں، بشرطیکہ کسی حرف کی کمی زیادتی یا کسی لفظ کی تبدیلی نہ ہو، کیون کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپؐ میری تلاوت سن رہے ہیں تو میں اور بھی خوب صورت آواز سے پڑھتا (۱۲۶) عبداللہ بن مغفلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے روز سورۃ الفتح کی تلاوت کرتے سنا۔ ابن مغفلؓ نے اسی طرح تلاوت کی اور قراءت میں آیات کو دہرا دہرا کر پڑھا (۱۲۷)۔ پس دہرانا اور خوب صورت آواز سے پڑھنا مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے، اللہ نے جس طرح نبی کو نغمگی کے ساتھ بلند آواز سے قراءت کی اجازت دی، اس طرح اور کسی چیز کی اجازت نہیں دی۔ (۱۲۸) آپؐ نے فرمایا: قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو (۱۲۹) جو شخص خوش نغمگی سے تلاوت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے (۱۳۰)

قرآن حکیم کو گا کر پڑھنا مکروہ ہے اور بدعت ہے۔ یعنی اس طرح پڑھا جائے کہ حرکات کو حروف میں بدل دیا جائے اور جہاں مد نہ ہو وہاں مد کر لیا جائے، کیوں کہ قرآن الفاظ اور اسلوب کے اعتبار سے معجزہ ہے اور گا کر پڑھنے سے ان میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ اگر گا کر پڑھنے سے قرآن کے اسلوب میں تبدیلی ہو جائے اور حرکات حروف میں بدل جائیں تو یہ حرام ہے۔

تلاوت کے آداب:

قرآن کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا مستحب ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فاذا قَرَأتَ القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم (النحل ۱۶:۹۸)، جب قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو) تلاوت سے فارغ ہو کر اللہ کی تعریف کرنا مستحب ہے کہ اس نے تلاوت کی نعمت سے مستفید ہونے کی توفیق دی۔

تلاوت کے آداب میں سے ہے کہ تلاوت کے وقت روئے، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کرے۔ آیت رحمت کی تلاوت کے وقت اللہ سے رحم کی درخواست کرے اور آیت عذاب کی تلاوت کے وقت عذاب الٰہی سے پناہ مانگے۔ کسی کے بات کرنے کے لیے شدید مجبوری کے سوا تلاوت منقطع نہ کرے۔ ایسے لوگوں کی طرح تلاوت کرے جو نیکو کار، قرآن کے معانی سے واقف ہوتے ہیں۔

باوضو ہو کر تلاوت کرے اور اگر بیٹھ کر پڑھ رہا ہو تو قبلہ رو ہو کر پڑھے۔ ہر سال کسی ایسے شخص کو پڑھ کر سنائے جو اس سے بہتر تلاوت کرتا ہو، ہر سورت کو دوسری سورت سے بسم اللہ پڑھ کر یا وقف کر کے الگ کرے۔ تلاوت پر فخر نہ کرے، اس سے دنیا طلب نہ کرے بلکہ اللہ سے ثواب کی امید رکھے، اطمینان اور سکون سے تلاوت کرے اور اللہ نے جو کچھ دیا ہے اس پر قناعت کرے۔ اگر آس پاس لوگ سوئے ہوئے ہوں یا نماز پڑھ رہے ہوں یا بلند آواز سے پڑھ رہے ہوں تو بلند آواز سے نہ پڑھے تاکہ انہیں اذیت نہ ہو۔

صبح فجر کی نماز کے بعد تلاوت کرنا دن کے آخری حصے میں تلاوت کرنے سے افضل ہے۔ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ان قرآن الفجر کان مشهوداً (فجر کی تلاوت کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں، الاسراء ۱۷:۷۸) ایک لفظ کو سات قراءتوں سے مختلف انداز سے پڑھنا جائز ہے۔

بے وضو ہونے کی حالت میں یا کپڑے یا بدن پر نجاست لگی ہوئی ہو یا بیوی کو یا عضو تناسل کو ہاتھ لگایا ہو تو تلاوت کرنا مکروہ نہیں ہے۔

قرآن کی تعظیم کا تقاضا ہے کہ گندگی کی جگہ پر تلاوت نہ کرے۔ جب ہوا خارج ہو رہی ہو تو تلاوت جاری رکھنا مکروہ ہے، بلکہ اس وقت رک جائے، جب ہوا خارج ہونا بند ہو جائے تو پھر پڑھے۔

جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے بلند آواز سے قراءت کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس میں ماتم سے مشابہت ہے۔ اگر منہ ناپاک ہو تو بھی تلاوت کی جاسکتی ہے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ بازار میں جہاں شور وغوغا ہو، لوگ خرید وفروخت کے لیے آوازیں لگا رہے ہوں وہاں تلاوت کرنا مکروہ ہے۔

مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنا مستحب ہے اور تلاوت سننا بھی مستحب ہے کیوں کہ سننے والا ثواب میں پڑھنے والے کے ساتھ شریک ہو رہا ہے۔ تلاوت کے وقت بے فائدہ گفتگو کرنا مکروہ ہے۔ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: واذاقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (الاعراف ۷:۲۰۴)، جب قرآن کی تلاوت کی جارہی ہو تو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے) نیز بے فائدہ گفتگو میں ایک ایسی چیز کو سننے سے اعراض کی صورت پیدا ہوتی ہے جو باعث ثواب ہے۔

قرآن حکیم ختم کرنے کے بعد دعا کرے جیسا کہ حضرت انسؓ کہا کرتے تھے: حضرت انسؓ جب قرآن ختم کرتے تو اپنے اہل خانہ کو جمع کرتے اور دعا کرتے۔(۱۳۱) مستحب یہ ہے کہ جب ایک بار ختم کرلے تو دوسری بار شروع کردے، کیوں کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے'' بہترین عمل یہ ہے کہ سفر ختم کرتے ہی شروع کرلیا جائے، آپؐ سے پوچھا گیا، اس سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے کہا:'' قرآن ختم کرتے ہی شروع کرلیا جائے''۔ سورہ والضحیٰ سے آخر تک کی سورتوں کے اختتام پر صرف اللہ اکبر کہنا مسنون ہے،

کلمہ پڑھنا یا تسبیح کرنا مسنون نہیں، کیوں کہ حضرت ابیؓ بن کعب کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سورتیں پڑھیں اور آپؐ نے اللہ اکبر کہنے کا حکم دیا۔(۱۳۲) سورہ اخلاص کو مکرر پڑھے اور ختم کرنے کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورۃ البقرہ کی پانچ آیات نہ پڑھے کیوں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

بابرکت جگہوں پر بکثرت تلاوت کرنا مستحب ہے مثلاً جو شخص باہر سے مکہ میں آیا ہے وہ وہاں کی جگہ اور اوقات کو غنیمت جانے۔

قرآن حکیم کی تفسیر عربی زبان کے تقاضوں کے مطابق کرنا جائز ہے کیوں کہ قرآن عربی ہے اور ارشاد باری ہے لتبین للناس مانزل الیھم (النحل ۱۶: ۴۴)، تاکہ تو بیان کرے لوگوں کے سامنے وہ احکام جو ان کی طرف نازل کیے گئے) اللہ تعالیٰ نے دیہاتیوں کی تنبیہ کے طور پر فرمایا: وأجدر أن لایعلموا حدود ما أنزل اللہ علی رسولہ (التوبہ ۹:۹۷)، (اس امر کے امکانات زیادہ ہیں کہ وہ اس دین کے حدود سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں) یعنی احکامات۔

تفسیر قرآن:

لغت اور منقولی تفسیر سے ہٹ کر اپنی رائے سے قرآن حکیم کی تفسیر کرنا جائز نہیں۔ کیوں کہ جس کسی نے اپنی رائے سے یا نہ جانتے ہوئے قرآن کی تفسیر میں کچھ کہا تو اس نے اپنا ٹھکانا(۱۳۳) آگ میں بنا لیا اور اگر صحیح مفہوم بتایا تب بھی غلطی کی کیوں کہ ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ ”جس کسی نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی یا ایسی بات کہی جس سے وہ واقف نہیں تو اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لیا“۔ (۱۳۴) حضرت جندبؓ سے مرفوع روایت ہے: جس کسی نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اور درست کی تب بھی غلط کیا۔(۱۳۵) ضروری ہے کہ تفسیر کے لیے صحابہ کی تفسیر سے رجوع کیا جائے، کیوں کہ صحابہ نزول قرآن کے گواہ تھے، اور تفسیر کے موقع پر موجود تھے، یہ ظاہری علامت ہے کہ ان کی

تفسیر درست ہوگی۔ تابعی کی تفسیر کی طرف رجوع کرنا ضروری نہیں، کیوں کہ مشہور قول یہ ہے کہ تابعی کا قول حجت نہیں ہے۔

گفتگو کے لیے قرآنی آیات کو استعمال کرنا جائز نہیں مثلاً کسی شخص کو دیکھے کہ بروقت آیا ہے تو کہے:ثم جئت علی قدر یا موسی (طٰہٰ۲۰:۴۰، اے موسیٰ! تو ٹھیک اپنے وقت پر آ گیا ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں(۱۳٦) سورۂ یٰسٓ وغیرہ کسی سورت کی اجتماعی تلاوت کرنا مکروہ ہے نیز مسجد میں بلند آواز سے تلاوت کرنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ اس سے دوسروں کو تشویش ہوتی ہے اور ریا کاری کا بھی احتمال ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱۔ کشاف القناع، ۱:۴۸۱

۲۔ اللباب شرح الکتاب، ۱:۹۱

۳۔ مغنی المحتاج،۱:۲۱۹

۴۔ امام احمد نے اپنی مسند میں، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے ثوبانؓ سے اور ابن ماجہ اور طبرانی نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے اور طبرانی نے سلمہ بن اکوعؓ سے روایت کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن ماجہ نے ابو امامہؓ سے اور طبرانی نے عبادہ بن صامتؓ سے ان الفاظ سے روایت کی ہے: سیدھے رہو اور تمہارا سیدھے رہنا بہت عمدہ بات ہے، تمہارے بہترین اعمال نمازیں ہیں اور وضو کی حفاظت مومن ہی کرتا ہے۔

۵۔ المہذب، ۱:۸۲

۶۔ فتح القدیر، ۱:۳۱۴۔۳۳۵، تبیین الحقائق،۱:۱۷۱۔۱۸۰، اللباب، ۱:۹۱۔۹۴، الدر المختار، ۱:۶۳۰۔۶۶۴۔

۷۔ احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے مرفوع روایت کو صحیح قرار دیا ہے (نیل الاوطار، ۳:۱۹، سبل السلام، ۲:۴)

۸۔ متفق علیہ، احمد، ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ ”صبح کی دو رکعات نہ چھوڑو خواہ تمہیں گھوڑے روند جائیں“۔ ایضاً

۹۔ بخاری، اس کی تائید ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ میں مذکور ابو ایوبؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے ”ظہر سے پہلے چار رکعات جن کے درمیان سلام نہ پھیرا جائے آسمانوں کے دروازے کھول دیتی ہیں۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعات عشاء کے بعد کی چار رکعات کے برابر ہیں اور عشاء کے بعد کی چار رکعات لیلۃ القدر کی چار رکعات کے برابر ہیں (سبل السلام، ۲:۴)

۱۰۔ ام حبیبہؓ سے پانچوں کتب صحاح نے روایت کی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا (نیل الاوطار، ۳:۱۶)

۱۱۔ ابن ماجہ، طبرانی، معجم، البتہ اس کی سند انتہائی ضعیف ہے (نصب الرایہ، ۲:۲۰۶)

۱۲۔ ام حبیبہؓ بنت ابو سفیان سے ایک جماعت نے روایت کی۔ ایضاً، ۱۳۸۔

۱۳۔ جبیر بن نفیر کے حوالے سے حضرت ابوذرؓ سے صحیح کی پانچوں کتب نے روایت کی۔ ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا، بخاری و مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ (نیل الاوطار، ۳:۵۰ و بعد، نصب الرایہ، ۲:۱۵۲)

۱۴۔ ابو داؤد، ترمذی۔

۱۵۔ سلیم الرازی نے کتاب الترغیب میں ''تین وتر پڑھنے'' کا اضافہ کیا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان اس اضافے میں اکیلے ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔ (نیل الاوطار، ۳:۵۳)۔

۱۶۔ نیل الاوطار، ایضاً۔

۱۷۔ احمد، ابو داؤد، ترمذی نے اسے حسن قرار دیا، ابن خزیمہ نے اسے صحیح بتایا، (سبل السلام، ۲:۵)۔

۱۸۔ بزار اس میں ایک راوی ہے جس کے بارے میں کلام ہے (مجمع الزوائد، ۲:۲۳۱)۔

۱۹۔ مراقی الفلاح، ص ۶۴، احمد ابو داؤد اور نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی عشاء کی نماز پڑھ کر میرے ہاں تشریف لائے، آپؐ نے چار یا چھ رکعات پڑھیں (نصب الرایہ، ۲:۱۴۵ و بعد، نیل الاوطار، ۳:۱۸)

۲۰۔ اوابین، اواب کی جمع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ و استغفار کے ذریعے زیادہ رجوع کرنے والا۔

۲۱۔ طبرانی (مجمع الزوائد، ۲:۲۳۰) ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (الترغیب والترھیب، ۱:۴۰۴)۔

۲۲۔ ابو یعلی موصلی (نصب الرایہ، ۲:۱۴۶، سبل السلام، ۲:۱۶)

۲۳۔ مسلم، ابو داؤد، نسائی۔

۲۴۔ ابو قتادہؓ سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت کی، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔

۲۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عید کی رات عبادت میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اس روز زندہ رکھے گا جب دل مردہ ہو جائیں گے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رمضان کا

آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیدار رہتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے اور اپنی کمر مبارک کو کس لیتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو ذوالحجہ کے دس دنوں سے زیادہ کسی دن کی عبادت محبوب نہیں، ان میں ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ہر رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔ شعبان کی درمیانی رات کے بارے میں ارشاد ہے: جب شعبان کی درمیانی رات ہو تو رات کو قیام کرو، دن کو روزہ رکھو، اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے بعد آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: ''ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں، ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دوں''، یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا ہے۔

۲۶۔ احمد، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی، طبرانی نے ابوموسیٰ اور عمرو بن عبسہ بن عمیر بن قتادہ لیثی سے روایت کی اور یہ حدیث صحیح ہے۔

۲۷۔ الترغیب والترھیب، ۱:۴۸۰۔

۲۸۔ دیکھیے: الترغیب والترھیب، ۱:۴۶۹، ابن عباسؓ سے ایک اور طریقہ مذکور ہے اور وہ یہ کہ قراءت کے بعد پندرہ بار تسبیح پڑھے اور دوسرے سجدے کے بعد دس بار الترغیب والترھیب، ۱:۴۶۷۔

۲۹۔ پھر ثنا پڑھے یعنی اللہ کی حمد بیان کرے اور بکثرت تسبیح وتکبیر کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور سینکڑوں مرتبہ استغفار کرے۔ موجبات رحمت سے مراد وہ امور ہیں جو جنت میں پہنچائیں۔ عزائم مغفرت سے مراد وہ اسباب ہیں جو یقینی بخشش کا باعث ہوں۔ الغنیمۃ: کامیابی، السلامۃ، ہر گناہ سے حفاظت، فرجتہ: تو اسے دور کردے۔

۳۰۔ ترمذی، ابن ماجہ (الترغیب والترھیب، ۱:۴۷۶)۔

۳۱۔ فتح القدیر، ۱:۳۱۸۔۳۳۲، اللباب شرح الکتاب، ۱:۹۲۔۹۴، الدر المختار، ۱:۶۴۴۔۶۵۸، مراقی الفلاح، ۶۵، ۶۷ وبعد۔

۳۲۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۵۹۔

۳۳۔ مسلم کے سوا صحاح ستہ نے عمران بن حصینؓ سے روایت کی۔

۳۴۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کے لیے سواری سے اتر جائے کیوں کہ ان کی تاکید دوسری سنتوں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

۳۵۔ صحیح ابن حبان۔

۳۶۔ دار قطنی، حاکم نے میمون بن مھران سے روایت کی اور کہا کہ صحیحین کی شرط پر ہے (نیل الاوطار ۱۹۹:۳)

۳۷۔ القوانین الفقهیه،۴۲، الشرح الصغیر ،۱: ۴۰۱ ۔۴۱۱

۳۸۔ ان کے نزدیک اس کے علاوہ اور کوئی نماز ''رغیبہ'' نہیں ہے۔

۳۹۔ دیلمی نے مسند فردوس میں جابرؓ سے روایت کی کہ'' رات کے دوران دو رکعات گناہوں کو دھو دیتی ہیں'' سیوطی نے اسے صحیح قرار دینے سے خاموشی اختیار کی۔

۴۰۔ بخاری۔

۴۱۔ ترمذی نے عثمان بن حنیفؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا شخص کو یہ دعا سکھائی کہ وضو کرو، دو رکعات نماز پڑھو، پھر کہو: اللھم انی أسألک واتوجه الیک بنبیی محمد صلی اللہ علیه وسلم نبی الرحمة ، یامحمد، انی اتوجه الی ربی بک ان یکشف لی عن بصری، اللهم شفعه فیَّ، وشفعنی فی نفسی (اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی رحمت ہیں ان کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمدؐ، میں آپؐ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری آنکھوں کو بینا کردے، اے اللہ میرے بارے میں ان کی سفارش قبول فرما، اور میرے بارے میں میری سفارش قبول فرما) وہ شخص نماز سے واپس ہوا تو اس کی بینائی لوٹ آئی تھی (الترغیب والترهیب، ۴۷۳:۱)۔

۴۲۔ ابو داؤد، ترمذی نے عبداللہؓ بن ابی سے روایت کی اور اس کی سند کو ضعیف بتایا۔

۴۳۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ صحیح ابن حبان بیھقی، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں سند کے بغیر روایت کی (الترغیب والترهیب ۴۷۲:۱)۔

۴۴۔ الشرح الصغیر ،۱: ۴۱۴۔

۴۵۔ رد المحتار، ۱: ۶۳۷

۴۶۔ المهذب، ۱: ۸۲ ۔۸۵، مغنی المحتاج ، ۱: ۲۱۹ ۔ ۲۲۸، حاشیة الباجوری ، ۱: ۱۳۵ ۔ ۱۴۰، تحفة الطلاب، ۷۴ ۔ ۷۸۔

۴۷۔ قیام لیل کے فرض قرار پانے کا مطلب یہ ہے کہ تہجد مسجد میں جماعت کے ساتھ رات کے نوافل کے صحیح ہونے کے لیے شرط قرار پاتے، کیوں کہ حضرت زیدؓ بن ثابت کی حدیث میں ہے: ''مجھے ڈر ہے کہ یہ تم پر فرض نہ ہو جائیں اور اگر فرض ہو گئے تو تم ادا نہیں کر سکو گے، پس، اے لوگو! اپنے اپنے گھروں میں پڑھا کرو'' آپؐ نے مسجد میں جمع ہو کر تہجد پڑھنے سے منع کیا تاکہ یہ شرط نہ ہو جائے۔

۴۸۔ بیہقی۔

۴۹۔ شیخین نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

۵۰۔ ایمان سے مراد یہ تصدیق کہ یہ حق ہے، احتساب، خلوص نیت۔

۵۱۔ المجموع، ۳:۵۰۳۔

۵۲۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرؓ سے روایت کی۔

۵۳۔ بخاری، مسلم۔

۵۴۔ بخاری، مسلم (المجموع، ۳:۵۳۴، ۵۳۹)۔

۵۵۔ بخاری، مسلم (المجموع، ۳:۵۴۰) چاروں اصحاب سنن نے روایت کی، ابو نعیم نے حضرت عائشہؓ سے اور ابراہیم الحربی نے غریب الحدیث میں ابو ہریرۃؓ سے روایت کی (نصب الرایہ، ۲:۱۴۳۔۱۴۵)۔

۵۶۔ حدیث صحیح ہے۔ اس کا بعض حصہ صحیحین میں ہے، بعض حصہ مسلم میں اسی مفہوم کا ہے۔ المجموع، ۳: ۵۴۰ وبعد۔

۵۷۔ حضرت عمرؓ کے اثر کو امام شافعیؒ اور بیہقی نے دو ضعیف سندوں سے روایت کیا (المجموع، ۳:۵۴۱)۔

۵۸۔ ابو داؤد نے صحیح سند سے بیان کی، بخاری کی شرط پر ہے (المجموع، ۳:۵۳۱)۔

۵۹۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس کی سند محل نظر ہے۔ نووی نے المجموع میں اسے ضعیف قرار دیا، ایضاً، ایک جماعت کے نزدیک مستند قول یہ ہے کہ چاشت کی نماز آٹھ رکعات ہیں۔

۶۰۔ بخاری، مسلم (المجموع، ۳:۵۴۳)۔

۶۱۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (المجموع،۳: ۵۴۴)۔

۶۲۔ ابو داؤد، صحیح ابن خزیمہ، نووی نے کہا ہے کہ صلاۃ تسبیح کے سنت ہونے میں کلام ہے کیوں کہ اس میں نماز میں تبدیلی آ جاتی ہے اور حدیث ضعیف ہے لیکن بعض علماء نے اسے رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ صلاۃِ تسبیح کی حدیث حسن یا صحیح ہے۔ اگر اسے ضعیف بھی مان لیا جائے تو یہ فضائل اعمال میں ہے۔

۶۳۔ اتباع سنت کا تقاضا ہے۔ اسے شیخین نے روایت کیا۔ مسلم میں مغرب کے علاوہ کا ذکر ہے۔

۶۴۔ مسلم۔

۶۵۔ متفق علیہ۔

۶۶۔ پہلی حدیث آٹھ صحابہؓ نے روایت کی، دوسری ابو داؤد اور حاکم نے عبداللہ بن بریدہؓ سے ان کے والد کے حوالہ سے بیان کی اور اسے صحیح قرار دیا (نصب الرایہ،۲: ۱۰۸۔۱۱۳)۔

۶۷۔ المجموع،۳: ۵۲۱ وبعد۔

۶۸۔ المجموع،۳: ۵۰۵، المہذب ۱: ۸۳، مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۴۔

۶۹۔ مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۴۔

۷۰۔ ابو داؤد نے صحیح سند سے روایت کی، مسلم۔

۷۱۔ بخاری، مسلم۔

۷۲۔ ابن ماجہ۔

۷۳۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جمعہ کی رات کو قیام کے لیے مختص نہ کرو، البتہ نماز کے بغیر ساری رات جاگنا مکروہ نہیں۔

۷۴۔ بخاری، مسلم۔

۷۵۔ المغنی،۲: ۱۲۰۔۱۲۳، کشاف القناع، ۱: ۴۹۵۔۵۲۱۔

۷۶۔ متفق علیہ، حضرت عائشہؓ نے بھی اسی طرح بتایا اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

۷۷۔ متفق علیہ۔

۷۸۔ متفق علیہ، ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی طرح کی روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

۷۹۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث مسلم نے روایت کی، مسلم نے اسی طرح کی ایک حدیث ابن عباسؓ، ترمذی نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔ ابن مسعودؓ کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی۔

۸۰۔ متفق علیہ، مسلم نے روایت کی کہ: فجر کی دو رکعات دنیا ومافیہا سے بہتر ہیں۔ ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی: یہ دو رکعات پڑھو خواہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔

۸۱۔ ابو داؤد، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ابو ایوب نے نبی ﷺ سے روایت کی: ظہر سے پہلے ایسی چار رکعات جن کے درمیان سلام نہ پھیرا ہو آسمانوں کے دروازے کھول دیتی ہیں۔

۸۲۔ ابو داؤد، اسی طرح کی روایت حضرت عائشہؓ سے بھی ہے۔

۸۳۔ ابن ماجہ۔

۸۴۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو صرف عمر بن ابن خثعم نے روایت کیا۔ بخاری نے اسے انتہائی ضعیف قرار دیا۔

۸۵۔ ابو داؤد۔

۸۶۔ متفق علیہ، ایک دوسری متفق علیہ حدیث میں ہے: مغرب سے پہلے دو رکعات پڑھا کرو، مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے ''مدینہ میں جب مؤذن مغرب کی اذان کہتا تو لوگ جلدی سے ستونوں کے پاس کھڑے ہو کر دو رکعات پڑھ لیتے''۔ مسلم نے عبداللہ بن مغفل سے روایت کی ہے ''دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ آپ نے تین بار یہ الفاظ فرمائے کہ جو چاہے''۔ عقبہ کہتے ہیں: ''ہم عہد نبوی میں یہ نماز پڑھتے تھے''۔

۸۷۔ ۱:۴۹۶۔

۸۸۔ مسلم۔

۸۹۔ صحاح ستہ نے روایت کی۔ حدیث صحیح ہے۔

۹۰۔ مسلم۔

۹۱۔ احمد، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

۹۲۔ الدردیر، الشرح الکبیر، ۱:۳۱۵۔

۹۳۔ فتاوی ابن تیمیه، ۲۳: ۱۱۲-۱۱۳۔

۹۴۔ نیل الاوطار، ۳: ۵۳۔

۹۵۔ حضرت عائشہؓ سے مسلم وغیرہ نے روایت کی، ابوذرؓ کی حدیث ابوداؤد، اثرم اور ابن ماجہ نے روایت کی۔ دوسری حدیث حضرت ابوذرؓ سے ہے۔

۹۶۔ متفق علیہ۔

۹۷۔ سعید وغیرہ نے روایت کی۔

۹۸۔ احمد اور ابوداؤد نے قیس بن طلق سے اس کے باپ کے حوالہ سے روایت کی۔ قیس کمزور راوی ہیں۔

۹۹۔ متفق علیہ، اسی طرح کی ایک حدیث ابو الدرداءؓ اور ابو ذرؓ سے بھی روایت کی۔

۱۰۰۔ متفق علیہ۔

۱۰۱۔ مسلم، یعنی جب اونٹنی کا بچہ سورج کی گرمی محسوس کرے۔

۱۰۲۔ متفق علیہ۔

۱۰۳۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صرف نہاس بن قہم نے روایت کی ہے۔

۱۰۴۔ یہ اوپر تینوں مذاہب کے ضمن میں مروی حدیث ہے جو ابو داؤد اور ترمذی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔

۱۰۵۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

۱۰۶۔ ابو داؤد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں ابن عباسؓ کی روایت میں نصف شب کا ذکر ہے، حضرت عائشہؓ نے سحری کا اور حضرت ابوہریرہؓ نے آخر شب کا ذکر کیا ہے اور یہ تمام روایات متفق علیہ ہیں۔

۱۰۷۔ مسلم۔

۱۰۸۔ متفق علیہ۔

۱۰۹۔ احمد، مسلم، یہ صحیح حدیث ہے۔

۱۱۰۔ دونوں احادیث مسلم نے روایت کی ہیں۔

۱۱۱۔ متفق علیہ۔

۱۱۲۔ اس سلسلے میں کئی احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے، ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ، ابو قتادہؓ اور ابو سعیدؓ سے روایت کی ہے۔

۱۱۳۔ مسلم نے دو احادیث حضرت عائشہؓ اور دوسروں سے روایت کیں۔

۱۱۴۔ ابو داؤد، ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے ایک غریب حدیث روایت کی کہ ’’جس کسی نے مغرب کے بعد بیس رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے گھر بنائے گا‘‘۔

۱۱۵۔ اصحاب سنن اور امام احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔

۱۱۶۔ صحاح ستہ اور امام احمد نے عمران بن حصینؓ سے روایت کی۔

۱۱۷۔ یعنی جاگ گیا۔

۱۱۸۔ بخاری۔

۱۱۹۔ متفق علیہ۔

۱۲۰۔ المغنی، ۲: ۱۷۳۔۱۷۶، کشاف القناع، ۱: ۵۰۲ ۔ ۵۰۹۔

۱۲۱۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱۲۲۔ الدرالمختار ورد المحتار، ۱: ۵۰۹ وبعد۔

۱۲۳۔ ابو داؤد۔

۱۲۴۔ ایضاً۔

۱۲۵۔ اصحاب سنن نے روایت کی، ترمذی نے صحیح قرار دی۔

۱۲۶۔ آواز کو خوبصورت اور غمگین بنانا۔

۱۲۷۔ مسلم۔

۱۲۸۔ بخاری۔

۱۲۹۔ احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم نے براءؓ سے روایت کی۔ دوسرے راویوں سے بھی روایت کی گئی، یہ حدیث صحیح ہے۔

۱۳۰۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ سے، احمد، ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے حضرت سعدؓ سے اور ابوداؤد نے ابولبابہؓ سے اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی روایت کی۔

۱۳۱۔ ابو داؤد نے دو صحیح اسناد سے قتادہؒ کے حوالے سے حضرت انسؓ سے روایت کی۔

۱۳۲۔ قاضی ابو یعلیٰ نے اپنی سند سے الجامع میں روایت کی۔

۱۳۳۔ یعنی وہاں اپنا ٹھکانا بنالے۔

۱۳۴۔ ابو داؤد، نسائی، ترمذی نے اسے حسن بتایا ہے۔

۱۳۵۔ ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اس میں ایک راوی ضعیف ہے۔

۱۳۶۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۲۳۔

فصل نہم

اقسام سجدہ اور قضا نماز ادا کرنے کا طریقہ

اس فصل میں دو مباحث ہیں:

پہلی بحث: سجدوں کی مخصوص اقسام

(سجدہ سہو، سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر)

سجدوں کی تین اقسام ایسی ہیں جو اصل نماز کا حصہ نہیں ہیں: سجدہ سہو، سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر

مطلب اول: سجدہ سہو، اس کا حکم، اسباب، سجدہ کرنے کا موقع اور محل، اس کا طریقہ

کسی چیز میں سہو کے معنی ہیں نادانستہ کسی چیز کو چھوڑ دینا اور کسی چیز کے بارے میں سہو کا مفہوم ہے دانستہ کسی چیز کو چھوڑ دینا۔

نسیان اور سہو میں فرق یہ ہے کہ نسیان والے کو جب یاد دلایا جائے تو اسے یاد آجائے جب کہ سہو والا اس طرح نہیں ہوتا۔

۱- سجدہ سہو کا حکم:

سجدہ سہو کی شرعی حیثیت کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے۔امام احمد کہتے ہیں کہ پانچ مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ سہو کے بارے میں ہمیں یقینی علم ہے: دو

رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا پھر سجدہ سہو کیا، تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا اور سجدہ سہو کیا، زیادہ رکعات یا کم رکعات پڑھیں اور دو رکعات کے بعد تشہد میں بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے۔ خطابی کہتے ہیں کہ سجدہ سہو کے بارے میں اہل علم کا اعتماد پانچ احادیث پر ہے یعنی ابن مسعودؓ، ابو سعیدؓ، ابو ہریرہؓ، ابن بحینةؓ اور عمران بن حصینؓ کی احادیث۔

ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو شک کو جھٹک دے اور جتنی رکعات یقینی ہوں اتنی سمجھ کر نماز مکمل کرے اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے، اگر پانچ پڑھ لی ہیں تو نماز اس کے لیے سفارش کرے گی اور اگر پوری چار پڑھی ہیں تو شیطان رسوا ہوا۔(۱)

سجدہ سہو اس لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ نماز میں جو کمی بیشی ہو جائے اس کا تدارک کیا جا سکے اور نماز میں کسی غیر اساسی چیز کے رہ جانے یا کسی اضافے سے جو فرق پڑ گیا ہے اس کے باعث نماز دہرانے سے بچایا جا سکے۔

اگر دانستہ غلطی کی جائے تو سجدہ سہو سے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی کیوں کہ طبرانی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے: ''جو شخص نماز پوری کرنے سے پہلے بھول گیا وہ سلام پھیرنے سے قبل دو سجدے کر لے'' پھر سجدہ سہو کا تعلق بھولنے سے ہے، چونکہ سجدہ سہو نماز کی کمی بیشی کی تلافی کے لیے مقرر ہوا ہے اور دانستہ کمی بیشی کرنے والے کے پاس کوئی عذر نہیں ہے اس لیے اس کی غلطی کی سجدہ سہو سے تلافی نہیں ہو گی جب کہ بھولنے والے کی غلطی کی تلافی ہو جائے گی۔

حنفیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے اور دوسرے تمام فقہی مذاہب میں سجدہ سہو سنت ہے(۲) حنفیہ کے بقول صحیح روایت یہ ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے، اگر نمازی سجدہ سہو چھوڑ دے تو گناہ گار ہو گا البتہ نماز باطل نہیں ہو گی، کیوں کہ یہ نقصان کی

تلافی کے لیے ہے اس لیے اسے واجب ہونا چاہیے، نیز سجدہ سہو سے واجب چھوڑنے کی تلافی ہوتی ہے مثلاً تشہد یا سلام چھوڑ دیا تو سجدہ سہو کرے لیکن قعدہ اخیرہ رکن ہے اس کی تلافی سجدہ سہو سے نہیں ہو سکتی۔

سجدہ سہو امام اور اکیلے نمازی پر واجب ہوتا ہے، اگر مقتدی نماز میں بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہو گا(۳) اگر امام بھول جائے تو مقتدی پر اس کی اقتدا واجب ہے۔اگر مقتدی بعد میں نماز میں شامل ہوا یا شروع میں شامل ہوا اور درمیان کی نماز چھوٹ گئی، پھر آخر میں شامل ہو گیا تو امام کی اقتدا میں سجدہ سہو کرے(۴) اور اگر امام نے سجدہ سہو نہیں کیا تو مقتدی پر بھی سجدہ سہو کرنا واجب نہیں کیوں کہ مقتدی کے لیے اقتدا واجب ہے۔بعد میں شامل ہونے والے کے لیے سجدہ سہو میں اقتدا واجب ہے سلام میں نہیں۔

اگر وقت میں گنجائش اور صلاحیت ہو کہ اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے تب سجدہ سہو واجب ہو گا،اگر فجر کی نماز میں سلام پھیرنے کے بعد سورج نکل آیا یا عصر کی نماز میں سورج کا رنگ متغیر ہو گیا تو سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا کیوں کہ سجدہ سہو نقصان کی تلافی کے لیے ہے، بشرطیکہ تلافی ممکن ہو، جیسا کہ قضا نماز نقصان کی تلافی کے لیے ہے۔اگر کسی کی نماز ناقص رہ گئی یعنی اس نے سجدہ سہو نہیں کیا تو اسے قضا نہ کرے۔اگر سلام پھیرنے کے بعد کوئی ایسا کام کر لیا جس کی وجہ سے اس نماز کو جاری نہیں رکھ سکتا مثلاً بات چیت کر لی، قہقہہ لگا لیا، دانستہ وضو توڑ دیا، مسجد سے نکل گیا یا سجدہ سہو یاد تھا کہ قبلہ کی طرف سے چہرہ پھیر لیا تو سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا کیوں کہ اب سجدہ سہو کا موقع نہیں رہا، سجدہ سہو نماز میں کیا جا سکتا ہے اور اب نماز جاری نہیں رکھی جا سکتی۔

اگر جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں بہت بڑا اجتماع ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدہ سہو نہ کرے تاکہ نمازی شبہ میں نہ پڑ جائیں۔اگر سجدہ سہو میں بھول جائے تو دوبارہ سجدہ سہو نہ کرے۔

سجدہ سہو کے واجب ہونے کی دلیل: ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: جب تم میں سے کسی کو نماز کے متعلق شک ہو جائے تو غور کر کے جس بات پر دل جم جائے وہ کر لے اور نماز مکمل کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے کر لے(۵) اور ثوبانؓ کی حدیث میں ہے: ہر بھول کی تلافی کے لیے سلام کے بعد دو سجدے ہیں(۶) پس سجدہ سہو کے وجوب کے لیے یہ احادیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپؐ کا نیز آپؐ کے صحابہ کا عمل مسلسل دلیل ہے۔ چونکہ سجدہ سہو عبادت میں کمی کی تلافی کے لیے ہے اس لیے یہ واجب ہے جیسا کہ حج میں کمی کی تلافی کے لیے دم (قربانی) واجب ہوتی ہے تاکہ عبادت پورے طور پر ادا ہو جائے۔

مالکیہ کے نزدیک سجدہ سہو امام اور اکیلے نمازی کے لیے سنت مؤکدہ ہے۔ مقتدی جب امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہو تو اگر ایک سنت مؤکدہ یا دو معمولی سنتوں میں بھول جائے تو کسی کمی زیادتی کی تلافی کے لیے سجدہ نہ کرے کیوں کہ امام اس نماز کا ذمہ دار ہے، اگر امام کی نماز ختم ہونے کے بعد اپنی نماز میں بھول جائے سجدہ سہو کرے۔

بعد میں شامل ہونے والا نمازی جسے امام کے ساتھ ایک رکعت ملی ہو، امام پر سلام سے پہلے والا سجدہ سہو واجب ہوا ہو تو امام کے ساتھ باقی ماندہ نماز پڑھنے سے پہلے امام کے ساتھ سجدہ کرے، اگر امام سجدہ نہ کرے اور چھوڑ دے تو وہ باقی ماندہ نماز شروع کرنے سے پہلے خود سجدہ سہو کر لے اور اگر امام پر سلام کے بعد والا سجدہ سہو واجب ہوا ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کرے، اگر پہلے کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

شافعیہ کے نزدیک سجدہ سہو امام اور اکیلے نمازی کے لیے سنت ہے۔ مقتدی اپنی بھول پر سجدہ سہو نہ کرے، بشرطیکہ وہ باوضو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے کیوں کہ اقتدا کی صورت میں مقتدی کی بھول کی ذمہ داری امام پر ہے جیسا کہ قنوت وغیرہ کی ذمہ داری بھی امام پر ہے۔ اگر امام باوضو نہیں ہے تو مقتدی کی بھول امام کی ذمہ داری نہیں ہے کیوں کہ

اس صورت میں درحقیقت اقتدا ہی نہیں۔

ایک ہی صورت میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ مقتدی امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہو خواہ بعد میں شامل ہوا ہو۔ اگر امام نے سجدہ سہو کیا تو مقتدی پر واجب ہے کہ امام کی اقتدا میں سجدہ سہو کرے کیوں کہ اقتدا ضروری ہے اور اگر مقتدی نے سجدہ نہیں کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اس کا اعادہ ضروری ہو جائے گا بشرطیکہ اس نے اقتدا ختم کرنے کی نیت نہ کی ہو۔ اگر مقتدی کو معلوم ہو کہ امام غلطی سے سجدہ سہو کر رہا ہے تو اس کی اقتدا نہ کرے۔ بعد میں نماز میں شامل ہونے والے کا امام اس کے شامل ہونے سے پہلے بھولا ہو یا بعد میں صحیح یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ سجدہ کرے اور مستحب یہ ہے کہ نماز کے آخر میں ایک بار پھر سجدہ سہو کرے کیوں کہ سجدہ سہو کا اصل موقع یہی ہے۔

اگر امام سجدہ سہو چھوڑ دے تو مقتدی پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

اگر امام نماز جمعہ میں بھول گیا اور مقتدیوں نے سجدہ سہو کر لیا، پھر معلوم ہوا کہ جمعہ کا وقت نکل گیا ہے تو ظہر کی نماز مکمل کریں اور نماز کے آخر میں ایک بار پھر سجدہ کریں کیوں کہ پہلا سجدہ سہو نماز کے آخر میں نہیں تھا۔

اگر نمازی کو یہ گمان یا یقین ہو کہ وہ بھول گیا اور سجدہ سہو کر لیا پھر معلوم ہوا کہ بھولا نہیں تو صحیح یہ ہے کہ پھر سجدہ سہو کرے کیوں کہ اس نے دو سجدے غلطی سے زائد کر لیے۔ اس میں اصول یہ ہے کہ سجدہ سہو میں غلطی سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا لیکن سجدہ سہو کے بارے میں غلطی سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہے، کبھی مستحب بھی ہوتا ہے اور کبھی مباح بھی۔ سجدہ سہو درج ذیل صورتوں میں واجب ہوتا ہے۔

۱۔ ہر ایسی کمی بیشی جو دانستہ کی جائے تو نماز باطل ہو جائے اگر بھولے سے کی جائے تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے جیسا کہ کسی فعل رکن کو ترک کر دینا، کیوں کہ ابو سعیدؓ اور ابن مسعودؓ

کی حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ" جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اس طرح نماز پڑھو"۔

ب- بھولے سے کوئی واجب چھوڑ دینا مثلاً رکوع یا سجدے میں تسبیحات ترک کر دینا۔

ج- نماز کی بعض صورتوں میں شک مثلاً کوئی رکن ترک کرنے میں یا نماز کی رکعات کی تعداد میں شک۔

د- اگر نمازی بھولے سے یا جہالت سے کوئی ایسی غلطی کرے جس سے معنی تبدیل ہو جائیں۔

اگر کوئی ایسا کام جو نماز میں جائز ہے اپنی جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ ادا کر دے تو سجدہ سہو مستحب ہوتا ہے البتہ سلام کرنا اس سے مستثنیٰ ہے۔ایسا خواہ بھولے سے کرے خواہ دانستہ مثلاً قعدہ میں قراءت کرنا یا قیام میں تشہد پڑھنا یا فرض کی دوسری دو رکعات میں سورۃ ملانا۔

نماز کی سنتوں میں سے کوئی سنت رہ جائے تو سجدہ سہو کرنا مباح ہے۔اس تفصیل کا تعلق امام اور اکیلے نمازی سے ہے۔مقتدی سجدہ سہو میں اپنے امام کی اقتدا کرے اگرچہ سجدہ سہو مباح ہو۔اگر امام کی اقتدا نہ کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔بعد میں شامل ہونے والے نمازی پر بھی سجدہ سہو میں امام کی اقتدا واجب ہے خواہ امام اس کی نماز میں شامل ہونے سے پہلے بھولا ہو جس کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوا ہو۔اگر بعد میں شامل ہونے والا نمازی سجدہ سہو کے دوسرے سجدے میں شامل ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلے سجدہ کرے تاکہ دونوں سجدے ساتھ ساتھ ہو جائیں، پھر باقی ماندہ نماز پڑھے۔

۲- سجدہ سہو کے اسباب:

سجدہ سہو کے اسباب کی تعداد کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ ہر مذہب کی تفصیل الگ الگ بیان کی جائے۔

مذہب حنفیہ:

کوئی چیز دانستہ یا بھولے سے چھوڑ دے یا بھولے سے کسی چیز کا اضافہ کر دے یا بھولے سے کسی کام کی جگہ تبدیل کر دے تو سجدہ سہو کرے، اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

پہلی: دانستہ غلطی کرنے کی صورت میں صرف تین حالتوں میں سجدہ سہو درست ہے۔ پہلا قعدہ چھوڑ دینا، پہلی رکعت کے ایک سجدے کو نماز کے آخر تک مؤخر کر دینا، اتنی دیر دانستہ کوئی بات سوچتے رہنا اور نماز چھوڑ دینا جتنی دیر میں ایک رکن ادا ہو سکتا ہے۔

دوسری: بھول کر نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب چھوڑ دینا، مثلاً انہیں آگے پیچھے کر دینا یا ان میں کمی بیشی کر دینا، واجبات گیارہ ہیں جن میں سے چھ اصل ہیں جو یہ ہیں۔

اوّل۔ فرض کی پہلی دو رکعات میں سورہ فاتحہ یا اس کا اکثر حصہ چھوڑ دینا۔

دوم۔ فرض کی پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت یا تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت چھوڑ دینا۔

سوم۔ جہری اور سری نمازوں کے نظام کو بدل دینا، اگر دن کی سری نمازوں یعنی ظہر اور عصر میں بلند آواز سے قراءت کی یا رات کی جہری نمازوں یعنی فجر، مغرب اور عشاء میں آہستہ قراءت کی تو سجدہ سہو کرے۔

چہارم۔ تین یا چار رکعات والی نماز میں پہلا قعدہ چھوڑ دینا۔

پنجم۔ آخری قعدہ میں تشہد چھوڑ دینا۔

ششم۔ ایک رکعت میں جو فعل مکرر ہے اس میں ترتیب کا خیال نہ رکھنا، ایسا فعل ہر رکعت کا دوسرا سجدہ ہے۔ اگر کسی نے ایک ہی سجدہ کیا اور بھولے سے اگلی رکعت کے لیے

کھڑا ہو گیا اور اس کے دونوں سجدے کر لیے، پھر نماز کے آخر میں اسے بھولا ہوا سجدہ یاد آ گیا تو وہ سجدہ کر کے سجدہ سہو بھی کرے کیوں کہ ترتیب چھوڑ دی تھی، کیوں کہ اس نے اصلی واجب بھولے سے چھوڑ دیا اس لیے سجدہ سہو کرے۔

جو افعال ایک رکعت میں مکرر نہیں ہیں ان میں ترتیب بدل جائے مثلاً تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد رکوع میں چلا گیا پھر اُٹھ کر سورہ فاتحہ اور سورت پڑھی تو رکوع کا اعادہ واجب ہے اور آخر میں سجدہ سہو بھی کرے، اسی طرح اگر سجدہ تلاوت اپنے مقام پر نہیں کیا تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔اسی طرح اگر کسی فرض کو اپنی جگہ سے مؤخر کر دیا یا بدل دیا، مثلاً قیام کی جگہ قعدہ کر لیا یا اس کے برعکس کر لیا تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔

ہفتم۔ رکوع اور سجدے میں اطمینان جو واجب ہے اسے بھولے سے چھوڑ دیا تو صحیح قول یہ ہے کہ سجدہ سہو واجب ہو گا۔

ہشتم۔ فرض نماز میں قراءت کی جگہ تبدیل کر دینا، مثلاً سورت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا یا چار رکعات والے فرضوں کی دوسری دو رکعات میں سورت پڑھنا یا صرف دوسری اور تیسری رکعت میں قراءت کرنا ان تمام صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہے۔

نہم۔ وتر میں قنوت چھوڑ دینا۔اگر دعائے قنوت پڑھے بغیر رکوع کر لیا تو آخر میں سجدہ سہو کرے۔

دہم۔ دعائے قنوت کے لیے تکبیر چھوڑ دینا

یازدہم۔ عیدین کی تمام یا اکثر تکبیرات چھوڑ دینا، یا عید کی نماز کی دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر چھوڑ دینا کیوں کہ یہ واجب ہیں بخلاف تکبیر تحریمہ کے کہ وہ فرض ہے۔

تیسری: نماز میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرنا جو نہ نماز کی جنس میں سے ہو اور نہ اس نماز میں سے ہو مثلاً دو رکوع کر لیے تو سجدہ سہو کرے۔

جو کام بھول کر چھوڑ دے دوبارہ اسی کی طرف لوٹ جانا: مثلاً قعدہ بھول گیا پھر اسے یاد آ گیا تو اگر بیٹھنے کے قریب ہے تو بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے اور اگر کھڑے ہونے کے قریب ہے تو واپس نہ ہو اور سجدہ سہو کر لے۔ اگر کوئی شخص آخری قعدہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ کر بیٹھ جائے، پانچویں رکعت کو جانے دے اور آخر میں سجدہ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو فرض ختم ہو گئے امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز نفل ہو گئی، اب مستحب یہ ہے کہ چھٹی رکعت ملا لے۔ اگر چوتھی رکعت کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھا پھر نہ سوچتے ہوئے کہ یہ پہلا قعدہ ہے سلام پھیرے بغیر کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ کر بیٹھ جائے اور سلام پھیرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو مستحب یہ ہے کہ ایک رکعت اور ساتھ ملا لے، یہ دو رکعت نفل ہو جائیں گی اور چونکہ قعدہ اخیرہ اپنے موقع پر کر لیا تھا اس لیے فرض نماز درست ہو گئی۔

نماز میں شک پڑ جانا: اگر نماز میں بھول جائے، یاد نہ رہے کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار۔ اگر تو پہلی بار بھولا ہے (یعنی بھولنا اس کی عادت نہیں، یہ مطلب نہیں کہ زندگی میں پہلے کبھی بھولا ہی نہ ہو) تو نئے سرے سے نماز پڑھے، پہلی نماز سے بیٹھ کر سلام پھیر لے۔ بیٹھ کر سلام پھیرنا بہتر ہے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے: اگر تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں تو نئے سرے سے نماز شروع کرے۔ (۷) ابن ابی شیبہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ جس شخص کو یاد نہ رہے کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں، تین یا چار تو دوبارہ نماز پڑھے تا کہ اسے یاد رہے۔ کیوں کہ اگر از سر نو پڑھے گا تو فرائض یقین کے ساتھ ادا کرے گا۔ اگر کم تعداد پر بنیاد رکھ کر نماز پڑھ لی تو بھی کامل طریقے سے نماز ادا نہیں کی۔ اگر سلام پھیرنے کے بعد اس طرح کا شک پڑے تو نماز نہ دہرائے۔ اگر سلام پھیرنے سے پہلے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد شک پڑے تو بھی

اعادہ نہ کرے۔

اگر کسی کو نماز میں بکثرت شک پیش آتا ہو تو غالب گمان پر بنیاد رکھے۔ اگر ظن ہو تو جس طرف کے خیال پر زیادہ دل جمتا ہو اس کو ترجیح دے دے کیوں کہ بکثرت شک پڑنے کی صورت میں از سر نو نماز پڑھنے میں بہت دقت ہے، نیز ارشاد نبوی ہے: جسے نماز میں شک ہو، وہ غور کر کے صحیح خیال پر پہنچنے کی کوشش کرے۔(۸)

اگر کسی ایک جانب کو ترجیح دینا ممکن نہ ہو، دونوں طرف کا خیال برابر ہو تو کم رکعات کو یقینی قرار دیتے ہوئے باقی رکعات پڑھ لے، کیوں کہ اس قدر رکعات یقینی ہیں البتہ ہر دو صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہر اس موقع پر قعدہ کرلے جسے وہ قعدہ کا مقام جانتا ہو تاکہ فرض یا واجب قعدہ کے ترک کا ارتکاب نہ ہو جب کہ اسے ادا کرنا ممکن تھا۔ اگر چار رکعات والی نماز میں شک ہو کہ یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری تو غور کرے جس طرف زیادہ رجحان ہو اس پر عمل کرے اور اگر کسی طرف زیادہ رجحان نہ ہو تو کم از کم پر بنا کرتے ہوئے اسے پہلی رکعت قرار دے لیکن اس کے آخر پر قعدہ کرلے کیوں کہ شاید وہ دوسری رکعت ہو اور اس میں قعدہ واجب ہو، پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو اور دوسری رکعت کے آخر میں پھر قعدہ کرے۔ کم از کم پر بنا رکھنے کی دلیل ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ: جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز کے بارے میں شک پڑ جائے کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو شک کو جھٹک دے اور جتنی رکعات یقینی ہیں اتنی ہی قرار دے۔(۹)

مذہب مالکیہ:

سجدہ سہو تین اسباب سے واجب ہوتا ہے: صرف کمی، صرف زیادتی اور کمی و زیادتی۔ صرف کمی، نماز کے اندر کی کوئی سنت مؤکدہ بھولے سے یا دانستہ چھوڑ دینا مثلاً سورت بھولے سے چھوڑ دینا اور اپنی جگہ پر اسے نہ پڑھنا، یا دو یا دو سے زائد معمولی سنتیں چھوڑ دینا، مثلاً تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری دو تکبیریں چھوڑ دینا یا دو بار سمع اللہ لمن حمدہ چھوڑ دینا یا

تکبیر و تسمیع دونوں چھوڑ دینا۔ سنت چھوڑ دینے کی دیگر مثالیں: سورۂ فاتحہ بلند آواز سے نہ پڑھنا، خواہ ایک بار ہی ہو یا مثلاً صبح کی فرض نماز کی دو رکعات میں سے کسی ایک میں فقط سورۃ بلند آواز سے نہ پڑھنا، نفل میں مثلاً وتر اور عیدین میں یہ مسئلہ نہیں۔ اگر مذکورہ بالا صورتوں میں زبان ہلاتا رہا ہو جو آہستہ آہستہ پڑھنے کی کم از کم صورت ہے تب بھی سنت ترک ہو جائے گی۔ ایک بار تشہد چھوڑ دینا کیوں کہ یہ بھی معمولی سنت ہے، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے۔

اگر دانستہ کوئی رکن چھوڑ دیا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر بھولے سے کوئی رکن رہ گیا تو اگر اپنی جگہ سے فوت نہیں ہوا تو اس کی تلافی کرے اور اگر فوت ہو گیا تو وہ رکعت باطل ہو گئی اسے قضا کرے۔

اضافے سے مراد ایسا تھوڑا عمل ہے(۱۰) جو نماز کے اعمال میں سے نہ ہو یا نماز کے اعمال میں سے ہو۔ پہلی صورت کی مثال: بھولے سے تھوڑا سا کچھ کھا لینا یا ذرا سی بات کر لینا اور دوسرے کی مثال نماز کے فعلی ارکان مثلاً رکوع، سجدے کا اضافہ کر لینا یا ایک دو رکعات زیادہ پڑھ لینا یا دو رکعات کے بعد سلام پھیر لینا، ان صورتوں میں سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

بھولے سے کوئی بات کر لینا اگر نماز کی جنس سے ہو تو معاف ہے اور اگر نماز کی جنس سے نہ ہو تو سجدہ سہو کرے۔

کمی اور بیشی دونوں کی گئی ہوں مثلاً کوئی سنت چھوڑ دی خواہ غیر مؤکدہ ہو اور اوپر مذکور اضافوں میں سے کوئی اضافہ کر دیا مثلاً بلند آواز سے سورت پڑھنا تھی، نہیں پڑھی اور بھولے سے ایک رکعت زائد پڑھ لی تو کمی اور اضافہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں تو کمی بیشی دونوں کے لیے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے کیوں کہ اس میں کمی کی جانب کو زیادتی کی جانب پر ترجیح دی جائے گی۔

جو کام بھول گیا، لوٹ کر وہی کرنا: جو شخص فرض نماز کی زائد رکعت کے لیے بھولے سے کھڑا ہو گیا تو جب اسے یاد آ جائے لوٹ آئے اور سلام کے بعد سجدہ سہو کرے اور اگر سلام پھیرنے پر یاد آئے تو اس وقت سجدہ سہو کر لے۔ مقتدی نے اگر جانتے بوجھتے اضافے میں امام کا ساتھ دیا تو اس کی نماز باطل ہو گئی اور اگر بھولے سے یا شک کی بنا پر امام کا ساتھ دیا تو اس کی نماز صحیح ہو گئی اور اگر ناواقف ہونے کی وجہ سے یا کسی تاویل کی بنا پر امام کی اقتدا کی تو اس میں دو قول ہیں۔ جس نے اضافے میں امام کا ساتھ نہیں دیا اور بیٹھا رہا اس کی نماز درست ہے۔

جو شخص نفل نماز میں تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا، اگر اسے رکوع سے پہلے یاد آ جائے تو لوٹ جائے اور سلام کے بعد سجدہ سہو کرے اور اگر رکوع سے اٹھنے کے بعد یاد آئے تو اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا لے اور چار رکعات کے بعد سلام پھیرے اور سلام کے بعد سجدہ سہو کرے کیوں کہ اس نے دو رکعات کا اضافہ کر لیا ہے۔

اگر کسی نے درمیانہ قعدہ چھوڑ دیا تو اگر زمین سے ہاتھ اٹھانے سے پہلے اسے یاد آ گیا تو بیٹھ جائے اور جب بیٹھ جائے گا تو مشہور قول یہ ہے کہ اس پر سجدہ سہو نہیں ہے کیوں کہ یہ معمولی بات ہے اور اگر بیٹھا نہیں بلکہ کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو کرے اور اگر زمین سے ہاتھ اٹھانے کے بعد یاد آیا تو مشہور قول کے مطابق واپس نہ لوٹے اور اگر بالکل سیدھا کھڑے ہونے کے بعد یاد آیا، تو لوٹ کر نہ بیٹھے، اور سجدہ سہو کرے اگر لوٹ آیا تو درست نہیں کیا تاہم نماز نہیں ٹوٹے گی، اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک جو چیز جس کے قریب ہو اسے اس کا حکم دیا جائے گا۔

جس کسی کو نماز میں شک ہو گیا کہ ایک رکعت پڑھی ہے یا دو تو وہ کم رکعات پر بنا کرے اور جن رکعات کے بارے میں شک ہے انہیں ادا کرے اور سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

مذہب شافعیہ:

نماز میں جو کام کرنے کا حکم ہے انہیں چھوڑ دینے یا جو کام کرنے سے روکا گیا ہے انہیں کرنے پر سجدہ سہو کرے۔سنت یہ ہے کہ اگر نمازی نے کوئی کام چھوڑ کر اگلا فرض ادا کرنا شروع کر دیا تو پچھلے کام کی طرف نہ لوٹے۔مثلاً جس نے پہلا تشہد چھوڑ دیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا، پھر اسے یاد آیا تو واپس نہ لوٹے، اگر مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود کہ واپس لوٹنا حرام ہے دانستہ واپس لوٹ آیا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر بھولے سے لوٹ آیا تو باطل نہیں ہو گی۔اسی طرح اگر علم نہ ہونے کی بنا پر لوٹ آیا تب بھی نماز باطل نہیں ہو گی یہی صحیح روایت ہے۔

البتہ اس فروگزاشت پر سجدہ سہو کرے۔تشہد کے لیے واپس نہ لوٹنے کی دلیل ابن بحینہؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور دو رکعات کے بعد کھڑے ہو گئے، لوگوں نے تسبیح کہی لیکن آپؐ نے نماز جاری رکھی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو دو سجدے کیے اور سلام پھیر دیا۔(۱۱)

سجدہ سہو دو وجوہ سے کیا جاتا ہے: کمی اور اضافہ اور سجدہ سہو کے اسباب صرف چھ ہیں: نماز کے کسی جزء کے چھوٹ جانے کا یقین، کسی ایسے ممنوع فعل کا بھولے سے ارتکاب کرنے کا یقین جسے دانستہ کیا جائے تو نماز ٹوٹ جائے۔بعض معین کام چھوڑ دینے کا شک اور اضافے کا احتمال، کسی قولی عمل کو نیت کے ساتھ اپنی جگہ سے تبدیل کر دینا، کسی ایسے شخص کی اقتدا کرنا جس نے نماز کا کوئی حصہ ترک کر دیا ہو۔

۱۔ **امام یا اکیلے نمازی کا دانستہ یا بھولے سے سنت مؤکدہ ترک کر دینا:** اس کو نماز کا کوئی حصہ چھوڑ دینے کا نام دیا گیا ہے۔سنت مؤکدہ چھ ہیں: پہلا تشہد، پہلا قعدہ، صبح کی نماز میں دعائے قنوت، رمضان کے دوسرے نصف میں وتر کی آخری رکعت میں قنوت،

قنوت کے لیے قیام، پہلے تشہد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا اور دوسرے تشہد میں آپؐ کی آل پر درود پڑھنا۔(۱۲)

۲- **کسی قولی رکن کو اپنی جگہ سے تبدیل کر دینا:** مثلاً بیٹھے ہوئے دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھ لینا، یا بھولے سے نماز کے دوران سلام پھیر لینا یا کسی قولی سنت کو اس کے اصلی مقام کے علاوہ کسی اور جگہ ادا کرنا مثلاً جس موقع پر قراءت نہیں کرنی تھی اس پر سورت پڑھنا، ان صورتوں میں سجدہ سہو کرے کیوں کہ یہ بے محل قولی رکن ادا کرنا ہے پس یہ بے موقع سلام پھیرنے کے مشابہ ہے۔البتہ سورہ فاتحہ سے پہلے سورت پڑھنا اس سے مستثنیٰ ہے، اس کے لیے سجدہ سہو نہ کرے۔

۳- **بھولے سے کوئی ایسا کام کرنا جسے دانستہ کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہو،** مثلاً مختصر رکن کو لمبا کر دینا، جیسے رکوع سے کھڑے ہو کر بہت دیر کھڑے رہنا یا سجدوں کے درمیان زیادہ دیر بیٹھے رہنا،اسی طرح بھولے سے معمولی بات کر لینا، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات پڑھ کر سلام پھر دیا، ذوالیدین نے بات کی تو آپؐ نے نماز مکمل کر لی اور دو سجدے کیے۔(۱۳)

ایسے کام جو دانستہ کیے جائیں یا بھولے سے ان سے نماز ٹوٹ جاتی ہو مثلاً زیادہ گفتگو یا کھانا پینا تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی اور صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے سجدہ سہو نہیں ہے۔

جو کام خواہ دانستہ یا بھولے سے کیے جائیں تو نماز نہیں ٹوٹتی مثلاً گردن کسی طرف موڑنا یا دو قدم چلنا، اگر بھولے سے کر لے تو سجدہ سہو نہیں ہے، دانستہ کرنے کی صورت میں سجدہ سہو کرے۔

۴- **اضافے کے بارے میں شک:** اگر کسی کو شک پڑ جائے کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو ایک رکعت اور پڑھے اور سجدہ سہو کرے۔صحیح یہ ہے کہ اگر سلام پھیرنے سے

پہلے شک ختم ہو جائے تب بھی سجدہ کرے۔اسی طرح اگر کچھ نماز تردد کی حالت میں پڑھی اور اسے یہ احتمال تھا کہ اس نے نماز میں اضافہ کر دیا ہے تو سلام پھیرنے سے پہلے شک ختم ہو جائے تب بھی تردد کے ازالے کے لیے سجدہ سہو کرے۔اگر نماز پڑھنے کے بعد شک ہوا کہ کوئی فرض چھوٹ گیا ہے تو مشہور قول یہ ہے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

نماز میں شک کے باعث سجدہ سہو کی دلیل حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی حدیث ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پڑ جائے کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو تو اسے ایک قرار دے، جب معلوم نہ ہو کہ دو پڑھی ہیں یا تین تو انہیں دو قرار دے۔اگر شک ہو کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو انہیں تین سمجھے اور جب نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا ہو تو سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔(۱۴) اس حدیث کی بنا پر جب نمازی کو شک ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں، مثلاً یہ شک ہو کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو کم رکعات جو یقینی ہیں مثلاً تین انہیں کو صحیح قرار دے اور ایک رکعت مزید پڑھے اور سجدہ سہو کرے۔اگر غلبۂ ظن ہو کہ چار پڑھی ہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر کوئی دوسرا کہے کہ چار پڑھی ہیں حتیٰ کہ تواتر سے لوگ کہیں کہ چار پڑھی ہیں تب بھی اعتبار نہ کرے۔

۵- **نماز کے اجزا میں سے کسی متعین جز کے چھوڑ دینے کا شک:** مثلاً قنوت غیر نازلہ چھوڑنے کا شک ہو یا کسی غیر معین چیز کے چھوڑنے کا شک ہو مثلاً قنوت چھوڑ دی ہے یا دعائے قنوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود چھوڑ دیا ہے۔

۶- **جس شخص کی نماز میں خلل ہو اس کی اقتدا:** خواہ یہ خلل مقتدی کے نقطہ نظر سے ہو مثلاً جو شخص فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتا یا رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتا ہے یا پہلے تشہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں پڑھتا تو اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے والا امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کر لے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوقسم کے اضافوں سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے: قولی اور فعلی، قولی اضافہ مثلاً بے موقع بھولے سے سلام کر لینا یا بھولے سے کوئی بات کر لینا۔ فعلی اضافہ مثلاً نماز میں کسی رکعت، رکوع، سجدے، قیام یا قعدے کا اضافہ یا بے موقع قنوت کی نیت سے قنوت کے لیے کھڑے رہنا، یا قعدہ کے لیے بے موقع بھولے سے بیٹھ جانا، ان اضافوں پر سجدہ سہو کرے۔ اس کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھائیں، آپؐ سے پوچھا گیا: کیا نماز میں اضافہ ہو گیا، آپؐ نے فرمایا: کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا، آپؐ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں، آپؐ نے بعد میں دو سجدے کر لیے۔ اگرچہ آپؐ نے سلام پھیر لیا تھا۔ (۱۵)

کمی یہ ہے کہ کوئی ایسی سنت چھوڑ دی جائے جو مقصود ہو۔ اس میں دو چیزیں آتی ہیں۔ پہلا تشہد بھولے سے چھوڑ دے تو سجدہ سہو کرے، اس کی دلیل ابن بحینہ کی مذکورہ بالا حدیث ہے دوسرا یہ کہ دعائے قنوت بھولے سے چھوڑ دے تو سجدہ سہو کرے کیوں کہ یہ سنت اپنے موقع پر ادا کرنا مقصود ہے پس پہلا تشہد چھوڑنے کی طرح اس میں بھی سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

اگر ایسی سنت چھوڑ دی جو مقصود نہیں تھی مثلاً تکبیرات، تسبیحات، بلند آواز سے یا آہستہ پڑھنا، پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا یا زمین پر بیٹھنا وغیرہ، تو ان کے چھوٹنے پر سجدہ سہو نہ کرے کیوں کہ یہ سنتیں اپنے اپنے مقام پر مقصود نہیں ہیں لہٰذا ان کی تلافی ضروری نہیں ہے۔

یاد رہے کہ دوسرا تشہد ان محمداً رسول اللہ یا عبدہ و رسولہ یا رسولہ تک پڑھنا واجب ہے اور یہی تشہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سمیت پہلے قعدہ میں سنت ہے۔ دوسرے تشہد میں آل رسول پر درود بھیجنا سنت ہے اور پہلے تشہد میں مستند روایت کے مطابق خلاف اولیٰ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ پس آل رسول پر درود بھیجنے یا

چھوڑنے پر سجدہ سہو نہ کرے۔(۱۶)

مذہب حنابلہ:

سہو کے تین اسباب ہیں: اگر سہواً اضافہ، کمی اور بعض صورتوں میں شک ہو جائے (۱۷) جیسا کہ شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے، اگر دانستہ ہوں تو اگر فعلی امور ہیں تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر قولی ہیں اور اپنے مواقع پر نہیں تو نماز باطل نہیں ہو گی۔نماز جنازہ ،سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر میں سجدہ سہو نہیں ہے۔

۱۔ **نماز میں اضافہ:** مثلاً نمازی بھولے سے کسی ایسے فعل کا اضافہ کر دے جو نماز کے افعال میں سے ہو مثلاً قیام، قعود، خواہ جلسہ استراحت کی مقدار ہو لیکن جلسہ استراحت کے علاوہ کسی اور موقع پر ہو، یا رکوع یا سجدہ یا تشہد کے ساتھ فاتحہ یا فاتحہ کے ساتھ تشہد پڑھ لے تو فعلی اضافے میں سجدہ سہو کرنا واجب ہے اور قولی اضافے میں مستحب ہے کیوں کہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ارشاد نبوی ہے۔جب کوئی شخص نماز میں کمی یا بیشی کر دے تو دو سجدے کرے(۱۸) کیوں کہ اضافہ بھول ہے۔ اس لیے اس قول صحابی میں شامل ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے تو آپؐ نے سجدہ سہو کیا“ بلکہ ایک معنی میں اضافہ بھی نماز میں نقص ہے اس کے لیے سجدہ سہو مقرر کیا گیا تا کہ کمی کی تلافی ہو سکے۔

جس کسی نے نماز میں اضافہ کر لیا ہو جب اسے یاد آئے تو واپس نماز کی اصل ترتیب پر آ جائے، اس کے لیے تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں ہے تا کہ زیادتی کو منسوخ اور نا قابل التفات قرار دیا جا سکے۔اگر فجر کی نماز میں تیسری یا مغرب کی نماز میں چوتھی ظہر یا عصر یا عشاء کی نمازوں میں پانچویں رکعت کا اضافہ کر لیا تو جس وقت یاد آ جائے تکبیر کہے بغیر فوری طور پر اس رکعت کو چھوڑ کر وہیں سے شروع کرے جہاں سے اضافہ کیا تھا، اگر تشہد پڑھ لیا تھا تو دوبارہ تشہد نہ پڑھے، پھر سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے۔بعد میں شامل

ہونے والا نمازی اس زائد رکعت کا اعتبار نہ کرے۔اگر نماز میں اضافہ کرنے والا امام یا اکیلا نمازی ہے اور اسے دو یا دو سے زائد قابل اعتماد آدمی بتائیں تو ان کی بات پر عمل کرنا واجب ہے، خواہ وہ یہ بتائیں کہ اضافہ کیا ہے یا بتائیں کہ کمی کی ہے،خواہ ان کی غلطی کا گمان ہو۔ کیوں کہ ذوالیدین کے قصہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے قول پر عمل کیا،اس کی وجہ یہ ہے مقتدیوں کے لیے ضروری ہے کہ اس غلطی پر امام کو تنبیہ کریں جس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے کیوں کہ مقتدیوں کی نماز امام کی نماز سے وابستہ ہے کیوں کہ اس کی نماز باطل ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔اگر عورت امام کو متنبہ کرے تو اس کی بھی وہی اہمیت ہے جو مرد کی ہے۔

اگر امام دو قابل اعتماد آدمیوں کی بات پر عمل نہ کرے تو:

الف- اگر نقصان کی تلافی کے لیے امام واپس نہیں لوٹا،مثلاً پہلا تشہد پڑھے بغیر کھڑا ہو گیا تو نماز باطل نہیں ہو گی کیوں کہ مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث میں ہے کہ وہ دو رکعات پر کھڑے ہو گئے، پیچھے کھڑے لوگوں نے تسبیح کہی لیکن آپ نے نماز جاری رکھی، جب نماز مکمل کی تو سلام پھیرا، سجدہ سہو کیا اور لوگوں کی طرف مڑ کر کہا، میں نے اسی طرح کیا جیسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا۔(۱۹)

ب- اگر نقصان کی تلافی کے علاوہ کسی اور صورت میں دانستہ واپس نہیں لوٹا تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اگر امام سہواً نقصان کی تلافی کے علاوہ دوسری صورت میں دو قابل اعتماد افراد کی تنبیہ کے باوجود اصلاح کی طرف نہیں لوٹا تو اس کی نماز بھی ٹوٹ گئی اور جس مقتدی کو علم ہے کہ امام کی نماز ٹوٹ گئی ہے اور یاد بھی ہے اس کے باوجود امام کی اقتدا جاری رکھے،اس کی نماز بھی ٹوٹ گئی۔کیوں کہ اس نے ایسے شخص کی اقتدا کی ہے جس کی نماز باطل ہونے کا اسے علم ہے۔مثلاً کوئی شخص کسی ایسے امام کی اقتدا کرے جس کے بے وضو

ہونے کا اسے علم ہو۔ اگر مقتدی کو علم نہیں یا مقتدی کو یاد نہیں رہا تو اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں رکعت میں اقتدا جاری رکھی کیوں کہ انہیں معلوم نہیں تھا یا انہیں خیال ہوا کہ شاید نماز کی رکعات میں اضافہ ہو گیا ہو، بہر حال صحابہ کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

اگر امام زائد رکعت پڑھنے کے لیے کھڑا ہو جائے تو جسے معلوم ہو وہ امام کی اقتدا چھوڑ دے کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ امام غلطی پر ہے اور امام سے الگ ہونے والا مقتدی اپنی نماز مکمل کرلے۔

۲- نماز میں کمی: مثلاً رکوع، سجدہ یا سورۂ فاتحہ کی قراءت وغیرہ بھولے سے چھوڑ دے تو جب یاد آئے اس کی تلافی کرنا واجب ہے اور نماز کے آخر میں سجدہ سہو بھی کرے۔

اگر پہلا تشہد بھول جائے تو جب تک سیدھا کھڑا نہ ہو تو ضروری ہے کہ لوٹ جائے اور تشہد پڑھے، اس پر اتفاق ہے کیوں کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی دو رکعت کے بعد کھڑا ہو رہا ہو تو جب تک سیدھا کھڑا نہ ہو گیا ہو تو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کرے۔(۲۰)

کیوں کہ اس کی وجہ سے واجب میں خلل واقع ہو گیا اور دوسرا رکن شروع کرنے سے پہلے اسے یاد آ گیا تو ادا کرنا ضروری ہے، جب تک کہ گھٹنے زمین سے الگ نہ ہوئے ہوں۔ مقتدیوں پر لازم ہے کہ امام کی اقتدا کریں خواہ مقتدیوں کے کھڑے ہونے اور قراءت شروع کرنے کے بعد واپس ہو جائے کیوں کہ حدیث میں ہے: امام اس لیے ہوتا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے۔(۲۱)

اگر سیدھا کھڑا ہو گیا لیکن قراءت شروع نہیں کی تو مناسب یہ ہے کہ واپس نہ لوٹے، کیوں کہ حضرت مغیرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں یہی ہے۔ مقتدی امام کی اقتدا کرے، اس سے تشہد ساقط ہو جائے گا۔ اگر قراءت شروع کر دی پھر تشہد یاد آیا تو واپس نہ لوٹے

جیسا کہ حدیث مغیرہؓ میں ہے۔ چوں کہ اس قراءت شروع کرنے کے بعد نے ایک ایسا رکن شروع کر دیا ہے جو مقصود ہے۔ جیسے کہ امام رکوع شروع کر دے۔ اگر امام قراءت شروع کرنے کے بعد رکوع کر لیتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی ہاں اگر مسئلہ معلوم نہ ہونے کے باعث یا بھولے سے کر لے تو سجدہ سہو کرے جیسا کہ حضرت مغیرہؓ کی حدیث میں ہے: ''جب تم میں سے کوئی بھول جائے تو سجدہ سہو کر لے''۔

رکوع اور سجدوں میں تسبیحات، دونوں سجدوں کے درمیان ''رب اغفرلی'' کی دعا اور جو واجب بھی سہواً چھوٹ جائے تو اگر یاد آ جائے تو رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہونے سے پہلے رکوع کی تسبیح کی طرف لوٹ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو جائے تو پھر واپس نہ لوٹے۔

۳- نماز میں شک کی بعض ایسی صورتیں جن میں سجدہ سہو کیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ شک پڑ جائے کہ نماز کا کوئی رکن رہ گیا ہے یا نماز کی رکعات کی تعداد میں شک پڑ جائے تو یقینی صورت حال پر اعتماد کرتے ہوئے جس بات میں شک ہے اسے ادا کرے اور نماز پوری کر کے آخر میں سجدہ سہو کرے جو واجب ہے کیوں کہ ابو سعیدؓ خدری کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پڑ جائے کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تو یقین پر بنا کرے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔(۲۲)

اگر واجب چھوٹنے کے بارے میں شک پڑ جائے مثلاً رکوع اور سجدہ کی تسبیح کے بارے میں، تو سجدہ سہو نہ کرے۔ سجدہ سہو اس وقت واجب ہوتا ہے جب سہواً واجب ترک کر دے۔

جب نماز مکمل کر لی ہو اور تشہد میں شک پڑ جائے کہ ایک رکعت زائد پڑھ لی ہے تو سجدہ سہو نہ کرے کیوں کہ اصل یہ ہے کہ اضافہ نہیں ہوا ہو گا۔ اگر تشہد سے پہلے آخری

رکعت کے دوران یہ شک ہو کہ ایک رکعت زیادہ پڑھ لی ہے تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔ اگر ایک سجدہ زائد کرنے کے بارے میں شک ہو تو بھی یہی تفصیل ہے۔

کمی کی وجہ سے سلام پھیرنے کے بارے میں ذوالیدین کا قصہ، اور بھول کر بات کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

جمہور متقدمین اور متاخرین (۲۳) علماء نے ذوالیدین کے قصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر گمان یہ ہو کہ نماز مکمل ہوگئی ہے اور نماز سے نکلنے کی نیت سے نماز مکمل کر لی تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی خواہ دونوں طرف سلام پھیر لے۔ بھول کر بات کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اسی طرح اگر یہ گمان ہو کہ نماز مکمل ہوگئی اور بات کر لے تو بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔ قصہ یوں ہے:

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد دوپہر کی ایک نماز (۲۴) دو رکعات پڑھائی، پھر سلام پھیر دیا، پھر مسجد کے اگلے حصہ میں ایک لکڑی کے پاس کھڑے ہو کر اس پر اپنا ہاتھ رکھا، لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے لیکن انہیں بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا، جو لوگ جلدی میں تھے وہ مسجد سے نکل گئے (۲۵) لوگ باتیں کرنے لگے، کیا نماز مختصر ہوگئی؟ ایک صاحب تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالیدین (۲۶) کہا کرتے تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ، کیا آپؐ بھول گئے یا نماز مختصر ہوگئی، آپؐ نے فرمایا، نہ تو میں بھولا اور نہ نماز مختصر ہوئی۔ (۲۷) انہوں نے کہا، کیوں نہیں، آپؐ بھول گئے اور آپؐ نے دو رکعات پڑھا کر سلام پھیر دیا، پھر آپؐ نے تکبیر کہی پھر معمول کے مطابق یا اس سے کچھ طویل سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا، تکبیر کہی، پھر سر زمین پر رکھ دیا، تکبیر کہی، پھر معمول کے مطابق یا اس سے کچھ طویل سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی۔ (۲۸)

دو یا زیادہ سہو جمع ہو جائیں: علماء کا اتفاق ہے کہ ایک نماز میں دو یا زیادہ مرتبہ بھول

جائے تو صرف ایک بار سجدہ سہو کافی ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا اور ذوالیدین سے بات کی، پھر بھی ایک ہی بار سجدہ سہو کیا، کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے: ''جب تم میں سے کوئی بھول جائے تو دو بار سجدہ کر لے''۔ یہ حکم دو بار بھولنے کے لیے بھی ہے۔

نفل فرض کی مانند ہیں: جمہور اہل علم کے نزدیک سجدہ سہو کے حکم میں نفل اور فرض نماز میں کوئی فرق نہیں کیوں کہ حدیث عام ہے کہ ''جب کوئی بھول جائے تو دو سجدے کر لے'' چونکہ نوافل بھی رکوع سجود والی نماز ہے اس لیے اس میں بھولنے پر بھی فرض نماز کی طرح سجدہ سہو کر لے۔

غلطی پر امام کو متنبہ کرنا: امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگر امام بھول جائے تو تسبیح کہی جائے، امام شافعیؒ اور احمدؒ کہتے ہیں کہ مرد تسبیح کہیں اور عورتیں تالی بجائیں کیوں کہ حدیث میں ہے: تسبیح مردوں کے لیے ہے اور عورتوں کے لیے تالی بجانا ہے۔(۲۹) یہ حدیث دوسری رائے کو ترجیح دیتی ہے۔

۳- سجدہ سہو کا موقع اور طریقہ:

حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو سلام کے بعد ہے اور شافعیہ کے نزدیک سلام سے پہلے اور مالکیہ کے نزدیک کبھی سلام سے پہلے ہے اور کبھی سلام کے بعد اور حنابلہ کے نزدیک نمازی کو اختیار ہے چاہے سلام سے پہلے کرے چاہے بعد میں۔

حنفیہ کے بقول سجدہ سہو کا مسنون موقع مطلقاً سلام کے بعد ہے خواہ سہو کا سبب نماز میں کمی ہو یا اضافہ۔ اگر سلام سے پہلے سجدہ سہو کر لیا تو درست ہے دوبارہ سجدہ سہو نہ کرے۔

سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں طرف ایک بار سلام پھیر کر دو سجدے کرے پھر

ان کے بعد تشہد پڑھنا واجب ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور دعا پڑھے، صحیح یہ ہے کہ یہ سہو کے قعدہ میں پڑھے کیوں کہ دعا کا موقع نماز کے آخر میں ہوتا ہے۔

حنفیہ نے حضرت مغیرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ سلام کے بعد سجدہ سہو کیا جائے کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سلام پھیرا پھر دو سجدے کیے اور سلام پھیرا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا(۳۰) ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھائیں، آپؐ سے کہا گیا، کیا نماز کی رکعات بڑھ گئی ہیں، آپؐ نے فرمایا، نہیں۔ لوگوں نے کہا، آپؐ نے پانچ رکعات پڑھی ہیں، آپؐ نے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کیے۔(۳۱)

سجدہ سہو کے طریقے کی دلیل عمران بن حصینؓ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی، جس میں آپؐ بھول گئے، پھر آپؐ نے دو سجدے کیے، تشہد پڑھا، پھر سلام پھیرا (۳۲) حضرت ثوبانؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے: ہر بھول پر سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔(۳۳)

حنفیہ کے نزدیک صحیح اور راجح یہی بات ہے جو یہاں مذکور ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں اگر سجدہ سہو کا سبب نماز میں کمی ہو یا کمی اور زیادتی دونوں ہوں تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور اگر سبب نماز میں اضافہ ہو تو واجب ہے کہ سلام کے بعد نیت کے ساتھ سجدے کرے اور سجدے کے لیے جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہے اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھے اور مسنون ہے کہ تشہد پڑھے لیکن نہ تو درود پڑھے اور نہ دعا کرے، اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، پھر سلام پھیرنا واجب ہے۔ پس اس میں پانچ امور واجب ہیں: نیت، پہلا سجدہ، دوسرا سجدہ، دونوں کے درمیان بیٹھنا، سلام پھیرنا، لیکن سلام پھیرنا واجب ہے شرط نہیں البتہ سلام کے بعد تکبیر اور تشہد پڑھنا سنت ہیں۔

اگر سلام سے پہلے کا سجدہ سہو دانستہ مؤخر کر دیا تو مکروہ ہے لیکن نماز باطل نہیں ہوگی

اور اگر سلام سے بعد کا سجدہ سہو مقدم کر لیا تو مذہب مالکی کے مطابق سجدہ ادا ہو گیا لیکن گناہ ہو گا، دانستہ سجدہ مقدم کرنا حرام ہے لیکن نماز درست ہو جائے گی۔ اگر دانستہ سجدہ مقدم یا مؤخر نہیں کیا تو مکروہ ہے نہ حرام۔

شافعیہ کا جدید مذہب یہ ہے کہ سجدہ سہو کا موقع تشہد اور سلام کے درمیان ہے۔ اگر دانستہ سلام پھر لیا تو سجدہ سہو کا موقع جاتا رہا اور اگر سہواً سلام پھیر لیا اور زیادہ وقت گزر گیا تب بھی جدید مذہب کے مطابق موقع جاتا رہا لیکن اگر زیادہ وقت نہیں گزرا تو سجدہ کر لے اور جب سجدہ کر لیا تو دوبارہ نماز کی طرف لوٹ گیا۔ اگر امام جمعہ میں بھول گیا، سجدہ کیا تو معلوم ہوا کہ جمعہ کا وقت ختم ہو گیا تو ظہر کی نماز مکمل کریں اور سجدہ سہو کریں، اگر گمان ہوا کہ بھول گیا تھا، سجدہ سہو کر لیا پھر معلوم ہوا کہ نہیں بھولا تھا تو صحیح روایت یہ ہے کہ سجدہ سہو کرے۔

سجدہ سہو کرنے کا طریقہ: نماز کے سجدوں کی طرح انہیں واجبات اور مستحبات کے ساتھ دو سجدے کرے یعنی پیشانی زمین پر رکھنا، اطمینان سے سجدہ کرنا، بوجھ اٹھا کر، بدن کا پچھلا حصہ اونچا کر کے سجدہ کرنا اور دونوں سجدوں کے درمیان پاؤں بچھا کر اور سجدوں کے بعد سرین پر بیٹھنا۔

سجدہ سہو کے لیے دل سے نیت کرے، اگر زبان سے نیت کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ دونوں سجدوں میں سبحان من لاینام ولایسھو (پاک ہے وہ ذات جو نہ سوتی ہے نہ بھولتی ہے) کہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز کی تسبیح کی طرح تسبیح کہے۔

سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے کی دلیل ابو سعیدؓ خدری کی روایت ہے جو مسلم اور مسند احمد میں ہے: پھر آپؐ نے سلام سے پہلے دو سجدے کیے اور ابن بحینہؓ کی حدیث ہے جو نسائی نے روایت کی ہے: پھر جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو دو سجدے

کیے پھر سلام پھیرا۔

سجدے کے طریقے کے بارے میں دلیل ذوالیدین کے قصہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے کیے۔ دوسری احادیث میں بھی یہی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۳۴) سلام سے پہلے اور سلام کے بعد سجدہ کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کون سا طریقہ افضل ہے۔ افضل یہ ہے کہ سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے کیوں کہ سلام سے نماز مکمل ہو جاتی ہے۔ پس سجدہ سہو نماز کے اصل سجدوں کی طرح ہو گا، البتہ دو صورتوں میں سلام کے بعد سجدہ سہو افضل ہے۔

۱- ایک رکعت یا اس سے زیادہ کی کمی کے باعث سجدہ کرے۔ ذوالیدین کے قصہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اور عمران بن حصینؓ کی روایت میں یہی ہے کہ آپؐ نے نماز مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا تھا۔ (۳۵) عمران بن حصینؓ کہتے ہیں: آپؐ نے ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرا، دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔

۲- امام کو نماز کی کسی چیز کے بارے میں شک پیدا ہو جائے اور وہ غالب گمان پر بنا کرے تو اس صورت میں سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا مستحب ہے کیوں کہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت کی نص یہ ہے کہ ''جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو غور کر کے اصل صورت حال معلوم کرے، پھر اپنی نماز مکمل کر لے پھر دو سجدے کرے''۔ (۳۶) بخاری میں ہے ''سلام کے بعد''

سجدہ سہو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ کرنے اور سجدے سے اٹھنے کے لیے تکبیر کہے، خواہ سلام سے پہلے سجدہ کرے یا بعد میں، پھر نماز کے سجدوں کی طرح دو سجدے کرے۔ اگر سجدے بعد میں کرے تو سلام سے پہلے نماز کے تشہد کی طرح تشہد پڑھے پھر سلام کرے اور اگر سجدے پہلے کرے تو تشہد نہ پڑھے اور سجدوں کے بعد سلام پھیر دے۔

سجدہ سہو میں بھی وہی کلمات پڑھے جو نماز کے سجدوں میں پڑھتا ہے کیوں کہ

یہ ایسے سجدے ہیں جو نماز میں مقرر کیے گئے ہیں اس لیے نماز کے اصل سجدوں کے مشابہ ہیں۔

جس شخص پر سجدہ سہو واجب تھا، اس نے دانستہ چھوڑ دیا تو اس کی نماز باطل ہوگئی کیوں کہ اس نے ایک ایسا کام چھوڑ دیا جو سلام سے پہلے کرنا ضروری تھا کیوں کہ اس واجب کو دانستہ چھوڑ دینا نماز کے دوسرے واجبات کے دانستہ چھوڑ دینے کے مشابہ ہے البتہ جس چیز کا موقع سلام کے بعد ہے اسے چھوڑنے سے نماز باطل نہیں ہوتی کیوں کہ اس میں نماز سے باہر کی چیز سے نماز کے نقصان کی تلافی ہے، پس اسے چھوڑنے سے نماز باطل نہیں ہوگی جیسا کہ حج میں تلافی کرنے والے امور کے چھوڑنے سے حج باطل نہیں ہوتا۔

اگر سجدہ سہو کرنا بھول گیا اور وقفہ طویل ہوگیا تو نماز باطل نہیں ہوگی کیوں کہ اس سے نماز کے بعد نقصان کی تلافی ہوتی ہے پس حج کی تلافی کے امور کی طرح اس کے چھوڑنے سے نماز نہیں ٹوٹے گی اگر وقفہ زیادہ ہو جائے تو سجدہ نہ کرے ورنہ سجدہ کرلے۔

مطلب دوم: سجدہ تلاوت

اس عنوان کے تحت درج ذیل امور پر بحث کی گئی ہے:

سجدہ تلاوت کی شرعی حیثیت، اس کا حکم، شرائط، اسے فاسد کرنے والی اشیاء، سجدہ تلاوت کے اسباب، طریقہ، قرآن حکیم کے وہ مقامات جہاں سجدہ تلاوت کرنا ہوتا ہے، کیا ایک آیت سجدہ بار بار تلاوت کرنے سے بار بار سجدہ کرنا ہوتا ہے؟ سجدہ تلاوت سے متعلق دیگر فروعی احکام۔

اوّل- سجدہ تلاوت کی شرعی حیثیت کی دلیل:

اللہ تعالیٰ نے سجدہ تلاوت نہ کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: واذاقری

علیھم القرآن لایسجدوٗن (الانشقاق ۲۱:۸۴)(جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ تلاوت کے بارے میں متعدد احادیث ثابت ہیں: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے سورت تلاوت فرماتے، آیت سجدہ پڑھتے پھر سجدہ کرتے، ہم بھی آپؐ کے ساتھ سجدہ کرتے حتی کہ ہم میں سے کچھ کو پیشانی رکھنے کے لیے جگہ ہی نہ ملتی(۳۷) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن کی تلاوت فرماتے، جب سجدہ کی آیت پڑھتے تو تکبیر کہتے، سجدہ کرتے اور ہم بھی آپؐ کے ساتھ سجدہ کرتے۔(۳۸)

سجدہ تلاوت ایمان کی دلیل اور جنت کا راستہ ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے جب ابن آدم سجدہ کی آیت پڑھتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا ایک گوشے میں ہو جاتا ہے اور کہتا ہے، افسوس، ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا، اس نے سجدہ کرلیا تو جنت کا مستحق قرار پایا اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا، میں نے نافرمانی کی اور آگ کا مستحق ٹھہرا۔(۳۹)

پڑھنے اور سننے والا دونوں سجدہ کریں، کیوں کہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ النجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا تو آپؐ کے ساتھ تمام انسانوں اور جنوں نے سجدہ کیا البتہ امیہ بن خلف نے نہیں کیا، وہ جنگ بدر میں شرک کی حالت میں قتل ہوا۔(۴۰)

قرآن حکیم میں سجدے کا مطالبہ یا تو صریح امر کے الفاظ سے ہے مثلاً واسجد واقترب (العلق ۱۹:۹۶، سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ) یا انبیاء اور دوسری مخلوقات کی اطاعت کا بیان ہے مثلاً ارشاد ربانی ہے: اذا تتلی علیھم آیات الرحمن خرّوا سجدا وبکیا (مریم ۱۹:۵۸، جب اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو سجدہ کرتے ہوئے

روتے ہوئے اللہ کے سامنے گر پڑتے ہیں) ارشاد ربانی ہے: وللہ یسجد من فی السموات والارض طوعاً و کرھا (الرعد ۱۳:۱۵، اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، خوشی سے یا مجبوری سے)۔

دوم: سجدہ تلاوت کا فقہی حکم:

حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سجدے کی آیت پڑھنے اور سننے والوں پر واجب ہے اور باقی فقہاء کے نزدیک سنت ہے (۴۱) حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک سننے والے کی چاہے سننے کی نیت ہو چاہے نہ ہو، پڑھنے والے، قصداً سننے والے اور بلا قصد سننے والے تینوں نے سجدہ تلاوت کرنا ہو گا البتہ حیض اور نفاس والی عورت پر بالاتفاق سجدہ تلاوت نہیں ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک سجدہ تلاوت صرف تلاوت کرنے والے اور قصداً سننے والے کے لیے سنت ہے، بلا قصد سننے والے کے لیے مستحب بھی نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حدیث'' جو آیت سجدہ سنے اور جو پڑھے اس کے ذمہ سجدہ ہے'' (۴۲) سجدہ تلاوت کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔ ذمہ کے لفظ سے وجوب معلوم ہوتا ہے خواہ سننے کا قصد ہو یا نہ ہو۔ نیز ارشاد ربانی ہے فمالھم لا یؤمنون واذا قرئ علیھم القرآن لا یسجدون (الانشقاق، ۸۴:۲۰-۲۱، انہیں کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے) صرف واجب چھوڑنے پر ہی کسی کی مذمت کی جا سکتی ہے۔ سجدہ نماز میں کیا جاتا ہے پس سجدہ تلاوت نماز کے سجدوں کی طرح واجب ہو گا۔

سجدہ تلاوت کے سنت ہونے پر جمہور کی دلیل زیدؓ بن ثابت کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ النجم تلاوت کی تو ہم میں سے کسی نے سجدہ نہیں کیا۔ (۴۳) اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ بخاری اور الاثرم نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے جمعہ کے روز منبر پر سورہ النحل تلاوت کی، جب سجدہ کی

آیت پر پہنچے تو نیچے اترے، سجدہ کیا، لوگوں نے بھی سجدہ کیا، جب اگلا جمعہ آیا تو آپؓ نے پھر سورہ النحل تلاوت کی، جب سجدہ کی آیت پر پہنچے تو کہا، لوگو، ہم آیت سجدہ سے گزر رہے ہیں اگر کوئی سجدہ کرے تو اچھا ہے، جو نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں اور خود حضرت عمرؓ نے سجدہ نہیں کیا۔ایک روایت میں ہے۔اللہ نے ہم پر سجدے فرض نہیں کیے ہم چاہیں تو کرلیں۔(۴۴)اس بنا پر جو کر لے تو اچھا ہے، نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔

سننے والے سے سجدہ تلاوت کے مطالبہ کی دلیل ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ انہوں نے سجدہ کی آیت بلا قصد سنی اور ان پر سجدہ اسی طرح تھا جیسے قصداً سننے والے پر تھا، اگرچہ قصداً سننے والے کے لیے سجدے کی زیادہ تاکید ہے۔مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بلا قصد سننے والے پر سجدہ نہ ہونے کی دلیل حضرت عثمانؓ، ابن عباسؓ اور عمران کا فعل ہے۔حضرت عثمانؓ کہتے ہیں: سجدہ اس پر ہے جو قصداً سنے۔

کیا حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت فوراً واجب ہے یا تاخیر سے؟

نماز کے باہر سجدہ تلاوت معین وقت میں تاخیر سے واجب ہے جب کہ تلاوت کرنے والا اور سننے والا وجوب کی اہلیت رکھتے ہوں، خواہ قصداً سنا ہو یا بلا قصد بشرطیکہ جس سے سنا گیا ہو وہ انسان ہو، عاقل ہو اور بیدار ہو خواہ جنابت، حیض یا نفاس سے ہو، خواہ کافر ہو، باشعور لڑکا ہو یا مدہوش ہو اگر کسی پرندے طوطے وغیرہ سے آیت سجدہ سنی یا کیسٹ سے تو سجدہ واجب نہیں ہوگا۔اگر سوئے ہوئے آدمی نے، بے ہوش، دیوانے یا بے شعور بچے سے سنی تو صحیح تر روایت یہ ہے کہ سجدہ واجب نہیں ہوتا کیوں کہ شعور نہ ہونے کے باعث تلاوت کا اعتبار نہیں ہے۔

البتہ نماز میں سجدہ تلاوت کی آیت پڑھی جائے تو فوراً سجدہ واجب ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ نماز کے ایک عمل یعنی قراءت سے واجب ہوا ہے، پس اس کا تعلق نماز کے افعال سے ہوگا اور نماز کا جز قرار پائے گا۔اگر آیت سجدہ پر قراءت ختم کر دی تو یا تو اس کے

لیے مستقل سجدہ کرے پھر اُٹھ کر قراءت کرے یا رکوع یا سجدے کے ساتھ سجدہ تلاوت کو ملا لے۔رکوع میں نیت کرنے سے اور سجدے میں نیت کرے چاہے نہ کرے سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا۔

اگر سجدہ کی آیت پر قراءت ختم نہیں کی اور اس سے آگے تین یا اس سے زیادہ آیات پڑھ لیں تو مستقل سجدہ کرنا واجب ہے جو نماز کے سجدہ سے الگ ہو اور مستحب یہ ہے کہ سجدے سے اُٹھ کر پھر قراءت کرے اور تین یا زیادہ آیات پڑھے پھر رکوع کرے اور نماز مکمل کرے۔

سجدہ تلاوت میں امام کی اقتدا اور نمازی کے علاوہ کسی اور سے آیت سجدہ سننا:

حنفیہ کہتے ہیں کہ جب امام آیت سجدہ تلاوت کرے تو امام اور مقتدی دونوں سجدہ کریں کیوں کہ مقتدی پر اقتدا لازم ہے اور اگر مقتدی تلاوت کرے تو نہ امام سجدہ کرے نہ مقتدی، نہ نماز کے اندر نہ باہر، کیوں کہ مقتدی پر تلاوت کی پابندی ہے، یہ صرف امام کا حق ہے۔

اگر نمازی نماز کے دوران کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ سنے جو نماز میں نہیں تو نماز کے اندر سجدہ نہ کرے، نماز کے بعد کرے، اور اگر نماز کے اندر سجدہ کر لیا تو سجدہ نہیں ہوا البتہ نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ محض سجدہ کرنا نماز کے منافی نہیں۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کی بھی یہی رائے ہے کہ سجدہ تلاوت میں مقتدی کے لیے امام کی اقتدا ضروری ہے۔اگر امام نے سجدہ کر لیا، مقتدی نے نہ کیا یا امام نے سجدہ نہیں کیا صرف مقتدی نے کیا تو اس کی نماز باطل ہو گئی،نمازی کسی صورت میں کسی دوسرے سے آیت سجدہ سن کر سجدہ نہ کرے اور نہ مقتدی اپنی قراءت پر سجدہ کرے، ورنہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیوں کہ اس نے سجدہ کا اضافہ کر لیا ہے۔

سوم- سجدہ تلاوت کی شرائط:

ا- وجوب کی شرائط:

حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کے واجب ہونے کی وہی شرائط ہیں جو نماز کے واجب ہونے کی شرائط ہیں یعنی اسلام، عقل، بلوغ، حیض و نفاس سے پاک ہونا، کافر، بچے، دیوانے اور حیض و نفاس والی عورت پر سجدہ تلاوت واجب نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک سننے والے کے لیے اسی صورت میں سجدہ تلاوت مسنون ہے جب کہ پڑھنے والا امامت کرانے کی صلاحیت رکھتا ہو یعنی مرد ہو اور عاقل و بالغ ہو ورنہ سننے والے پر سجدہ نہیں ہے صرف پڑھنے والے پر ہے۔

شافعیہ کے نزدیک اگر پڑھنے والا با شعور لڑکا ہے اور سننے والا مرد ہے یا بے وضو ہے یا کافر ہے تو سجدہ تلاوت مسنون ہے، البتہ جنبی اور مدہوش کی قراءت پر سجدہ تلاوت مسنون نہیں ہے کیوں کہ ان کے لیے تلاوت جائز نہیں۔

سننے والے کے لیے سجدہ مسنون ہونے کی حنابلہ کے نزدیک شرائط یہ ہیں کہ پڑھنے والا سننے والے کا امام ہو سکتا ہو، یعنی اس کی اقتدا جائز ہو جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے کیوں کہ عطاء سے روایت ہے کہ صحابہ میں سے ایک شخص نے آیت سجدہ تلاوت کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا، تو آپؐ نے فرمایا: تم ہمارے امام تھے، اگر تم سجدہ کرتے تو ہم بھی تمہارے ساتھ سجدہ کرتے۔(۴۵) ابن مسعودؓ نے تمیم بن حذلم سے کہا جو لڑکے تھے: تلاوت کرو، انہوں نے آیت سجدہ تلاوت کی تو کہا، سجدہ کرو، کیوں کہ اس میں تم ہمارے امام ہو۔(۴۶) سننے والا پڑھنے والے کے آگے یا بائیں جانب سجدہ نہ کرے جب کہ دائیں جانب جگہ موجود ہو، عورت اور ہیجڑے کی تلاوت پر مرد سجدہ نہ کرے کیوں کہ پڑھنے والا سننے والے کا امام ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اگر کوئی ان پڑھ، بیمار یا بچہ تلاوت کرے تو سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے کیوں کہ بچہ نوافل میں مرد کی امامت کرسکتا ہے اور نفل میں سورۂ فاتحہ کی قراء ت اور قیام واجب نہیں ہیں۔

۲- سجدہ تلاوت کے جائز یا درست ہونے کی شرائط:

سجدہ تلاوت کے درست ہونے کی وہی شرائط ہیں جو نماز کے درست ہونے کی ہیں یعنی حدث سے پاک ہو (وضو اور غسل کیا ہوا ہو) نجاست سے پاک ہو (بدن، لباس اور سجدے، قیام اور قعود کی جگہ پاک ہو) ستر ڈھانپا ہو، قبلہ رو ہو، نیت کرے۔ ان شرائط پر اتفاق ہے، باقی شرائط کے بارے میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک سجدے کے لیے تکبیر تحریمہ اور وقت کی نیت شرط نہیں، نیز سلام پھیرنا بھی شرط نہیں جب کہ نماز میں یہ امور شرط ہیں۔ سجدہ تلاوت جمعہ اور عیدین کا خطبہ دینے والے پر بھی واجب ہوتا ہے اور سننے والوں پر بھی البتہ امام کے لیے منبر پر ہی سجدہ کرنا مکروہ ہے، نیچے اترے، سجدہ کرے اور سب لوگ اس کے ساتھ سجدہ کریں۔

مالکیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت میں تکبیر تحریمہ ہے نہ سلام، سننے والے کے لیے سجدہ مسنون ہونے کی تین شرائط ہیں جو ہم نے اوپر بیان کیں۔

۱- تلاوت کرنے والا امامت کا اہل ہو یعنی مرد، بالغ، عاقل، مسلمان اور باوضو ہو، اگر تلاوت کرنے والی عورت ہو یا دیوانہ، بچہ، کافر یا بے وضو شخص ہو تو نہ تو قصداً سننے والا سجدہ کرے نہ بلا قصد سننے والا۔ اگر تلاوت کرنے والی عورت یا بچہ ہو تو صرف وہی سجدہ کرے۔

۲- تلاوت کرنے والے کا مقصد اپنی آواز کی خوب صورتی بتانا نہ ہو۔ اگر حسن صورت کا اظہار مقصود ہو تو قصداً سننے والا سجدہ نہ کرے۔

۳- تلاوت سننے والے کا مقصد قراءت یا تجوید کے قواعد مثلاً مد، قصر، اخفا اور ادغام وغیرہ

سیکھنا ہو۔نماز جنازہ، اور جمعہ کے خطبہ میں سجدہ تلاوت نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں سجدہ تلاوت میں نیت کے ساتھ تکبیر تحریمہ بھی شرط ہے جیسا کہ ابو داؤد میں ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔نماز پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔اظہر روایت کے مطابق قعدہ کے بعد سلام بھی شرط ہے جیسا کہ نماز میں سلام شرط ہے البتہ صحیح یہ ہے کہ تشہد شرط نہیں ہے۔

نمازی وغیرہ سے متعلق کئی اور شرائط بھی ہیں:

۱- قراءت شرعاً جائز ہو، اگر قراءت حرام ہو مثلاً جنبی قراءت کرے یا مکروہ ہو مثلاً نمازی رکوع کی حالت میں قراءت کرے تو تلاوت کرنے والے اور سننے والے کے لیے سجدہ تلاوت مسنون نہیں ہے۔

۲- قراءت مقصود ہو، اگر بھولے سے کوئی آیت سجدہ پڑھ لے یا کوئی پرندہ یا ٹیپ ریکارڈر آیت سجدہ تلاوت کرے تو سجدہ تلاوت مسنون نہیں ہے۔

۳- سجدہ کی آیت مکمل پڑھی جائے۔اگر آیت کا کچھ حصہ پڑھا گیا تو سجدہ نہیں ہے۔

۴- آیت سجدہ کی تلاوت سورۂ فاتحہ کی قراءت کی جگہ نہ ہو، جب کہ نمازی سورہ فاتحہ پڑھنے سے عاجز ہو۔

۵- آیت سجدہ اور سجدہ میں زیادہ وقفہ نہ ہو اور سجدے سے اعراض نہ ہو۔اگر سجدے سے طویل اعراض کیا تو سجدہ مسنون نہیں ہے۔طویل اعراض سے مراد یہ ہے درمیانے درجہ کی دو رکعات پڑھنے کی مقدار سے وقت بڑھ جائے۔

۶- سجدہ کی آیت ایک ہی شخص نے پڑھی ہو۔اگر آیت کا ایک حصہ ایک شخص نے اور دوسرا دوسرے شخص نے پڑھا ہو تو سجدہ نہیں ہے۔

۷- سجدہ تلاوت کے لیے طہارت وغیرہ کی وہی شرائط ہیں جو نماز کی ہیں اور ان پر

اتفاق ہے اس وجہ سے آیت سجدہ اگر سوئے ہوئے، جنبی، مدہوش یا سہواً پڑھنے والے یا سکھائے ہوئے پرندے سے سنے تو سجدہ سہو نہیں ہے۔

نمازی کے بارے میں دو شرائط اور ہیں:

۱۔ آیت سجدہ کی تلاوت سے سجدہ کرنا مقصود نہ ہو۔اگر صرف سجدہ کرنا مقصود ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں سورہ السجدہ پڑھنا مسنون ہے البتہ مقتدی اس سے مستثنیٰ ہے۔اگر امام سجدہ کرے تو مقتدی بھی سجدے کرے۔جس طرح نماز میں سجدہ تلاوت کی نیت سے آیت سجدہ پڑھنا درست نہیں اسی طرح مکروہ وقت میں آیت سجدہ کی تلاوت کا نیت کرنا صحیح نہیں، اور اگر اس وقت آیت سجدہ پڑھ لی تو سجدہ نہ کرے کیوں کہ اس وقت سجدہ کرنا حرام ہے۔

۲۔ نمازی خود آیت سجدہ تلاوت کرے۔اگر کسی اور نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا تو نمازی اس کے ساتھ سجدہ نہ کرے۔اگر جانتے بوجھتے دانستہ سجدہ کرے تو نماز باطل ہو جائے گی۔نماز جنازہ میں سجدہ نہیں ہے۔جمعہ کا خطیب اگر آیت سجدہ تلاوت کرے تو وہ سجدہ کرے، نمازی نہ کریں۔نمازیوں کے لیے سجدہ حرام ہے۔کیوں کہ اس میں خطبہ سننے سے اعراض ہے۔جس طرح سجدہ کے لیے پوری آیت پڑھنا ضروری ہے اسی طرح پوری آیت سننا ضروری ہے۔اگر صرف سجدہ کے الفاظ سنے تو اس سے سجدہ لازم نہیں ہوتا۔اگر آیت مکمل ہونے سے پہلے سجدہ کرلیا، خواہ ابھی ایک حرف باقی رہتا ہو تب بھی سجدہ نہیں ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں متفقہ شرائط کے علاوہ آیت سجدہ سنے والے میں دو مزید شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ تلاوت کرنے والا امامت کی اہلیت رکھتا ہو، اگر عورت سے یا آدمی کے علاوہ کسی اور سے مثلاً طوطے یا ٹیپ ریکارڈر سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ مسنون نہیں ہے۔

۲- تلاوت کرنے والا خود بھی سجدہ کرے، اگر اس نے سجدہ نہیں کیا تو سننے والے پر سجدہ نہیں ہے۔

چہارم-سجدہ تلاوت کو فاسد کرنے والے امور:

جن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ان سے سجدہ تلاوت بھی فاسد ہو جاتا ہے مثلاً بے وضو ہونا، عمل کثیر، بات چیت، قہقہہ لگانا۔سجدہ فاسد ہو جائے تو دوبارہ سجدہ کرے البتہ حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت میں قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر عورت مرد کے برابر کھڑی ہو جائے اور مرد اس کی امامت کی نیت کر لے تب بھی سجدہ تلاوت نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ یہاں دونوں کی سجدہ میں شرکت نہیں پائی جاتی، کیوں کہ شرکت کے لیے تکبیر تحریمہ کی شرط ہے اور حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت میں تکبیر تحریمہ نہیں ہے۔سجدہ تلاوت میں بالاتفاق ایسے امور سے باز رہنا ضروری ہے جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مثلاً کھانا، نیز سجدہ کا وقت داخل ہونا بھی شرط ہے اور وہ یہ کہ آیت سجدہ تلاوت کی ہو یا سنی ہو۔

پنجم- سجدہ تلاوت کے اسباب اور طریقہ:

سجدہ تلاوت کے اسباب کے بارے میں اختلاف ہے کہ قصداً سننا ہی سبب ہے یا بلا قصد سننا بھی سبب ہے۔مذاہب فقہیہ میں اس کی تفصیل موجود ہے جو درج ذیل ہے:

حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کے تین اسباب ہیں:

۱- **تلاوت**: آیت سجدہ تلاوت کرنے والے پر سجدہ واجب ہے، خواہ بہرا ہونے کی وجہ سے خود بھی نہ سن سکا ہو۔

۲- **آیت سجدہ قصداً یا بلا قصد سننا:**

۳- اگر امام نے آیت سجدہ تلاوت کی ہو تو مقتدی پر بھی سجدہ واجب ہے، خواہ اس نے آیت سجدہ سنی ہو یا نہ سنی ہو۔

حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر کہے جیسا کہ نماز کے سجدہ کے لیے کہی جاتی ہے اور دونوں ہاتھوں کے درمیان سجدے کے لیے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے، پھر تکبیر کہتا ہوا سجدے سے اٹھ جائے۔یہ دونوں تکبیریں سنت ہیں۔سر اٹھائے لیکن نہ تشہد پڑھے نہ سلام پھیرے کیوں کہ تکبیر تحریمہ نہیں کہی۔سجدے میں وہی الفاظ کہے جو نماز کے سجدے میں کہتا ہے یعنی سبحان ربی الاعلیٰ تین بار۔

مالکیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کا سبب صرف دو امور ہیں: تلاوت اور قصداً آیت سجدہ سننا بشرطیکہ آیت سجدہ سننے کا ارادہ ہو جیسا کہ اوپر شرائط میں مذکور ہے۔

سجدہ کرنے کا طریقہ: ایک سجدہ کرے، تکبیر تحریمہ اور سلام کے بغیر بلکہ سجدے کے لیے تکبیر کہے، پھر سجدے سے سر اٹھانے کے لیے بھی تکبیر کہے۔یہ دونوں تکبیریں مسنون ہیں۔اگر کھڑا ہے تو کھڑے ہونے کی حالت میں تکبیر کہے بیٹھے نہیں اور اگر بیٹھا ہے تو اس حالت میں تکبیر کہتا ہوا سجدہ کرے۔سوار نیچے اتر کر سجدہ کرے، البتہ اگر مسافر ہے تو سواری پر ہی اشارے سے سجدہ کر لے کیوں کہ یہ نفل ہے۔نماز کی طرح سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے۔

سجدے کے طریقہ میں مالکیہ کا مذہب حنفیہ کے مذہب کے قریب ہے۔سجدے میں اس دعا کا اضافہ کرے جو صحیح حدیث میں آتی ہے: اللھم اکتب لی بھا اجراً وضع عنی بھا وزراً واجعلھا لی عندک ذخرا و تقبلھا منی کما قبلتھا من عبدک داؤد. (۴۷)

(اے اللہ! اس سجدے کا اجر میرے لیے لکھ دے اور اس کی وجہ سے میرا گناہ ختم کر دے اور اسے میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنا اور میرا سجدہ قبول فرما جیسا کہ تو نے اپنے بندے داؤد کا سجدہ قبول کیا)

شافعیہ کے نزدیک سجدے کے تین اسباب ہیں: تلاوت، بلا قصد سننا اور قصداً سننا

جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے اور شافعیہ کے نزدیک وہی شرائط ہیں جو حنفیہ کے نزدیک ہیں۔

سجدہ تلاوت کے دو ارکان ہیں: غیر مقتدی کے لیے نیت مقتدی کے لیے امام کی نیت کافی ہے۔ اور ایک سجدہ کرنا جیسا کہ نماز کا سجدہ ہوتا ہے۔ نمازی دل سے نیت کرے۔

جو نماز میں نہ ہو اس کے لیے تین مزید ارکان ہیں: تکبیر تحریمہ، سجدے کے بعد بیٹھنا اور سلام پھیرنا۔ زبان سے نیت کرنا سنت ہے۔

سجدے کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہتے ہوئے سجدے میں جائے اور تکبیر کہتے ہوئے اٹھے نماز میں اس کے لیے ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے۔ نماز کے باہر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہنا مسنون ہے۔ سجدے کے بعد نماز میں جلسہ استراحت نہ کرے اور سجدے میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کرے:

سجد وجھی للذی خلقه، وصوره وشق سمعه و بصره بحوله و قوته، فتبارک اللہ احسن الخالقین

(میرا چہرہ اس ذات کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا جس نے اسے پیدا کیا، اس کی صورت بنائی اور اپنی طاقت اور قوت سے اسے کان اور آنکھیں دیں، بہترین خالق اللہ بہت برکت والا ہے)

پھر یہ الفاظ کہے:

اللھم اکتب لی بھا عندک اجراً، واجعلھا لی عندک ذخراً، وضع عنی بھا وزراً، واقبلھا منی کما قبلتھا من عبدک داؤد. (۴۸)

(اے اللہ اس کے بدلے میرے لیے اپنے ہاں اجر لکھ دے اور اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرہ بنا لے اور میرے گناہ مجھ سے دور کر دے اور اسے اسی طرح مجھ سے قبول فرما جیسے تو نے اپنے بندے داؤد کا سجدہ قبول کیا)۔

امام شافعیؒ سے ثابت ہے کہ سبحان ربنا ان کان و عدربنا لمفعولا (ہمارا رب پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا) بھی کہے۔ اگر انہیں الفاظ پر اکتفا کرے جو سجدے میں کہے جاتے ہیں تو بھی درست ہے۔

جو امور تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہیں وہ سجدہ تلاوت کے بھی قائم مقام ہیں۔ جو شخص سجدہ تلاوت نہیں کرنا چاہتا تو یہ الفاظ چار بار کہے: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

حنابلہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کے اسباب مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ دو ہیں: تلاوت اور قصداً سننا۔

یہ بھی شرط ہے کہ سجدے اور اس کے سبب کے درمیان اتنا وقفہ نہ ہو جسے عرفاً طویل سمجھا جاتا ہے اگر تلاوت کرنے یا سننے والا بے وضو ہے اور پانی کے استعمال پر قادر نہیں تو تیمّم کر لے۔ مقتدی صرف امام کی اقتدا میں سجدہ کرے اور آہستہ قراءت والی نمازوں میں امام کے لیے سجدہ تلاوت کرنا مکروہ ہے تاکہ مقتدی کسی شبہ میں نہ پڑ جائیں۔ اگر امام نے سجدہ کر لیا تو مقتدی کو اختیار ہے، چاہے امام کی اقتدا میں سجدہ کرے چاہے نہ کرے کیوں کہ مقتدی نے نہ آیت سجدہ تلاوت کی نہ سنی البتہ امام کی اقتدا میں سجدہ کر لینا بہتر ہے۔

سجدہ تلاوت کے تین ارکان ہیں: سجدہ کرنا، اس سے اٹھنا اور پہلا سلام۔ دوسرا سلام واجب نہیں ہے۔ سجدہ کرتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے تکبیر کہنا اور سجدے کا ذکر نماز کے سجدے کی طرح واجب ہے اور سلام کے لیے بیٹھنا مستحب ہے۔ افضل یہ ہے کہ کھڑے ہو کر سجدہ میں جائے کیوں کہ اسحاق بن راھویہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "وہ مصحف میں دیکھ کر پڑھتی تھیں اور جب آیت سجدہ پر پہنچتیں تو کھڑی ہو جاتیں اور سجدہ کرتیں" سجدہ تلاوت نوافل کے مشابہ ہے اس لیے بھی کھڑے ہو کر سجدہ کرنا افضل ہے۔

سجدہ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ کرتے ہوئے اور سجدے سے اٹھتے ہوئے تکبیر

کہے اور اگر نماز کے علاوہ سجدہ کر رہا ہے تو تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھائے کیوں کہ یہ سجدہ شروع کرنے کی تکبیر ہے جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے۔البتہ نمازی سجدہ تلاوت کرتا ہو تو مذہب حنبلی میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے کیوں کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔(۴۹) اور اٹھ کر سلام پھیرتے۔

سجدے میں وہی ذکر کرے جو نماز کے سجدے میں کیا جاتا ہے اور جو دعائیں شافعیہ نے بتائی ہیں یعنی **سجد وجھی** ......اور **اللھم اکتب لی بھا عندک اجراً**......ان کا اضافہ کر لے۔

حنفیہ کے علاوہ اور کسی کے نزدیک رکوع سجدہ کے قائم مقام نہیں ہے کیوں کہ شریعت کا حکم سجدہ کرنے کا ہے، رکوع اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا جیسا کہ نماز میں رکوع سجدے کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

ششم۔جن مواقع پر سجدہ تلاوت کرنے کا حکم ہے:

مالکیہ کی مشہور روایت کے مطابق قرآن حکیم میں گیارہ سجدے ہیں،(۵۰) ان میں سے دس پر اتفاق ہے:اور وہ یہ ہیں سورہ لأعراف، آیت ۲۰۶، سورہ الرعد،آیت ۱۵، النحل: ۴۹،الاسرا:۱۰۷، مریم:۵۸، الحج میں پہلا سجدہ:۱۸، الفرقان:۶۰، النمل:۲۵، الم السجدہ :۱۵، فصلت: ۳۸ اور ص:۲۴۔

سورہ ص کے سجدے میں حنفیہ کا مالکیہ کے ساتھ اتفاق ہے(۵۱) البتہ حنفیہ کے نزدیک سجدوں کی تعداد چودہ ہے اور اُن میں درج ذیل تین کا اضافہ ہے: سورۂ النجم:۶۲، **اذالسماء انشقت**: ۲۱ اور **اقرأ باسم ربک الذی خلق** :۱۹۔سورۃ الحج کا دوسرا سجدہ سجدہ تلاوت نہیں بلکہ نماز کے سجدہ کا حکم ہے، کیوں کہ اس میں ساتھ رکوع کرنے کا حکم بھی ہے۔جن احادیث میں یہ آیا ہے کہ سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں ان میں دو راوی

ضعیف ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ(۵۲) کہتے ہیں کہ سجدے چودہ ہیں۔سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں۔ایک شروع میں اور دوسرا آخر میں آیت ۷۷- سورۂ ص کا سجدہ سجدۂ شکر ہے جو نماز کے علاوہ مستحب ہے اور نماز میں اس موقع پر سجدہ کرنا حرام ہے، اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔کیوں کہ بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''ص میں قطعی سجدہ نہیں ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر سجدہ کرتے دیکھا، آپؐ فرماتے تھے، داؤد علیہ السلام نے توبہ کے طور پر سجدہ کیا اور ہم شکر کے طور پر سجدہ کرتے ہیں''۔(۵۳)

اس رائے کی تائید عمروؓ بن العاص کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پندرہ سجدوں کی تعلیم دی تھی جن میں سے تین المفصل میں ہیں اور سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں(۵۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل سجدے پندرہ ہیں،دو سورۃ الحج میں اور ایک سورہ ص میں۔

مالکیہ کے نزدیک المفصل (النجم، الانشقاق اور العلق)میں کوئی سجدہ نہ ہونے کی دلیل ابن عباسؓ کی روایت ہے جسے ابو داؤد اور ابن سکن نے اپنی صحیح میں روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ تشریف لے گئے آپؐ نے مفصل سورتوں میں کوئی سجدہ نہیں کیا۔(۵۵)

مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک مفصل سورتوں میں سجدے ہونے کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے ، وہ کہتے ہیں'' ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اذاالسماء انشقت اور اقرأ باسم ربک میں سجدے کیے (۵۶) اور ہمیں معلوم ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سات ہجری میں اسلام لائے۔

جمہور نے حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث سے بھی استدلال کیا، جس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ النجم تلاوت کی اور سجدہ کیا، سب لوگوں نے آپ کے

ہمراہ سجدہ کیا، البتہ قریش کے ایک بڑے میاں نے مٹھی میں کنکر یا مٹی لے کر اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگا لی اور کہا کہ میرے لیے یہی بہت ہے۔حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ شخص بدر میں کفر کی حالت میں قتل ہو گیا تھا۔(۵۷)

ہفتم-کیا بار بار آیت سجدہ پڑھنے سے بار بار سجدہ کرنا ہوتا ہے۔

جمہور کے نزدیک جتنی بار آیت سجدہ تلاوت کی جائے اتنی بار سجدہ کرنا ہوتا ہے البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر ایک ہی مجلس میں بار بار ایک آیت سجدہ پڑھی جائے تو ایک ہی سجدہ واجب ہو گا۔

حنفیہ کے نزدیک(۵۸) اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کئی بار پڑھی تو ایک ہی سجدہ کافی ہے اور بہتر یہ ہے کہ پہلی بار پڑھنے پر سجدہ کر لے،ایک قول یہ ہے کہ آخر میں سجدہ کرنا احتیاط کا تقاضا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایک ہی آیت سجدہ ہو اور ایک مجلس میں ہو۔اگر ایک آیت سجدہ کی کئی مجالس میں تلاوت کی تو کئی سجدے کرنے ہوں گے اور اگر سجدے کی کئی آیات تلاوت کیں تو ہر ایک پر الگ سجدہ کرنا ہوگا، خواہ ایک مجلس میں کیں یا مختلف مجالس میں۔

صحرا اور راستے میں تین قدم چلنے سے مجلس بدل جاتی ہے، ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر بیٹھنے سے اور نہر یا بڑے حوض میں تیرنے سے مجلس بدل جاتی ہے۔ چھوٹے گھر کے مختلف کونوں میں پڑھنے سے مجلس نہیں بدلتی اور نہ ایک مسجد میں خواہ کتنی بڑی ہو اور نہ کشتی یا گاڑی کے چلنے سے نہ ایک یا دو رکعات پڑھنے سے، نہ ایک گھونٹ پانی یا دو لقمے کھانے یا دو قدم چلنے سے، نہ تکیہ لگانے، بیٹھنے، کھڑے ہونے،سوار ہونے اور سواری سے اترنے سے، بشرطیکہ یہ کام ایک ہی جگہ ہوں جہاں آیت تلاوت کی ہے اور اگر جانور پر سواری کی حالت میں نماز پڑھ کر رہا ہے تو جانور کے چلنے سے بھی مجلس نہیں بدلتی۔

اگر سننے والے کی مجلس تبدیل ہو جائے تو وہ جتنی بار مجلس تبدیل کرے گا اتنے ہی

سجدے کرے خواہ پڑھنے والے کی مجلس نہ بدلے۔ مثلاً کوئی شخص سواری پر نماز پڑھتے ہوئے بار بار آیت سجدہ پڑھ رہا ہے اور اس کا ملازم ساتھ چل رہا ہے تو ملازم پر بار بار سجدہ واجب ہوگا، سوار پر نہیں۔ اور اگر پڑھنے والا بار بار اپنی مجلس تبدیل کرتا ہے لیکن سننے والا ایک ہی جگہ بیٹھا ہے تو پڑھنے والے پر بار بار سجدہ واجب ہوگا، سننے والے پر ایک ہی بار، فتویٰ اسی پر ہے۔ (۵۹)

اگر کسی شخص نے ایک آیت تلاوت کی، اور سجدہ نہیں کیا، پھر نماز شروع کر دی، نماز میں وہی آیت تلاوت کی اور سجدہ کر لیا تو ایک سجدہ دونوں بار کی تلاوت کے لیے کافی ہے۔

اگر کسی شخص نے ایک آیت تلاوت کی اور سجدہ کر لیا، پھر نماز شروع کی اور اس میں وہی آیت دوبارہ پڑھی تو دوبارہ سجدہ کرے، پہلا سجدہ کافی نہیں۔ اگر نماز میں سجدے کی آیت کی تلاوت کی پھر سلام پھیرنے کے بعد اسے دہرایا تو دوبارہ سجدہ کرے۔ جو آیت سجدہ نماز میں تلاوت کی گئی، اس کا سجدہ نماز سے باہر ادا نہیں ہوسکتا کیوں کہ اس کی اپنی اہمیت ہے اس لیے ناقص سجدہ ادا نہیں ہوگا بلکہ توبہ کرے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر استاذ یا شاگرد نے سجدہ کی آیت بار بار پڑھی تو صرف پہلی بار پڑھنے پر دونوں کے لیے سجدہ کرنا مسنون ہے، اس کے بعد نہیں کیوں کہ اس میں مشقت ہے اور اگر سجدہ کی آیت سے ایک دو آیات آگے پڑھ گیا تو بھی سجدہ کر لے اور اگر زیادہ آگے پڑھ گیا تو آیت سجدہ کو دہرا کر سجدہ کرے، خواہ فرض نماز میں ہو، لیکن فرض میں اگر رکوع کے لیے جھک گئے ہوں تو سجدہ نہ کرے۔

شافعیہ کے نزدیک اگر دو مجلسوں میں یا ایک مجلس میں ایک آیت بار بار پڑھے تو ہر بار پڑھنے کے بعد سجدہ کرے۔ ایک رکعت ایک مجلس کی طرح ہے اور دو رکعات دو مجلسوں کی طرح۔ اگر کسی نے سجدہ نہیں کیا خواہ کسی عذر کی وجہ سے اور اتنا وقت گزر گیا جو عرف

میں طویل سمجھا جاتا ہے تو سجدہ ادا نہ کرے، کیوں کہ سجدہ قراءت کے تابع ہے۔

حنابلہ کے نزدیک جتنی بار آیت سجدہ تلاوت کرے یا سنے اتنی بار سجدہ کرے کیوں کہ سبب بار بار پیدا ہوگا تو سجدہ بار بار کرنا ہوگا۔

ہشتم-سجدہ تلاوت کے فرعی احکام:

حنفیہ کہتے ہیں: (۶۰)

ا- باقی سورت تلاوت کرنا اور آیت سجدہ چھوڑ دینا مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ اس میں قرآن کی ترتیب کو برقرار نہ رکھنا اور اللہ کی تالیف کو بگاڑنا لازم آتا ہے جب کہ قرآنی ترتیب کا اتباع کرنے کا حکم ہے، البتہ اس کے برعکس کرنا یعنی سورت میں سے صرف آیت سجدہ پڑھنا اور باقی چھوڑ دینا مکروہ نہیں ہے کیوں کہ وہ قرآن کا حصہ ہے اور قرآن میں سے جہاں سے بھی تلاوت کریں نیکی ہے جیسے کوئی ایک سورت درمیان سے پڑھنا مکروہ نہیں، اسی طرح ایک آیت درمیان سے پڑھنا بھی مکروہ نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ آگے یا پیچھے سے ایک یا دو آیات ساتھ ملا لی جائیں تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ کسی ایک آیت کی زیادہ فضیلت ہے، کیوں کہ کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے سارا کلام یکساں ہے اگرچہ قرآن کی بعض آیات جن میں صفات خداوندی کا بیان ہے زیادہ فضیلت کی حامل ہیں۔

ب۔ اگر کوئی تلاوت سننے والا سجدے کے لیے تیار نہیں تو مناسب یہ ہے کہ آیت سجدہ آہستہ پڑھی جائے۔اگر کوئی شخص آیت سجدہ سن کر خواہ مخواہ کسی کام میں مصروف ہوگیا ہے تو راجح یہ ہے کہ اس پر سجدہ واجب کر دیا جائے تا کہ اسے کلام اللہ سے ہٹ کر بے مصرف مصروفیت پر تنبیہ کی جا سکے۔

امام کے لیے آہستہ قراءت والی نمازوں میں آیت سجدہ پڑھنا مکروہ ہے تا کہ مقتدیوں کو التباس نہ ہو، نیز جمعہ اور عیدین میں بھی مکروہ ہے البتہ اگر اس طرح پڑھے کہ

نماز کے رکوع یا سجدے میں سجدہ تلاوت ادا کرے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر امام نے منبر پر آیت سجدہ تلاوت کی تو منبر پر ہی سجدہ کرلے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے یا نیچے اتر کر کرے اور تمام سننے والے بھی سجدہ کریں۔

ج۔ اگر کسی شخص نے کئی لوگوں سے آیت سجدہ اس طرح سنی کہ ہر ایک نے ایک ایک لفظ پڑھا تو سجدہ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ اس نے کسی ایک شخص سے نہیں سنا، آیت سجدہ تلاوت کرنے والا ایک فرد ہونا چاہیے۔

د۔ مستحب یہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھ کر پہلے کھڑا ہو پھر سجدہ کرے، پھر آیت سجدہ سن کر سجدہ کرنے والا پڑھنے والے سے پہلے سجدے سے سر نہ اٹھائے۔ پڑھنے والے کو آگے نہ کھڑا کیا جائے اور سننے والے صف بندی نہ کریں بلکہ جہاں ہیں، جس طرح ہیں سجدہ کر لیں۔

ہ۔ ایک قول یہ ہے کہ جس کسی نے سجدے کی تمام آیات ایک مجلس میں پڑھیں اور ہر ایک پر سجدہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیاں دور کردے گا۔ بظاہر یہ ہے کہ وہ ترتیب سے ہر آیت پڑھ کر سجدہ کرے، ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ پہلے تمام آیات یک بارگی پڑھ لے اور پھر سب آیات کا الگ الگ سجدہ کرے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں:(۶۱)

ا۔ صرف آیت سجدہ کی تلاوت پر اکتفا کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے مثلاً صرف انما یؤمن بآیاتنا (السجدہ۳۲:۱۵) تلاوت کرے۔ تاہم اس کراہت کے باوجود اگر کسی نے پڑھ لی تو سجدہ نہ کرے۔

ب۔ نمازی کے لیے فرض نماز میں قصداً آیت سجدہ پڑھنا مکروہ ہے، خواہ جمعہ کی صبح کی نماز ہو مشہور قول یہی ہے۔ البتہ نفل میں مکروہ نہیں۔ اگر فرض نماز میں دانستہ یا بھولے سے آیت سجدہ تلاوت کر لی تو سجدہ کرے خواہ ممنوعہ وقت ہو۔ اگر جمعہ وغیرہ کے خطبہ میں

آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ نہ کرے کیوں کہ اس سے ترتیب وتنظیم متاثر ہوتی ہے۔

ج۔ اگر سری نماز میں امام آیت سجدہ پڑھے تو مستحب یہ ہے کہ اسے بلند آواز سے پڑھے تاکہ مقتدی سنیں اور سجدہ میں امام کی اقتدا کریں۔اگر آہستہ پڑھی اور سجدہ کیا اور مقتدی بھی سجدہ کریں کیوں کہ اصل یہ ہے کہ امام نے بھولے سے سجدہ نہیں کیا ہو گا اگر مقتدی سجدہ نہ کریں تب بھی ان کی نماز درست ہو جائے گی کیوں کہ امام کی اقتدا واجب ہے شرط نہیں، کیوں کہ یہ سجدہ ایسے افعال میں سے نہیں ہے جس میں اقتدا اصل میں واجب ہو، اگر کسی نے کوئی ایسا واجب چھوڑ دیا جو شرط نہیں ہے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

د۔ اگر کوئی شخص آیت سجدہ سے ایک دو آیات آگے پڑھ گیا تو دوبارہ آیت سجدہ پڑھے بغیر سجدہ کر لے اور اگر زیادہ آگے پڑھ گیا تو آیت سجدہ کو دہرا کر پھر سجدہ کر لے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، نماز فرض ہو یا نفل، جب تک فرض یا نفل نماز میں رکوع کے لیے جھک نہ جائے سجدہ کر لے اور اگر رکوع کے لیے جھک گیا تو پھر تلافی کا موقع جاتا رہا۔نفل میں مستحب یہ ہے کہ دوسری رکعت میں آیت سجدہ کا اعادہ کر کے سجدہ کرے لیکن فرض نماز میں اگر اس آیت کی قراءت نہیں ہے تو محض سجدہ کرنے کے لیے آیت سجدہ نہ دہرائے بظاہر فاتحہ پڑھنے سے پہلے آیت سجدہ دہرائے کیوں کہ اس کا سبب مقدم ہے۔

ہ۔ نماز میں سجدہ تلاوت کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ سجدہ سے اٹھ کر قرآن کا کچھ حصہ تلاوت کر کے رکوع میں جائے خواہ دوسری سورت میں سے کیوں نہ ہو۔ تاکہ رکوع تلاوت کے فوراً بعد ہو۔

اگر آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد سجدہ کی نیت سے جھکا لیکن بھولے سے رکوع کر لیا تو امام مالکؒ کے نزدیک رکوع درست ہے کیوں کہ کسی رکن کے لیے حرکت کرنا نماز کی شرط نہیں ہے اس اضافے کی وجہ سے نماز کے آخر میں سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرے بشرطیکہ رکوع اطمینان سے کر لیا، اگر صرف جھکا ہی تھا تو سجدے میں چلا جائے اور

سجدہ سہو نہ کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں: (۶۲)

الف۔ جن اوقات میں نفل نماز پڑھنے کی ممانعت ہے ان میں سجدہ تلاوت نہ کرے، اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عام ہے: ''فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں ہے'' اور یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے روایت کی ہے۔

ب۔ اگر نماز میں سورت کے آخر میں آیت سجدہ تلاوت کی تو چاہے تو رکوع کر لے اور چاہے سجدہ کر لے پھر کھڑے ہو کر رکوع کرے کیوں کہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں: اگر تم چاہو تو رکوع کرو، اگر چاہو تو سجدہ کرلو۔

ج۔ اگر تلاوت کرنے والا سفر میں سواری پر ہے تو جس طرف سواری کا رخ ہے اسی طرف اشارے سے سجدہ کر لے جیسا کہ نفل نماز میں کیا جاتا ہے۔ اس پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے۔ (۶۳) کیوں کہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال آیت سجدہ تلاوت کی تو سب لوگوں نے سجدہ کیا، کچھ لوگ سوار بھی تھے، کچھ نے زمین پر سجدہ کیا، حتی کہ سواروں نے اپنے ہاتھوں پر سجدہ کیا۔ (۶۴)

د۔ **سجدوں کا اختصار مکروہ ہے:** یعنی قرآن حکیم سے صرف سجدے کی آیات الگ کر کے تلاوت کرنا اور سجدے کرنا مکروہ ہے کیوں کہ یہ اسلاف سے منقول نہیں ہے بلکہ اس کی کراہت منقول ہے۔ اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے۔

ہ۔ امام کے لیے سری نماز میں سجدہ کرنا مکروہ ہے، خواہ اس نے آیت سجدہ تلاوت کی ہو کیوں کہ اس کی وجہ سے مقتدی شبہ میں پڑ سکتا ہے۔ اس میں حنابلہ حنفیہ سے ہم آہنگ

ہیں۔امام شافعیؒ کے نزدیک مکروہ نہیں کیوں کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا، پھر کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا، صحابہ نے اندازہ کیا کہ آپؐ نے سورۃ السجدہ تلاوت کی تھی۔(۶۵) مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں امام کو بلند آواز سے آیت سجدہ پڑھنی چاہیے جیسا کہ اوپر ہم بتا چکے ہیں۔

مطلب سوم: سجدہ شکر

جمہور کے نزدیک سجدہ شکر مستحب ہے، مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔اس سلسلے میں فقہاء کی آراء درج ذیل ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں (۶۶) کہ امام ابو حنیفہؒ نے سجدہ شکر کو مکروہ بتایا ہے کیوں کہ اللہ کی نعمتوں کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔دیگر علمائے احناف کے نزدیک سجدہ شکر باعث ثواب ہے کیوں کہ نسائی کے علاوہ حدیث کے چھ ائمہ نے حضرت ابی بکرہؓ کی حدیث بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسا معاملہ پیش آتا جس سے آپؐ مسرور ہوتے یا آپؐ کو کوئی خوش خبری ملتی تو آپؐ سجدہ ریز ہو جاتے۔سجدہ شکر کی کیفیت وہی ہے جو سجدہ تلاوت کی ہے۔

فتویٰ اس پر ہے کہ سجدہ شکر مستحب ہے البتہ نماز کے بعد سجدہ کرنا مکروہ ہے کیوں کہ جاہل لوگ اسے سنت یا واجب سمجھنے لگتے ہیں اور ہر مباح کام اگر سنت یا واجب سمجھا جانے لگے تو مکروہ ہو جاتا ہے اس بنا پر نماز کے بعد سجدہ کرنے کے مکروہ ہونے پر اجماع ہے کیوں کہ عوام اسے واجب یا سنت سمجھیں گے۔ہر جائز کام جسے واجب یا سنت سمجھا جائے مکروہ ہو جاتا ہے۔اگر کسی شخص نے نماز کے رکوع یا سجدے میں سجدہ شکر کی نیت کی تو سجدہ شکر ادا ہو جاتا ہے۔

جس نماز کے بعد نوافل پڑھنے مکروہ ہیں اس کے بعد اس وقت میں سجدہ شکر کرنا بھی مکروہ ہے، دوسرے اوقات میں مکروہ نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک (۶۷) کوئی خوش خبری سننے پر یا زلزلہ آنے پر سجدہ شکر کرنا مکروہ ہے، کسی نعمت کے ملنے یا مصیبت کے ٹلنے پر دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے، اہل مدینہ کا معمول یہی تھا۔

ابن حبیب مالکی نے ابوبکرہؓ کی مذکورہ بالاحدیث کی بنا پر سجدہ شکر کو جائز قرار دیا(۶۸)۔

شافعیہ کے نزدیک (۶۹) سجدہ شکر نماز میں داخل نہیں ہو سکتا، کسی نعمت کے حصول مثلاً بچے کی پیدائش یا منصب کے حصول پر یا کسی مصیبت، مثلاً جلنے یا غرق ہونے سے بچنے پر یا کسی شخص کے بدن وغیرہ میں کوئی بیماری یا معذوری دیکھنے پر(اس طور پر کہ اللہ نے اسے اس بیماری یا معذوری سے بچا کر رکھا ہے) یا کسی شخص کو علی الاعلان گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ کر(اس طور پر کہ وہ اللہ کے فضل سے اس گناہ کے ارتکاب سے محفوظ ہے) سجدہ شکر ادا کرے۔ گناہ کے مرتکب کو دکھا کر اور معذور کو دکھائے بغیر سجدہ کرے۔

سجدہ شکر بھی سجدہ تلاوت کی طرح ہے اور صحیح یہ ہے کہ مسافر یہ دونوں سجدے سواری پر بیٹھے بیٹھے اشارے سے ادا کر سکتا ہے کیوں کہ اترنے میں مشقت ہے۔ اگر سوار نے نماز کا سجدہ تلاوت کیا تو اشارے سے سجدہ کرنا جائز ہے جیسا کہ نوافل پڑھنا اور اشارے سے سجدہ سہو کرنا جائز ہے۔ نعمت کے حصول اور مصیبت کے ٹلنے پر سجدہ شکر کرنے کی دلیل ابوبکرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے اور ایک بلند و بالا عمارت کی طرف چل پڑے(۷۰) اس میں داخل ہوئے اور قبلہ رو ہو کر سجدہ ریز ہو گئے۔ طویل سجدہ کرنے کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا:

''جبریلؑ میرے پاس آئے اور مجھے خوش خبری سناتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو آپؐ پر درود بھیجے گا، میں اس پر رحمت کروں گا جو آپؐ پر سلام بھیجے گا میں اس پر

سلام بھیجوں گا، پس میں نے اللہ کے لیے سجدہ شکر ادا کیا"۔(۷۱)

ابو داؤد نے سند حسن سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے سوال کیا اور اپنی امت کی سفارش کی تو اللہ نے مجھے ایک تہائی امت مرحمت فرما دی (یعنی اسے بخش دیا) تو میں نے اپنے رب کے لیے سجدہ شکر ادا کیا، پھر میں نے سجدے سے سر اٹھا کر اپنے رب سے سوال کیا تو اس نے مجھے دوسری تہائی امت بھی مرحمت فرما دی، تو میں نے اپنے رب کے لیے سجدہ شکر ادا کیا، پھر میں نے سجدے سے سر اٹھا کر اپنے رب سے سوال کیا تو اس نے مجھے آخری تہائی بھی مرحمت فرما دی تو میں نے اپنے رب کے لیے سجدہ شکر ادا کیا۔

کسی کو مصیبت میں دیکھ کر سجدہ شکر ادا کرنے کی دلیل بیہقی کی روایت ہے کہ اپنی سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کرے۔ کسی شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر سجدہ شکر بجا لانے کی دلیل یہ ہے کہ دین کی مصیبت دنیا کی مصیبت سے شدید تر ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "الٰہی ہمیں دین کے بارے میں مصیبت میں مبتلا نہ کرنا" کافر کو دیکھ کر سجدہ شکر بجا لانا اور بھی بہتر ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں (۷۲) نعمت کی تجدید اور مصیبت رفع ہونے کے موقع پر سجدہ شکر ادا کرنا مستحب ہے جیسا کہ ابوبکرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔ فتح یمامہ کے موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ نے سجدہ شکر ادا کیا تھا۔

سجدہ شکر کی وہی شرائط ہیں جو سجدہ تلاوت کی ہیں، نماز کی حالت میں سجدہ شکر ادا نہ کرے کیوں کہ سجدہ شکر کا سبب نماز کا حصہ نہیں ہے، اگر کسی نے نماز میں سجدہ شکر ادا کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی، البتہ اگر کوئی بھولے سے نماز میں سجدہ شکر کر لے یا اسے مسئلہ کا علم نہ ہو تو نماز ہو جائے گی۔

دوسری بحث: قضا نمازیں پڑھنا:

قضا نماز ادا کرنے کا مفہوم، اس کا شرعی حکم، کن عذروں کی بنا پر نماز معاف ہو جاتی ہے اور کب نماز مؤخر کی جا سکتی ہے، سفر اور حضر میں، سری اور جہری قضا نمازوں کو ادا کرنے کا طریقہ، قضا نمازوں کو ادا کرنے میں ترتیب کا لحاظ، کب ترتیب ملحوظ رکھنا ضروری نہیں رہتا، اگر معلوم نہ ہو کہ کتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں تو کیسے ادا کرے اور ممنوع اوقات میں قضا نماز پڑھنے کا حکم۔

۱۔ قضا کا مفہوم اور اس کا شرعی حکم:

کسی واجب کام کو اس کے وقت میں کرنا ادا کہلاتا ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر نماز کے وقت میں تکبیر تحریمہ کہہ لی تو نماز ادا سمجھی جائے گی جب کہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر نماز کے وقت کے اندر ایک رکعت ادا کر لی تو نماز ادا سمجھی جائے گی۔اس کی تفصیل ہم نمازوں کے اوقات کی بحث میں بیان کر چکے ہیں۔

اعادہ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ایسی خرابی کے باعث جو عمل کو باطل نہ کر دے کسی واجب کو اس کے متعین وقت میں دوبارہ ادا کرنا اعادہ ہے۔حنفیہ کے نزدیک اگر نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی ہو تو وقت کے اندر اور وقت کے بعد اس کا اعادہ واجب ہے۔

قضا کا مفہوم ہے کسی واجب کو اس کے متعین وقت کے بعد کرنا (۷۳) یا وقت کے بعد نماز ادا کرنا۔

مسلمان کے دین اور عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جونہی نماز کا وقت ہو فوراً نماز ادا کرے بلا عذر نماز کو اس کے متعین وقت سے مؤخر کر کے پڑھنا گناہ ہے، جیسا کہ نماز کی فضیلت کے زیر عنوان ہم بیان کر چکے ہیں، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فاذا اطمانتم فاقیموا

الصلوٰۃ، ان الصلاۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتاً (النساء۴:۱۰۳) جب تمہیں اطمینان ہو جائے تو نماز قائم کرو، کیوں کہ نماز مومنوں پر وقت کے وقت فرض ہے) بلا عذر نماز وقت سے مؤخر کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہے جو صرف قضا سے ختم نہیں ہوتا بلکہ نماز ادا کرنے کے بعد توبہ کرنے یا حج کرنے سے معاف ہو سکتا ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی شرعی عذر کی بنا پر نماز مؤخر کر دی تو اسے کوئی گناہ نہیں۔ شرعی عذر مثلاً دشمن کا خوف یا دایہ کو بچے یا اس کی ماں کی موت کا خوف ہو جب کہ بچے کا سر باہر نکل آیا ہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے روز نماز مؤخر کر دی تھی۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مشرکین نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار نمازیں نہیں پڑھنے دیں، حتی کہ رات کا خاصا حصہ گزر گیا تو آپؐ نے بلالؓ سے کہا، انہوں نے اذان کہی، پھر اقامت کہی تو آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر انہوں نے اقامت کہی تو آپؐ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر انہوں نے اقامت کہی تو آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر انہوں نے اقامت کہی تو آپؐ نے عشا کی نماز پڑھائی۔ (۷۴)

جس شخص کے ذمے کوئی ذمہ داری ہو تو جب تک اسے بر وقت یا بعد از وقت ادا نہ کرے اس کی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی، ارشاد نبوی ہے: اللہ کا قرض اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ ادا کیا جائے۔ (۷۵) جس شخص پر نماز واجب ہو اور نماز کا متعین وقت گزرنے کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو اس کے لیے بعد میں ادا کرنا ضروری ہے۔ (۷۶) اگر دانستہ نماز نہیں پڑھی تو قضا واجب ہے اور گناہ گار بھی ہو گا کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جب تم میں سے کوئی نماز کے وقت سو جائے یا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے أقم الصلاۃ لذکری (طٰہٰ۲۰:۱۴، میری یاد کے لیے نماز قائم کرو) (۷۷) صحیح بخاری میں ہے: جسے نماز پڑھنا یاد نہ رہے، جب یاد آئے تو پڑھ لے، یہی اس کا کفارہ ہے۔ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث کا مجموعہ یوں ہے: ''جو شخص

نماز کے وقت سویا رہا، یا اسے نماز پڑھنا یاد نہ رہا تو جب یاد آئے تو نماز پڑھ لے'' جس کسی کی نماز بھولے سے یا نیند کی وجہ سے رہ گئی ہو وہ قضا کرے گا تو جس نے دانستہ نماز قضا کر دی اس پر نماز پڑھنا بطریق اولیٰ واجب ہے۔

پس جس کسی نے دانستہ، سوتے رہنے کی وجہ سے یا سہو یا شک کے باعث نماز چھوڑ دی وہ نماز قضا کرے۔ مالکیہ کے نزدیک اگر کسی نے جنون، بے ہوشی، کفر، حیض یا نفاس کے باعث نماز چھوڑ دی یا اسے پانی اور پاک مٹی میں سے کوئی چیز میسر نہیں تو وہ شخص چھوڑی ہوئی نماز نہ پڑھے۔

اگر کسی نے نیند کی وجہ سے یا بھولے سے نماز مؤخر کر دی تو اسے گناہ نہیں کیوں کہ ابوقتادہؓ کی حدیث میں ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ نیند کے باعث ان کی نماز رہ جاتی ہے تو آپؐ نے فرمایا: نیند کوتاہی کا سبب نہیں ہے، بیداری میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا نماز کے وقت سویا رہے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے۔(۷۸)

۲- جن عذروں کی وجہ سے نماز معاف ہو جاتی ہے یا مؤخر کی جا سکتی ہے:

الف- جن عذروں کی بنا پر نماز معاف ہو جاتی ہے:

علماء کا اتفاق ہے کہ حیض اور نفاس کے دنوں میں عورت کو نماز معاف ہوتی ہے اس دوران میں جو نمازیں قضا ہو جائیں انہیں بعد میں ادا کرنا واجب نہیں جیسا کہ اصلی کافر پر یا دیوانے پر بالاتفاق پہلی نمازیں ادا کرنا واجب نہیں۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے(۷۹) اگر کسی شخص پر دیوانگی یا بے ہوشی کی حالت میں پانچ نمازوں سے زائد وقت گزر جائے تو اس کی نمازیں معاف ہو جاتی ہیں اور اگر پانچ نمازوں یا اس سے کم وقت کے لیے دیوانگی یا بے ہوشی جاری رہی تو جس نماز کے وقت

اسے ہوش آیا اگر اس کا اتنا وقت باقی ہے کہ اس میں تکبیر تحریمہ کہی جا سکتی ہے تو وہ نماز واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

مرتد کی جو نمازیں ارتداد کی حالت میں یا اس سے پہلے قضا ہوگئیں انہیں ادا کرنا واجب نہیں البتہ اگر حج ادا کرنا واجب تھا تو وہ ادا کرنا ہوگا، کیوں کہ مرتد اصلی کافر کی طرح ہے۔اگر کوئی شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا اور وہاں اسے نمازوں کی فرضیت کا علم نہیں ہو سکا تو جتنی مدت وہاں رہا ہے اس مدت کی نمازیں بعد میں ادا کرنا واجب نہیں کیوں کہ ذمہ داری کے لیے شرعی حکم کا علم ہونا ضروری ہے۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مالکیہ کے نزدیک دیوانگی، بے ہوشی، کفر، حیض، نفاس اور طہارت کے لیے پانی اور مٹی دونوں نہ ملنے کی صورت میں نماز کی قضا واجب نہیں ہوتی۔(۸۰)

شافعیہ کے نزدیک (۸۱) دوسرے مذاہب کی طرح حیض اور نفاس میں نماز واجب نہیں ہوتی۔اصلی کافر جب مسلمان ہو تو اسے بھی پہلی نمازیں پڑھنے کا حکم نہیں ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: قل للذین کفروا ان ینتهوا یغفرلهم ماقد سلف (الانفال ۸:۳۸) (جن لوگوں نے کفر کیا ان سے کہو، اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے) نیز اصلی کافروں پر پچھلی نمازیں واجب کرنے سے اسلام سے نفرت پیدا ہوتی ہے، اس لیے پچھلی نمازیں معاف کر دی گئی ہیں البتہ اگر مرتد دوبارہ مسلمان ہوتا ہے تو اس پر ارتداد کے زمانے کی نمازیں قضا کرنا واجب ہیں کیوں کہ وہ اس پر واجب ہوئی تھیں، اس کا اعتقاد بھی یہی ہے کہ نمازیں واجب تھیں اور وہ نماز ادا کرنے کا سبب اختیار کرنے کی استطاعت رکھتا تھا، اس کی حیثیت اس شخص کی سی ہے جو بے وضو ہو۔اگر مرتد ارتداد کی حالت میں دیوانہ ہو گیا تو اس دوران کی نمازیں قضا کرنا بھی ضروری ہیں۔

جس کسی کی عقل دیوانگی، بے ہوشی، بیماری یا کسی مباح سبب کے باعث جاتی رہی تو

اس پر نماز واجب ہے نہ اس کی قضا کیوں کہ ارشاد نبوی ہے" تین افراد سے ذمہ داری اٹھا لی گئی ہے" ان میں دیوانہ بھی شامل ہے۔جس کسی کی عقل کسی مباح سبب کے باعث زائل ہوگئی ہو اسے دیوانے پر قیاس کیا جائے گا، البتہ اگر کسی کی عقل کسی حرام سبب سے جاتی رہی، مثلاً نشہ آور شے کے استعمال سے یا بلاضرورت کوئی دوائی استعمال کرنے سے تو جب اسے افاقہ ہو نمازیں قضا کرے کیوں کہ اس کی عقل حرام شے کے استعمال سے متاثر ہوئی ہے اس لیے فرض معاف نہیں ہوگا۔

حنابلہ کے بقول (۸۲) بچے، کافر، حیض اور نفاس والی عورت پر نماز واجب نہیں اصلی کافر نے کفر کی حالت میں جو عبادات ادا نہیں کیں انہیں بالاتفاق قضا کرنا واجب نہیں ہے۔کیوں کہ ارشاد ربانی ہے:قل للذین کفروا ـــ (الانفال ۳۸:۸) عہد نبوی اور بعد کے ادوار میں بے شمار لوگ مسلمان ہوئے کسی کو پچھلی نمازیں قضا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، نیز ایسے حکم کی وجہ سے اسلام سے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے پچھلی نمازیں معاف ہیں جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے۔

مرتد کے پچھلی نمازیں قضا کرنے کے واجب ہونے کے بارے میں امام احمدؒ کی دو روایات ہیں ایک روایت میں وہ حنفیہ سے ہم آہنگ ہیں کہ اس عرصے کی نمازیں واجب نہیں کیوں کہ کفر اختیار کرنے کی وجہ سے اس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے، ارشاد ربانی ہے لئن اشرکت لیحبطن عملک (الزمر ۶۵:۳۹) اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔اگر اس نے پہلے حج کیا تھا تو از سر نو حج کرنا واجب ہے، مرتد تمام احکام میں اصلی کافر کی مانند ہے۔

دوسری روایت میں شافعیہ سے متفق ہیں کہ ارتداد کے زمانے میں جو عبادات قضا کی ہیں انہیں ادا کرنا ضروری ہے اور ارتداد سے پہلے اسلام کی حالت کی قضا عبادات کو ادا کرنا بھی ضروری ہے۔البتہ اس پر حج کا اعادہ واجب نہیں ہے کیوں کہ اگر شرک کی حالت میں

مرجائے تو پچھلے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، ارشاد ربانی ہے: ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فأولئک حبطت أعمالھم فی الدنیا والآخرۃ (البقرۃ ۲:۲۱۷)تم میں سے جو کوئی مرتد ہو جائے اور کفر کی حالت میں مرجائے تو دنیا وآخرت میں اس کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں)۔

دیوانہ مکلّف نہیں ہوتا اور دیوانگی کی حالت میں اس کی جو نمازیں رہ جائیں ان کی قضا واجب نہیں البتہ نماز کے وقت افاقہ ہو جائے تو اس لڑکے کی مانند ہوگا جو بالغ ہو جائے مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔حدیث یہ ہے" تین آدمیوں پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔سونے والے پر تا آنکہ بیدار ہو جائے، بچے پر تا آنکہ بالغ ہو جائے اور دیوانے پر تا آنکہ اس کی عقل لوٹ آئے"۔(۸۳) چوں کہ عام طور پر دیوانگی کی مدت طویل ہوتی ہے اس لیے قضا نماز کا وجوب باعث مشقت ہوگا لہٰذا اس کی معافی ہے۔

بے ہوش ہونے والا ان تمام نمازوں کی قضا کرے جو بے ہوشی کی حالت میں گزری ہوں۔اس کا حکم سونے والے کی مانند ہے، اس دوران اس کے ذمہ پر واجب ہونے والی تمام عبادات نماز روزے وغیرہ کی قضا واجب ہے۔ان کی دلیل اثرم سے مروی روایت ہے کہ حضرت عمارؓ تین روز تک بے ہوش رہے اور اس عرصے کی تمام نمازیں انہوں نے قضا کیں۔نیز سمرہ بن جندبؓ سے بے ہوش ہونے والے کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ تمام نمازیں قضا کرے۔یہ رائے حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کی رائے سے مختلف ہے۔

اگر کسی شخص نے ایسی دوائی کھالی جس سے اس کی عقل زائل ہو گئی تو اس میں تحقیق یہ ہے کہ اگر زیادہ عرصہ تک دماغ پر اثر نہیں رہا تو وہ بے ہوشی کی طرح ہے اور اگر زیادہ مدت تک اثر رہا تو جنون کے طرح ہے۔

اگر کوئی شخص نشہ آور حرام چیز استعمال کرتا ہے جس سے کسی وقت عقل زائل ہو جاتی ہے اور دوسرے وقت نہیں تو اس سے ذمہ داری میں فرق نہیں آتا اور نشے کی حالت میں قضا ہونے والی نمازیں بالاتفاق پڑھنی ہوں گی کیوں کہ جب مباح نیند کی وجہ سے رہ جانے والی نماز قضا کرنا ضروری ہے تو حرام نشے سے رہ جانے والی بطریق اولیٰ قضا کرنا ضروری ہے۔

ایسا مریض جو نماز روزے سے عاجز ہو اور مر جائے اس کی عبادات کی معافی:

حنفیہ کے نزدیک (۸۴) اگر ایسا مریض جو زندگی میں اشارے سے نماز پڑھنے سے بھی عاجز ہو، مر جائے تو اس کے ذمہ نمازوں کے فدیہ کی وصیت نہیں ہے، خواہ نمازیں کم ہوں۔اسی طرح اگر مریض یا مسافر نے روزہ چھوڑ دیا تھا اور صحت یا سفر سے واپسی سے قبل مر گیا تو اس کے ذمے بھی وصیت نہیں ہے البتہ ان صورتوں میں نمازوں اور روزے کا فدیہ دینے کی وصیت کرنا مستحب ہے۔

جس شخص نے بغیر عذر کے نمازیں قضا کیں، انہیں ادا کرنے پر قادر تھا، خواہ اشارے سے، اسی حالت میں مر گیا تو اس پر ان نمازوں کا کفارہ ادا کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے، اور اگر ادا کرنے پر قادر نہیں تھا تو وصیت واجب نہیں، خواہ نمازیں تعداد میں چھ سے کم ہوں کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: اگر استطاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ عذر قبول کرنے والا ہے''۔

اگر کسی نے بلا عذر رمضان میں روزہ توڑ دیا تو جس قدر روزے رکھنے کی استطاعت تھی اتنے دنوں کا فدیہ دینے کی وصیت کرنا ضروری ہے، اگر فدیہ نہ دیا تو روزے اس کے ذمے رہیں گے اور اس کے وارث ایک تہائی ترکہ سے فدیہ ادا کریں۔اگر وصیت نہیں کی یا مال نہیں چھوڑا تو وارث احسان کے طور پر فدیہ دے سکتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ایک نماز، وتر اور ایک روزے کا کفارہ یہ ہے کہ ہر نماز اور روزے کے بدلے گندم کا نصف صاع (جو چوتھائی دمشقی مد کے برابر ہوتا ہے جب کہ مد صرف کناروں تک ہو، اس سے اوپر نہ ہو) ہے جو کہ صدقہ فطر کی مقدار ہے۔ ہر نماز اور ہر روزے کا الگ الگ فدیہ دیا جائے اور اس کی مقدار ۵،۱۰۸۷ گرام ہے۔

کفارہ اور روزے کا فدیہ مرنے والے کے ایک تہائی ترکہ سے ادا کیا جائے، اگر اس کے پاس مال نہیں تھا تو اس کے وارث مثلاً نصف صاع بطور قرض لے کر ایک فقیر کو دے دیں، فقیر واپس وارث کو ہبہ کر دے، وارث پھر فقیر کو دے دے اور یہ سلسلہ یونہی جاری رکھا جائے تا آنکہ تمام نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا ہو جائے۔

یاد رہے کہ اس قسم کے حیلے قابل قبول نہیں ہیں کیوں کہ نماز بدنی عبادت ہے جو اس نوعیت کی بے مصرف شکلوں اور بے برگ و بار اعمال کے ذریعے معاف نہیں ہوتی۔

تمام نمازوں کا فدیہ ایک ہی شخص کو دینا جائز ہے جب کہ قسم کا کفارہ ایک آدمی کو دینا جائز نہیں۔ ایک فقیر کو نصف صاع سے کم دینا بھی جائز ہے، کسی شخص کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں بیماری کے دوران اپنی نمازوں کا فدیہ دے دے البتہ زندگی میں روزوں کا فدیہ دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی طرف سے نماز ادا کرنے کا کہا ہو تو وارثوں کے لیے جائز نہیں کہ مرنے والے کی طرف سے نمازیں ادا کریں کیوں کہ نماز ذاتی بدنی عبادت ہے البتہ حج کرنے کی وصیت کی ہو تو اس کی طرف سے حج کیا جائے کیوں کہ حج بدل جائز ہے۔

ب۔ نماز وقت سے مؤخر کرنے کے عذر:

اوپر ہم جان چکے ہیں کہ نیند، نسیان اور غفلت کے باعث اگر نماز اپنے وقت پر نہیں پڑھ سکا تو قضا کرنا واجب ہے اور گناہ نہیں ہوگا کیوں کہ ابن قتادہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ ”نیند کوتاہی کا باعث نہیں ہوتی، بیداری میں کوتاہی ہوتی ہے“ البتہ شافعیہ کی

رائے یہ ہے کہ اگر نسیان اپنی کسی کوتاہی کے باعث نہ ہو تو عذر شمار ہو گا لیکن اگر کوئی شخص کھیل کود میں اتنا مصروف ہو گیا کہ نماز پڑھنا بھول گیا تو معذور نہیں سمجھا جائے گا اور بر وقت نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔

۳- قضا نماز پڑھنے کا طریقہ:

حنفیہ کی رائے یہ ہے (۸۵) کہ نماز جس طرح کی قضا ہوئی ہے اسی طرح پڑھے۔اگر سفر کی نماز قضا ہوئی اور اسے مقیم ہونے کی حالت میں پڑھ رہا ہے تو دو رکعت پڑھے اور اگر مقیم ہوتے ہوئے قضا ہوئی اور اسے سفر میں پڑھ رہا ہے تو چار رکعات پڑھے۔

سری اور جہری نمازوں میں بھی قضا نماز کی صفت کا خیال رکھے۔اگر ظہر کی نماز قضا ہو گئی تو آہستہ قراءت کرے اور اگر جہری نماز قضا ہوئی تو اگر امام ہے تو بلند آواز سے قراءت کرے اور اگر اکیلا ہے تو اختیار ہے چاہے آہستہ پڑھے چاہے بلند آواز سے۔

قضا نماز فوراً پڑھنا واجب ہے البتہ اگر اہل و عیال کے لیے یا اپنی ذاتی ضروریات میں مصروف ہے تو صحیح یہ ہے کہ تاخیر کر سکتا ہے جیسا کہ نماز کے باہر کا سجدہ تلاوت، مطلق نذر اور رمضان کے روزوں کی قضا واجب ہے لیکن اگر کوئی عذر ہو تو تاخیر کی جا سکتی ہے۔

مالکیہ کی رائے حنفیہ سے ہم آہنگ ہے(۸۶) کہ سفر و حضر میں سری اور جہری جس طرح کی نماز قضا ہوئی ہو اسی طرح کی فوراً ادا کرے۔قضا میں تاخیر کرنا حرام ہے حتیٰ کہ اگر ممنوع وقت ہے مثلاً سورج نکل رہا ہے یا غروب ہو رہا ہے یا جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہے تب بھی قضا نماز پڑھ لے البتہ اگر کسی ضروری کام مثلاً کھانے پینے میں مصروف ہو یا سخت نیند کا غلبہ ہو یا قضائے حاجت درپیش ہو یا معاشی حوائج کے حصول میں مصروف ہو تو مؤخر کر سکتا ہے۔

اس بنا پر مقیم ہونے کی حالت کی قضا نماز پوری پڑھے گا خواہ سفر میں قضا کر رہا ہو

اور دن کی نمازوں میں آہستہ قراءت کرے گا خواہ رات کے وقت ادا کرے اور رات کی نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کرے گا خواہ دن کے وقت پڑھ رہا ہو، الغرض جیسے فرض ہوئی تھی اسی طرح پڑھے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے (۸۷) یہ ہے کہ نماز ادا کرنے کے وقت اور جگہ کا اعتبار ہے اگر سفر میں نمازیں قضا کر رہا ہے تو دو رکعات پڑھے خواہ سفر میں قضا ہوئی ہو یا اقامت کی حالت میں اور اگر اقامت کی حالت میں قضا کر رہا ہے تو سفر کی دو رکعات کو چار پڑھے گا کیوں کہ اصل یہ ہے کہ پوری نماز پڑھی جائے اور اب وہ سفر میں نہیں ہے۔ دو رکعات کی اجازت سفر میں تھی۔اب حالت سفر نہیں ہے۔

سفر میں جو نماز چھوٹ جائے وہ سفر میں قصر پڑھی جا سکتی ہے اقامت کی حالت میں نہیں۔شافعیہ کی اظہر رائے یہی ہے، کیوں کہ سبب پایا جائے گا تو حکم ہو گا۔

نماز ادا کرنے کے وقت کے مطابق آہستہ یا بلند آواز سے قراءت کرے، اگر طلوع آفتاب سے غروب آفتاب کے درمیان پڑھے تو آہستہ اور اگر غروب آفتاب سے طلوع آفتاب کے درمیان پڑھے تو بلند آواز سے قراءت کرے۔حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر رات کو قضا کر رہا ہے تو امام بلند آواز سے قراءت کرے تا کہ قضا ادا کے مشابہ ہو جائے اور اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو مطلقاً آہستہ پڑھے، امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ بلند آواز سے نماز کا تعلق جماعت سے ہے۔

قضا نماز جماعت سے پڑھنا اور سنتوں کی قضا:

حنابلہ نے اس کا اضافہ کیا ہے کہ قضا نمازیں جماعت سے پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر کیا جب کہ آپؐ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں، آپؐ نے انہیں با جماعت ادا کیا، فرض نماز سے پہلے کی مؤکدہ سنتیں قضا کرنا مکروہ نہیں ہے بلکہ فجر کی سنتیں فرضوں سے پہلے قضا کر لینا مستحب ہے کیوں کہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں رکے اور سو گئے، کسی کی آنکھ نہیں کھلی حتی کہ سورج نکل آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص اپنی سواری کا سر پکڑ کر یہاں سے روانہ ہو جائے کیوں کہ اس جگہ شیطان کے اثرات ہیں، ہم لوگ روانہ ہو گئے، آگے چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے لیے پانی منگوایا، وضو کیا، دو رکعات پڑھیں، پھر فجر کی نماز پڑھائی۔(۸۸)

قضا نماز کی فوری ادائیگی:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ قضا نماز فوراً پڑھی جائے خواہ نماز کسی عذر کے باعث قضا ہوئی ہو یا بلا عذر، البتہ شافعیہ نے یہ فرق کیا ہے کہ اگر نماز کسی عذر، مثلاً نیند یا نسیان کے باعث قضا ہوئی ہو تو فوراً پڑھنا مستحب ہے اور اگر بلا عذر قضا ہوئی ہو تو راجح قول کے مطابق فوراً پڑھنا واجب ہے تا کہ جلد از جلد ذمہ داری سے فارغ ہو جائے۔ فوراً ادا کرنے کے وجوب کی دلیل ارشاد ربانی ہے: وأقم الصلاة لذكرى (طہ۲۰:۱۴)، میری یاد کے لیے نماز قائم کرو)۔

نیز وقت کے بعد تک نماز کو مؤخر کرنا گناہ ہے اور گناہ کا اثر فوری طور پر زائل کرنا واجب ہے۔

۴- قضا نمازیں پڑھنے میں ترتیب کا لحاظ رکھنا، ترتیب کا حکم کب ختم ہو جاتا ہے۔

جمہور کے نزدیک قضا نمازیں ترتیب وار پڑھنا واجب ہے، شافعیہ کے نزدیک سنت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

حنفیہ کے نزدیک(۸۹) پانچوں فرائض اور وتر میں نیز قضا نماز اور وقتی نماز میں ترتیب برقرار رکھنا ضروری ہے البتہ اگر وقتی نماز قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو ترتیب چھوڑی جا سکتی ہے، اس صورت میں پہلے وقتی نماز پڑھے، پھر قضا نمازیں، اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت

ہے: جو شخص سو گیا یا بھول گیا اور نماز نہیں پڑھی، پھر جب وہ امام کے ساتھ نماز میں کھڑا تھا تو اسے یاد آیا تو اپنی نماز امام کے ساتھ مکمل کرے، پھر اپنی قضا نماز جو اسے یاد آ گئی ہے وہ پڑھے، پھر وہ نماز دہرائے جو اس نے امام کے ساتھ پڑھی ہے۔(۹۰)

اگر کسی شخص کی کئی نمازیں قضا ہو گئی ہوں تو انہیں اس طرح ترتیب وار پڑھے جس طرح وہ فرض ہوئی تھیں، کیوں کہ غزوہ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو چار نمازیں رہ گئی تھیں آپؐ نے ترتیب وار ادا کیں، پھر فرمایا: "جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو"۔(۹۱)

البتہ اگر وتر کے علاوہ چھ سے زائد نمازیں قضا ہو جائیں تو ترتیب باقی رکھنا ضروری نہیں ہے اس صورت میں ان نمازوں میں باہمی ترتیب نیز ان میں اور وقتی نماز میں ترتیب برقرار رکھنا ضروری نہیں ہے کیوں کہ قضا نمازیں زیادہ ہو گئی ہیں، چھٹی نماز کا وقت نکل جانے کے بعد ترتیب کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔ جب نمازیں قضا کرنے کے بعد چھ سے کم رہ جائیں تو مختار رائے یہ ہے کہ ترتیب کا حکم دوبارہ لاگو نہیں ہوتا البتہ صاحب ھدایہ کی رائے یہ ہے کہ دوبارہ لاگو ہو جاتا ہے اور یہی اظہر روایت ہے۔

پس اگر کسی شخص کو قضا نماز یاد تھی خواہ وتر ہوں اور اس نے وقتی نماز پڑھ لی، تو اس کے فرض فاسد ہو گئے لیکن یہ فساد موقوف رہے گا۔ اگر کسی کی صبح کی نماز قضا ہو گئی، اس نے اس کے بعد کی ظہر کی نماز پڑھ لی اور اسے یاد تھا کہ صبح کی نماز نہیں پڑھی تو ظہر کی نماز فاسد ہو گئی لیکن اس کا فساد موقوف رہے گا، پھر اگر صبح کی نماز قضا کیے بغیر عصر کی نماز پڑھ لی تو وہ بھی اسی طرح فاسد رہے گی۔ یہ سلسلہ اگلی صبح کی نماز کا وقت ختم ہونے تک جاری رہے گا، اگر اس سے پہلے کسی بھی وقت پہلے دن کی صبح کی نماز پڑھ لی تو پچھلی تمام نمازوں کی فرضیت ختم ہو جائے گی اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نفل ہو جائیں گی اور فرض دوبارہ پڑھنے ضروری ہوں گے۔(۹۲)

اس امر کی وضاحت یوں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ترتیب چھوڑنے کے باعث اصل نماز کا فاسد ہونا موقوف رہتا ہے خواہ نمازی کو ترتیب کے واجب ہونے کا یقین ہو یا نہ ہو البتہ صاحبین کے نزدیک نمازوں کا فاسد ہونا قطعی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں اگر قضا نمازیں زیادہ ہو جائیں اور فاسد نمازیں قضا نماز کے ساتھ مل کر چھ ہو جائیں تو ساری نمازیں درست ہو جائیں گی بشرطیکہ قضا نماز کے علاوہ پانچویں نماز کا وقت ختم ہو جائے اور اگر نمازوں کی تعداد چھ نہ ہو اور پہلی نماز قضا کر لی جائے تو ساری نمازیں نفل ہو جائیں گی، ان کی فرضیت ختم ہو جائے گی۔

جب کوئی نماز قضا ہو جائے، خواہ وتر ہو تو اس کے یاد ہوتے ہوئے کوئی بھی نماز پڑھی تو وقتی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اس کا فساد قضا نماز کے ادا کرنے پر موقوف رہے گا۔ اگر اس کے بعد پانچ نمازیں پڑھنے سے پہلے اسے پڑھ لیا تو ساری نمازیں قطعی طور پر فاسد ہو جائیں گی اور قضا نماز کے بعد جتنی نمازیں پڑھی ہیں وہ نفل قرار پائیں گی، اگر پانچویں نماز کا وقت نکل گیا اور قضا نماز کو ملا کر نمازوں کی تعداد چھ ہو گئی تو ساری نمازیں درست ہو جائیں گی، کیوں کہ اب نمازوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ چھ نمازیں تکرار کی حد میں آ جاتی ہیں یعنی دوبارہ وہی نماز آ جاتی ہے جس کی وجہ سے ترتیب ختم ہو جاتی ہے۔

درج ذیل تین میں سے کسی ایک وجہ سے ترتیب ختم ہو جاتی ہے:

۱- قضا نمازوں کی تعداد چھ ہو جائے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، وتر ان چھ میں شامل نہیں ہیں۔

۲- وقتی نماز کا مستحب وقت اتنا تنگ ہو جائے کہ اس میں قضا اور وقتی دونوں نمازیں نہ پڑھی جا سکتی ہوں۔

۳- وقتی نماز پڑھتے وقت قضا نماز یاد نہ ہو کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا اور نسیان سے اور جس کام پر کسی کو مجبور کیا گیا ہو اس سے درگزر فرما

دیا ہے۔(۹۳)

مالکیہ کے نزدیک (۹۴) اگر یاد ہو اور ترتیب برقرار رکھنے پر قدرت ہو یعنی ترتیب چھوڑنے پر کوئی مجبور نہ کر رہا ہو تو ترتیب برقرار رکھنا واجب ہے۔جن دو نمازوں کے اوقات مشترک ہیں یعنی ظہر، عصر اور مغرب وعشاء ان میں ترتیب برقرار رکھنا شرط ہے۔اگر کسی شخص کو عصر کی نماز کے دوران ظہر کی قضا کی نماز یاد آ گئی تو عصر کی نماز باطل ہو گئی، اس طرح عشا کی نماز میں مغرب کی قضا یاد آ گئی کیوں کہ وقتی نمازوں میں ترتیب واجب ہے اور شرط ہے۔اگر ابھی ایک رکعت نہ پڑھی ہو اور پہلی نماز یاد آ جائے تو اسے توڑ دے اور اگر ایک رکعت پڑھ لی ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس کے ساتھ دوسری رکعت شامل کر لے تا کہ وہ نفل ہو جائے۔

اوپر کی دونوں شرائط کے ساتھ تھوڑی قضا نمازوں اور وقتی نماز میں ترتیب برقرار رکھنا واجب ہے قضا نمازوں کو وقتی نماز سے پہلے ادا کرے۔اگر کسی کی مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا ہوگئیں تو فجر کی وقتی نماز سے پہلے انہیں پڑھے۔خواہ اس طرح کرنے میں فجر کی نماز کا وقت نکل جائے۔تھوڑی قضا نمازوں کو پہلے پڑھنا واجب ہے شرط نہیں ہے،اگر اس کے برعکس کیا تو وقتی نماز باطل نہیں ہو گی البتہ گناہ ہو گا اور فجر کی نماز کا وقت نکل جانے کی وجہ سے اس کا اعادہ واجب نہیں۔اگر کسی نے بھولے سے یا مجبوراً وقتی نماز پہلے پڑھ لی تو نماز درست ہو جائے گی اور کوئی گناہ نہیں ہو گا۔اگر دانستہ چند قضا نمازوں پر وقتی نماز کو مقدم کر دیا تو وقتی نماز کا اعادہ ضروری وقت میں مستحب ہے(ضروری وقت سے مراد ظہر،عصر کے لیے سورج کا رنگ متغیر ہونے سے پہلے تک اور مغرب عشا کے لیے طلوع فجر تک کا وقت ہے)

تھوڑی تعداد میں قضا نمازیں پانچ یا اس سے کم ہیں۔انہیں وقتی نماز سے پہلے پڑھے خواہ وقتی نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہو۔

اگر فرض نماز ادا کرنے کے دوران نمازی کو تھوڑی تعداد کی قضا نمازیں یاد آ جائیں، خواہ صبح کی نماز پڑھ رہا ہو، خواہ جمعہ کی، مقتدی ہو چاہے امام اگر ابھی ایک رکعت مکمل نہیں کی تو نماز توڑ دینا واجب ہے۔ اگر اکیلا نمازی ہو یا امام ہو۔ اور مقتدی امام کی اقتدا کرے اور اگر مقتدی کو قضا نماز یاد آ جائے تو وہ نماز نہ توڑے اور قضا نماز ضروری وقت میں پڑھ لے۔ اگر ایک رکعت مکمل کر لی اور دونوں سجدے کر لیے تو مستحب یہ ہے کہ نفل کی نیت سے دوسری رکعت مکمل کر لے اور سلام پھیر دے، پھر قضا نماز پڑھے۔

اگر دو رکعات والی نماز یا تین والی نماز میں دو رکعات پڑھ لیں یا چار رکعات والی نماز میں تین پڑھ لیں تو اسے مکمل کر لے کیونکہ نماز جب مکمل ہونے کے قریب ہے تو اسے یہی حکم دیا جائے گا کہ گویا مکمل ہوگئی پھر قضا نماز پڑھ لے۔ پھر اگر وقت باقی ہے تو وقتی نماز کا اعادہ کر لے۔

اگر نفل پڑھتے ہوئے تھوڑی قضا نمازیں یاد آ گئیں تو نفل مکمل کر لے البتہ اگر وقتی نماز کا وقت جاتے رہنے کا اندیشہ ہو اور ابھی ایک رکعت مکمل نہ کی ہو تو اسے توڑ دے اور فرض پڑھے۔

اگر قضا نمازیں زیادہ ہیں یعنی پانچ سے زیادہ تو انہیں وقتی نماز سے پہلے پڑھنا واجب نہیں بلکہ وقتی نماز کو پہلے پڑھنا مستحب ہے، خواہ وقت میں گنجائش ہو اور اگر وقت تنگ ہو تو وقتی نماز پہلے پڑھنا واجب ہے۔

حنابلہ کا صحیح مذہب یہ ہے(۹۵) کہ قضا نمازیں خواہ کم ہوں یا زیادہ ان میں ترتیب برقرار رکھنا اور قضا نمازوں میں اور وقتی نماز میں ترتیب کا خیال رکھنا واجب ہے بشرطیکہ وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ قضا نمازیں پڑھی جا سکتی ہوں۔ اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو ترتیب ختم ہو جاتی ہے۔ وقتی نماز کی جماعت میں شامل ہونے کے لیے ظاہر مذہب کے مطابق ترتیب ختم نہیں ہوتی، کیوں کہ ترتیب باقی رکھنا جماعت میں شامل ہونے کی بہ نسبت

زیادہ اہم ہے کیوں کہ نماز کے درست ہونے کے لیے ترتیب شرط ہے جب کہ جماعت شرط نہیں۔

اگر کسی کو ترتیب کے واجب ہونے کا علم نہیں تب بھی ترتیب واجب رہے گی کیوں کہ ترتیب نماز میں واجب ہے اور شرعی احکام کی لاعلمی کا عذر قابل قبول نہیں ہے۔

اگر ظہر کی قضا نماز پڑھنے سے پہلے عصر کی نماز پڑھ لی تو عصر کی نماز درست نہیں ہوئی اور اگر دوسری نماز کے دوران پہلی قضا نماز یاد آ گئی تو دوسری نماز ٹوٹ جائے گی لیکن اگر کوئی شخص نماز میں ہو اور اسے قضا نماز یاد آ جائے تو نماز مکمل کر لے اور پھر پہلی نماز قضا کرے پھر اگر وقت باقی ہے تو اس نماز کا اعادہ کرے جس کے دوران قضا نماز یاد آئی تھی، اس سلسلے میں امام، مقتدی اور اکیلا نمازی سب برابر ہیں۔نماز مکمل کرنے کے حکم کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ولا تبطلوا أعمالکم (محمد ۴۷: ۳۳، اپنے اعمال ضائع نہ کرو) اور ترتیب کے واجب ہونے کی دلیل یہ روایت ہے کہ غزوہ خندق کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں تو آپؐ نے ترتیب وار ادا کیں۔

اگر بکثرت نمازیں قضا ہوگئی ہوں تو ان کو ادا کرنے میں مصروف ہو جائے جب تک کہ بدنی مشقت یا مالی نقصان نہ ہو۔

اگر کسی شخص کی کوئی ایک نماز قضا ہوگئی لیکن اسے معلوم نہیں کہ کون سی قضا ہوئی ہے تو اکثر اہل علم کے نزدیک ایک دن رات کی نمازوں کا اعادہ کرے کیوں کہ فرض نماز کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ متعین ہو اور اس صورت میں پانچوں نمازیں پڑھے بغیر قضا نماز کو متعین کرنا ممکن نہیں۔

اس صورت میں ظہر کی نماز سے آغاز کرنا مستحب ہے کیوں کہ اسلام میں پہلی فرض نماز ظہر کی نماز ہے البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ ظہر کی نماز قضا نہیں ہوئی تو ظہر سے شروع کرنا مستحب نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک (۹۶) وقتی نماز کے وقت نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو تو قضا نمازوں میں ترتیب برقرار رکھنا سنت ہے، تاکہ غزوہ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہو جائے اور اس اختلاف سے بچا جا سکے کہ بعض فقہاء نے ترتیب کو واجب قرار دیا ہے۔ قضا نمازوں میں ترتیب اور انہیں وقتی نماز پر مقدم کرنا دو شرائط سے مشروط ہے۔

۱- وقتی نماز کے اس طرح قضا ہونے کا اندیشہ نہ ہو کہ ایک رکعت بھی وقت کے اندر نہ پڑھ سکے۔

۲- وقتی نماز شروع کرنے سے پہلے قضا نماز یاد ہو۔ اگر وقتی نماز شروع کر دی، بعد میں قضا نماز یاد آئی تو وقتی نماز کو مکمل کرنا واجب ہے، خواہ وقت تنگ ہو یا اس میں گنجائش ہو۔ اگر یہ سمجھتے ہوئے کہ وقت میں گنجائش ہے قضا نماز پڑھنی شروع کر دی، بعد میں پتہ چلا کہ وقتی نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے تو قضا نماز توڑ کر وقتی ادا کرے تاکہ وہ قضا نہ ہو جائے اور افضل یہ ہے کہ دو رکعات مکمل کر کے اسے نفل قرار دے لے۔ اگر جماعت تیار ہو تو قضا نماز کے باعث جماعت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو ترتیب برقرار رکھے کیوں کہ ترتیب کے واجب ہونے کی رائے بھی ہے۔

دو وقتی نمازوں کو اگر پہلی نماز کے وقت میں پڑھ رہا ہے تو ترتیب واجب ہے اور اگر دوسری کے وقت میں پڑھ رہا ہے تو ترتیب سنت ہے۔

۵- اگر قضا نمازوں کی تعداد معلوم نہ ہو تو کیسے ادا کرے؟

حنفیہ کی رائے یہ ہے (۹۷) کہ اگر کسی کے ذمے اتنی زیادہ نمازیں ہوں کہ اسے ان کی تعداد معلوم نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ قضا کرتا رہے حتی کہ اسے ظن غالب ہو جائے کہ سب ادا ہو گئی ہوں گی۔ البتہ وقت کا تعین اس طرح کرے کہ ظہر کی پہلی نماز کی نیت کرتا ہوں جو فرض ہوئی تھی اور ادا نہیں ہوئی یا ظہر کی آخری نماز کی نیت کرتا ہوں جو فرض

ہوئی تھی اور ادا نہیں ہوئی، یہ آسان طریقہ ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ (۹۸) کہتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ قضا کرتا رہے حتی کہ اسے یقین ہو جائے کہ سب ادا ہو گئی ہیں البتہ زمانے کا تعین ضروری نہیں ہے بلکہ صرف نماز کا تعین کرے مثلاً ظہر یا عصر کی نماز۔

۶- ممنوع وقت میں قضا نماز پڑھنا:

حنفیہ کے نزدیک تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں ایسے فرائض اور واجبات پڑھنے درست نہیں جو ان اوقات کے شروع ہونے سے پہلے واجب ہوئے ہوں۔ طلوع آفتاب کے وقت حتیٰ کہ سورج بلند ہو کر روشن ہو جائے اور ایک دو نیزوں کی مقدار بلند ہو جائے۔ عین دوپہر کے وقت جب سورج آسمان کے درمیان میں ہو حتی کہ مغرب کی طرف ڈھل جائے اور سورج زرد ہونے کے وقت یہاں تک کہ غروب ہو جائے کیوں کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اوقات میں ہمیں نماز پڑھنے اور میت دفنانے سے منع فرمایا: طلوع آفتاب کے وقت یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور دوپہر کے وقت یہاں تک کہ ڈھل جائے اور جب غروب کے قریب ہو تا آنکہ غروب ہو جائے۔ (۹۹)

ان کے علاوہ تمام اوقات میں حتی کہ عصر اور فجر کے بعد بھی قضا نماز پڑھنا جائز ہے۔ البتہ ان اوقات میں جو نمازیں واجب ہوتی ہیں مثلاً جنازہ اس وقت تیار ہو یا آیت سجدہ اس وقت تلاوت کی گئی ہو یا اس روز کی عصر کی نماز غروب آفتاب کے وقت کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، نفل نماز ان تین اوقات میں مکروہ تحریمی ہے خواہ ان کا سبب ان اوقات میں پیدا ہوا ہو مثلاً منت مانی ہو یا طواف مکمل کیا ہو، جیسا کہ طلوع فجر کے بعد دو سنتوں کے علاوہ کوئی نفل پڑھنا اور فجر کی نماز کے بعد، عصر کی نماز کے بعد،

مغرب کی نماز سے پہلے اور جب خطیب جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے آ جائے تا آنکہ نماز جمعہ سے فارغ ہو جائے اور جماعت کی اقامت کے وقت البتہ فجر کی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں اور نماز عید سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ ہیں، خواہ گھر میں نوافل پڑھے۔عید کی نماز کے بعد مسجد میں نفل پڑھنا اور عرفہ میں ظہر اور عصر جمع کرنے کی صورت میں دونوں نمازوں کے درمیان نفل پڑھنا، خواہ وہ ظہر کی سنتیں ہوں اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز میں جمع کرتے ہوئے مغرب کی سنتیں پڑھنا مکروہ ہیں کیوں کہ ان مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل نہیں پڑھے۔ اگر فرض نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہو تو نفل پڑھنا مکروہ ہیں تا کہ کہیں فرض قضا ہی نہ ہو جائیں، پیشاب، پاخانے کا تقاضا ہو اور بھوک لگی ہو اور کھانا حاضر ہو یا کوئی اور ایسی بات ہو جو خشوع میں مخل ہو۔(۱۰۰)

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ (۱۰۱) کی رائے یہ ہے کہ تمام ممنوع اوقات میں قضا نماز پڑھنا جائز ہے کیوں کہ حضرت علیؓ اور دیگر کئی صحابہ سے روایت ہے اور مذکورہ بالا حدیث میں بھی ہے کہ جو شخص نماز کے وقت سویا رہے یا بھول جائے تو جب یاد آئے نماز پڑھ لے۔(۱۰۲) ابوقتادہؓ کی اوپر مذکور حدیث میں بھی یہی ہے کہ کوتاہی یہ ہے کہ آدمی جاگ رہا ہو اور نماز نہ پڑھے تا آنکہ اگلی نماز کا وقت آ جائے۔جو کوئی ایسا کرے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے۔(۱۰۳)

اوپر مذکور پانچ اوقات میں نماز کی ممانعت عام نہیں بلکہ اس روز کی اس وقت کی نمازیں آخر وقت میں پڑھی جا سکتی ہیں، اس طرح اس روز کی عصر پڑھی جا سکتی ہے۔اس میں قیاس کرتے ہوئے قضا نمازیں بھی ان اوقات میں پڑھی جا سکتی ہیں۔

اگر صبح کی نماز پڑھ رہا ہو اور سورج نکل آئے تو نماز مکمل کر لے کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جب عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھ لی تو نماز مکمل کر لے اور جب صبح کی ایک رکعت سورج طلوع

ہونے سے پہلے پڑھ لی تو نماز مکمل کر لے۔(۱۰۴)مذکورہ بالا مسئلہ کے عموم کی تخصیص کے لیے یہ حدیث نص ہے۔

حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے کیوں کہ یہ ممنوع وقت میں پڑھی جارہی ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱- احمد، مسلم(نیل الاوطار ۳: ۱۱۶)ابن المنذر کہتے ہیں کہ ابوسعیدؓ کی حدیث اس سلسلے میں سب سے صحیح حدیث ہے۔

۲- سہو سے متعلق دیکھیے: فتح القدیر ۱: ۳۵۵-۳۷۴، البدائع ۱: ۱۶۳-۱۷۹، اللباب ۱: ۹۵-۱۰۰، مراقی الفلاح ۷۹-۸۱، الشرح الصغیر ۱: ۳۷۷-۴۰۰، القوانین الفقھیہ ۷۳-۷۹، مغنی المحتاج ۱: ۲۰۴-۲۱۴، کشاف القناع ۱: ۴۵۹-۴۸۱

۳- کیوں کہ اگر وہ اکیلا سجدہ کرے تو امام کی مخالفت ہوگی اور اگر امام اس کی اقتدا کرے تو اصل (امام) تابع ہو جائے گا۔

۴- مدرک: جو نمازی شروع سے امام کے ساتھ شریک ہو، درمیان میں نیند کی وجہ سے یا بے وضو ہونے سے نماز جاری نہ رکھ سکے اور امام ایک رکعت پڑھ جائے کہ وہ پھر شریک ہو۔ مسبوق: وہ نمازی جو ایک یا زیادہ رکعات ہو جانے کے بعد جماعت میں شریک ہو۔ اگر مسبوق اپنی باقی ماندہ نماز میں بھول جائے تو آخر میں سجدہ سہو کرے، خواہ اس نے پہلے امام کے ساتھ بھی سجدہ سہو کیا ہو۔

۵- ترمذی کے علاوہ کئی ایک محدثین نے روایت کی (نصب الرایۃ ۲: ۱۶۷، نیل الاوطار ۳: ۱۱۷)۔

۶- احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

۷- زیلعی نے اس حدیث کو ''غریب'' قرار دیا۔(نصب الرایہ ۲: ۱۷۳)

۸- بخاری اور مسلم نے ابن مسعودؓ سے مرفوعاً ان الفاظ سے روایت کی: جب تم میں سے کسی کو شک ہو اور اصل کو تلاش کرے پھر نماز مکمل کرلے (ایضاً)

۹- مسلم (ایضاً ۲: ۱۷۴)

۱۰- کیوں کہ عمل کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، خواہ ایسا کام کرے جو واجب ہو مثلاً سانپ یا بچھو کو مارنا، کسی اندھے کو یا کسی کی جان مال کو بچانا۔ اگر بہت معمولی کام ہے تو اس کی معافی ہے مثلاً دانتوں میں پھنسی ہوئی کوئی چیز نگلنا، اپنا چہرہ کسی طرف پھیرنا جب کہ قبلہ کی طرف پشت نہ ہو یا خارش کرنے کے لیے انگلیوں کو حرکت دینا۔

۱۱- نسائی (نیل الاوطار ۳: ۱۱۹)

۱۲- اجزا اجمالی طور پر چھ اور تفصیلاً بیس ہیں: چودہ قنوت میں ہیں: صبح کی نماز میں دعائے قنوت، رمضان کے دوسرے نصف میں وتر میں قنوت، قنوت کے لیے قیام، قنوت کے بعد درود پڑھنا، اس کے لیے کھڑے ہونا، اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا، اس کے لیے قیام، آل رسول پر درود پڑھنا، اس کے لیے قیام، صحابہ کرام پر درود بھیجنا، اس کے لیے قیام، آل رسول پر سلام پڑھنا، اس کے لیے قیام، صحابہ کرام پر سلام بھیجنا، اس کے لیے قیام۔ چھ تشہد میں ہیں۔ پہلا تشہد، اس کے لیے قعدہ، اس کے بعد درود پڑھنا، اس کے لیے قعدہ، آخری قعدہ میں آل رسول پر سلام بھیجنا، اس کے لیے قعدہ (حاشیہ الباجوری، ۱: ۱۶۷-۱۶۸، حاشیہ الشرقاوی، ۱: ۱۹۶) اجزا کو چھ یا آٹھ میں بھی منحصر کیا گیا ہے لیکن یہ حصر اضافی ہے۔

۱۳- متفق علیہ، حضرت ابو ہریرہؓ سے (نیل الاوطار، ۳: ۱۰۷)

۱۴- احمد، ابن ماجہ، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔ ایک روایت میں ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، جس شخص کو نماز میں کمی کا شک گزرا وہ اتنی نماز پڑھے کہ اسے اضافے کا شک ہونے لگے، احمد (ایضاً، ۱۱۳ و بعد)

۱۵- صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۳: ۱۲۱)

۱۶- حاشیہ الشرقاوی، ۱: ۱۹۶ و بعد

۱۷- کشاف القناع، ۱: ۴۶۱-۴۶۵، ۴۶۷، ۴۷۱-۴۷۸

۱۸- مسلم۔

۱۹- احمد، ابو داؤد، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے (نیل الاوطار، ۳: ۱۱۹)

۲۰- احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، جابر الجعفی سے روایت ہے، اس حدیث میں کلام ہے (ایضاً)

۲۱- متفق علیہ، ابو ہریرہؓ سے (نیل الاوطار، ۳: ۱۳۹)

۲۲- مسلم، احمد۔

۲۳- حنفیہ کے نزدیک نماز میں بھولے سے یا لاعلمی سے جیسے بھی بات کرے نماز ٹوٹ جائے گی۔ ان کی دلیل ابن مسعودؓ اور زیدؓ بن ارقم کی احادیث ہیں جن میں نماز میں بات کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث ذوالیدین کی حدیث کے لیے ناسخ ہیں۔

۲۴- دوپہر کے بعد سے غروب آفتاب کی کوئی نماز مراد ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ

نے ظہر کی اور دوسری میں عصر کی نماز بتائی۔

۲۵- جلدی مسجد سے نکلنے والے۔

۲۶- ایک صاحب جن کا نام خیر باق بن عمرو تھا، لمبے ہاتھوں کی وجہ سے ذوالیدین کہلاتے تھے۔صحابہ میں ایک صاحب اور تھے جو ذوالشمالین کہلاتے تھے۔وہ ذوالیدین کے علاوہ دوسرے شخص ہیں جب کہ زہری نے وہم سے ان کو ایک ہی شخص قرار دیا۔

۲۷- یعنی میرے گمان میں۔

۲۸- متفق علیہ، الفاظ بخاری کے ہیں (سبل السلام،۱:۲۰۳،نیل الاوطار،۳:۱۰۷)

۲۹- ابوہریرہؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی اور بخاری، مسلم، نسائی اور ابو داؤد نے سہلؓ بن سعد سے بھی روایت کی کہ جسے نماز میں کوئی امر پیش آئے تو تسبیح کہے، تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔ امام احمدؒ نے حضرت علیؓ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اندر آنے کی اجازت مانگتا اور آپؐ نماز میں ہوتے تو تسبیح پڑھتے (نیل الاوطار،۲:۳۲۰ وبعد)۔

۳۰- احمد، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا (نیل الاوطار،۳:۱۱۹)۔

۳۱- صحاح ستہ نے روایت کی (ایضاً، ۱۲۱)۔

۳۲- ابو داؤد، ترمذی (ایضاً، ۱۲۱)۔

۳۳- ابو داؤد، ابن ماجہ (نصب الرایہ،۲:۱۶۷)۔

۳۴- کشاف القناع،۱:۴۷۹-۴۸۱، المغنی،۲:۳۴۔

۳۵- نیل الاوطار،۳:۱۰۷،۱۱۳۔

۳۶- متفق علیہ۔

۳۷- متفق علیہ، مسلم کی روایت میں ہے: ''نماز کے علاوہ'' (نیل الاوطار،۳:۱۰۰)۔

۳۸- ابو داؤد، حاکم، ابو داؤد کی روایت کا ایک راوی ضعیف ہے۔حاکم کے راوی ثقہ ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ روایت شیخین کی شرط پر ہے۔صحیحین میں ابن عمرؓ کی حدیث مختلف الفاظ سے آئی ہے(نیل الاوطار،۳:۱۰۳)

۳۹- مسلم، ابن ماجہ (نصب الرایۃ،۲:۱۷۸)۔

۴۰- متفق علیہ۔

۴۱- سجدے سے متعلق دیکھیے: فتح القدیر، ۱:۳۸۰-۳۹۲، البدائع، ۱:۱۸۹-۱۹۵، الدر المختار، ۱:۷۱۵-۷۳۰، اللباب، ۱:۱۰۳-۱۰۵، الشرح الصغیر، ۱:۴۱۶-۴۲۲، القوانین الفقهیه، ۹۰ وبعد، مغنی المحتاج، ۱:۲۱۴-۲۱۷، المهذب، ۱:۸۵ وبعد، المغنی، ۱:۶۱۶-۶۲۷، کشاف القناع، ۱:۵۲۱-۵۲۶۔

۴۲- زیلعی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، صحیح یہ ہے کہ اسے حضرت عثمانؓ اور ابن عمرؓ نے روایت کیا۔ نصب الرایہ، ۲:۱۷۸۔

۴۳- یہ دارقطنی کے الفاظ ہیں۔ ابن ماجہ کے علاوہ ایک جماعت نے روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۱۰۱)۔

۴۴- نیل الاوطار، ۳:۱۰۲

۴۵- امام شافعیؒ نے مرسلاً روایت کی۔ اس میں ابراہیم بن یحییٰ ہیں، جن کے بارے میں کلام ہے۔

۴۶- بخاری نے تعلیقاً روایت کی۔

۴۷- ابن ماجہ کے علاوہ صحاح کی پانچوں کتب نے روایت کی۔ ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔ نیل الاوطار، ۳:۱۰۳

۴۸- حاکم نے یہ دونوں احادیث روایت کیں اور انہیں صحیح قرار دیا، پہلی روایت ترمذی نے بھی حضرت عائشہؓ سے روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، دوسری بھی ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی اور ترمذی نے اسے غریب کہا حالانکہ وہ حسن ہے (نیل الاوطار ۳:۱۰۳-۱۰۴)۔

۴۹- متفق علیہ۔

۵۰- القوانین الفقهیه، ۹۰ وبعد، الشرح الصغیر، ۱:۴۱۸۔

۵۱- الکتاب مع اللباب، ۱:۱۰۳۔

۵۲- مغنی المحتاج ۱:۲۱۴ وبعد، کشاف القناع، ۱:۵۲۴۔

۵۳- نسائی نے روایت کی۔

۵۴- ابو داؤد، ابن ماجہ۔

۵۵- لیکن اس کی اسناد میں دو ضعیف راوی ہیں اگرچہ وہ دونوں مسلم کے راوی ہیں۔نووی کہتے ہیں۔ابن عباسؓ کی حدیث کی سند ضعیف ہے اس سے استدلال درست نہیں۔اگر اسے صحیح تسلیم بھی کرلیا جائے تب بھی دوسری احادیث مثبت ہیں اور نفی والی حدیث پر مقدم ہیں۔

۵۶- بخاری کے سوا صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۹۸)

۵۷- متفق علیہ۔

۵۸- مراقی الفلاح، ۸۴ و بعد، الدر المختار و رد المحتار، ۱:۷۲۶-۷۲۸

۵۹- متأخرین حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر ایک ہی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بار بار آئے تو بار بار درود پڑھنا چاہیے۔یہی راجح ہے۔اگر تین سے زائد بار چھینک مارے تو یرحمک اللہ نہ کہا جائے۔

۶۰- الدر المختار، ۱:۷۲۹-۷۳۲، مراقی الفلاح، ۸۵۔

۶۱- الشرح الصغیر، ۱:۴۱۹-۴۲۲۔

۶۲- المغنی، ۱:۶۲۳، ۶۲۶، ۶۲۷۔

۶۳- نیز دیکھیے: مغنی المحتاج، ۱:۲۱۹۔

۶۴- ابو داؤد (نیل الاوطار، ۳:۱۰۲)۔

۶۵- احمد، ابو داؤد (نیل الاوطار، ۳:۱۰۰)۔

۶۶- الدر المختار و رد المحتار، ۱:۷۳۱،۴۴۴، مراقی الفلاح، ۸۵ و بعد۔

۶۷- الشرح الصغیر، ۱:۴۲۲۔

۶۸- ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔اس کی سند میں بکار بن عبدالعزیز بن ابی بکرہ عن ابیہ عن جدہ ہے اور وہ عقیلی وغیرہ کے نزدیک ضعیف ہے۔ابن معین کہتے ہیں کہ اس کی حدیث قابل قبول ہے۔(نیل الاوطار، ۳:۱۰۴ و بعد)۔

۶۹- مغنی المحتاج، ۱:۲۱۹۔

۷۰- صدفہ: بلند عمارت کا نام ہے۔ہر بلند عمارت کو صدفہ کہتے ہیں۔

۷۱- احمد، البزار، ابن ابی عاصم اور عقیلی نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے، حاکم (نیل الاوطار ۳:۱۰۵)۔

۷۲- المغنی، ۱:۶۲۷ و بعد۔

۷۳- الدر المختار، ۱:۶۷۶-۶۷۹۔

۷۴- ترمذی، نسائی، احمد، ترمذی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں کوئی خرابی نہیں البتہ ابوعبیدہ (جو اپنے والد کے توسط سے ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں) نے اپنے والد سے حدیث نہیں سنی، نسائی نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کی اور بزار نے جابر بن عبداللہؓ سے (نصب الرایہ، ۲:۱۶۴-۱۶۶)

۷۵- بخاری، نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کی، باب الحج میں اس مفہوم کی اور روایات بھی ہیں (نیل الاوطار، ۴:۲۸۵ و بعد)۔

۷۶- الکتاب مع اللباب، ۱:۸۸، الشرح الصغیر، ۱:۳۶۴، مغنی المحتاج، ۱:۱۲۷، المہذب، ۱:۵۴، المجموع، ۳:۲۲۷ و بعد، المغنی، ۲:۱۰۸، بدایۃ المجتہد، ۱:۱۷۵۔

۷۷- مسلم نے انسؓ بن مالک سے روایت کی (نیل الاوطار، ۲:۲۵)۔

۷۸- نسائی، ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے۔ (نیل الاوطار، ۲:۲۷)

۷۹- الدر المختار ورد المحتار، ۱:۳۳۰، ۶۸۸۔

۸۰- الشرح الصغیر، ۱:۳۶۴۔

۸۱- المہذب، ۱:۵۰ و بعد۔

۸۲- المغنی، ۱:۳۹۸-۴۰۱۔

۸۳- ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے کہا کہ حدیث حسن ہے۔

۸۴- الدر المختار، ۱:۶۸۵ و بعد، ۵:۴۵۸، مراقی الفلاح، ۷۴ و بعد۔

۸۵- اللباب شرح الکتاب، ۱:۱۰۱، فتح القدیر، ۱:۴۰۵۔

۸۶- الشرح الصغیر، ۱:۳۶۵، الشرح الکبیر مع الدسوقی، ۱:۲۶۳، القوانین الفقھیہ، ۷۱۔

۸۷- مغنی المحتاج، ۱:۱۲۷، ۱۶۲، ۲۶۳، المغنی، ۱:۵۶۹ و بعد، ۲:۶۱۴، ۲۸۲ و بعد

۸۸- متفق علیہ، ابو قتادہؓ اور عمران بن حصینؓ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

۸۹- البدائع، ۱:۱۳۱ و بعد، الدر المختار، ۱:۶۷۹-۶۸۵، الکتاب مع اللباب ، ۱:۸۹، مراقی الفلاح ، ۷۵ و بعد، فتح القدیر ، ۱:۳۴۶-۳۵۲۔

۹۰- دارقطنی اور بیہقی نے ابن عمرؓ سے ان الفاظ سے روایت کی ہے: جو شخص کوئی نماز بھول گیا، پھر اسے اس وقت یاد آئی جب وہ امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے تو نماز مکمل کرے پھر نماز سے فارغ ہو کر وہ نماز پڑھے جو وہ بھول گیا ہے پھر وہ نماز پڑھے جو اس نے امام کے ساتھ پڑھی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمرؓ کا قول ہے۔ نصب الرایہ ۲:۱۶۲۔

۹۱- حدیث ابن مسعودؓ، خدریؓ اور جابرؓ نے روایت کی ہے۔ اس کا حوالہ گزر چکا ہے۔ نصب الرایہ، ۲:۱۶۴-۱۶۶۔

۹۲- کہا جاتا ہے کہ ایک نماز پانچ نمازوں کو فاسد کر دیتی ہے اور دوسری ایک نماز پانچ کو درست کر دیتی ہے۔ اگر قضا نماز پانچویں نماز کے وقت میں پڑھ لی جائے تو ساری نمازیں فاسد ہو جاتی ہیں اور اگر چھٹی نماز پڑھ لی تو پچھلی تمام نمازیں درست ہو جاتی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ پانچویں نماز کا وقت ختم ہوتے ہی تمام نمازیں درست ہو جاتی ہیں۔

۹۳- ابن ماجہ نے حضرت ابوذرؓ سے طبرانی اور حاکم نے ابن عباسؓ سے نیز طبرانی نے حضرت ثوبانؓ سے بھی روایت کی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۹۴- الشرح الکبیر، ۱:۲۶۵ و بعد، الشرح الصغیر، ۱:۳۶۶-۳۷۰،۳۷۴، القوانین الفقهیه، ۷۱ و بعد، بدایة المجتهد، ۱:۱۷۷۔

۹۵- المغنی، ۱:۶۰۷-۶۱۳، کشاف القناع، ۱:۳۰۴ و بعد۔

۹۶- مغنی المحتاج، ۱:۱۲۷ و بعد، المهذب ، ۱:۵۴۔

۹۷- مراقی الفلاح، ۷۶۔

۹۸- القوانین الفقهیه ،۷۲،مغنی المحتاج ،۱:۱۲۷، کشاف القناع،۱:۳۰۵۔

۹۹- مسلم۔

۱۰۰- مراقی الفلاح ۳۱۔

۱۰۱- الشرح الصغیر،۱:۳۶۵، مغنی المحتاج ،۱:۱۲۹، المغنی ،۲:۱۰۲۔

۱۰۲- متفق علیہ۔

۱۰۳- متفق علیہ۔

۱۰۴- متفق علیہ۔

فصل دہم

اقسام نماز

اس فصل میں آٹھ مباحث ہیں:

پہلی بحث: نماز باجماعت اور اس کے احکام (امامت اور اقتدا)

اس بحث میں مسبوق (بعد میں جماعت میں شامل ہونے والا) کی نماز، امام کا کسی کو نائب بنانا، وضوٹوٹنے سے پہلے پڑھی ہوئی نماز کو وضو کرنے کے بعد وہیں سے جاری رکھنا شامل ہیں۔اس بحث میں درج ذیل پانچ (مطالب) ذیلی عنوانات ہیں۔جماعت، امامت، اقتدا، امام اور مقتدی کے درمیان مشترک امور اور امام کا کسی کو نائب بنانا۔

مطلب اوّل: جماعت

جماعت کا مفہوم، جماعت کی شرعی حیثیت، فضیلت، حکمت اور حکم، جماعت کی کم از کم تعداد جن کے ذریعے جماعت ہوسکتی ہے۔افضل جماعت، جماعت کے ثواب کا حصول، فرض کی ادائیگی، جماعت کے لیے چل کر جانا، امام کے ہمراہ جماعت کے لیے لپک کر جانا، ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعتیں، جماعت کا اعادہ، نماز کے لیے کھڑے ہونے کا مستحب وقت، جماعت اور جمعہ چھوڑنے کے عذر۔

ا۔ جماعت کا مفہوم

جماعت،امام اور مقتدی کی نمازوں کے باہمی تعلق کا نام ہے، اسلام نے متعین اوقات میں عبادات کی ادائیگی کے لیے مسلمان کے لیے کئی مواقع پر مل جل کر عبادت کرنے کا حکم دیا ہے، مثلاً رات دن میں پانچ نمازیں، ہفتہ کے بعد جمعہ کی نماز، سال میں ایک مرتبہ شہری آبادی کے لیے عیدین کی نماز، سال میں ایک مرتبہ تمام ممالک کے

مسلمانوں کے لیے میدانِ عرفات کا وقوف، ان اجتماعات کا مقصد باہمی رابطہ، محبت اور تعلقات کا قیام ہے۔

۲۔ نماز باجماعت کی شرعی حیثیت، اس کی فضیلت وحکمت:

جماعت کی شرعی حیثیت کتاب اللہ، سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں ہے واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ (النساء:۴:۱۰۲، جب آپؐ ان میں موجود ہوں تو انہیں نماز پڑھائیں) جہاد کے دوران خوف کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم دیا تو حالت امن میں بطریق اولیٰ جماعت کی اہمیت ہے۔ اگر جماعت مطلوب نہ ہوتی تو خوف کی حالت میں جماعت میں رعایت دی جاتی۔ اگر جماعت چھوڑنے سے نماز کے واجبات میں خلل نہ واقع ہوتا تو حالت خوف میں نماز باجماعت کا حکم نہ ہوتا۔

رہی سنت تو ارشاد نبوی ہے: باجماعت نماز کا ثواب اکیلے آدمی کی نماز کے ثواب سے ستائیس گنا زیادہ ہے(۱) ایک روایت میں ہے پچیس گنا زیادہ ہے۔(۲)

ہجرت کے بعد باجماعت نماز کی شرعی اہمیت پر صحابہ کا اجماع ہے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں ابوسلیمان دارانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جماعت کی نماز کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے ہی رہ جاتی ہے۔ اسلاف میں سے اگر کسی کی تکبیر اولیٰ فوت ہوجاتی تو تین دن تک سوگ مناتے تھے اور اگر جماعت رہ جاتی تو سات روز تک افسوس کرتے تھے۔

جماعت کی فضیلت: جیسا کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے کہ باجماعت نماز کا ثواب اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا زیادہ ہے۔ جماعت کے لیے جانے میں ہر قدم پر نیکی ملتی ہے، ایک درجہ بلند ہوتا ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جس کسی کی خواہش ہو کہ کل اللہ سے اس کی ملاقات مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہو تو اسے ان

نمازوں کی پابندی کرنا چاہیے، جب بھی ان کے لیے پکارا جائے، حاضر ہو جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے ہدایت کے طریقے مقرر کیے ہیں اور نمازیں ہدایت کے طریقے ہیں۔اگر تم اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھنے لگو گے جیسے کہ فلاں شخص پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ بیٹھو گے اور اگر اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے، جو شخص بھی وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مساجد میں سے کسی مسجد کا رخ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر قدم پر اس کی ایک نیکی لکھتا ہے، ایک درجہ بلند کرتا ہے، ایک گناہ معاف کرتا ہے۔ہم نے دیکھا کہ صرف وہی شخص جس کا نفاق ظاہر و باہر ہوتا تھا جماعت سے پیچھے رہتا تھا ورنہ ایک آدمی اس حالت میں بھی جماعت میں شریک ہوتا کہ دو آدمی اسے پکڑے ہوئے لا رہے ہیں اور لا کر صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔(۳)

باجماعت نماز قیامت کے روز مسلمان کا نور ہو گی جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: جو لوگ تاریکی میں مساجد کی طرف چل کر آتے ہیں ان کے لیے قیامت کے روز مکمل نور کی خوش خبری ہے۔(۴)

جمعہ کے بعد سب سے زیادہ تاکید نماز فجر کی جماعت کی ہے، پھر عشاء کی(۵) پھر عصر۔اس کی دلیل مذکورہ ذیل احادیث ہیں: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ اذان کہنے اور پہلی صف میں کھڑے ہونے میں کتنا ثواب ہے اور پھر قرعہ اندازی کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو تو اس پر قرعہ اندازی کریں، اور اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ جلدی مسجد جانے میں کتنا ثواب ہے تو سب سے پہلے مسجد پہنچا کریں اور اگر لوگوں کو عشاء اور فجر کی نماز کے ثواب کا علم ہو تو اگر گھسٹتے ہوئے آنا پڑے تب بھی آئیں۔(۶)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس کسی نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھی اس نے گویا نصف رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز باجماعت ادا کی اس نے گویا ساری رات کا قیام کیا۔(۷)
رہی عصر کی نماز تو وہ درمیانی نماز ہے۔

نماز باجماعت کی حکمت:

اس کی وجہ سے مسلمانوں میں باہمی محبت، تعارف اور تعاون کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ان کے دلوں میں محبت ومودت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، انہیں احساس ہوتا ہے کہ وہ بھائی بھائی ہیں اور اچھے بُرے حالات میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار، ان میں مرتبے اور منصب، پیشے اور حرفت، عہدہ اور دولت، غربت اور امارت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، سب مسلمان برابر ہیں۔

اس کی وجہ سے نظم وضبط قائم کرنے، نیکی اور بھلائی میں اطاعت کرنے کی عادت پختہ ہوتی ہے اور اس کے اثرات عام زندگی اور روزمرہ کے معمولات میں ظاہر ہوتے ہیں۔ باجماعت نماز بہت عمدہ اور دیرپا نتائج کی حامل ہوتی ہے، لوگوں کی عمدہ تربیت کی ضمانت ہے، معاشرے کے افراد کو مضبوط روابط میں منسلک کردیتی ہے کیوں کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا رب ایک ہے، ان کا امام ایک ہے، ان کا مقصد ایک ہے اور ان کا طریق کار ایک ہے۔

در مختار میں ہے: جماعت کی حکمت یہ ہے کہ اس سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے اور جاہلوں کو اہل علم سے سیکھنے کے مواقع ملتے ہیں۔ پڑوسی نمازوں کے اوقات میں باہم ملتے جلتے ہیں جس سے دوستی اور محبت پروان چڑھتی ہے۔

۳۔ نماز باجماعت کا حکم:

باجماعت نماز یا سنت مؤکدہ ہے یا فرض ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کی رائے (۸) یہ ہے کہ جمعہ کے علاوہ فرض نمازوں کے لیے جماعت عاقل اور بلا دقت جماعت میں شامل ہونے پر قادر مردوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے۔ عورتوں، بچوں، دیوانوں، غلاموں پر، ایسے شخص پر جو چل پھر نہیں سکتا، مریضوں، بہت بوڑھے افراد اور ایسے اشخاص پر جن کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کٹے ہوئے ہوں جماعت میں شامل ہونا واجب نہیں ہے۔

اوپر مذکور حدیث کا ظاہری مفہوم جماعت کے سنت ہونے کی دلیل ہے جس میں ہے، جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے نماز سے پچیس یا ستائیس گنا زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت مستحبات میں سے ہے اور واجب نماز پر زائد امر ہے جو درجہ کمال کے حصول کا موجب ہے، گویا ارشاد نبوی ہے: جماعت کی نماز اکیلے نماز سے کامل تر ہے اور کمال کا تعلق اصل اجزا سے زائد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، جس میں ہے: جماعت سنت ہدایت میں سے ہے، منافق شخص ہی جماعت سے پیچھے رہتا ہے (۹) یہ رائے زیادہ مناسب ہے، اس میں آسانی ہے بالخصوص موجودہ دور کے لیے جب کہ مختلف کاموں کے دورانیے مقرر ہیں اور ان میں مصروفیت اور ان کی پابندی کے تقاضے شدید ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص سہولت سے جماعت میں شریک ہو سکتا ہے تو اس کے لیے اسلامی شعائر کی پابندی کے حوالے سے جماعت میں شریک ہونا واجب ہے۔

شافعیہ نے اپنے صحیح تر قول کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے (۱۰) کہ فرض نماز ادا کرنے کے لیے جماعت مقیم مردوں کے لیے فرض کفایہ ہے، ننگے افراد کے لیے نہیں تا کہ جماعت کے قیام سے ہر چھوٹی بڑی بستی میں اسلام کے شعار کا اظہار ہو۔ اگر کسی جگہ کے تمام لوگ جماعت کے قیام کو ترک کر دیں تو اسلامی حکمران یا اس کے نائب کو (انفرادی طور پر نہیں) چاہیے کہ ان کے ساتھ قتال کرے۔ صحیح یہ ہے کہ عورتوں کے لیے جماعت کی اس قدر تاکید نہیں ہے جتنی کہ مردوں کے لیے ہے۔ فرض کفایہ ہونے کی دلیل ارشاد نبوی

ہے۔آپؐ نے فرمایا: کسی بستی یا جنگل میں اگر تین آدمی ہیں اور وہ باجماعت نماز نہیں پڑھتے تو ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے(۱۱) جماعت کی پابندی کیا کرو کیوں کہ اکیلی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔(۱۲)

حنابلہ کی رائے یہ ہے (۱۳) کہ جماعت واجب عین ہے اور اس کی دلیل آیت مذکورہ بالا واذا کنت فیھم ......(جب آپؐ ان کے درمیان ہوں، النساء۴:۱۰۲) ہے جس کی تائید وارکعوا مع الراکعین (رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، البقرہ۲:۴۳) سے ہوتی ہے۔ نیز حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے بھی جس میں ہے: منافقوں پر عشاء اور فجر کی نمازیں بہت بھاری ہیں۔نیز انہیں کی ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں سوچتا ہوں کہ لکڑیاں اکٹھی کرواؤں، پھر نماز کے لیے اذان کہلواؤں، پھر کسی کو نماز پڑھانے کا کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور خود ان لوگوں کے گھروں پہ جا کر جو نماز میں نہیں آتے ان کے گھروں کو جلا دوں۔(۱۴) اس سلسلے میں نابینا شخص کی مشہور حدیث ہے کہ ایک نابینا آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی راہ بتانے والا نہیں ہے جو مجھے مسجد لے جائے، اس شخص نے حضورؐ سے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی، آپؐ نے اجازت دے دی، جب وہ واپس جانے لگا تو آپؐ نے اسے بلایا اور پوچھا، کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو، اس نے کہا، جی ہاں، آپؐ نے فرمایا، پھر نماز کے لیے آیا کرو۔(۱۵) حضرت ابن مسعودؓ کی اوپر مذکور حدیث میں ہے کہ ہمارے عہد میں کھلم کھلا منافق ہی جماعت سے پیچھے رہتا تھا اور حضرت جابرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے بغیر نہیں ہوتی۔(۱۶)

جماعت کے واجب ہونے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ شارع نے خوف کی حالت میں ایسے طریقے سے جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا اس طرح امن کی حالت

میں ہی حکم دیا جا سکتا تھا اور بارش کی وجہ سے دو نمازیں جمع کرنے کو جائز قرار دیا اور یہ سب احکام اس وجہ سے ہیں تاکہ جماعت کی پابندی کی جا سکے۔اگر جماعت سنت ہوتی تو اس قدر اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

لیکن نماز کے درست ہونے کے لیے جماعت شرط نہیں، جیسا کہ امام احمد نے تصریح کی ہے۔

۴۔ کم از کم کتنے افراد کی جماعت صحیح ہے:

کم از دو افراد سے جماعت ہو جاتی ہے، ایک امام اور دوسرا مقتدی، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مقتدی خواہ بچہ ہو۔(۱۷) باشعور بچے کی امامت میں مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جماعت نہیں ہو سکتی۔(۱۸) لیکن حنابلہ کے نزدیک بچے کی امامت میں فرض نہیں پڑھے جا سکتے، نفل درست ہیں۔نفل نماز میں یہ جائز ہے کہ بچہ مقتدی ہو کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ابن عباسؓ کی امامت کی۔

کم از کم دو افراد کی جماعت کی دلیل ارشاد نبوی ہے کہ ''دو اور اس سے زائد افراد جماعت ہیں''۔(۱۹)

۵۔ افضل جماعت اور عورتوں کا مساجد میں آنا:

عورت اور ہیجڑے کے علاوہ باقی افراد کے لیے مسجد میں باجماعت نماز مسجد سے باہر مثلاً گھر میں باجماعت نماز سے اور عورتوں کی جماعت (۲۰) سے افضل ہے، کیوں کہ صحیحین میں ہے: لوگو، اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو کیوں کہ فرض نماز کے علاوہ گھر پر نماز پڑھنا افضل ہے، یعنی فرض مسجد میں پڑھنا افضل ہیں کیوں کہ مسجد شرف اور طہارت کی جگہ ہے اور وہاں نماز پڑھنے سے اسلامی شعائر کا اظہار ہوتا ہے اور جماعت بڑی ہوتی ہے۔

جن مساجد میں جماعت ہوتی ہے ان کی افضلیت کو ترتیب وار فقہاء نے مرتب کیا ہے: حنابلہ کی رائے یہ ہے (۲۱) کہ اگر سرحدی شہر یا گاؤں ہو جہاں دشمن کے حملے کا خطرہ رہتا ہو تو وہاں ایک مسجد میں سب کا نماز پڑھنا افضل ہے کیوں کہ اس سے دین کی سربلندی کا اظہار ہوتا ہے اور دشمن پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ دوسرے لوگوں کے لیے ایسی مسجد میں نماز پڑھنا زیادہ باعث فضیلت ہے جس میں ان لوگوں کے بغیر جماعت ہی نہ ہو سکتی ہو، ایسی مسجد میں نماز پڑھنے سے ایک غیر آباد مسجد کو آباد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جو ایسی مسجد میں نماز پڑھے انہیں وہاں جماعت کرنے کا بھی ثواب ملتا ہے جب کہ یہ ثواب دوسری جگہوں پر نہیں ہے یا ایسی مسجد ہے کہ اس میں ان لوگوں کے جائے بغیر بھی جماعت ہو جاتی ہے لیکن ان کے جانے سے امام یا مقتدیوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔اس کے بعد پرانی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے کیوں کہ اس میں طویل عرصے سے عبادت کا سلسلہ جاری ہے۔

پھر وہ مسجد افضل ہے جس میں نمازی زیادہ ہوں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اکیلے آدمی کی نماز سے دوسرے آدمی کے ہمراہ نماز پڑھنا افضل ہے اور ایک مقتدی کے بجائے دو کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے اور جتنے نمازی زیادہ ہوتے جائیں اتنا اللہ کو پسند ہیں۔(۲۲)

پھر دور کی مسجد میں نماز پڑھنا قریب کی مسجد کی بہ نسبت افضل ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: نماز میں سب سے زیادہ ثواب ان لوگوں کو ملے گا جو دور سے چل کر آتے ہیں(۲۳) کیوں کہ جتنے زیادہ قدم چلیں گے اتنا زیادہ ثواب ملے گا۔

اول وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے بجائے اس کے کہ جماعت کی کثرت کے لیے انتظار کیا جائے البتہ مطلقاً جماعت سے نماز پڑھنا اول وقت میں پڑھنے سے افضل ہے کیوں کہ جماعت واجب ہے اور اول وقت میں پڑھنا سنت ہے اور واجب اور مسنون

میں تعارض نہیں ہوتا۔

شافعیہ کے نزدیک (۲۴) مردوں کے لیے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا افضل ہے، البتہ اگر گھر میں بڑی جماعت ہو تو وہ افضل ہے، جماعت میں جتنے زیادہ لوگ ہوں گے اتنا زیادہ ثواب ہوگا البتہ اگر قریب کی مسجد بغیر جماعت کے رہ جائے تو پھر مسجد میں نماز افضل ہے، خواہ جماعت چھوٹی ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں (۲۵) کہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ علماء، صلحا اور بکثرت نیکوکار افراد کے ہمراہ نماز پڑھنا دوسرے لوگوں کی بہ نسبت افضل ہے کیوں کہ ان کے ساتھ دعا میں شرکت سے دعا کی قبولیت جلدی ہوتی ہے، بکثرت رحمت نازل ہوتی ہے اور سفارش قبول ہوتی ہے۔

عورتوں کا مسجد جانا:

بوڑھی عورتوں کا مسجد جانا جائز ہے اور جوان عورتوں کے آزمائش میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے ان کے لیے مکروہ ہے تاہم عورتوں کے لیے مطلقاً گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

امام ابو حنیفہ اور صاحبین (۲۶) کی رائے یہ ہے کہ جوان عورتوں کے لیے جماعت میں شریک ہونا مطلقاً مکروہ ہے کیوں کہ اس میں آزمائش کا اندیشہ ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ بوڑھی عورتیں اگر فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں شریک ہوں تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ شہوت کی شدت کسی کے لیے بھی محرک بن سکتی ہے جس سے وہ فتنے میں مبتلا ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں مثلاً فجر اور عشاء میں فاسق لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے پینے میں مشغول ہوتے ہیں۔ صاحبین کے نزدیک بوڑھی عورتیں تمام نمازوں کے لیے مسجد جا سکتی ہیں کیوں کہ ان کی طرف رغبت بہت کم ہوتی ہے اس لیے کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

متاخرین حنفیہ کے نزدیک فتوی اس پر ہے کہ عورتوں کے لیے مطلقاً جماعت، جمعہ، عید اور وعظ کے لیے نکلنا مکروہ ہے، خواہ بوڑھی عورتیں ہوں اور رات کا وقت ہو کیوں کہ زمانہ بہت خراب ہو گیا ہے اور فسق و فجور عام ہو گیا۔

مالکیہ (۲۷) کے نزدیک گھومنے پھرنے والی عورتیں جن سے مرد چنداں سروکار نہیں رکھتے ان کے لیے مسجد، عید کی جماعت، جنازے، نماز استسقاء اور سورج گرہن کی نماز کے لیے نکلنا جائز ہے اگرچہ خلاف اولی ہے۔ جوان عورت کے لیے اگر فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو مسجد اور قریبی رشتہ داروں کے جنازہ کے لیے نکل سکتی ہے اور اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو مطلقاً نکلنا جائز نہیں ہے۔ ابن رشد کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں میری تحقیق یہ ہے کہ عورتیں چار طرح کی ہیں:

ا۔ ایسی بوڑھی عورتیں جن سے مردوں کو کوئی غرض نہیں ہوتی، ایسی عورتیں مردوں کی طرح ہیں، یہ فرض نمازوں کے لیے مسجد جائیں اور ذکر وعلم کی مجلسوں میں شریک ہوں اور عیدین کی نماز کے لیے صحرا میں جائیں اور نماز استسقاء کے لیے، اپنے عزیز واقارب کے جنازوں کے ساتھ اور اپنی ضرورتوں کے لیے گھروں سے نکلیں تو کوئی حرج نہیں۔

ب۔ ایسی گھومنے پھرنے والی عورتیں جن سے مردوں کی ضرورت بالکلیہ ختم نہ ہوئی ہو۔ یہ عورتیں فرض نمازوں کے لیے مسجد میں اور ذکر وعلم کی مجلسوں میں جائیں لیکن اپنے کاموں کے لیے زیادہ نہ گھومیں پھریں، یہ مکروہ ہے۔ علامہ خلیل کی رائے یہ ہے کہ یہ عورتیں بھی پہلی قسم کی مانند ہیں۔

ج۔ ایسی جوان عورت جو نجابت اور خوبصورتی کی حامل نہ ہو فرض نمازوں کے لیے مسجد میں جماعت میں شریک ہو اور اپنے اعزاء و اقارب کے جنازوں میں شریک ہو لیکن عید، نماز استسقاء اور مجلس ذکر وعلم کے لیے گھر سے نہ نکلے۔

د۔ ایسی جوان عورت جو نجابت اور خوب صورتی کی حامل ہو، ایسی عورت کو اختیار ہے

اسے بالکل نہیں نکلنا چاہیے۔

شافعیہ اور حنابلہ(۲۸) کی رائے یہ ہے کہ خوبصورت یا قبول صورت عورت خواہ جوان ہو یا نہ۔ اس کے لیے مردوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہونا مکروہ ہے، کیوں کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے، وہ اپنے گھر میں نماز پڑھے۔ اگر ایسی عورت جو خوبصورت نہ ہو اپنے شوہر کی اجازت سے بناؤ سنگار کیے بغیر جماعت میں شریک ہو تو مباح ہے۔ البتہ گھر میں نماز پڑھنا اس کے لیے بہتر ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے نہ روکو، البتہ ان کے گھر ان کے لیے سب سے بہتر ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے: جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں نہ روکو(۲۹) یعنی جب کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکلنے کی کیفیت کے بارے میں فرمایا: اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد میں جانے سے نہ روکو، انہیں چاہیے کہ بناؤ سنگار کے بغیر جایا کریں۔(۳۰) حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کی بہترین مسجد ان کے گھروں کے اندر کا حصہ ہے۔(۳۱)

خلاصہ یہ ہے کہ خوب صورت عورتیں مساجد میں نہ جائیں، بوڑھی عورتیں جا سکتی ہیں۔

۶۔ جماعت کے ثواب کا حصول:

جو شخص شروع سے آخر تک امام کے ساتھ پوری نماز پڑھتا ہے اسے مکمل ترین ثواب ملتا ہے کیوں کہ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ میں شامل ہونے کی بہت فضیلت ہے۔ ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چالیس دن تکبیر اولیٰ میں شرکت کرتے ہوئے باجماعت نماز پڑھے اسے دو براء تیں مل جاتی ہے: آگ سے براءت اور نفاق سے براءت۔(۳۲) ایک اور روایت ہے: ہر چیز کی ایک صفائی ہوتی ہے اور نماز کی صفائی تکبیر تحریمہ ہے، اس لیے اس کی حفاظت کیا کرو۔(۳۳) نیز حدیث میں آیا ہے کہ '' امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے،

پس جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو"۔(۳۴) اس میں فاء (پس) کا مطلب یہ ہے کہ امام جو کام کرے اس کے فوراً بعد تم بھی وہی کام کرو۔

شافعیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے جو کوئی امام کے ساتھ شامل ہو گیا اسے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے، خواہ امام کے ساتھ قعدہ نہ کر سکا ہو اور جونہی اس نے تکبیر تحریمہ کہی ہو امام نے سلام پھیر دیا ہو، خواہ امام نے سلام کا آغاز اس کی تکبیر تحریمہ سے پہلے کر لیا ہو کیوں کہ امام کے ساتھ ایک رکن اسے مل گیا ہے، اگر چہ ایسے مقتدی کا ثواب اس شخص سے کم ہو گا جو شروع سے جماعت کے ساتھ شامل ہے البتہ شافعیہ کے نزدیک اس میں نماز جمعہ کا استثنا ہے، جمعہ اس شخص کا ہوتا ہے جسے امام کے ساتھ کم از کم ایک رکعت مکمل مل جائے۔

حنابلہ اور حنفیہ کہتے ہیں(۳۵) جس کسی نے امام کے پہلا سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ لی اس کو جماعت کا ثواب مل گیا، خواہ امام کے ساتھ قعدہ میں نہ بیٹھا ہو، کیوں کہ ایک جزء میں امام کے ساتھ شریک ہو گیا ہے اس لیے اس شخص کی مانند ہو گیا جسے ایک رکعت ملی ہو۔

مالکیہ کی رائے یہ ہے (۳۶) جماعت کا جو ثواب حدیث میں آیا ہے کہ پچیس یا ستائیس گنا ثواب ملتا ہے اس کا مستحق صرف وہ شخص ہے جس نے کم از کم پوری ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھی ہو۔اور امام کے رکوع سے اٹھنے سے پہلے اس نے اپنے ہاتھ گھٹنوں پر جما دیے ہوں یا گھٹنوں کے قریب پہنچ چکے ہوں، خواہ اطمینان سے رکوع اس نے امام کے اٹھنے کے بعد مکمل کیا ہو۔

جسے امام کے ساتھ ایک رکعت سے کم نماز ملی اسے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، اگر چہ ایسے شخص کو بھی جماعت میں شامل ہونے کا حکم ہے اور اسے اس کا ثواب بالاتفاق

ملے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ لی تو جماعت میں شامل ہو گیا اور مالکیہ کے نزدیک اگر ایک رکعت مل گئی تو جماعت کا ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔

۷۔ امام کے ساتھ فرض نماز میں شمولیت

ائمہ مذاہب(۳۷) کا اتفاق ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو گیا اسے وہ رکعت مل جاتی ہے اور اس سے قراءت ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جسے امام کے ساتھ ایک رکعت مل گئی اسے نماز مل گئی۔(۳۸) اگر امام کے رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد مقتدی نے رکوع کیا تو یہ رکعت شمار نہیں ہو گی البتہ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کے رکوع سے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے رکوع کے لیے جھک گیا تو اسے رکعت مل گئی۔اگر امام رکوع سے سر اُٹھا رہا ہے اور مقتدی رکوع میں جا رہا ہے تو یہ رکعت درست ہو گئی، خواہ مقتدی نے امام کے رکوع سے اُٹھنے کے بعد رکوع میں اطمینان کی کیفیت حاصل کی ہو۔مقتدی کو چاہیے کہ جس حالت میں امام کو پائے اسی حالت میں امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے۔تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد رکوع یا سجدے میں تکبیر کہتے ہوئے ساتھ شامل ہو جائے، اس کے بعد کی جو رکعت ہو اس میں امام کے ساتھ قیام کرے اگر مقتدی کو شک ہو جائے کہ امام کے سیدھے کھڑے ہونے سے پہلے رکوع میں گیا ہے یا بعد تو اسے رکعت شمار نہ کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جس کسی کو امام رکوع کی حالت میں ملے تو اس کی تکبیر تحریمہ ہی رکوع کی تکبیر کے قائم مقام ہو گی، اس سلسلے میں نص موجود ہے، زید بن ثابتؓ اور ابن عمرؓ نے ایسے ہی کیا اور صحابہ میں کسی سے ان کی مخالفت ثابت نہیں ہے، نیز ایک جنس کی دو عبادتیں جمع ہو گئی ہیں اس لیے ایک ہی رکن سے واجب ادا ہو جائے

گا جیسے کہ طواف زیارت اور طواف وداع ایک طواف سے ادا ہو جاتے ہیں۔ شافعیہ کے ہاں بھی مالکیہ کی طرح یہ شرط ہے کہ رکوع کی تکبیر، تکبیر تحریمہ سے الگ کہے تا کہ اسے قیام کا ایک حصہ مل سکے۔

اگر امام سجدے میں ہو تو کیا مقتدی صف سے پیچھے ہی رکوع میں جا سکتا ہے؟

مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ (۳۹) جس شخص کو اندیشہ ہو کہ صف تک پہنچنے تک امام رکوع سے سر اُٹھا لے گا اور اسے رکعت نہیں مل سکے گی وہ صف سے پیچھے ہی تکبیر تحریمہ کہہ لے بشرطیکہ اسے یہ خیال ہو کہ امام کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے صف میں پہنچ جائے گا۔ اگر یہ خیال ہو کہ امام کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے صف میں نہیں پہنچ سکے گا تو دوڑے نہیں بلکہ آہستہ آہستہ چلتا جائے البتہ اگر امام آخری رکعت میں ہو تو صف سے پیچھے ہی تکبیر تحریمہ کہہ لے تا کہ نماز کے ثواب سے محروم نہ رہ جائے پھر چلتا ہوا صف میں شامل ہو جائے۔

حنابلہ اور دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے (۴۰) کہ صف سے پیچھے رکوع میں نہ جائے، اگر ایسا کیا اور امام کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے صف میں شامل ہو گیا یا پیچھے سے کوئی اور آ کر اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا تو نماز درست ہو جائے گی۔ الغرض صف سے پیچھے رکوع کر کے صف میں شامل ہونے والے کی تین صورتوں میں سے کوئی ایک ہوتی ہے:

اوّل۔ اگر صف کے پیچھے پوری رکعت پڑھ لی تو نماز نہیں ہو گی کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔ (۴۱)

دوم۔ رکوع کی حالت میں چلتا گیا حتیٰ کہ امام کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے صف میں شامل ہو گیا یا کوئی اور نمازی آ کر امام کے رکوع سے اُٹھنے سے پہلے ساتھ کھڑا ہو گیا تو نماز درست ہو جائے گی کیوں کہ اس صورت میں امام کے ساتھ صف میں شامل ہو کر رکوع میں شریک ہو گیا جس سے رکعت ہو جاتی ہے۔

سوم۔ امام کے رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد صف میں شامل ہوا، اگر اسے اس کی حرمت کا علم نہیں تھا تو نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر علم تھا تو صحیح نہیں ہو گی۔ کیوں کہ بخاری وغیرہ کی روایت ہے کہ ابوبکرہؓ نماز کے لیے پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے، انہوں نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری حرص میں اضافہ کرے، آئندہ ایسے نہ کرنا۔(۴۲) آپؐ نے انہیں نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا لیکن آئندہ اس طرح کرنے سے روک دیا۔

۸۔ جماعت کے لیے چل کر جانا اور امام کے ساتھ شامل ہونے کے لیے جلدی کرنا:

جماعت کے لیے چل کر جانا:

جو شخص جماعت میں شریک ہونا چاہتا ہے اس کے لیے مستحب ہے کہ سکون اور وقار کے ساتھ چل کر جائے (۴۳) کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جب تم اقامت سنو تو نماز کے لیے چل پڑو، سکون اور وقار کے ساتھ، جلدی نہ کرو، جو نماز مل جائے پڑھ لو، جو رہ جائے اسے پورا کر لو۔(۴۴)

مالکیہ کی رائے یہ ہے(۴۵) کہ جماعت سے ملنے کے لیے تیز تیز چل کر جانا جائز ہے البتہ دوڑے نہیں۔ دوڑنا مکروہ ہے کیوں کہ اس سے خشوع کی کیفیت جاتی رہتی ہے، تیز چلنا بہتر ہے۔

امام کی اقتدا کے لیے جلدی کرنا:

نمازی جلدی سے امام کی اقتدا کر لے چاہے امام کھڑا ہو، رکوع میں ہو، سجدے میں ہو یا اور کسی حالت میں۔

کیا مقتدی اس وقت نفل پڑھ سکتا ہے؟

مالکیہ کہتے ہیں (۴۶) کہ جب مستقل امام کی جماعت کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو پیچھے کسی کے لیے فرض یا نفل کوئی بھی نماز جماعت سے یا اکیلے شروع کرنا جائز نہیں۔ اگر مسجد میں نماز کھڑی ہوگئی اور کوئی نمازی مسجد میں یا مسجد کے صحن میں فرض یا نفل پڑھ رہا ہے تو اگر اسے یہ اندیشہ ہے کہ وہ اپنی نماز جاری رکھے گا تو امام کے ساتھ ایک رکعت رہ جائے گی تو وہ اپنی نماز توڑ کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے، خواہ نفل پڑھ رہا ہو یا فرض، خواہ ایک رکعت پڑھ چکا ہو یا نہ، سلام کر کے یا گفتگو سے یا نماز توڑنے کی نیت سے نماز توڑ کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔

اگر ایک رکعت نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو تو اگر نفل نماز پڑھ رہا ہے تو دو رکعات مکمل کر لے اور مستحب یہ ہے کہ بیٹھ کر مکمل کرے اور اگر وہی نماز پڑھ رہا ہے جس کی جماعت کھڑی ہوگئی ہے مثلاً عصر کی نماز پڑھ رہا ہے اور اس کی جماعت کھڑی ہوگئی، اگر پہلی رکعت میں ہے تو اسے پورا نہ کرے اور جماعت میں شامل ہو جائے، اگر ایک رکعت پڑھ چکا ہے تو اس کے ساتھ دوسری رکعت ملا لے، اگر دوسری رکعت میں ہے تو مکمل کر لے۔ اگر تیسری رکعت میں ہے اور ابھی اس کا سجدہ نہیں کیا تو واپس پلٹ کر بیٹھ جائے اور سلام پھیر لے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ نماز چار رکعات والی ہے۔

اگر فجر یا مغرب کی نماز پڑھ رہا ہے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو نماز توڑ دے اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ ممنوع وقت میں نوافل ادا کرنے کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔ اگر مغرب کی دوسری یا تیسری رکعت پوری کر لی یا صبح کی دوسری رکعت پڑھ لی تو فرض کی نیت سے نماز مکمل کر لے۔

شافعیہ کہتے ہیں (۴۷) اگر نمازی نفل نماز پڑھ رہا ہے کہ اس اثنا میں جماعت کھڑی ہوگئی تو اگر جماعت نکل جانے کا اندیشہ نہیں ہے تو نفل مکمل کر لے پھر جماعت میں شامل

ہو اور اگر جماعت نکل جانے کا اندیشہ ہے تو نفل توڑ دے کیوں کہ جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے۔

اگر وقتی فرض پڑھ رہا تھا کہ اس کی جماعت کھڑی ہوگئی تو افضل یہ ہے کہ نماز توڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے۔شافعیہ کے جدید مذہب میں جو صحیح تر ہے یہ ہے کہ نماز توڑے بغیر جماعت میں شامل ہونے کی نیت کر لے کیوں کہ جب یہ جائز ہے کہ کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو پھر کوئی پیچھے آ کر کھڑا ہو جائے تو اس کا امام ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے کہ نماز کا کچھ حصہ اکیلے پڑھے اور پھر مقتدی ہو جائے۔شافعیہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ امام کی اقتدا کی وجہ سے اس کی نماز کی ترتیب بدل جائے جیسا کہ جو شخص دوسری رکعت میں شریک ہوا ہو اس کی نماز کی ترتیب بدل جاتی ہے۔

اگر مسجد میں پہنچے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو نوافل نہ پڑھے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔(۴۸)

حنابلہ کہتے ہیں کہ(۴۹) جب مؤذن نماز کے لیے اقامت کہے جس کے بعد جماعت کھڑی ہوتی ہو تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھی جاسکتی، کیوں کہ ابن حبان کی روایت ''جب موذن اقامت شروع کرے...... کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے بعد نہ عام نوافل پڑھے نہ فجر وغیرہ کی مؤکدہ سنتیں، مسجد میں نہ مسجد سے باہر نہ گھر میں۔کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث ''جب نماز کھڑی ہو جائے...... کا تقاضا یہی ہے۔اگر اقامت شروع ہونے کے بعد نفل شروع کیے تو وہ نہیں ہوں گے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اقامت کے بعد نماز پڑھنے پر سرزنش کرتے تھے۔

اگر کوئی شخص نفل پڑھ رہا ہے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو خواہ مسجد سے باہر پڑھ رہا ہو، نوافل مکمل کر لے لیکن مختصر پڑھے۔اگر اس دوران میں ایک رکعت نکل بھی جائے

تب بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولا تبطلوا اعمالکم (اپنے اعمال باطل نہ کرو، محمد ۴۷:۳۳) لیکن دو رکعات سے زیادہ نہ پڑھے۔ اگر تیسری رکعت شروع کر دی تھی تو چوتھی ساتھ ملا لے کیوں کہ چار رکعات پڑھنا تین سے افضل ہیں۔ اگر تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا تو جائز ہے۔ دونوں صورتوں میں نص سے ثابت ہے البتہ اگر نفل پڑھنے والے کو اندیشہ ہو کہ جماعت جاتی رہے گی تو نوافل توڑ دے کیوں کہ فرض نماز نوافل سے اہم ہے۔

حنفیہ کے نزدیک خاص تفصیل ہے جو بالعموم نماز توڑنے کے سلسلے میں مالکیہ اور شافعیہ کے مذاہب سے ہم آہنگ ہے البتہ فجر کی سنتوں کے ضروری ہونے کی وجہ سے ان کے بارے میں ان کی رائے الگ ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔(۵۰)

اگر نمازی نے فرض نماز ادا یا قضا اکیلے شروع کر دی پھر جماعت کھڑی ہو گئی، اگر فجر یا مغرب کی نماز ہے تو اگر پہلی رکعت میں ہے، خواہ اس کا سجدہ کر لیا ہو تو ایک طرف سلام پھیر کر نماز توڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر دوسری رکعت میں ہے تو اگر اس کا سجدہ نہیں کیا تو اسے توڑ دے اور اگر سجدہ کر لیا ہے تو اکیلے ہی اسے پورا کرے۔

اگر چار رکعات والی نماز، مثلاً ظہر یا عصر شروع کی تو اگر اکیلے نماز پڑھنے والے نے پہلی رکعت کا سجدہ نہیں کیا(۵۱) تو نماز توڑ دے اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور اگر پہلی رکعت کا سجدہ کر لیا ہے تو دو رکعات مکمل کر کے سلام پھیرے اور جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ جماعت کا ثواب مل جائے اور جو نماز پڑھی وہ نفل ہو جائے گی اور عمل باطل ہونے سے بچ جائے گا۔

اگر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے جماعت کھڑی ہو گئی تو ایک طرف سلام پھیر کر نماز توڑ دے۔ اگر چار رکعات والی نماز یا مغرب کی نماز کی تیسری رکعت پوری کر لی تو پھر اکیلے ہی نماز مکمل کر لے کیوں کہ اکثر کل

کے حکم میں ہے، پھر نفل کی نیت سے جماعت میں شامل ہو جائے کیوں کہ ایک وقت میں ایک فرض نماز دو بار نہیں پڑھی جا سکتی کیوں کہ یزید بن اسودؒ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے حج میں شریک تھا، میں نے آپؐ کے ہمراہ صبح کی نماز مسجد خیف میں ادا کی، جب آپؐ نماز پڑھ چکے، پیچھے مڑے تو آپؐ نے دیکھا کہ صفوں کے آخر میں دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے نماز نہیں پڑھی، آپؐ نے فرمایا، انہیں میرے پاس لاؤ، انہیں آپؐ کے پاس لایا گیا تو وہ دونوں تھر تھر کانپ رہے تھے۔(۵۲) آپؐ نے ان سے پوچھا، تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ، ہم نے اپنی اقامت گاہ پر پڑھ لی تھی، آپؐ نے فرمایا، ایسا نہ کیا کرو، اگر اپنی اقامت گاہ پر نماز پڑھ لی ہو، پھر مسجد میں جماعت کے وقت آ جاؤ تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔(۵۳)

جو شخص مسجد میں داخل ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو جماعت میں شامل ہو اور سنتیں چھوڑ دے، انہیں بعد کی سنتوں کے ساتھ فرائض کے بعد پڑھے البتہ فجر کی سنتیں مسجد کے دروازے کے پاس ادا کر کے جماعت میں شامل ہو جائے بشرطیکہ جماعت جاتے رہنے کا اندیشہ نہ ہو کیوں کہ اس صورت میں دونوں فضیلتوں کو جمع کرنا ممکن ہے اگر جماعت کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہو تو امام کے ساتھ فرائض پڑھے کیوں کہ جماعت کا ثواب زیادہ ہے اور اسے چھوڑنے کا گناہ شدید تر ہے۔

اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو انہیں سورج نکلنے سے پہلے نہ پڑھے کیوں کہ وہ مطلقاً نوافل ہیں اور صبح کے بعد پڑھنا مکروہ ہیں۔امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک سورج نکلنے کے بعد بھی نہ پڑھے کیوں کہ سنت کی در اصل قضا نہیں ہے، قضا واجب کے ساتھ مختص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی میں رات کے آخری حصہ میں آرام کرنے کے بعد(۵۴) سورج نکلنے کے بعد فرائض کے ساتھ فرائض کے تابع ہونے کی وجہ

سے قضا کی تھیں۔ اگر سنتیں فرائض کے تابع نہ رہیں تو اصل حکم باقی رہے گا یعنی ان کی قضا نہیں ہے۔ اس بنا پر فجر کی سنتیں قضا نہ کی جائیں ہاں اگر فرض بھی قضا ہو جائیں تو فرائض کے تابع سنتیں بھی قضا کر لی جائیں۔

امام محمد کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ سورج ڈھلنے سے پہلے فجر کی سنتیں قضا کر لے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا موقع پر سورج نکلنے کے بعد ان کی قضا کی تھی۔

اگر ظہر سے پہلے کی سنتیں شروع کر دیں اور جماعت کھڑی ہو گئی یا جمعہ کی سنتیں شروع کیں اور خطیب منبر پر بیٹھ گیا تو دو رکعات کے بعد سلام پھیر دے، یہی بہتر ہے پھر فرض ادا کرنے اور بعد کی سنتیں ادا کرنے کے بعد چار رکعات سنتیں قضا کرے تاکہ خطبہ سننے اور جمعہ کامل طریقے سے ادا کرنے کا فرض نہ رہ جائے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کی رائے ہے۔ امام محمد کی رائے یہ ہے کہ بعد کی سنتوں سے پہلے قضا کرے۔ شلبی کہتے ہیں (۵۵) کہ بعد کی سنتیں پڑھنے کے بعد قضا کرے کیوں کہ پہلی چار سنتیں تو اپنے مسنون مقام پر نہیں پڑھی جا سکیں تو بعد کی دو سنتوں کو دانستہ بلا ضرورت اپنی جگہ سے مؤخر نہ کیا جائے۔

۹۔ ایک مسجد میں ایک سے زیادہ جماعتیں:

نماز کے مکروہات میں پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ حنفیہ کے (۵۶) نزدیک ایک اذان اور اقامت کے ساتھ محلّہ کی مسجد میں ایک سے زیادہ جماعتیں مکروہ ہیں، ہاں اگر محلّہ سے باہر کے لوگوں نے پہلے اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی یا اہل محلّہ نے آہستہ اذان کہہ کر پڑھی یا اہل محلّہ نے اذان اور اقامت کے بغیر دوسری جماعت کرائی یا شاہراہ کی مسجد ہے یا ایسی مسجد ہے جس کا کوئی متعین امام اور مؤذن نہیں ہے اور لوگ گروہ در گروہ آ کر نماز پڑھتے رہتے ہوں تو افضل یہ ہے کہ ہر گروہ الگ الگ اذان اور اقامت کہہ کر نماز

پڑھے۔

محلّہ کی مسجد سے مراد ایسی مسجد ہے جس کا امام اور نمازی متعین ہوں۔ دوبارہ اذان کہہ کر دوسری جماعت کرانا مکروہ ہے۔دوسری اذان کے بغیر محلّہ کی مسجد میں دوسری جماعت کرانا جائز ہے لیکن حنفیہ کے ہاں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ بعض مساجد میں کئی ائمہ کئی باقاعدہ جماعتیں کراتے ہیں وہ حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہیں۔

ان کی دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ہے کہ آپؐ لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے گھر سے نکلے، واپس مسجد میں پہنچے تو اہل مسجد نماز پڑھ چکے تھے، پھر آپؐ گھر لوٹ آئے اور گھر والوں کو اکٹھا کر کے نماز ادا کی۔ اگر مسجد میں دوسری جماعت جائز ہوتی تو آپؐ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے پر گھر آ کر نماز پڑھنے کو ہرگز ترجیح نہ دیتے۔ ایک جماعت کے باعث زیادہ لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے اور اگر بلا کراہت ایک سے زائد جماعتیں جائز ہوں تو لوگ نماز کے لیے جمع نہ ہوں کیوں کہ انہیں معلوم ہو گا کہ جماعت سے تو نہیں رہیں گے۔

راستوں اور شاہراہوں پر بنی ہوئی مساجد کسی خاص گروہ کے ساتھ مختص نہیں ہوتیں، ان میں سب لوگ برابر ہوتے ہیں اس لیے راستوں کی مساجد میں ایک سے زائد جماعتیں مکروہ نہیں ہیں۔راستوں کی مساجد وہ ہیں جن میں امام اور نمازی متعین نہیں ہوتے۔

مالکیہ کی رائے یہ ہے(۵۷) کہ جس مسجد کا امام مقرر ہے اس میں دوسری جماعت مکروہ ہے۔ مقرر امام سے پہلے جماعت کرانا مکروہ ہے اور مقرر امام کی جماعت کے ساتھ دوسری جماعت کرانا بھی مکروہ ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ جب مقرر امام کے ساتھ نماز پڑھی گئی ہو تو کوئی دوسری جماعت فرائض یا نوافل وہاں نہیں کرائی جا سکتی۔ اور نہ اکیلے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ جس شخص نے مقرر امام کے ساتھ نماز پڑھ لی اس کے لیے

واجب ہے کہ مسجد سے نکل جائے تاکہ امام کے بارے میں بدگمانی کا احساس پیدا نہ ہو۔ اگر کوئی جماعت مسجد میں داخل ہو اور مسجد کا مقرر امام نماز پڑھا چکا ہو تو اس جماعت کے لیے مستحب ہے مسجد سے باہر نکل کر جماعت سے نماز پڑھ لیں۔ تین مساجد اس سے مستثنیٰ ہیں: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ، ان تینوں میں اکیلے اکیلے نماز پڑھ لیں کیوں کہ ان کے اندر اکیلے نماز پڑھنے کا ثواب ان کے باہر باجماعت نماز پڑھنے سے زیادہ ہے۔

اگر کسی مسجد میں کئی امام مقرر ہوں اور ایک کے بعد دوسرا جماعت کراتا ہو تو راجح قول یہ ہے کہ ایک وقت میں متعدد جماعتیں مکروہ ہیں کیوں کہ اس میں بدنظمی پائی جاتی ہے جس مسجد میں متعین امام نہ ہو وہاں دوسری جماعت مکروہ نہیں ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۵۸) جس مسجد میں متعین امام ہے وہاں امام کی اجازت کے بغیر جماعت سے پہلے، بعد میں اور اس کی جماعت کے ساتھ، ہر صورت میں جماعت مکروہ ہے البتہ راستے کی مسجد میں، بازار کی مسجد میں یا جس مسجد کا متعین امام نہ ہو وہاں دوسری جماعت جائز ہے۔ نیز اگر مسجد کا متعین امام تو ہو لیکن مسجد تنگ ہو، اس میں تمام نمازی نہ آسکتے ہوں یا نماز کا وقت نکلنے کا اندیشہ ہو تو دوسری جماعت جائز ہے کیوں کہ اس طرح کی جماعت میں کسی سازش کا امکان نہیں ہوتا۔

حنابلہ کے نزدیک (۵۹) مقرر امام کی اجازت کے بغیر امام کی جماعت سے قبل جماعت کرنا حرام ہے کیوں کہ وہ صاحب خانہ کی طرح ہے اور وہی امامت کا مستحق ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: کوئی شخص کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے۔ (۶۰) کیوں کہ اس سے نفرتیں جنم لیتی ہیں۔ اسی طرح مستقل امام کی جماعت کے دوران دوسری جماعت کھڑی کرنا بھی حرام ہے ان دونوں صورتوں میں نماز جائز نہیں ہے۔ امام کی اجازت کے ساتھ جماعت حرام ہے نہ مکروہ کیوں کہ اجازت کی وجہ سے وہ امام کا نائب سمجھا جائے گا۔ اگر مستقل امام کو کسی عذر کی وجہ سے دیر ہو جائے یا اس کے

آنے کا گمان نہ ہو یا گمان ہو تب بھی اس کی غیر حاضری میں دوسرا شخص جماعت کرا سکتا ہے۔

مستقل امام کے نماز پڑھا کر فارغ ہونے کے بعد غیر مستقل امام کی اقتدا میں دوسری جماعت مکروہ نہیں ہے البتہ صرف مکہ اور مدینہ کی دونوں مساجد میں مکروہ ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہوں اور اس خیال سے کہ دوسری جماعت میں شامل ہو جائیں گے ان دونوں مساجد میں مستقل ائمہ کے ساتھ نماز ادا کرنے میں سستی نہ کریں۔ اگر کوئی شخص کسی عذر مثلاً نیند وغیرہ کی وجہ سے جماعت سے رہ گیا تو اس کے لیے ان دونوں مساجد میں بھی دوسری جماعت مکروہ نہیں ہے۔

ان دونوں مساجد میں دو مستقل ائمہ مقرر کرنا مکروہ ہے کیوں کہ جو امام بعد میں نماز پڑھائے گا وہ اوّلِ وقت کے ثواب سے محروم رہے گا اور بڑی جماعت کے ثواب سے بھی۔ مذاہب کا اختلاف ہو تب بھی ایک سے زائد مستقل امام نہ مقرر کیے جائیں۔

امام کے لیے ایک نماز کو دوبار پڑھانا مکروہ ہے کہ مثلاً دوسری نماز میں کسی قضا نماز یا اور کسی نماز کی نیت کرے اور پہلی میں وقتی فرض کی۔ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ بدعت ہے اور مکروہ ہے۔

۱۰۔ اکیلے نمازی کا جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنا:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص نے اکیلے نماز پڑھ لی تھی، پھر اسے جماعت مل گئی تو جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے، دوسری نماز نفل ہو جائے گی۔ اس کا ثبوت یزید بن اسودؓ کی مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہونے والی سنت سے ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ایک شخص مسجد میں آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھ چکے تھے، آپؐ نے فرمایا، کوئی ہے جو نیکی کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھ لے، ایک آدمی اٹھا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھ لی۔ (۶۱)

نماز دُہرانے کے سلسلے میں فقہاء کے ہاں تفصیلات ہیں:

حنفیہ کے نزدیک (۶۲) جس شخص نے اکیلے نماز پڑھ لی تھی اس کے لیے جماعت کے ساتھ اس نماز کا اعادہ جائز ہے اور دوسری نماز نفل ہو جائے گی۔اس کی دلیل یزید بن اسودؓ کی حدیث ہے جو فرض کی ادائیگی کی بحث میں گزر چکی ہے۔جس میں ہے کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی اور وہ صفوں کے آخر میں بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے ان سے فرمایا: جب اپنی اقامت گاہ پر نماز پڑھ لو پھر مسجد میں جماعت کے وقت آ جاؤ تو جماعت سے نماز پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔جب دوسری نماز نفل ٹھہری تو اسے نفل کے احکام دیے جائیں گے، پس نماز عصر کا اعادہ مکروہ ہو گا، کیوں کہ عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہیں۔اگر امام جماعت کے ساتھ نفل پڑھا رہا ہے اور جماعت میں تین سے زائد لوگ ہیں تو اس کے پیچھے نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جانا مکروہ ہے۔اگر تین سے زائد لوگ نہیں ہیں اور نفل بغیر اذان کے پڑھے جا رہے ہیں تو مکروہ نہیں ہے۔اگر اذان کہہ کر نفل کا اعادہ کر رہے ہیں تو مطلقاً مکروہ ہے۔اگر امام فرض پڑھ رہا ہو نہ کہ نفل تو اس کے پیچھے نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک (۶۳) جس شخص نے جماعت سے نماز پڑھ لی وہ اس کا اعادہ نہ کرے۔ہاں اگر تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) میں سے کسی میں داخل ہوا تو اعادہ مستحب ہے، اور جس شخص نے اکیلے نماز پڑھی اس کے لیے جماعت کے ساتھ اعادہ جائز ہے بشرطیکہ جماعت میں دو یا دو سے زائد افراد ہوں، اگر ایک ہو تو جائز نہیں البتہ اگر ایک مستقل امام ہو تو اس کے ساتھ اعادہ جائز ہے کیوں کہ مستقل امام کی حیثیت جماعت کی ہے اور مغرب کے علاوہ ہر نماز کا اعادہ کیا جا سکتا ہے نیز وتر پڑھنے کے بعد عشا کا اعادہ جائز نہیں۔جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے اس صورت میں عشا کا اعادہ حرام ہے اور مغرب کا اعادہ بھی نہ کرے کیوں کہ مغرب کی تین رکعات پہلی تین

رکعات کے ساتھ مل کر جفت ہو جائیں گی کیوں کہ دہرائی جانے والی نماز نوافل کے حکم میں ہے اور عشا کی نماز وتر سے پہلے دہرائی جاسکتی ہے بعد میں نہیں کیوں کہ اگر وتر کو بھی دہرا لیتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی خلاف ورزی ہوتی ہے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے اور اگر نہیں دہراتا تو ایک دوسرے ارشاد کی خلاف ورزی ہوتی ہے کہ وتر کو اپنی رات کی آخری نماز بناؤ۔

ہر وہ شخص جس نے اکیلے نماز پڑھی اس کے لیے اعادہ جائز ہے البتہ اگر کسی شخص نے مذکورہ بالا تین مساجد میں اکیلے نماز پڑھی تو ان مساجد سے باہر جماعت کے ساتھ اعادہ نہ کرے البتہ ان مساجد میں جماعت کے ساتھ اعادہ مستحب ہے۔

اگر مقتدی ہو تو اعادہ کرلے لیکن امام ہو تو اعادہ کرنا درست نہیں جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔فرض نماز کا اعادہ کرنے والا یہ نیت کرے کہ اللہ کے سپرد ہے ان میں سے جو چاہے فرض کے طور پر قبول کرلے۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے (۶۴) کہ اکیلے نمازی کے لیے اور صحیح قول کے مطابق جماعت کے لیے بھی اعادہ مسنون ہے۔فرض کا اعادہ فرض کی نیت سے کرے، اکیلے نمازی کے ہمراہ ہو چاہے جماعت کے ساتھ جو وقت کے اندر ہو رہی ہے۔راجح قول کے مطابق، خواہ ایک رکعت ہی وقت کے اندر ملے۔خواہ مکروہ وقت ہی کیوں نہ ہو البتہ راجح یہ ہے کہ اعادہ صرف ایک بار کرے۔نذر نماز اور نماز جنازہ کا اعادہ نہ کرے کیوں کہ ان کے ساتھ نوافل نہیں پڑھے جاتے۔شرط یہ ہے کہ دوسری نماز صحیح ہو خواہ قضا کے تقاضے نہ پورے کرتی ہو، اور یہ کہ دوسری نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت جو شخص قیام پر قادر ہے وہ اکیلا نہ ہو اور جو شخص نماز کا اعادہ کر رہا ہے اس کے لیے جماعت مطلوب ہو۔برہنہ فرد تاریکی میں اعادہ کرسکتا ہے روشنی میں نہیں اور نماز کا اعادہ کرنے والا امام بھی ہوسکتا ہے۔

اگر کسی شخص نے نماز پڑھ لی، پھر جماعت کے ساتھ اس کا اعادہ کیا تو شافعیہ کا

مذہب جدید یہ ہے کہ پہلی نماز فرض ہو گی کیوں کہ یزید بن اسودؓ کی مذکورہ بالا حدیث کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری نماز کو نفل قرار دیا اور اس لیے کہ اس نے پہلی نماز سے فرض ادا کیا۔تو دوسری نماز لامحالہ نفل ہوگئی۔لیکن نیت فرض نماز کے اعادہ کی کرے تاکہ نفل سے آغاز کرنا لازم نہ آئے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ(۶۵) اگر کسی شخص نے اکیلے یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور ابھی وہ مسجد میں تھا کہ دوبارہ جماعت کھڑی ہوگئی تو اس کے لیے اعادہ مستحب ہے، خواہ اعادہ کا وقت ممنوع وقت ہو اور اعادہ مستقل امام کے ہمراہ ہو یا غیر مستقل امام کے البتہ مغرب کی نماز کا اعادہ درست نہیں کیوں کہ جو نماز دوبارہ پڑھی جا رہی ہے وہ نفل ہے اور نفل طاق رکعات میں نہیں ہوتے، پہلی نماز یزید بن اسود کی مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر فرض قرار پائے گی، دوسری نماز میں اعادہ کی نیت کرے کیوں کہ پہلی نماز سے فرض ادا ہو گئے۔اگر نفل کی نیت کر لی تب بھی درست ہے کیوں کہ نفل کی نیت واقع کے مطابق ہے۔اگر مثلاً ظہر کی نیت کر لی تب بھی نماز صحیح ہو گی لیکن نفل ہو گی۔

اگر کوئی شخص مسجد سے باہر ہے اور جماعت کھڑی ہو گئی اور ممنوع وقت ہے تو اس کے لیے جماعت ختم ہونے سے پہلے مسجد میں داخل ہونا مستحب نہیں اور اعادہ حرام ہے، اگر اعادہ کر لیا تو نماز نہیں ہو گی، خواہ وہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے مسجد میں داخل ہوا یا اور کسی نیت سے۔اگر ممنوع وقت نہیں ہے اور نماز کے اعادہ کی نیت سے مسجد میں داخل ہوا تو اعادہ مسنون نہیں ہے اور اگر اعادہ کی نیت نہیں کی تو اعادہ مسنون ہے۔

۱۱۔ نماز یا جماعت کا مستحب وقت:

نماز کے قیام کی بحث میں ہم بتا چکے ہیں کہ جماعت کے مستحب وقت کے بارے میں فقہاء کی چار مختلف آراء ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ نمازی امام کے کھڑے ہونے کے بعد حی علی الفلاح

کے وقت کھڑے ہوں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قد قامت الصلاۃ پر کھڑے ہوں۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اقامت ختم ہونے کے بعد کھڑے ہوں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کی ہمت پر منحصر ہے شریعت میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے کہ اقامت سے پہلے کھڑے ہوں یا درمیان میں یا اقامت کے بعد البتہ ابو قتادہؓ کی حدیث اس سلسلے میں موجود ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے دیکھ نہ لو کھڑے نہ ہوا کرو''۔ ابن رشد کہتے ہیں، اگر یہ حدیث صحیح ہے۔ اور ہم بتا چکے ہیں کہ یہ روایت متفق علیہ ہے تو اس پر عمل واجب ہے ورنہ مسئلہ اپنی اصل پر باقی ہے یعنی اجازت ہے جب چاہے کھڑا ہو، شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔(٦٦)

۱۲۔ جماعت اور جمعہ کن عذروں کی وجہ سے چھوڑے جا سکتے ہیں:

مذکورہ ذیل اسباب کی بنا پر جماعت اور جمعہ میں حاضری ضروری نہیں رہتی، آدمی معذور سمجھا جائے گا:(٦٧)

۱۔ بیماری جس کی وجہ سے حاضری میں دقت ہو مثلاً بارش ہو رہی ہو۔ضروری نہیں کہ بیماری اس حد تک ہو کہ اس کی وجہ سے نماز میں قیام معاف ہو، البتہ معمولی بیماری ہو مثلاً ہلکا سردرد یا معمولی بخار تو یہ عذر نہیں ہیں۔ اسی طرح جس کے پاس اور کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو اس کی تیمار داری بھی عذر ہے، خواہ مریض قریبی عزیز نہ ہو کیوں کہ کسی بھی انسان کو تکلیف سے بچانا بہت اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ قریبی عزیز کے باعث آدمی کو اس سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے جتنی مالی نقصان پر ہوتی ہے اور وہ افراد جو قریبی عزیز نہیں ان میں بیوی، سسر، دوست اور استاد شامل ہیں۔

بیماری کے عذر ہونے کی دلیل ارشاد ربانی ہے: وما جعل علیکم فی الدین من

حرج (اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں تمہیں تنگی میں مبتلا نہیں کیا، الحج ۲۲:۷۸) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے تو مسجد تشریف نہیں لائے اور فرمایا: ابوبکرؓ سے کہو، لوگوں کو نماز پڑھائیں۔(۶۸) جس شخص کو کوئی بیماری لاحق ہونے کا خوف ہو وہ بھی معذور ہے، کیوں کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کی تفسیر خوف اور مرض سے کی ہے۔(۶۹) پس بیمار پر، جو شخص چل پھر نہ سکتا ہو اس پر، لنجا ہو، جس شخص کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کٹے ہوئے ہوں یا صرف پاؤں کٹے ہوئے ہوں، مفلوج، بہت بوڑھے شخص پر جو چلنے پھرنے سے عاجز ہو اور اندھے پر خواہ اسے رہنما میسر ہو حنفیہ کے نزدیک جماعت اور جمعہ میں حاضری واجب نہیں ہے۔ البتہ ایسا نابینا شخص جسے رہنما میسر ہو حنابلہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جمعہ میں حاضری سے معذور نہیں سمجھا جائے گا البتہ جماعت میں حاضری کی معافی ہے، اس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔

۲۔ جان، مال یا عزت کا ڈر ہو یا کوئی مریض ہو اس کے ساتھ جانا یا اسے چھوڑ کر جانا مشکل ہو۔ اس کی دلیل ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اذان کی آواز سنی اور بلا عذر جماعت میں نہیں آیا اس کی نماز نہیں ہوتی، لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہؐ! عذر سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: خوف یا بیماری۔

کسی ظالم کا خوف ہو یا قرض خواہ نے پابند کیا ہوا ہو یا آدمی برہنہ ہو یا اللہ کے حقوق میں کسی تعزیر کا خوف ہو جس کے بارے میں امید ہو کہ معاف ہو جائے گی یا کسی آدمی کے حقوق میں سزا کا خوف ہو، قصاص یا حد قذف جس کے بارے میں امید ہو کہ چند روز غائب رہا تو معافی مل جائے گی یا بیماری میں اضافے کا یا دیر سے صحت یابی کا اندیشہ ہو تو جماعت اور جمعہ میں حاضری واجب نہیں۔ اگر مریض کو سواری پر یا کندھوں پر اٹھا کر مسجد لاتے ہیں کسی تکلیف کا ڈر نہیں یا کوئی ایسا آدمی موجود ہے جو سواری پر یا اٹھا

کر لا سکتا ہے یا نابینا شخص کو کوئی رہنما میسر ہے تو حنابلہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کے لیے جمعہ میں آنا ضروری ہے کیوں کہ جمعہ بار بار نہیں آتا جماعتوں میں آنا ضروری نہیں۔اگر سفر میں ہمراہیوں سے بچھڑنے کا ڈر ہو تب بھی جمعہ اور جماعت واجب نہیں رہتے سفر خواہ تفریحی ہو یا مال ضائع ہونے کا ڈر ہو کہ مثلاً تنور میں روٹی جل جائے گی یا آگ پر ہنڈیا جل جائے گی یا کسی موقع کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہو مثلاً کوئی شخص راستہ بھول گیا اور اسے ڈر ہے کہ جماعت میں شامل ہو گیا تو راستہ بتانے والا کوئی نہیں ملے گا تو جمعہ اور جماعت میں حاضری معاف ہے۔

۳۔ بارش، کیچڑ، سخت سردی، دوپہر کی گرمی، رات کے وقت کی سخت ہوا، نہ کہ دن کی، سخت اندھیرا۔اس کی دلیل ابن عمرؓ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، رات سخت تاریک تھی یا بہت بارش تھی تو ایک شخص نے آواز دی کہ:اپنی اپنی قیام گاہوں میں نماز پڑھ لو(۷۰) برف اور سخت سردی بارش کی مانند ہیں۔

۴۔ پیشاب پاخانے یا کسی ایک کا تقاضا ہو، کیوں کہ اس کی وجہ سے نماز خشوع سے مکمل کرنا مشکل ہوتا ہے یا بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو یعنی سخت بھوک اور پیاس ہو کیوں کہ صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے:''جلدی نہ کرو، کھانے سے فارغ ہو جاؤ'' سفر کا ارادہ ہو اور اندیشہ ہو کہ ہمراہی یا قافلہ نکل جائے گا، اگر اکیلے سفر کر رہا ہے تو عذر نہیں ہے۔نیند کا غلبہ ہو یا تھکن ہو کیوں کہ ایک شخص حضرت معاذؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔حضرت معاذؓ نے نماز لمبی کر دی تو اس نے الگ نماز پڑھی اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، آپؐ نے اسے روکا ٹوکا نہیں۔البتہ نیند ہٹانے کے لیے عزم و حوصلے سے کام لے کر جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے کیوں کہ اس میں جماعت کا ثواب ہے۔حنفیہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر علم فقہ میں مشغول ہے تو یہ بھی عذر ہے دوسرا کوئی علم عذر نہیں۔

۵۔ کوئی کچی بدبودار چیز کھائی ہو جس کی بدبو دور نہ ہوتی ہو۔تھوم، پیاز یا مولی وغیرہ کھا کر مسجد میں جانا مکروہ ہے تا آنکہ اس کی بو ختم ہو جائے کیوں کہ اس کی بو سے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے حدیث میں ہے: جس نے تھوم یا پیاز کھایا ہو، وہ ہم سے اور ہماری مسجد سے الگ رہے اور گھر میں بیٹھے۔(۱۷) اسی طرح قصاب جس سے بو آتی ہو یا جس کسی سے بھی بدبو آتی ہو کیوں کہ ایذا علت ہے، جس کسی کو برص، جذام وغیرہ ہو وہ بھی مسجد نہ آئے، اسے بھی تھوم کھانے پر قیاس کریں گے کیوں کہ اس سے بھی نمازیوں کو ایذا ہوتی ہے۔

۶۔ کسی جگہ قید ہو، ارشاد ربانی ہے: لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، البقرہ۲:۲۸۶)

۷۔ شافعیہ نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے: بازاروں کی چھتیں ٹپکتی ہوں، زلزلہ، سخت گرم ہوا رات میں ہو یا دن میں، کسی گم شدہ چیز کی تلاش جس کے ملنے کی امید ہو، غصب شدہ چیز کی واپسی کی کوشش، بہت موٹاپا، خشوع سے مانع غم، میت کی تجہیز وتکفین کی تیاری، مسجد میں یا مسجد کے راستے میں کوئی ایسا شخص ہو جو ایذا دیتا ہو، شب عروسی میں رات کی نماز کی جماعت میں حاضری معاف ہے، امام لمبی قراءت کرتا ہو یا جو سنن مقصود ہیں انہیں چھوڑ دیتا ہو یا بہت تیز قراءت کرتا ہو اور مقتدی آہستہ رو ہو یا ایسا شخص نماز پڑھاتا ہو۔جس کی اقتدا مکروہ ہو اور اس سے یا اس کی وجہ سے کوئی ناگوار بات ہونے کا اندیشہ ہو۔

حنابلہ نے بھی شافعیہ کی تائید کرتے ہوئے امام کی طویل قراءت کو اور شب عروسی کو عذر قرار دیا ہے۔مالکیہ کے نزدیک نئی شادی کے باعث چھ دن کی جماعتیں اور جمعہ کی حاضری معاف ہے۔ ساتویں روز کی معافی نہیں ہے۔یہ مالکیہ کی مشہور روایت ہے۔ شافعیہ کے طرح انہوں نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس کسی پر قصاص ہو اور اسے قصاص کی معافی کی امید ہو یا حد قذف ہو اور اس کی معافی کی امید ہو کیوں کہ حد

قذف انسانی حق ہے البتہ اگر کسی پر اللہ کی کوئی حد ہو مثلاً حد زنا یا شراب نوشی یا چوری کی حد، تو اس کے لیے جمعہ اور جماعت چھوڑنے کا کوئی عذر نہیں کیوں کہ حدود اللہ میں مصالحت نہیں ہوسکتی جب کہ قصاص میں مصالحت ہوسکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک اٹھارہ چیزوں سے جماعت میں حاضری معاف ہو جاتی ہے۔بارش، سردی، خوف، تاریکی، قید، نابینا ہونا، فالج زدہ ہونا، ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہونا، بیماری، چلنے پھرنے سے معذور ہو، کیچڑ، لنجا ہونا، بہت بوڑھا ہونا، فقہ کی تعلیم وتعلم میں مصروف ہو اور جماعت کی وجہ سے فوت ہونے کا ڈر ہو، سخت بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو، سفر کا ارادہ، مریض کی تیمارداری، رات کے وقت آندھی، نہ کہ دن کے وقت، اگر ان عذروں میں سے کسی عذر کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہو سکے تو جماعت کا ثواب ملے گا۔

مطلب دوم۔ امامت

امامت کی تعریف،اس کی اقسام، ائمہ کی شرائط کس کی امامت درست ہے، امامت کا زیادہ حقدار کون ہے، امامت کے مکروہات، کس کی امامت مکروہ ہے، کب امام کی نماز ٹوٹ جاتی ہے اور مقتدی کی نہیں ٹوٹتی۔امام اور مقتدی دونوں کی نماز کن چیزوں سے ٹوٹتی ہے، امام مقتدی کی نماز کے کن امور کا ذمہ دار ہوتا ہے، امام سے متعلق خاص احکام۔

ا۔ امامت کی تعریف اور اس کی دو اقسام:

اچھائی یا برائی میں جس کی اقتدا اور پیروی کی جائے وہ امام ہے۔ارشاد ربانی ہے: وجعلنا منهم أئمة يهدون بامرنا (ہم نے انہیں میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے ہیں الانبیاء ۲۱:۷۳) نیز فرمایا وجعلنا هم أئمة يدعون الى النار (ہم نے انہیں امام بنایا جو آگ کی طرف بلاتے ہیں، القصص ۲۸:۴۱)

امامت کی دو قسمیں ہیں(۷۲): کبریٰ (بڑی) اور صغریٰ (چھوٹی)

امامت کبریٰ وہ ہے جس کی بنا پر مخلوق پر تصرف کا عام حق حاصل ہو جاتا ہے۔عام تصرف سے مراد امام کی اطاعت ہے یا یہ دین و دنیا کی عمومی سرداری ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ہے۔الماوردی کہتے ہیں(۷۳) امامت کا منصب دین کی حفاظت اور دنیا کے نظم ونسق کے لیے نبوت کی خلافت کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ امام مقرر کرنا اہم ترین شرعی واجبات میں سے ایک واجب ہے۔(۷۴) اس کا مسلمان، آزاد، مرد، عاقل، بالغ، قادر اور قریشی ہونا شرط ہے۔ہاشمی اور علوی ہونا شرط نہیں (جیسا کہ بعض شیعہ کی رائے ہے کہ آل علیؓ میں سے ہو)اور نہ معصوم ہونا شرط ہے جیسا کہ امامیہ اور اسماعیلیہ کی رائے ہے۔ فاسق امام کی تقلید مکروہ ہے۔ اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو فاسق امام کو معزول کر دیا جائے۔ امام کے لیے بھلائی کی دعا کرنا اور اسے نیکی کی تلقین کرتے رہنا واجب ہے۔امامت تین میں سے کسی ایک طریقے سے قائم ہو جاتی ہے۔

اہل حل وعقد کسی کو امام منتخب کریں، وراثت (ولی عہد بنانا) اہل حل وعقد کی بیعت کے بغیر زبردستی امام بن جانا، نظریہ ضرورت کے تحت جائز ہے۔(۷۵)

امامت صغریٰ نماز کی امامت ہے، اس سے مراد مقتدی کی نماز کا امام کی نماز سے رابطہ ہے۔

۲۔ امامت یا جماعت کے درست ہونے کی شرائط:

امام کی امامت مندرجہ ذیل شرائط سے درست ہو جاتی ہے:(۷۶)

ا۔اسلام: کافر کی امامت بالاتفاق صحیح نہیں۔ حنابلہ کہتے ہیں (۷۷) کہ اگر ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جس کے مسلمان ہونے کے بارے میں شک تھا یا یہ شک تھا کہ وہ ہیجڑا

ہے تو جب تک یقین نہ ہو کہ وہ کافر ہے یا خنثیٰ مشکل ہے نماز درست ہے کیوں کہ بظاہر نمازی مسلمان ہوتے ہیں بالخصوص جب امام بھی ہو اور بظاہر جو مردوں کی امامت کرتا ہے ہیجڑا نہیں ہو گا۔ اگر نماز کے بعد معلوم ہو کہ امام کافر تھا یا خنثیٰ مشکل تھا تو نماز دہرا لی جائے۔نماز پڑھنے والے کو مسلمان سمجھا جائے گا خواہ وہ دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں، جماعت سے پڑھے یا اکیلے، اگر اس کے بعد بھی اسلام پر قائم رہا تو کوئی کلام ہی نہیں اور اگر قائم نہ رہا تو مرتد ٹھہرے گا اور اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے۔اگر اسلام کے منافی کسی بات کے ظاہر ہونے سے پہلے مر گیا تو وہ مسلمان ہے اس کے مسلمان رشتہ دار وارث ہوں گے، غیر مسلم نہیں۔

شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے(۷۸) کہ اگر امام کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ وہ کافر تھا یا عورت تھی تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔

۲۔عقل: دیوانے کے پیچھے نماز جائز نہیں کیوں کہ اس کی اپنی نماز نہیں ہوتی۔اگر دیوانگی سے افاقہ ہو جاتا ہو تو افاقہ کے دوران اس کے پیچھے نماز جائز ہے لیکن اس کی اقتدا مکروہ ہے کیوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نماز کے دوران ایسی صورت پیدا ہو جائے جس سے نماز ٹوٹ جائے کیوں کہ اس میں دیوانگی تو موجود ہے البتہ افاقہ کے دوران نماز صحیح ہو جائے گی کیوں کہ اصل یہ ہے کہ آدمی دیوانگی سے محفوظ ہو، احتمال کی بنا پر نماز نہیں ٹوٹتی۔یاد رہے کہ یہ دونوں شرائط اصل میں نماز کے درست ہونے کی شرائط ہیں۔ امامت کی شرائط میں انہیں بر سبیل تذکرہ شامل کر لیا گیا ہے۔پاگل اور مدہوش شخص بھی دیوانے کی طرح ہیں، ان کے پیچھے بھی نماز نہیں ہوتی بلکہ ان کی اپنی نماز بھی نہیں ہوتی۔

۳۔بالغ ہونا: جمہور کے نزدیک باشعور لڑکا بالغ افراد کی امامت کروائے یہ جائز نہیں۔حنفیہ کے نزدیک فرائض میں نہ نوافل میں، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک فقط فرائض میں البتہ نوافل میں مثلاً سورج گرہن یا تراویح کی نماز میں اپنے طرح کے لڑکوں کی

امامت کروا سکتا ہے کیوں کہ یہ نوافل ہیں اور نفل پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی امامت کر رہا ہے۔ان کی دلیل ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے اثرم کی روایت ہے کہ: لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امامت نہ کرائے،اس کی وجہ یہ ہے کہ امامت کمال کا درجہ ہے اور لڑکا ابھی درجہ کمال کو نہیں پہنچا، نیز بچے کی نماز میں شرائط نماز اور قراءت وغیرہ میں کمی نہ ہونے کی ضمانت نہیں ہوتی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ باشعور لڑکا بالغ آدمی کی امامت کر سکتا ہے کیوں کہ عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں سات سال کا تھا جب میں عہد نبوی میں امامت کرایا کرتا تھا(۷۹) شافعیہ کے نزدیک ایسے لڑکے کے پیچھے جمعہ کی نماز بھی جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔

۴۔یقینی مرد ہو جب کہ مقتدی مرد یا ہیجڑے ہوں۔ عورت اور ہیجڑہ مردوں کی امامت نہیں کر سکتے، نوافل میں نہ فرائض میں۔ اگر مقتدی سب عورتیں ہوں تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان کی امامت کے لیے مرد ہونا ضروری نہیں۔عورت عورتوں کی امامت کر سکتی ہے،جس کی دلیل حضرت عائشہؓ، ام سلمہؓ اور عطا کی روایات ہیں کہ'' عورت عورتوں کی امامت کر سکتی ہے''۔ دارقطنی نے حضرت ام ورقہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کی اجازت دی تھی۔

شافعیہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے، امام ان کے درمیان میں کھڑی ہو(۸۰) امام احمد سے دو روایات ہیں(۸۱) ایک یہ کہ عورتوں کی جماعت مستحب ہے اور دوسری یہ کہ مستحب نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک عورت کی امامت صحیح نہیں ہے۔امام ہونے کے لیے مرد ہونے کی شرط ہے۔(۸۲)

حنفیہ کے نزدیک(۸۳) مردوں کے بغیر صرف عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، خواہ تراویح کی ہو۔البتہ نماز جنازہ میں مکروہ نہیں ہے کیوں کہ یہ ایسا فرض ہے جو

بار بار نہیں آتا۔اگر عورتیں اپنی الگ جماعت کرائیں تو برہنہ افراد کی طرح ان کی امام بھی درمیان میں کھڑی ہو۔مکروہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کے لیے گھر کی بہ نسبت اپنے کمرے میں نماز پڑھنا بہتر ہے اور عام کمرے کی بہ نسبت اندر کی کوٹھڑی میں پڑھنا افضل ہے۔(۸۴) وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت میں کوئی ایک قباحت ضرور پیدا ہوتی ہے، یا تو ان کی امام درمیان میں کھڑی ہو اور یہ مکروہ ہے یا آگے کھڑی ہو اور عورتوں کے لیے یہ بھی مکروہ ہے، پس عورتیں برہنہ افراد کی طرح ہیں جن کے لیے الگ جماعت کا شرعی حکم نہیں ہے، اسی وجہ سے ان کے لیے اذان دینا جائز نہیں اذان جماعت کے لیے بلاوا ہے، اگر جماعت مکروہ نہ ہوتی تو اذان دینا جائز ہوتا۔

حنفیہ کے نزدیک عورتوں کے لیے مطلقاً جماعت میں، خواہ وہ جمعہ کی نماز ہو یا عید کی اور رات کے وقت وعظ میں جانا مکروہ ہے۔اگر فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو فقہ حنفی میں فتویٰ اس قول پر ہے کہ دن کے وقت مجلسِ وعظ میں جا سکتی ہیں، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ایسے گھر میں جہاں امام کے علاوہ اور کوئی مرد نہ ہو اور امام کی کوئی محرم خاتون مثلاً بہن یا بیوی بھی نہ ہو تو اکیلے مرد کا عورتوں کی امامت کرانا مکروہ ہے۔اگر اور مرد بھی ہوں یا کوئی محرم عورت ہو تو جائز ہے۔مسجد میں اکیلا مرد عورتوں کی امامت کرا سکتا ہے، یہ مکروہ نہیں۔یہ رائے حنابلہ کی رائے سے ہم آہنگ ہے، وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا کہ کوئی مرد اجنبی عورت سے تنہائی میں ملے، کیوں کہ اس سے برے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔

۵۔حدث اور نجاست سے پاک ہونا: بے وضو شخص کی یا جس شخص کو نجاست لگی ہو اس کی امامت درست نہیں کیوں کہ اس کی اپنی نماز بھی درست نہیں۔جمہور کے نزدیک ایسے شخص کو چاہے معلوم ہو یا بھول گیا ہو دونوں صورتوں میں امامت درست نہیں۔ مالکیہ

کہتے ہیں کہ شرط یہ ہے کہ آدمی دانستہ بے وضو نہ ہوا ہو، اگرچہ امام کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کا علم ہوا ہو۔ اگر امام دانستہ بے وضو ہوا تھا تو اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز باطل ہوگئی، اگر بھول گیا ہو اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد نجاست کا علم ہوا تو نماز درست ہے، کیوں کہ مالکیہ کے نزدیک نجاست سے پاک ہونا نماز کی صحت کے لیے شرط ہے بشرطیکہ نجاست سے آلودہ ہونے کا علم ہو۔ مقتدی کو امام کے بے وضو یا جنب ہونے کا علم ہوتے ہوئے نماز پڑھنا درست نہیں، البتہ چاروں مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ مقتدیوں کی نماز درست ہو جائے گی اور انہیں جماعت کا ثواب ملے گا۔ البتہ شافعیہ اور حنابلہ کی نزدیک نماز جمعہ اس سے اس صورت میں مستثنیٰ ہے، کہ جب چالیس یا اس سے زائد افراد نے ایسے بے وضو یا نجاست سے آلودہ امام کے پیچھے پڑھیں اور انہیں نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہو کہ امام بے وضو تھا یا اس کے ساتھ نجاست لگی ہوئی تھی۔ نماز درست ہونے کی دلیل ارشاد نبوی ہے کہ: اگر کوئی جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھا دے تو اپنی نماز دہرالے، لوگوں کی نماز درست ہو جائے گی۔ (۸۵)

شافعیہ کے نزدیک جس شخص پر نماز کا اعادہ واجب ہو اس کی اقتدا جائز نہیں مثلاً کسی مقیم نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کرلیا، یا کسی شخص کے بدن پر نجاست لگی ہوئی تھی اور اس نے زخم خراب ہونے کے ڈر سے اسے پاک نہیں کیا یا کسی شخص کو پانی اور مٹی کوئی چیز دستیاب نہیں تھی اور اس نے نماز پڑھی تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں۔

۶۔ قراءت کرنے پر قادر ہونا اور ارکان ادا کرسکنا: امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قدر قرآن پڑھ سکتا ہو جتنا نماز کے لیے ضروری ہے اور ارکان ادا کرسکتا ہو۔ جمہور کے نزدیک جو شخص قرآن پڑھ سکتا ہے اس کی نماز اس شخص کے پیچھے نہیں ہوتی جو قرآن نہیں پڑھ سکتا۔ (۸۶) اگر ایسا شخص غیر قاری کے پیچھے نماز پڑھ لے تو اپنی نماز کا اعادہ کرے، جیسا کہ گونگے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں خواہ مقتدی بھی گونگا ہو۔ جو شخص

رکوع، سجدہ یا قعدہ یا استقبال قبلہ سے یا نجاست کے بچنے سے معذور ہے اس کے پیچھے صرف اسی طرح کے معذور کی نماز ہو سکتی ہے دوسرے کی نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تین افراد کے علاوہ ہر قسم کا معذور اپنی طرح کے معذور کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ وہ تین افراد یہ ہیں: خنثیٰ مشکل، استحاضہ والی عورت اور متحیرہ (۸۷) (جسے معلوم نہ ہو کہ خون حیض کا ہے یا استحاضہ کا) کیوں کہ ممکن ہے اسے حیض آ رہا ہو۔

مالکیہ کے نزدیک امام کے لیے ارکان کی ادائیگی پر قدرت شرط ہے۔ اگر امام کسی قولی رکن مثلاً قراءت فاتحہ یا عملی رکن مثلاً رکوع، سجدہ یا قیام پر قدرت نہیں رکھتا تو اس کی اقتدا جائز نہیں، البتہ اگر امام اور مقتدی دونوں عذر میں برابر ہوں تو نماز درست ہے۔ چنانچہ اُمی (جو شخص قرآن نہ پڑھ سکتا ہو) اُمی کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ کوئی قراءت کرنے والا موجود نہ ہو، گونگا گونگے کا امام ہو سکتا ہے اور بیٹھ کر نماز پڑھنے والا اپنی طرح کے معذور کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ البتہ جو شخص اشارے سے نماز پڑھتا ہے خواہ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر یا لیٹ کر اس کے پیچھے اس طرح کے معذور کی نماز جائز نہیں ہے۔

۷۔ امام خود مقتدی نہ ہو۔ جو شخص خود کسی کا مقتدی ہو اس کے پیچھے اختیاری حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں کیوں کہ وہ خود دوسرے کا تابع ہے اور دوسرے کی بھول چوک سے متاثر ہوتا ہے جب کہ امام کو مستقل ہونا چاہیے تاکہ دوسرے کی بھول چوک کا ذمہ دار ہو سکے تو یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس پر اجماع ہے۔

اگر کوئی شخص مسبوق کے طور پر مقتدی تھا، امام کی نماز ختم ہونے پر جب وہ اپنی نماز پڑھ رہا ہے تو کیا اس کی اقتدا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں کئی آراء ہیں:

حنفیہ کے نزدیک (۸۸) مسبوق نہ تو خود کسی اور کی اقتدا کر سکتا ہے اور نہ اس کی اقتدا کی جا سکتی ہے کیوں کہ مسبوق دراصل دوسرے کا تابع ہے اور مقتدی کے قائم مقام ہے کیوں کہ اقتدا نام ہے امام کی تکبیر تحریمہ کے مطابق تکبیر تحریمہ کہنے کا۔ مقتدی نے اس

نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی جس کے لیے امام نے کہی۔ اگر اس کے لیے امام کی تکبیر تحریمہ بطور امام درست ہوگی تو اس کی اقتدا بھی درست ہوگی ورنہ نہیں۔

مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے(۸۹) کہ اگر مسبوق امام کی فراغت کے بعد اپنی نماز پڑھ رہا ہے تو اس کی اقتدا جائز نہیں۔ اگر مقتدی کو معلوم نہ ہو اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد علم ہو کہ اس کا امام کسی دوسرے کا مقتدی تھا تب بھی نماز درست نہیں ہوگی۔ البتہ مُدرک یعنی جسے امام کے ساتھ ایک رکعت سے کم میں شرکت کا موقع ملا، اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ مدرک امام کی نماز ختم ہونے کے بعد اپنے امام ہونے کی نیت کر سکتا ہے کیوں کہ اس کے لیے مقتدی ہونے کا حکم ثابت نہیں وہ اکیلے نمازی کی طرح ہے۔

حنابلہ کے نزدیک(۹۰) جب امام نے سلام پھیر لیا اور مقتدیوں میں سے کسی نے باقی ماندہ نماز پڑھانے کے لیے امام کا منصب سنبھال لیا یا امام مسافر تھا اور اس کے سلام پھیرنے کے بعد کسی مقیم مقتدی نے اپنے ساتھیوں کی امامت شروع کر دی تو نماز درست ہوگی کیوں کہ اس میں درحقیقت عذر کی بنا پر ایک جماعت سے دوسری جماعت کی طرف منتقل ہونا ہے اور یہ جائز ہے جیسا کہ (نماز میں خلیفہ بنانا۔ نماز کے دوران اپنی جگہ دوسرا امام کھڑا کرنا) جائز ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ نماز پڑھا رہے تھے، اتنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی اور لوگوں نے آپؐ کے ساتھ نماز مکمل کی۔ اس نوعیت کا ایک واقعہ اور بھی ہے اور دونوں احادیث صحیح اور متفق علیہ ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز ہے یا مقتدی امام سے الگ ہونے کی نیت کرے تب بھی اس کی اقتدا جائز ہے کیوں کہ حنابلہ کے نزدیک امام سے الگ ہونے کی نیت کرنا صحیح ہے، البتہ نماز جمعہ اس

سے مستثنیٰ ہے، اس میں ایسی صورت میں اقتدا جائز نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک (۹۱) امام کے سلام پھیرنے یا بے وضو ہونے کے ساتھ ہی اقتدا ختم ہو جاتی ہے کیوں کہ امام اور مقتدی کا رابطہ باقی نہیں رہتا، یہی وجہ ہے کہ مقتدی اپنی بعد کی غلطی کا الگ سجدہ سہو کرتا ہے، پس وہ امام بھی ہو سکتا ہے اور مقتدی بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مالکیہ اور حنفیہ مقتدی کی امامت کو جائز قرار نہیں دیتے اور حنابلہ و شافعیہ جائز قرار دیتے ہیں اور یہی اولیٰ ہے۔

۸۔حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ امام عذر سے محفوظ ہو (۹۲) مثلاً دائمی نکسیر یا مسلسل ہوا خارج ہونا یا سلسل البول وغیرہ۔ جس شخص کو ان میں سے کوئی عذر لاحق ہو وہ امامت نہیں کروا سکتا، البتہ اپنے جیسے معذور کا امام ہو سکتا ہے بشرطیکہ امام اور مقتدی دونوں کا عذر ایک ہی ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش میں اپنے صحابہ کو اشارے سے نماز پڑھائی۔ اگر امام اور مقتدی کے عذر الگ الگ ہوں تو امامت جائز نہیں۔ سلس البول کا مریض اپنے جیسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے لیکن ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جسے سلس البول بھی ہو اور مسلسل ہوا خارج ہونے کا عارضہ بھی کیوں کہ امام کو دو عذر لاحق ہیں اور مقتدی کو صرف ایک البتہ اگر مقتدی کو دو عذر ہوں اور امام کو ان میں سے کوئی ایک تو ایسے مقتدی کی نماز درست ہے۔ اس کے برعکس جائز نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک امام کا عذر سے محفوظ ہونا شرط نہیں بلکہ معذور آدمی کے پیچھے صحت مند شخص کی نماز مکروہ ہے۔ اگر کسی شخص کو سلس البول کا مستقل عارضہ لاحق ہے اور نماز کا نصف وقت اس میں گزر جاتا ہے یا کسی کو مسلسل ہوا خارج ہوتے رہنے کی تکلیف ہے تو ایسے شخص کی امامت جائز ہے کیوں کہ ان سے مالکیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔

شافعیہ کے ہاں بھی یہ شرط نہیں۔ ایسے عذر والے کی امامت جائز ہے جس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز صحت مند مقتدی کے لیے دہرانا واجب نہیں۔

۹۔امام کی زبان درست ہو اور حروف کو صحیح طور پر ادا کر سکتا ہو۔ ایسا شخص جو حروف کو تبدیل کر دیتا ہے مثلاً راء کو غین یا سین کو ثاء یا ذال کو زاء پڑھتا ہے اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ ہاں اگر مقتدی بھی اسی طرح کا ہو تو پھر جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ایسا شخص جو لکنت کے باعث ایک حرف کو دوبارہ مثلاً تاء کو یا فاء کو دو یا زیادہ بار پڑھتا ہے اس کے پیچھے بھی نماز درست نہیں ہے البتہ اگر مقتدی بھی اسی طرح کا ہو تو نماز جائز ہے۔

حنابلہ کے نزدیک المغضوب اور الضالین کے ضاد کو جو شخص ظاء سے بدل دیتا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کے پیچھے اس شخص کی نماز درست ہے جو ضاء کا صحیح تلفظ کرتا ہے کیوں کہ اس تبدیلی سے امام اُمّی نہیں قرار پاتا۔

ارت یعنی وہ شخص جو ایسی جگہ ادغام کرتا ہے جو ادغام کی جگہ نہیں ہے جیسے المستقیم کو تاء کے ساتھ یا سین کے ساتھ پڑھے مثلاً اَمتقیم یا جو شخص سورۂ فاتحہ میں کوئی حرف درست نہیں پڑھتا یا تشدید کے ساتھ پڑھتا ہے تو شافعیہ کے نزدیک وہ بھی الثغ کی طرح ہے یعنی ایسے شخص کی طرح جو ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیتا ہے۔ اس کی امامت درست نہیں البتہ اگر مقتدی بھی اسی طرح کا ہو تو جائز ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ تاء یا فاء کو مکرر پڑھنے والے کے پیچھے صحت مند افراد کی نماز بھی جائز ہے البتہ مکروہ ہے۔

مخالف فقہی مذہب کے حامل امام کے پیچھے نماز:

۱۰۔حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ امام کی نماز مقتدی کے فقہی مذہب کے مطابق درست ہو۔ اگر کوئی حنفی کسی ایسے شافعی کے پیچھے نماز پڑھتا ہے جس کے بدن سے خون بہ نکلا تھا، بعد میں اس نے وضو نہیں کیا یا کسی شافعی نے کسی ایسے حنفی کے

پیچھے نماز پڑھی جس نے مثلاً کسی عورت کو چھولیا تھا تو مقتدی کی نماز نہیں ہوگی کیوں کہ اس کے مذہب کے مطابق امام کی نماز درست نہیں۔

حنفیہ نے اس کا اضافہ کیا ہے(۹۳) کہ شافعیہ کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔اور شافعیہ کہتے ہیں(۹۴) کہ افضل یہ ہے کہ شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے نہ کہ حنفی وغیرہ کے پیچھے کیوں کہ وہ بعض ارکان وشرائط کے وجوب کا اعتقاد نہیں رکھتے۔اگر ان کو ادا کریں تب بھی ان کا اعتقاد یہ نہیں کہ وہ ارکان واجب ہیں۔

مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے(۹۵) کہ نماز درست ہونے کے لیے امام کے نزدیک جو شرائط ہیں انہیں کا اعتبار ہے۔اگر کسی مالکی یا حنبلی نے کسی ایسے حنفی یا شافعی کے پیچھے نماز پڑھی جس نے وضو میں سارے سر کا مسح نہیں کیا تھا جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے تو بھی مقتدی کی نماز درست ہے کیوں کہ امام کے اپنے مذہب کے مطابق نماز درست ہے۔

البتہ اقتدا درست ہونے کے جو امور شرط ہیں ان میں مقتدی کے مذہب کا اعتبار ہے۔اگر کسی مالکی اور حنبلی نے نفل پڑھنے والے شافعی کے پیچھے فرض نماز پڑھنی شروع کی تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیوں کہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔امام اور مقتدی کی نماز کا ایک ہونا اقتدا کی صحت کے لیے شرط ہے۔

میری رائے میں پہلی صورت میں مالکیہ اور حنابلہ کے مذہب پر عمل کرنا ضروری ہے کیوں کہ منطقی طور پر یہی درست ہے اور فقہی مذاہب کے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے کیوں کہ نماز میں امام کے مذہب کا اعتبار ہے۔صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے اہل علم فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہے، اس پر اجماع ہے اور اس سے مذہبی تعصب کا

خاتمہ ہوتا ہے۔

۱۱۔حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ امام عادل ہو، فاسق کے پیچھے فاسق کی نماز بھی نہیں ہوتی(۹۶) اگر کسی شخص نے کسی فاسق کے پیچھے نماز پڑھی اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فاسق تھا تو نماز جمعہ اور عیدین کے علاوہ نمازوں کا اعادہ کرے۔اگر عادل امام میسر نہ ہوتو فاسق کے پیچھے جمعہ اور عیدین کی نمازیں جائز ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ امام نماز سے متعلق امور کے بارے میں فاسق نہ ہو مثلاً نماز کی شرائط اور فرائض سے لا پرواہی برتتا ہو کہ بے وضو نماز پڑھ لیتا ہو یا سورۂ فاتحہ کی قراءت چھوڑ دے۔اگر اس کا فسق نماز سے متعلق نہیں مثلاً زانی یا شرابی ہے تو اس کی امامت راجح قول کے مطابق جائز ہے مگر مکروہ۔

۱۲۔ مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ امام جماعت کی فضیلت کے حصول کے لیے نماز دوبارہ نہ پڑھ رہا ہو۔ اگر دوبارہ پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز درست نہیں کیوں کہ دوبارہ پڑھنے والے کی نماز نفل ہے اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔نیز یہ ضروری ہے کہ امام نماز کے اس طریقے سے آگاہ ہو۔جس کے مطابق نماز درست ہوتی ہے، اس کی شرائط سے واقف ہو مثلاً وضو اور غسل صحیح طریقے سے کرنے سے واقف ہو اگر چہ ارکان اور آداب میں امتیاز نہ کرے۔

۳۔ امامت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

ہمارے موجودہ حالات میں امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو نماز کے احکام و مسائل کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔فقہ سے یہی مراد ہے البتہ فقہاء نے اس کے بارے میں ایک ترتیب بیان کی ہے اس لیے ہر مذہب کی ترتیب الگ الگ بیان کرنا

مستحسن معلوم ہوتا ہے۔

حنفی مذہب کے مطابق (۹۷) امامت کا سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہے جو نماز کے صحیح اور فاسد ہونے کے مسائل سے آگاہ ہو، ظاہری برائیوں سے بچتا ہو اور اسے اتنا قرآن یاد ہو جس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

پھر جس کی تلاوت عمدہ ہو اور تجوید میں مہارت رکھتا ہو کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: لوگوں کو وہ شخص امامت کرائے جو قرآن سب سے زیادہ جانتا ہو، اگر قراءت میں برابر ہوں تو جو سنت کا زیادہ علم رکھتا ہو۔(۹۸)

پھر جو سب سے متقی ہو یعنی مشتبہ امور سے بچتا ہو۔ تقوی سے مراد حرام کاموں سے بچنا ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے" اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو علماء کو امام بناؤ کیوں کہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان نمائندے ہیں۔(۹۹)

پھر وہ شخص جو عمر میں بڑا ہے کیوں کہ اس میں خشوع زیادہ ہو گا اور اسے آگے کرنے میں جماعت بڑی ہو گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی ملیکہؒ سے فرمایا تھا: تم میں سے بڑا امامت کرائے۔(۱۰۰)

پھر وہ شخص جو خوش اخلاق زیادہ ہو، لوگ اس سے زیادہ مانوس ہوں، پھر وہ جو خوب رو ہو (یعنی تہجد گزار ہو) پھر وہ جو عالی نسب ہو اور پھر وہ جس کے کپڑے زیادہ صاف شفاف ہوں۔

اگر ان امور میں سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی کر لی جائے یا جسے لوگ زیادہ پسند کریں اگر لوگوں کی آرا میں اختلاف ہو تو اکثریت کی رائے کا اعتبار ہے۔

اگر نمازیوں میں بادشاہ موجود ہو تو وہ نماز پڑھائے، پھر گورنر، پھر قاضی، پھر صاحب خانہ خواہ مکان کرائے پر ہو کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جو کسی کو ملنے جائے تو ان کی امامت نہ کرائے بلکہ انہیں میں سے کوئی شخص امامت کرے۔(۱۰۱) قاضی امام مسجد کی بہ نسبت

امامت کا زیادہ حق دار ہے۔

پس بادشاہ یا قاضی کو آگے کھڑا کیا جائے اگر وہ نہ ہوں تو صاحب خانہ کو، اور مسجد کا مستقل امام صاحب خانہ کی طرح ہے اور وہ دوسرے کی بہ نسبت امامت کا مطلقاً زیادہ حق دار ہے۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے(۱۰۲) کہ اگر کسی مسجد کا مستقل امام ہو تب بھی بادشاہ یا اس کے نائب کو امام بنانا مستحب ہے پھر مسجد کے مستقل امام کا استحقاق ہے اور پھر صاحب خانہ کا۔کرایہ دار کو مالک پر برتری حاصل ہے کیوں کہ کرایہ دار مکان کے منافع کا مالک ہے۔اگر گھر کی مالکہ عورت ہے تو وہ ایسے شخص کو امام بنائے جو امامت کا اہل ہے کیوں کہ عورت کی امامت جائز نہیں اور بہتر یہ ہے کہ ان میں سے افضل کو امامت کے لیے کھڑا کرے۔

پھر جو فقہ میں یعنی نماز کے مسائل کے علم میں سب سے بڑھ کر ہو پھر جو سنت یا حدیث کے حفظ و روایت میں ممتاز ہو، پھر جو عمدہ قاری ہو یعنی قراءت قرآن اور مخارج حروف کی معرفت اور اس کے مطابق تلاوت میں ماہر ہو پھر جو زیادہ عبادت گزار ہو یعنی نماز روزہ وغیرہ زیادہ کرتا ہو، پھر جو پرانا مسلمان ہو پھر جو عالی نسب ہو مثلاً قریشی ہو، جس شخص کا نسب معلوم ہے اسے اس پر برتری حاصل ہے جس کا نسب معلوم نہیں، پھر جو خوش خلق ہو، پھر جس کا لباس عمدہ ہو اور اس نے نئے مباح کپڑے پہنے ہوئے ہوں، ریشم نہ پہنا ہو شرعاً عمدہ لباس خالص سفید لباس ہے نیا ہو چاہے پرانا۔اگر ان امور میں سب برابر ہوں تو جو زیادہ متقی (۱۰۳) اور زاہد اور آزاد ہو وہ دوسروں پر مقدم ہے۔ عادل کو ایسے شخص پر برتری حاصل ہے جس کے بارے میں معلوم نہ ہو، باپ کو بیٹے پر، چچا کو بھتیجے پر برتری حاصل ہے۔اگر ان تمام امور میں برابر ہوں تو اگر باہمی رضا مندی سے کسی کو امام بنانے پر تیار نہ ہوں تو قرعہ اندازی کر لیں۔

شافعیہ کا مذہب(۱۰۴) یہ ہے کہ امامت کا سب سے زیادہ مستحق حکمران ہے جب کہ وہ اپنے حلقہ نیابت میں ہو کیوں کہ ارشاد نبوی ہے "کوئی شخص کسی دوسرے کے دائرہ اختیار میں امامت نہ کرائے اور نہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی مسند پر بیٹھے" (۱۰۵) شوکانی کہتے ہیں کہ بظاہر صاحب اختیار سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کا حکمران ہے، صاحب خانہ وغیرہ مراد نہیں، پس حاکم کو خود امامت کرانی چاہیے یا کسی کو آگے کرنا چاہیے خواہ کسی دوسرے کی مملوکہ جگہ پر ہو، نیز کوئی دوسرا شخص اس سے بہتر قاری، زیادہ فقیہ، متقی اور اہل علم وفضل ہو تب بھی حکمران کا اپنے دائرہ اختیار میں امامت کا استحقاق فقیہ اور گھر کے مالک کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

پھر مستقل امام، پھر وہ شخص جو کسی کی جگہ رہتا ہے اگر امامت کا اہل ہو، (فقیہ کی بہ نسبت منافع کا مالک امامت کا زیادہ حق دار ہے، کرایہ دار مالک مکان سے زیادہ امامت کا مستحق ہے اور عاریت پر دینے والا لینے والے کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے) اور اگر اہل نہ ہو تو کسی دوسرے کو آگے کرے۔

پھر جو زیادہ فقیہ ہو، پھر جو بہتر قاری ہو، پھر جو زیادہ متقی ہو، پھر جس نے پہلے ہجرت کی ہو، پھر جو پہلے اسلام لایا ہو پھر جو نسب میں افضل ہو، پھر جو سیرت میں بہتر ہو پھر جس کا لباس صاف ستھرا ہو، پھر جس کا بدن صاف ہو، پھر جس کا پیشہ عمدہ ہو، پھر جس کی آواز اچھی ہو، پھر جو خوب صورت ہو پھر جو شادی شدہ ہو۔

اگر مذکورہ تمام امور میں سب افراد برابر ہوں اور کسی ایک امام پر اتفاق نہ ہو تو قرعہ اندازی کر لیں، عادل شخص فاسق سے اولیٰ ہے، فاسق خواہ زیادہ فقیہ اور عمدہ قاری ہو اور بالغ بچے سے بہتر ہے، بچہ خواہ زیادہ فقیہ اور قاری ہو اور آزاد غلام سے، مقیم مسافر سے اور حلال زادہ حرام زادہ سے اور بینا اور نابینا اس لیے برابر ہے، کہ نابینا ایسی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتا جو خشوع میں رکاوٹ بنتی ہیں تو وہ زیادہ خشوع والا ہے، اور بینا نجاست کو دیکھ کر

اس سے بچتا ہے اس لیے وہ نجاست سے زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔

حنابلہ کا مذہب یہ ہے(۱۰۶) کہ امامت کا سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہے جو عمدہ قراءت کرے اور فقیہ ہو کیوں کہ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے: جب تم تین ہو تو تم میں سے ایک امامت کرائے اور امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے جو بہتر قاری ہے۔(۱۰۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت کے لیے آگے کھڑا کیا کیوں کہ آپؓ حافظ قرآن تھے تو تمام صحابہ سے بڑے فقیہ تھے۔ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ قاری کو فقیہ پر برتری حاصل ہے کیوں کہ حضرت ابو مسعودؓ کی مذکورہ بالا روایت میں ہے ''تم میں سے جو قرآن زیادہ بہتر پڑھتا ہے وہ امامت کرائے'' یہ رائے دوسرے ائمہ مجتہدین کے مذاہب کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک فقیہ کو قاری پر برتری حاصل ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ صحابہ میں سے جو بہتر قاری ہوتے تھے فطری طور پر وہ زیادہ فقیہ بھی ہوتے تھے جب کہ آج یہ معاملہ نہیں ہے اور امامت کے لیے قراءت کی بہ نسبت فقہ کی ضرورت زیادہ ہے۔

پھر وہ شخص جس کی قراءت عمدہ ہو اور فقیہ ہو، پھر وہ جس کی قراءت عمدہ ہو اور فقیہ نہ ہو بشرطیکہ نماز کے ضروری احکام و مسائل سے واقف ہو، پھر وہ شخص جو فقیہ ہو اور نماز کے احکام زیادہ جانتا ہو۔ قاری جو فقہ سرے سے نہیں جانتا اس فقیہ سے افضل ہے جو سورۂ فاتحہ اچھے طریقے سے نہیں پڑھ سکتا کیوں کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہے جب کہ نماز کے مسائل کا علم ارکان نماز میں سے نہیں ہے۔ اگر قراءت نہ کر سکنے میں برابر ہوں تو جو نماز کے مسائل زیادہ جانتا ہے اسے امام بنایا جائے۔

اگر قراءت اور فقہ میں برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو کیوں کہ مالک بن الحویرثؓ مذکرہ بالا حدیث میں ہے ''تم میں سے عمر میں بڑا امامت کرائے'' پھر جو نسب میں بہتر یعنی قریشی ہو اس امامت کو امامت کبریٰ (دنیوی حکمرانی) پر قیاس کریں گے کیوں کہ ارشا

نبوی ہے: ’’حکمران قریش میں سے ہوں گے‘‘(۱۰۸) پھر جس نے ہجرت پہلے کی ہو کیوں کہ اسے اسلام کی حالت میں دارالاسلام میں پہنچنے میں سبقت حاصل ہے،(۱۰۹) اسی طرح جو پہلے مسلمان ہوا ہو کیوں کہ ابو مسعودؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے ’’اگر ہجرت میں برابر ہوں تو جو پہلے مسلمان ہوا ہو‘‘۔

پھر جو زیادہ متقی ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ الحجرات ۴۹: ۱۳)

اگر مذکورہ بالا تمام امور میں برابر ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے۔

حکمران کو مطلقاً دوسرے افراد پر برتری حاصل ہے نیز مسجد میں مستقل امام نماز پڑھائے اور گھر میں صاحب خانہ اگر امامت کا اہل ہے تو وہ دوسروں کی بہ نسبت امامت کا زیادہ حق دار ہے۔

۴۔ جن لوگوں کی امامت مکروہ ہے، امامت کے مکروہات:

بعض افراد کی امامت مکروہ ہے، جو درج ذیل ہیں:(۱۱۰)

ا۔ فاسق عالم کی امامت مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اپنے جیسے فاسق عالم کے لیے بھی مکروہ ہے کیوں کہ وہ دین کا اہتمام نہیں کرتا۔ حنابلہ نے جمعہ اور عیدین کی نمازیں اس سے مستثنیٰ قرار دی ہیں کیوں کہ ان میں ضرورت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک فاسق عالم اپنے جیسے افراد کی امامت کرا سکتا ہے کراہت کی دلیل حضرت جابرؓ کی حدیث ہے جسے ابن ماجہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرائے، نہ اعرابی کسی مہاجر کی اور نہ فاجر کسی مومن کی، ہاں اگر اس پر زبردستی کی جائے اور اسے قتل ہونے یا کوڑے لگنے کا ڈر ہو تو درست ہے‘‘۔

ایسے شخص کی امامت درست ہے کیوں کہ بخاری اور مسلم میں ہے کہ ابن عمرؓ حجاج کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور روایت ہے کہ ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا

کرو۔(۱۱۱)

۲۔ ایسا بدعتی جس کی بدعت کی بنا پر تکفیر نہ کی گئی ہو فاسق کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بدتر بدعتی وہ شخص ہے جو کسی بدعت کا ایجاد کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف سنت کے خلاف عمل کا اعتقاد رکھے لیکن ضد اور عناد کے باعث نہیں بلکہ کسی شبہ کی وجہ سے جیسا کہ شیعہ پاؤں پر مسح کرتے ہیں اور موزوں پر مسح کرنے کے منکر ہیں، وغیرہ۔

یاد رہے کہ جو لوگ ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں ان کی کسی ایسے بدعت کے باعث جو شبہ پر مبنی ہو تکفیر جائز نہیں حتیٰ کہ خوارج جو مسلمانوں کا خون بہانا اور ان کا مال چھیننا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا جائز سمجھتے ہیں اور اللہ کی صفات اور اس کے دیدار کے جواز کے منکر ہیں انہیں بھی کافر نہیں قرار دیا جائے گا کیوں کہ ان کی ان آراء کی بنیاد تاویل اور شبہ ہے۔ان کے کافر نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

ایسے بدعتی جو ان امور کا انکار کریں جو دین میں بداہتاً ثابت ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کو عام اجسام کی طرح کا جسم قرار دیں یا حضرت صدیق اکبرؓ کی صحابیت کا انکار کریں جس کی بنا پر نص قرآنی اذ یقول لصاحبہ (جب آپؐ نے اپنے ساتھی سے کہا، التوبہ ۹:۴۰) کی تکذیب ہوتی ہے، ان کی اقتدا بہرحال جائز نہیں۔

۳۔ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے کیوں کہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا۔حنفیہ کے نزدیک اگر وہ سب سے بڑا عالم ہو تو پھر مستثنیٰ ہے اور وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے۔

شافعیہ نے اندھے کی امامت بلا کراہت جائز قرار دی ہے، وہ بینا کی طرح ہے کیوں کہ اندھے کی نماز میں خشوع زیادہ ہوتا ہے اور بینا نجاست سے بچتا ہے، گویا دونوں میں ایک ایک ایسی خوبی ہے جو دوسرے میں نہیں۔تمام فقہاء کے نزدیک نابینا کی امامت

جائز ہے کیوں کہ یہ روایت صحیح ہے کہ ابن عباسؓ نابینا ہو گئے تھے اور امامت کراتے تھے۔حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتومؓ کو اپنا قائم مقام بنایا تھا، وہ نماز پڑھاتے تھے، جب کہ نابینا تھے۔(۱۱۲)نیز نابینا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حواس میں سے ایک حاسہ کا فقدان ہے جس کی وجہ سے نماز کے افعال اور شرائط میں کوئی خلل نہیں پڑتا، یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کی قوت شامہ(سونگھنے کی صلاحیت) نہ ہو۔جس شخص کو دن میں یا رات میں نظر نہ آتا ہو وہ بھی نابینا کی طرح ہے، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک بہرا شخص بھی نابینا کی مانند ہے، اَولیٰ یہ ہے کہ اس کی امامت صحیح ہے۔

جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں قاضی ابو یعلیٰ کی مستند روایت کے مطابق اس کی امامت درست ہے اور ایک مرجوح روایت کے مطابق درست نہیں، جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اسے امام بنانا صحیح نہیں ہے۔

۴۔ اگر لوگ ناپسند کرتے ہوں تو ان کی امامت کرنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ حدیث میں ہے:اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو لوگوں کی ناپسندیدگی کے باوجود آگے کھڑا ہو جائے۔(۱۱۳)

۵۔ سنت قراءت اور اذکار سے زیادہ لمبی نماز پڑھانا مکروہ ہے، حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے،خواہ لوگ اسے پسند کریں یا نہ۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر لوگ خوش دلی سے لمبی نماز کے لیے تیار ہوں تو لمبی نماز پڑھانا مستحب ہے کیوں کہ اس میں کراہت کی علت نہیں پائی جاتی اور علت ہے لوگوں کو متنفر کرنا۔

لمبی نماز کے مکروہ ہونے کی دلیل کئی احادیث ہیں: مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھائے تو ہلکی پھلکی نماز پڑھائے کیوں کہ نمازیوں میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور اگر اکیلے نماز

پڑھے تو جتنی چاہے لمبی پڑھ لے۔(۱۱۴) ابومسعود انصاریؓ اور عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں فلاں شخص کی وجہ سے فجر کی نماز میں شریک نہیں ہوتا کیوں کہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے وعظ میں کبھی اس قدر غصے میں نہیں دیکھا جتنا آپؐ اس روز غصے میں تھے،آپؐ نے فرمایا: لوگو، تم میں سے کچھ لوگ لوگوں کو متنفر کرتے ہیں، جو کوئی نماز پڑھائے، مختصر پڑھائے کیوں کہ نماز میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔ (۱۱۵) اس کا مفہوم یہ ہے کہ تسبیح اور نماز کے دوسرے اجزاء میں اتنی مقدار پر اکتفا کرے جس سے کمال کا ادنی درجہ حاصل ہوتا ہے۔

۶۔ آنے والے کا انتظار: شافعیہ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے(۱۱۶) کہ آنے والے کا انتظار مکروہ ہے کیوں کہ یہ عبادت میں شرک ہے اس لیے ریا کاری کی طرح ممنوع ہے، نیز اس کے باعث مسجد میں موجود نمازی مشقت میں مبتلا رہتے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بھی ایسا نہ ہو جسے انتظار کے باعث مشقت نہ ہو رہی ہو۔آنے والے کی بہ نسبت جو لوگ موجود ہیں وہ احترام کے زیادہ مستحق ہیں۔آنے والے کے مفاد کے لیے موجود لوگوں کو مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے(۱۱۷) کہ نماز کی جگہ پر امام یا اکیلے نمازی کے لیے رکوع کی حالت میں بشرطیکہ وہ سورج گرہن کی نماز نہ ہو اور جماعت کے آخری تشہد میں آنے والے کا اتنا انتظار کر لینا مستحب ہے لیکن وہ انتظار اتنا طویل نہ ہو جائے کہ اگر ساری نماز کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس کا اثر محسوس ہو، دوسرے مواقع پر انتظار نہ کیا جائے۔البتہ انتظار میں دوستی، عزت و منصب وغیرہ کا لحاظ نہ رکھا جائے۔انتظار کے مستحب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں رکعت ملنے اور جماعت کا ثواب حاصل کرنے پر مدد دینا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ پہلی رکعت اتنی لمبی کرتے تھے کہ

آپ کو لوگوں کے قدموں کی چاپ سنائی دینا بند ہو جاتی۔ نیز جو شخص نماز کے انتظار میں ہے وہ نماز میں ہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کا انتظار کیا کرتے تھے اور نماز خوف میں انتظار کرنے کا شرعی حکم ہے تاکہ دوسرا گروہ آ کر جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے۔

ابن قدامہ حنبلی اس مسئلہ میں شافعیہ کے ہم خیال ہیں اور حنابلہ میں سے قاضی کی رائے یہ ہے کہ انتظار جائز ہے مستحب نہیں، اہل علم وفضل اور قابل احترام لوگوں کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ بکثرت ایسی غلطیاں کرنے والے کی جس سے معنی تبدیل نہ ہوں امامت مکروہ ہے مثلاً الحمد کی دال کو زیر اللہ کی ہاء کو زبر اور رب کی باء کو زبر سے پڑھے۔ البتہ اس کے پیچھے غلطیاں نہ کرنے والے کی نماز جائز ہو جائے گی کیوں کہ اس نے فرض قراءت کا حکم پورا کر دیا ہے۔

۸۔ جو شخص بعض حروف مثلاً ضاد، قاف وغیرہ واضح طور پر ادا نہ کر سکے اس کی امامت مکروہ ہے البتہ نماز درست ہو جاتی ہے، خواہ ایسا شخص عجمی ہو یا عربی، حنفیہ کے علاوہ جمہور نے کہا ہے ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ جو شخص تاء یا فاء کی تکرار کرتا ہو اس کی امامت مکروہ ہے البتہ ایسے افراد کے پیچھے نماز درست ہو جاتی ہے کیوں کہ وہ پورے حروف ادا کرتے ہیں اور جن حروف کا اضافہ کر لیتے ہیں ان کے سلسلے میں بے بس ہیں۔ جس کی معافی ہے البتہ اس اضافے کے باعث انہیں آگے کھڑا کرنا مکروہ ہے۔

۹۔ دیہاتی، بادیہ میں رہنے والے کو شہریوں کا امام بنانا مکروہ ہے البتہ دیہاتیوں کے لیے جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک، ترک، کرد اور عام آدمی بھی دیہاتی کی طرح ہے کیوں کہ ان میں خشک مزاجی ہوتی ہے جب کہ امام سفارشی ہوتا ہے، اسے نرمی اور رحمت کا

حائل ہونا چاہیے نیز دیہاتی جاہل ہوتے ہیں اور جاہل کی امامت خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی عالم کی موجودگی میں مکروہ ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر دیہاتی دین دار ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۰۔ امام کا مقتدیوں سے ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ بلند جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے، خواہ اس کی نیت نماز کا طریقہ سکھانے کی ہو یا کوئی اور کیوں کہ حضرت حذیفہؓ اور ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص لوگوں کی امامت کرائے تو ان سے بلند جگہ پر نہ کھڑا ہو(۱۱۸) ابن مسعودؓ اس سے منع کیا کرتے تھے۔ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک مقتدیوں کا امام سے ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ بلند جگہ پر کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کراہت اس وقت ہے جب امام کے ساتھ کوئی ایک مقتدی بھی امام کے برابر نہ کھڑا ہو، اگر کم از کم ایک یا ایک سے زیادہ مقتدی امام کے ساتھ کھڑے ہوں تو مکروہ نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے، جمعہ مسجد کی چھت پر جائز نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک اگر کسی مجبوری، ضرورت یا مقتدیوں کو نماز کا طریقہ سکھانے کے لیے امام بلند جگہ پر کھڑا ہو تو جائز ہے۔ اگر امام تکبر کے طور پر اونچی جگہ پر کھڑا ہو تو اس کی اور مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی کیوں کہ تکبر نماز کے منافی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک جو مقتدی امام سے پست جگہ پر ہے اس کی نماز مکروہ ہے، جو امام کے برابر ہے یا امام سے اونچا ہے اس کی مکروہ نہیں کیوں کہ حدیث کا اطلاق ان افراد پر ہوتا ہے جو نیچے کھڑے ہوں۔

حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر امام تھوڑا اونچی جگہ پر ہو مثلاً منبر کی ایک سیڑھی کے برابر یعنی ایک بالشت یا ایک ہاتھ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ نیز مالکیہ کے نزدیک اگر لوگوں کی تعلیم کے لیے امام تھوڑی بلند جگہ پر کھڑا ہو تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ حضرت سہلؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کی نچلی سیڑھی پر نماز ادا کی۔(۱۱۹)

۱۱۔ حنابلہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک ولد زنا کے پیچھے نماز مکروہ ہے بشرطیکہ نماز پڑھانے والا اور کوئی شخص موجود ہو، کیوں کہ اس کے لیے تربیت، تادیب اور تعلیم دینے والا کوئی باپ نہیں تھا اس لیے اس پر جہالت کا غلبہ ہوگا اور لوگ ایسے شخص سے نفرت کرتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اگر جاہل ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے اور اگر متقی عالم ہو تو اس کی امامت مکروہ نہیں کیوں کہ کراہت کا تعلق ذات سے نہیں نقائص سے ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ایسے شخص کو مستقل امام بنانا مکروہ ہے۔ شافعیہ نے کہا ہے کہ ولد زنا اپنے ایسے افراد کی امامت کرا سکتا ہے۔

مختلف مذاہب میں امامت کے مکروہات

مذہب حنفیہ (۱۲۰)

بے ریش خوب رو لڑکے کی امامت مکروہ ہے، خواہ وہ سب سے زیادہ عالم ہو بشرطیکہ اس کی وجہ سے فتنے اور شہوت کا اندیشہ ہو ورنہ اظہر روایت یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔ بے وقوف (جو اپنے معاملات شرعی اور عقلی تقاضوں کے مطابق طے نہ کرتا ہو)، فالج زدہ، ایسے برص والے شخص کی جس کا برص پھیل گیا ہو۔ کوڑھی، جس شخص کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو، جس نے پیشاب روک رکھا ہو، لنگڑا جو پورے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکتا ہو، جس کا ہاتھ کٹا ہو، شرابی (۱۲۱) سود خور، چغل خور (جو فتنہ فساد کی خاطر لوگوں کی باتیں ایک دوسرے کے پاس بیان کرتا ہو، کی امامت مکروہ ہے چغلی کرنا کبیرہ گناہ ہے اور اسے مان لینا حرام ہے) ریا کار (جو لوگوں کو دکھانا چاہتا ہو، خواہ نیکیوں میں خوب صورتی پیدا کرنے کے ذریعے یا اور کسی طریقے سے) تکلف سے نیک بننے والے کی امامت بھی مکروہ ہے جو شخص تنخواہ لے کر امامت کرے اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔ البتہ اگر وقف کرنے والے نے تنخواہ کی شرط عائد کی ہو تو امامت مکروہ نہیں کیوں کہ ایسا معاوضہ درحقیقت صدقہ اور امداد کے زمرے میں آتا ہے۔ مستقل امام اگر بڑی جماعت کو نماز پڑھا رہا ہے تو اس کے لیے

محراب کے علاوہ کسی اور جگہ کھڑے ہونا مکروہ تنزیہی ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام صف کے درمیان میں نہ ہو، اگر درمیان میں کھڑا نہیں تو کوئی حرج نہیں۔

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

مذہب مالکیہ (۱۲۲)

سلس البول اور جس کے زخم سے خون بہ رہا ہو اس کا صحت مند افراد کو نماز پڑھانا مکروہ ہے اس طرح ہر وہ شخص جس کو نجاست سے ملوث ہونا معاف ہے صاف ستھرے آدمی کو نماز پڑھائے تو مکروہ ہے، اپنے جیسے کو پڑھا سکتا ہے۔

جس کے ختنے نہ ہوئے ہوں اس کی امامت بھی مکروہ ہے، جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ عادل ہے یا فاسق نیز جس کے نسب کا پتہ نہ ہو اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔

بعض لوگوں کی امامت ایک حال میں مکروہ اور دوسرے میں صحیح ہے:

خصی اور ایسے شخص کو جو عورتوں کی طرح لوچ اور نزاکت سے گفتگو کرتا ہے اور ولد حرام کو فرض یا عید کی سنتوں کا مستقل امام بنانا مکروہ ہے اور اگر مستقل امام نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ مقتدی کا امام کے آگے یا سامنے بلا ضرورت نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگر ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں۔

کشتی کے نچلے حصے والے اوپر کے حصے میں کھڑے امام کی اقتدا میں نماز پڑھیں تو مکروہ ہے کیوں کہ وہ امام کے افعال وحرکات کو دیکھ نہیں سکتے اور کبھی کشتی گھوم بھی جاتی ہے تو نماز کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جائز ہے۔ یعنی اوپر والا نیچے والے کی اقتدا کر سکتا ہے۔ مسجد حرام میں کھڑے افراد جبل بوقبیس پر کھڑے امام کی اقتدا کریں تو مکروہ ہے کیوں کہ وہ امام کے تمام افعال کو دیکھ نہیں سکتے۔جبل بوقبیس حجر اسود کے سامنے ایک بلند پہاڑی ہے۔

ایک مرد کی عورتوں کے درمیان اور ایک عورت کی مردوں کے درمیان نماز مکروہ ہے

امام کے لیے مسجد میں کندھوں پر چادر ڈالے بغیر نماز پڑھانا مکروہ ہے، مقتدی اور نمازی کے لیے کندھوں پر چادر ڈالے بغیر نماز پڑھنا مکروہ نہیں، بلکہ خلاف اولیٰ ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نمازی کے لیے چادر ڈالنا مستحب ہے۔ امام کے لیے استحباب مؤکد ہے۔

امام کے لیے محراب میں نفل پڑھنا مکروہ ہیں کیوں کہ امامت کی حالت میں ہی وہ محراب میں کھڑے ہونے کا مستحق ہے۔ نیز محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے کسی کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ امام فرض پڑھا رہا ہے تو وہ اس کی اقتدا میں نماز شروع کر دے۔

مستقل امام کے نماز پڑھانے سے پہلے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس کی جماعت کے دوران دوسری جماعت حرام ہے نیز مستقل امام کی جماعت کے بعد دوسری جماعت بھی مکروہ ہے خواہ امام نے اس کی اجازت دی ہو جیسا کہ ہم اوپر ''تکرار جماعت'' کے زیرعنوان بیان کر چکے ہیں۔

بعض افراد کی امامت خلاف اولیٰ ہونے کے باوجود جائز ہے مثلاً:

نابینا کی امامت، جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا،فروعی اختلافات رکھنے والے کی امامت، لکنت والے کی امامت(یعنی جو شخص عجمی ہونے کے باعث یا اور کسی وجہ سے بعض حروف صحیح مخارج سے ادا نہ کرسکتا ہو مثلاً حا کو ھا یا لام کو راء یا ضاد کو دال سے تبدیل کر دے)

جسے قذف یا شراب نوشی وغیرہ میں حد لگی ہو اس کی امامت یا نامرد(۱۲۳) کی امامت یا جس کا ایک ہاتھ یا پاؤں کٹا ہوا ہو یا شل ہو راجح قول کے مطابق ان کی امامت جائز ہے، جسے جذام ہو لیکن زیادہ سخت نہ ہو اس کی امامت بھی جائز ہے۔اگر جذام سخت ہو تو

اسے امامت سے ہٹانا بلکہ لوگوں کے اجتماع سے دور رکھنا ضروری ہے۔

لڑکا اپنے جیسے لڑکوں کی امامت کروا سکتا ہے۔ جماعت میں شریک ہونے کے لیے تیز چلنا جائز ہے دوڑنا نہیں۔

مسجد میں سانپ، بچھو اور چوہے کو مارنا جائز ہے، جو بچے کھیل کود میں نہ لگ جائیں یا روکنے پر رک جائیں انہیں مسجد میں لانا جائز ہے، ورنہ نہیں۔

مسجد کی کنکریوں، ریت یا چٹائی کے نیچے تھوڑا تھوک پھینکنا جائز ہے اور بوجہ ناپاکی زیادہ تھوک پھینکنا یا مسجد کے پختہ فرش پر تھوکنا یا چٹائی پر یا مسجد کی دیوار پر تھوکنا منع ہے۔ مستحب یہ ہے کہ کپڑے میں تھوکا جائے اور بائیں جانب یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے، اگر ایسا کرنا مشکل ہو تو دائیں جانب تھوک سکتا ہے اور اگر ایسا کرنا بھی مشکل ہو تو سامنے تھوک لے۔

ایسی عورتیں جن میں مردوں کے لیے کوئی کشش نہیں ہے وہ مسجد میں جماعت میں اور عید وغیرہ میں جا سکتی ہیں۔ اس کی تفصیل اوپر عورتوں کے مساجد میں جانے کے زیر عنوان گزر چکی ہے۔

اگر امام اور مقتدی کے درمیان چھوٹی نہر، راستہ یا کھیت ہو جس کی وجہ سے امام کے افعال دیکھنے اور اس کی آواز سننے میں رکاوٹ نہ ہو تو نماز درست ہے کیوں کہ اس سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں بھی مقتدی کا امام سے اوپر بلند جگہ پر یا چھت وغیرہ پر کھڑے ہونا جائز ہے اگرچہ خلاف اَولیٰ ہے البتہ جمعہ مسجد کی چھت پر جائز نہیں ہے امام کا مقتدی سے بلند ہونا مکروہ ہے ہاں اگر تھوڑا بلند ہو یا کسی مجبوری کی وجہ سے ہو یا مقتدیوں کو نماز کا طریقہ سکھانے کے لیے ہو تو جائز ہے۔ اگر امام تکبر کے طور پر اونچی جگہ کھڑا ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

امام کے پیچھے بلند آواز سے تکبیر کہہ کر لوگوں تک آواز پہنچانا جائز ہے اور لوگوں کے لیے مکبر کی اواز پر اقتدا کرنا درست ہے۔

امام یا مقتدی کو دیکھ کر اقتدا کرنا جائز ہے، خواہ مقتدی مثلاً گھر میں ہو اور امام مسجد میں اتصال کے امکان کی شرط نہیں ہے۔

مذہب شافعیہ(۱۲۴)

جو شخص زبردستی امامت پر قابض ہو جائے اور اس کا مستحق نہ ہو اس کی امامت مکروہ ہے اور جو نجاست سے نہ بچتا ہو اور جو کوئی گھٹیا پیشہ کرتا ہو مثلاً حجام ہو یا جسے اکثر لوگ کسی مذموم عادت کے باعث ناپسند کرتے ہوں مثلاً بہت ہنستا ہو، جس کے باپ کا کچھ پتہ نہ ہو، ولد زنا ہو البتہ اپنے ایسے لوگوں کی امامت کرسکتا ہے۔جس کے ختنے نہ ہوئے ہوں وہ بالغ ہو تب بھی اس کی امامت مکروہ ہے۔ بچہ بالغ شخص سے زیادہ فقیہ ہو اس کی امامت بھی مکروہ ہے، ہکلانے والے کی امامت مثلاً تا یا واو بار بار کہتا ہو اور ایسی غلطی کرتا ہو جس سے معنی نہ بدلتے ہوں مثلاً اللہ کی ہا یا الصراط کے صاد یا اھدنا کے ہمزہ کو پیش سے پڑھتا ہو۔اگر ایسی غلطی کرے جس سے معنی بدل جاتے ہوں مثلاً انعمت (الفاتحہ ۱:۷) کی تا پر پیش یا زیر پڑھے تو جو شخص سیکھ سکتا ہے اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر نہیں سیکھ سکتا یا اتنا وقت نہیں کہ سیکھ سکے تو اگر ایسی غلطی سورہ فاتحہ میں ہے تو ایسا شخص اُمّی کی طرح ہے اس کے پیچھے قرآن پڑھ سکنے والے کی نماز درست نہیں۔ یہ شافعیہ کا مذہب جدید ہے اور اگر فاتحہ کے علاوہ کسی جگہ ہے مثلاً ان اللہ بریئ من المشرکین و رسولہ (التوبہ ۹:۳) میں رسولہ کے لام کو زیر کے ساتھ پڑھتا ہے تو نماز درست ہو جائے گی اور اگر اسے درست کرنے سے عاجز ہے یا جاہل ہے اور تعلیم کا وقت نہیں ہے یا بھول کر پڑھ گیا ہے تو اقتدا درست ہو گی، کیوں کہ اس طرح کی معمولی لغزش سے نماز خراب نہیں ہوتی۔

فقہی مذہب میں فروعی اختلاف والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے جیسا کہ ہم بیان کر

چکے ہیں اور امام مقتدی سے یا مقتدی امام سے بلا ضرورت بلند جگہ پر کھڑا ہو، اگر ضرورت ہو مثلاً مسجد تنگ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اندھے کی امامت مکروہ نہیں ہے۔

حنابلہ کا مذہب (۱۲۵)

ہم بیان کر چکے ہیں کہ حنابلہ کے نزدیک نابینا، رات یا دن کے نابینا، بہرے اور ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے جس کے ختنے نہ ہوئے ہوں خواہ بالغ ہو (۱۲۶) جس کے دونوں یا ایک ہاتھ کٹا ہو، جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اس کی امامت درست نہیں البتہ اپنے ایسے شخص کی امامت کر سکتا ہے۔ کیوں کہ اس کے قیام کا اب کوئی امکان نہیں ہے اس کی امامت ایسے مریض کی طرح درست نہیں جو دائمی مریض ہو۔ جس شخص کے دونوں یا ایک پاؤں کٹا ہوا ہو لیکن وہ کھڑا ہو سکتا ہو تو صحیح قول یہ ہے کہ اس کی امامت درست ہے کیوں کہ وہ باقی ماندہ پاؤں سے یا کسی ایسی چیز سے جو پاؤں کی جگہ لگا دی گئی ہو مثلاً لکڑی کے پاؤں ان سے سجدہ کر سکتا ہے۔

جس شخص کی ناک کٹی ہوئی ہو یا جس کی شکل دیکھ کر ہنسی آجاتی ہو اور جس شخص کی امامت کی صحت میں اختلاف ہو اس کی امامت مکروہ ہے اور جسے بہت وسوسے آتے ہوں ایک رائے یہ ہے کہ اس کی امامت بھی مکروہ ہے تاکہ عام لوگ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں حنابلہ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ نہیں۔

جو شخص ہکلاتے ہوئے بار بار ایک حرف مثلاً فاء یا تاء پڑھتا ہو یا بعض حروف مثلاً ضاد، قاف وغیرہ کو صحیح مخارج سے ادا نہ کر سکتا ہو یا ایسی غلطیاں کرتا ہو جس سے معنی تبدیل نہیں ہوتے مثلاً الحمد للہ کی دال کو زیر دے دے تو جو غلطی نہیں کرتا اس کی نماز بھی ان کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ اس سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔

امام کے کھڑے ہونے کی جگہ مقتدی سے ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ بلند ہو تو یہ مکروہ ہے، اس کے برعکس مکروہ نہیں اگر مقتدی اونچی جگہ کھڑا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ جو شخص

مسجد کی چھت پر جمعہ پڑھے وہ نماز کا اعادہ نہ کرے۔امام شافعی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام کے پیچھے مسجد کی چھت پر نماز پڑھی سعید بن منصور حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر لوگوں کی اکثریت کسی شخص کی امامت کو جائز طور پر، اس کے دین یا علم وفضل میں کمی کی وجہ سے ناپسند کرتی ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے، اگر نصف لوگ ناپسند کرتے ہوں تو مکروہ نہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ امامت نہ کرائے تاکہ اختلاف ختم کیا جا سکے۔اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ نہیں کیوں کہ کراہت امام کے حق میں ہے مقتدیوں کے حق میں نہیں ہے۔

مرد اس طرح غیر محرم عورتوں کو امامت کرائے کہ کوئی مرد ان کے ساتھ نہ ہو، یہ مکروہ ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی مرد کسی غیر محرم عورت سے تنہائی میں ملے (۱۲۷) کیوں کہ اس سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔محرم عورتوں کی امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں یا غیر محرم ہوں تو کوئی ایک یا زیادہ مرد بھی جماعت میں شامل ہوں کیوں کہ عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہوتی تھیں۔

اگر افضل شخص موجود ہو تو غیر افضل کی امامت مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے جب کوئی شخص کسی جماعت کی امامت کرے اور ان میں اس سے بہتر آدمی موجود ہو تو وہ خسارے میں رہتے ہیں۔(۱۲۸)

ولد زنا، راہ میں پڑے ہوئے بچے، لعان کی قسمیں کھا کر نسب سے انکار کرنے والے بچے، خصی، سپاہی اور دیہاتی کی امامت میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ دین دار ہو اور امامت کا اہل ہو کیوں کہ ارشاد نبوی "قوم کا بہترین قاری ان کی امامت کرائے" عام ہے۔اسلاف ابن زیاد کے پیچھے نماز پڑھتے رہے جب کہ اس کا سلسلہ نسب مشکوک تھا۔حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے، اس کے والدین کے گناہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ

ارشاد ربانی ہے: ولا تزر وازرۃ وزر أخری کسی شخص پر کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا (الاسراء ۱۶:۱۷) کیوں کہ ان میں سے ہر شخص آزاد ہے، دین دار ہے اس لیے دوسرے لوگوں کی طرح امامت کا اہل ہے۔

۵۔ کن صورتوں میں امام کی نماز ٹوٹ جاتی ہے مقتدی کی نہیں ٹوٹتی؟

حنفیہ کہتے ہیں(۱۲۹) کہ اگر امام تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے یا مقتدی کے تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ یا امام کی تکبیر تحریمہ کے بعد اور مقتدی کی تکبیر تحریمہ سے پہلے بے وضو ہو جائے یا اسے جنابت ہو جائے یا کسی اور وجہ سے اس کی نماز ٹوٹ جائے تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز باطل ہو جائے گی کیوں کہ امام کی نماز مقتدیوں کی نماز کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ یعنی اگر کوئی اور مانع نہ ہو تو جب امام کی نماز درست ہوتی ہے تو مقتدی کی بھی درست ہو گی اور اگر امام کی نماز باطل ہو جاتی ہے تو مقتدی کی بھی باطل ہو جائے گی کیوں کہ جب کوئی چیز فاسد ہوتی ہے تو جو اس کے دامن میں ہوتا ہے وہ بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک امام کی اقتدا کی، بعد میں معلوم ہوا کہ امام باوضو نہیں تھا تو بالاتفاق نماز دہرائی جائے گی کیوں کہ نماز کا باطل ہونا معلوم ہو گیا ہے۔

اگر بعد میں کوئی ایسی چیز پیش آئی جس سے نماز فاسد ہو گئی یا کوئی شرط یا رکن متاثر ہوا تو نماز کا آغاز صحیح ہوا تھا، پھر جب امام کا وضو ٹوٹ گیا یا کوئی خلل واقع ہوا تو اس کی نماز باطل ہو گئی مقتدی اپنی نماز کا اعادہ نہ کرے مثلاً امام مرتد ہو جائے یا ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد جمعہ کے لیے چل پڑے تو صرف اس کی نماز باطل ہو گی۔ اسی طرح اگر مقتدیوں کے چلے جانے کے بعد امام نے نماز میں ہونے والا سجدہ تلاوت کیا۔ اگر لوگوں نے امام سے پہلے لیکن تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد سلام پھیر لیا، بعد میں امام کا وضو ٹوٹ گیا تو صرف اس کی نماز باطل ہو گی۔

ان مسائل میں صرف امام کی نماز ٹوٹے گی، مقتدیوں کی نہیں اور اوپر مذکور قاعدہ لاگو

نہیں ہوگا(امام کی نماز مقتدی کی نماز کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہوتی ہے) کیوں کہ امام کی نماز امامت سے فراغت کے بعد ٹوٹی ہے۔اس وقت نہ وہ حقیقتاً امام تھا اور نہ کوئی اس کا مقتدی۔

مالکیہ کے نزدیک (۱۳۰) اگر امام جنابت سے یا بے وضو ہونے کی حالت میں نماز پڑھاتا ہے تو دانستہ اور بھولے سے ہر صورت میں بالاتفاق اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے اور مقتدی کی نماز اس صورت میں باطل ہو جاتی ہے اگر امام نے دانستہ اس حالت میں نماز پڑھائی اور اگر بھولے سے پڑھائی تو مقتدی کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک(۱۳۱) اگر معلوم ہو جائے کہ امام عورت ہے یا کافر ہے تو مقتدی پر نماز کا اعادہ واجب ہے کیوں کہ اس نے اہل امام کی تلاش میں کوتاہی کی اور موجودہ امام امامت کا اہل نہیں۔

اگر معلوم ہو کہ امام جنبی تھا یا بے وضو تھا یا اس کے کپڑوں یا بدن کے ساتھ نجاست خفیفہ لگی ہوئی تھی تو مقتدی پر نماز دہرانا واجب نہیں کیوں کہ اس میں اس کی کوئی کوتاہی نہیں ہے البتہ جمعہ کی نماز میں اگر صرف چالیس مقتدی تھے اور امام بے وضو تھا یا نجاست لگی ہوئی تھی۔اگر نجاست ظاہری ہو تو مقتدی پر نماز کا اعادہ واجب ہے کیوں کہ اس میں مقتدی کی کوتاہی ہے، ظاہری نجاست سے مراد یہ ہے کہ مقتدی اگر غور کرے تو اسے نظر آجائے، نجاست خفیفہ اس کے برعکس ہوتی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک اگر(۱۳۲) معلوم ہو کہ امام عورت تھی یا کافر تھا تو مقتدی پر نماز کا اعادہ واجب ہے، جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے کیوں کہ بالعموم عورت اپنی آواز اور ہیئت کی بنا پر ممتاز ہوتی ہے اور کفر عام طور پر چھپا ہوا نہیں رہتا اور جس مقتدی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اس کی کوتاہی ہے۔

بے وضو اور ناپاک شخص کی امامت درست نہیں بشرطیکہ اسے معلوم ہو کیوں کہ قدرت

کے باوجود نماز کی ایک شرط سے بے اعتنائی ہے جو نماز کے ساتھ مذاق ہے۔امام کو اگر معلوم ہو جائے کہ وہ بے وضو تھا یا ناپاک تھا تو مقتدی نماز کا اعادہ کرے خواہ اسے خود اس وقت معلوم نہ ہوا ہو۔اگر امام کو اپنے بے وضو یا ناپاک ہونے کا علم نہ ہو اور مقتدیوں کو بھی علم نہ ہو اور اسی طرح نماز مکمل کر لیں تو مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی، امام کی نہیں ہو گی کیوں کہ حدیث میں ہے: جب کوئی جنبی لوگوں کو نماز پڑھا دے تو وہ اپنی نماز دہرائے اور لوگوں کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

پس جب امام نے نادانستہ بے وضو یا ناپاک ہونے کی حالت میں نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہونے تک اسے اور نہ مقتدیوں کو معلوم ہوا تو بالاتفاق مقتدیوں کی نماز درست ہے اور امام کی نماز باطل۔

۶۔ جن امور سے امام اور مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اوپر کے فقرے سے واضح ہوتا ہے کہ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر نماز کے دوران امام بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی، مقتدیوں کی نماز باقی رہے گی۔

اگر امام نے لوگوں کو جنبی یا بے وضو ہونے کی حالت میں نماز پڑھا دی اور مقتدیوں کو نماز کے بعد معلوم ہوا تو کیا ان کی نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ اس کا جواب اوپر کے فقرے میں دیا گیا ہے، (۱۴۳) جس کا خلاصہ یہ ہے: حنفیہ کے نزدیک ان کی نماز مطلقاً فاسد ہو گئی۔مالکیہ کے نزدیک اگر امام نے دانستہ اس طرح نماز پڑھا دی تو فاسد ہو گئی اور اگر بھولے سے پڑھائی تو فاسد نہیں ہو گی۔شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مقتدیوں کی نماز درست ہو گئی البتہ جمعہ کی نماز میں اگر صرف چالیس نمازی ہیں تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کیا مقتدیوں کی نماز کا صحیح ہونا امام کی نماز کی صحت سے وابستہ ہے یا نہیں۔جن فقہاء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وابستہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ مقتدیوں

کی نماز فاسد ہوگئی، یہ حنفیہ کی رائے ہے۔ جن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وابستہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ مقتدیوں کی نماز درست ہوگئی، یہ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے جو فقہاء دانستہ اور بھول چوک میں فرق کرتے ہیں، یہ مالکیہ ہیں انہوں نے ایک حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابوبکرہؓ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی، تکبیر کہی، پھر اشارہ کیا کہ اپنی جگہوں پر کھڑے رہو، پھر آپؐ گھر گئے، باہر آئے تو آپؐ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، جب نماز پڑھا چکے تو فرمایا: میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں، میں جنبی تھا (۱۳۴) بظاہر صحابہ نے پہلی نماز پر ہی بنیاد رکھی۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مقتدیوں کی نماز امام کی نماز سے وابستہ ہوتی تو انہیں دوبارہ نماز شروع کرنا پڑتی۔

۷۔ امام مقتدی کی کن باتوں کا ذمہ دار ہے:

امام مقتدیوں کی بھول چوک کا ذمہ دار ہے۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ امام مقتدی کی طرف سے نماز کے فرائض میں سے قراءت کے علاوہ کسی چیز کا ذمہ دار نہیں۔ قراءت کے بارے میں تین اقوال ہیں: (۱۳۵)

پہلا قول مالکیہ اور حنابلہ کا ہے کہ سری نمازوں میں مقتدی بھی امام کے ساتھ قراءت کرے اور جہری میں قراءت نہ کرے۔ حنابلہ کے نزدیک جہری نمازوں میں اگر مقتدی امام کی قراءت سن رہا ہو تو قراءت نہ کرے اور اگر نہ سن رہا ہو تو قراءت کرے۔ (۱۳۶)

دوسرا قول حنفیہ کا ہے کہ سرے سے قراءت نہ کرے۔

تیسرا شافعیہ کا ہے کہ سری نمازوں میں سورہ فاتحہ اور اس کے علاوہ بھی پڑھے اور جہری نمازوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں مختلف احادیث ہیں، یہ چار

احادیث ہیں جن کا ذکر نماز کے ارکان میں گزر چکا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ یہ حدیث کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

۲۔ مالک کی حدیث جو انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہری نماز سے فارغ ہو کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا، کیا ابھی میرے ساتھ کوئی اور بھی قراءت کر رہا تھا، ایک شخص نے کہا: میں، یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: میں بھی کہہ رہا تھا کہ کیا وجہ ہے میں قرآن سے نزاع کر رہا ہوں۔ اس کے بعد لوگ جہری نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت سے باز آ گئے۔

۳۔ عبادہ بن صامتؓ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی تو آپؐ کی قراءت مشکل ہو گئی، جب فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا، میں دیکھتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو، لوگوں نے کہا، جی ہاں، آپؐ نے فرمایا، سورہ فاتحہ کے علاوہ نہ پڑھا کرو۔ (۱۳۷)

۴۔ حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو امام کے پیچھے ہے، امام کی قراءت اس کی قراءت ہے''، اسی مفہوم میں ایک پانچویں حدیث ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے صحیح قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ: جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔

ان احادیث کی جمع و توفیق میں فقہاء کا اختلاف ہوا۔ شافعیہ نے جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کو مستثنیٰ قرار دے دیا اور عبادہ بن صامتؓ کی حدیث پر عمل کیا۔

مالکیہ اور حنابلہ نے عام حدیث ''فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی'' سے جہری نمازوں میں مقتدی کو مستثنیٰ قرار دے دیا کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت ہے اور ارشاد ربانی'' واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (جب قرآن کی قراءت کی جائے تو غور سے سنو اور خاموش

رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، الاعراف ۷:۲۰۴) سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے کیوں کہ یہ آیت نماز کی قراءت کے بارے میں ہے۔

حنفیہ نے نماز کی واجب قراءت سے مقتدی کو مستثنیٰ قرار دے دیا، خواہ نماز سری ہو یا جہری اور قراءت کے وجوب کے بارے میں وارد حدیث کو امام اور اکیلے نمازی کے لیے مختص کر دیا اور حضرت جابرؓ کی حدیث پر عمل کیا۔ پس حدیث جابرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد ''جس قدر آسان ہو قراءت کرو'' کی مخصص ہوگئی، حنفیہ کے نزدیک نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت واجب نہیں بلکہ مطلقاً قرآن کی تلاوت واجب ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فاقرؤوا ماتیسر من القرآن (جس قدر آسان ہو قرآن کی تلاوت کرو۔ المزمل ۷۳:۲۰)

حنابلہ کے نزدیک امام مقتدی کے کن امور کا ذمہ دار ہے:

حنابلہ کے بقول (۱۳۸) امام مقتدی کی طرف سے آٹھ چیزوں کا ذمہ دار ہے: سورہ فاتحہ، سجدہ سہو، اگر مقتدی پہلی رکعت میں شامل ہوا ہے اور لاحق ہے۔ امام کے سامنے سترہ ہوتا ہے اور حدیث میں ہے امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے۔ پہلا تشہد جب چار رکعت والی نماز میں سے ایک رکعت مقتدی کے شامل ہونے سے پہلے ہو چکی ہو۔ کیوں کہ امام کی پیروی واجب ہے سجدہ تلاوت میں، اگر مقتدی نے امام کے پیچھے آیت سجدہ تلاوت کی، امام نے سری نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا، سمع اللہ لمن حمدہ کہنے میں اور تحمید کے بعد ملٔ السموات و ملٔ الارض کہنے میں اور اگر مقتدی دعائے قنوت سن رہا ہے تو اس میں مقتدی فقط آمین کہے اور اگر سن نہیں رہا تو دعائے قنوت پڑھے۔

حنفیہ اور مالکیہ سورۂ فاتحہ پڑھنے، سمع اللہ لمن حمدہ اور ملٔ السموات کہنے میں حنابلہ سے ہم آہنگ ہیں اور دوسرے مذاہب باقی میں بھی حنابلہ کے موافق ہیں۔

۸۔ امام کے خاص احکام:

چار مسائل امام کے ساتھ مختص ہیں: کیا سورۂ فاتحہ سے فارغ ہو کر امام بھی آمین کہے گا یا صرف مقتدی آمین کہے، امام تکبیر تحریمہ کب کہے، امام جب پہلی بار رکے تو کیا اسے لقمہ دیا جائے، کیا امام کا مقتدیوں سے اونچی جگہ کھڑے ہونا جائز ہے؟

ہم نے دوسرے مسئلہ کے علاوہ باقی مسائل پر اختلاف مذاہب کے ساتھ اوپر گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔(۱۳۹)

پہلا مسئلہ: کیا صرف مقتدی آمین کہے یا امام جب فاتحہ سے فارغ ہو تو وہ بھی آمین کہے:

امام مالک کی رائے یہ ہے کہ امام آمین نہ کہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ امام بھی مقتدی کی طرح آمین کہے۔

اس اختلاف کا سبب دو بظاہر متعارض احادیث ہیں۔

پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، جس کی آمین ملائکہ کی آمین سے ہم آہنگ ہو گئی اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔(۱۴۰)

دوسری حدیث بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہے تو آمین کہو۔(۱۴۱)

پہلی حدیث صراحت سے بتاتی ہے کہ امام آمین کہے اور دوسری حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ امام آمین نہ کہے، کیوں کہ اگر اس نے بھی آمین کہنا ہوتی تو مقتدیوں سے یہ نہ کہا جاتا کہ جب امام سورۂ فاتحہ سے فارغ ہو تو اس کے آمین کہنے سے پہلے ہی آمین کہہ دو کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا

کی جائے۔

امام مالک نے دوسری حدیث کو ترجیح دی ہے جس کے وہ خود راوی ہیں، کیوں کہ سننے والے کو آمین کہنا چاہیے نہ کہ قاری کو جو دعا کر رہا ہے۔

جمہور نے پہلی حدیث کو ترجیح دی، کیوں کہ اس میں صریح حکم ہے کیوں کہ اس حدیث میں امام کے بارے میں حکم نہیں ہے بلکہ پہلی اور دوسری حدیث میں اختلاف یہ ہے کہ مقتدی آمین کب کہے۔ یہ نہیں کہ امام آمین کہے یا نہ۔

دوسرا مسئلہ: امام تکبیر تحریمہ کب کہے؟

جمہور کی رائے یہ ہے کہ جب اقامت مکمل ہو جائے اور صفیں درست ہو جائیں تو امام تکبیر کہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ امام اقامت مکمل ہونے سے پہلے تکبیر کہے اور مستحب یہ ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلاۃ کہے، اس وقت امام تکبیر کہے۔

اس اختلاف کا سبب حضرت انسؓ اور حضرت بلالؓ کی احادیث کا باہمی تعارض ہے:

حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہماری طرف رخ کر کے فرماتے، صفیں سیدھی کر لو، ساتھ مل کر کھڑے ہو جاؤ میں تمہیں اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔ (۱۴۲) بظاہر یہ گفتگو اقامت سے فارغ ہونے کے بعد کی ہے۔ اس طرح کی روایت حضرت عمرؓ سے ہے کہ جب اقامت ہو چکتی، صفیں سیدھی ہو جاتیں تو آپ تکبیر کہتے۔

حضرت بلالؓ کی حدیث میں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اقامت کہتے تو یہ بھی کہا کرتے یا رسول اللہ، مجھ سے پہلے آمین نہ کہیں (۱۴۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقامت مکمل ہونے سے پہلے تکبیر کہہ لیتے تھے۔

تیسرا مسئلہ: جب امام پہلی بار رکے تو کیا اسے لقمہ دیا جائے؟

نماز توڑنے والے امور میں یہ بحث گزر چکی ہے اور وہاں ہم نے بتایا ہے کہ چاروں فقہی مذاہب اور دوسرے مذاہب بھی امام کو لقمہ دینے کے جواز پر متفق ہیں اور ابن عمرؓ کی مشہور روایت یہ ہے۔ بعض علماء نے لقمہ دینے سے منع کیا ہے اور یہ حضرت علیؓ کی مشہور روایت ہے۔ اس اختلاف کا سبب آثار کا اختلاف ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آیت چھوڑ دی تو ایک آدمی نے کہا، یا رسول اللہ فلاں فلاں آیت؟ آپؐ نے فرمایا، تم نے مجھے یاد کیوں نہیں کرایا، (۱۴۴) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا، علیؓ، نماز میں امام کو لقمہ نہ دیا کرو، (۱۴۵) پہلی روایت، روایت اور عمل کے اعتبار سے صحیح تر ہے۔

چوتھا مسئلہ: امام کا مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہونا:

اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ چاروں مذاہب نے ضرورت کے تحت امام کے اونچے کھڑے ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک تھوڑی بلندی میں کوئی حرج نہیں اور شافعیہ کے نزدیک مجبوری اور تعلیم کی غرض سے جائز ہے۔ بعض لوگوں نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

اس اختلاف کا سبب دو متعارض احادیث ہیں: ایک یہ کہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کی تعلیم دینے کے لیے منبر پر نماز ادا کی اور جب سجدے کا وقت آیا تو نیچے اتر کر سجدہ کیا۔ (۱۴۶)

دوسری روایت ابو داؤد نے بیان کی کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک دکان (۱۴۷) پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائی، ابن مسعودؓ نے انہیں قمیص سے پکڑ کر کھینچا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس سے ممانعت ہے۔ (۱۴۸)

پانچواں ذیلی مسئلہ: کیا امام کے لیے امامت کی نیت کرنا واجب ہے یا نہیں؟

کچھ علماء کی رائے یہ ہے کہ امام کے لیے امامت کی نیت کرنا واجب نہیں کیوں کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز شروع کرنے کے بعد آپؐ کے پیچھے نماز میں کھڑے ہو گئے۔

کچھ دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث میں احتمال ہے اور امامت کی نیت کرنا ضروری ہے کیوں کہ امام مقتدیوں کے بعض افعال کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لیے اس کی نیت کرنا ضروری ہے۔ یہ بحث ہم آئندہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

مطلب سوم: اقتدا کرنا

اقتدا کی شرائط، امام کی معیت کی نیت اور اقتدا کی نیت توڑ دینا، مقتدی کے احوال۔ (مدرک، لاحق اور مسبوق) امام کے واجبات وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مقتدی کیا کرے۔

ا۔ اقتدا کے درست ہونے کی شرائط:

شافعیہ نے اقتدا کے درست ہونے کے لیے سات شرائط بیان کی ہیں(۱۴۹) انہیں دوسری بحث کی جزئیات کے مطالعے سے سمجھا جا سکتا ہے تاہم ہم ذیل میں ان کو ترتیب وار بیان کرتے ہیں۔

ا۔ مقتدی کے علم میں یہ بات نہ ہو کہ امام کی نماز حدث وغیرہ کی وجہ سے باطل ہو گئی ہے اور نہ اجتہاد میں اختلاف کے باعث مقتدی امام کی نماز کو باطل سمجھتا ہو۔ اجتہاد میں اختلاف سے فقہی مذاہب کے فروعی اختلاف مراد نہیں بلکہ اس نوعیت کا اجتہاد مراد ہے کہ امام کے نزدیک قبلہ کی جہت کوئی اور ہو اور مقتدی کے نزدیک اور یا پانی کے دو برتنوں میں سے امام جسے پاک سمجھتا ہو مقتدی اسے نجس سمجھتا ہو، غرضیکہ ایک کا اجتہاد دوسرے سے

مختلف ہو۔

اگر پاک برتن زیادہ ہیں، مثلاً تین برتن ہیں اور ان میں سے دو پاک ہیں اور تین آدمی اجتہاد کرنے والے ہیں، جن میں سے ہر ایک صرف اپنے برتن کو پاک سمجھتا ہے اور دوسرے دونوں کے بارے میں اسے شک ہے کہ ان میں سے کون سا پاک ہے اور یہ تینوں ایک دوسرے کی اقتدا کر سکتے ہیں تا آنکہ یہ متعین نہ ہو جائے کہ امام کا برتن نجس ہے۔

اگر کسی ایک کا گمان یہ ہو کہ دوسرے کا برتن بھی پاک ہے تو اس کی اقتدا قطعاً جائز ہے۔

اگر فروع میں اختلاف ہو، مثلاً ایک شافعی کسی ایسے حنفی کی اقتدا میں نماز پڑھتا ہے جس نے اپنی شرم گاہ کو ہاتھ لگایا یا فصد کھلوائی تو صحیح قول یہ ہے کہ فصد کی صورت میں اقتدا جائز ہے شرم گاہ کو ہاتھ لگانے کی صورت میں نہیں کیوں کہ مقتدی کا اعتقاد یہ ہے کہ شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ گیا، فصد سے نہیں ٹوٹا۔

۲۔ مقتدی کا یہ اعتقاد نہ ہو کہ مقیم امام کے لیے نماز کی قضا واجب ہے مثلاً مقیم امام نے ایسے مقام پر پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم کر لیا جہاں بالعموم پانی ہوتا ہے۔

۳۔ امام بذات خود مقتدی نہ ہو مقتدی کی اقتدا جائز نہیں کیوں کہ وہ کسی دوسرے کے تابع ہے اور اس کی غلطی سے اس پر بھی سجدہ سہو لازم آتا ہے جب کہ امام کو مستقل ہونا چاہیے تاکہ وہ دوسروں کی غلطیوں کا بار اٹھا سکے، پس یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں کہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت میں مقتدی بھی ہو اور امام بھی۔ اس پر اجماع ہے۔

۴۔ امام کے بارے میں شک نہ ہو کہ یہ امام ہے یا مقتدی، اگر شک ہو تو اس کی اقتدا جائز نہیں۔

۵۔ امام ناخواندہ نہ ہو، ناخواندہ سے مراد یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کا کوئی ایک حرف صحیح نہ

پڑھ سکتا ہو یا تشدید صحیح ادا نہ کرسکتا ہو، البتہ ایسے امام کے پیچھے اسی کی طرح کے ناخواندہ افراد کی نماز درست ہے۔

۶۔ مرد عورت کی اقتدا نہ کرے۔اگر کسی شخص نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی، بعد میں معلوم ہوا کہ امام کافر تھا، یا دیوانہ تھا یا عورت تھی یا مقتدی یا ناخواندہ تھا تو نماز دوبارہ پڑھے اور اگر بعد میں معلوم ہوا کہ امام بے وضو تھا یا جنبی تھا یا اس کے ساتھ نجاست خفیفہ لگی ہوئی تھی یا امام کی جب اقتدا کی اس وقت وہ زائد رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تھا تو نماز کا اعادہ نہ کرے۔

اگر امام کا بے وضو ہونا بھول گیا تھا پھر یاد آ گیا تو نماز دُہرا لے۔

۲۔ امام سے علیحدہ ہونے اور اقتدا ختم کرنے کی نیت

اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ شافعیہ کے نزدیک امام بے وضو ہونے کی وجہ سے یا اور کسی سبب سے نماز سے نکل جائے تو اقتدا ختم ہو جاتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں (۱۵۰) اگر کسی شخص نے مقتدی کے طور پر نماز شروع کی پھر اس نے امام سے علیحدہ ہو کر الگ نماز پڑھنے کی نیت کی تو شافعیہ کے نزدیک علیٰحدگی کسی عذر کے باعث ہو یا بلا عذر جائز ہے البتہ مکروہ ہے کیوں کہ اس میں جماعت کا ترک لازم آتا ہے جب کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مطلوب ہے اور گاہے واجب ہے اور گاہے مستحب مؤکد۔حنابلہ کے نزدیک کسی عذر کی بنا پر امام سے علیحدگی جائز ہے۔اگر بغیر عذر کوئی شخص علیحدہ ہو گیا تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اس کی نماز فاسد ہو گئی اور یہی صحیح تر روایت ہے اور دوسری یہ کہ نماز درست ہے۔

شافعیہ نے نماز جمعہ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اس کی پہلی رکعت میں امام سے علیٰحدگی درست نہیں نیز اس نماز کو بھی جس کا باجماعت اعادہ کیا جا رہا ہو اس میں کسی موقع پر بھی علیحدہ ہونا جائز نہیں اور جو نمازیں جمع تقدیم کے طور پر اکٹھی پڑھی جا رہی ہوں ان میں

علیحدہ ہونا صحیح نہیں ہے۔

عذر میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں: امام کا لمبی نماز پڑھانا، کسی مقصود سنت کا ترک مثلاً پہلا تشہد یا قنوت ترک کر دینا، اس صورت میں امام سے الگ ہو کر مقتدی ان سنتوں کو ادا کر سکتا ہے۔ نیز بیماری، نیند کا غلبہ یا کسی ایسی شے کا غلبہ جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہو، یا مال کے ضائع ہونے یا نقصان ہونے کا خوف یا ساتھیوں کے بچھڑ جانے کا ڈر بھی عذر میں شامل ہیں جو شخص صف سے باہر نکل آیا، پھر اسے اپنے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی آدمی نہ ملا وہ بھی امام سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔

ان کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے کہ حضرت معاذؓ اپنے ساتھیوں کو عشا کی نماز پڑھاتے، جس میں لمبی قراءت کرتے تھے، ایک آدمی نے الگ ہو کر اپنی نماز پڑھی اور پھر جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپؐ حضرت معاذؓ پر ناراض ہوئے، اس آدمی پر ناراض ہوئے نہ اسے نماز دہرانے کا حکم دیا۔

حنفیہ نے صرف اس امر کی اجازت دی ہے کہ مقتدی امام سے پہلے سلام پھیر سکتا ہے اگرچہ یہ بھی مکروہ ہے، امام سے علیحدہ نہیں ہو سکتا(۱۵۱) مالکیہ کہتے ہیں،(۱۵۲) جس نے امام کی اقتدا کی اس کے لیے امام سے علیحدہ ہونا جائز نہیں۔

۳۔ مقتدی کی حالتیں (مدرک، لاحق، مسبوق)

مقتدی کی تین حالتیں ہیں: مدرک، لاحق اور مسبوق۔ مختلف مذاہب میں ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ تفصیلی احکام موجود ہیں۔

مذہب حنفی (۱۵۳)

مدرک وہ ہے جس نے پوری نماز امام کے ساتھ پڑھی۔ یہ نماز مکمل ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں۔

لاحق وہ شخص ہے جس نے امام کے ساتھ نماز شروع کی پھر وہ ایک یا زیادہ رکعات امام کے ساتھ ادا نہیں کر سکا مثلاً کسی عذر، غفلت، نیند یا بھیڑ (۱۵۴) یا درمیان میں وضو ٹوٹ جانے یا نماز خوف (پہلے گروہ میں، دوسرا گروہ مسبوق ہے) یا مقیم نمازی کے مسافر امام کی اقتدا کے باعث اس کی کوئی رکعت رہ گئی یا کسی عذر کے بغیر مثلاً امام نے مقتدی سے پہلے رکوع سجدہ کر لیا اور مقتدی شامل نہیں ہوسکتا تو ان صورتوں میں مقتدی وہ رکعت قضا کرے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ لاحق حقیقی مقتدی کی طرح ہے، اس کی اقتدا ختم نہیں ہوتی، جو رکعات وہ امام کے ساتھ نہیں پڑھ سکا ان میں قراءت نہ کرے، سجدہ سہو نہ کرے کیوں کہ اگر امام کے پیچھے مقتدی بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے، فرض کو تبدیل نہیں کر سکتا، اگر مسافر ہے تو اس دوران میں اقامت کی نیت سے چار رکعات نہیں ہو جائیں گی۔ قضا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں سے امام سے الگ ہوا ہے وہیں سے آگے جو نماز رہ گئی ہے پڑھنا شروع کرے اور اگر امام کے ساتھ پہنچ جائے تو اس کے ساتھ شامل ہو کر باقی نماز مکمل کر کے سلام پھیرے اور اگر نہ پہنچ سکے تو آخر تک اپنی نماز جاری رکھے۔

اگر لاحق مسبوق بھی تھا یعنی دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شامل ہوا پھر درمیان سے اس کی ایک یا ایک سے زائد رکعات رہ گئیں تو شروع کی جو رکعت رہ گئی ہے اس کی قضا کرتے ہوئے قراءت کرے گا۔

مسبوق وہ نمازی ہے جس کے شامل ہونے سے پہلے امام پوری یا کچھ نماز پڑھ چکا تھا۔(۱۵۵) ایسے نمازی کا حکم یہ ہے کہ وہ رہ جانے والی رکعات کو ادا کرنے میں اکیلے نمازی کی طرح ہے پس ثنا پڑھے پھر قراءت کے لیے اعوذ باللہ پڑھے، پھر قراءت کرے کیوں کہ وہ پہلی رکعت قضا کر رہا ہے جس میں قراءت واجب ہے، اگر قراءت چھوڑ دی تو نماز نہیں ہوگی، البتہ تشہد کے سلسلے میں پہلی رکعات کو ساتھ شامل کر کے تشہد میں بیٹھے۔

ثنا پڑھنے کا موقع: اگر سری نماز ہے تو تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ثنا پڑھے اور اگر جہری نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوا ہے تو صحیح یہ ہے کہ اس وقت ثنا نہ پڑھے بلکہ جب قضا رکعت ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو تو اس وقت ثنا، تعوذ اور تسمیہ پڑھ کر قراءت شروع کرے جیسا کہ اکیلا نمازی کرتا ہے۔

اگر مسبوق نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا تو کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہے، پھر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے، یہ رکعت اس کی شمار ہو گی۔

اگر رکوع کے بعد نماز میں شامل ہوا تو کھڑے ہو کر تکبیر کہے اور امام نماز سے جس عمل میں ہے اس میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے لیکن یہ رکعت شمار نہیں ہو گی، امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر قضا رکعات ادا کرے اور اگر پہلی دو رکعات قضا ہوئی ہیں تو دونوں میں سورہ فاتحہ اور سورت پڑھے اور اگر ایک رکعت قضا ہوئی تو اس میں سورہ فاتحہ اور سورت پڑھے۔

مسبوق چار مسائل کے علاوہ باقی تمام مسائل میں اکیلے نمازی کی طرح ہے۔ چار مسائل میں وہ مقتدی کی طرح ہے۔

۱۔ نہ اس کی اقتدا جائز ہے نہ اس کے لیے کسی اور کی اقتدا جائز ہے۔

۲۔ اگر پہلی نماز توڑ کر نئی نماز کی نیت کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو پہلی نماز ٹوٹ جائے گی اور نئی نماز شروع ہو جائے گی جب کہ اکیلے نمازی کے بارے میں ایسا نہیں ہے۔

۳۔ اگر قضا رکعات پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا لیکن امام کے ذمے سجدہ سہو تھا، خواہ اس کے شامل ہونے سے پہلے کی کسی غلطی کی وجہ سے، اور امام سجدہ سہو میں چلا گیا تو مسبوق نے اگر قضا رکعت کا سجدہ نہیں کیا تھا تو امام کے ساتھ شامل ہو کر سجدہ سہو کرے اور اگر سجدہ کر لیا تو اپنی نماز جاری رکھے اور نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرے جب کہ اکیلے نمازی پر

کسی دوسرے کی غلطی سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

اس مذکورہ تفصیل کے مطابق سجدہ تلاوت ادا کرنے کے لیے بھی اسے واپس امام کی اقتدا میں آنا ضروری ہے۔

۴۔ مسبوق حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق تکبیرات تشریق کہے (۱۵۶) جب کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اکیلا نمازی تکبیرات تشریق نہ کہے۔

مسبوق کے دیگر احکام:

مسبوق کے لیے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو جانا جب کہ تشہد کی مقدار بیٹھ چکے ہوں مکروہ تحریمی ہے البتہ ایسے مواقع پر جہاں کوئی عذر ہو مکروہ نہیں۔عذر یہ ہیں:

۱۔ مسبوق کو اندیشہ ہو کہ اگر اس نے امام کے سلام کا انتظار کیا تو اس کے موزوں پر مسح کی مدت ختم ہو جائے گی۔

۲۔ اگر مسبوق معذور ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ نماز کا وقت نکل جائے گا اور اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

۳۔ اگر جمعہ کی نماز میں اندیشہ ہو کہ امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کیا تو عصر کا وقت داخل ہو جائے گا۔

۴۔ اگر مسبوق کو اندیشہ ہو کہ اگر امام کے سلام کا انتظار کیا تو عیدین کی نماز میں ظہر کا وقت داخل ہو جائے گا یا فجر میں سورج نکل آئے گا۔

۵۔ مسبوق کو بے وضو ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

۶۔ یہ اندیشہ ہو کہ اگر امام کے سلام کا انتظار کیا تو لوگ سامنے سے گزرنے لگ جائیں گے۔ان تمام صورتوں میں مسبوق کے لیے جائز ہے کہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اپنی نماز مکمل کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔

مذہب مالکی (۱۵۷)

مدرک وہ ہے جس نے پوری نماز امام کے ساتھ ادا کی ہو۔امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کے ذمہ کوئی قضا نہیں کیوں کہ اس کی نماز کا کوئی حصہ فوت نہیں ہوا۔

لاحق وہ ہے جس کی امام کے ساتھ نماز میں شامل ہونے کے بعد کسی ایسے عذر مثلاً بھیڑ یا اونگھ وغیرہ کی وجہ سے نماز کا کچھ حصہ چھوٹ جائے جس سے اس کا وضو نہ ٹوٹا ہو۔لاحق کی تین حالتیں ہیں:

(۱) اس کا رکوع یا قومہ چھوٹ گیا ہو (۲) اس کا ایک یا دونوں سجدے چھوٹ گئے ہوں (۳) اس کی ایک یا زیادہ رکعات چھوٹ گئی ہوں۔

پہلی حالت: اگر لاحق کا رکوع یا قومہ امام کے ساتھ ادا ہونے سے رہ گیا تو اگر ایسا پہلی رکعت میں ہوا تو وہ امام کے ساتھ نماز جاری رکھے اور اس رکعت کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرے۔کیوں کہ یہ رکعت نہیں ہوئی۔

اگر ایسا پہلی رکعت کے علاوہ کسی اور رکعت میں ہوا تو اگر مقتدی کے لیے ممکن ہے کہ وہ رہ جانے والے ارکان ادا کر کے امام کے ساتھ اسی رکعت کے کم از کم دوسرے سجدے میں شامل ہو سکتا ہے تو ایسا ہی کرے اور اگر ارکان ادا کر کے اسی رکعت کے دوسرے سجدے میں بھی شامل نہیں ہو سکتا تو اس رکعت کو جانے دے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد قضا کرے۔

دوسری حالت: اگر ایک یا دو سجدے رہ جائیں تو اگر انہیں ادا کر کے امام کے ساتھ اگلی رکعت کے رکوع میں شامل ہو سکتا ہے تو سجدے ادا کر کے اگلی رکعت میں شامل ہو جائے اور یہ رکعت شمار ہو گی اور اگر سجدے ادا کر کے اگلی رکعت کے رکوع میں شامل نہیں ہو سکتا تو اس رکعت کو جانے دے اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور امام کے سلام پھیرنے

کے بعد رہ جانے والی رکعت ادا کرے اور سجدہ سہو نہ کرے کیوں کہ غلطی کا بار امام پر ہے۔

تیسری حالت: یہ ہے کہ امام کے ساتھ نماز میں شامل ہونے کے بعد ایک یا ایک سے زائد رکعات رہ جائیں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ان رکعات کو اسی طرح قضا کرے جیسے وہ رہ گئی ہیں یعنی اگر ان میں قراءت یا قنوت تھی تو انہیں بھی ادا کرے۔

مسبوق وہ شخص ہے جو ایک یا ایک سے زائد رکعات کے بعد امام کے ساتھ نماز میں شامل ہوا اس کا حکم یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ قضا رکعات پڑھے۔ مشہور یہ ہے کہ قولی عبادت کی قضا کرے اور فعلی عبادت میں بنا رکھے۔ قولی عبادت سے مراد قراءت ہے اور فعلی سے قراءت کے علاوہ دوسرے امور، پس تسمیع، تحمید اور قنوت فعلی عبادت میں شامل ہیں۔ قولی عبادت کے قضا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ شامل ہونے سے پہلے جو رکعات پڑھی گئی ہیں ان کو اس طرح ادا کرے جیسے کہ وہ پہلی رکعات ہیں اور جو رکعات امام کے ساتھ پڑھی ہیں وہ آخری تھیں، اس لیے قضا رکعات میں سری اور جہری ہونے کا اسی طرح اہتمام کرے۔

فعلی عبادت میں بنا رکھنے کا مطلب یہ ہے(۱۵۸) کہ جو رکعات امام کے ساتھ پڑھی ہیں انہیں پہلی رکعات سمجھے اور جو بعد میں پڑھ رہا ہے انہیں آخری، اس میں وہ اکیلے نمازی کی طرح ہوگا اور قولی عبادت کے برعکس ادا کرے گا۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ اگر مسبوق نے امام کے ساتھ عشاء کی صرف آخری رکعت پڑھی، جب امام سلام پھیرے تو مسبوق کھڑے ہو کر سورت فاتحہ اور سورت کے ساتھ جہراً ایک رکعت پڑھے کیوں کہ قراءت کے اعتبار سے یہ اس کی پہلی رکعت ہے پھر تشہد کے لیے بیٹھ جائے کیوں کہ جلوس کے اعتبار سے یہ دوسری رکعت ہے، پھر کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت بھی سورہ فاتحہ اور سورت کے ساتھ جہراً پڑھے کیوں کہ قراءت کے اعتبار سے یہ دوسری رکعت ہے لیکن اس کے بعد تشہد کے لیے نہ بیٹھے کیوں کہ جلوس کے اعتبار سے یہ

تیسری رکعت ہے پھر تیسری رکعت پڑھے جس میں آہستہ قراءت کرے اور آخری تشہد میں بیٹھ جائے کیوں کہ فعلی طور پر یہ چوتھی رکعت ہے پھر سلام پھیر دے۔

صبح کی نماز میں جو شخص امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شریک ہو وہ بعد میں قضا کی جانے والی رکعت میں دعائے قنوت پڑھے کیوں کہ فعلی اعتبار سے وہی دوسری رکعت ہے اس میں قنوت ہونی چاہیے اور تسمیع وتحمید دونوں کہے کیوں کہ دوسری رکعت اس کی آخری رکعت ہے اور اس میں وہ اکیلے نمازی کی طرح ہے۔

اگر امام نے سجدہ سہو کیا تو اگر سلام پھیرنے سے پہلے کا سجدہ سہو ہے تو اس کے ساتھ سجدہ سہو کرے اور اگر بعد کا ہے تو مسبوق اپنی نماز مکمل کر کے آخر میں سجدہ سہو کرے۔

قضا رکعات ادا کرنے کے لیے اٹھتے وقت تکبیر کہنے کا حکم یہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ دو رکعات پڑھی ہیں یا ایک رکعت سے کم پڑھی ہے تو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہے کیوں کہ امام کے ساتھ جلوس اپنے موقع پر کیا گیا اس لیے تکبیر کہتا ہوا کھڑا ہو ورنہ کھڑے ہوتے وقت تکبیر نہ کہے بلکہ خاموشی سے کھڑا ہو جائے، کیوں کہ جلوس (قعدہ) اپنے موقع پر نہیں تھا بلکہ محض امام کی اقتدا کے باعث تھا۔

اگر مسبوق امام کے ساتھ رکوع میں اس طرح شامل ہو گیا کہ امام کے سر اٹھانے سے پہلے مسبوق کے گھٹنے اپنی جگہ پر ٹک گئے تو اسے رکعت مل گئی اور اگر مسبوق کو آخری رکعت کا رکوع نہیں ملا بلکہ وہ سجدے میں یا آخری قعدہ میں شامل ہوا تو اس کی جماعت کے ساتھ پوری نماز جاتی رہی وہ کھڑے ہو کر مکمل نماز پڑھے، اگر نماز جمعہ میں ایسا ہو جائے تو ظہر کی چار رکعات پڑھے۔

مذہب شافعیہ(۱۵۹)

مقتدی یا موافق ہے یا مسبوق۔موافق وہ ہے جسے امام کے ساتھ پہلی یا کسی بھی

رکعت میں اتنا قیام ملے جس میں سورہ فاتحہ پڑھی جا سکتی ہے اور مسبوق وہ ہے جسے امام کے ساتھ پہلی یا کسی رکعت میں سورہ فاتحہ کی مقدار قیام نہ مل سکے۔

موافق اگر ایک فعلی رکن میں بلا عذر امام سے پیچھے رہ گیا، امام اس رکن سے فارغ ہو گیا اور مقتدی ابھی تک پچھلے رکن میں ہے تو صحیح یہ ہے کہ اس کی نماز باطل نہیں ہوئی کیوں کہ یہ معمولی پیچھے رہ جانا ہے۔ وہ رکن خواہ طویل ہو مثلاً امام نے رکوع سے سر اٹھانا شروع کر دیا اور مقتدی ابھی تک قراءت میں ہے یا رکن مختصر ہو مثلاً امام نے پہلے سجدے سے سر اٹھا لیا اور جلسہ میں بیٹھ رہا اور جلسہ کے بعد دوسرے سجدے میں چلا گیا۔ اور مقتدی ابھی تک پہلے سجدے میں ہے۔

اگر مقتدی امام سے دو فعلی رکن پیچھے رہ گیا کہ امام نے دو رکن ادا کر لیے اور مقتدی ابھی دو رکن پیچھے ہے مثلاً امام سجدے میں جانے کے لیے جھک گیا اور مقتدی ابھی تک قراءت کر رہا ہے تو:

الف۔ اگر تو مقتدی کسی عذر کی وجہ سے پیچھے نہیں رہا، مثلاً سورۃ پڑھتا رہا یا رکوع سجدے کی تسبیحات کرتا رہا تو نماز باطل ہو جائے گی کیوں کہ اس صورت میں امام کی زیادہ مخالفت ہے۔

ب۔ اگر کسی عذر کے باعث پیچھے رہ گیا، مثلاً ثنا پڑھتا رہا یا امام رکوع میں چلا گیا اور مقتدی کو سورۂ فاتحہ کے بارے میں شک پڑ گیا یا یاد آ گیا کہ اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی یا امام نے جلدی جلدی قراءت کی اور مقتدی وسوسہ کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی معذوری کی وجہ سے آہستہ پڑھتا ہے اور امام نے مقتدی کی سورۂ فاتحہ مکمل کرنے کے لیے رکوع کر لیا تو صحیح یہ ہے کہ مقتدی سورہ فاتحہ مکمل کرے اور ترتیب سے امام کے پیچھے پڑھتا چلا جائے جب تک کہ تین مقصود طویل ارکان میں امام مقتدی سے آگے نہ نکل جائے، طویل ارکان سے مراد رکوع اور دو سجدے ہیں۔ اس مسئلہ میں عسفان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

نماز سے استدلال کیا گیا ہے۔ اگر ارکان مختصر ہیں مثلاً قومہ اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ تو انہیں شمار نہیں کیا جائے گا۔

اگر امام تین ارکان سے زائد مقتدی سے آگے نکل گیا مثلاً مقتدی ابھی سورۂ فاتحہ سے فارغ نہیں ہوا کہ امام سجدے کر کے کھڑا ہو گیا یا تشہد میں بیٹھ گیا تو صحیح یہ ہے کہ مقتدی کے لیے امام سے الگ ہو جانا ضروری نہیں بلکہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور جو درمیان کا حصہ رہ گیا ہے اسے بعد میں اس طرح قضا کرے جیسے مسبوق قضا کرتا ہے کیوں کہ اس صورت میں مکمل مخالفت کے بجائے نماز کے نظم کی ایک گونہ رعایت ہے۔ یہ ساری فروعات اس شرط کے ساتھ ہیں کہ مقتدی امام کی اقتدا کر رہا ہے۔

مسبوق کے لیے مسنون یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد مسنون اعمال میں مشغول ہونے کے بجائے فاتحہ شروع کر دینی چاہیے، ہاں اگر اسے یقین ہو کہ مسنون دعاؤں کے بعد فاتحہ میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے گا تو مسنون اعمال ادا کرنا درست ہیں۔ اگر مسنون اعمال ادا نہیں کیے تو رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہونا واجب ہے اور سورہ فاتحہ کا باقی حصہ معاف ہو جائے گا۔ اگر سورۂ فاتحہ پڑھتا رہا اور امام نے رکوع مکمل کر کے سر اٹھا لیا تو مقتدی کی رکعت جاتی رہی لیکن نماز باطل نہیں ہو گی تا آنکہ بلا عذر دو فعلی ارکان میں امام سے پیچھے رہ جائے۔

اگر مسبوق مسنون اعمال مثلاً ثنا اور تعوذ میں مشغول ہو گیا تو واجب ہے کہ اتنی مقدار سورہ فاتحہ بھی پڑھے، اگر واجب مقدار سے فارغ ہو کر اطمینان کے ساتھ امام کے ہمراہ رکوع میں شامل ہو گیا تو رکعت مل گئی اور اگر واجب مقدار سے فارغ ہوا تو امام قومہ میں تھا تو وہیں اس کے ساتھ شامل ہو جائے لیکن رکعت نکل گئی اور اگر مقتدی قراءت میں مشغول رہا تا آنکہ امام سجدے کے لیے جھک گیا تو مقتدی کے لیے نماز سے علیحدہ ہونا ضروری ہو گیا کیوں کہ اگر وہ نماز سے الگ ہونے کی نیت نہیں کرتا اور امام سجدے میں چلا

جاتا ہے تو مقتدی کی نماز باطل ہوگئی اور اگر مقتدی بھی امام کے ساتھ سجدے میں چلا جاتا ہے تب بھی اس کی نماز باطل ہوگئی۔

اور اگر مقتدی سنت دعاؤں میں مشغول نہیں ہوا تو قراءت چھوڑ دے اور امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے۔

اگر مقتدی کو رکوع میں معلوم ہوا کہ اس نے سورہ فاتحہ چھوڑ دی تو دوبارہ سورہ فاتحہ نہ پڑھے بلکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت قضا کرے۔

اگر امام نے رکوع کر لیا لیکن مقتدی کو معلوم ہوا کہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی یا اسے شک پڑ گیا تو امام کے ساتھ رکوع نہ کرے بلکہ واجب ہے کہ قراءت کرے کیوں کہ مقتدی ابھی اس حالت میں ہے جہاں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ ایسے مقتدی کو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ عذر کی وجہ سے امام سے پیچھے رہ گیا اور اس پر وہی احکام منطبق ہوں گے جو موافق کے سلسلے میں آہستہ قراءت کرنے والے پر منطبق ہوتے ہیں۔

ایسا مسبوق جس کی بعض رکعات امام کے ساتھ ادا ہونے سے رہ گئی ہوں: اگر اس نے امام کے ساتھ اتنی دیر رکوع کر لیا کہ جس میں وہ اطمینان سے رکوع کی حالت میں پہنچ گیا تو اسے رکعت مل گئی۔ اگر اس طرح امام کے ساتھ رکوع میں شامل نہ ہو سکا یا اس نے زائد رکوع میں شرکت کی یا سورج گرہن کی نماز کے دوسرے رکوع میں شریک ہوا تو اسے رکعت نہیں ملے گی کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ جس کو جمعہ کے روز دوسری رکعت کا رکوع مل گیا وہ ایک رکعت کا اضافہ کر لے اور جسے رکوع نہیں ملا وہ ظہر کی چار رکعات پڑھے۔(۱۶۰)

اگر امام سجدے میں تھا تو تکبیر تحریمہ کہے اور بغیر تکبیر کہے سجدے میں چلا جائے۔ یہی شافعی مذاہب کی روایت ہے۔

اگر امام نماز کے آخر میں ہو تو مقتدی تکبیر تحریمہ کہہ کر قعدہ میں شامل ہو جائے اسے

جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔اگر اسے آخری رکعت مل جاتی ہے تو وہ اس کی پہلی رکعت ہوگی کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''جو تجھے مل گئی وہ تیری پہلی رکعت ہے'' اور ابن عمرؓ کہتے ہیں، تکبیر کہے پھر جب امام سلام پھیر دے تو جو نماز باقی رہ گئی ہے کھڑے ہو کر اسے ادا کرے۔اسی سے مذہب شافعیہ نے یہ قاعدہ وضع کیا ہے کہ مسبوق کو جو نماز امام کے ساتھ مل جاتی ہے وہ ابتدائی رکعات ہیں اور جو بعد میں پڑھتا ہے وہ آخری، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جو تمہیں مل جائے وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے مکمل کر لو۔(۱۶۱) یہ رائے دوسرے تمام ائمہ کی رائے سے مختلف ہے۔ان کے نزدیک جو امام کے ساتھ مل جائے وہ آخری رکعات ہیں اور جو رہ جائے اور بعد میں پڑھے وہ پہلی رکعات ہیں کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جو تمہیں مل جائے وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے قضا کر لو۔(۱۶۲)

اگر نماز میں دعائے قنوت ہو اور مقتدی نے امام کے ساتھ دعائے قنوت پڑھی تو نماز کے آخر میں دعائے قنوت کا اعادہ کرے کیوں کہ امام کے ساتھ دعائے قنوت میں شرکت محض امام کی اقتدا کے لیے تھی۔جب دعائے قنوت کے مقام پر پہنچے تو دوبارہ دعائے قنوت پڑھے جیسا کہ امام کے ساتھ تشہد میں شرکت کے باوجود اگر باقی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا ہے جب تشہد کے اصل مقام پر پہنچے تو دوبارہ تشہد میں بیٹھے۔

مسبوق کی اگر پہلی دو یا پہلی رکعت رہ گئی ہے تو مسنون یہ ہے کہ ان دو رکعات میں یا ایک میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت بھی پڑھے تا کہ اس کی نماز سورت سے بالکل خالی نہ ہو۔

مذہب حنابلہ(۱۶۳)

حنابلہ کے نزدیک وہ شخص بھی مسبوق ہے جو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک لاحق ہے۔جس شخص نے نماز کے شروع سے امام کی اقتدا کی، یا ایک یا ایک سے زائد رکعات

کے بعد امام کے ساتھ شامل ہوا اور اس کی نماز کا کچھ حصہ رہ گیا تو وہ ان دونوں صورتوں میں مسبوق ہے۔

لاحق وہ ہے جس نے امام کے ساتھ نماز شروع کی اور کسی عذر مثلاً ایسی نیند یا غفلت جس سے وضو نہیں ٹوٹتا، بھول چوک، عجلت یا بھیڑ وغیرہ کی وجہ سے اس کا ایک یا دو رکن چھوٹ گئے تو اس پر واجب ہے کہ اگر اسے اگلی رکعت امام کے ساتھ سے چھوٹ جانے کا اندیشہ نہیں تو ان ارکان کو ادا کر کے امام کے ساتھ شامل ہو جائے کیوں کہ کسی ممنوع امر کے ارتکاب کے بغیر اس کے لیے امام کے ساتھ شامل ہونا ممکن ہے، پس ایسا کرنا ضروری ٹھہرا اور جو رکعت اس نے اپنے طور پر ادا کی وہ درست ہے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا یا اسے اندیشہ ہے کہ درمیان کے ارکان ادا کرنے سے امام کے ساتھ اگلی رکعت میں شامل نہیں ہو سکے گا تو اس پر امام کی اقتدا واجب ہے، پچھلی رکعت نہیں ہوئی، امام کے سلام پھیرنے کے بعد پچھلی رکعت اسی طرح ادا کرے جیسی کہ وہ تھی۔

جیسی وہ تھی اسی طرح ادا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر پہلی رکعت رہ گئی ہے تو ثنا، تعوذ، اور سورہ فاتحہ کے بعد سورت ملا کر ادا کرے، اگر دوسری رکعت رہ گئی ہے تو سورت بھی پڑھے اور اگر تیسری یا چوتھی رہ گئی ہے تو صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔

اگر کسی عذر کی بنا پر امام کے ساتھ پہلا سجدہ نہیں کر سکا تو دوسرے سجدے میں شامل ہو جائے، اس کی رکعت ہو گئی البتہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو سجدہ رہ گیا اسے اسی طرح ادا کرے جیسا کہ وہ تھا۔

اگر کسی عذر کی وجہ سے ایک رکعت یا ایک سے زائد رکعت رہ گئی ہیں مثلاً نیند یا غفلت وغیرہ کی وجہ سے تو باقی نماز امام کے ساتھ مکمل کرے اور جو حصہ رہ گیا ہے اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسی طرح پڑھے جیسا کہ مسبوق پڑھتا ہے۔

اگر بلا عذر امام کے ساتھ ایک رکن ادا نہیں کر سکا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس

نے امام سے پہلے کوئی رکن ادا کر لیا۔ اگر جانتے بوجھتے اور دانستہ ایسا کیا تو نماز ٹوٹ گئی، کیوں کہ اس نے دانستہ امام کی اقتدا کا فرض چھوڑ دیا او جہالت یا نسیان کی وجہ سے ایسا کیا تو اگر جو حصہ رہ گیا ہے اسے ادا نہ کیا تو وہ رکعت نہیں ہو گی کیوں کہ اس نے رکوع میں امام کی اقتدا نہیں کی اور اگر ادا کر دیا تو نماز صحیح ہو جائے گی کیوں کہ حدیث میں ہے: ''میری امت کی خطا، نسیان اور زبردستی کا عمل معاف ہے''۔

مسبوق نے اگر امام سے پہلے رکوع کر لیا یا دانستہ دو ارکان پہلے ادا کر لیے تو اس کی نماز باطل ہو گی، اور اگر رکوع کے علاوہ کسی رکن میں امام سے آگے بڑھ گیا مثلاً سجدے میں پہلے جھک گیا یا بھولے سے امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز تو نہیں ٹوٹے گی لیکن اس رکن کا امام کے بعد اعادہ کرے، اگر اعادہ نہیں کیا تو وہ رکعت نہیں ہو گی۔

مسبوق کو امام کے ساتھ جو نماز ملتی ہے وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہوتا ہے۔ اگر اسے پہلی رکعت کے بعد کی کوئی رکعت مثلاً دوسری یا تیسری رکعت ملی تو اس میں ثنا اور تعوذ نہ پڑھے اور جو بعد میں کھڑے ہو کر قضا کرے گا وہ اس کی پہلی رکعت ہو گی، اس پر ثنا اور تعوذ پڑھے اور سورت بھی ملائے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے: جو نماز تمہیں امام کے ساتھ مل جائے وہ پڑھ لو، جو رہ جائے اسے قضا کر لو۔ (۱۶۴)

امام جس موقع پر تشہد میں سرین پر بیٹھ جائے تو وہ مسبوق بھی سرین پر بیٹھے کیوں کہ یہ نماز کا آخری تشہد ہے اگرچہ مسبوق کے لیے اس تشہد کا اعتبار نہیں وہ اپنے آخری تشہد میں بھی سرین پر بیٹھے گا۔ اگر چار رکعات والی نماز میں آخری دو رکعات امام کے ساتھ پڑھی ہوں تب بھی امام کی اقتدا میں مسبوق بھی پہلے تشہد میں سرین پر بیٹھے اور دو رکعات بعد میں پڑھنے کے بعد بھی سرین پر بیٹھے کیوں کہ اس تشہد کے بعد اس نے سلام پھیر دینا ہے۔ مسنون یہ ہے کہ پہلا تشہد دوبار پڑھ لے تاکہ امام دونوں طرف سلام پھیرے کیوں کہ مسبوق کا یہ پہلا تشہد ہے جس میں تشہد پر اضافہ جائز نہیں ہے۔

اگر مسبوق بھولے سے امام کے ساتھ سلام پھیر لے تو نماز کے آخر میں اس پر سجدہ سہو کرنا واجب ہو جاتا ہے اگر امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے بھول گیا یا اکیلے قضا کرتے ہوئے تب بھی آخر میں سجدہ سہو کرے خواہ امام کے ساتھ سجدہ سہو میں شریک ہوا ہو۔اگر امام نے سجدہ سہو نہیں کیا تو باقی نماز پڑھنے کے بعد آخر میں سجدہ سہو کرے۔

اگر مسبوق امام کے پہلا سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ کر جماعت میں شامل ہو گیا تو اسے جماعت مل گئی لیکن اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے رکوع میں شامل نہیں ہو سکا تو رکعت نہیں ملے گی۔اگر مسبوق کو یقین ہو کہ وہ امام کے ساتھ رکوع کی حالت میں شامل ہو گیا خواہ رکوع میں ابھی اطمینان نہ ہوا ہو تب بھی اس کی رکعت ہو گئی۔

کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ:جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو سجدے میں شامل ہو جاؤ لیکن یہ سجدہ حساب میں نہیں آئے گا اور جسے رکوع مل گیا اسے رکعت مل گئی۔(۱۶۵)

۴۔ امام کے فارغ ہونے کے بعد مقتدی کون سے واجبات وغیرہ ادا کرے:

حنفیہ نے (۱۶۶) بعض دیگر مسائل اس موقع پر بیان کیے ہیں جن کا تعلق امام کے فارغ ہونے کے بعد مقتدی کے اعمال سے ہے، وہ مسائل درج ذیل ہیں:

الف۔ اگر مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو مقتدی تشہد مکمل کر کے سلام پھیرے۔

ب۔ اگر مقتدی کے درود ابراہیمی یا دعا مکمل کرنے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو مقتدی درود اور دعا چھوڑ دے اور امام کے ساتھ سلام پھیرے۔

ج۔ اگر مقتدی کے پہلا تشہد مکمل کرنے سے پہلے امام تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو مقتدی تشہد مکمل کرے پھر امام کے ساتھ آملے۔

د۔ اگر رکوع یا سجدے میں مقتدی کے تین تسبیحات کہنے سے پہلے امام اُٹھ کھڑا ہو تو مقتدی تسبیحات چھوڑ دے اور امام کی اقتدا کرے۔

ہ۔ اگر امام نے بھولے سے ایک سجدہ زائد کر دیا یا قعدہ اخیرہ کے بعد کھڑا ہو گیا تو مقتدی امام کی اقتدا نہ کرے اگر اقتدا کرے گا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی، بلکہ انتظار کرے اور امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے تسبیح پڑھے اگر امام اگلی رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے بیٹھ جائے تو امام سجدہ سہو کرے اور مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے اور اگر اگلی رکعت کا سجدہ کر لیا تو مقتدی اکیلا سلام پھیرے کیوں کہ امام نے اب دوسری نماز شروع کر دی ہے۔

اگر امام کے اگلی رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے مقتدی نے سلام پھیر دیا تو اس کے فرض باطل ہو گئے۔

و۔ مقتدی اگر امام سے پہلے تشہد سے فارغ ہو جائے تو امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے کیوں کہ اس سے اقتدا ختم ہوتی ہے، اگر سلام پھیر لیا تو نماز درست ہے جیسا کہ امام کی نماز درست ہے۔

ز۔ مسجد میں اذان ہو جانے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے مسجد سے نکل جانا مکروہ تحریمی ہے البتہ جو شخص کسی دوسری مسجد کا امام یا مؤذن ہو یا اکیلے نماز پڑھ لی ہو اس کے لیے جائز ہے۔

ح۔ اگر امام کو یہ خیال ہوا کہ وہ بھول گیا اور اس نے سجدہ سہو کر لیا مقتدی نے محض امام کی اقتدا میں سجدہ سہو کر لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ بھولا نہیں تھا تو مقتدی کی نماز فاسد ہو گئی کیوں کہ اس نے ایسے کام میں امام کی اقتدا کی جس میں نہیں کرنا چاہیے تھی۔

مطلب چہارم: امام اور مقتدی کے درمیان مشترک امور:

امام کی اقتدا کی شرائط، امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ، امام کا صفیں سیدھی

کرانا، صف سے الگ ہو کر اکیلے نماز پڑھنا، جیسے امور اس میں شامل ہیں۔

اول: امام کی اقتدا کی شرائط:

امام اور مقتدی میں سے ہر ایک کی خاص شرائط ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، یہاں ہم ان شرائط کا ذکر کریں گے جن کا تعلق امام اور مقتدی کے باہمی ربط و تعلق سے ہے یا جو جماعت کے درست ہونے کی شرائط ہیں۔ یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔(۱۶۷)

۱۔ باتفاق مذاہب مقتدی اقتدا کی نیت کرے:

یعنی مقتدی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی اقتدا کی یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی یا مقتدی بننے کی نیت کرے، اگر یہ نیت نہیں کی یا نیت میں شک رہا اور تمام افعال میں مقتدی امام کی اقتدا کرتا رہا تو مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔ امام کا نام لے کر اسے متعین کرنا واجب نہیں۔ اگر نام لے کر متعین کر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شخص تو امام نہیں تھا تو شافعیہ کے نزدیک نماز باطل ہو گئی، البتہ امامت کے حوالے سے متعین امام کی نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر دو شخص نماز پڑھا رہے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو متعین کیے بغیر اقتدا کی نیت کر لی تو نماز نہیں ہوگی جب تک کہ کسی ایک امام کی تعیین کر کے اس کی اقتدا میں نماز نہ پڑھے، کیوں کہ امام کی تعیین شرط ہے، ایک سے زائد افراد کی امامت میں نماز پڑھنا درست نہیں، اگر کسی نے بیک وقت دو اماموں کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی نیت کر لی تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیوں کہ بیک وقت دو آدمیوں کی اقتدا ممکن نہیں۔

نیت کی شرط: شافعیہ کے نزدیک نیت کا تکبیر تحریمہ کے ساتھ متصل ہونا ضروری ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نیت تکبیر تحریمہ سے اس طرح مقدم ہو سکتی ہے کہ نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کسی اجنبی کام کا فاصلہ نہ آ جائے۔(۱۶۸)

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ نیت تکبیر تحریمہ کے ساتھ متصل ہو تا کہ

علماء کے اختلاف سے بچا جا سکے۔ مالکیہ کے نزدیک شرط ہے کہ نیت تکبیر تحریمہ کے ساتھ متصل ہو یا بہت معمولی سی مقدم ہو۔ اس کی تفصیل نماز میں نیت کی شرط کے زیر عنوان گزر چکی ہے۔

اس شرط کی بنا پر اگر کسی شخص نے اکیلے نماز شروع کی تو وہ نماز کی حالت میں جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اسے خلیفہ بنا دیا جائے تو جائز ہے، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کے برعکس بھی جائز نہیں کہ جماعت سے نماز شروع کر کے امام سے علیحدگی کی نیت کر کے الگ نماز مکمل کر لے۔ شافعیہ اور حنابلہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں کہ حنابلہ کے نزدیک کسی عذر کی بنا پر امام سے الگ ہونے کی نیت کر کے اپنی علیحدہ نماز مکمل کر سکتا ہے اور شافعیہ کے نزدیک بلا عذر بھی مگر کراہت کے ساتھ۔

امام کے لیے جمہور کے نزدیک امامت کی نیت کرنا شرط نہیں، حنابلہ کے نزدیک شرط ہے۔ البتہ جمہور کے نزدیک امامت کی نیت کرنا مستحب ہے تاکہ امام کو جماعت کا ثواب مل سکے۔ اگر امام نے امامت کی نیت نہیں کی تو اسے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا کیوں کہ آدمی کا وہی عمل مقبول ہوتا ہے جس کی نیت کی ہو۔

شافعیہ اور مالکیہ نے ان نمازوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جن کے درست ہونے کے لیے جماعت شرط ہے مثلاً جمعہ، بارش کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنا، باجماعت نماز کا اعادہ، نماز خوف، ان نمازوں میں امام کے لیے امامت کی نیت کرنا ضروری ہے۔

حنفیہ نے مرد امام کے لیے عورتوں کی امامت کی نیت شرط قرار دی ہے۔ عورتوں کی نماز مرد کی اقتدا میں اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب امام نے عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو۔

حنابلہ کے بقول امامت کی نیت بھی شرط ہے۔ امام امام ہونے کی اور مقتدی مقتدی

ہونے کی نیت کرے ورنہ نماز نہیں ہو گی لیکن اگر کسی شخص نے اکیلے نماز شروع کی، پھر کوئی اور آ گیا اور اس نے اس کی امامت کی نیت کر کے اس کے پیچھے نماز شروع کر دی تو نفل نماز میں ایسا کرنا جائز ہے۔ابن عباسؓ کی حدیث پر عمل کا یہی تقاضا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رات اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں رہا، رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھنے کے لیے اٹھے، آپؐ پانی کے مٹکے کے پاس گئے، وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے، جب میں نے آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھا، میں بھی اٹھ کھڑا ہوا، مٹکے سے وضو کیا، اور آپؐ کی بائیں جانب جا کھڑا ہوا آپؐ نے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دائیں جانب لا کھڑا کیا۔(۱۶۹)

فرائض میں اگر مثلاً امام مسجد کسی نمازی کا انتظار کر رہا ہے اور اس حالت میں تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا اور آنے والوں کا انتظار بھی ہے تو کچھ لوگ آ کر اس کے پیچھے نماز شروع کر دیں تو حنابلہ کے نزدیک جائز ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے نماز شروع کی، پھر حضرت جابرؓ اور جبارہؓ آ گئے، انہوں نے تکبیر کہہ کر آپؐ کے پیچھے نماز شروع کر دی، آپؐ نے ان کے اس فعل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بظاہر یہ فرض نماز تھی کیوں کہ آپ سب مسافر تھے۔اس صورت کے علاوہ جس شخص نے امامت کی نیت نہ کی ہو اس کی اقتدا میں نماز درست نہیں۔

۲۔ امام اور مقتدی کی نمازوں کا اتحاد:

نمازوں کے اتحاد کی حد بندی سے متعلق فقہا کی مختلف آراء ہیں۔حنفیہ کے نزدیک(۱۷۰) اتحاد یہ ہے کہ مقتدی کے لیے امام کی نیت کے ساتھ اس نماز میں داخل ہونا ممکن ہو، امام کی نماز مقتدی کی نماز کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہوتی ہے، پس نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، کیوں کہ اقتدا کا مفہوم امام کی نماز پر بنیاد رکھنا ہے۔امام کی نماز میں فرضیت کی صفت ہی موجود نہیں ہے تو ایک معدوم شے پر

کیسے بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔اسی طرح جو شخص ایک وقت کے فرض پڑھ رہا ہو اس کے پیچھے دوسرے وقت کے فرض پڑھنا جائز نہیں، کیوں کہ اقتدا میں شرکت اور موافقت (ہم آہنگی) ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ امام اور مقتدی کی نمازوں میں سبب، فعل اور وصف تینوں میں ہم آہنگی ہو۔اقتدا میں ایک تحریمہ پر دوسری تحریمہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے پس اتحاد میں فرضیت اور فرضیت کی نوعیت دونوں باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

البتہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والے کی نماز درست ہو جاتی ہے کیوں کہ اس صورت میں کمزور نماز کی قوی نماز پر بنیاد رکھی جا رہی ہے جو جائز ہے البتہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے صحیح قول کے مطابق تراویح جائز نہیں کیوں کہ نماز تراویح ایک خاص ہیئت کی سنت نماز ہے، اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس کے خاص اوصاف کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ایک نفل پڑھنے والا دوسرے نفل پڑھنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے مثلا ایک نذر نماز پڑھنے والا دوسری نذر نماز والے کی اقتدا کر سکتا ہے۔ جو شخص وتر کو واجب سمجھتا ہے(حنفیہ) وہ اس شخص کے پیچھے وتر پڑھ سکتا ہے جو وتر کو سنت سمجھتا ہے اس طرح جس شخص نے مقیم ہونے کی صورت میں غروب آفتاب کے بعد کسی ایسے شخص کی نماز عصر میں اقتدا کی جس نے غروب آفتاب سے پہلے تکبیر تحریمہ کہی تھی تو ان تینوں صورتوں میں اقتدا جائز ہے کیوں کہ امام اور مقتدی ایک ہی نماز پڑھ رہے ہیں۔

تیمّم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والے کی اور موزوں یا پٹی پر مسح کرنے والے کے پیچھے دھونے والے کی، بیٹھ کر رکوع سجدے کرنے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی نماز درست ہے البتہ اشارے سے پڑھنے والے کے پیچھے صرف اس شخص کی نماز درست ہے جو اسی طرح اشارے سے پڑھتا ہو۔نیز یہ بھی جائز نہیں ہے کہ امام لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہو اور مقتدی بیٹھ کر اشارے سے کیوں کہ بیٹھ کر نماز

پڑھنے کا اعتبار ہے اور قعدہ نماز کا حصہ ہے۔کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی بیٹھ کر پڑھنے والے کے پیچھے نماز درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی اور لوگ کھڑے تھے(۱۷۱) اور حضرت ابو بکرؓ تکبیرات کی آواز لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا کبڑے شخص کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے خواہ امام اتنا کبڑا ہو کہ رکوع کی حالت کو پہنچ گیا ہو۔مستند مذہب یہی ہے۔اسی طرح لنگڑے امام کے پیچھے بھی نماز درست ہے اور اشارے سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے اسی طرح کے مقتدی کی نماز صحیح ہے، البتہ اگر امام لیٹ کر اشارے سے پڑھتا ہو اور مقتدی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر تو درست نہیں کیوں کہ مقتدی کی حالت امام سے افضل ہے۔

مالکیہ کے نزدیک(۱۷۲) ایک تو اصل نماز میں اتحاد شرط ہے،عصر پڑھنے والے کے پیچھے ظہر پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، دوسرے نماز کی صفت یعنی ادا اور قضا میں اتحاد ضروری ہے۔قضا پڑھنے والے کے پیچھے ادا اور ادا پڑھنے والے کے پیچھے قضا نماز نہیں ہوتی۔تیسرے نماز کے وقت میں اتحاد ضروری ہے،خواہ قضا میں اتحاد ہو مثلاً ایک شخص کی ہفتے کی ظہر کی نماز قضا ہو گئی اور دوسرے کی اتوار کی ظہر کی، یہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے اپنی اپنی قضا نمازیں نہیں پڑھ سکتے۔اگر ایک شخص نے ایک رکعت صبح کی نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لی تھی اس کی دوسری رکعت میں اقتدا جائز نہیں کیوں کہ اس کی نماز ادا ہے اور مقتدی کی قضا۔

فرض پڑھنے والے کے پیچھے نوافل پڑھے جا سکتے ہیں مثلاً کوئی شخص سورج نکلنے کے بعد صبح کے فرض قضا پڑھ رہا ہو۔تو اس کے پیچھے چاشت کی دو رکعات پڑھی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص سفر کے دوران دو فرض یا اقامت کی حالت میں چار فرض پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے اتنے ہی نوافل پڑھنے جائز ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک (۱۷۳) فرض کی نوعیت میں وقت اور نام دونوں کے اعتبار سے

اتحاد ہونا ضروری ہے۔ عصر یا عشا پڑھنے والے کے پیچھے ظہر پڑھنے والے کی نماز نہیں ہو سکتی اور نہ اس کے برعکس ہو سکتی ہے۔ ایک شخص ایک وقت کے فرض پڑھ رہا ہے یا ایک نام کے فرض پڑھ رہا ہے اس کے پیچھے کسی دوسرے وقت یا نام کے فرض پڑھنا جائز نہیں کیوں کہ ارشاد نبوی ہے:

''امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے، امام سے اختلاف نہ کرو''۔ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز درست نہیں۔ اسی حدیث کی بنا پر، نیز مقتدی اپنی نماز امام کی نماز کی نیت سے ادا نہیں کر سکتا، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص ظہر پڑھنے والے کے پیچھے جمعہ ادا کرے۔ یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص مٹی اور پانی دست یاب نہ ہونے کے باوجود یا اتنا زخمی ہونے کے باوجود کہ بدن کو چھو نہیں سکتا ایسے شخص کو نماز پڑھائے جس نے وضو یا تیمّم کیا ہوا ہو۔

ایسی نماز کی اقتدا کسی ایسی نماز میں جو افعال میں باہم مختلف ہوں جائز نہیں مثلاً جو شخص کوئی دوسری نماز پڑھ رہا ہو اس کے پیچھے سورج گرہن کی نماز یا جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے اور اس کے برعکس بھی جائز نہیں کہ کوئی شخص سورج گرہن یا جمعہ کی نماز پڑھ رہا ہو اس کے پیچھے کوئی اور نماز پڑھی جائے کیوں کہ اس طرح نماز کے افعال میں امام کی مخالفت لازم آتی ہے جو ممنوع ہے۔

فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والے کی نماز درست ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے نماز پڑھ کر فارغ ہونے والوں سے فرمایا: کون ہے جو اس شخص کے ساتھ نیکی کرے؟ (یعنی بعد میں مسجد میں آنے والا فرض پڑھائے اور کوئی شخص اس کا مقتدی ہو جائے تا کہ جماعت کا ثواب حاصل ہو) تو ایک شخص نے اٹھ کر اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ تیمّم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والے کی نماز درست ہے کیوں کہ تیمّم کرنے والے نے وہ طہارت حاصل کر لی ہے جو اس کے لیے ضروری تھی اور اس

کے برعکس بطریق اولیٰ جائز ہے۔کسی چیز پر مسح کرنے والے کے پیچھے دھونے والا نماز پڑھ سکتا ہے کیوں کہ دھونے سے بھی حدث رفع ہوتا ہے اور مسح سے بھی۔قضا نماز پڑھنے والا ادا پڑھنے والے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے اور اس کے برعکس بھی جائز ہے کیوں کہ نماز ایک ہے محض وقت کا اختلاف ہے۔

آج کی ظہر قضا پڑھنے والا کسی دوسرے دن کی قضا ظہر پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے کیوں کہ نماز ایک ہے محض وقت مختلف ہے۔ یاد رہے کہ ان دونوں صورتوں میں مالکی مذہب کا اختلاف ہے۔

جو شخص کھڑا نہیں ہو سکتا وہ اپنی طرح کے معذور کی امامت کر سکتا ہے۔البتہ جو بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو وہ کھڑے ہونے پر قدرت رکھنے والے کو نماز نہیں پڑھا سکتا۔صرف دو صورتوں میں استثنا ہے:

ایک یہ ایسا شخص محلے کا مستقل امام ہو کیوں کہ عام حالات میں لوگوں کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ایک معذور آدمی کو جو کھڑا نہیں ہو سکتا اپنا امام بنائیں وہاں مستقل امام ہو تو الگ بات ہے۔ بلا ضرورت نماز کے ایک رکن کو ساقط نہیں کیا جا سکتا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی تو آپؐ مستقل امام تھے۔

دوسرے یہ کہ بیماری اس طرح کی ہو کہ اس سے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحت یاب ہونے کی امید تھی۔کسی ایسے شخص کو جو مستقل معذور ہو اور اس کے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو مستقل امام بنانے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں قیام کو مستقل طور پر چھوڑ دیا جائے اور اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس بنا پر حنابلہ کے نزدیک جو شخص کھڑے ہونے سے معذور ہے اس کے پیچھے نماز درست نہیں کیوں کہ وہ نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ادا کرنے سے عاجز ہے اس لیے اس کی اقتدا صحیح نہیں ہے۔اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو قراءت سے عاجز ہو،

ہاں ایسے افراد اپنے ایسے معذور افراد کی امامت کروا سکتے ہیں البتہ اگر محلے کا مستقل امام جس کی بیماری ختم ہونے کی امید ہو اگر کھڑا نہ ہو سکے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ مستقل امام سے مراد ہر مسجد کا تنخواہ دار امام ہے۔

جب محلے کا امام بیٹھ کر نماز پڑھائے اور اس کے پیچھے سب لوگ بیٹھ کر نماز پڑھیں کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس لیے بنایا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ اس کی مخالفت نہ کرو، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب لوگ بیٹھ کر پڑھو۔(۱۷۴) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے گھر میں نماز پڑھائی آپؐ بیمار تھے اس لیے آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، لوگ آپؐ کے پیچھے کھڑے تھے، آپؐ نے انہیں اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ، جب آپؐ نے نماز ختم کی تو فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو، جب سر اُٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو ربنا ولک الحمد کہو، جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب لوگ بیٹھ کر نماز پڑھو۔(۱۷۵) نیز یہ امام کے قعدہ کی حالت ہے پس تشہد کی طرح اس حالت میں بھی مقتدیوں کو امام کی اقتدا کرنی چاہیے۔

ایسے مستقل امام کے پیچھے جو بیماری کے باعث بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہے لیکن اس کے صحت یاب ہونے کی امید ہے، اگر لوگ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تو اس کی نماز درست ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جن لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی آپؐ نے انہیں دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا، نیز نماز میں اصل یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھی جائے۔

ایسے امام کے لیے افضل یہ ہے کہ جب بیمار ہو جائے تو کسی کو اپنا نائب بنا دے، کیوں کہ ایسے شخص کی امامت صحیح ہونے کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے۔ پس

اختلاف سے بچنا بہتر ہے۔کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہی کامل تر ہے، اس لیے مستحب یہ ہے کہ امام کی نماز کامل تر ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۱۷۶)امام اور مقتدی کی نماز کے نظم و ترتیب کی ہم آہنگی نماز کے درست ہونے کے لیے کافی ہے۔اگر دونوں کی نمازوں کا نظم مختلف ہے مثلاً ایک فرض پڑھ رہا ہے اور دوسرا سورج گرہن کی نماز یا ایک فرض نماز پڑھ رہا ہے اور دوسرا نماز جنازہ،ان صورتوں میں ایک دوسرے کے پیچھے نماز جائز ہے نہ ممکن، کیوں کہ دونوں کے افعال مختلف ہیں۔

البتہ ادا نماز پڑھنے والا قضا پڑھنے والے کے پیچھے اور اس کے برعکس فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے اور اس کے برعکس، ظہر پڑھنے والا عصر پڑھنے والے کے پیچھے اور اس کے برعکس،اسی طرح ظہر پڑھنے والا صبح یا مغرب پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔آخری صورت میں مقتدی مسبوق کی طرح ہو گا، امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز مکمل کرے اور ان صورتوں میں صبح میں دعائے قنوت یا مغرب میں قعدۂ اخیرہ میں امام کی اقتدا سے مقتدی کی نماز ظہر کو کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ مقتدی کو یہ اختیار ہے کہ جب امام قنوت پڑھے یا مغرب میں آخری قعدہ میں بیٹھ جائے تو مقتدی امام سے الگ ہو جائے تاکہ اس کی اپنی نماز کی ترتیب باقی رہے۔

اظہر روایت کے مطابق ظہر پڑھنے والے کے پیچھے صبح کی قضا نماز جائز ہے۔جب امام تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو مقتدی چاہے تو امام سے الگ ہو کر سلام پھیر لے اور چاہے تو انتظار کرے اور امام کے ساتھ سلام پھیرے، انتظار کرنا افضل ہے۔اگر مقتدی کے لیے فجر کی دوسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا ممکن ہو تو قنوت پڑھ لے ورنہ چھوڑ دے۔مقتدی کو حق ہے کہ قنوت پڑھنے کے لیے امام سے علیحدہ ہو جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی کی نمازوں کے اتحاد کی شرط میں مالکی مذہب سب

سے سخت ہے، پھر حنفی، پھر حنبلی اور پھر شافعیہ، جمہور فقہاء کے برعکس مالکیہ کے نزدیک بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی حنابلہ کے نزدیک بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھے۔

۳۔ مقتدی کے پاؤں کی ایڑی امام کے پاؤں کی ایڑی سے آگے نہ ہو اور اگر بیٹھ کر پڑھ رہے ہوں تو مقتدی کی سرین امام سے آگے نہ ہو اور اگر پشت کے بل لیٹ کر پڑھ رہے ہوں تو مقتدی کا پہلو امام سے آگے نہ ہو، اگر برابر ہوں تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ مقتدی تھوڑا سا پیچھے ہو۔ اگر مقتدی آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کی نماز نہیں ہوگی یہ جمہور (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ) (۱۷۷) کے نزدیک شرط ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''امام اس لیے ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے''، کیوں کہ اس صورت میں مقتدی کو اقتدا کے لیے پیچھے دیکھنا پڑے گا۔ نیز نہ تو ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ منقول کے مفہوم میں ہے۔

امام سے آگے بڑھنے میں ایڑھی کا اعتبار ہے، اگر مقتدی کا پاؤں لمبا ہے اور اس کی انگلیاں امام کی انگلیوں سے آگے نکل جاتی ہیں تو جب تک پاؤں کا اکثر حصہ آگے نہ بڑھ جائے نماز درست ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خانہ کعبہ کے اردگرد نماز پڑھتے ہوئے اگر مقتدی امام سے آگے کھڑا ہو تو جائز ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اگر مقتدی اسی سمت میں امام سے آگے ہو جس سمت امام کھڑا ہے تو جائز نہیں البتہ اگر دوسری سمتوں میں مقتدی امام سے آگے ہو جائے (یعنی خانہ کعبہ کے زیادہ قریب ہو) تو جائز ہے، تاہم بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے، اگر ضرورت ہو مثلاً مسجد تنگ پڑ جائے تو بلا کراہت جائز ہے۔ شافعیہ کے جدید قول میں اگر مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیوں کہ وہ ایسی جگہ کھڑا ہو گیا ہے جو مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہے، پس یہ ناپاک جگہ پر کھڑے

ہونے کے مشابہ ہے۔

مالکیہ کے نزدیک یہ شرط درست نہیں اگر نہ صرف ایک مقتدی بلکہ تمام مقتدی امام سے آگے کھڑے ہوں تب بھی مستند روایت کے مطابق نماز درست ہے البتہ بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن اس سے اقتدا میں فرق نہیں پڑتا، آگے کے مقتدی بھی پیچھے کھڑے ہونے والوں کی طرح ہیں۔

۴۔ امام اور مقتدی ایک جگہ کھڑے ہوں، مقتدی امام کو دیکھ سکیں یا اس کی آواز سن سکیں خواہ کسی اور کے ذریعے۔ اگر امام اور مقتدی کی جگہ الگ الگ ہے تو اقتدا درست نہیں، تاہم مختلف مذاہب میں اس کی تفصیل ہے۔ یہ شرط جمہور کے نزدیک ہے مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے، کیوں کہ اقتدا کا تقاضا ہے کہ مقتدی امام کے تابع ہو اور جگہ نماز کے لوازم میں سے ہے پس ضروری ہے کہ جگہ میں بھی مقتدی امام کے تابع ہو اور اگر جگہیں مختلف ہوں تو مقتدی جگہ میں امام کے تابع نہیں ہوگا نتیجتاً نماز میں تابع ہونے کی صفت بھی ختم ہو جائے گی کیوں کہ لوازم میں تابع ہونے کی صفت باقی نہیں رہی۔

مالکیہ کے نزدیک یہ شرط درست نہیں ہے۔ امام اور مقتدی کی جگہیں الگ الگ ہوں تب بھی اقتدا درست ہے اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان نہر، راستہ یا دیوار حائل ہو تو اس سے اقتدا میں فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ دیکھ یا سن کر امام کے افعال کو صحت سے معلوم کرنا ممکن ہو اور صفوں کا مسلسل اور متصل ہونا جمعہ کے علاوہ کسی نماز میں شرط نہیں۔ اگر کسی شخص نے مسجد کے متصل مکان میں مسجد میں کھڑے امام کی اقتدا میں نماز جمعہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیوں کہ جمعہ میں ایک جگہ جمع ہونا شرط ہے۔

حنفیہ کے نزدیک (۱۷۸) تفصیل یہ ہے کہ امام اور مقتدی کی جگہیں مختلف ہوں تو اقتدا جائز نہیں ہے خواہ مقتدی کو امام کی حالت معلوم ہو رہی ہو یا نہ معلوم ہو رہی ہو۔ اگر پیدل کسی سوار کی اقتدا میں یا اس کے برعکس نماز پڑھے یا ایک جانور پر سوار دوسرے جانور پر

سوار کی اقتدا میں نماز پڑھے تو اقتدا درست نہیں ہوگی کیوں کہ جگہیں مختلف ہیں۔ اگر دونوں ایک ہی جانور پر سوار ہیں تو اقتدا جائز ہے کیوں کہ جگہ ایک ہے۔

اگر مقتدی اور امام کے درمیان عام راستہ ہے جس سے لوگ گزرتے ہیں یا بڑی نہر ہے یا صحرا میں خالی جگہ ہے یا بہت بڑی مسجد ہے جیسے مسجد القدس اور اتنی جگہ خالی ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ صفیں آجاتی ہیں یا بغیر کسی ایسی رکاوٹ کے جو ایک ہاتھ کے برابر ہو درمیان کے عورتوں کی صف ہے یا درمیان میں عورتوں کی صف مردوں کے قد کے برابر بلند جگہ پر نہیں ہے، ان تمام صورتوں میں اقتدا جائز نہیں کیوں کہ ان صورتوں میں عرفاً بھی امام اور مقتدی کی جگہیں الگ الگ ہیں اور حقیقتاً بھی الگ الگ، اس لیے اقتدا صحیح نہیں ہے کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: جس نمازی اور اس کے امام کے درمیان نہر، راستہ یا عورتوں کی صف حائل ہو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

وہ راستہ جس کی رو سے اقتدا درست نہیں اتنا راستہ ہے جس سے ریڑھی یا باربردار جانور گزر سکتے ہوں اور نہر سے مراد اتنی بڑی نہر ہے جس میں کشتی چل سکتی ہو۔

اگر صفیں راستے میں بھی ہیں اور متصل ہیں جیسا کہ حرمین شریفین میں یا زیادہ ازدحام والی مساجد میں ہوتا ہے تو اقتدا جائز ہے کیوں کہ صفیں متصل ہونے کے باعث لوگوں کے گزرنے کا راستہ نہیں رہتا۔ بلکہ وہ راستہ نماز کی جگہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر نہر پر پل ہو اور اس پر بھی صفیں کھڑی ہوں تو دوسری طرف کے لوگوں کے لیے بھی اقتدا درست ہے۔

درمیان میں اگر کوئی چیز حائل ہو مثلاً بڑی دیوار ہو تو اگر مقتدی امام کے افعال سے واقف ہو سکتے ہوں، دیکھ کر یا کسی آواز پہنچانے والے کے ذریعے خواہ کوئی ایک مقتدی ہی امام کے حال سے واقف ہو رہا ہے، خواہ کسی جالی دار دروازے سے ہی جس کی وجہ سے امام تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو اقتدا درست ہے کیوں کہ اس صورت میں حقیقتاً جگہیں الگ

الگ نہیں ہیں بلکہ ایک مسجد یا ایک گھر کی طرح ہے کیوں کہ مسجد ایک جگہ ہے، الا یہ کہ مسجد بہت زیادہ وسیع ہو، اسی طرح گھر بھی مسجد کے حکم میں ہے صحرا کے حکم میں نہیں ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان اگر کوئی چیز حائل ہو تو اس سے اقتدا میں فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ امام کے افعال سے مقتدی آگاہ ہو سکیں اور جگہیں الگ الگ نہ ہوں۔ضروری نہیں کہ امام تک پہنچنا ممکن ہو۔

امام اگر محراب میں کھڑا ہو اور مقتدی مسجد کے آخری کنارے پر تب بھی اقتدا جائز ہے کیوں کہ مسجد اپنے تمام کناروں کے ایک دوسرے سے دور ہونے کے باوجود ایک مکان کے حکم میں ہے۔اگر تکبیر کی آواز پہنچانے والے نے تکبیر تحریمہ کے وقت محض آواز پہنچانے کی نیت کی تو جس نمازی نے اس اعلان کی اقتدا کی اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اگر مقتدی مسجد کی چھت پر کھڑا ہو یا مسجد کے متصل کسی ایسے مکان کی چھت پر ہو کہ مسجد کے اوپر اس مکان کے درمیان راستہ نہ ہو اور امام کی اقتدا کرے تو اگر مقتدی امام کے برابر یا امام سے پیچھے کھڑا ہے تو نماز درست ہے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے چھت پر کھڑے ہو کر مسجد کے اندر کھڑے امام کی اقتدا میں نماز پڑھی۔نیز مسجد کی چھت مسجد کے تابع ہے اور تابع کا وہی حکم ہوتا ہے جو اصل کا ہو، گویا مقتدی بھی مسجد کے اندر نماز پڑھ رہا ہے۔البتہ شرط یہ ہے کہ چھت پر کھڑے مقتدی کو امام کے افعال کا علم ہوتا رہے ورنہ نماز نہیں ہو گی۔اگر مقتدی امام سے آگے کھڑا ہے تو اس کی نماز نہیں ہو گی کیوں کہ آگے ہونے سے تابع نہیں رہتا۔

اگر کوئی شخص اپنے گھر میں امام مسجد کی اقتدا میں نماز پڑھتا ہے اور گھر اور مسجد کے درمیان راستے یا کسی اور چیز کا فاصلہ ہے تو اقتدا صحیح نہیں کیوں کہ جگہیں الگ الگ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر جگہ مختلف ہو تو اقتدا صحیح نہیں ہوتی خواہ امام کے افعال کا علم ہوتا

رہے یا نہ ہو، اور اگر جگہ ایک ہو، یعنی ایک مسجد یا ایک گھر ہو لیکن درمیان میں کوئی ایسی چیز حائل ہو جس سے امام کے افعال کا صحیح طور پر علم نہ ہو سکتا ہو تو بھی اقتدا نہیں ہوتی۔اگر بڑی مسجد یا صحرا میں دو یا دو سے زائد صفوں کا فاصلہ آ جائے تب بھی اقتدا صحیح نہیں ہے۔

شافعیہ کے نزدیک(۱۷۹) اقتدا کی شرط یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے افعال کا علم ہوتا رہے خواہ خود دیکھ کر یا کسی صف کو دیکھ کر یا سن کر خواہ کسی ایسے مکبر سے سنے جو خود نماز میں شامل نہ ہو۔

(الف) اگر امام اور مقتدی دونوں ایک مسجد میں ہیں تو اقتدا جائز ہے، خواہ ان دونوں کے درمیان تین سو ہاتھ سے زیادہ فاصلہ ہو یا ان کے درمیان کوئی عمارت مثلاً کنواں، چھت یا مینار حائل ہو یا نماز کے دوران دروازہ بند کر دیا گیا ہو اگر کسی شخص نے مسجد کے آخری سرے پر نماز پڑھی اور امام مسجد کے محراب میں ہے تو اقتدا صحیح ہے بشرطیکہ مقتدی کے لیے نماز شروع کرنے سے پہلے یہ ممکن ہوا ہو کہ وہ امام تک پہنچ سکے اور درمیان میں کوئی ایسی چیز مثلاً کیلوں سے بند کیا ہوا دروازہ وغیرہ حائل نہ ہو جو امام تک پہنچنے سے رکاوٹ ہو، شرط یہ ہے کہ امام تک پہنچنا ممکن ہو خواہ قبلہ رخ ہو کر یا قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کسی بھی طریقے سے پہنچ سکے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مسجد کی چھت اور مسجد کا صحن وغیرہ مسجد کے حکم میں ہیں۔

(ب) اگر امام اور مقتدی مسجد میں نہ ہوں بلکہ کھلے میدان میں نماز پڑھ رہے ہوں تو نماز کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ امام اور مقتدیوں اور مقتدیوں کی دو صفوں کے درمیان تقریباً تین سو ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہ ہو(۱۸۰) مثلاً تین سو ہاتھ کا فاصلہ ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا نیز ان کے درمیان کوئی دیوار، بند دروازہ یا بند کھڑکی نہ ہو۔اگر امام مسجد میں ہے اور مقتدی باہر ہیں تو تین سو ہاتھ مسجد کے آخری حصے سے شمار ہوں گے۔

صحیح قول یہ ہے کہ درمیان میں کوئی چیز حائل ہو یا راستہ ہو یا بڑی نہر ہو جس میں کشتیاں چلتی ہوں اور لوگ تیرتے ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، نیز دو کشتیوں کے درمیان کا سمندر حائل ہونے سے بھی اقتدا میں فرق نہیں پڑتا۔

اگر امام اور مقتدی دو عمارتوں میں ہوں جیسے مدارس کے کمرے ہوتے ہیں یا دو الگ الگ عمارتیں ہوتی ہیں تو صحیح تر طریقہ یہ ہے کہ مندرجہ ذیل طریقے سے اقتدا درست ہو گی۔ اگر مقتدیوں کی عمارت دائیں بائیں ہے تو ایک عمارت سے دوسری تک صف متصل ہونا ضروری ہے اور اگر درمیان میں اتنا وقفہ آجائے جس میں ایک آدمی نہیں کھڑا ہو سکتا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اگر مقتدیوں کی عمارت امام کی عمارت کے پیچھے ہے تو اقتدا کے لیے یہ شرط ہے کہ دو صفوں کے درمیان تین سو ہاتھ سے زیادہ کا فاصلہ نہ ہو۔

اگر دوسری عمارت میں کسی شخص کی اقتدا صحیح ہے تو جو شخص اس سے پیچھے یا اس کے پہلو میں ہے اس کی اقتدا بھی صحیح ہے خواہ امام کے اور اس کے درمیان دیوار ہو۔

اگر مقتدی مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ بلندی پر کھڑا ہے مثلاً گھر کے درمیان چبوترے پر اور امام نیچے گھر کے صحن میں ہے یا اس کے برعکس امام چبوترے پر اور مقتدی صحن میں ہے تو صفوں کے متصل ہونے کے علاوہ یہ شرط بھی ہے کہ جو اوپر کھڑا ہے اس کے بدن کا کچھ حصہ نیچے کھڑے ہونے والے کے بدن کے کسی حصے کے برابر ہو مثلاً اوپر کھڑے ہونے والے کے پاؤں نیچے کھڑے ہونے والوں میں سے درمیانی قامت کے افراد کے سر کے برابر ہوں۔

حنابلہ کے نزدیک (۱۸۱) اس مسئلہ کی الگ تفصیلات ہیں وہ کہتے ہیں: امام اور مقتدی کی جگہوں کے اختلاف کی وجہ سے درج ذیل تفصیل کے مطابق اقتدا درست نہیں:

(الف) اگر امام اور مقتدی دونوں مسجد میں ہیں تو اقتدا درست ہے خواہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو اور خواہ مقتدی امام کو نہ دیکھ سکے بشرطیکہ تحریمہ کی آواز سن سکتا ہو،

خواہ عرفاً صفیں متصل نہ ہوں کیوں کہ مسجد جماعت کے لیے بنائی جاتی ہے اور جو کوئی مسجد میں ہے وہ جماعت کی جگہ میں ہے البتہ مسجد کے باہر کی جگہ جماعت کے لیے نہیں بنائی جاتی اس لیے اس میں صفوں کا ملا ہوا ہونا شرط ہے۔

(ب) اگر مسجد سے باہر ہیں تو اگر مقتدی امام کو یا جو لوگ امام کے پیچھے ہیں ان کو دیکھ سکتے ہیں خواہ ان کے بعض افعال مثلاً قیام اور رکوع کو دیکھ سکتے ہوں تو اقتدا درست ہے خواہ ان کے درمیان تین سو ہاتھ سے زائد کا فاصلہ ہو، خواہ دیکھنے کے لیے کوئی ایسی جگہ کھڑکی وغیرہ ہو جس سے گزرنا ممکن نہ ہو۔ اگر مقتدی امام کو یا امام کے پیچھے جو لوگ ہیں ان میں سے کسی کو نہیں دیکھ سکتا تو اقتدا درست نہیں خواہ تکبیر سن سکتا ہو کیوں کہ جو خواتین اپنے حجروں میں نماز پڑھتی تھیں ان سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''امام کے ساتھ نماز نہ پڑھو کیوں کہ تمہارے اور اس کے درمیان پردہ ہے''۔ نیز عام حالات میں اس صورت میں اقتدا ممکن نہیں ہوتی۔ دیکھنے کی شرط کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھا کرتے تھے، حجرے کی دیوار چھوٹی تھی، لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک نظر آتا تھا اور وہ آپؐ کے پیچھے نماز پڑھتے اور صبح اس کا ذکر کرتے تھے۔ دوسری رات بھی لوگوں نے آپؐ کے ساتھ اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ (۱۸۲) بظاہر جب آپؐ قیام فرماتے تو لوگ آپ کو دیکھ سکتے تھے۔

مسجد کے باہر صفوں کا متصل ہونا شرط نہیں کیوں کہ مسجد اور بیرون مسجد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر باہر امام کو اس طرح دیکھا جا سکے کہ اس کی اقتدا ممکن ہو تو درست ہے۔

(ج) اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان ایسی نہر بہہ رہی ہو جس میں کشتیاں چلتی ہوں تو اقتدا درست نہیں اگر درمیان میں راستہ ہو اور عرفاً صفیں متصل نہ سمجھی جاتی ہوں اور نماز ایسی نہ ہو جو راستوں پر بھی ہو سکتی ہے مثلاً نماز جمعہ، عید، استسقا، سورج گرہن اور جنازہ کی نمازیں، تو اقتدا جائز نہیں ہے۔

اگر راستے میں صفیں متصل ہو جائیں تو اقتدا درست ہے اور مقتدی کی نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر راستے کی وجہ سے صفیں متصل نہ رہیں تو نماز خواہ ایسی ہو جو راستے میں ہو جاتی ہے یا نہ ہو ہر حال میں مقتدی کی نماز درست نہیں ہو گی کیوں کہ راستے دراصل نماز پڑھنے کی جگہ نہیں ہیں۔ پس یہ ایسا ہی ہے جیسے درمیان میں نہر ہو۔ اگر امام ایک کشتی میں ہو اور مقتدی دوسری کشتی میں اور دونوں ملی ہوئی نہ ہوں تو اقتدا درست نہیں کیوں کہ پانی کشتیوں کے لیے راستہ ہے اور صفیں ملی ہوئی نہیں ہیں، ہاں اگر خوف کی شدت ہو تو ضرورت کے تحت اقتدا جائز ہے۔

جو کوئی مسجد میں یا مسجد کے باہر بلند جگہ پر کھڑا ہو وہ امام کی اقتدا کر سکتا ہے بشرطیکہ صفیں ملی ہوئی ہوں۔ بلندی پر ہونا اقتدا میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

۵۔ مقتدی امام کی پیروی کرے:

یہ اقتدا کی شرط ہے کیوں کہ اقتدا کا تقاضا ہے کہ مقتدی نماز کے افعال میں امام کے تابع ہو اور تابع اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ مقتدی بھی اسی طرح نماز پڑھے جیسے امام پڑھ رہا ہے کیوں کہ صحیحین میں ہے" امام اس لیے ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرے"۔

اس شرط کے مفہوم کے ثبوت میں مختلف مذاہب میں مختلف آرا ہیں۔ اگر وہ مفہوم نہ پایا گیا تو مقتدی کی نماز نہیں ہو گی۔ مقتدی کا امام کے تابع ہونا تین صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ (۱) ملا ہوا ہونا۔ مقتدی کا فعل امام کے فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو یعنی امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہے اور رکوع وغیرہ کرے۔ (۲) فورا بعد میں ہونا: مقتدی کا فعل امام کے فعل کے فوراً بعد میں ہو۔ (۳) مقتدی کا فعل امام کے فعل کے تھوڑی دیر بعد میں ہو لیکن امام کے دوسرے رکن کو شروع کرنے سے پہلے مقتدی امام کے ساتھ پہلے رکن میں شریک ہو جائے۔

حنفیہ کے نزدیک ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے مطابق امام کی متابعت نماز کے فرائض میں فرض ہے واجبات میں واجب ہے اور سنتوں میں سنت ہے۔اگر رکوع میں امام کی پیروی نہیں کی بلکہ اس سے پہلے یا بعد میں رکوع کیا اور امام کے ساتھ رکوع میں شریک نہیں ہوا یا امام سے پہلے یا بعد میں سجدہ کیا اور امام کے ساتھ سجدے میں شریک نہیں ہوا تو وہ رکعت نہیں ہوئی کیوں کہ امام کی پیروی نہیں کی گئی۔امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت قضا کرنا واجب ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔اگر قنوت میں امام کی متابعت چھوڑ دی تو گناہ گار ہوگا کیوں کہ مقتدی نے ایک واجب چھوڑ دیا اور اگر رکوع کی تسبیح میں متابعت چھوڑ دی تو سنت ترک کر دی۔

چار باتوں میں امام کی پیروی ضروری نہیں ہے:

۱۔ امام دانستہ نماز میں کوئی سجدہ زائد کر دے۔

۲۔ عید کی تکبیرات میں اضافہ کر دے۔

۳۔ نماز جنازہ کی زائد تکبیرات کہے مثلاً پانچ تکبیریں کہہ دے۔

۴۔ قعدہ اخیرہ کے بعد امام بھولے سے زائد رکعت پڑھنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔اگر مقتدی کی طرف سے انتباہ پر واپس بیٹھ جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر امام نے زائد رکعت کا سجدہ کر لیا تو مقتدی اکیلا ہی سلام پھیر لے۔ اگر امام قعدہ اخیرہ کے بغیر زائد رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور اس رکعت کا سجدہ کر لیا تو سب کی نماز باطل ہوگی۔

مقتدی کو چاہیے کہ نو کام کرے اور ان کو چھوڑنے میں امام کی پیروی نہ کرے۔ وہ نو کام یہ ہیں: تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا،ثنا پڑھنا،رکوع کی تکبیرات، سجدوں کی تکبیرات، رکوع اور سجدوں کی تسبیحات، سمع اللہ لمن حمدہ کہنا،تشہد پڑھنا، سلام کہنا اور تکبیرات تشریق۔

پانچ کام ترک کرنے میں مقتدی امام کی پیروی کرے یعنی اگر امام نہ کرے تو مقتدی بھی انہیں چھوڑ دے۔ وہ پانچ کام یہ ہیں:

عید کی تکبیرات، پہلا قعدہ، سجدہ تلاوت، سجدہ سہو، دعائے قنوت اگر رکوع سے رہ جانے کا اندیشہ ہو اور اگر رکوع میں شامل ہو سکتا ہے تو دعائے قنوت پڑھ لے۔

تکبیر تحریمہ میں امام کی پیروی کرنا افضل ہے، اگر امام سے پہلے تکبیر کہہ لی تو نماز صحیح نہیں ہوگی اور اگر امام کے بعد دیر سے تکبیر کہی تو تکبیر تحریمہ کی فضیلت نہیں مل سکے گی، اگر امام کے ساتھ ہی تکبیر کہی تو جائز ہے اور اگر امام سے پہلے تکبیر سے فارغ ہو گیا تو درست نہیں۔

سلام میں بھی پیروی افضل ہے کہ اگر تشہد مکمل کر لیا ہو تو مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے۔ نہ امام سے پہلے اور نہ بعد میں۔ اگر تشہد مکمل کر لیا اور امام سے پہلے سلام پھیر لیا تو اگر بلا عذر ایسا کیا تو نماز ہو جائے گی مگر کراہت کے ساتھ اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو افضل طریقہ سے محروم ہو گیا۔ اگر مقتدی کا تشہد مکمل نہ ہوا ہو تو تشہد مکمل کر کے پھر سلام پھیرے۔

مالکیہ کے نزدیک (۱۸۳) متابعت یہ ہے کہ مقتدی کا عمل امام کے عمل کے بعد ہو، نہ تو پہلے ہو نہ ساتھ ہو اور نہ اس کے زیادہ دیر بعد ہو۔ اس معنی کے اعتبار سے صرف تکبیر تحریمہ اور سلام میں امام کی متابعت شرط ہے کہ امام کی تکبیر تحریمہ کے بعد مقتدی تکبیر کہے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد سلام پھیرے، اگر امام کے ساتھ تکبیر کہی یا سلام پھیرا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر امام کے بعد شروع کر کے امام کے بعد ختم کرے یا امام کے بعد شروع کر کے امام کے ساتھ ختم کرے تو نماز درست ہو جائے گی اور اگر پہلے ختم کر دے تو درست نہیں ہوگی۔

تکبیر تحریمہ اور سلام کے علاوہ دوسرے مواقع میں متابعت شرط نہیں ہے، مثلاً مقتدی

امام کے بالکل ساتھ رکوع اور سجدے کرتا ہے تو نماز درست ہے مگر مکروہ ہے البتہ تکبیر تحریمہ اور سلام کے علاوہ اگر مقتدی کوئی عمل امام سے پہلے کر لیتا ہے تو حرام ہے لیکن اگر امام کے ساتھ اس عمل میں شریک ہو گیا تو نماز باطل نہیں ہو گی۔

اگر مقتدی نے امام سے پہلے رکوع یا سجدہ کر لیا اور انتظار کیا تا آنکہ امام نے بھی رکوع یا سجدہ کر لیا تو نماز درست ہو گئی لیکن دانستہ امام سے پہلے رکوع سجدہ کرنے سے گناہ گار ہو گا۔ اگر امام کا انتظار نہیں کیا بلکہ امام کے رکوع یا سجدے میں جانے سے پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی، اگر بھولے سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر لوٹ گیا تو نماز درست ہو جائے گی۔

اگر امام سے پیچھے رہ گیا، امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد رکوع کیا تو اگر ایسا پہلی رکعت میں اور دانستہ کیا تو نماز باطل ہو گئی کیوں کہ اس صورت میں اقتدا سے اعراض ہے اور اگر بھولے سے ہو گیا تو یہ رکعت نہیں ہوتی، اسے سلام کے بعد قضا کرے۔

اگر پہلی رکعت کے علاوہ کسی رکعت میں امام سے پہلے رکوع سے اٹھ کھڑا ہوا تو نماز باطل نہیں ہو گی البتہ دانستہ ایسا کرنے سے گناہ گار ہو گا۔

اگر امام نے صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی اور مقتدی نے نہیں پڑھی تو کوئی گناہ نہیں کیوں کہ دعائے قنوت مستحب ہے۔

مقتدی درج ذیل امور میں امام کی متابعت نہ کرے:

اگر امام عید کی تکبیرات میں اضافہ کر دے، خواہ وہ امام کے مذہب کے مطابق درست ہو۔ جنازے کی تکبیرات میں چار پر اضافہ کر دے۔

امام بھولے سے زائد رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو مقتدی پر واجب ہے کہ بیٹھا رہے، اگر دانستہ امام کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

مقتدی کو چاہیے کہ مندرجہ ذیل کام کرے، خواہ امام انہیں چھوڑ دے۔

تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا، کیوں کہ یہ مستحب ہے، نماز کی تکبیرات کیوں کہ یہ سنت ہیں، نماز کے بعد تکبیرات تشریق، کیوں کہ یہ مستحب ہے، امام کی طرف سے سجدہ سہو بشرطیکہ مقتدی نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی ہو ورنہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیوں کہ یہ سنت ہے اور عید کی تکبیرات، کیوں کہ یہ سنت ہیں۔

مقتدی پہلے قعدہ کے ترک میں امام کی متابعت کرے اور اگر امام زمین پر سے ہاتھ اور گھٹنے اٹھانے سے پہلے واپس قعدہ کی طرف لوٹ جائے تو مقتدی بھی لوٹ جائے اور اگر امام سجدہ تلاوت چھوڑ دے تو مقتدی امام کی متابعت کرے۔

امام اگر سلام چھوڑ دے اور مقتدی سلام پھیر لے تب بھی نماز باطل ہو جائے گی کیوں کہ سلام پھیرنا رکن ہے اور ہر نمازی کے لیے ضروری ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۱۸۴) نماز کے افعال میں متابعت واجب ہے اقوال میں نہیں یعنی مقتدی امام کے کوئی عمل شروع کرنے کے بعد وہ عمل شروع کرے اور امام کے اس عمل کو ختم کرنے سے پہلے مقتدی اسے شروع کرے اور اقوال میں متابعت مستحب ہے کیوں کہ صحیحین میں ہے ''امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے''۔ اگر مقتدی کا عمل امام کے عمل کے ساتھ ساتھ ہوا تو بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ اقتدا نظم و تربیت کا نام ہے اور اس میں کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے بلکہ دیر کرنا مکروہ ہے، اس سے جماعت کی فضیلت ختم ہو جاتی ہے کیوں کہ اس میں مکروہ کا ارتکاب ہے۔

البتہ تکبیر تحریمہ میں اگر مقتدی نے امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہی تو نماز باطل ہو جائے گی۔اس طرح اگر مقتدی امام سے نماز کے دو فعلی ارکان میں بلا عذر آگے بڑھ گیا یا پیچھے رہ گیا تو نماز باطل ہو جائے گی یعنی شرط یہ ہے کہ مقتدی کی مکمل تکبیر تحریمہ امام کی مکمل تکبیر تحریمہ سے مؤخر ہو اور مقتدی بلا عذر امام سے دو فعلی ارکان میں آگے یا پیچھے نہ ہو اور مقتدی امام سے پہلے سلام نہ پھیرے۔

اس بنا پر اگر تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی امور امام کے ساتھ انجام دیے یا کوئی فعلی رکن امام سے پہلے یا بعد میں ادا کیا تو صحیح قول یہ ہے کہ نماز باطل نہیں ہو گی البتہ امام کے ساتھ سلام پھیرنا مکروہ ہے اور امام سے پہلے سلام پھیرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر بلا عذر امام سے دو فعلی رکن آگے ہو گیا مثلاً امام ابھی قراءت میں ہے اور مقتدی نے سجدہ کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی اور غیر فعلی ارکان میں اگر دو رکن آگے ہو جائے، مثلاً تشہد اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لیا تو نماز ہو جائے گی لیکن بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اگر مقتدی امام سے ایک فعلی اور ایک قولی رکن آگے بڑھ گیا جیسے سورۂ فاتحہ کی قراءت اور رکوع پہلے کر لیا تو نماز ہو جائے گی لیکن رکن فعلی کا امام سے پہلے ادا کرنا حرام ہے۔

مقتدی کے لیے ایک مکمل فعلی رکن امام سے پہلے ادا کر لینا حرام ہے مثلاً مقتدی نے رکوع کر لیا یا رکوع سے کھڑا ہو گیا جب کہ امام ابھی تک قیام میں ہے، کیوں کہ صحیح بخاری کی روایت ہے: جو لوگ امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھا لیتے ہیں کیا انہیں اللہ کا خوف نہیں کہ کہیں ان کا سر گدھے کا نہ بنا دے یا ان کی شکل گدھے کی سی نہ بنا دے۔(۱۸۵)

اگر مقتدی کسی عذر کی وجہ سے امام سے پیچھے رہ جائے مثلاً بلا وسوسہ آہستہ قراءت کی وجہ سے اور مقتدی موافق ثنا میں مشغول رہا یا امام نے رکوع کر لیا اور مقتدی کو سورہ فاتحہ میں شک پڑ گیا یا یاد آ گیا کہ اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی یا امام نے تیزی سے قراءت کر لی تو تین لمبے ارکان تک معذور ہے جیسا کہ اوپر موافق کی بحث میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اگر تین ارکان سے زائد پیچھے رہ جائے تو صحیح یہ ہے کہ جہاں امام ہے وہیں سے اس کا ساتھ دے پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی ماندہ نماز پڑھے۔

حنابلہ کے نزدیک(۱۸۶) متابعت یہ ہے کہ مقتدی نماز کے کسی فعل میں تکبیر تحریمہ میں یا سلام میں امام سے آگے نہ بڑھے اور کسی فعل میں امام سے پیچھے نہ رہے۔ مستحب یہ ہے

کہ امام جس فعل میں ہے اس سے فارغ ہو تو مقتدی اسے شروع کرے کیوں کہ حدیث میں ہے: امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے......''

اگر مقتدی نے امام سے پہلے دانستہ رکوع کر لیا اور امام کے رکوع کرنے سے پہلے سر اٹھا لیا تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔ اگر رکوع کے علاوہ کوئی رکن مقتدی نے پہلے ادا کر لیا مثلاً سجدے کے لیے پہلے جھک گیا یا دوسری رکعت کے لیے پہلے کھڑا ہو گیا تو نماز باطل نہیں ہو گی لیکن مقتدی کے لیے واجب ہے کہ واپس لوٹ کر امام کے وہ فعل ادا کرنے کے بعد اسے ادا کرے۔ اگر مقتدی نے ایسا نادانستہ یا بے علمی کی وجہ سے کر لیا تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی لیکن جو کام اس نے امام سے پہلے کر لیے ان کا اعادہ کرنا واجب ہے۔

نماز کے کسی بھی فعل میں دانستہ امام سے آگے بڑھ جانا حرام ہے کیوں کہ اوپر مذکور دونوں احادیث کا تقاضا یہی ہے یعنی ''امام اس لیے مقرر کیا گیا......'' اور ''امام سے پہلے سر اٹھانے والا......'' تکبیر تحریمہ اور سلام کے علاوہ اور کسی موقع پر امام سے آگے بڑھ جانے یا امام کے ساتھ ساتھ ادا کرنے میں کوئی کراہت نہیں مثلاً قراءت تسبیح اور تشہد۔

اگر دانستہ دو ارکان امام سے آگے بڑھ گیا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر بھولے سے آگے نکل گیا تو نماز تو نہیں ٹوٹے گی البتہ جو کام امام سے پہلے کر لیے ہیں ان کا اعادہ کرے، اگر اعادہ نہیں کیا تو وہ رکعت نہیں ہو گی۔

نماز کے افعال امام کے ساتھ ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ شافعیہ کے نزدیک۔

اگر امام سے پہلے یا امام کے ساتھ تکبیر کہی تو نماز نہیں ہو گی خواہ دانستہ کہی ہو یا بھولے سے۔

اگر دانستہ امام سے پہلے سلام پھیر لیا تو نماز ٹوٹ گئی اور اگر بھولے سے سلام پھیرا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد دوبارہ سلام پھیرے ورنہ نماز نہیں ہو گی۔

اگر مقتدی امام سے دانستہ ایک رکن پیچھے رہ گیا تو اگر یہ رکن رکوع ہے تو نماز نہیں

ہو گی اور اگر رکوع کے علاوہ کوئی رکن ہے یا بھولے سے یا بے علمی سے پیچھے رہ گیا تو اسے ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ اگلی رکعت جاتے رہنے کا خوف نہ ہو، اگر اگلی رکعت نکل جانے کا خوف ہو تو امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور پہلی رکعت نہیں ہوئی، اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرے۔

اگر دانستہ امام سے دو رکن پیچھے رہ گیا تو نماز باطل ہو گئی اور اگر بھولے سے رہ گیا تو دونوں ارکان ادا کرنے واجب ہیں بشرطیکہ اگلی رکعت نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ پہلی رکعت کو چھوڑ دے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسے ادا کرے۔

اگر مقتدی بلا عذر امام سے ایک رکن پیچھے رہ جائے تو اس کا وہی حکم ہے جو امام سے آگے بڑھ جانے کا ہے۔ اگر کسی عذر مثلاً نیند، غفلت وغیرہ کی وجہ سے امام سے پیچھے رہ جائے تو جو ارکان رہ گئے ہیں انہیں ادا کر کے امام کے ساتھ شامل ہونا واجب ہے۔ اگر انہیں ادا نہ کیا تو وہ رکعت نہیں ہو گی، اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرے۔

اگر قراءت میں امام مقتدی سے آگے نکل گیا اور امام نے رکوع کر لیا تو مقتدی قراءت چھوڑ کر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے، کیوں کہ مقتدی کے لیے قراءت مستحب ہے اور امام کے ساتھ شامل ہونا واجب ہے اور واجب ومستحب میں تعارض نہیں ہوتا۔ اگر امام تشہد جلدی ختم کر کے سلام پھیر دے تو مقتدی کو چاہیے کہ تشہد مکمل کر کے سلام پھیرے کیوں کہ تشہد کے بارے میں احکام عام ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ تکبیر تحریمہ کہنا حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس سے نماز نہیں ہوتی، امام سے پہلے تکبیر تحریمہ کہنے سے بالاتفاق نماز نہیں ہوتی۔ جو شخص امام سے پہلے سر اٹھا لے جمہور (ائمہ مذاہب) کے نزدیک اس نے غلط کیا لیکن اس کی نماز درست ہو جائے گی، اس پر واجب ہے کہ لوٹ جائے اور امام کی اقتدا کرے۔

٦۔ شافعیہ کے ہاں یہ بھی شرط ہے کہ مقتدی ایسی سنتوں میں بھی امام کی اقتدا کرے جن میں امام کی مخالفت بری لگتی ہے۔اگر امام نے سجدہ تلاوت چھوڑ دیا اور مقتدی نے کرلیا یا اس کے برعکس ہوا، یا امام نے پہلا تشہد چھوڑ دیا اور مقتدی نے پڑھ لیا تو اگر علم ہوتے ہوئے دانستہ مخالفت کی ہے تو نماز نہیں ہوگی۔

اگر امام تشہد میں بیٹھ گیا اور مقتدی دانستہ کھڑا ہو گیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ اس نے ایک دوسرا فرض شروع کر دیا ہے یعنی قیام لیکن مستحب یہ ہے کہ لوٹ کر تشہد میں بیٹھ جائے تاکہ جو علماء تشہد کو واجب قرار دیتے ہیں ان کے اختلاف سے بچا جا سکے۔

تین سنتوں میں موافقت کرنی ہوتی ہے: جمعہ کے روز صبح کی نماز میں سجدہ تلاوت، سجدہ سہو، اور پہلا تشہد۔دعائے قنوت میں مقتدی پر امام کی متابعت واجب نہیں ہے، دعائے قنوت پڑھنے کی صورت میں نہ چھوڑنے کی صورت میں۔

شافعیہ نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ امام ایسی نماز پڑھا رہا ہو جس کا اعادہ واجب نہیں۔اگر کسی شخص کو پانی اور مٹی کوئی چیز بھی میسر نہیں، اس کی اقتدا صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔

۷۔ حنفیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ صف میں کوئی عورت بالمقابل نہ کھڑی ہو، خواہ محرم ہی ہو، ورنہ تین آدمیوں کی نماز باطل ہو جائے گی، جو عورت کے دائیں جانب ہے، جو بائیں جانب ہے اور جو پیچھے ہے۔نصوص کی تصریح کے مطابق نماز کے باطل ہونے کی مندرجہ ذیل چھ شرائط ہیں:(۱۸۷)

۱۔ بالمقابل کھڑی عورت قابل شہوت ہو،سات سال کی موٹی تازی ہو یا آٹھ سال، نو سال یا زیادہ کی۔اگر عورت دیوانی ہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ دیوانی کی نماز نہیں ہوتی۔

۲۔ نماز مطلق ہو یعنی مکمل ارکان والی نماز ہو، جس میں رکوع اور سجدے ہوتے ہیں، خواہ

مرد اور عورت اسے اشارہ سے پڑھ رہے ہوں یا ان کی نماز ایک نہ ہو مثلاً ایک ظہر اور دوسرا عصر پڑھ رہا ہو تب بھی صحیح قول کے مطابق نماز ٹوٹ جائے گی۔مطلق نماز کی شرط سے نماز جنازہ اس میں شامل نہیں رہتی۔نماز جنازہ میں عورت کے بالمقابل کھڑے ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

۳۔ ایسی نماز ہو جس کی تکبیر تحریمہ میں اور اسے ادا کرنے میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوں۔تحریمہ میں شریک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے ایک امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی ہو اور ادا میں شریک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں حقیقتاً ایک امام کے پیچھے ادا کر رہے ہوں یا تقدیراً۔(۱۸۸)اس میں مدرک بھی شامل ہے، جس نے شروع سے آخر تک ساری نماز امام کے ساتھ ادا کی اور لاحق بھی جس نے امام کے ساتھ نماز شروع کی لیکن نیند یا بے وضو ہونے کے باعث آخر سے رہ گئی۔مسبوق اپنی نماز کا جو حصہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھتا ہے وہ نہیں ٹوٹتی۔

اگر ایک نماز میں دونوں شریک نہ ہوں اس کے بغیر بالمقابل کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۴۔ ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو: حائل سے مراد ایسی چیز ہے جو ایک ہاتھ کی مقدار اور ایک انگلی کی مقدار میں موٹی ہو یا درمیان میں اتنا فاصلہ ہو جس میں ایک مرد کھڑا ہو سکتا ہے۔

۵۔ پورے ایک رکن کی مقدار بالمقابل رہے ہوں۔اگر کسی عورت نے ایک صف میں نماز شروع کی، دوسری میں رکوع کیا، تیسری میں سجدہ کیا تو ان سب لوگوں کی نماز ٹوٹ گئی جو اس کے دائیں بائیں اور پیچھے تھے۔

۶۔ جہت ایک ہو، اگر مختلف جہتوں میں نماز پڑھ رہے ہوں مثلاً خانہ کعبہ کے اندر الگ الگ جہات میں یا سخت اندھیری رات میں اپنے اپنے اندازے سے قبلہ کا تعین کر کے

الگ جہتوں میں پڑھ رہے ہوں تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

ان تمام شرائط کو اس طرح جمع کر دیا گیا ہے: قابل شہوت عورت کا بالمقابل ہونا، جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی نیت کی ہو، ایک رکن میں، مطلق نماز میں تکبیر تحریمہ اور ادا میں شریک ہو کر، ایک جگہ اور ایک جہت میں بغیر کسی حائل اور خالی جگہ کے۔

ایک عورت تین افراد کی نماز توڑ دیتی ہے، ایک دائیں ایک بائیں اور ایک پیچھے صفوں کے آخر تک ان کے علاوہ کسی کی نماز نہیں ٹوٹتی کیوں کہ ان کے بعد جو لوگ ہیں ان کے اور عورت کے درمیان وہ شخص حائل ہے جس کی نماز ٹوٹ گئی ہے۔

دو عورتیں چار افراد کی نماز توڑ دیتی ہیں، ایک ایک دائیں بائیں اور دو دو پیچھے صفوں کے آخر تک اور تین عورتیں ایک دائیں ایک بائیں اور تین تین نمازیوں کی صفوں کے آخر تک نماز توڑ دیتی ہیں۔

خوب صورت قابل شہوت بے ریش لڑکے کے بالمقابل کھڑے ہونے سے مذہب حنفی کے مطابق نماز نہیں ٹوٹتی، کیوں کہ عورت کی وجہ سے نماز ٹوٹنے کی علت شہوت نہیں بلکہ اس کے کھڑے ہونے کی جگہ کا تبدیل ہونا ہے، جس میں فرض کا ترک لازم آتا ہے۔

جمہور غیر حنفیہ کی رائے (۱۸۹) یہ ہے کہ اگر عورت مردوں کی صف میں کھڑی ہو جائے تو نہ اس کے ساتھ والوں کی نماز ٹوٹتی ہے اور نہ پیچھے کھڑے ہونے والوں کی۔ اگر عورتوں کی پوری صف آگے ہو تو اس کے پیچھے مردوں کی صف ہو سکتی ہے، ان کی نماز نہیں ٹوٹے گی، نہ عورت کے آگے کھڑے ہونے والے کی نماز ٹوٹتی ہے اور نہ عورت کی اپنی، جیسا کہ نماز کے علاوہ عورت جہاں بھی کھڑی ہو مرد کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ حدیث ''عورتوں کو پیچھے کھڑے کیا کرو جیسا کہ اللہ نے انہیں پیچھے کیا ہے'' (۱۹۰) کا یہ مفہوم نہیں کہ اگر ایسا نہ کیا تو نماز نہیں ہوگی، کیوں کہ صفوں کی ترتیب محض سنت نبوی ہے اور مردوں یا عورتوں میں سے کوئی بھی اس کی مخالفت کرتا ہے تو اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس کی دلیل

یہ ہے کہ ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہوگئے، ان کی نماز نہیں ٹوٹی اور ابوبکرہؓ نے صف سے پیچھے ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع کر لیا پھر چلتے ہوئے صف میں شامل ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تمہاری حرص زیادہ کرے لیکن آئندہ ایسا نہیں کرنا''۔

حنفیہ کے نزدیک اقتدا درست ہونے کی یہ شرط ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان عورتوں کی صف نہ ہو۔ اگر تین عورتیں کھڑی ہوں تو صفوں کے آخر تک تین تین مردوں کی نماز باطل کر دیں گی۔ اگر دو کھڑی ہوں گی تو صفوں کے آخر تک دو دو مردوں کی نماز ٹوٹ جائے گی، اگر ایک عورت ہے تو دائیں بائیں کھڑے مردوں کے علاوہ آخر تک پیچھے کھڑے ایک ایک مرد کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے علماء کی رائے یہ ہے نماز میں یہ مکروہ ہے کہ آگے کوئی عورت کھڑی نماز پڑھ رہی ہو کیوں کہ حدیث میں ہے: عورتوں کو پیچھے رکھو کیوں کہ اللہ نے انہیں پیچھے رکھا ہے۔ البتہ نماز کے علاوہ مکروہ نہیں ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جسے ابوحفص نے ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے، وہ کہتی ہیں: ''میرا بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے نماز کے سامنے ہوتا تھا''۔

حنفیہ نے اقتدا درست ہونے کی ایک اور شرط بھی ذکر کی ہے جو ہم نے اوپر امام کی شرائط کے تحت بیان کی اور وہ یہ کہ امام کی اپنی نماز درست ہو، اگر امام نے کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کیا کہ اس کی اپنی نماز فاسد ہوگئی یا اسے بھول گیا تھا کہ اس کے موزوں پر مسح کی مدت ختم ہوگئی ہے یا وہ بے وضو تھا یا اور اس طرح کی کوئی وجہ تھی تو مقتدی کی نماز بھی صحیح نہیں ہوگی کیوں کہ امام کی نماز پر بنا رکھنا صحیح نہیں تھا۔

اسی طرح اگر امام کے خیال میں نماز درست تھی لیکن مقتدی کے خیال میں امام کی نماز صحیح نہیں تھی تو اقتدا درست نہیں ہوگی کیوں کہ مقتدی کے خیال میں جو نماز فاسد ہے

اس پر بنا رکھنا درست نہیں۔ اگر امام کے خیال میں بھی نماز فاسد ہو گئی لیکن اسے علم نہیں ہوا اور مقتدی کو علم ہو گیا تو اکثر علماء کے نزدیک نماز درست ہے اور یہی رائے صحیح ہے کیوں کہ مقتدی کے خیال میں امام کی نماز صحیح ہے اور اس کے حق میں اس کی اپنی رائے معتبر ہے۔(۱۹۱)

۸۔ حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے (۱۹۲) کہ اگر مقتدی ایک ہے تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو، اگر امام کی دائیں طرف جگہ ہونے کے باوجود وہ بائیں طرف یا پیچھے کھڑا ہو گیا اور پوری ایک رکعت پڑھ لی تو اگر مرد یا ہیجڑا ہے تو اس کی نماز نہیں ہوئی کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ کو گھما کر دائیں جانب کھڑا کر لیا تھا، اور اگر عورت ہے تو نماز درست ہو جائے گی کیوں کہ عورت کے کھڑا ہونے کی شرعی جگہ پیچھے ہی ہے۔

اگر مقتدی امام کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تکبیر تحریمہ کہی ہو یا نہیں، امام اسے پیچھے سے دائیں جانب کر لے، اس کی تکبیر تحریمہ باطل نہیں ہو گی کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ کو دائیں جانب کر لیا تھا۔

دوم: امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ

نماز باجماعت کی ایک متعین، مرتب کیفیت اور ترتیب ہے جو سنت سے ثابت ہے کہ امام آگے کھڑے ہو گا اور مقتدی مرد ہوں یا عورتیں پیچھے کھڑے ہوں گے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہی ثابت ہے، آپؐ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپؐ کے صحابہ آپؐ کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے۔(۱۹۳) برہنہ افراد کے امام کے علاوہ امام آگے کھڑا ہوتا ہے اور حنابلہ کے نزدیک واجب ہے کہ امام درمیان میں کھڑا ہو، دوسرے ائمہ کے نزدیک مستحب ہے۔ اگر عورت عورتوں کی امام ہو تو درمیان میں کھڑی ہو کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت اور سعید بن منصور کی حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے

ثابت ہے کہ وہ دونوں عورتوں کو نماز پڑھانے کے لیے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں (۱۹۴) نیز عورتوں کے لیے اپنے آپ کو ڈھانپنا مستحب ہے اور درمیان میں کھڑے ہونے سے زیادہ پردہ ہے۔

مقتدی

مندرجہ ذیل طریقے سے کھڑے ہوں: (۱۹۵)

(الف) اگر امام کے ساتھ ایک مرد یا ایک باشعور لڑکا ہو تو مستحب یہ ہے کہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو، امام کی ایڑی سے تھوڑا سا پیچھے، جمہور کے نزدیک برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے نیز بائیں جانب یا پیچھے کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے کیوں کہ اس میں سنت کی مخالفت ہے البتہ ان صورتوں میں نماز ہو جائے گی، باطل نہیں ہو گی۔حنابلہ کے نزدیک اگر پوری ایک رکعت اس مخالف سنت طریقے پر ادا کی تو نماز نہیں ہو گی۔

اس کیفیت کی دلیل ابن عباسؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں رہا، رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں آپؐ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپؐ نے مجھے دائیں جانب کر دیا۔(۱۹۶)

ب۔ اگر مقتدی ایک مرد اور ایک عورت ہوں تو مرد امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت امام کے پیچھے کھڑی ہو۔حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مرد کسی خنثیٰ مشکل کو نماز پڑھائے تو صحیح یہ ہے کہ اسے دائیں جانب کھڑا کرے، اس میں احتیاط ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے وہ مرد ہو، اگر ایک مرد اور ایک خنثیٰ مشکل ہو تو مرد دائیں جانب اور خنثیٰ مشکل بائیں جانب کھڑا ہو یا مرد کی دائیں جانب کھڑا ہو، دونوں پیچھے نہ کھڑے ہوں اس لیے ہو سکتا ہے کہ خنثیٰ مشکل عورت ہو۔اگر ایک مرد اور ایک ہیجڑا ہو تو تینوں امام کے پیچھے ایک صف میں کھڑے ہوں۔

ج۔ اگر دو مرد ہوں یا ایک مرد اور ایک لڑکا ہو تو امام کے پیچھے ایک صف میں کھڑے

ہوں، اور اگر ایک عورت یا کئی عورتیں ہوں تو امام کے پیچھے کھڑی ہوں لیکن اس امر کا خیال رکھیں کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان تین ہاتھ سے زیادہ کا فاصلہ نہ ہو کیوں کہ مسلم نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، میں دائیں جانب کھڑا ہوا، پھر جابر بن صخر آ گئے تو وہ بائیں جانب کھڑے ہو گئے، آپؐ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (۱۹۷)

اگر ایک مرد ایک لڑکا اور ایک یا کئی عورتیں ہوں تو صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیمؓ کے گھر نماز پڑھی تو میں اور یتیم آپؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ام سلیمؓ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ (۱۹۸) اگر اس کی مخالفت کی جائے تو مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک مرد اور ایک لڑکا ہے تو مرد امام کی دائیں جانب اور لڑکا مرد کی دائیں جانب یا امام کی بائیں جانب کھڑا ہو پیچھے نہ کھڑے ہوں۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ اس صورت میں امام کے ساتھ کھڑے ہونا مکروہ نہیں ہے۔

د۔ اگر مرد، لڑکے، ہیجڑے اور عورتیں جمع ہوں تو پہلے مردوں کی صف ہو گی پھر لڑکوں کی پھر ہیجڑوں کی خواہ ایک ہی ہو، پھر عورتوں کی کیوں کہ ارشاد نبوی ہے، میرے قریب تم سے اہل عقل و دانش کھڑے ہوں پھر جو ان کے بعد ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں، باہمی اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پیدا ہو جائے گی اور بازاروں میں دھوکا فریب سے بچو (۱۹۹) اس حدیث کی بنا پر سنت یہ ہے کہ پہلی صف میں ارباب علم و فضل اور بڑی عمر کے افراد کھڑے ہوں اور جو ان میں کامل تر ہیں وہ امام کے قریب ہوں، لڑکوں اور بچوں کو پیچھے کھڑا کیا جائے وہ امام کے قریب نہ کھڑے ہوں اور جو زائد ہوں وہ صف کے پیچھے کھڑے ہو جائیں۔ اگر ایک شخص امام کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور باقی صف پیچھے تو اجماعاً مکروہ ہے۔

۵۔ امام صف کے درمیان میں کھڑا ہو کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: امام کو بیچ میں کھڑا کرو اور خالی جگہیں بھر لو۔(۲۰۰) سنت یہ ہے کہ امام محراب میں کھڑا ہو تا کہ دونوں طرفیں برابر ہوں کیوں کہ محراب مساجد کے وسط میں بنائے جاتے ہیں اور امام کے کھڑے ہونے کی وہی جگہ مقرر ہے۔ اگر اس سے ہٹ کر دائیں بائیں کھڑا ہو گیا تو سنت کی مخالفت کی وجہ سے اس کا یہ عمل برا ہوا۔ یہ عمل حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی سے کم تر اور مکروہ تنزیہی سے بڑھ کر ہے۔(۲۰۱) امام ابو حنیفہ کہتے ہیں اور ان کی رائے صحیح تر ہے: ''مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ امام دو ستونوں کے درمیان یا مسجد کے کسی کونے میں یا کسی ستون کے پاس کھڑا ہو کیوں کہ یہ عمل امت کے طریقے کے خلاف ہے''۔ حنفیہ کے نزدیک امام کا صف سے آگے کھڑا ہونا واجب ہے۔

پہلی صف کی فضیلت: مستحب یہ ہے کہ لوگ آگے بڑھ کر پہلی صف میں کھڑے ہوا کریں(۲۰۲) کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کو پہلی صف کا ثواب معلوم ہو جائے تو اس کے لیے قرعہ اندازی کیا کریں۔(۲۰۳) حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور فرشتے پہلی صف والوں پر صلاۃ (رحمت اور دعائے رحمت) بھیجتے(۲۰۴) ہیں۔ نیز ارشاد نبویؐ ہے: مردوں کی بہترین صف پہلی اور بدترین آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری اور بد ترین پہلی ہے۔ (۲۰۵) یہ حدیث اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ مردوں کے لیے پہلی صف سب سے بہتر ہے کیوں کہ اس میں زیادہ ثواب ہے اور آخری صف بدترین ہے کیوں کہ اس میں وہ ثواب نہیں جو پہلی صف میں ہے اور عورتوں کے لیے آخری صف بہترین ہے کیوں کہ اس میں مردوں سے اختلاط نہیں ہے۔

مستحب یہ ہے کہ امام کے دائیں جانب کھڑے ہونے کی کوشش کریں۔ حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب کھڑا ہونا اچھا لگتا تھا

کیوں کہ آپؐ پہلے دائیں طرف کھڑے ہونے والوں کو سلام کرتے تھے۔(۲۰۶)

اگر پہلی صف کے بیچ میں کوئی خالی جگہ ہو تو اسے بھرنا مستحب ہے کیوں کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی صف پوری کیا کرو، اگر کمی رہ جائے تو آخری صف میں رہنی چاہیے۔(۲۰۷)

و۔ نماز میں عورت کا مرد کے بالمقابل ہونا: حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی عورت مردوں کی صف میں یا مرد عورتوں کی صف میں نماز پڑھے تو جو مرد عورت کے بالمقابل ہے اس کی نماز ٹوٹ جائے گی، عورت کی نماز نہیں ٹوٹے گی، جمہور کے نزدیک یہ مکروہ ہے لیکن مردوں اور عورتوں میں سے کسی کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔(۲۰۸)

سوم: امام کا صفیں سیدھی کرنے اور خالی جگہیں بھرنے کا کہنا:

امام کے لیے مستحب ہے کہ لوگوں سے کہے کہ صفیں سیدھی کر لو اور خالی جگہیں بھر لو(۲۰۹) اور کندھے برابر رکھو(۲۱۰) کیوں کہ حضرت انسؓ کی حدیث ہے: صفیں سیدھی کر لو، ایک دوسرے کا خیال رکھو، کیوں کہ میں اپنے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم اس طرح کھڑے ہوتے کہ ایک دوسرے سے کندھے ملے ہوئے ہوتے تھے اور پاؤں پاؤں سے ملے ہوئے ہوتے۔(۲۱۱) نیز امام کہے: اختلاف نہیں کرو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرے سے دوسرے سرے تک صف کا جائزہ لیتے اور ہاتھ سے ہمارے سینے اور کندھے برابر کرتے اور فرماتے: آگے پیچھے نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔(۲۱۲)

چہارم: صف سے الگ اکیلے آدمی کی نماز:

صف سے الگ اکیلے آدمی کی نماز درست ہونے کے بارے میں فقہا کی دو مختلف

آراء ہیں۔(۲۱۳)حنابلہؒ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے، اس کی دلیل حضرت انسؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بوڑھی عورت اکیلی صف کے پیچھے کھڑی تھی، نیز حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث ہے کہ وہ نماز کے لیے پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے، انہوں نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہاری حرص میں اضافے کرے لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا(۲۱۴) ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ میں رات کے آخری حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ کے پیچھے نماز شروع کر دی، آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچ کر مجھے برابر کھڑا کر دیا۔(۲۱۵)

شافعیہ اور حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ نماز صحیح ہو جاتی ہے مگر مکروہ ہے۔شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نمازی کے لیے گنجائش نہ ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ لے پھر اگلی صف سے کسی کو کھینچ کر اس کے ساتھ صف بنا لے تاکہ فقہی اختلاف سے بچ سکے اور آنے والی جن دو احادیث میں دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم ہے اس پر عمل کرنا مستحب ہے، اس طرح تمام دلائل میں موافقت ہو جاتی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:''صف کے پیچھے نماز نہیں ہوتی''، کا مطلب ہے نماز کامل نہیں ہوتی، جیسے آپؐ کا ارشاد ہے:''کھانا سامنے ہو تو نماز نہیں ہوتی''۔یہی رائے سب سے مناسب ہے کیوں کہ اس کی دلیل قوی ہے۔لیکن حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر صف کے پیچھے اکیلے نماز شروع کی، پھر چل کر صف میں شامل ہو گیا تو اگر ایک صف کی مقدار چلا تو نماز نہیں ٹوٹے گی اور اگر زیادہ چلا تو ٹوٹ جائے گی۔مالکیہ نے شافعیہ سے اتفاق نہیں کیا، وہ کہتے ہیں کہ جسے اگلی صف میں جگہ نہ ملے، پیچھے کھڑا ہو جائے اور آگے سے کسی کو کھینچ کر ساتھ نہ ملائے۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے صف کے پیچھے اکیلے پوری رکعت پڑھ لی

تو اس کی نماز نہیں ہوئی اور دوبارہ پڑھے، کیوں کہ وابصہ بن معبدؓ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو آپؐ نے اسے دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔(۲۱۶) علی بن شیبانؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا تو آپؐ رک گئے، جب وہ فارغ ہوا تو آپؐ نے فرمایا: نماز دوبارہ پڑھو، اکیلے آدمی کی صف کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔(۲۱۷)

مطلب پنجم: نماز میں نائب بنانا:

نائب بنانے کا مفہوم یہ ہے کہ امام اپنے کسی عذر کی وجہ سے اپنی جگہ مقتدیوں میں سے کسی ایسے شخص کو جو امامت کا اہل ہو امام بنا کر خود امامت سے ہٹ جائے تاکہ وہ نماز مکمل کرائے اور امام دوسرے شخص کے مقتدی کے حکم میں ہو جائے گا۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام مقتدی کا کپڑا پکڑ کر اسے کھینچ کر محراب میں کھڑا کر دے، مقتدی خواہ مسبوق ہو، لیکن مدرک (شروع سے نماز میں شریک) کو نائب بنانا زیادہ بہتر ہے۔امام کبڑا ہوکر، اپنا ہاتھ ناک پر رکھ کر یہ تاثر دے کہ شدید نکسیر پھوٹ گئی ہے پیچھے ہٹ جائے اور اشارے سے اپنا نائب بنا دے، بات نہ کرے، انگلیوں کے اشارے سے بتائے کہ کتنی رکعات باقی ہیں، رکوع رہتا ہوتو گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بتائے، سجدہ دینا ہوتو پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بتائے اور قراءت رہتی ہوتو منہ پر ہاتھ رکھ کر بتائے۔

نائب بنانے کا سبب یہ ہے کہ امام کو کوئی عذر لاحق ہو جائے مثلاً بے وضو ہو جائے، بیماری کا شدید حملہ ہو جائے یا واجب قراءت یعنی سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھنے سے عاجز آ جائے۔

نائب بنانے کے احکام، اسباب اور شرائط کے سلسلے میں مختلف مذاہب میں تفصیلات ہیں۔حنفیہ کہتے ہیں(۲۱۸) نائب بنانا جائز ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے قے آ جائے، نکسیر پھوٹے یا معدے سے پانی

آ جائے (۲۱۹) یا مذی نکل آئے تو نماز سے ہٹ جائے، وضو کرے اور واپس آ کر وہیں سے نماز شروع کر دے اور اس دوران میں بات نہ کرے (۲۲۰) کاسانی نے البدائع میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے، جس کے الفاظ مجھے کہیں نہیں ملے، وہ یہ ہیں:

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو، اس دوران میں اسے قے آ جائے یا نکسیر پھوٹ جائے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ دے، کسی ایسے شخص کو آگے کر دے جسے ایسا کوئی عذر پیش نہ آیا ہو اور نماز سے ہٹ جائے، جا کر وضو کرے اور واپس آ کر وہیں سے نماز شروع کر دے جہاں چھوڑی تھی بشرطیکہ اس دوران میں بات نہیں کی۔

اس سے صحیح تر حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو نائب بناتے ہوئے فرمایا: ''ابوبکرؓ سے کہو، لوگوں کو نماز پڑھائیں'' پھر حضرت ابوبکرؓ نماز کے دوران پیچھے ہٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور وہیں سے قراءت کی جہاں حضرت ابوبکرؓ نے چھوڑی تھی۔ (۲۲۱)

حضرت عمرؓ کے بارے میں ہے کہ نماز کے دوران ان کا وضو ٹوٹ گیا تو انہوں نے ایک شخص کو آگے کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا، چوں کہ لوگوں کی ضرورت ہے کہ امام کے ساتھ نماز مکمل کریں، امام نے اس کا التزام کیا تھا، جب وہ خود اپنی ذمہ داری سے عاجز آ گیا تو جو اس ذمہ داری کو نبھا سکتا ہے اس سے مدد لے تاکہ مقتدیوں کی ضرورت پوری ہو اور باہمی اختلاف کے باعث ان کی نماز نہ خراب ہو۔

اس بنا پر اگر امام بے وضو ہو جائے تو نماز سے ہٹ جائے، امام ہے تو کسی کو نائب بنا دے، جو وہیں سے آگے نماز پڑھائے اور امام وضو کر کے آ کر وہیں سے نماز شروع کرے جہاں اس کا وضو ٹوٹا تھا۔ دوسرے نمازیوں کے لیے افضل یہ ہے کہ وضو ٹوٹنے کی صورت میں وہ از سر نو نماز پڑھیں تاکہ جن علماء کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں ان کے اختلاف سے بچ سکیں۔ اگر کوئی نمازی آخری قعدہ میں تشہد کی مقدار بیٹھا نہیں تھا کہ اسے

جنون ہو گیا یا اس نے قصداً وضو توڑ دیا یا نیند کے باعث، خیالات سے، دیکھنے سے یا شہوت کے ساتھ چھونے سے احتلام ہو گیا یا بے ہوشی طاری ہو گئی یا قہقہہ لگا کر ہنسا تو از سر نو نماز پڑھنا ضروری ہے کیوں کہ یہ ایسے اسباب ہیں جو بہت کم پیش آتے ہیں، اس لیے نص کا حکم ان صورتوں کے لیے نہیں ہے۔ان صورتوں میں نئے سرے سے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے۔

نائب بنانے کا سبب: یا تو بلا اختیار وضو ٹوٹ جانا ہے، جو امام کے اختیار میں نہیں اور نہ اس کا سبب امام کے اختیار میں ہے، مثلاً چھینک آئی اور وضو ٹوٹ گیا یا امام ابوحنیفہ کی رائے میں اتنی مقدار میں قراءت کرنے سے عاجز ہو گیا جو نماز میں فرض ہے کیوں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آہٹ سنی تو قراءت نہ کر سکے اور پیچھے ہٹ گئے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز مکمل کرائی۔

پیشاب یا پاخانہ کی رکاوٹ کے باعث کسی کو نائب نہ بنائے یا رکوع سجدہ سے معذور ہو گیا ہے تب بھی نائب نہ بنائے بلکہ بیٹھ کر نماز مکمل کر دے۔خوف کی وجہ سے یا قراءت سرے سے بھول گیا ہے کسی کو نائب نہ بنائے قراءت بھولنے سے تو امام ناخواندہ ہو گیا اور سب کی نماز ٹوٹ گئی۔ امام کے بے وضو ہونے سے قبل کسی دوسرے کی نجاست مثلاً بول کثیر اسے لگ گیا۔ یا ایک رکن کے بقدر ستر کھلا رہا تو اس صورت میں امام کی نماز ٹوٹ گئی اور ساتھ ہی مقتدیوں کی بھی ٹوٹ گئی۔

نائب بنانے کے عمل کی درستی کے لیے حنفیہ کے نزدیک تین شرائط ہیں:

۱۔ پہلی نماز کو جاری رکھنے کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں کیوں کہ نائب بنانے کا دراصل مطلب یہ ہے کہ امام اب تک جو نماز پڑھا چکا ہے اسی کو آگے جاری رکھا جائے، اس کے لیے تیرہ شرائط ہیں:

حدث بلا اختیار ہوا ہو اور بدن کے اندر سے ہوا ہو، کسی دوسرے کی نجاست نہ لگی ہو، حدث کی وجہ سے غسل واجب نہ ہوا ہو جیسے سوچنے سے انزال ہو جائے، حدث کم پیش آنے والے سبب سے نہ ہو مثلاً بے ہوشی، دیوانگی اور قہقہہ، حدث کی حالت میں نماز کا کوئی رکن ادا نہ کیا ہو، چلا نہ ہو، دانستہ نماز کے منافی کوئی کام نہ کیا ہو مثلاً قصداً وضو توڑ دیا ہو، ایسا کام نہ کیا ہو جس کی ضرورت نہ ہو مثلاً پانی قریب ہو اور اس کے لیے دور چلا گیا ہو۔

بغیر کسی عذر مثلاً بھیڑ وغیرہ کے ایک رکن کی مقدار تاخیر نہ کی ہو، نماز شروع کرنے سے پہلے ہی بے وضو نہ ہوا ہو، اگر صاحب ترتیب ہو تو اسے کوئی فوت شدہ نماز نہ یاد آ گئی ہو (قضا نماز کے بعد چھٹی نماز کا وقت نکل گیا ہو) کیوں کہ اگر صاحب ترتیب ہے تو قضا نماز کے باوجود وقتی نماز پڑھنے سے وقتی نماز نہیں ہوتی، مقتدی واپس اپنی جگہ آ کر نماز وہیں سے شروع کرے۔ امام ہو چاہے مقتدی اگر بے وضو ہو گیا تو اس کے لیے واجب ہے کہ وضو کر کے واپس آ کر امام کے ساتھ نماز پڑھے، بشرطیکہ امام فارغ نہ ہو گیا ہو، اگر کسی اور جگہ پڑھ لی تو نماز نہیں ہو گی، اکیلا نمازی جہاں چاہے مکمل کر لے، نیز امام کسی ایسے شخص کو نائب نہ بنائے جو امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو مثلاً بچہ، عورت یا ناخواندہ، اگر ان میں سے کسی کو نائب بنایا تو امام اور مقتدیوں، سب کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

۲۔ امام نائب بنانے سے پہلے مسجد سے یا اگر کھلے میدان میں نماز ہو رہی ہے تو نماز گاہ سے یا جس گھر میں نماز ہو رہی ہے اس گھر سے باہر نہ نکلے کیوں کہ جب تک وہ ان حدود میں ہے امام ہے، اگر باہر نکل گیا تو نماز ٹوٹ گئی۔ لیکن نماز امام کی نہیں بلکہ نائب اور مقتدیوں کی ٹوٹے گی بشرطیکہ نمازیوں میں سے کوئی امامت کی نیت کر کے خود آگے نہ بڑھے۔

۳۔ امام اگر دائیں یا بائیں سے نکلنا چاہتا ہے تو نائب بنانے سے پہلے دائیں بائیں صفوں سے آگے نہ نکلے، اگر آگے سے نکلنا چاہتا ہے تو اگر کھلی جگہ نماز پڑھا رہا ہے تو اگر

سامنے سترہ ہے تو سترہ سے آگے نہ نکلے اور اگر سترہ نہیں تو سجدہ کی جگہ سے آگے نہ نکلے۔

اگر امام نے کسی کو نائب نہیں بنایا اور لوگوں نے اپنی اپنی نماز مکمل کر لی تو کسی کی نماز درست نہیں ہوئی۔

اگر امام کسی مسبوق یا لاحق کو خلیفہ بناتا ہے یا خود مسافر ہے اور کسی مقیم کو خلیفہ بنا لیتا ہے تو درست ہے لیکن مدرک کو خلیفہ بنانا بہتر ہے۔ مسبوق جب امام کی چھوڑی ہوئی نماز مکمل کر لے تو کسی مدرک کو آگے کر دے تاکہ وہ مقتدیوں کو سلام پھیرائے۔ اگر مسبوق نائب کی دو رکعات رہتی تھیں تو اس پر دو قعدہ فرض ہیں، پہلا قعدہ امام پر فرض تھا اور یہ اس کا نائب ہے اور دوسرا خود اس پر فرض ہے۔

اگر نائب کو معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعات باقی ہیں تو احتیاطاً ہر رکعت کے بعد قعدہ کرے کیوں کہ ہر رکعت کے بارے میں احتمال ہے کہ یہ امام کی آخری رکعت ہو۔

مالکیہ کے نزدیک (۲۲۲) خلیفہ بنانے کے معنی یہ ہیں کہ امام کو کوئی عذر پیش آ جائے تو وہ مقتدیوں میں سے کسی کو نائب بنا لے تاکہ وہ نماز مکمل کرائے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نماز جمعہ کے علاوہ نائب بنانا مستحب ہے اور نماز جمعہ میں واجب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اشارے یا بات سے جماعت میں سے کسی ایک کو کہے کہ لوگوں کو نماز مکمل کرائے۔ مستحب یہ ہے کہ امام کے قریب کی صف میں جو لوگ امام کے پاس ہیں ان میں سے کسی کو امام بنائے کیوں کہ انہیں امام کے افعال کا زیادہ علم ہے اور ان میں سے کسی کا آگے بڑھنا آسان ہے، لوگ اس کے پیچھے کھڑے رہیں گے۔ مستحب یہ ہے کہ نائب اصلی امام کی جگہ کھڑا ہو، اور وہ اس جگہ سے قریب ہے، مثلاً دو صفوں کے فاصلے پر ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ اگر امام بے وضو ہونے کی حالت میں جب کہ بے وضو ہونا یاد ہو یا اتنی نکسیر پھوٹنے کی صورت جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہو بات نہ کرنے مستحب یہ ہے کہ امام جب باہر نکلے تو ناک پکڑ کر نکلے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ نکسیر پھوٹ گئی ہے اور بے وضو

ہونے کے اصلی سبب پر پردہ پڑا رہے۔

نائب بنانے کے لیے شرط یہ ہے کہ نائب امام کے بے وضو ہونے سے پہلے نماز میں شامل ہو گیا ہو، اگر امام کسی کو نائب نہ بنائے تو جماعت اپنوں میں سے کسی ایک کو آگے کر دے، اگر وہ کسی کو آگے نہ کرے تو کوئی ایک شخص خود آگے ہو جائے، اگر ایسا بھی نہ ہو تو سب اکیلے اکیلے پڑھ لیں، نماز جمعہ کے علاوہ ان کی نماز ہو جائے گی لیکن اگر جمعہ اکیلے اکیلے پڑھ لیا تو نہیں ہو گا کیوں کہ اس میں جماعت شرط ہے۔

جہاں پہلے امام نے چھوڑا ہے نائب کو چاہیے کہ وہیں سے آگے شروع کرے۔

نائب بنانے کے اسباب اور عذر تین ہیں:

۱۔ امام کو خطرہ ہو کہ اگر اس نے نماز جاری رکھی تو اس کا جان یا مال وغیرہ کا نقصان ہو جائے گا اگر امام کو چوری یا غضب کا ڈر ہو، یا اندیشہ ہو کہ بچہ کنوئیں میں یا آگ میں گر کر ہلاک ہو جائے گا یا شدید زخمی ہو جائے گا تو مال بچانے کے لیے اور انسانی جان کو ہلاکت سے بچانے کے لیے امام پر واجب ہے کہ نماز توڑ دے۔

۲۔ امام کو کوئی ایسی مجبوری پیش آجائے جس کے باعث وہ امامت جاری نہ رکھ سکتا ہو مثلاً قیام، رکوع یا سورۂ فاتحہ کی قراءت سے عاجز ہو جائے یا اتنی نکسیر پھوٹ جائے جو امامت کے لیے مانع ہو،اور وہ ایک درہم سے کم مقدار ہے۔جس نکسیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے وہ اتنی نکسیر ہے جو ایک درہم سے زائد ہو، بہہ جائے اور جگہ آلودہ کر دے اور مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو، اس صورت میں امام کے لیے نماز توڑ دینا واجب ہے اور نائب بنانا مستحب ہے، اس وجہ سے مقتدیوں کی نماز، مستند قول کے مطابق نہیں ٹوٹتی،اسی طرح امام پر اگر نجاست آگرے یا اسے نجاست لگنا یاد آجائے تو بھی مستند رائے کے مطابق یہی مسئلہ ہے۔

۳۔ امام کو کوئی ایسی حالت پیش آجائے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہو مثلاً نماز پڑھتے

ہوئے پیشاب یا ہوا وغیرہ خارج ہو جائے یا یاد آجائے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے وہ بے وضو تھا یا اس پر قہقہہ کا غلبہ ہو جائے یا اس پر دیوانگی، بے ہوشی یا موت طاری ہو جائے یا اتنی نکسیر پھوٹے جس سے مشہور روایت کے مطابق نماز ٹوٹ جاتی ہے، یا شک ہو جائے کہ کیا نماز باوضو ہونے کی حالت میں شروع کی تھی یا نہیں، یا یہ یقین ہو کہ وضو کیا بھی تھا اور ٹوٹا بھی تھا لیکن یہ شک ہو کہ پہلے کیا ہوا تھا، البتہ اگر اس شک میں مبتلا ہو جائے کہ کیا وضو ٹوٹا تھا یا نہیں تو نماز نہ توڑے بلکہ جاری رکھے پھر اگر معلوم ہو جائے کہ باوضو تھا تو نماز کا اعادہ نہ کرے ورنہ فقط امام نماز دہرائے۔

مسبوق نائب کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے، اگر اس نے انتظار نہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی، اگر نائب خود مسبوق ہو تو سب نمازیوں کو اشارہ کرے کہ وہ بیٹھے رہیں اور خود باقی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔

اگر مسبوق نائب کو معلوم نہ ہو کہ اصل امام نے کتنی رکعت پڑھائی ہیں تو اشارے سے لوگوں سے پوچھے اور وہ اشارے سے اسے بتائیں اور اگر اشارے سے نہ سمجھ سکے تو بات کر کے بتا دیں۔اگر نائب سے مثلاً کہا جائے کہ تم نے ایک رکوع چھوڑ دیا ہے تو اگر اسے اس کے غلط ہونے کا یقین نہ ہو تو اس پر عمل کرے۔

نائب کے لیے ضروری ہے کہ امام کی نماز کی ترتیب کا اہتمام کرے اور مستحب یہ ہے کہ امام نے جہاں قراءت چھوڑی ہے اگر معلوم ہو تو وہیں سے آگے قراءت کرے ورنہ شروع سے قراءت کرے اور بیٹھنے کے موقع پر بیٹھے اور نماز سری ہو یا جہری اس کا اسی طرح اہتمام کرے۔

شافعیہ کہتے ہیں (۲۲۳) کہ جدید مذہب میں نائب بنانا جائز ہے۔اگر امام دانستہ وضو توڑ کر یا خود بخود وضو ٹوٹ جانے سے یا بھول جانے سے کہ وضو نہیں تھا نماز جمعہ یا اور کسی نماز سے ہٹ جائے یا اور کوئی سبب ہو مثلاً نکسیر پھوٹ جائے یا کوئی ایسا کام کر

گزرے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہو یا بلا سبب کسی کو نائب بنانا چاہے تو مذہب جدید کے اظہر روایت کے مطابق نائب بنانا جائز ہے۔ یہ نماز دو اماموں والی ہو گی اور یہ جائز ہے، کیوں کہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آ کر حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے، حضرت ابوبکرؓ نے اور باقی سب لوگوں نے آپؐ کے پیچھے نماز ادا کی۔(۲۲۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب نیزہ لگا تو انہوں نے بھی نائب بنایا۔(۲۲۵)

امام کے لیے نائب بنانا مستحب ہے۔اگر کوئی شخص خود آگے بڑھ کر نماز پڑھانا شروع کر دے تو یہ جائز ہے۔امام کے کسی کو نائب بنانے کی بہ نسبت نمازیوں کا کسی کو نائب بنانا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ اصل استحقاق نمازیوں کا ہے۔ البتہ جمعہ کی پہلی رکعت میں نمازیوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی کو امام کا نائب بنا دیں تاکہ جمعہ پڑھ سکیں دوسری رکعت میں نائب بنانا ضروری نہیں کیوں کہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے ہیں، اب مسبوق کی طرح دوسری رکعت اپنی اپنی پڑھ لیں۔

جمعہ کی نماز میں نائب بنانے کے لیے دو شرطیں ہیں:

۱۔ امام جمعہ کے لیے کسی ایسے شخص کو نائب بنائے جو امام کے بے وضو ہونے سے پہلے سے اس کا مقتدی ہو، جو شخص امام کا مقتدی نہ ہو اسے نائب بنانا جائز نہیں۔ یہ شرط بھی نہیں ہے کہ اس مقتدی نے خطبہ سنا ہے یا پہلی رکعت میں شریک رہا ہو۔

۲۔ فوراً نائب بنا دے، ایسا نہ ہو کہ وضو ٹوٹنے کے بعد اتنا وقت گزر جائے جس میں ایک رکن ادا کیا جا سکتا ہو۔

اگر نائب جمعہ کی پہلی رکعت میں امام کے ساتھ شامل تھا تو نائب اور مقتدیوں سب کا جمعہ مکمل ہو گیا اور اگر نائب پہلی رکعت میں شامل نہیں تھا تو مقتدیوں کا جمعہ مکمل ہو گیا، نائب کا مکمل نہیں ہوا۔مقتدیوں کے لیے جمعہ میں اور دوسری نمازوں میں اس صورت میں

نئے سرے سے اقتدا کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں خلیفہ بنانے کے لیے یہ شرائط نہیں ہیں بلکہ ایسے شخص کو بھی نائب بنانا جائز ہے جو مقتدی نہ ہو اور طویل وقفے کے بعد نائب بنانا بھی جائز ہے البتہ اگر نائب ایسا شخص بنایا گیا جو مقتدی نہیں تھا تو اس کے نائب بنائے جانے سے پہلے مقتدیوں کے لیے ضروری ہے کہ دل سے اس کی اقتدا کی نیت کرلیں، اسی طرح اگر نائب کی نماز اصل امام کی نماز سے مختلف ہے مثلاً نائب کی پہلی رکعت ہے جب کہ اصل امام دوسری رکعت پڑھا رہا تھا یا نائب بنانے میں اتنا وقت صرف ہو گیا جس میں ایک رکن یا اس سے زائد ادا کیا جا سکتا ہے تو مقتدیوں کو دل سے اقتدا کی نیت کرنی ضروری ہے۔

واجبات میں اصل امام کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا نائب کے ذمے واجب ہے اور مستحبات کا لحاظ رکھنا مستحب ہے۔اگر نائب مسبوق ہے تو وہ بھی امام کی نماز کی ترتیب کا خیال رکھے اور جب اپنی رکعت پڑھے جس میں تشہد میں بیٹھنا ہو تو نمازیوں کو اشارہ کر دے کہ وہ یا تو امام سے الگ ہو جائیں یا انتظار کریں۔

اگر جمعہ کی نماز کے علاوہ نماز میں کسی کو نائب نہیں بنایا گیا تو مقتدی الگ ہونے کی نیت کرلیں اور اپنی اپنی نماز مکمل کرلیں، ان کی نماز درست ہو جائے گی۔جمعہ میں اگر مقتدیوں نے پہلی رکعت جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو دوسری رکعت الگ الگ پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ آخر تک نمازیوں کی تعداد چالیس سے کم نہ ہو۔

حنابلہ کے نزدیک (۲۲۶) کسی عذر مثلاً خوف یا شدید بیماری یا کسی قولی رکن مثلاً قراءت فاتحہ یا کسی واجب قولی مثلاً رکوع سجدے کی تسبیحات سے عاجز ہونے کی صورت میں خلیفہ بنانا جائز ہے۔

اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے تو نائب بنانا جائز نہیں کیوں کہ اس سے نماز ٹوٹ گئی، اب از سر نو پڑھنا پڑے گی، باقی ائمہ کا اس میں اختلاف ہے۔حنابلہ کی دلیل علی بن طلقؓ

کی حدیث ہے: جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو نماز چھوڑ دے، وضو کرے اور از سر نو نماز پڑھے (۲۲۷)۔ جمہور کی رائے زیادہ صحیح ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ کو جب نیزہ لگا تھا تو انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو آگے کر دیا تھا۔

نائب اگر مقتدی نہ ہو تو جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے، جو امام پڑھ چکا ہے، یعنی قراءت، رکعت، سجدہ وغیرہ اس سے آگے پڑھائے اور مقتدیوں کے فارغ ہونے کے بعد جو اس کی اپنی نماز رہ گئی ہے اسے ادا کرے، اگر نائب مسبوق ہو تو سلام پھیرنے سے پہلے کسی اور شخص کو نائب بنا لے جو مقتدیوں کو سلام پھرا دے اور خود کھڑا ہو کر اپنی نماز مکمل کرے اگر اس نے کسی کو سلام پھیرانے کے لیے نائب نہیں بنایا، تو مقتدیوں کو اختیار ہے کہ وہ خود سلام پھیر دیں یا بیٹھ کر انتظار کریں تا آنکہ وہ اپنی باقی نماز مکمل کر لے اور پھر سب کے ساتھ سلام پھیرے۔

اگر امام کسی کو نائب نہ بنائے تو نمازیوں کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی کو نائب بنا لیں جو ان کی نماز مکمل کرا دے۔ ان کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اکیلے نماز مکمل کر لیں۔

اگر نمازیوں کے ہر گروہ نے اپنا اپنا نائب بنا لیا اور اس کے پیچھے پڑھنے لگ گئے تو حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک جائز ہے، حنفیہ کے نزدیک سب کی نماز باطل ہو گئی۔

نائب اصل امام کی ترتیب کے مطابق نماز کو آگے چلائے کیوں کہ یہ اس کا نائب ہے حتیٰ کہ جہاں تک امام قراءت کر چکا تھا وہیں سے آگے قراءت کرے کیوں کہ امام کی قراءت ہی اس کے نائب کی قراءت تھی۔ اگر نائب امام کے ساتھ نماز میں شریک نہیں تھا تو وہ سورہ فاتحہ سے شروع کرے اور امام کی قراءت کو آگے نہ چلائے کیوں کہ اس نے خود فرض قراءت ادا نہیں کی اور اس کے ذمے سے قراءت ساقط نہیں ہوئی اور وہ خود مقتدی نہیں تھا البتہ جہاں تک امام فاتحہ پڑھ چکا تھا وہاں تک آہستہ پڑھے اور اس کے بعد کی قراءت بلند آواز سے کرے تاکہ امام کے عمل کو آگے بڑھا سکے۔

اگر نائب مسبوق ہے یا پہلے سے مقتدی نہیں تھا اور اسے معلوم نہیں کہ امام نے کتنی رکعات پڑھائی ہیں تو جتنی کے بارے میں یقین ہو اتنی ہی سمجھے جیسا کہ وہ نمازی جسے نمازوں کی رکعات میں شک پڑ جائے اپنے یقین پر عمل کرتا ہے۔اگر کوئی مقتدی تسبیح پڑھ کر امام کو متنبہ کرے تو اس کی بات مان لے اور پہلی ترتیب پر واپس چلا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن مذاہب میں نماز میں نائب بنانے کی سب سے زیادہ گنجائش ہے ان میں مذہب شافعیہ سرفہرست ہے کہ اس میں بلا سبب بھی نائب بنایا جا سکتا ہے اور امام بات کر کے بھی نائب بنا سکتا ہے، پھر مالکی مذہب ہے، پھر حنفی ہے اور آخر میں حنبلی۔

حواشی و تعلیقات

۱۔ نسائی کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی۔ابو داؤد نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔الفذ سے مراد ہے اکیلا، جامع الاصول، ۱۰:۲۵۰

۲۔ یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ کی ہے۔بخاری نے ابوسعید خدریؓ سے اور احمد نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے(نیل الاوطار ۳:۱۲۶ و بعد) المجموع میں ہے کہ کم مقدار زیادہ کے منافی نہیں ہے یا پہلے آپؐ نے کم مقدار کا ثواب بتایا، پھر اللہ نے آپ کو زیادہ ثواب کے بارے میں اطلاع دی یا اس اختلاف کا دارومدار نمازیوں کی تعداد کی کمی بیشی پر ہے۔شوکانی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک پہلا مفہوم راجح ہے کیوں کہ پانچ سات کا جز ہے۔

۳۔ مسلم، ابو داؤد (نصب الرایہ، ۲:۲۱۔۲۲، جامع الاصول، ۶:۳۷۰، یھادی، لایا جاتا، دونوں طرف سے پکڑ کر، ایک روایت میں ہے:اگر تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے تو کفر کے مرتکب ہو جاؤ گے۔

۴۔ ابو داؤد اور ترمذی نے بریدہؓ سے، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت انسؓ اور سہل بن سعدؓ سے روایت کی۔یہ حدیث صحیح ہے۔

۵۔ المجموع، ۴:۹۱

۶۔ بخاری، مسلم، استہام:قرعہ اندازی کرنا، تہجیر،نماز کے لیے جلدی جانا، العتمہ:عشا

۷۔ بخاری اور ترمذی کے علاوہ ایک جماعت نے روایت کی۔ترمذی کی ایک روایت ہے: جس نے عشاء اور فجر کی نماز با جماعت پڑھی۔

۸۔ بعض شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے:فتح القدیر ، ۱:۲۴۳، الدر المختار ، ۱:۵۱۵، اللباب:۱:۸۰، تبیین الحقائق، ۱:۱۳۲، الشرح الصغیر ، ۱: ۴۲۴، بدایة المجتهد، ۱:۱۳۶، المهذب، ۱:۹۳

۹۔ زیلعی نے کہا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث غریب ہے۔اس مفہوم میں مسلم نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے جو اوپر گزر چکی ہے، نصب الرایة ۲:۲۱

۱۰۔ مغنی المحتاج،۱:۲۲۹ و بعد، المھذب،۱:۹۳، المجموع،۴:۸۸ و بعد

۱۱۔ یعنی غالب آ جائے۔

۱۲۔ ابو داؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

۱۳۔ المغنی،۲:۱۷٦ و بعد، کشاف القناع،۱:۵۳۲ و بعد

۱۴۔ متفق علیہ، مالک، ابو داؤد، ترمذی، نسائی (جامع الاصول ٦:۳٦۹)

۱۵۔ مسلم، ابو داؤد نے صحیح یا حسن سند سے ابن ام مکتومؓ سے روایت کی۔

۱٦۔ دارقطنی، ضعیف حدیث ہے، بیہقی نے حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت کی۔

۱۷۔ الدر المختار،۱:۵۱۷، المجموع،۴:۹۳ و بعد، مغنی المحتاج،۱:۲۲۹،۲۳۳، البدائع،۱:۱۵٦

۱۸۔ کشاف القناع،۱:۵۳۲، المغنی،۱:۱۷۸، الشرح الکبیر،۱:۳۲۱، الشرح الصغیر،۱:۴۲۷ وبعد

۱۹۔ ابن ماجہ، حاکم، بیہقی اور عقیلی نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی۔ بیہقی نے حضرت انسؓ سے اور دارقطنی نے عمرو شعیبؒ سے ان کے والد اور دادا کے حوالے سے اور ابن عدی نے حکم بن عمیرہ سے روایت کی لیکن یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ نصب الرایۃ ۲:۱۹۸

۲۰۔ مغنی المحتاج،۱:۲۳۰، المغنی،۲:۱۷۹

۲۱۔ کشاف القناع،۱:۵۳٦، المغنی،۱:۱۷۹

۲۲۔ احمد، ابو داؤد، ابن حبان نے ابی بن کعبؓ سے روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۲۳۔ مسلم نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے مرفوعاً روایت کی

۲۴۔ الحضرمیۃ،٦۴، مغنی المحتاج،۱:۲٦۲

۲۵۔ الشرح الکبیر،۱:۳۲۰

۲٦۔ الکتاب مع اللباب،۱:۸۳، فتح القدیر۱:۵۲۹، الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین،۱:۵۲۹

۲۷۔ الشرح الکبیر مع الدسوقی،۱:۳۳۵، الشرح الصغیر،۱:۴۴٦ و بعد

۲۸۔ مغنی المحتاج ۱:۲۳۰، کشاف القناع،۱:۵۳۵، ۵۵۱، ۵٦۹، المغنی،۲:۲۰۲ و بعد

۲۹۔ ابن ماجہ کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی، پہلی حدیث احمد اور ابو داؤد نے ابن عمرؓ

سے روایت کی۔(نیل الأوطار،۳:۱۳۰)

۳۰۔ احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی (ایضاً)

۳۱۔ احمد (نیل الاوطار،۳:۱۳۱)

۳۲۔ یہ حدیث منقطع ہے لیکن فضائل میں سے ہے اس لیے اس کو قبول کرنے میں نرمی اختیار کی گئی ہے۔

۳۳۔ بزار نے ابوہریرہؓ اور ابو الدرداؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

۳۴۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۳۱

۳۵۔ المغنی، ۲:۵۴۰، ۵۴۶

۳۶۔ الشرح الکبیر، ۱:۳۲۰

۳۷۔ فتح القدیر، ۱:۳۴۴، تبیین الحقائق، ۱:۱۸۴، مراقی الفلاح، ۷۸، الشرح الصغیر، ۱:۴۲۶، ۴۶۳، کشاف القناع، ۱:۵۴۰

۳۸۔ بخاری و مسلم (نیل الاوطار،۳:۱۵۱)

۳۹۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۶۱ وبعد

۴۰۔ المغنی، ۲:۲۳۴ و بعد

۴۱۔ احمد اور ابن ماجہ نے علی بن شیبانی سے روایت کی (نیل الاوطار،۳:۱۸۴)

۴۲۔ بخاری، احمد، ابوداؤد، نسائی، ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں: ابوبکرہؓ آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے، انہوں نے صف سے پیچھے ہی رکوع کرلیا، پھر چلتے ہوئے صف میں شامل ہو گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کی تو آپؐ نے فرمایا: صف سے پیچھے کس نے رکوع کیا تھا، پھر چل کر صف میں شامل ہو گیا، ابوبکرہؓ نے کہا، میں نے یا رسول اللہ، آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہاری حرص میں اضافہ کرے لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا (نیل الاوطار،۳:۱۸۴)

۴۳۔ المہذب، ۱:۹۴، کشاف القناع، ۱:۳۷۸ و بعد

۴۴۔ ترمذی کے علاوہ باقی صحاح ستہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی، احمد اور شیخین نے ابوقتادہؓ سے اسی طرح کی ایک حدیث روایت کی (نیل الاوطار،۳:۱۳۴)

۴۵۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۴۵

۴۶۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۳۱، القوانین الفقھیه، ۶۸

۴۷۔ المھذب، ۱:۹۴، المجموع، ۴:۱۰۵۔۱۱۰

۴۸۔ متفق علیہ، حضرت ابوہریرہؓ سے

۴۹۔ کشاف القناع، ۱:۵۳۹ و بعد

۵۰۔ فتح القدیر، ۱:۳۳۵۔۳۴۲، تبیین الحقائق، ۱:۱۸۰۔۱۸۴، مراقی الفلاح، ۷۷ و بعد

۵۱۔ اس بارے میں حنفیہ کے الفاظ یہ ہیں، پھر اس نے پہلی رکعت کا سجدہ ابھی نہیں کیا تو نماز توڑ دے اور امام کے ساتھ شریک ہو جائے، یہی درست ہے۔

۵۲۔ فرائص، فریصہ کی جمع ہے، پہلوؤں اور کندھوں کا گوشت جو جانوروں میں ہر وقت حرکت کرتا رہتا ہے۔ انسان کے لیے یہ لفظ بطوراستعارۃ استعمال کیا گیا ہے، کیوں کہ انسان کا یہ گوشت بھی خوف کے وقت کانپنے لگتا ہے۔ان کے کانپنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تواضع کے باوجود آپؐ کی عظیم ہیبت اور انتہائی احترام تھا، جو دیکھتا تھا اس پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔

۵۳۔ ابن ماجہ کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی ہے (نیل الاوطار، ۳:۹۲)

۵۴۔ تعریس کا مفہوم ہے کہ مسافر رات کے آخری حصہ میں کسی جگہ رک کر تھوڑا آرام کر لیں اور پھر روانہ ہو جائیں۔

۵۵۔ حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق، ۱:۱۸۳

۵۶۔ الدرالمختار ورد المحتار، ۱:۵۱۶

۵۷۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۳۲، ۴۴۲ و بعد

۵۸۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۳۴، المھذب، ۱:۹۵

۵۹۔ کشاف القناع، ۱:۵۳۶-۵۳۹، المغنی ۱:۱۸۰۔

۶۰۔ ابو داؤد نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے لوگوں کی اجازت کے بغیر امام بننا جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ لوگوں کو چھوڑ کر صرف اپنے لیے دعا کرے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے ان کے

ساتھ خیانت کی (نیل الاوطار،۳:۱۵۹)

۶۱۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے اس کی سند عمدہ ہے۔

۶۲۔ فتح القدیر، ۱:۳۳۷

۶۳۔ بداية المجتهد، ۱:۱۳۷ و بعد، القوانين الفقهيه، ۶۸، الشرح الصغير، ۱:۴۲۷ و بعد

۶۴۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۳۳ و بعد، المهذب، ۱:۹۵

۶۵۔ کشاف القناع، ۱:۵۳۷ و بعد

۶۶۔ بداية المجتهد ۱:۱۴۵

۶۷۔ الدر المختار، ۱:۵۱۹ وبعد، مراقی الفلاح، ۴۸، البدائع، ۱:۱۵۵، مغنی المحتاج، ۲۳۴۔۲۳۶، ۲۳۳، المهذب، ۱:۹۴، المجموع، ۴:۱۰۰۔۱۰۲، کشاف القناع، ۱:۵۸۳۔۵۸۷، المغنی، ۱:۶۲۹۔ ۶۳۰، القوانين الفقهيه، ۶۹ و بعد، الشرح الصغير، ۱:۵۱۴۔۵۱۶

۶۸۔ متفق علیہ

۶۹۔ ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی، اس کی سند میں ایک روای مدلس ہے۔ابوداؤد نے اسے ضعیف نہیں بتایا۔

۷۰۔ بخاری ومسلم، ان کے الفاظ یہ ہیں: اپنی قیام گاہوں میں نماز پڑھ لو، رحال کا لفظ قیام گاہ کے لیے بولا جاتا ہے چاہے مٹی سے بنے ہوئے مکانات ہوں یا بالوں یا چمڑے کے خیمے۔ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی۔حدیث میں سفر کا ذکر نہیں ہے۔اس موضوع پر اور احادیث بھی ہیں۔ (نیل الاوطار،۳:۱۵۵)

۷۱۔ بخاری اور مسلم نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے، الفاظ یہ ہیں: جو کوئی اس بد بودار بوٹی میں سے کھائے وہ ہماری نماز کی جگہ کے قریب نہ آئے۔

۷۲۔ الدر المختار ورد المحتار، ۱:۵۱۱۔۵۱۳

۷۳۔ الاحکام السلطانیہ، ۳

۷۴۔ اوپر مذکور دونوں مراجع، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی، ۳

۷۵۔ ایضاً

۷۶۔ الدر المختار، ۱:۵۱۳ و بعد، ۵۳۹۔۵۵۴، اللباب، ۱:۸۲، البدائع، ۱:۱۵۶ و بعد، الشرح الصغیر، ۱:۴۳۳۔۴۳۶، القوانین الفقھیه، ۶۷، المھذب، ۱:۹۷، مغنی المحتاج، ۱:۲۳۸، ۲۴۱، کشاف القناع، ۱:۵۵۹۔۵۶۰، ۵۶۴۔۵۶۸، ۵۷۰، المغنی، ۱:۱۹۲، ۱۹۴۔۱۹۵، ۱۹۷۔ ۲۰۱، ۲۲۸، المجموع، ۴:۱۴۷۔۱۶۲

۷۷۔ المغنی، ۱:۲۰۰ و بعد

۷۸۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۴۱

۷۹۔ بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت جابرؓ سے اور بخاری ونسائی نے اسی طرح کی ایک حدیث عمرو بن سلمہ سے روایت کی۔ (نیل الاوطار، ۳:۱۶۵)

۸۰۔ المجموع، ۴:۹۶

۸۱۔ المغنی، ۱:۲۰۲، کشاف القناع، ۱:۵۶۴

۸۲۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۳۳

۸۳۔ تبیین الحقائق، ۱:۱۳۰، الدر المختار ۱:۵۲۸ و بعد، اللباب، ۱:۸۲

۸۴۔ ابو داؤد نے ابن مسعودؓ سے اور احمد، طبرانی نے ام حمید ساعدیہؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۱۳۲)

۸۵۔ محمد بن حسین حرانی نے براء بن عازبؓ سے روایت کی۔اسی طرح کی ایک حدیث حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کی گئی ہے (کشاف القناع، ۱:۵۶۵)

۸۶۔ امی (ناخواندہ) سے مراد وہ شخص ہے جو سورہ فاتحہ یا اس کا کچھ حصہ درست نہ پڑھ سکتا ہو، یا بعض حروف صحیح نہ ادا کر سکتا ہو، خواہ باقی درست پڑھتا ہو، جو شخص اچھی قراءت کرتا ہے اس کی نماز ایسے شخص کے پیچھے درست نہیں البتہ اسی قسم کے ناخواندہ کی نماز درست ہے۔

۸۷۔ ایسی عورت کو ضالہ اور مضلہ کہتے ہیں، یعنی جو اپنی عادت بھول گئی ہو۔

۸۸۔ فتح القدیر، ۱:۲۷۷

۸۹۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۳۴

۹۰۔ المغنی، ۲:۱۰۵، ۲۳۳، کشاف القناع، ۱:۲۷۶ و بعد

۹۱۔ مغنی المحتاج،۱:۲۵۹

۹۲۔ کشاف القناع،۲:۵۶۰ و بعد،۵۷۰،الدر المختار و رد المحتار،۱:۵۴۱

۹۳۔ الدر المختار، ۱:۵۲۶

۹۴۔ الحضرمیه،۶۴

۹۵۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۴۴، المغنی،۲:۱۹۰، کشاف القناع،۱:۵۵۷،۵۶۳

۹۶۔ فاسق وہ شخص ہے جو کبیرہ گناہ کرے یا صغیرہ گناہوں پر اصرار کرے۔

۹۷۔ الدر المختار ، ۱:۵۲۰۔۵۲۲، فتح القدیر ، ۱:۲۴۵۔ ۲۴۸، الکتاب مع اللباب،۱:۸۱ و بعد، البدائع،۱:۱۵۷ و بعد

۹۸۔ بخاری کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے ابو مسعود انصاریؓ سے روایت کی (نصب الرایہ، ۲:۲۴)

۹۹۔ طبرانی نے اپنی معجم میں روایت کی۔حاکم نے ابومرثد غنوی سے روایت کی، الفاظ یہ ہیں:''تم میں سے بہتر شخص امامت کرائے''، حاکم نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا۔(ایضاً، ۲۶)

۱۰۰۔ مالک بن حویرثؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی (ایضاً، ۲۶)

۱۰۱۔ احمد اور اصحاب سنن (پانچوں) نے مالک بن حویرثؓ سے روایت کی (نیل الاوطار،۳:۱۵۹)

۱۰۲۔ الشرح الصغیر ،۱:۴۵۴۔۴۵۷، بدایة المجتهد ،۱:۱۳۹، القوانین الفقهیه، ۶۸، الشرح الکبیر، ۱:۳۴۲۔۳۴۵

۱۰۳۔ جو شخص محرمات کے ارتکاب کے خوف سے مشتبہ امور سے بھی اجتناب کرے۔

۱۰۴۔ المهذب، ۱:۹۸۔۹۹، مغنی المحتاج، ۱:۲۴۲۔۲۴۴، الحضرمیه،۷۲۔۷۳

۱۰۵۔ احمد، مسلم، ابو داؤد میں ہے:''کوئی کسی دوسرے کے گھر یا دوسرے کے دائرہ اختیار میں امامت نہ کرائے'' سعید بن منصور کی روایت ہے: کوئی کسی دوسرے کے حلقۂ اختیار میں اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے (نیل الاوطار،۳:۱۵۷)

۱۰۶۔ المغنی،۲:۱۸۱۔۱۸۵، کشاف القناع،۱:۵۵۴۔۵۵۶

۱۰۷۔ مسلم، ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ''تم میں سے بہتر شخص اذان کہے اور تم

میں سے عمدہ قاری امامت کرائے''۔

۱۰۸۔ احمد، نسائی اور ضیاء نے حضرت انسؓ سے روایت کی (الفتح الکبیر، ۱:۵۰۴)، اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ ''قریش کو آگے کرو، ان سے آگے نہ بڑھو'' کو امام شافعی اور بیہقی نے زہری سے منقطع غیر متصل اور ابن عدی نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور بزار نے حضرت علی سے اور طبرانی نے عبداللہ بن سائبؓ سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی (الجامع الصغیر)

۱۰۹۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کا حکم ابھی بھی باقی ہے۔

۱۱۰۔ الدر المختار، ۱:۵۲۲۔ ۵۳۱، مراقی الفلاح، ۴۹، فتح القدیر، ۱:۲۴۷۔ ۲۴۹، البدائع، ۱:۱۵۶ و بعد، الشرح الصغیر، ۱:۴۳۹۔ ۴۴۹، القوانین الفقھیہ، ۶۷، ۶۹، مغنی المحتاج، ۱:۲۴۲،۲۳۲، المغنی، ۲:۱۹۳۔ ۱۹۸، ۲۰۹۔ ۲۱۱، کشاف القناع، ۱:۵۴۹، ۵۶۶۔ ۵۷۱، ۵۸۱، الحضرمیہ، ۷۰

۱۱۱۔ دارقطنی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی، الحمد اللہ کہ یہ روایت منقطع ہے۔ ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع سے روایت کی کہ: ''اپنی ملت کے افراد کی تکفیر نہ کرو، خواہ وہ کبائر کا ارتکاب کریں، ہر امام کے ساتھ نماز پڑھ لو، ہر امام کے ساتھ جہاد کرو اور اہل قبلہ کی ہر میت پر نماز جنازہ پڑھو'' اس میں ایک راوی مجہول ہے (نصب الرایہ، ۲:۲۶۔ ۲۷، نیل الاوطار، ۳:۱۶۲)

۱۱۲۔ ابو داؤد، احمد (نیل الاوطار، ۳:۱۶۰) بخاری اور نسائی میں ہے کہ عقبہ بن مالکؓ اپنی قوم کی امامت کیا کرتے تھے اور وہ نابینا تھے (ایضاً)

۱۱۳۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمروؓ سے اور ترمذی نے ابو امامہؓ سے روایت کی کہ تین افراد کی نماز ان کے کانوں سے اوپر نہیں جاتی: ان میں سے ایک وہ شخص جو لوگوں کو نماز پڑھائے اور لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں (نیل الاوطار، ۳:۱۷۶)

۱۱۴۔ صحاح ستہ نے روایت کی۔ احمد بخاری اور مسلم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلکی پھلکی نماز پڑھانے کی حدیث حضرت انسؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۱۳۷، نصب الرایہ، ۲:۲۹)

۱۱۵۔ متفق علیہ، اسی طرح کی حدیث بخاری اور مسلم نے حضرت معاذؓ سے روایت کی کہ: لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالو، کیوں کہ تمہارے پیچھے بوڑھے، کمزور، حاجت مند اور مسافر بھی نماز پڑھتے

ہیں (نصب الرایہ،۲:۲۹۔۳۰)

۱۱۶۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۳۲، القوانین الفقهیه، ۶۹، کشاف القناع، ۱:۵۵، المغنی،۲:۲۳۶

۱۱۷۔ الحضرمیه، ۶۵، المغنی، ایضاً، مغنی المحتاج،۱:۲۳۲

۱۱۸۔ یہ دونوں روایات ابو داؤد میں ہیں (نیل الاوطار،۳:۱۹۳)

۱۱۹۔ متفق علیہ (ایضاً)

۲۲۰۔ الدر المختار ورد المحتار، ۱:۵۲۵ و بعد، ۵۳۱

۱۲۱۔ اور اس کے بعد تکلف کرنے والے تک جتنے افراد مذکور ہیں سب فاسق میں شامل ہیں۔

۱۲۲۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۳۹۔۴۴۹

۱۲۳۔ عنّین وہ شخص جس کا عضو تناسل چھوٹا ہو، اس سے جماع نہ کرسکتا ہو، یا اسے انتشار نہ ہوتا ہو۔

۱۲۴۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۳۹۔۲۴۱، الحضرمیه، ۷۳

۱۲۵۔ المغنی،۲:۱۹۳، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۹، ۲۳۰ وبعد، کشاف القناع،۱:۵۵۶، ۵۶۸، ۵۷۰، ۵۸۱

۱۲۶۔ کیوں کہ اس کی امامت کے درست ہونے میں اختلاف ہے۔ چمڑے کے نیچے ایسی جگہ جو نجاست رہ جاتی ہے جس کا ازالہ ممکن نہیں وہ معاف ہے، اس قسم کی نجاست سے نماز متاثر نہیں ہوتی۔

۱۲۷۔ بخاری اور مسلم نے ابن عباسؓ سے روایت کی: کوئی مرد کسی محرم کے بغیر کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے (سبل السلام،۲:۱۸۳)

۱۲۸۔ امام احمد نے اپنے رسالہ میں بیان کیا۔ سفال بلندی کی ضد ہے۔

۱۲۹۔ الدر المختار ورد المحتار، ۱:۵۵۳ و بعد، ۵۶۷، الکتاب بشرح اللباب، ۱:۸۴

۱۳۰۔ القوانین الفقهیه، ۶۹

۱۳۱۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۴۱، المهذب، ۱:۹۷

۱۳۲۔ کشاف القناع،۱:۵۵۹، ۵۶۴، ۵۶۵، المغنی،۳:۹۹

۱۳۳۔ بدایة المجتهد، ۱:۱۵۰ و بعد

۱۳۴۔ نیل الاوطار،۳:۱۷۵

۱۳۵۔ بدایۃ المجتہد، ۱:۱۴۹ و بعد

۱۳۶۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ امام کے وقفوں کے درمیان فاتحہ پڑھنا مقتدی کے لیے مسنون ہے۔امام خواہ سانس لینے کے لیے وقفہ کرے اور اس طرح سورۂ فاتحہ کو ٹکڑوں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور سری نمازوں میں قراءت فاتحہ مسنون ہے کیوں کہ ابن ماجہ میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعات میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے اور دوسری دو رکعات میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ کشاف القناع،۱:۵۴۴

۱۳۷۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ حضرت عبادہؓ کی حدیث مکحولؒ وغیرہ کی روایت سے صحیح ہے اور سنداً متصل ہے۔

۱۳۸۔ کشاف القناع، ۱۱:۵۴۴

۱۳۹۔ بدایۃ المجتہد، ۱:۱۴۱۔۱۴۳

۱۴۰۔ صحاح ستہ نے روایت کی،(نیل الاوطار،۲:۲۲۲)

۱۴۱۔ مالک، ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔قال آمین (نیل الاوطار،۲:۲۲۴)

۱۴۲۔ بخاری، مسلم(المجموع ۴:۱۲۴)

۱۴۳۔طحاوی

۱۴۴۔ ابو داؤد، عبداللہ بن احمد میں مسوّر بن یزید مالکی سے روایت کی (نیل الاوطار۲:۳۲۲) روایت میں ہے کہ رسول اللہ کو ایک آیت میں تردد ہوا، نماز سے فارغ ہو کر فرمایا، اُبی کہاں ہیں؟ کیا وہ موجود نہیں تھے؟ یعنی انہوں نے لقمہ کیوں نہیں دیا۔

۱۴۵۔ ابو داؤد نے ابو اسحاق سبیعی سے حارث الاعور سے حوالہ سے حضرت علیؓ سے روایت کی لیکن سبیعی کا اعور سے سماع ثابت نہیں۔عبدالرزاق نے ان الفاظ سے روایت کی:'' تم نماز میں ہو تو امام کو لقمہ نہ دو''

۱۴۶۔ یہ حدیث سہل بن سعد کی ہے۔ متفق علیہ (نیل الاوطار،۳:۱۹۳)

۱۴۷۔ دوکان، دکہ سے ماخوذ ہے بیٹھنے کی بلند جگہ

۱۴۸۔ ابو داؤد نے ہمام سے روایت کی کہ حضرت حذیفہؓ نے مدائن میں ایک چبوترے پر نماز

پڑھائی۔(نیل الاوطار،۳:۱۹۳)

۱۴۹۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۴۷۔۲۴۰، الحضرمیه، ۶۷

۱۵۰۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۵۹، المغنی ۲:۳۳۳، کشاف القناع، ۱:۳۷۲ و بعد، المهذب، ۱:۹۷

۱۵۱۔ الدر المختار، ۱:۵۶۰

۱۵۲۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۴۹

۱۵۳۔ الدر المختار، ۱:۵۵۵، ۵۶۰، فتح القدیر، ۱:۲۷۷ وبعد، تبیین الحقائق، ۳:۱۳۷ و بعد

۱۵۴۔ مثلاً جمعہ میں بہت بھیڑ ہو جائے اور پہلی رکعت امام کے ساتھ ادا نہ کر سکے اور باقی ادا کر سکتا ہو تو پہلی رکعت پڑھ کر باقی میں شامل ہو جائے۔

۱۵۵۔ تمام رکعات میں مسبوق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آخری رکعت کے رکوع کے بعد امام کے ساتھ شامل ہو اور بعض میں مسبوق ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ بعض رکعات رہ جائیں اور بعض امام کے ساتھ پڑھ لے۔

۱۵۶۔ حنفیہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کے موقع پر نویں ذوالحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک فرض نمازوں کے فوراً بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہے بشرطیکہ فرض نمازیں مستحب جماعت کے ساتھ مقیم امام کے پیچھے ادا کی گئی ہوں۔

۱۵۷۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۵۸۔۴۶۱، الشرح الکبیر، ۱:۳۴۵۔۳۴۹، القوانین الفقهیه، ۷۰ وبعد بدایۃ المجتہد، ۱۰:۱۸۱، ۱۸۲

۱۵۸۔ فعل سے مراد قراءت کے علاوہ امور ہیں، تسمیع، تحمید اور قنوت فعل میں شامل ہیں۔

۱۵۹۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۵۶۔۲۵۸، المهذب، ۱:۹۵، حاشیہ الباجوری، ۱:۲۰۴، الحضرمیة، ۶۱ و بعد

۱۶۰۔ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے، دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کی ہے، اس کے الفاظ ہیں جسے جمعہ کی ایک رکعت ملے وہ دوسری رکعت ساتھ ملا لے اور جو آخری قعدہ میں شامل ہو وہ ظہر کی چار رکعات پڑھے(المجموع ۴:۱۱۳)

۱۶۱۔ بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے متعدد طرق سے روایت کی۔ یہ روایت مستند ہے جیسا کہ بیہقی نے تصریح کی ہے۔(المجموع ۴:۱۲۰)

۱۶۲۔ احمد، بخاری، مسلم، نسائی (مصدر سابق)

۱۶۳۔ کشاف القناع، ۱:۵۴۰۔۵۴۳، ۵۴۶۔۵۴۹

۱۶۴۔ بخاری، مسلم، احمد، اور نسائی نے ابن عیینہ کے حوالے سے زہری، ابن مسیّب، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی مسلم کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں ابن عیینہ سے غلطی ہوئی ہے کہ قضا کرو۔ان کے علاوہ زہری سے کسی نے یہ الفاظ نقل نہیں کیے۔

۱۶۵۔ ابو داؤد نے سند حسن سے روایت کی۔

۱۶۶۔ مراقی الفلاح، ۵۰، الدر المختار، ۱:۵۶۰

۱۶۷۔ الدر المختار، ۱:۵۱۳، ۵۱۵، ۵۵۲، البدائع، ۱:۱۳۸، ۱۴۶، الکتاب مع اللباب، ۱:۸۴، الشرح الصغیر، ۱:۴۴۹، ۴۵۳، الشرح الکبیر، ۱:۳۳۷۔۳۴۱، القوانین الفقھیه، ۶۸ و بعد، مغنی المحتاج، ۱:۲۵۲۔۲۵۸، الحضرمیة، ۶۸، ۷۱، المغنی، ۲:۲۱۳، و بعد، ۲۳۱۔۲۳۴، کشاف القناع، ۱:۵۶۵، ۵۷۱، ۵۷۹ و بعد

۱۶۸۔ حنفیہ کے نزدیک جو شخص کسی دوسرے کے ساتھ نماز میں شامل ہونا چاہتا ہے اسے دو طرح کی نیتیں کرنا ہوں گی۔ ایک نماز کی نیت اور دوسرے امام کی اقتدا کی نیت جس میں فرض نماز کے وقت اور اس میں امام کی اقتدا شامل ہے۔

۱۶۹۔ متفق علیہ

۱۷۰۔ الکتاب بشرح اللباب، ۱:۸۴، الدر المختار و رد المحتار، ۱:۵۱۴، ۵۵۰۔۵۵۲، فتح القدیر، ۱:۲۶۱۔۲۶۵

۱۷۱۔ بخاری اور مسلم نے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کی ہے (نصب الرایہ، ۲:۴۱)

۱۷۲۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۵۱

۱۷۳۔ کشاف القناع، ۱:۵۶۱ و بعد، ۵۷۰ و بعد، المغنی، ۲:۲۲۰۔۲۲۷

۱۷۴۔ متفق علیہ، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ روایت متواتر اسناد سے مروی ہے۔

۱۷۵۔ حضرت انسؓ سے اس طرح کی ایک روایت ہے۔ یہ دونوں روایات بخاری اور مسلم میں

ہیں۔حضرت جابرؓ نے بھی رسول اللہ سے اسی طرح کی حدیث بیان کی جسے مسلم نے روایت کیا اور اسید بن حضیرؓ نے بھی روایت کیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر اسناد سے مروی ہے۔حضرت انسؓ حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سب نے روایت کی اور تمام اسناد صحیح ہیں۔

۱۷۶۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۵۳ و بعد، الحضرمیه، ۷

۱۷۷۔ المجموع، ۴:۱۹۴

۱۷۸۔ البدائع، ۱:۱۴۵ و بعد، الدر المختار و رد المحتار، ۱:۵۱۴، ۵۴۷۔۵۴۹

۱۷۹۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۴۸۔۲۵۱، الحضرمیة، ۶۹ و بعد

۱۸۰۔ معتدل آدمی کے ہاتھ کی لمبائی جو دو بالشت کے برابر ہوتا ہے۔

۱۸۱۔ کشاف القناع، ۱:۵۷۹۔۵۸۰، المغنی، ۲:۲۰۶۔۲۰۹

۱۸۲۔ بخاری

۱۸۳۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۵۲۔۴۵۴، الشرح الکبیر، ۱:۳۴۰ و بعد، بدایة المجتهد، ۱:۱۴۸

۱۸۴۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۵۵ و بعد، الحضرمیة، ۷۱، المهذب، ۱:۹۶

۱۸۵۔ متفق علیه

۱۸۶۔ کشاف القناع، ۱:۵۴۶۔۵۴۹

۱۸۷۔ تبیین الحقائق، ۱:۱۳۷ و بعد، فتح القدیر، ۱:۲۵۷ و بعد، الدر المختار و رد المحتار، ۵۱۴، ۵۳۵۔۵۳۷

۱۸۸۔ حقیقۃً سے مراد یہ ہے کہ واقعی بالمقابل ہو اور تقدیراً سے یہ مراد ہے کہ لاحق اپنی نماز جو بعد میں پڑھتا ہے اس میں تقدیراً امام کے پیچھے ہوتا ہے۔

۱۸۹۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۵۸، المهذب، ۱:۱۰۰، کشاف القناع، ۱:۵۷۵، المغنی، ۱:۲۱۵، ۲۴۳، القوانین الفقهیه، ۶۹

۱۹۰۔ زیلعی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب مرفوع ہے۔مصنف عبدالرزاق نے عبدالرزاق کے حوالے سے ابن مسعودؓ سے موقوفاً روایت کی ہے۔طبرانی نے اپنی معجم میں روایت کی (نصب الرایة

۳٦:۲)

۱۹۱۔ رد المحتار، ۱:۵۱۴

۱۹۲۔ کشاف القناع،۱:۵۷۳

۱۹۳۔ احمد اور ابو داؤد نے ابو مالک اشعریؓ سے روایت کی (نصب الرایہ۲:۳٦، نیل الاوطار،۳:۱۸۲)

۱۹۴۔ یہ دونوں روایات امام شافعی نے اپنی مسند میں بیہقی نے اپنی سنن میں اسناد حسن سے روایت کیں۔

۱۹۵۔ الدر المختار، ۱:۵۲۹۔۵۳۴، فتح القدير، ۱:۲۵۴، الكتاب بشرح اللباب، ۱:۸۲ و بعد، الشرح الصغير، ۱:۴۵۷ و بعد، القوانين الفقهيه، ٦۹، المهذب، ۱:۹۹ و بعد، المجموع، ۱۸٦ و بعد، مغنی المحتاج، ۱:۲۴٦ و بعد، کشاف القناع، ۱:۵۷۱۔۵۷۹، المغنی ۲:۲۰۴۔ ۲۱۹، بداية المجتهد، ۱:۱۴۳

۱۹٦۔ بخاری و مسلم

۱۹۷۔ مسلم، ابو داؤد: ابو داؤد میں جابر اور جبار کے الفاظ ہیں۔

۱۹۸۔ نیل الاوطار،۳:۱۸۲، حضرت انسؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی کہ وہ اور یتیمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے اور بڑھیا ان کے پیچھے (ایضاً)

۱۹۹۔ ابن مسعودؓ اور براء بن عازبؓ کی روایات ہیں۔ پہلی حدیث مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے اور دوسری مسلم، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اور تیسری حاکم نے مستدرک میں روایت کی (نصب الرایۃ،۲:۳۷)

۲۰۰۔ ابو داؤد

۲۰۱۔ رد المحتار، ۱:۵۳۰ و بعد

۲۰۲۔ القوانين الفقهيه، ٦۹، بداية المجتهد، ۱:۱۴۴، المجموع،۴:۱۹۵، الدر المختار، ۱:۵۳۲

۲۰۳۔ بخاری و مسلم

۲۰۴۔ صحیح حدیث ہے ابو داؤد نے صحیح سند سے روایت کی۔

۲۰۵۔ بخاری کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۱۸۳)

۲۰۶۔ مسلم، الفاظ یہ ہیں: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہم چاہتے کہ آپ کی دائیں جانب کھڑے ہوں تا کہ آپ ہماری طرف متوجہ ہوں۔

۲۰۷۔ ابو داؤد نے سند حسن سے روایت کی

۲۰۸۔ هداية،۲:۵۷، المهذب، ۱:۱۰۰، المغنی،۲:۳۷

۲۰۹۔ خلل: دو چیزوں کے درمیان فاصلہ

۲۱۰۔ المجموع،۴:۱۲۴ و بعد، بداية المجتهد،۱:۱۴۴

۲۱۱۔ بخاری و مسلم (نیل الاوطار،۳:۱۸۷) بخاری کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے نعمان بن بشیرؓ سے روایت کی: اللہ کے بندو، اپنی صفیں سیدھی رکھو مبادا اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں میں اختلاف پیدا کر دے (ایضاً)

۲۱۲۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ، عبدالرزاق نے جابر بن عبداللہؓ سے اور احمد اور ابوداؤد نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔

۲۱۳۔ البدائع، ۱:۱۴۶، بداية المجتهد، ۱:۱۴۴، المجموع،۴:۱۹۲، الحضرمية، ۶۸، المغنی،۲:۲۱۱ و بعد،۲۳۴، القوانين الفقهيه، ۶۹

۲۱۴۔ احمد، بخاری، ابوداؤد، نسائی (نیل الاوطار،۳:۱۸۴)

۲۱۵۔ احمد (ایضاً)

۲۱۶۔ نسائی کے علاوہ صحیح کی پانچوں کتب نے روایت کی (نیل الاوطار،۳:۱۸۴)

۲۱۷۔ احمد، ابن ماجہ (ایضاً)

۲۱۸۔ البدائع ۱:۲۲۰-۲۳۳، الدر المختار، ۱:۵۶۰- ۵۷۴،فتح القدير ۱:۲۶۷-۲۷۶، تبيين الحقائق ۱:۱۴۷ وبعد، الكتاب مع اللباب ۱:۸۶

۲۱۹۔ قلس: حلق سے نکل کر جو چیز منہ کو بھر دے یا نہ بھرے، مگر قے نہیں ہوتی۔ لیکن اگر لوٹ کر باہر آجائے تو قے ہوگی۔

۲۲۰۔ ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کی ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ مرسل ہے، اور اس میں ضعیف راوی بھی ہے، (نصب الرایۃ ۲:۶۱،نیل الاوطار ۱:۱۸۷) دارقطنی وغیرہ نے ابن عباسؓ سے ان معانی میں

روایت کی ہے اور اس میں متروک راوی ہے۔ اور دارقطنی نے ابوسعید سے بھی روایت کی ہے اور اس میں بھی متروک راوی ہے۔ (نیل الاوطار ۱:۱۸۸)

۲۲۱۔ بخاری و مسلم

۲۲۲۔ الشرح الصغیر ۱:۴۶۵-۴۷۲، الشرح الکبیر ۱:۳۴۹-۳۵۸، القوانین الفقهیه ۶۹ وبعد

۲۲۳۔ المجموع ۴:۱۳۹-۱۴۶، مغنی المحتاج ۱:۲۹۷ وبعد، المهذب ۱:۹۶ وبعد، ۱۱۷۔

۲۲۴۔ شیخین نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

۲۲۵۔ بیہقی نے روایت کیا ہے۔

۲۲۶۔ المغنی ۲:۱۰۲-۱۰۵، کشاف القناع ۱:۳۷۴-۳۷۷

۲۲۷۔ ابوداؤد نے جید سند سے روایت کی ہے۔

دوسری بحث

نماز جمعہ

نماز جمعہ کی فرضیت و اہمیت، اس کے اہتمام کی فضیلت وحکمت، جمعہ کس پر واجب ہے؟ اس کا طریقہ اور رکعات کی تعداد، نماز جمعہ درست ہونے کی شرائط، خطبہ جمعہ کی سنن ومکروہات، جمعہ کی سنن ومکروہات، خطبہ کو فاسد کرنے والے اُمور، جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم، اس بحث میں نو(۹) ذیلی مباحث ہیں۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے یا اس وجہ سے اس دن خیروبرکت جمع ہوتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس دن تخلیق آدم کے تمام اسباب جمع کیے گئے یا اس روز زمین پر آدمؑ وحوا کا اجتماع ہوا۔ جاہلیت قدیم میں اس کا نام یوم العروبہ (واضح عظمت والا) تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام یوم الرحمۃ (رحمت کا دن) تھا۔

مطلب اوّل: جمعہ کی فرضیت واہمیت

جمعہ کی نماز فرض عین ہے (۱) دلیل قطعی سے ثابت ہے اس لیے اس کا منکر کافر ہے۔ جمعہ مستقل فرض ہے نماز ظہر کا بدل نہیں ہے، کیوں کہ جس کسی پر جمعہ واجب نہ ہو مثلاً مسافر، عورت وہ اگر ظہر کی نیت سے جمعہ ادا کرے تو ادا نہیں ہوتا، نماز ظہر سے زیادہ اس کی تاکید ہے بلکہ یہ تمام نمازوں سے افضل ہے، جمعہ کا دن تمام دنوں سے افضل ہے، جن ایام میں سورج طلوع ہوتا ہے ان میں سے بہترین دن ہے، اس روز اللہ تعالیٰ چھ لاکھ انسانوں کو آتش دوزخ سے رہائی دیں گے۔ جو شخص جمعہ کے روز وفات پائے اللہ کے ہاں شہید کا اجر پاتا ہے اور قبر کی آزمائش سے بچ جاتا ہے۔ اس دن کی فضیلت کے بارے میں مرفوع حدیث ہے: جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار اور سب سے زیادہ عظمت والا ہے، اللہ کے ہاں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دنوں سے بھی عظیم تر ہے۔(۲)

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی اور بتایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین دن جس میں آفتاب طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے، اس میں آدم کی تخلیق ہوئی، اسی دن وہ جنت میں داخل ہوئے، اسی دن جنت سے نکالے گئے، اسی روز قیامت برپا ہوگی۔

جمعہ کے مستقل فرض عین نہ کہ فرض کفایہ ہونے کے دلائل:

(۱) قرآن حکیم، میں ارشاد ربانی ہے: یا ایھا الذین امنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع (الجمعہ ۶۲: ۹) (اے ایمان والو! جمعہ کے روز جب نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کو یاد کرنے کے لیے چل پڑو اور کاروبار چھوڑ دو) یعنی اللہ کے ذکر کے لیے چل پڑو، سعی کا حکم دیا اور امر کا تقاضا یہ ہے کہ کام واجب ہو اور واجب کام کے لیے سعی ہی واجب ہو سکتی ہے۔ اور کاروبار سے روک دیا جو جمعہ سے روکنے کا باعث ہے۔ اگر جمعہ واجب نہ ہوتا تو اس کی وجہ سے کاروبار سے نہ روکا جاتا۔ سعی سے مراد جمعہ کے لیے جانا ہے، دوڑنا مراد نہیں ہے۔

(۲) سنت: ارشاد نبوی ہے: لوگ جمعہ کی نمازیں چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے اور وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے(۳) آپؐ کا ارشاد ہے ہر بالغ پر جمعہ کے لیے جانا واجب ہے(۴)، نیز ارشاد نبوی ہے: جس کسی نے لاپروائی کے باعث تین جمعے چھوڑ دیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔(۵)

جمعہ کا تارک سزا کا مستحق ہے، جو لوگ جمعہ میں شریک نہیں ہوتے تھے ان کے بارے میں ارشاد نبوی ہے: میں سوچتا ہوں کہ کسی شخص کو کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر ان لوگوں کے گھر جلوا دوں جو جمعہ کی نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔(۶)

(۳) اجماع: جمعہ کے واجب ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے:

جمعہ ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں فرض ہوا، دارقطنی میں ابن عباسؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے پہلے جمعہ پڑھنے کا حکم دیا گیا لیکن مکہ میں لوگوں کا اجتماع نہ ہوسکا، آپؐ نے مصعب بن عمیرؓ کو لکھا: ''اما بعد! دیکھو یہود اپنا سبت منانے کے لیے ایک دن زبور بلند آواز سے تلاوت کرتے ہیں، تم بھی اپنے مردوں اور عورتوں کو جمع کرو، جب جمعہ کے روز سورج ڈھل جائے تو دو رکعت پڑھ کر اللہ کا قرب حاصل کرو''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے تک مصعب بن عمیرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جمعہ پڑھایا، زوال کے بعد ظہر کے وقت لوگ جمع ہوتے، اسعد بن زرارہؓ جن کے گھر مصعب ٹھہرے ہوئے تھے۔ لوگوں کو جمع کرتے اور مصعبؓ انہیں نماز پڑھاتے، قرآن پڑھاتے اور اسلام کی تعلیم دیتے، مصعبؓ کو المقرئ (پڑھانے والا، استاذ) کہا جاتا تھا، اسعدؓ لوگوں کو بلاتے اور مصعبؓ نماز پڑھاتے تھے۔

جمعہ مستقل فرض ہے، ظہر کی قصر نماز نہیں ہے، اگرچہ اس کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے اور اسی وقت پڑھا جاتا ہے، اس امر کی دلیل یہ ہے کہ ظہر کی نماز جمعہ کا بدل نہیں ہوسکتی، کیوں کہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: جمعہ کی دو رکعات ہیں، تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہی پوری نماز ہے، قصر نہیں ہے، جو کوئی افترا پردازی کرے گا خائب و خاسر ہوگا۔(۷)

مطلب دوم: نماز جمعہ کی تیاری کی فضیلت وحکمت

نماز جمعہ کی حکمت: جمعہ اجتماعی فکر پروان چڑھانے، مسلمانوں کو اکٹھا کرنے، ان میں باہمی تعارف، الفت ومحبت اور فکری اتحاد پیدا کرنے، انہیں قائد کی اطاعت کی تربیت دینے اور قیادت کے تقاضوں کو پورا کرنے، شریعت اسلامی کے دستور، احکام، اخلاق، آداب اور تعلیمات کی یاددہانی، جہاد کے احکام کے نفاذ، امت مسلمہ کی داخلی اور خارجی

مصلحتوں کے تقاضوں سے آگاہ کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے فرض کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بار بار کا وعظ اور ہر ہفتے مستقل اور مسلسل نصیحت انفرادی اور اجتماعی اصلاح کا بہت مؤثر ذریعہ ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وذکر فان الذکری تنفع المومنین (نصیحت کیجیے، نصیحت اہل ایمان کو نفع بخشتی ہے، الذاریات ۵۱:۵۵)

نماز جمعہ کی تیاری: ان اہم مقاصد واہداف کے پیش نظر اور اخروی ثواب کے حصول کے لیے جمعہ کی تیاری واجب ہے اور اس کا وہی حکم ہے جو جمعہ کا ہے کیوں کہ تیاری جمعہ پڑھنے کا ذریعہ ہے ارشاد ربانی ہے: فاسعوا الی ذکر اللہ (اللہ کی یاد کی طرف چل پڑو، الجمعہ ۶۲:۹) جمعہ پڑھنے کے لیے جلدی جانا باعث فضیلت ہے اور کاروبار، خرید وفروخت اور زندگی کی دوسری مصروفیات ترک کر دینا ضروری ہے تاکہ ان میں مشغول ہوکر جمعہ میں شرکت رہ جائے۔

جمہور کے نزدیک جمعہ کے لیے چل پڑنے کا وجوب خطیب کے سامنے ہونے والی اذان سے شروع ہوتا ہے، حنفیہ کے نزدیک زوال کے وقت ہونے والی پہلی اذان سے، اگر کوئی شخص مسجد سے دور رہتا ہو تو اسے اتنا وقت لے کر چلنا چاہیے تاکہ جمعہ کی نماز میں شامل ہو سکے۔(۸)

جمعہ کے لیے جلدی جانے میں ثواب کے مختلف درجات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کسی نے جمعہ کے روز اس طرح غسل کیا جیسے غسل جنابت کیا جاتا ہے، پھر جمعہ کے لیے چل پڑا تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی دی، جو دوسری ساعت میں گیا، گویا اس نے گائے کی قربانی دی۔ جو تیسری ساعت میں گیا گویا اس نے موٹا تازہ مینڈھا قربان کیا، جو چوتھی ساعت میں گیا گویا اس نے مرغی صدقہ کی اور جو پانچویں ساعت میں گیا گویا اس نے انڈا صدقہ کیا، جب امام آجاتا ہے تو فرشتے آکر خطبہ سننے لگتے ہیں۔(۹)

جمعہ کے لیے جانے کا مستحب وقت: مالکیہ کے علاوہ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا پانچ ساعتوں کا تعلق دن کے آغاز سے سورج ڈھلنے کے وقت تک ہے، اس وقت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے اور دن کے آغاز میں جانا مستحب ہے لیکن اظہر رائے وہ ہے جو مالکیہ نے ذکر کی کہ یہ زوال سے قبل کی ایک ہی ساعت کے پانچ اجزا ہیں کیوں کہ ساعت کا لفظ شریعت اور لغت دونوں میں زمانے کے اجزا میں سے ایک جز کے لیے استعمال ہوتا ہے اور صحابہ میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ وہ سورج نکلنے سے پہلے یا سورج نکلنے کے فوراً بعد جمعہ کے لیے چل پڑے ہوں۔(۱۰)

جمعہ کو اس کے تمام آداب کے ساتھ ادا کرنے سے ایک مومن کے دو جمعوں کے درمیان ہونے والے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے: پانچ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان، اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں سے بچے تو ان سے درمیان کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں،(۱۱) نیز ارشاد نبوی ہے: جس نے غسل کیا، پھر جمعہ پڑھنے آیا حتیٰ کہ امام خطبے سے فارغ ہوگیا، پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان کے اور کچھ زائد یعنی تین دن زائد کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔(۱۲)

قبولیت کی گھڑی: جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کا ذکر کیا اور فرمایا اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ جو مسلمان بندہ اس وقت میں کھڑا ہوکر نماز پڑھے اور اللہ سے جو کچھ مانگے اللہ تعالیٰ اسے عطا کرے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ گھڑی مختصر سی ہے(۱۳) اس ساعت کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں، صحیح تر قول جو حضرت ابوبردہؓ سے صحیح مسلم میں ثابت ہے یہ ہے کہ یہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز ادا کرنے تک کے دوران آتی ہے۔

جمعہ کی خصوصیات: جمعہ کی بہت سی خصوصیات ہیں، امام سیوطی نے اپنی ایک کتاب خصوصیات یوم الجمعۃ (۱۴) میں سو خصوصیات جمع کی ہیں۔ ان میں سے یہ ہیں کہ اس روز ارواح جمع ہوتی ہیں، قبور کی زیارت کی جاتی ہے، مرنے والا عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ جو کوئی اس روز یا اس رات وفات پائے وہ عذاب قبر سے بچ جاتا ہے، اس روز جہنم کی آگ نہیں بھڑکائی جاتی اور اہل جنت اس روز اپنے رب کی زیارت کرتے ہیں۔(۱۵)

عبادت میں کوئی دوسرا مقصد پیش نظر ہونا: جو شخص جمعہ اور اپنی ضروریات کی تیاری کرتا ہے، اس کا بڑا مقصد جمعہ کے ثواب کا حصول ہے اور اسے اس کے لیے تیاری کا ثواب بھی ملے گا، حنفیہ کہتے ہیں(۱۶): اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عبادت میں کسی اور مقصد کو شریک کرلیتا ہے تو جو مقصد غالب ہوگا اس کا اعتبار ہوگا۔

نماز جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت: جیسا کہ اوپر ہم نے بتایا جمہور کے نزدیک جمعہ کے لیے روانگی اس وقت واجب ہوتی ہے جب خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دوسری اذان ہوتی ہے، حنفیہ کے ہاں صحیح رائے یہ ہے کہ پہلی اذان کے بعد واجب ہوجاتی ہے اگرچہ پہلی اذان عہد نبوی میں نہیں تھی، حضرت عثمانؓ کے دور میں شروع ہوئی۔

اس کے بعد حنفیہ کے نزدیک خرید وفروخت اور دوسرے معاہدات مثلاً اجارہ، نکاح، صلح اور تمام دوسرے کام مکروہ تحریمی ہوجاتے ہیں اور جمہور کے نزدیک خطیب کے سامنے کہی جانے والی اذان کے بعد حرام ہوجاتے ہیں۔ کیوں کہ ان کاموں کی وجہ سے جمعہ کے لیے روانگی میں خلل پڑتا ہے، جب کہ ارشاد ربانی ہے: اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع (جب جمعہ کے روز نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کی یاد کے لیے روانہ ہوجاؤ اور خرید وفروخت چھوڑ دو، الجمعہ ۶۲ : ۹) نص میں خرید وفروخت کا ذکر ہے باقی معاملات کو خواہ معاہدات ہوں یا کچھ اور اس پر قیاس کریں

گے کیوں کہ یہ تمام اُمور اصل مقصد یعنی نماز جمعہ کی ادائیگی میں رکاوٹ کا باعث ہیں۔(۱۷)

شافعیہ کے نزدیک سورج ڈھلنے کے بعد اذان سے پہلے خرید وفروخت مکروہ ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۱۸) خرید وفروخت کے علاوہ دوسرے معاہدات مثلاً اجارہ، صلح، نکاح وغیرہ کی ممانعت نہیں ہے کیوں کہ ممانعت خرید وفروخت کی ہے، دوسرے امور جمعہ کے لیے روانگی میں اس طرح رکاوٹ نہیں بنتے جیسے کہ کاروبار رکاوٹ بنتا ہے کیوں کہ دوسرے معاملات شاذ ونادر پیش آتے ہیں اس لیے کاروبار پر ان کا قیاس درست نہیں۔

البتہ مجھے اس میں کوئی تردد نہیں کہ پہلی رائے درست اور دوسری رائے ناقابل التفات ہے۔ کیوں کہ تمام امور اپنے مقاصد سے وابستہ ہوتے ہیں۔ حنابلہ جب کہ سد ذرائع کے قائل ہیں ان پر واجب ہے کہ ایسے تمام راستے بند کردیں جن سے جمعہ کی تیاری میں خلل واقع ہوتا ہو۔

کاروبار کی حرمت اور جمعہ کے لیے تیاری کے حکم کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن پر جمعہ واجب ہے۔ عورتوں، بچوں اور مسافروں پر جمعہ واجب نہیں اس لیے ان کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔

اذان کے وقت کی خرید وفروخت صحیح ہے یا باطل اور قابل فسخ ہے؟(۱۹) حنفیہ کے نزدیک خرید وفروخت صحیح ہے مگر مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ خرید وفروخت کی ممانعت کا تعلق معاہدے کی ذات سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس کے باعث خطبہ سننے سے محروم رہ جاتا ہے۔ شافعیہ کی رائے بھی اس کے قریب قریب ہے، وہ کہتے ہیں: خرید وفروخت صحیح ہے مگر حرام ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خرید وفروخت فاسد ہے اور ان کے مشہور قول کے مطابق اسے فسخ کردینا چاہیے، حنابلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ خرید وفرخت درست نہیں ہے۔

اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اگر کسی ایسی چیز سے منع کردیا جائے جو اصلاً مباح ہو اور نہی کا تعلق اس چیز کی کسی صفت سے ہو تو کیا اس کے باعث جس امر سے روکا گیا ہے اس کا فاسد ہونا لازم آئے گا یا نہیں؟

مطلب سوم: جمعہ کن پر واجب ہے یا وجوب جمعہ کی شرائط

جمعہ کی نماز اپنے ارکان، شرائط اور آداب میں دوسری پنج گانہ نمازوں کی طرح ہے۔

جمعہ کے وجوب، اس کے درست اور ضروری ہونے کی کچھ خاص شرائط اور آداب بھی ہیں:

جمعہ ہر مکلف (عاقل، بالغ) آزاد، مرد مقیم (مسافر نہ ہو) بیماری اور عذر سے محفوظ پر جو جمعہ کی اذان سنے، واجب ہے۔ بچے اور دیوانے وغیرہ پر، غلام، عورت، مسافر، مریض، خوف میں مبتلا اور نابینا پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خواہ اسے کوئی قائد، یعنی لانے لے جانے والا میسر ہو واجب نہیں۔ مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے صاحبین کے نزدیک اگر نابینا کو قائد میسر ہو تو اس پر جمعہ واجب ہے۔ جس شخص نے اذان کی آواز نہیں سنی اس پر بھی آئندہ مذکور تفصیل کے مطابق جمعہ واجب نہیں ہے۔ نیز جو شخص بارش، کیچڑ یا برف کی وجہ سے مشقت اور عذر میں مبتلا ہے اس پر بھی جمعہ واجب نہیں لیکن اگر یہ لوگ جمعہ پڑھنے آجائیں اور لوگوں کے ساتھ جمعہ میں شریک ہوجائیں تو ان کا وقتی فرض (نماز ظہر) ساقط ہوجائے گا اور ان کا جمعہ درست ہوگا کیوں کہ انہوں نے رعایت کے باوجود مشقت برداشت کی ہے جیسے کوئی مسافر روزہ رکھ لے تب بھی درست ہے۔ جس شخص پر جمعہ واجب نہیں اور اس کی ظہر کی نماز درست ہوجاتی ہے اگر جمعہ ادا کرلے تو اس پر اجماع ہے کہ اس کا جمعہ ادا ہوجاتا ہے کیوں کہ اگر غیر معذور شخص کا نماز جمعہ جائز ہے تو معذور کا بطریق اولی جائز ہے۔ جمعہ تو اس کی رعایت کرتے ہوئے اسے معاف کردیا گیا تھا، معذور کے لیے جمعہ کی معافی رخصت ہے۔ اگر اس نے جمعہ ادا کرلیا تو اس کے ذمے سے ظہر کی نماز ساقط ہوگئی اور جمعہ کا فرض ادا ہوگیا، اگر کوئی شخص رخصت پر عمل نہ کرے تو یہ عزیمت

کا درجہ ہے۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا اور جمعہ پڑھنے آ گیا تو اس پر جمعہ فرض ہو گیا، اور اس کا جمعہ ادا ہو جائے گا، وہ اس میں امام بھی بن سکتا ہے۔ ابوداؤد میں ارشاد نبوی ہے: جمعہ ہر مسلمان پر باجماعت ادا کرنا فرض ہے بجز چار افراد کے: غلام، عورت، لڑکا اور مریض۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وجوب جمعہ کی شرائط حسب ذیل ہیں:

نماز جمعہ کے وجوب کے لیے وہی شرائط ہیں جو طہارت اور نماز کے وجوب کے لیے ہیں۔ جو جمہور کے نزدیک تین ہیں: اسلام، عقل اور بالغ ہونا۔ مالکیہ کے نزدیک دس شرائط ہیں: اسلام، بالغ ہونا، عقل، حیض ونفاس سے پاک ہونا، جمعہ کا وقت ہونا، سویا ہوا نہ ہونا، بھول نہ جانا، مجبور نہ ہونا، پانی یا مٹی کا دست یاب ہونا اور بقدر امکان جمعہ ادا کرنے پر قدرت ہونا۔

ان پر چار شرائط کا اضافہ کیا گیا ہے:(۲۰)

ا۔مرد ہونا: عورتوں پر جمعہ واجب نہیں

۲۔آزاد ہونا: غلاموں پر جمعہ واجب نہیں

۳۔جمعہ کی جگہ مقیم ہونا:

مسافر نے اگر ٹھہرنے کی نیت نہیں کی تو اس پر جمعہ واجب نہیں (۲۱) کیوں کہ حدیث میں ہے: ''مسافر پر جمعہ نہیں ہے'' (۲۲) اس مسئلے میں مذاہب میں تفصیلات ہیں: حنفیہ کے نزدیک بڑے شہر میں مقیم ہونا شرط ہے۔ بڑے شہر سے مراد ایسا شہر ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں وہ تمام لوگ نہ سما سکتے ہوں جن پر جمعہ فرض ہے اور قریہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ قریہ میں مقیم شخص پر جمعہ فرض نہیں۔

جو شخص شہر کے مضافات میں ٹھہرا ہوا ہو، یعنی شہر کی اضافی بستیوں میں، جس کی

مسافت فتوے کی رو سے ایک فرسخ (۵۵۴۴ میٹر) ہے اس پر بھی جمعہ فرض ہے۔

جو شخص شہر سے باہر ٹھہرا ہوا ہو اگر وہ مساجد کے میناروں سے دی گئی اذان کی آواز سنے تو اس پر جمعہ واجب ہے۔ یہ امام محمد کا قول ہے اور اس پر فتویٰ ہے کیوں کہ ابوداؤد میں حدیث ہے: جو شخص اذان سنے اس پر جمعہ واجب ہے۔

جو شخص شہر کے دور کے کناروں پر مقیم ہے اور اس کے اور جامع مسجد کے درمیان کئی کھیت آجاتے ہیں وہ اذان سنے تب بھی اس پر جمعہ واجب نہیں۔ وہ دوری کا اندازہ تیر گرنے کی جگہ (یعنی چار سو ذراع) یا ایک میل سے کرنا محض بے اصل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص شہر میں یا شہر سے متصل ٹھہرا ہوا ہے اس پر جمعہ واجب ہے۔ بستیوں میں رہنے والوں پر نہیں، خواہ وہ قریب ہوں، جو مسافر پندرہ دن شہر میں ٹھہرنے کی نیت کرلے اس پر جمعہ واجب ہے، شہر میں مستقل سکونت جمعہ کے واجب ہونے کی شرط نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جو شخص پورے چار دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کرلے اس پر جمعہ واجب ہوجاتا ہے، اگرچہ اس سے ادا ہونا ضروری نہیں۔ جو شخص ایسے شہر میں ٹھہرا ہوا ہے جہاں جمعہ ہوتا ہے یا کسی ایسی بستی یا خیمے میں ہے جو جمعہ والے شہر سے ایک فرسخ یا تین اور ایک تہائی میل کے فاصلے پر ہے، اس پر بھی جمعہ واجب ہے۔ جو اس سے زیادہ فاصلے پر ہے اس پر نہیں۔ فاصلے کا اندازہ شہر کے کنارے پر قائم میناروں سے کیا جائے گا۔ جمعہ کے لیے شہر کی شرط نہیں، بستیوں میں اور کچے مکانات اور جھگیوں کی آبادی میں بھی جمعہ واجب ہے اور ادا ہوجاتا ہے البتہ بالوں کے خیموں کی بستی میں جمعہ واجب نہیں کیوں کہ ایسی بستیاں اپنی جگہ بدلتی رہتی ہیں البتہ اگر ایسے لوگ جمعہ والے شہر سے قریب ہوں تو جمعہ ان پر واجب ہے۔ جو شخص عارضی طور پر کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہے خواہ ایک ماہ کے لیے ٹھہرا ہے اس پر جمعہ نہ واجب ہے نہ اس کا جمعہ درست ہے، کیوں کہ جمعہ کے لیے کسی

جگہ مستقل سکونت ہونا ضروری ہے۔

شافعیہ کے نزدیک شہر اور بستی میں رہنے والوں پر جمعہ واجب ہے خواہ اذان کی آواز سنیں یا نہ سنیں۔ شہر سے باہر رہنے والے اگر اذان کی آواز سنیں تو ان پر جمعہ واجب ہے ورنہ نہیں کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جو اذان کی آواز سنے اس پر جمعہ واجب ہے(۲۳) جو لوگ فصل کاٹ رہے ہوں ان پر جمعہ واجب نہیں، ہاں اگر اذان کی آواز سنیں تو واجب ہے۔ اذان کی آواز سننے میں اس امر کا اعتبار ہے کہ مؤذن آبادی کے کنارے پر کھڑا ہو، آبادی پر سکون ہو، شور غوغا نہ ہو، ہوا خاموش ہو اور آدمی غور سے سن رہا ہو۔ پس اس حالت میں اگر اذان کی آواز آئے تو جمعہ واجب ہے اور اگر نہ آئے تو واجب نہیں۔

جو مسافر چار دن ٹھہرنے کی نیت کر لے اس پر جمعہ واجب ہے یا جس نے جمعہ کے روز فجر کے بعد سفر کا آغاز کیا، اس پر بھی۔ اگر جمعہ کے روز فجر سے پہلے سفر شروع کیا تو جمعہ واجب نہیں لیکن اگر چالیس مسافر (چالیس نمازی جمعہ کے لیے ضروری ہیں) کسی جگہ اکھٹے ہو جائیں تو جمعہ نہیں ہوتا بلکہ چالیس ایسے لوگ ہونے چاہییں جن کی وہاں مستقل سکونت ہو کیونکہ مستقل سکونت جمعہ کے درست ہونے کی شرط ہے وجوب کی نہیں۔ اسی طرح جمعہ کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جمعہ آبادی میں پڑھا جائے نہ کہ صحرا میں۔ بیہقی میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ: سنت یہ رہی ہے کہ چالیس یا ان سے زائد لوگ ہوں تو جمعہ پڑھا جائے۔ ابوداؤد نے کعبؓ بن مالک سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلے سعد بن زرارہؓ نے لوگوں کو جمعہ کے لیے جمع کیا اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس تھی۔

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ آبادیوں میں مستقل سکونت رکھنے والوں اور قریبی صحرا میں رہنے والوں، بستی میں مقیم لوگوں پر جمعہ واجب ہے۔ ضروری نہیں کہ بڑا شہر ہو جس میں جمعہ پڑھا جاتا ہو۔ اگر جمعہ پڑھے جانے کی جگہ تک ایک فرسخ کا فاصلہ ہو اور اذان کی

آواز نہ بھی آئے تب بھی جمعہ واجب ہے کیوں کہ وہ ایک ہی بستی شمار ہوگی، قریب اور دور کا کوئی فرق نہیں اور ایک فرسخ کا فاصلہ قریب سمجھا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص اس بستی کے باہر ٹھہرا ہوا ہے جس میں جمعہ ہوتا ہے لیکن اس کے اور جمعہ کی جگہ کے درمیان ایک فرسخ کا یا اس سے کم فاصلہ ہے تو اس پر جمعہ واجب ہے جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے کیوں کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہے جن پر جمعہ واجب ہے اور شہر میں رہنے والوں کی اذان سننا ہے۔ اذان سننے سے مراد یہ ہے کہ مینارے سے اذان دی جائے، نہ کہ امام کے سامنے کھڑے ہوکر اذان۔ نیز اعتبار اس امر کا ہے کہ اذان سنائی دیے جانے کا امکان ہو جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے کہ مؤذن کی آواز اونچی ہو، ہوا پرسکون ہو، شوروغوغا نہ ہو اور دوسری رکاوٹیں بھی نہ ہوں۔

مسافر اگر چار دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کرے تو اس پر جمعہ واجب ہے۔ سفر خواہ معصیت کا ہو کیوں کہ معصیت کو آسانی کا سبب نہیں بننا چاہیے۔ مسافر کے اور اس کی رہائش کے شہر کے درمیان ایک فرسخ یا اس سے کم کا فاصلہ ہو یا سفر اتنا ہو اس میں قصر نماز پڑھنا درست نہ ہو تب بھی جمعہ واجب ہے۔

اگر کوئی شخص ایسی بستی میں رہتا ہے جس کی آبادی چالیس افراد سے کم ہے یا خیمے (جو درخت کی شاخوں سے بنے ہوئے ہوں) یا بالوں کے خیمے وغیرہ میں ٹھہرا ہو یا ایسا مسافر ہو جس کے لیے قصر نماز کا حکم ہے (یعنی ۸۹ کلومیٹر) یا اس کے اور جمعہ کی جگہ کے درمیان ایک فرسخ سے زائد فاصلہ ہو یا ایسی بستی میں رہتا ہو جہاں لوگ صرف گرمیوں میں رہتے ہوں سردیوں میں وہاں سے چلے جاتے ہوں یا سال کا کچھ حصہ رہتے ہوں تو وہ ان جگہوں کے مستقل رہائشی نہیں ہیں اور اذان کی آواز نہ سن پاتے ہوں تو ایسے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام حج وغیرہ کے سفر کرتے تھے اور ان میں سے کسی نے سفر میں جمعہ ادا نہیں کیا۔

منیٰ اور عرفات میں نص سے ثابت ہے کہ جمعہ نہیں ہے، وہاں جمعہ پڑھنے کی کسی نے روایت نہیں کی۔

جمعہ کے دن سفر: جمعہ کے روز فجر کے بعد سفر کے جواز کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔(۲۴) حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر جمعہ رہ جانے کا اندیشہ ہو تو جائز نہیں ہے۔ اس امر پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد جمعہ کی نماز ادا کرنے سے پہلے سفر جائز نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے شہری آبادی سے نکل جائے تو جمعہ کے دن سفر شروع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد جمعہ کی نماز ادا کرنے سے پہلے سفر شروع کرنا مکروہ ہے اور سورج ڈھلنے سے پہلے مکروہ نہیں ہے۔

مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ سورج کے زوال سے پہلے جمعہ کے روز سفر جائز ہے اور جسے راستے میں جمعہ نہ مل سکتا ہو اس کے لیے مکروہ ہے اور سورج کے زوال کے بعد نماز سے پہلے بالاتفاق حرام ہے۔ ان کی دلیل حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے: جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جس پر جمعہ واجب ہے اس کے لیے سورج کے زوال سے پہلے اور بعد میں بھی سفر حرام ہے، ہاں اگر اسے راستے میں جمعہ مل سکتا ہو یا سفر مؤخر کرنے سے اسے نقصان ہوتا ہو مثلاً ہمراہیوں سے پیچھے رہ جاتا ہو یا سفر واجب ہو مثلاً سفر حج ہے اور وقت تنگ ہو اور حج قضا ہونے کا خوف ہو۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنی اقامت کی جگہ سے جمعہ کے روز سفر کرتا ہے، فرشتے اس کے لیے بددعا کرتے ہیں کہ اسے سفر میں اچھا ساتھ نہ ملے اور اس کا کام نہ ہو(۲۵) اور یہ وعید ہے جو مباح کام پر نہیں کی جاتی۔ چوں کہ جمعہ اس پر واجب ہوگیا

ہے اور اس کے لیے کسی ایسے کام میں مشغول ہونا مثلاً کھیل تماشا اور کاروبار جائز نہیں جو جمعہ سے رکاوٹ کا باعث ہو۔

شافعیہ کے نزدیک جمعہ کی رات کو بھی سفر مکروہ ہے۔ امام غزالی الاحیاء میں لکھتے ہیں: جو جمعہ کی رات سفر کرتا ہے دو فرشتے اس کے لیے بددعا کرتے ہیں۔

ہماری رائے میں مالکیہ اور حنفیہ کی رائے صحیح ہے، اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہے، تنگی کا خاتمہ ہے اور دوسرے فریق کی بیان کردہ احادیث ضعیف ہیں۔

۴۔ **عذر سے محفوظ ہو:** وجوب جمعہ کے لیے ضروری ہے جس پر جمعہ واجب ہو وہ صحت مند، امن کی حالت میں ہو، آزاد ہو، بینا ہو، چلنے پر قدرت رکھتا ہو، قید میں نہ ہو، سخت بارش نہ ہو، کیچڑ یا برف وغیرہ نہ ہو۔ ہم نے ان عذروں کو بیان کردیا تھا جن کی وجہ سے جماعت اور جمعہ ساقط ہوجاتے ہیں۔

مریض پر جمعہ واجب نہیں کیوں کہ وہ جمعہ میں حاضر ہونے سے عاجز ہے، جسے اپنی جان یا مال کا خوف ہو یا کسی قرض خواہ، ظالم یا کسی آزمائش کا خوف ہو، غلام پر بھی واجب نہیں کیوں کہ وہ اپنے مالک کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک اندھے پر بھی واجب نہیں، حنابلہ، صاحبین، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر اندھے کو کوئی معاون میسر ہو تو اس پر جمعہ واجب ہے لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک معاون میسر ہو تب بھی واجب نہیں۔ جس شخص کے پاؤں مفلوج ہوں یا کٹے ہوئے ہوں یا لنجا ہو یا قید میں ہو یا بارش، کیچڑ یا برف کی وجہ سے معذور ہو اس پر بھی جمعہ واجب نہیں اور دیہات میں رہنے والے پر بھی حنفیہ کے نزدیک جمعہ واجب نہیں۔

حنابلہ کے نزدیک جو عید کی نماز میں شامل ہوا اسے جمعہ معاف ہے، امام اس سے مستثنیٰ ہے۔

حنابلہ (۲۶) کہتے ہیں کہ جس طرح معذور یا مصروف افراد مثلاً مریض وغیرہ پر جمعہ

واجب نہیں اسی طرح اگر عید اور جمعہ ایک دن آ جائیں تو جو شخص امام کے ساتھ عید پڑھنے آیا ہے اس پر جمعہ کے لیے آنا واجب نہیں۔

اس کی حاضری ساقط ہو جاتی ہے، یہ نہیں کہ اگر پڑھ لے تو واجب ادا نہیں ہوتا البتہ امام کے ذمے سے ساقط نہیں ہوتا، ہاں اگر اس کے ساتھ جمعہ پڑھنے ہی کوئی نہ آئے تو الگ بات ہے۔ امام جمعہ میں بھی امامت کرائے۔ افضل یہ ہے کہ جمعہ بھی ادا کریں تا کہ فقہاء کے اختلاف سے بچ سکیں۔

ان کی دلیل زید بن ارقمؓ کی حدیث ہے: جو چاہے کہ جمعہ پڑھے وہ پڑھ لے(۲۷) حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، جو جانا چاہے تو عید کی نماز اسے جمعہ کی طرف کافی ہے کیوں کہ ہم اکٹھے ہو چکے ہیں(۲۸)۔ چوں کہ جمعہ میں ظہر کی بہ نسبت خطبے کا اضافہ ہے اور خطبہ لوگ عید کے موقع پر سن چکے ہیں، دوبارہ نہ سنیں تب بھی کوئی حرج نہیں، نیز دونوں کا وقت ایک ہے اس لیے ایک کی وجہ سے دوسرا اجتماع ساقط ہو جاتا ہے جیسے جمعہ کی وجہ سے ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے۔

آپؐ کا ارشاد: ''ہم اکٹھے ہو چکے ہیں'' سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سے جمعہ ساقط نہیں ہوتا کیوں کہ اگر امام جمعہ چھوڑ دے تو جن پر جمعہ واجب ہے اور جو جمعہ پڑھنا چاہتے ہیں ان کا جمعہ رہ جائے گا۔ اگر دوسرے لوگ چھوڑ دیں تو اس سے فرق نہیں پڑتا۔

مطلب چہارم: جمعہ کی کیفیت اور اس کی مقدار:

جمعہ دو رکعت نماز اور اس سے قبل دو خطبے ہیں(۲۹)۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے، جمعہ کی نماز دو رکعت ہیں، یہی پوری نماز ہے، قصر نہیں اور جس نے بہتان باندھا وہ گھاٹے میں رہا(۳۰) جمعہ کے دو ارکان ہیں: نماز اور خطبہ۔ نماز بالاجماع جہری قراءت کے ساتھ دو رکعت ہیں اور خطبہ فرض ہے۔ یہ نماز سے پہلے دو خطبے ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ جمعہ کے

درست ہونے کے لیے شرط ہیں۔ اہل عرب کے نزدیک وہ کم از کم امور جن کو خطبہ کہا جاتا ہے، اللہ کی حمد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور دین و دنیا کے بارے میں نصیحت اور قرآن پر مشتمل ہے۔ خطبہ سے پہلے چار رکعات بالاتفاق سنت ہیں اور جمعہ کے بعد جمہور کے نزدیک چار رکعات سنت ہیں، مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

مطلب پنجم: جمعہ درست ہونے کی شرائط:

نماز درست ہونے کے لیے اور جو گیارہ شرائط گزری ہیں ان کے علاوہ جمعہ درست ہونے کے لیے حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک سات شرائط ہیں، مالکیہ کے نزدیک پانچ اور حنابلہ کے نزدیک چار۔(۳۱)

۱۔ ظہر کا وقت:

جمعہ صرف ظہر کے وقت صحیح ہوتا ہے۔ اس کے بعد صحیح نہیں اور نہ جمعہ کی قضا ہے۔ اگر وقت تنگ ہو تو ظہر کی نماز شروع کریں۔ حنابلہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک سورج کے زوال سے پہلے جمعہ درست نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سورج کے زوال کے بعد جمعہ ادا کیا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں، جب سورج ڈھل جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز پڑھتے (۳۲)۔ بعد میں خلفائے راشدین نے بھی اسی پر عمل کیا، چوں کہ جمعہ اور ظہر کی نماز ایک ہی وقت کے فرائض ہیں۔ اس لیے ان کا وقت ایک ہی ہے جیسے کہ سفر میں اور گھر میں نماز کا ایک ہی وقت ہوتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک سورج کے زوال سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے اور جمعہ کا اوّل وقت وہی ہے جو عید کی نماز کا اوّل وقت ہے کیوں کہ عبداللہ بن سیدان السلمی کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ جمعہ پڑھا، آپؓ نے دوپہر سے پہلے خطبہ پڑھا اور نماز پڑھائی، پھر میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ جمعہ پڑھا تو آپؓ نے دوپہر کے وقت خطبہ پڑھا اور نماز پڑھائی، پھر میں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ جمعہ پڑھا اور آپؓ نے

سورج ڈھلنے کے بعد خطبہ پڑھا اور نماز پڑھائی، میں نے کسی کو اعتراض کرتے نہیں دیکھا(۳۳) گویا اس پر اجماع تھا۔ نیز یہ عید کی نماز کی طرح ہے اس لیے عیدین کی نماز کے مشابہ ہے۔

سورج کے زوال سے پہلے پڑھنا جائز ہے اور اس کی اجازت ہے۔ زوال کے بعد اس کے وجوب کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور زوال کے بعد پڑھنا افضل ہے کیوں کہ سلمہ بن اکوعؓ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھتے تھے جب کہ سورج ڈھل جاتا اور جب ہم واپس ہوتے تو سایہ کے پیچھے چلتے تھے۔(۳۴)

جمعہ کا آخری وقت ظہر کا آخری وقت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ چوں کہ جمعہ ظہر کا بدل ہے یا ظہر کے وقت کی نماز ہے، اس لیے اس کے ساتھ ملحق ہے کیوں کہ ان دونوں نمازوں میں مشابہت ہے۔

کب کسی کو جمعہ مل جاتا ہے؟

امام کے ساتھ جمعہ کا کچھ حصہ مل جانے کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں: حنفیہ کے نزدیک راجح (۳۵) رائے یہ ہے کہ امام کے ساتھ کسی شخص کو جمعہ کا جتنا حصہ بھی مل گیا وہ پڑھ لے اور باقی نماز بعد میں مکمل کرلے، اس کو جمعہ مل گیا، حتیٰ کہ اگر تشہد یا سجدہ سہو میں شریک ہوگیا تب بھی جمعہ مل گیا، یہ امام ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ کی رائے ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: نماز کا جو حصہ مل جائے وہ پڑھ لو، جو رہ جائے اسے قضا کرلو(۳۶)

جمہور کی رائے یہ ہے کہ (۳۷) اگر جمعہ کی دوسری رکعت مل گئی تو جمعہ مل گیا، نماز مکمل کرلے اور اگر دوسری رکعت نہ ملی تو ظہر پڑھے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جسے جمعہ کی ایک رکعت مل گئی وہ اس کے ساتھ دوسری ملالے، ایک اور حدیث میں ہے: جسے نماز کی ایک رکعت ملی اسے نماز مل گئی، ایک تیسری روایت ہے: جسے جمعہ کی ایک رکعت مل گئی اسے نماز مل گئی۔ (۳۸)

۲۔ شہر

جمعہ حنفیہ کے نزدیک بڑے شہر میں یا بڑے شہر کی عیدگاہ میں ہوسکتا ہے۔ بڑا شہر وہ ہے جسکا کوئی حاکم ہو، قاضی ہو جو احکام نافذ کرتا ہو اور حدود قائم کرتا ہو، مذہب حنفی میں مشہور قول یہی ہے لیکن فتویٰ اس پر ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا کہ بڑے شہر سے مراد ایسا شہر ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں وہ سب لوگ نہ سما سکتے ہوں جن پر جمعہ فرض ہے۔

یہ جمعہ کے واجب ہونے اور درست ہونے کی شرط ہے، شہر اور شہر کے مضافات کے علاوہ جمعہ جائز نہیں، جو بستیاں شہر کے مضافات میں نہ ہوں ان میں جمعہ واجب ہے نہ ادا کرنا جائز ہے۔ ان کی دلیل عبدالرزاق کی روایت ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بیان کی گئی ہے: ''جمعہ اور تشریق صرف بڑے شہر میں ہی جائز ہے''۔

مالکیہ کے نزدیک جمعہ ایسی جگہ ہوسکتا ہے جہاں لوگ مستقل سکونت رکھتے ہوں یعنی بستی ہو یا شہر لیکن مکانات پتھروں اور لکڑیوں وغیرہ سے بنے ہوئے ہیں۔ بالوں یا کپڑے وغیرہ کے خیمے نہ ہوں کیوں کہ عام طور پر لوگ انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہتے ہیں، اس لیے ان میں رہنے والے مسافروں کی مانند ہیں۔ یہ شرط مالکیہ کے نزدیک جمعہ کے واجب ہونے کی بھی ہے اور جمعہ کی ادائیگی درست ہونے کی بھی کیوں کہ مالکیہ کے نزدیک دراصل جمعہ کی چار شرائط ہیں: امام، جماعت، مسجد اور مستقل سکونت کی جگہ۔ یہ وجوب کی شرائط ہیں اور جمعہ درست ہونے کی بھی۔ آبادی ایسی ہو کہ لوگوں کی ضروریات وہاں پوری ہوتی ہوں، امن وامان ہو اور معاشی طور پر خود کفیل ہوں، آبادی کی کوئی تعداد مقرر نہیں کہ سو لوگ ہوں یا کم یا زیادہ۔

شافعیہ کے نزدیک جمعہ منظم شہر یا بستی میں درست ہے، خواہ مسجد میں نہ ہو۔ بظاہر خیموں میں رہنے والوں پر جمعہ نہیں ہے، خواہ وہ ساری زندگی صحرا میں خیمہ زن رہیں کیوں کہ وہ مسافروں کی طرح ہیں یا سفر کے لیے تیار رہتے ہیں کیوں کہ ان کی مستقل رہائش

گاہیں نہیں ہیں، کیوں کہ مدینہ کے اردگرد جو قبائل آباد تھے وہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جمعہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

منظّم شہر یا بستی سے مراد یہ ہے کہ جس میں عمارتیں بنانے کے لیے باقاعدہ نشانات لگائے گئے ہوں اور آبادی کے لیے جگہ مقرر ہو، جیسے ہمارے عہد میں آبادیوں کے لیے باقاعدہ پلاننگ ہوتی ہے، نیز ضروری ہے کہ آبادی یکجا ہو جیسے کہ بستی بسانے کا معروف طریقہ ہے۔

حنابلہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ جمعہ پڑھنے والے چالیس افراد ہوں اور ان میں سے اکثر مستقل رہائشی ہوں یعنی اس بستی کے مستقل مقیم ہوں جیسا کہ بستیوں میں ہوتا ہے۔ بستی پتھروں، اینٹوں، مٹی گارے، لکڑیوں وغیرہ سے بنی ہوتی ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینہ کی بستی والوں کو لکھا تھا کہ جمعہ پڑھیں، خیموں، بالوں کے مکانات اور قابل انتقال گھروں میں رہنے والوں پر جمعہ نہیں ہے اور نہ ہی ان کا جمعہ ادا کرنا درست ہے۔ کیوں کہ عام طور پر یہ مستقل رہائش کے لیے نہیں ہوتے۔

خلاصہ یہ ہے جمہور کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر یا گاؤں ہونا ضروری ہے اور حنفیہ کے نزدیک بڑا قصبہ ہونا چاہیے۔ چھوٹے گاؤں والوں پر جمعہ واجب نہیں ہے یعنی ان کے نزدیک شہر ہونا چاہیے جب کہ جمہور کے نزدیک شہر، قصبہ اور گاؤں برابر ہیں۔

۳۔ جماعت

جماعت شرط ہے، کیوں کہ ابوداؤد میں ہے: جمعہ جماعت کے ساتھ ہر مسلمان پر حق واجب ہے۔ نیز اس پر اجماع ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جماعت کے لیے امام کے علاوہ کم از کم تین مرد ہونے چاہیں۔ خواہ مسافر ہوں یا مریض کیوں کہ جمع صحیح کی کم از کم تعداد تین ہے اور جماعت جمعہ میں مستقل شرط ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فاسعوا الی ذکر اللہ (اللہ کے ذکر کی طرف چل پڑو الجمعہ، ۶۲:۹) جمعہ، جماعت سے

مشتق ہے، جمعہ میں ضروری ہے کہ کوئی نصیحت کرنے والا ہو اور وہ خطیب ہوتا ہے۔ اگر نمازیوں نے امام کو چھوڑ دیا یا تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد سجدے سے پہلے امام کو چھوڑ کر چل دیے تو جمعہ فاسد ہوگیا، ظہر کی نماز پڑھی جائے۔ اگر لوٹ آئے اور انہوں نے دیکھا کہ امام رکوع میں ہے یا امام کے ساتھ تین آدمی باقی رہ گئے تھے جو نماز پڑھتے رہے یا خطبے کے بعد پہلے لوگ چلے گئے تھے اور امام نے اور لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ لی تو جمعہ صحیح ہوگیا کیوں کہ جماعت موجود تھی اور یہ جمعہ کے درست ہونے کی شرط ہے، ضروری نہیں کہ شروع سے آخر تک جماعت باقی رہے۔ تمام ارکان ادا کیے بغیر جمعہ نہیں ہوتا اور ارکان یہ ہیں: قیام، قراءت، رکوع اور سجدے، ہیں اگر لوگ تکبیر تحریمہ کے بعد سجدے کرنے سے پہلے جماعت چھوڑ کر چل پڑے تو جمعہ فاسد ہوگیا، نئے سرے سے ظہر پڑھیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

مالکیہ کے بقول نماز اور خطبے کے لیے بارہ مردوں کو موجود رہنا ضروری ہے، کیوں کہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز کھڑے خطبہ دے رہے تھے کہ شام سے ایک تجارتی قافلہ آ گیا، لوگ اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، آپؐ کے ساتھ صرف بارہ لوگ رہ گئے، اس وقت جمعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی(۳۹): واذا رأوا تجارۃ اولھوا انفضوا الیھا وترکوک قائما (جب انہوں نے کاروبار اور کھیل تماشا دیکھا تو بھاگ گئے اور آپؐ کو کھڑا چھوڑ گئے، الجمعہ۶۲:۱۱)

اس شرط کی مزید دو شرائط ہیں:

۱۔ اتنی تعداد اسی بستی کے لوگوں کی ہونی چاہیے، اگر تجارت وغیرہ کی غرض سے لوگ وہاں ٹھہرے ہوئے ہوں اور بستی کی اصل آبادی میں سے مطلوبہ تعداد میں لوگ نہ ہوں تو جمعہ درست نہیں۔

۲۔ کم از کم مذکورہ تعداد خطبے کے شروع سے سلام پھیرنے تک باقی رہے۔ اگر ان میں

سے کسی کی نماز ٹوٹ گئی، خواہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد تب بھی جمعہ فاسد ہوگیا یعنی مذکورہ تعداد کا نماز پوری ہونے تک باقی رہنا مشہور قول کے مطابق شرط ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ امام کے ساتھ اس شہر کے چالیس یا اس سے زائد مستقل رہائشی جن پر جمعہ فرض ہو، آزاد ہوں، مرد ہوں جمعہ میں حاضر ہوں تب جمعہ پڑھا جاسکتا ہے، اس طرح کے مستقل رہائشی ہوں کہ ان میں سے بلا ضرورت کوئی شخص گرمیوں یا سردیوں میں وہ آبادی چھوڑ نہ جاتا ہو، اگر نمازی بیمار یا گونگے بہرے ہوں تو کوئی حرج نہیں، مسافر نہ ہوں۔ اگر تعداد چالیس سے زائد ہو تو امام مسافر بھی ہوسکتا ہے۔ چالیس افراد سے کم ہوں تو جمعہ نہیں ہوتا کیوں کہ کعب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد بن زرارہؓ نے مدینہ میں جب پہلے جمعہ کا اہتمام کیا تو نمازیوں کی تعداد چالیس تھی (۴۰)۔ بیہقی میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جمعہ پڑھایا تو نمازیوں کی تعداد چالیس مردوں پر مشتمل تھی۔ کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ کبھی جمعہ میں چالیس سے کم نمازی رہے ہوں، اس لیے اس سے کم کے ساتھ جمعہ جائز نہیں۔ اگر خطبے کے دوران وہ چالیس افراد یا ان میں سے کچھ باہر چلے جائیں تو جمعہ نہیں ہوگا کیوں کہ خطبے کے تمام ارکان پورے چالیس افراد کو سننا چاہیے اور خطبے کا مقصد لوگوں کو سنانا ہے، اگر جمعہ مکمل ہونے سے پہلے تعداد چالیس سے کم ہوگئی تو نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھی جائے اور جمعہ مکمل نہ کیا جائے کیوں کہ عدد شرط ہے اور اس کا اہتمام طہارت کی طرح پوری نماز کے دوران ضروری ہے۔

میری رائے میں جمعہ کے لیے اجتماع ہونا ضروری ہے جب اتنے لوگ ہوں جنہیں عرف میں اجتماع کہا جاتا ہے تو جمعہ واجب ہوجاتا ہے اور درست بھی، ایسی کوئی صریح نص موجود نہیں ہے۔ جس کی بنا پر متعین تعداد کی شرط عائد کی جائے جمعہ کے لیے جماعت بالاتفاق شرط ہے کیوں کہ شریعت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے لیے جماعت کی موجودگی

ضروری ہے۔ اگر کسی نمازی کی ایک رکعت رہ گئی تو اس کا جمعہ صحیح ہوگیا، دوسری رکعت جماعت کے ساتھ پڑھے۔ اگر اسے امام کے ساتھ دوسری رکعت کا رکوع نہیں ملا تو ظہر کی نماز مکمل کرے اس کی دلیل نسائی، ابن ماجہ اور دارقطنی کی روایت ہے کہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے نماز جمعہ وغیرہ کی ایک رکعت مل گئی وہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا لے، اس کی نماز مکمل ہوجائے گی۔

۴۔ حاکم یا اس کا نائب امام ہو، امام کی طرف سے تمام آنے والوں کے لیے جامع مسجد کے دروازے کھلے ہوں:

حنفیہ کے نزدیک یہ دو شرائط ہیں:

پہلی شرط: حکمران، خواہ زبردستی قابض ہوگیا ہو یا اس کا نائب یا اس کی طرف سے جسے جمعہ پڑھانے کی اجازت ہو مثلاً آج کل وزارت اوقاف، وہ جمعہ کا امام اور خطیب ہو، کیوں کہ جمعہ میں ایک جم غفیر کی امامت کرانا ہوتی ہے اور کبھی جمعہ کے معاملات میں اختلافات بھی واقع ہوسکتے ہیں اس لیے حکمران کی طرف اس کا انتظام اور اپنے طور پر امام بننے سے روکنے کا اختیار ہونا ضروری ہے۔

دوسری شرط: **عام اجازت:** جامع مسجد کے دروازے کھول دیے جائیں اور داخلے کی عام اجازت ہو، جس کسی کا جمعہ درست ہوسکتا ہے اسے اس جگہ داخل ہونے سے نہ روکا جائے جہاں نماز ہوتی ہے کیوں کہ ہر اجتماع کو حاضری کی اجازت درکار ہوتی ہے اور اجازت کے بغیر اجتماع کا کوئی تصور نہیں ہے، اور چونکہ جمعہ اسلام کے شعائر اور دین کے خصائص میں سے ہے اس لیے اس کو اعلان عام اور دعوت عام کے طریقے پر قائم کرنا ضروری ہے۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء نے یہ شرائط عائد نہیں کیں، ان کے نزدیک جمعہ درست

ہونے کے لیے نہ تو حاکم کی اجازت ضروری ہے اور نہ اس کی موجودگی کیوں کہ حضرت عثمانؓ شرپسندوں کے محاصرے میں تھے اور حضرت علیؓ نے جمعہ پڑھایا اور کسی نے اعتراض نہیں کیا بلکہ حضرت عثمانؓ نے اسے درست قرار دیا(۴۱) نیز جمعہ ایک وقت کی فرض نماز ہے اس لیے ان شرائط کا اعتبار نہ ہونے کے سلسلے میں نماز ظہر کی طرح ہے(۴۲)۔

۵۔ نماز جمعہ کا امام ہونا چاہیے اور نماز جامع مسجد میں ہونی چاہیے:

مالکیہ کے ہاں یہ دونوں شرائط ہیں کہ مقیم امام جمعہ پڑھائے، جمعہ اکیلے اکیلے جائز نہیں، نیز امام خواہ مستقل رہائشی نہ ہو لیکن مقیم ہو مسافر نہ ہو اور جمعہ کے خطیب کو ہی امام ہونا چاہیے، ہاں اگر کوئی ایسا عذر ہو جس میں کسی دوسرے کو نائب بنانا جائز ہے مثلاً نکسیر پھوٹ جائے یا وضوٹوٹ جائے تو کوئی دوسرا شخص بھی امام ہوسکتا ہے۔ جمعہ کا امام آزاد ہو، غلام کی امامت درست نہیں، حکمران ہونا ضروری نہیں، حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

جمعہ ایسی مسجد میں ہو جس میں لوگ ہمیشہ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں، گھروں میں یا کسی مکان کے صحن میں، کسی دوکان یا کسی میدان میں جمعہ درست نہیں ہے، الغرض ایسی جگہیں جن میں رکاوٹ ہو مثلاً گھر اور دکانیں وغیرہ ان میں جمعہ صحیح نہیں ہے۔

جامع مسجد کی چار شرائط ہیں: اس کی عمارت ہو، عمارت عرف اور عادت کے مطابق ہو، خواہ سرکنڈوں کی ہو اس میں بھی جائز ہے، مسجد ایک ہو اور شہر کے متصل ہو۔ جمعہ شہر کی ایک ہی مسجد میں جائز ہے۔ اگر ایسی متعدد مساجد ہوں تو جو سب سے پرانی اور قدیم مسجد ہے اس میں جمعہ درست ہے۔ قدیم ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس میں سب سے پہلے جمعہ شروع ہوا، خواہ عمارت دوسری مساجد کے بعد تعمیر ہوئی ہو۔

راجح قول یہ ہے کہ مسجد کی چھت ہونا ضروری نہیں، نہ یہ ضروری ہے کہ اس میں ہمیشہ جمعہ پڑھتے رہنے یا پانچوں نمازیں پابندی سے پڑھنے کی نیت کی گئی ہو۔

مسجد کے صحن میں جمعہ جائز ہے یعنی مسجد کے احاطے کو وسعت دینے کے لیے جو

باہر کی جگہ ساتھ شامل کر لی جاتی ہے۔ مسجد کے متصل راستوں پر بھی جمعہ درست ہے۔ خواہ صفیں متصل ہوں یا نہ ہوں، البتہ یہ شرط ہے کہ درمیان میں مکان، دکانیں یا اور کوئی بند جگہ نہ ہو۔ بلا ضرورت مسجد کے صحن اور راستوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مسجد کی چھت پر جمعہ جائز نہیں خواہ تنگ ہو اور نہ بند جگہوں مثلاً گھروں اور دکانوں میں جائز ہے۔

۶۔ بلا ضرورت ایک سے زیادہ جگہوں پر جمعہ نہ پڑھنا:

شافعیہ کے نزدیک جمعہ کے درست ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس سے پہلے یا اس وقت اس روز اس شہر میں کسی اور مسجد میں جمعہ نہ پڑھا گیا ہو، البتہ اگر شہر اتنا بڑا ہو کہ تمام لوگ ایک مسجد میں نہیں آ سکتے یا لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا مشکل ہو، آبادی بہت زیادہ ہو یا لڑائی ہو رہی ہو یا شہر کے کنارے اتنے دور دراز تک پھیلے ہوئے ہوں کہ وجوب جمعہ کے مذکور شرائط کے مطابق مؤذن کی آواز شہر کے کناروں تک نہ پہنچتی ہو تو ایک سے زائد جگہوں پر جمعہ جائز ہے۔

اس شرط کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ کے صحابہ، خلفائے راشدین اور تابعین نے ایک شہر میں ایک سے زائد جمعوں کے اجتماع نہیں کیے۔ نیز ایک جمعہ سے اسلامی شعار یعنی مسلمانوں کے اجتماع اور اتحاد کے مقصد کا اظہار ہوتا ہے۔

اگر کسی ایک جگہ جمعہ پہلے پڑھا دیا گیا تو وہی درست ہے، باقی جگہوں کے جمعے درست نہیں کیوں کہ وہ ایک جمعہ پر اضافہ ہے اور اگر دو جمعے بیک وقت پڑھا دیے گئے تو دونوں باطل ہیں۔ یہ جاننے کے لیے کہ پہلے کس نے جمعہ پڑھایا یا ساتھ ساتھ کون سے جمعے ہوئے یہ دیکھا جائے گا کہ کس جمعہ کے امام نے تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے اللہ اکبر کی راء پہلے کہی۔ اگر یہ معلوم ہو کہ پہلے فلاں جمعہ ہوا، بعد میں بھول جائے تو سب لوگوں پر ظہر کی نماز واجب ہے کیوں کہ صحیح اور فاسد جمعہ گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ اگر معلوم ہو کہ دونوں جمعے

ساتھ ساتھ ادا کیے گئے یا نہ تو یہ معلوم ہو کہ پہلے کون سا ادا کیا گیا اور ساتھ ساتھ کون سے تو اگر وقت میں گنجائش ہو تو دوبارہ جمعہ ادا کیا جائے کیوں کہ جمعہ صحیح طور پر ادا نہیں ہوا۔

اگر کسی ضرورت کی بنا پر کئی جگہوں پر جمعہ پڑھا گیا مثلاً جگہ تنگ تھی تو سب جگہوں پر جمعہ صحیح ہوگیا اور صحیح قول کے مطابق سب لوگوں کا جمعہ ہوگیا، خواہ انہوں نے ایک ہی وقت میں پڑھا یا آگے پیچھے البتہ احتیاطاً ظہر کی نماز پڑھ لینا مسنون ہے۔ یہ احتیاط ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے کسی ایسے شہر میں جمعہ پڑھا جہاں کئی جگہوں پر جمعہ ہوا اور انہیں یہ معلوم نہیں کہ سب سے پہلا جمعہ پڑھنے والے وہی ہیں، ایسے لوگ احتیاطاً ظہر کی نماز پڑھ لیں تاکہ جو علماء ایک سے زائد جگہوں پر جمعہ کو جائز قرار نہیں دیتے ان کے اختلاف سے بچ سکیں، خواہ زیادہ جگہوں پر جمعہ ضرورت کے وقت ہی پڑھا گیا ہو۔ نماز جمعہ کے بعد کی نماز ظہر کی نیت کرے یا ظہر احتیاطی کی نیت کرے تاکہ ظہر کی وقتی نماز کے فرض سے عہدہ برآ ہو سکے۔

اگر بلا ضرورت ایک سے زائد جگہوں پر جمعہ کی نماز پڑھی گئی تو جمعہ کے بعد ظہر کی نماز واجب ہے اور اگر ضرورت کے تحت صرف اتنی جگہوں پر جمعہ پڑھا گیا جتنی ضرورت تھی تو جمعہ کے بعد ظہر کی نماز مستحب ہے اور اگر معلوم نہ ہو کہ ضرورت کے تحت زیادہ جگہوں پر جمعہ پڑھا گیا یا بلا ضرورت تو ظہر کی نماز زائد ہے اور اگر کسی دیہات میں صرف ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہے تو اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھنا حرام ہے۔

مالکیہ کے نزدیک بھی راجح قول یہی ہے کہ ایک شہر میں دو یا دو سے زیادہ مسجدوں میں جمعہ پڑھنا ممنوع ہے۔ جمعہ شہر میں صرف ایک جگہ ہی درست ہے اور اگر ایک سے زائد جگہوں پر جمعہ پڑھا گیا تو سب سے پرانی اور قدیم مسجد کا جمعہ درست ہے۔ پرانی سے مراد یہ ہے کہ جس مسجد میں سب سے پہلے جمعہ شروع ہوا ہو خواہ اس کی تعمیر بعد میں ہوئی ہو، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔(۴۳)

مذکورہ بالا مسائل میں حنابلہ بھی شافعیہ اور مالکیہ سے ہم آہنگ ہیں(۴۴) یعنی اگر شہر بڑا ہو اس میں کئی جگہوں پر جمعہ پڑھنے کی ضرورت ہو یا فتنے فساد کا خوف ہو کہ اہل شہر میں عداوت ہو یا شہر کے اطراف و جوانب پھیل گئے ہوں اور فاصلے بہت زیادہ ہوں تو تمام جگہوں پر جمعہ جائز ہے کیوں کہ یہ ایک ایسی نماز ہے جس میں اجتماع اور خطبے کا حکم ہے تو نماز عید کی طرح جتنی جگہوں پر ضرورت ہو جمعہ پڑھا جاسکتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عید کے روز عیدگاہ میں تشریف لے جاتے اور پیچھے حضرت ابو مسعود بدری کو چھوڑ جاتے جو کمزور لوگوں کو عید پڑھاتے تھے۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ نے دو دو جمعے نہیں پڑھائے تو اس کی ضرورت نہیں پڑی نیز صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سننے اور آپؐ کے ساتھ جمعہ پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے، خواہ انہیں دور سے آنا پڑتا کیوں کہ آپؐ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے تھے۔

جب مختلف شہروں میں کئی کئی جمعہ پڑھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو جگہ جگہ جمعے پڑھے گئے، کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا تو اس پر اجماع ہوگیا۔

اگر دو جگہ جمعہ پڑھنے سے ضرورت پوری ہوجاتی ہو تو تیسری جگہ جمعہ جائز نہیں کیوں کہ اس کی ضرورت نہیں، اسی طرح چوتھی اور پانچویں جگہ۔

بلا ضرورت ایک شہر میں ایک سے زائد جگہوں پر جمعہ یا عید پڑھنا حرام ہے اور بلا ضرورت زائد جمعہ کی اجازت دینا حاکم کے لیے حرام ہے اور ضرورت سے زائد اجازت دینا بھی حرام ہے۔

اگر بلا ضرورت دو یا دو سے زائد جگہوں پر جمعہ پڑھا گیا تو جہاں حاکم نے جمعہ پڑھایا یا جس جگہ پڑھنے کی اجازت دی وہ جمعہ صحیح ہوگا کیوں کہ دوسری جگہ کے جمعہ کو صحیح قرار دینا حاکم کی حق تلفی اور اس کے جمعہ کے فوت ہونے کا باعث ہے۔

اور حاکم کی اجازت یا عدم اجازت میں دونوں جگہوں کے جمعے برابر ہیں تو جو جمعہ پہلے پڑھا گیا وہ صحیح ہے اور دوسرا باطل ہے۔ پہلے کا اعتبار تکبیر تحریمہ سے ہے جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے خطبہ شروع کرنے یا سلام پھیرنے کا اعتبار نہیں ہے۔ اگر دونوں بیک وقت شروع کیے گئے اور اجازت یا عدم اجازت میں دونوں برابر ہیں تو دونوں جمعے باطل ہیں کیوں کہ ان میں سے کسی کو صحیح قرار دینا ممکن نہیں۔

اگر بلا ضرورت ایک سے زائد جمعے پڑھے گئے لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ پہلا جمعہ کون سا تھا یا کسی ایک کا پہلا ہونا ثابت نہ ہو یا معلوم تو ہوا لیکن بعد میں بھول گیا تو تمام لوگ ظہر کی نماز پڑھیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور (مالکیہ کی مشہور رائے، شافعیہ اور حنابلہ) اور حنفیہ میں سے کاسانی کی رائے یہ ہے کہ بلا ضرورت ایک سے زائد جگہوں پر جمعہ جائز نہیں۔

حنفیہ کا مذہب (۴۵) یہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ حرج دور کرنے کے لیے ایک شہر میں متعدد جگہوں پر جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے کیوں کہ تمام لوگوں کو ایک جگہ کا پابند کردینے میں بہت حرج ہے۔ اکثر حاضرین کو طویل مسافت طے کرکے آنا پڑے گا اور ایک سے زائد جگہوں پر جمعہ کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں اور ضرورت یا حاجت کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کی شرائط نہ عائد کی جائیں بالخصوص بڑے شہروں میں۔

حق یہ ہے کہ یہی رائے قابل ترجیح ہے کیوں کہ شہر پھیل گئے ہیں، آبادی بڑھ گئی ہے، جمعہ کی ادائیگی میں آسانی کا تقاضا بھی یہی ہے اور کئی جگہوں پر جمعہ کی ممانعت کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ ابن رشد (۴۶) کہتے ہیں: اگر یہ شرط ہوتی کہ ایک سے زائد جگہوں پر جمعہ جائز نہیں یا شہر کی یا حاکم کی یا جمعہ کے درست ہونے کے لیے مسجد کے مالک کے سلسلے میں شرائط ہوتیں تو یہ جائز نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے اور انہیں بیان نہ فرماتے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لتبین للناس ما نزل

الیھــــم (تاکہ آپؐ لوگوں کے لیے بیان کردیں وہ جو ان کی طرف نازل کیا گیا، (النحل ۱۶:۴۴) نیز لتبیّـن لھـم الذی اختلفوا فیہ (تاکہ آپؐ ان امور کو لوگوں کے لیے بیان کردیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، النحل ۱۶:۶۴) آج کے دور میں ایک سے زائد جمعے ''سہولت اور آسانی'' اور نمازیوں سے تنگی دور کرنے کے اسلامی اصول سے ہم آہنگ ہیں۔ جیسا کہ شافعیہ میں سے الرملی نے قاھرہ، بغداد اور دمشق ایسے بڑے شہروں کے بارے میں یہی رائے دی ہے۔ رہی یہ بات کہ جو جمعہ پہلے ادا کیا گیا تو اس کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو مسجد میں پہلے آئے گا اسے زیادہ ثواب ملے گا۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں: بڑے شہروں میں ضرورت کے تحت دو جگہوں پر جمعہ ادا کرنا اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔ جب بغداد کی تعمیر ہوئی تو اس کی دو جانبیں تھیں تو اس میں ایک جمعہ شرقی جانب ہوتا تھا اور دوسرا غربی جانب اور اکثر علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔(۴۷)

۷۔ نماز سے پہلے خطبہ:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ خطبہ جمعہ کے لیے شرط ہے، خطبہ کے بغیر جمعہ جائز نہیں(۴۸)۔ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فاسعوا الی ذکر اللہ (اللہ کے ذکر کی طرف چل پڑو، الجمعہ ۶۲:۹) ذکر سے مراد خطبہ ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں پڑھایا(۴۹) اور آپؐ نے فرمایا: جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اس طرح نماز پڑھو۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: خطبہ کی وجہ سے جمعہ کی نماز کم کردی گئی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خطبہ دو رکعات کے قائم مقام نہیں ہے بلکہ ثواب میں اس سے نصف ہے کیوں کہ ایک اثر ہے کہ خطبہ نماز کا نصف ہے۔

یہ بالاتفاق نماز جمعہ سے پہلے دو خطبے ہیں البتہ خطبے کی شرائط میں فقہاء میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک (۵۰)

امام سورج کے زوال کے بعد نماز سے پہلے دو ہلکے پھلکے خطبے دے جن کی مقدار طوال

مفصل کی ایک سورت کے برابر ہو، ان دونوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھے جتنی دیر میں تین آیات پڑھی جاتی ہیں۔ دوسرے خطبے میں پہلے کی بہ نسبت آواز پست رکھے، کھڑے ہوکر، لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ دونوں قسم کے حدث (بے وضو ہونا اور جنبی ہونا) سے پاک ہو، ستر ڈھانپا ہوا ہو حاضرین خواہ گونگے ہوں، خواہ سوئے ہوئے ہوں۔

اگر کسی نے بیٹھ کر یا بے وضو ہونے کی حالت میں خطبہ دیا تو جائز ہے کیوں کہ مقصد پورا ہوگیا۔ لیکن مکروہ ہے کیوں کہ معروف اور متواتر طریقے کی مخالفت ہے، نیز اس صورت میں نماز شروع کرنے سے پہلے اسے وضو کرنا پڑے گا اور خطبے اور نماز کے درمیان وقفہ آجائے گا جو مکروہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک خطبے کے لیے طہارت اور قیام سنت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک دو خطبے دو رکعات کے قائم مقام نہیں ہیں کیوں کہ خطبے نماز کے منافی ہیں، ان میں قبلہ کی طرف پیٹھ کی جاتی ہے اور لوگوں سے گفتگو ہوتی ہے اور یہ دونوں امور نماز کے منافی ہیں، پس خطبے کی وہ شرائط نہیں ہوں گی جو نماز کی شرائط ہیں۔

اگر خطیب صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی تحمید، تہلیل یا تسبیح پر اکتفا کرے اور خطبے میں صرف الحمد لله یا سبحان الله یا لا اله الا الله کہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی: فاسعوا إلى ذكر الله (اللہ کے ذکر کی طرف چل پڑو، الجمعہ ۶۲:۹) سے مفسرین کے متفقہ قول کے مطابق مراد خطبہ ہے۔ اس پر ذکر اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور اس میں کثیر یا قلیل کی کوئی قید نہیں ہے۔ اسے کثیر سے مقید کردینا آیت قرآنی کو منسوخ کرنے کے مترادف ہے۔ نیز روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے۔ تو پہلے جمعہ کے موقع پر منبر پر چڑھے تو کہا الحمد للہ اور اس کے بعد کوئی لفظ نہ کہہ سکے۔ اتر آئے اور نماز پڑھا دی، یہ معاملہ بڑے بڑے اہل علم صحابہ کی موجودگی میں پیش آیا اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اتنی مقدار خطبے کے لیے کافی ہے۔

صاحبین کی رائے یہ ہے کہ خطبے میں طویل ذکر ہونا چاہیے جسے خطبہ کہا جاسکے، اس کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ تشہد کے برابر ہو کیوں کہ واجب خطبہ دینا ہے، تسبیح یا تحمید کو خطبہ نہیں کہتے۔ حنفیہ کے نزدیک خطبے کی چھ شرائط ہیں: (۱) نماز سے پہلے ہو (۲) خطبے کی نیت سے ہو (۳) جمعہ کے وقت میں ہو (۴) کم از کم ایک آدمی ایسا سننے والا ہو جس کے ساتھ جمعہ کی نماز درست ہوسکتی ہے، اگر ایک غلام، مریض، مسافر ہی ہو خواہ جنبی ہو تب بھی جائز ہے۔ اگر صرف عورت یا بچہ ہو تو خطبہ درست نہیں۔ ضروری نہیں کہ خطبہ سننے والی ایک جماعت ہو۔ (۵) یہ بھی شرط ہے کہ جمعہ کے خطبہ اور نماز کے درمیان کوئی ایسا کام نہ کرے جو ان کے منافی ہو مثلاً کھانا کھانا، غسل کرنا وغیرہ۔ اگر کسی نے کوئی ایسا کام کرلیا تو دوبارہ خطبہ دے کیوں کہ پہلا خطبہ باطل ہوگیا،(۶) خطیب اور امام کا ایک ہونا شرط نہیں لیکن مناسب نہیں کہ خطیب کے علاوہ کوئی شخص نماز پڑھائے کیوں کہ خطبہ اور نماز ایک چیز ہیں۔ حنفیہ نے ایسے شخص کے لیے بھی جو عربی میں خطبہ دے سکتا ہو، عربی کے علاوہ دوسری زبان میں خطبہ دینا جائز قرار دیا ہے، خواہ سننے والے عرب ہوں یا غیر عرب۔

دوسرا خطبہ شروع کرنے سے پہلے آہستہ تعوذ پڑھے پھر اللہ کی تعریف و ثنا کرے بلکہ کلمہ شہادت پڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے اور خلفاء راشدین نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں چچا (حمزہؓ اور عباسؓ) کا ذکر خیر کرے۔ حکمران کے لیے دعا کرنا مستحب نہیں، بعض علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے کیوں کہ امیر کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ثابت ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ حکمرانوں کے ایسے اوصاف بیان کرنا جو ان میں نہیں مکروہ تحریمی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک: جمعہ کے دو خطبوں کی نو شرائط ہیں:(۵۱)

(۱) خطیب کھڑے ہوکر خطبہ دے، بظاہر یہ واجب ہے شرط نہیں۔ اگر بیٹھ کر خطبہ دیا تو بھی خطبہ مکمل اور درست ہوجائے گا۔

(۲) دونوں خطبے سورج کے زوال کے بعد ہوں، اگر اس سے پہلے دے دیے تو صحیح نہیں ہوں گے۔

(۳) ایسے ہوں جنہیں عرب خطبہ کہتے ہیں خواہ سجع کے دو جملے ہوں مثلاً ''اوامر خداوندی میں تقویٰ اختیار کرو اور جن کاموں سے اللہ نے روکا ہے ان سے باز رہو'' اگر صرف تسبیح، تہلیل یا تکبیر کہی تو درست نہیں۔ مستحب یہ ہے کہ اللہ کی ثنا بیان کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، تقویٰ کی تلقین کرے، مغفرت کی دعا کرے، قرآن کا کچھ حصہ پڑھے: اگر کسی نے یوں کہا: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام ہو، اما بعد، میں تمہیں اللہ کے تقویٰ اور طاعت کا حکم دیتا ہوں اور اس کی نافرمانی اور مخالفت سے ڈراتا ہوں، ارشاد ربانی ہے: **فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ** (جو ذرہ برابر اچھا عمل کرے گا، اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بُرا عمل کرے گا اسے بھی دیکھ لے گا، الزلزال ۹۹: ۷۔۸) پھر بیٹھ گیا اور پھر کھڑے ہوکر اور ثنا اور درود کے بعد کہا، اللہ نے جو حکم دیے ان میں تقویٰ اختیار کرو اور جن کاموں سے روکا ہے ان سے باز رہو، اللہ تمہاری اور میری مغفرت فرمائے تو علماء کا اتفاق ہے کہ یہ مکمل ترین خطبہ ہے۔

(۴) نماز کی طرح خطبہ بھی مسجد کے اندر ہو، اگر مسجد سے باہر خطبے دیے تو درست نہیں ہوئے۔

(۵) خطبے نماز سے پہلے ہونے چاہییں۔ خطبوں سے پہلے نماز درست نہیں۔ اگر نماز کے بعد خطبے دیے تو اگر زیادہ وقت نہیں گزرا اور ابھی مسجد سے باہر نہیں نکلے تو نماز دوبارہ پڑھائے اور اگر زیادہ وقت گزر گیا تو خطبے بھی دوبارہ پڑھے اور نماز بھی کیوں کہ دو خطبے ظہر کی دو رکعات کی طرح ہیں۔

(۶) خطبے کے وقت کم از کم بارہ افراد کی جماعت موجود ہو، اگر شروع سے اتنے افراد

موجود نہیں تو خطبہ درست نہیں ہے کیوں کہ یہ دو رکعات کے قائم مقام ہیں۔

(۷۔۸۔۹) دونوں خطبے بلند آواز میں دے، عربی میں ہوں، خواہ سامعین غیر عرب ہوں اور دونوں خطبے ساتھ ساتھ ہوں اور نماز سے متصل ہوں۔ مشہور قول یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے لیے طہارت شرط نہیں لیکن حدث اصغر یا حدث اکبر کی حالت میں خطبے دینا مکروہ ہے۔ اگر امام کو خطبے کے بعد کوئی ایسا عذر پیش آ جائے جو جلدی زائل ہو سکتا ہو مثلاً معمولی نکسیر یا وضو ٹوٹ جائے اور پانی قریب ہو تو خطیب کا انتظار کرنا واجب ہے۔

بلا عذر خطیب کے علاوہ اور کوئی نماز نہ پڑھائے۔ امام اور خطیب کا ایک ہونا شرط ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر پیش آ جائے مثلاً دیوانگی یا نکسیر پھوٹ جائے اور پانی دور ہو تو الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک:(۵۲) خطبے کے پانچ ارکان یا فرائض ہیں: اللہ کی تعریف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور تقویٰ کی وصیت۔ یہ تینوں امور ہر خطبے میں واجب ہیں اور ایک مکمل مفہوم کی آیت کسی ایک خطبے میں اور اہل ایمان مرد اور عورتوں کی آخرت کی کامیابی کی دعا۔

حمد اس لیے ضروری ہے کہ مسلم کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اس لیے کہ خطبہ عبادت ہے اس لیے ذکر اللہ اور ذکر رسول اس میں اسی طرح ضروری ہے جیسے اذان اور نماز میں، اور تقویٰ کی وصیت اس لیے ضروری ہے کہ مسلم کی روایت میں ہے۔ نیز خطبے سے مقصود وعظ ونصیحت ہے۔ صحیح رائے یہ ہے کہ تقویٰ کی وصیت کے لیے الفاظ متعین نہیں ہیں کیوں کہ فرض یہ ہے کہ لوگوں کو وعظ کیا جائے اور اللہ کی اطاعت پر آمادہ کیا جائے، جو الفاظ وعظ ونصیحت پر دلالت کرتے ہوں خطبے کے لیے کافی ہیں، طویل ہوں چاہے مختصر مثلاً یوں کہے: اللہ کی اطاعت کرو اور اس کی اطاعت میں اپنی نگرانی کرو: آیت پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ بخاری ومسلم میں ہے۔ آیت خواہ وعدے

سے متعلق ہو یا وعید ئسے، حکم ہو یا واقعہ۔ آخرت کے لیے دعا اس لیے ضروری ہے کہ اسلاف سے یہی طریقہ منقول ہے اور بہتر یہ ہے کہ دعا دوسرے خطبے میں ہو کیوں کہ دعا اختتام کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔

صحیح یہ ہے کہ ارکان کی ترتیب شرط نہیں، سنت ہے۔

دونوں خطبوں میں مندرجہ ذیل پندرہ شرائط ہیں:

دونوں خطبے نماز سے پہلے ہوں، کسی وجہ سے ان خطبوں کو نہ چھوڑے، جو شخص کھڑے ہوکر خطبہ دے سکتا ہو اس کے لیے اتباع سنت کے طور پر کھڑا ہونا، دونوں خطبے عربی میں ہوں۔ سورج کے زوال کے بعد جمعہ کے وقت کے اندر ہوں، دونوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا، جیسے دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھا جاتا ہے۔ سورہ اخلاص کی قراءت کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے۔ اگر بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے تو خاموشی اختیار کر کے دونوں خطبوں کو الگ الگ کرے۔ اتنی تعداد میں لوگ خطبہ سنیں جن کی موجودگی خطبہ کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے۔ خطیب دونوں خطبوں کے ارکان بلند آواز سے ادا کرے تاکہ اس کے علاوہ مکمل انتالیس لوگ سن سکیں۔ سنانا اور حاضرین کا عملاً سننا ضروری ہے، محض سننے کی صلاحیت ہونا کافی نہیں۔ اگر حاضرین تمام یا بعض بہرے ہوں یا دور ہوں، نہ سن سکتے ہوں تو خطبہ درست نہیں۔ اگر خطیب چالیسواں نمازی ہو تو ضروری ہے کہ وہ خود بھی سنے اگر بہرہ ہے اور خود نہیں سن سکتا تو بھی خطبہ نہیں ہوگا۔

دونوں خطبوں کے کلمات میں اور خطبوں اور نماز میں تسلسل ضروری ہے تاکہ سنت کا اتباع ہو۔ خطبے اور نماز میں طویل وقفہ جائز نہیں جیسا کہ حنفیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا، کپڑے، بدن اور جگہ کا پاک ہونا، ستر ڈھانپنا تاکہ سنت کا اتباع ہو کیوں کہ خطبے دو رکعات کے قائم مقام ہیں اس لیے نماز کی طرح ہیں اسی لیے ان کے لیے جمعہ کا وقت ہونا شرط ہے اور وہ تمام امور جو نماز کے لیے

شرط ہیں مثلاً ستر ڈھانپنا اور کپڑے، بدن اور جگہ کا پاک ہونا خطبے کے لیے بھی شرط ہے۔

دونوں خطبے ایسی جگہ ہوں جہاں جمعہ درست ہے، خطیب مرد ہو اور اس کی امامت درست ہو اور اگر عالم ہے تو رکن کو رکن اور سنت کو سنت سمجھتا ہو اور اگر عالم نہیں تو فرض کو سنت نہ سمجھتا ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں: (۵۳) جمعہ سے پہلے دو خطبے شرط ہیں، ان کے دلائل اوپر گزر چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی تصریح کے مطابق یہ دو رکعات کے قائم مقام ہیں البتہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ ظہر کی دو رکعت کے قائم مقام ہیں کیوں کہ جمعہ ظہر کا بدل نہیں ہے بلکہ ظہر جمعہ کی بدل ہے جب جمعہ کی نماز رہ جائے۔

دونوں خطبوں کے درست ہونے کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں: الحمدللہ کہہ کر اللہ کی تعریف کرے اور کسی لفظ سے جائز نہیں کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ جس کلام کو الحمد للہ سے نہ شروع کیا جائے وہ بے برکت ہے(۵۴)۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد کا آغاز کرتے تو کہتے الحمدللہ۔(۵۵)

الصلاۃ کے لفظ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے کیوں کہ جس عبادت میں اللہ کے ذکر کی ضرورت ہو اس میں ذکر رسول بھی ضروری ہوتا ہے جیسا کہ اذان میں ہے۔ صلاۃ کے ساتھ آپؐ پر سلام بھیجنا واجب نہیں۔

پوری آیت کی تلاوت: کیوں کہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی آیات پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے(۵۶) چوں کہ خطبے دو رکعات کے قائم مقام ہیں اور خطبہ فرض ہے تو اس میں قراءت اسی طرح فرض ہے جیسے نماز میں۔ کوئی آیت متعین نہیں۔ اگر کسی نے ثم نظر (المدثر ۷۴:۲۱) یا مدھا متان (الرحمٰن ۵۵:۶۴) کی تلاوت کی تو کافی نہیں ہے۔

اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرے، کیوں کہ یہی خطبے کا مقصد ہے، اس کے الفاظ

متعین نہیں ہیں۔ کم از کم یوں کہے: اللہ سے ڈرو، اللہ کی اطاعت کرو وغیرہ۔ مذکورہ بالا چار شرائط یا ارکان میں حنابلہ شافعیہ کے ساتھ متفق ہیں۔ اگر خطیب کسی خاص آدمی کے لیے دعا کرنا چاہے تو بے شک کرے، عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کرنا سنت ہے، کسی متعین شخص کے لیے حتیٰ کہ حکمران کے لیے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ حکمران کے لیے دعا کرنا کسی نہ کسی حد تک مستحب ہے کیوں کہ اگر مسلمانوں کے حکمران درست ہوجائیں تو اس میں مسلمانوں کی بھلائی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔

اگر خطیب صرف اتنے الفاظ کہے ''اللہ کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو'' تو بظاہر یہ کافی نہیں ہے۔ تسبیح، تہلیل کو خطبہ نہیں کہتے، خطبہ وہ ہے جسے عرف میں خطبہ کہا جائے۔ خطبے کے دوران اگر کوئی معمولی سی ناجائز گفتگو کردی جائے تو خطبہ باطل ہوجاتا ہے جیسا کہ اذان باطل ہوجاتی ہے۔

خطبے میں مندرجہ ذیل بارہ شرائط ہیں: سابقہ شرائط کے علاوہ جو شخص کھڑا ہوسکے وہ کھڑے ہوکر خطبہ دے، اگر کھڑا ہونے سے عاجز ہے یا بیماری وغیرہ کا عذر ہے تو بیٹھ کر خطبہ دینے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ جو شخص کھڑا ہونے سے عاجز ہو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ کھڑا ہونا سنت ہے واجب نہیں۔

دونوں خطبوں میں ان کے اندرونی اجزا ہیں اور خطبوں اور نماز میں تسلسل، ان میں زیادہ وقفہ دینا درست نہیں۔ اگر طویل گفتگو یا لمبی خاموشی کے ذریعے وقفہ دے دیا تو خطبہ نئے سرے سے شروع کرے۔

کتنا وقفہ طویل ہے اور کتنا مختصر اس کا فیصلہ عرف کی بنا پر ہوگا۔ اگر درمیان میں وضو کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو وضو کرلے اور اگر زیادہ دیر نہ گزری ہو تو خطبہ وہیں سے شروع کرے۔

نیت شرط ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اگر بلا نیت خطبہ دیا تو حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک نیت شرط نہیں ہے، ایسے ہی شافعیہ کے نزدیک بھی نیت شرط نہیں البتہ ان کے نزدیک یہ شرط ہے کہ کوئی ایسی حالت نہ پیش آئے جو خطبے سے ہٹا دے۔ اگر چھینک آنے پر الحمد للہ کہا تو یہ خطبے کے لیے کافی نہیں۔

اتنی بلند آواز سے خطبہ دے کہ جمعہ کے لیے جتنی تعداد نمازیوں کی ضروری ہے یعنی چالیس، وہ سن سکیں بشرطیکہ سماعت سے کوئی چیز نیند یا غفلت یا بعض لوگوں کا بہراپن مانع نہ ہو۔ اگر خطیب کی آواز پست ہونے یا دور ہونے کی وجہ سے خطبہ نہیں سن سکے تو خطبہ درست نہیں کیوں کہ اس سے مقصد حاصل نہیں ہوا۔ اگر کسی اور سبب مثلاً نیند، غفلت، بارش وغیرہ یا بہرا ہونے یا کسی وجہ سے نہیں سن سکے یا خطیب بلند آہنگ ہے عربی میں خطبہ دے رہا ہے لیکن حاضرین غیر عرب ہیں تو خطبہ اور نماز دونوں درست ہیں۔

خطبہ عربی میں ہو، اگر عربی پر قدرت ہو تو کسی اور زبان میں خطبہ دینا جائز نہیں جیسا کہ قرآن کی قراءت کسی اور زبان میں جائز نہیں۔ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں دیا ہوا خطبہ کافی نہیں ہے۔ ہاں اگر عربی زبان پر قدرت نہیں تو دوسری زبان میں خطبہ صحیح ہو جائے گا، قرآن کی قراءت پھر بھی جائز نہیں۔

جمعہ کے لیے نمازیوں کی جتنی تعداد ضروری ہے یعنی چالیس یا ان سے زائد، انہیں سنانا کیوں کہ واجب تعداد کو سنانا ضروری ہے کیوں کہ خطبہ ذکر ہے اور نماز جمعہ کے لیے شرط ہے اس لیے اس میں تعداد اسی طرح شرط ہے جیسے تکبیر تحریمہ کے وقت نمازیوں کی تعداد چالیس ہونا ضروری ہے۔

ضروری ہے کہ خطبہ جمعہ کے وقت کے اندر ہو اور خطیب ایسا شخص ہو جس پر جمعہ واجب ہے۔ مسافر اور غلام کا دیا ہوا خطبہ کافی نہیں۔

دونوں خطبوں کے لیے حدث اکبراورحدث اصغر سے پاک ہونا، ستر ڈھانپنا، نجاست سے پاک ہونا شرط نہیں البتہ سنت یہ ہے کہ خطیب پاک صاف اور ستر پوش ہو۔

ابن قدامہ کہتے ہیں کہ مذہب حنبلی کے اصول کے مطابق یہ ہے کہ جنابت سے پاک ہونا شرط ہے۔

یہ شرط بھی نہیں کہ جو خطبے دے وہی نماز پڑھائے کیوں کہ خطبہ نماز سے الگ عمل ہے البتہ سنت یہی ہے کہ جو خطبہ دے وہی نماز پڑھائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد خلفاء دونوں کام خود کرتے تھے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے ایک شخص نے خطبہ دیا دوسرے نے نماز پڑھائی تو جائز ہے۔

یہ بھی شرط نہیں کہ دونوں خطبے ایک ہی شخص دے کیوں کہ ہر خطبہ الگ الگ ہے، البتہ یہ مستحب ہے تا کہ ان علماء کے اختلاف سے بچا جا سکے جو اسے ضروری قرار دیتے ہیں۔

مستحب ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیاں تھوڑا سا بیٹھے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا(۵۷) اگر کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دے تو تھوڑی دیر خاموش رہ کر وقفہ کرے۔

مسنون یہ ہے کہ خطیب لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ دے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا نیز اس طرح لوگوں کے لیے سننا آسان ہوتا ہے اور اگر اس کے برعکس لوگوں کی طرف پشت کرے اور قبلہ رو ہوکر خطبہ دیا تو بھی خطبہ درست ہوجائے گا کیوں کہ لوگوں کی طرف رخ کیے بغیر بھی مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔

مطلب ششم: خطبے کی سنتیں اور مکروہات

حنفیہ کے نزدیک خطبے کی اٹھارہ سنتیں ہیں۔ ذیل میں دوسرے فقہاء کی آراء کے ساتھ ان کی تفصیل درج کی جاتی ہے:(۵۸)

۱۔ طہارت اور ستر ڈھانپنا جمہور کے نزدیک سنت ہے اور شافعیہ کے نزدیک خطبے کے درست ہونے کی شرط ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ خطبہ منبر پر دینا بالاتفاق مسنون ہے۔ اتباع سنت کا تقاضا ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔ مسنون یہ ہے کہ منبر، محراب (یعنی امام کے نماز پڑھانے کی جگہ) کے دائیں جانب ہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر اسی طرح تھا۔ مناسب یہ ہے کہ منبر اور قبلہ کے درمیان ایک یا دو ہاتھ کا فاصلہ ہو۔

اگر منبر میسر نہ ہو تو بلند جگہ پر خطبہ دیا جائے کیوں کہ اس طرح لوگوں تک بات پہنچانا آسان ہوتا ہے۔ اگر ایسا مشکل ہو تو کسی لکڑی وغیرہ کے سہارے کھڑا ہو جائے کیوں کہ منبر بنائے جانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ستون کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ جب منبر بن گیا تو آپؐ منبر پر منتقل ہو گئے تو ستون رونے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ستون کے پاس آئے، اس سے لپٹ کر اسے دلاسہ دیا یا اس پر ہاتھ پھیرا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کی جگہ کو چھوڑ کر تین سیڑھیاں تھیں، مستحب یہ ہے کہ بیٹھنے کی جگہ کے ساتھ نچلی سیڑھی پر کھڑا ہو جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔

۳۔ خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر بیٹھ جائے۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث جو اوپر ابو داؤد کے حوالے سے بیان ہوئی ہے اور متفق علیہ ہے، اس پر عمل کا تقاضا یہی ہے۔

۴۔ دائیں بائیں رخ کیے بغیر لوگوں کی طرف منہ کرنا بالاتفاق سنت ہے کیوں کہ ابن ماجہ نے عدی بن ثابت سے ان کے والد اور ان کے دادا کے حوالے سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر کھڑے ہوتے تو لوگ اپنے چہرے آپؐ کی طرف پھیر لیتے۔

۵۔ جب منبر پر چڑھے تو اتباع سنت کا تقاضا ہے کہ لوگوں کو سلام کرے، یہ شافعیہ اور مالکیہ کی رائے ہے، مالکیہ کے نزدیک جب خطبہ ختم کرے تو لوگوں کو سلام کرے، کیوں کہ ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر چڑھتے تو سلام کرتے تھے(۵۹)۔ نیز منبر پر چڑھتے ہوئے لوگوں کی طرف پشت ہوجاتی ہے، پھر منبر پر بیٹھ کر لوگوں کی طرف رخ ہوتا ہے تو گویا لوگوں سے جدا ہونے کے بعد دوبارہ ملاقات ہے، اس لیے سلام کرنا چاہیے، سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

حنفیہ کے نزدیک خطیب لوگوں کو سلام نہ کرے کیوں کہ اس طرح لوگوں کو باتوں میں لگانا ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور اوپر مذکور حدیث مقبول نہیں ہے۔

۶۔ ایک مؤذن خطیب کے سامنے اذان دے، ایک سے زیادہ نہیں، یہ اذان اس وقت دی جائے جب خطیب منبر پر بیٹھ جائے اور عہد نبوی میں یہی اذان ہوا کرتی تھی۔ یہ متفق علیہ ہے۔ بخاری میں سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں جمعہ کے روز جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تو اذان ہوتی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب آبادی بڑھ گئی تو زوراء کے مقام پر تیسری اذان دی جانے لگی(۶۰)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی مؤذن ہوتا تھا۔ (۶۱)

۷۔ اللہ کی حمد و ثنا سے شروع کرے، کلمہ شہادت پڑھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کرے اور دو خطبے دے، دونوں کے درمیان بیٹھے۔ دوسرے خطبے کے شروع میں حمد و ثنا اور درود شریف کا اعادہ کرے، اہل ایمان مرد اور خواتین کے لیے مغفرت، نعمتوں کے جاری رہنے، مصائب کے دفعیہ، دشمنوں کے خلاف مدداور نصرت، بیماریوں سے شفا کی دعا کرے اور استغفار کرے۔

یہ تمام امور حنفیہ کے نزدیک سنت ہیں، مالکیہ کے نزدیک مستحب ہیں، ان میں پانچ امور شافعیہ کے نزدیک رکن ہیں اور دعا کے علاوہ باقی چار چیزیں حنابلہ کے نزدیک شرائط

ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

روایات میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبے میں سورہ احزاب ۳۳ : ۷۱ کی آیت ''یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً (اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور درست بات کہا کرو) سے فوزاً عظیماً (۶۲) تک تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ مالکیہ کے نزدیک پہلا خطبہ قرآن کے کسی حصہ پر ختم کرنا اور دوسرا یغفر اللہ لنا ولکم (اللہ ہماری اور آپ سب کی مغفرت فرمائے) پر ختم کرنا مستحب ہے۔ نیز صحابہ کے لیے اللہ کی رضا کی دعا کرنا اور حکمرانوں کے لیے یہ دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دشمنوں پر فتح دے اور ان کے ذریعے اسلام کو عزت عطا کرے، مستحب ہے۔

شافعیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ دوسرا خطبہ یوں ختم کرے: استغفر اللہ لی ولکم (میں اپنے لیے اور تمہارے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں)۔

۸۔ لوگوں کو خطبہ سنانا اور بلند آواز سے خطبہ دینا جمہور کے نزدیک سنت اور مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ کیوں کہ بلند آواز سے لوگوں تک پیغام پہنچ جاتا ہے۔ مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو آپؐ کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں، آواز بلند ہوجاتی، غضب شدید ہوجاتا گویا کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں کہ صبح یا شام حملہ آور ہونے والا ہے اور فرماتے: اما بعد بہترین بات اللہ کی کتاب ہے......الخ۔

۹۔ خطیب کھڑے ہونے کی حالت میں بائیں پہلو میں لاٹھی، تلوار یا کمان لے کر اس پر ٹیک لگائے، یہ جمہور کے نزدیک سنت ہے اور مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ حکم بن حزن سے روایت ہے کہ ہم بطور وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور جمعہ میں شریک ہوئے آپؐ نے تلوار، کمان یا چھڑی پر پہلو سے ٹیک لگائی ہوئی تھی (۶۳) نیز اس سے خطیب مضبوطی سے کھڑا رہتا ہے، کسی چیز سے ٹیک لگانے سے خطیب کو قوت

ملتی ہے۔ خطیب منبر کو اپنی دائیں جانب رکھے۔

۱۰۔ دونوں خطبے مختصر ہونے چاہییں، جب کہ دوسرا خطبہ پہلے کی بہ نسبت مختصر ہو، جمہور کے نزدیک یہ سنت ہے اور مالکیہ کے نزدیک مستحب۔ مسلم میں حضرت عمارؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ''لمبی نماز اور مختصر خطبہ آدمی کے فقیہہ ہونے کی دلیل ہے، پس نماز لمبی پڑھا کرو اور خطبہ مختصر رکھا کرو(۶۴)

مسنون یہ ہے کہ خطبہ بلیغ ہو قابل فہم ہو، اذان کی طرح آواز لمبی کر کے نہ کہا جائے، جن باتوں سے لوگ نصیحت پذیر ہوتے ہیں، ان سے خطیب لوگوں کو نصیحت کرے، تاکہ اس کے وعظ سے لوگوں کو نفع ہو، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: یا ایھا الذین آمنوا لِمَ تقولون مالا تفعلون، کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون (اے ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں، اللہ کے ہاں یہ بہت ناراضی کی بات ہے کہ تم ایسی باتیں کہو جو تم کرتے نہیں، الصّف ۶۱: ۲۔۳)۔(۶۵)

۱۱۔ حاضرین کے لیے خطبے کے دوران خاموش رہنا شافعیہ کے نزدیک سنت ہے (۶۶) خطبے کے دوران گفتگو کرنا مکروہ ہے۔ جدید شافعی مذہب کے مطابق اس دوران بات کرنا حرام نہیں کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: واذا قریء القرآن فاستمعوا له وانصتوا (جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو الاعراف، ۷: ۲۰۴) بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

بات کرنا اس لیے مکروہ ہے کہ ارشاد نبوی ہے: جب تم اپنے ساتھی سے کہو، جمعہ کے دن خاموش رہو، اور امام اس وقت خطبہ دے رہا ہو تو تم نے لغو بات کی (۶۷) نیز ارشاد نبوی ہے: جس نے کہا، خاموش! اس نے لغو کام کیا اور جس نے لغو کام کیا اس کا جمعہ نہیں ہوتا(۶۸) علماء کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا جمعہ کامل نہیں ہوتا ورنہ اس امر پر اجماع ہے کہ ایسے شخص سے جمعہ کا فرض ساقط ہوجاتا ہے۔ امام احمد نے ابن عباسؓ سے

ایک حدیث نقل کی ہے کہ جب جمعہ کے دن امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت جو کوئی بات کرتا ہے اس کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں اور جو کوئی اسے کہتا ہے، خاموش رہو، اس کا جمعہ نہیں ہوتا۔

خطبہ کے دوران گفتگو کرنے کے حرام نہ ہونے کی دلیل وہ احادیث ہیں جو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی کھڑا ہوا، اس نے کہا، یا رسول اللہ! مال ضائع ہوگیا، بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں، ہمارے لیے دعا کیجیے، آپؐ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی، کسی نے اس دیہاتی کے بات کرنے پر اعتراض نہیں کیا اور آپؐ نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اس موقع پر خاموش رہنا واجب ہے اور اس سلسلے میں تمام حاضرین برابر ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک چند امور ایسے ہیں جن پر خاموش رہنے کا حکم نہیں ہے:
اگر کوئی اندھا کنوئیں میں گرنے جارہا ہو تو اسے خبردار کرنا، کسی کی طرف بچھو چلا آرہا ہو تو اسے بتانا، اگر اشارے سے کام چل سکتا ہو تو مستحب یہ ہے کہ محض اشارے پر اکتفا کرے۔ جو شخص خطبے کے دوران مسجد میں آئے وہ دو رکعات تحیۃ المسجد پڑھ لے مگر انتہائی مختصر، صرف واجبات پر اکتفا کرے۔ اگر کوئی چھینک مار کر الحمدللہ کہے تو اسے جواب دے، چھینک مارنے والا آہستہ الحمدللہ کہے، سلام کرنے والے کو جواب دے۔ آنے والے کو ابتداءً سلام کرنا مکروہ ہے۔ لیکن سلام کا جواب دینا واجب ہے، نیز جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنے تو درود پڑھے۔

حنابلہ کے نزدیک جب خطیب دعا شروع کردے تو بات کرنا جائز ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ اب امام خطبے کے ارکان سے فارغ ہوگیا ہے اور دعا کے موقع پر خاموش رہنا واجب نہیں۔ جو شخص خطیب سے دور ہے اور خطبہ نہیں سن سکتا اس کے لیے آہستہ قراءت، ذکر اور

اور درود پڑھنا جائز ہے اور خاموش بیٹھے رہنے سے یہ اعمال کرنا بہتر ہیں کیوں کہ ان میں ثواب ہے، سجدہ تلاوت کرسکتا ہے کیوں کہ سجدہ تلاوت کے دلائل عام ہیں۔ اس وقت آواز بلند نہ کرے، نہ کسی کو قرآن پڑھائے نہ فقہی مسائل کا مذاکرہ کرے تاکہ دوسرے لوگوں کے سننے میں خلل اندازی نہ ہو اور نہ نماز پڑھے کیوں کہ امام کے خطبہ کے لیے آنے کے بعد تحیۃ المسجد کے علاوہ کوئی نماز شروع کرنا حرام ہے اور نہ حلقہ میں بیٹھے کیوں کہ جمعہ کی نماز سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنا مکروہ ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔(۶۹)

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جب امام خطبہ شروع کرے تو اس وقت سے خاموش ہونا واجب ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو اس وقت سے خاموش ہونا واجب ہے(۷۰) مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک خطیب کے علاوہ کسی اور سے بات کرنا حرام ہے اور مالکیہ کے نزدیک نہ سلام کرے نہ سلام کا جواب دے نہ چھینک مارنے والے کو یرحمک اللہ کہے اور حنفیہ کے نزدیک کسی قریب یا دور والے شخص سے بات کرنا، سلام کا جواب دینا، چھینک مارنے والے کو یرحمک اللہ کہنا مکروہ تحریمی ہے۔ جو کام نماز میں حرام ہے خطبہ میں بھی حرام ہے۔ کھانا پینا اور گفتگو کرنا حتیٰ کہ تسبیح اور امر بالمعروف بھی حرام ہے، بلکہ سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ گونگے شخص کا ایسا اشارہ کرنا جس سے بات سمجھ آجائے گفتگو کے قائم مقام ہے کیوں کہ گونگے کے اشارے سے خرید وفروخت وغیرہ ہوجاتی ہے۔

خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ ختم ہونے کے بعد بالاتفاق گفتگو کرنا مباح ہے اور حنابلہ، شافعیہ اور امام ابویوسف کے نزدیک دونوں خطبوں کے درمیان جب امام بیٹھ جائے اس وقت بھی بات کرنا جائز ہے مالکیہ اور امام محمد بن حسن کے نزدیک اس دوران بات کرنا حرام ہے۔

مالکیہ کے نزدیک چھینک مارنے والا خطبہ کے دوران آہستہ الحمدللہ کہہ سکتا ہے اور اس دوران میں آہستہ، تھوڑا ذکر، تسبیح و تہلیل کرسکتا ہے اگرچہ خلاف اَولیٰ ہے لیکن زیادہ یا بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے کیوں کہ اس سے خطبہ سننے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جب کہ وہ واجب ہے۔

خطیب کے لیے بات کرنا حرام نہیں اور اگر خطیب کسی سے بات پوچھے تو جواب دینا بھی حرام نہیں۔ مثلاً خطیب کسی کو باتیں کرتے یا سنت کے خلاف کوئی کام کرتے یا کسی کو کسی بات سے منع کرتے ہوئے دیکھے اور کہے کہ خاموش رہو، باتیں نہ کرو یا لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگو تو یہ جائز ہے۔ اور اگر خطیب کسی سے بات پوچھے اور وہ اپنا عذر بیان کرے تو وہ بھی جائز ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُلیکؓ سے جب کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے، پوچھا، تم نے نماز پڑھ لی، انہوں نے کہا، نہیں (۷۱) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک روز جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک صاحب داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ نے کہا، یہ کوئی آنے کا وقت ہے؟ انہوں نے کہا، میں مصروف تھا، گھر بھی نہیں جاسکا، جونہی اذان سنی، صرف وضو کرسکا ہوں، حضرت عمرؓ نے کہا، صرف وضو؟ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے (۷۲) وجہ یہ ہے کہ بات کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ لوگ خطبہ سن سکیں اور اس صورت میں ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امام سے کسی ضرورت کے بارے میں بات کرے یا اس سے کوئی سوال پوچھے تو مذکورہ بالا حدیث کی رو سے جائز ہے۔

خطیب کے سامنے ترقیہ کہنا:

خطیب کے سامنے سورہ الاحزاب، ۵۶:۳۳ کی آیت ''ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی'' (اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر صلاۃ بھیجتے ہیں) پڑھنا، یہ متفق علیہ حدیث

پڑھنا: ''جب تم نے اپنے ساتھی سے کہا، خاموش رہوتو تم نے لغو کام کیا'' ترقیہ کہلاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ خطیب کے سامنے پڑھنا بدعت ہے جو صدر اوّل کے بعد متعارف ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اچھی بات ہے کیوں کہ آیت اور حدیث کے مضمون کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ امام کے منبر پر آجانے کے بعد ہر طرح کی بات مکروہ تحریمی ہے۔ صاحبین کے نزدیک یہ جائز ہے اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ بدعت ہے البتہ اگر مسجد وقف کرنے والے نے اپنی وقف کی دستاویز میں یہ شرط رکھی ہو تو درست ہے۔ شافعیہ کے نزدیک بدعت حسنہ ہے کیوں کہ اس میں ایک اچھی بات کی یاد دہانی ہے اور حنابلہ نے خطبہ سے پہلے اور دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے دوران بات کرنا جائز قرار دیا ہے۔

۱۲۔ امام کے خطبے کے دوران مسجد میں آنے والے کا تحیۃ المسجد پڑھنا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سنت ہے(۷۳) کیوں کہ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آیا، آپؐ نے پوچھا، تم نے نماز پڑھ لی، اس نے کہا، نہیں، آپؐ نے فرمایا، اٹھو اور رکوع کرلو۔ ایک روایت میں ہے ''دو رکعت پڑھ لو''(۷۴)۔ ایک اور روایت میں ہے، آپؐ نے فرمایا، جب کوئی شخص آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعات پڑھ لے (۷۵)۔ تحیۃ المسجد کے علاوہ، جب امام منبر پر بیٹھ جائے خواہ خطبہ ابھی نہ شروع کیا ہو، ہر طرح کی نماز حرام ہے۔

ابوحنیفہؒ اور مالکؒ (۷۶) کے مطابق جب امام خطبہ دینے کے لیے نکل آئے تو نہ کوئی نماز پڑھی جائے اور نہ بات کی جائے۔ اس دوران تحیۃ المسجد پڑھنا بھی مکروہ ہے، اس وقت آنے والا نماز نہ پڑھے بلکہ بیٹھ جائے کیوں کہ جو شخص لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آرہا تھا، آپؐ نے اس سے فرمایا، بیٹھ جاؤ، تم نے بہت تکلیف دی ہے(۷۷) مالکیہ کے نزدیک اگر آنے والا کوئی ایسا شخص ہے کہ لوگ اس کی اقتدا کرتے ہیں مثلاً عالم، سلطان یا

امام ہے تو وہ تحیۃ المسجد پڑھ لے، عام آدمی نہ پڑھے۔

۱۳۔ امام کا منبر سے اترنا: شافعیہ کہتے ہیں کہ جونہی مؤذن اقامت سے فارغ ہو امام فوراً منبر سے اتر کر محراب میں پہنچ جائے تاکہ جس قدر تسلسل خطبہ اور نماز میں برقرار رکھنا ممکن ہو اس کا اہتمام کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں: امام جب خطبہ سے فارغ ہو جائے تو مؤذن جب قد قامت الصلاۃ کہے تو امام منبر سے اتر آئے اور اس وقت خطیب کے علاوہ سب لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ مستحب یہ ہے کہ امام جب منبر پر بیٹھے تو جلدی نہ کرے بلکہ آہستہ آہستہ بیٹھے اور جب اترے تو تیزی نہ کرے لیکن جلدی کرے تاکہ خطبوں اور نماز کے درمیان تسلسل میں مبالغہ ہو سکے۔

شافعیہ کے علاوہ جمہور نے دونوں خطبوں کے لیے طہارت کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ سنت قرار دیا ہے۔

خطبے کے مکروہات:

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اوپر مذکور سنتوں میں سے کسی بھی سنت کو چھوڑ دینا خطبے میں مکروہ ہے۔ سب سے اہم طویل خطبہ دینا اور بلا طہارت خطبہ دینا ہے، یہ دونوں مکروہ ہیں، نیز حنفیہ کے نزدیک خطیب کا منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو سلام کرنا بھی مکروہ ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ خطبے کے دوران امام کے علاوہ یا خالی جگہ بھرنے کی غرض کے علاوہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے (۷۸) آگے گزر جانا مکروہ ہے کیوں کہ اس سے بیٹھنے والوں کو اذیت ہوتی ہے۔

اوپر عبداللہ بن بسرؓ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ممانعت آئی ہے کہ آپؐ نے ایسے شخص سے فرمایا: بیٹھ جاؤ، تم نے تکلیف پہنچائی ہے(۷۹) حنفیہ اور شافعیہ کے مختار مذہب کے مطابق مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر لوگوں نے کوئی جگہ خالی چھوڑ

دی ہو تو اسے بھرنے کے لیے آگے جانا جائز ہے کیوں کہ یہ لوگوں کی طرف سے کوتاہی ہے، اگرچہ مالکیہ کے نزدیک یہ بھی نامناسب ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مطلقاً گردنیں پھلانگتے ہوئے گزرنا مکروہ ہے، خواہ خطبے سے پہلے ہو یا خطبے کے دوران، کیوں کہ اس کی کراہت کی علّت بیٹھے ہوئے لوگوں کی تکلیف ہے۔ امام کے منبر پر بیٹھنے سے پہلے خالی جگہ بھرنے کے علاوہ گردنیں پھلانگنا مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے کیوں کہ اس سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو اذیت ہوتی ہے لیکن نماز کے بعد انہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے اور نماز سے پہلے خالی جگہ بھرنے کے لیے اور کسی دوسری ضرورت کے لیے بھی جائز ہے۔ نیز مالکیہ نے اور دوسرے فقہاء نے خطبے کے دوران صفوں کے درمیان چلنے کی اجازت دی ہے کیوں کہ یہ گردنیں پھلانگنا نہیں ہے۔

حنابلہ کے نزدیک اگر کسی شخص کا معمول ہو کہ وہ کسی خاص جگہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے لیے اپنی خالی جگہ پہنچنے کے لیے گردنیں پھلانگنا جائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک خالی جگہ بھرنے کے لیے گردنیں پھلانگنا جائز ہے، نیز اگر کوئی ایسا نیک یا بڑا آدمی ہے جس کے گزرنے سے لوگوں کو تکلیف نہیں ہوتی۔ تو اس کے لیے بھی گزرنا جائز ہے، یا اگر پہلی صفوں میں ایسے افراد ہیں، مثلاً بچے ہیں جن سے جمعہ درست نہیں ہے تو اس صورت میں بڑوں کا آگے بڑھنا واجب ہے۔

حنفیہ کے نزدیک دو شرائط سے لوگوں کے اوپر سے گزرنا جائز ہے:

ایک یہ کہ کسی شخص کے کپڑے پر پاؤں نہ آئے اور کسی کے بدن کو نہ چھوئے اور دوسرے یہ کہ امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے ہو ورنہ مکروہ تحریمی ہے، ہاں اگر کوئی مجبوری ہو مثلاً آگے گزرے بغیر جگہ نہ ملتی ہو تو امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے جگہ حاصل کرنے کے لیے آگے جانا جائز ہے لیکن کسی کو تکلیف نہ دے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اوپر مذکور سنتوں کا ترک مطلقاً مکروہ نہیں بلکہ بعض

سنتوں کا ترک مکروہ ہے اور بعض کا خلاف اَولیٰ۔

شافعیہ کے نزدیک خطبہ کے دوران سامع کا بات کرنا اور امام کے سامنے ایک سے زیادہ افراد کا اذان کہنا بھی مکروہ ہے اور یہ حنابلہ کے نزدیک بھی مکروہ ہے نیز دوسرے خطبہ میں امام کا کسی طرف التفات یا ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرنا یا منبر پر ہاتھ مارنا مکروہ ہے۔ خطبے کے دوران حاضرین کا احتباء (۸۰)(سرین پر بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنالینا) بھی مکروہ ہے، صحیح حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے(۸۱) اور اس سے نیند آتی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک خطبے کے دوران امام یا حاضرین میں سے کسی کا بلا ضرورت آنکھیں بند کرنا خلاف اولی ہے۔ اگر کسی کو اونگھ آجائے تو لوگوں کے اوپر سے گزرے بغیر جگہ بدل لے کیوں کہ ترمذی میں صحیح حدیث ہے جسے ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے اونگھ آجائے تو وہ جگہ بدل لے۔ سنت یہ ہے کہ نیند کو بھگائے اور اس پر قابو پالے۔

حنابلہ کے نزدیک (۸۲) خطبے کے دوران خطیب کا لوگوں کی طرف پشت کرنا اور خطبے میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ وغیرہ بھی اس سے متفق ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک ستر کا خیال رکھتے ہوئے احتباء جائز ہے کیوں کہ صحابہ کی ایک جماعت ایسا کرتی تھی اور ممانعت کی حدیث ضعیف ہے نیز حنابلہ نے قرفصاء کو بھی جائز قرار دیا۔ قرفصا یہ ہے کہ سرین پر بیٹھ جائے، گھٹنے سینے سے ملا لے اور دونوں پاؤں کے تلوے زمین سے لگالے۔ امام احمد کی مراد اس طرح بیٹھنے سے جلسہ تھی اور کوئی بیٹھنے کا انداز اس سے زیادہ خشوع کی حالت کا حامل نہیں ہوتا۔

حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک مسجد میں انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر بیٹھنا مکروہ ہے۔

جب کوئی شخص مسجد کے ارادے سے گھر سے نکلتا ہے، اس وقت سے یہ حکم شروع ہوتا ہے کیوں کہ ابوسعیدؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہو تو انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر نہ بیٹھے کیوں کہ یہ شیطانی عمل ہے اور جب تک تم میں سے کوئی شخص مسجد سے نکل نہیں جاتا نماز میں شمار ہوتا ہے(۸۳) بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو تو ایسا نہیں کرنا چاہیے تاکہ تمام احادیث کو جمع کرنا ممکن ہو کیوں کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب آپؐ نے ایک نماز میں نماز مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیر لیا اور نمازیوں کی طرف متوجہ ہوئے تو آپؐ نے اپنی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال لیں۔

مسجد جاتے ہوئے ہاتھوں کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی کراہت کعب بن عجرہؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد کے ارادے سے گھر سے نکلے تو اپنی انگلیاں آپس میں نہ پھنسائے کیوں کہ وہ نماز میں ہے۔(۸۴)

خطبے کے دوران بے مصرف کام کرنا مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''جس نے کنکریوں کو چھوا، اس نے لغو کام کیا''(۸۵) اگر شدید پیاس نہ ہو تو اس دوران پانی پینا بھی مکروہ ہے۔

خطبے کے وقت صدقہ دینا:

حنفیہ کے نزدیک (۸۶) مانگنے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگنا ہر حال میں مکروہ تحریمی ہے۔بعض حنفیہ کے نزدیک اس دوران مانگنا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ سائل نمازیوں کے سامنے سے نہ گزرے، لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور مانگنے میں اصرار نہ کرے۔

حنابلہ وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے کہ (۸۷) خطبے کے وقت سائل کو خیرات نہ دے کیوں کہ اس نے ایک ناجائز کام کیا ہے، ناجائز کام پر تعاون نہ کیا جائے۔ امام احمد کہتے

ہیں اگر سائل کو ڈانٹ دے تو مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کیوں کہ ایک شخص سے جو امام کے خطبے کے دوران مانگ رہا تھا، حضرت ابن عمرؓ نے ایسا ہی کیا تھا۔ خطبے کے دوران سائل کو صدقہ نہ دے کیوں کہ یہ حرام کام پر تعاون ہے۔

اگر کسی نے خطبے سے پہلے خیرات مانگی، پھر خطبہ سننے بیٹھ گیا تو اس کو خیرات دینا اور صدقے کا مال پکڑوانا جائز ہے۔

اگر کوئی شخص سوال نہ کرے یا امام کسی کے لیے اپیل کرے تو حنابلہ نے خطبے کے دوران ایسے شخص کے لیے صدقہ دینے کو جائز قرار دیا ہے۔

خطبے کے وقت صدقہ دینے کے بجائے مسجد میں آتے جاتے مسجد کے دروازے پر صدقہ دینا زیادہ بہتر ہے۔

مطلب ہفتم: جمعہ کی سنن اور مکروہات:

نماز جمعہ میں مندرجہ ذیل سنتیں ہیں:(۸۸)

۱۔ جو شخص جمعہ پڑھنے آئے اس کے لیے غسل کرنا، خوشبو لگانا اور عمدہ لباس پہننا جمہور کے نزدیک سنت ہے، مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ کیوں کہ اوپر مذکور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث، جس میں جمعہ کے لیے جلدی آنے کا حکم ہے، ارشاد نبوی ہے: ''جس نے جمعہ کے روز اس طرح غسل کیا جیسے غسل جنابت کیا جاتا ہے، پھر مسجد کی طرف چلا تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی دی''۔ بیہقی نے صحیح سند سے روایت بیان کی ہے کہ جو مرد اور عورت جمعہ کے لیے آئے وہ غسل کرلے اور جو نہ آئے اس پر غسل نہیں ہے۔ مسنون غسل کے بارے میں دو احادیث پہلے گزر چکی ہیں کہ: ''جمعہ کا غسل ہر بالغ مرد پر واجب ہے''۔ واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسنون ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: ''جس نے جمعہ کے روز وضو کرلیا اس نے اچھا کیا، جس نے غسل کیا اس نے افضل کام کیا''۔ متفق علیہ روایت ہے کہ تم میں سے جو نماز جمعہ کے لیے آئے وہ غسل کرلے۔

غسل کا وقت جمعہ کی نماز فجر سے سورج کے زوال تک کا ہے۔ جتنا نماز جمعہ سے قریب تر ہو اتنا افضل ہے کیوں کہ بدبو دور کرنے کا مقصد اس سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ غسل جمعہ کے لیے روانگی سے متصل پہلے ہو، تھوڑے وقفہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ اگر وقفہ زیادہ ہوگیا یا اس کے بعد مسجد کے باہر کچھ کھا پی لیا یا مسجد کے باہر اختیاری یا اضطراری طور پر سو گیا تو پہلا غسل باطل ہوگیا، دوبارہ غسل کرے۔ مالکیہ کے نزدیک فجر سے پہلے کیا ہوا غسل یا جمعہ کے لیے روانگی سے زیادہ وقت پہلے کا کیا ہوا غسل کافی نہیں ہے۔ غسل کے لیے نیت ضروری ہے کیوں کہ یہ خالص عبادت ہے پس اس کے لیے اسی طرح نیت کی ضرورت ہے جیسے تجدید وضو کے لیے۔ اگر جمعہ اور جنابت کے لیے ایک ہی غسل کیا اور دونوں کی نیت کی تو بلا اختلاف درست ہے۔ غسل سنت مؤکدہ ہے۔

رہا خوشبو لگانا، عمدہ کپڑے پہننا اور زیب و زینت کرنا تو اس حدیث کے باعث ہے کہ جس نے جمعہ کے روز غسل کیا، اگر اس کے پاس خوشبو ہے تو خوشبو لگائی، عمدہ کپڑے پہنے، پھر سکون اور وقار سے جمعہ کے لیے چل پڑا، مسجد پہنچا، اگر موقع ملا تو دو رکعت پڑھ لیں، کسی کو ایذا نہیں دی، جب امام خطبے کے لیے آیا تو خاموش رہا تا آنکہ نماز جمعہ ادا کرلی، یہ نماز اس کے لیے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے لیے کفارہ ہوگی(۸۹) مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے روز سفید لباس پہنے، سفید لباس سب سے افضل لباس ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ''سفید لباس پہنا کرو، یہ صاف ستھرا ہوتا ہے، اس میں اپنے مردوں کو کفن پہنایا کرو''۔(۹۰)

۲۔ جمعہ کے لیے اطمینان اور وقار کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے جلدی جائے تاکہ امام کے قریب جگہ پاسکے، راستے میں تلاوت اور ذکر میں مشغول رہے، کیوں کہ یہ سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔ نیز حدیث میں ہے: جو

جمعہ کے روز نہایا دھویا، جلدی جمعہ پڑھنے گیا، پیدل چلا، سواری پر نہیں گیا، امام کے قریب کھڑا ہوا، امام کو غور سے سنا، کوئی لغو کام نہیں کیا، اسے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور نماز کا ثواب ملے گا(۹۱) مالکیہ کہتے ہیں کہ دوپہر کے وقت جمعہ کے لیے جانا چاہیے۔ سورج کے زوال سے ایک گھنٹہ پہلے روانہ ہو۔ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے قریب کھڑے ہونا مطلوب ہے۔ ''ذکر (خطبہ) کے لیے حاضر ہوا کریں اور امام کے قریب کھڑے ہوں، آدمی پیچھے ہٹتا رہتا ہے حتیٰ کہ جنت میں داخل ہوجائے تب بھی پچھلے درجوں میں ہوتا ہے''(۹۲) نماز کے لیے اطمینان سے چل کر جانے کے بارے میں صحیحین میں حدیث ہے کہ ''جب تم نماز کے لیے آؤ تو سکون کے ساتھ آؤ''۔ کسی عذر کی وجہ سے سواری پر آنا جانا جائز ہے۔

تلاوت اور ذکر میں مشغول رہنے کی دلیل ارشاد نبویؐ ہے: جب تک آدمی اپنی جگہ ہوتے ہوئے بے وضو نہیں ہوتا فرشتے تم میں سے ہر ایک کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! اسے معاف فرما، اے اللہ! اس پر رحم کر، کیوں کہ جب تک کوئی شخص نماز کے لیے رکا ہوا ہے وہ نماز میں ہی سمجھا جاتا ہے(۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کو تلاوت اور ذکر میں مشغول رہنا چاہیے۔ جمعہ کے لیے جلدی جانا امام کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے مسنون ہے۔ امام کے لیے جلدی جانا مسنون نہیں۔

۳۔ نماز سے پہلے بدن صاف کرنا اور اپنی شکل وصورت کو سنوارنا: ناخن کاٹنا، مونچھیں ترشوانا، بغلوں اور زیر ناف کے بال صاف کرنا وغیرہ، مسواک کرکے منہ کی بدبو دور کرنا اور بدن کی دوسری جگہیں جہاں بدبو پیدا ہوسکتی ہے انہیں صاف کرنا۔ امام کے لیے مسنون ہے کہ وہ اپنی ہیئت کو خوبصورت بنانے کا زیادہ اہتمام کرے، عمامہ پہنے، جبہ پہن کر سنت کا اتباع کرے کیوں کہ لوگ اسے دیکھتے ہیں۔

اگر ناخن بڑھ جائیں تو جس طرح جمعہ کے روز ناخن کاٹنا مسنون ہیں اسی طرح

جمعرات اور پیر کو بھی مسنون ہیں، باقی ایام میں نہیں۔

جمعہ کے روز خوبصورت ہیئت بنانے کی دلیل عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہے جسے بغوی نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کو ناخن کاٹتے اور مونچھیں تراشتے تھے۔

حنفیہ کہتے ہیں (۹۴) کہ افضل یہ ہے کہ جمعہ کے بعد بال مونڈے اور ناخن تراشے، جمعہ کے روز نماز سے پہلے بال یا ناخن کاٹنا مکروہ ہے کیوں کہ جمعہ حج کے مشابہ ہے اور حج سے پہلے بال یا ناخن کاٹنا مکروہ ہیں۔

۴۔ جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات سورہ الکہف پڑھنا، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''جس کسی نے جمعہ کے روز سورہ کہف کی تلاوت کی، دو جمعوں کے درمیان ان کے لیے نور روشن کردیا جاتا ہے'' (۹۵)۔ ایک روایت میں ہے: ''جس نے جمعہ کے روز یا جمعہ کی رات میں سورہ کہف تلاوت کی وہ دجال کے فتنہ سے بچ جائے گا''۔ دن میں سورہ کہف پڑھنے کی زیادہ تاکید ہے۔ اس کی تلاوت میں حکمت یہ ہے کہ قیامت جمعہ کے روز آئے گی جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے، جمعہ کا دن قیامت کے مشابہ ہے، اس میں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور سورہ کہف میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے۔

۵۔ جمعہ کے روز اور شب جمعہ میں بکثرت دعا کرنا: دن میں اس لیے کہ شاید اس ساعت میں دعا کرسکے جو اجابت کی گھڑی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کے تذکرے میں فرمایا: اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ جس مسلمان بندے کو وہ گھڑی مل جائے، اس وقت کھڑا نماز پڑھ رہا ہو تو اللہ سے جو مانگے اللہ اسے دے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ بہت مختصر وقت ہوتا ہے (۹۶) مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''ذرا سا وقت ہوتا ہے''۔ کہ کون سی گھڑی ہے جو دعا کی قبولیت کی ہے؟ اس میں صحیح رائے وہ ہے جو مسلم سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم نے فرمایا: ''امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز پوری کرنے کے درمیان کا کوئی وقت ہے''۔

۶۔ جمعہ کے روز اور شب جمعہ میں بکثرت درود شریف پڑھنا: حدیث میں آتا ہے: سب سے افضل دن جمعہ کا ہے اس میں مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو، تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے(۹۷) ایک دوسری حدیث ہے: شب جمعہ اور جمعہ کے روز مجھ پر بکثرت درود بھیجو، جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل کرے گا۔(۹۸)

درود کے لیے یہ الفاظ کہے: اللھم صل علی محمد عبدک ونبیک ورسولک النبی الامی (اے اللہ! اپنے بندے، نبی اور رسول نبی امی محمدؐ پر رحمت فرما) یا اللھم صل علی محمد، کلما ذکرک الذاکرون، وصل علی محمد، وعلی آل محمد کلما غفل عن ذکرہ الغافلون (اے اللہ! محمدؐ پر رحمت نازل فرما جب بھی تجھے یاد کرنے والے یاد کریں اور محمد اور آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما، جب بھی ان کی یاد سے غافل رہنے والے غافل ہوں)۔

۷۔ امام اتباع سنت کے تحت نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں بلند آواز سے سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۃ الجمعۃ اور دوسری میں المنافقون پڑھے (مسلم نے روایت کی ہے) ایک روایت میں ہے کہ آپؐ جمعہ کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلی اور ھل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھا کرتے تھے۔

۸۔ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۃ الم السجدہ اور ھل اتی علی الانسان پڑھنا سنت ہے۔ ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز نماز فجر میں الم تنزیل اور ھل اتی علی الانسان حین من الدھر پڑھا کرتے تھے(۹۹) لیکن ہمیشہ ایسی سورتیں پڑھنا مستحب نہیں، کیوں کہ حدیث کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس سے ان کے فرض ہونے کا وہم ہوسکتا ہے۔

۹۔ جمہور کے نزدیکؒ جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار چار رکعات ظہر کی طرح مستحب ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعات پڑھا کرتے تھے(۱۰۰) صحابہ کرام جمعہ سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے اور ابن مسعودؓ جمعہ سے پہلے چار رکعات اور جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھتے تھے۔(۱۰۱)

بخاری کے علاوہ صحاح ستہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی دو رکعات پڑھ لے'' (۱۰۲) جمعہ کے بعد زیادہ سے زیادہ چھ رکعات سنت ہیں، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ چھ رکعات پڑھا کرتے تھے(۱۰۳)۔ یا چار رکعات پڑھے جیسا کہ مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔ جب تک امام جمعہ پڑھانے کے لیے آکر منبر پر نہ بیٹھ جائے تحیۃ المسجد کے علاوہ بھی جس قدر ہوسکے نوافل پڑھے کیوں کہ امام احمدؒ نبیشہ الہذلی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان جب جمعہ کے روز غسل کرتا ہے، پھر مسجد کا رخ کرتا ہے، کسی کو ایذا نہیں دیتا، اگر ابھی امام نہ آیا ہو تو جس قدر ہوسکے نماز پڑھتا ہے، اگر امام آ گیا ہو تو بیٹھ جاتا ہے اور خاموشی اور غور سے خطبہ سنتا ہے تا آنکہ امام جمعہ پڑھا دیتا ہے، اگر اس جمعہ سے اس کے سارے گناہ معاف نہ بھی ہوں تو یہ جمعہ اگلے جمعہ تک کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں(۱۰۴) پہلی اذان کے وقت مسجد میں بیٹھے ہوئے شخص کے لیے نفل پڑھنا مکروہ ہیں، اس سے پہلے نہیں۔ البتہ جو عالم، سلطان یا امام جس کی اقتدا کی جاتی ہو مسجد میں داخل ہو تو وہ پڑھ سکتا ہے، دوسرے لوگ نہ پڑھیں، تا کہ عام لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ نماز واجب ہے۔ جمعہ کے بعد بھی لوگوں کے چلے جانے سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ ہیں۔

جو شخص سنتیں پڑھنا چاہتا ہے اس کے لیے مسنون یہ ہے کہ حنابلہ کے نزدیک مسجد

میں اسی جگہ سنتیں پڑھے اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جمعہ کے فرائض اور سنتوں کو بات چیت کر کے یا جگہ بدل کر الگ الگ کر دے یا اپنے گھر جا کر پڑھے، کیوں کہ سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہؓ کے ساتھ مقصورہ میں جمعہ ادا کیا۔ جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ کھڑا ہوگیا اور سنتیں پڑھ لیں۔ امیر معاویہؓ جب واپس گئے تو مجھے بلایا اور کہا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا، جب جمعہ کی نماز پڑھو تو جب تک بات نہ کرلو یا اس جگہ سے ہٹ نہ جاؤ اور کوئی نماز نہ پڑھو، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم بات چیت کیے بغیر یا جگہ تبدیل کیے بغیر اور کوئی نماز جمعہ کی نماز کے ساتھ نہ ملائیں۔ شافعیہ کہتے ہیں (۱۰۵) مسنون یہ ہے کہ اتباع نبوی میں جمعہ کی نماز کے ساتھ اور کوئی نماز نہ ملائے، اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ وقفہ دینے کے لیے بات چیت یا جگہ بدلنا کافی ہے۔

۱۰۔ جمعہ کے بعد سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ الناس کی تلاوت کرنا: ابن سنی نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا کہ ''جس کسی نے جمعہ کے روز امام کے سلام پھیرنے کے بعد پاؤں بچھانے سے پہلے سورہ فاتحہ، قل ھو اللہ احد اور معوذتین سات بار پڑھیں، اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے اور اسے ان تمام لوگوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے''۔

۱۱۔ جمعہ کے دن جسے اونگھ آجائے وہ اپنی جگہ بدل لے۔ کیوں کہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب جمعہ کے روز تم میں سے کسی کو بیٹھے ہوئے اونگھ آجائے تو دوسری جگہ جا کر بیٹھ جاؤ۔(۱۰۶)

مکروہات جمعہ:

اوپر مذکور خطبہ جمعہ کے مکروہات کے علاوہ جمعہ کے روز مزید مندرجہ ذیل امور مکروہ ہیں:

۱۔ حنفیہ کے نزدیک (۱۰۷) جمعہ کے روز اس جگہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جہاں جمعہ ہوتا ہو یعنی شہر میں، قید خانے میں بھی اور باہر بھی، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

۲۔ حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز جب امام منبر پر بیٹھ جائے اور اس کے سامنے مؤذن اذان کہہ دے تو خرید وفروخت مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **یاایھاالذین آمنوااذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعواالی ذکراللہ وذروا البیع** (اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لیے اذان کہی جائے تو ذکر اللہ کے لیے چل پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، الجمعہ ۶۲ : ۹)

خرید وفروخت چھوڑنے کے امر کا تقاضا ہے کہ خرید و فروخت کی ممانعت ہو اور ممانعت کا کم از کم درجہ کراہت ہے۔

۳۔ علماء کا اتفاق ہے کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگنا مکروہ ہے، جس کی تفصیل مکروہات خطبہ میں گزر چکی ہے۔

۴۔ کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں بیٹھنا حرام ہے (۱۰۸) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے (۱۰۹) نیز مسجد اللہ کا گھر ہے، اس میں سب لوگ برابر ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: **سواء العاکف فیہ والباد** (اس میں مقامی اور باہر سے آنے والا برابر ہیں، الحج ۲۲:۲۵) جو شخص پہلے جس جگہ بیٹھ گیا وہی اس کا زیادہ حق دار ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جس نے پہلے پہل کوئی چیز لے لی وہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔ (۱۱۰)

اگر کسی جگہ کسی نے اپنی جائے نماز بچھا دی تو حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ کسی دوسرے کو اختیار نہیں کہ اسے اٹھا دے کیوں کہ جائے نماز اس شخص کے قائم مقام ہے، نیز اس کو اٹھانے کی وجہ سے اس کے مالک کو پریشانی ہوگی اور کسی دوسرے کی ملکیت میں اس

کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات جھگڑا بھی ہوجاتا ہے، چونکہ اس نے پہلے اس جگہ پر قبضہ کرلیا اس لیے وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص بنجر زمین کو آباد کرنے کے لیے اس کی وٹ بندی کرلے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب جماعت کھڑی نہ ہو، اگر جماعت کھڑی ہوجائے اور اس کا مالک نہ آئے تو جائے نماز اٹھا دی جائے اور اس جگہ نماز پڑھی جائے کیوں کہ احترام اس شخص کا تھا، جائے نماز کا نہیں اور وہ خود آیا نہیں، البتہ اس جائے نماز پر بیٹھنا یا نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۵۔ مالکیہ کے نزدیک (۱۱۱) جمعہ کی وجہ سے جمعہ کے روز کام کاج ترک کردینا مکروہ ہے کیوں کہ اس میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے کہ وہ ہفتہ اور اتوار کو چھٹی کرتے ہیں۔ آنے جانے والے کو سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا خواہ اشارے سے ہو، چھینک آنے پر الحمدللہ کہنا یا اس کا جواب دینا، کسی شخص کو زبان سے یا اشارے سے کوئی بے مقصد کام کرنے سے روکنا حرام ہے۔

ازدحام میں اگلے نمازی کی پیٹھ وغیرہ پر سجدہ کرنا:

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک (۱۱۲) اگر ازدحام میں نمازی اگلے نمازی کی پشت پر یا اس کے پاؤں میں ہی سجدہ کرسکتا ہے تو اس کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے اور یہ سجدہ کافی ہوجائے گا کیوں کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب بھیڑ شدید ہوجائے تو اپنے بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کرلیا کرو (۱۱۳) کیوں کہ عاجز ہونے کی حالت میں جس قدر ممکن ہو عمل کرلیا جائے تو درست ہے، جیسے مریض اگر اپنے بازو پر سجدہ کرلے تو صحیح ہے۔

اس صورت میں اگلے نمازی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ معمولی بات ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسا نہ کرے ورنہ نماز نہیں ہوگی کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: اپنی پیشانی زمین پر رکھ دو۔

مطلب ہشتم: جمعہ کو فاسد کرنے والے اُمور:

جن باتوں سے دوسری نمازیں ٹوٹ جاتی ہیں ان سے جمعہ کی نماز بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور باتیں ہیں جن سے بطور خاص جمعہ فاسد ہوجاتا ہے، جو درج ذیل ہیں:(۱۱۴)

۱۔ جمہور کے نزدیک اگر نماز کے دوران ظہر کا وقت نکل جائے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جمعہ نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ جمعہ بھی دوسری فرض نمازوں کی طرح وقت سے وابستہ ہے، جمعہ کا وقت ظہر کا وقت ہے۔ وقت نکلنے سے جمعہ فاسد نہیں ہوتا۔ اگر جمعہ کی نماز میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد ظہر کا وقت ختم ہوجائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ فاسد ہوجاتا ہے صاحبین کے نزدیک نہیں ہوتا۔

۲۔ امام کے پہلی رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے جمعہ کی جماعت ختم ہوجائے مثلاً لوگ چلے جائیں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ فاسد ہوجائے گا، صاحبین کے نزدیک نہیں ہوگا۔ البتہ پہلی رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد اگر لوگ چلے جائیں تو ابوحنیفہ اور صاحبین کا اتفاق ہے کہ جمعہ فاسد نہیں ہوتا۔

اگر وقت نکل جانے یا جماعت فوت ہونے کے باعث جمعہ فاسد ہوجائے تو ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

اگر جمعہ ان اسباب میں سے کسی سبب سے فاسد ہو جن سے عام نمازیں ٹوٹ جاتی ہیں مثلاً دانستہ وضو توڑ دینا یا بات کرنا تو اگر جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں تو نماز جمعہ ہی ادا کی جائے۔

مطلب نہم: جمعہ کے دن نماز ظہر:

باوجودیکہ اصل فرض نماز جمعہ ہے، تاہم بعض حالات میں نماز جمعہ کے بجائے نماز

ظہر ادا کی جاتی ہے:

جمعہ کے بعد نماز ظہر، کسی عذر کی وجہ سے جمعہ سے پہلے گھر میں ظہر کی نماز پڑھنا، عذر والے لوگوں کا جماعت کے ساتھ نماز ظہر ادا کرنا، جن لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ان کا جلدی نماز ظہر ادا کر لینا، وقت نکل جانے کے باعث نماز ظہر ادا کرنا، جمعہ کی شرائط میں سے کسی شرط میں خلل پڑ جانے سے ظہر نماز پڑھنا۔

۱۔ جمعہ کے بعد نماز ظہر:

اگر شہر میں ایک ہی جگہ نماز جمعہ ہوتی ہے تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ صحیح ہے اور کسی سے نماز ظہر کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ ایسے جمعہ کے بعد نماز ظہر حرام ہے۔

اگر کسی شہر میں کئی جگہوں پر جمعہ ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے دور میں ہے تو مالکیہ کے نزدیک سب سے قدیم مسجد میں پڑھا گیا جمعہ درست ہے اور باقی مساجد کے نمازی ظہر کی نماز ادا کریں۔

حنابلہ کے نزدیک جس جمعہ میں حاکم شریک ہو وہ درست ہے باقی مساجد کے نمازی نماز ظہر ادا کریں۔

شافعیہ کے نزدیک جو جمعہ پہلے ادا کیا گیا یعنی جس کی تکبیر تحریمہ کی راء پہلے ادا ہوئی وہ صحیح ہے اور باقی مساجد کے نمازی نماز ظہر ادا کریں۔ جو نمازی پہلے جمعہ سے پیچھے رہ جائیں یا جنہیں یہ معلوم نہ ہو کہ پہلا جمعہ کون سی مسجد میں ادا کیا گیا یا معلوم ہوا لیکن بھول گیا اور متعدد جگہوں پر کسی مجبوری اور ضرورت کے بغیر جمعے پڑھے گئے جیسا کہ آج کے دور میں بالعموم اسلامی شہروں میں رواج ہے۔ وہ نمازی نماز ظہر ادا کریں اور اگر کسی ضرورت کے تحت کئی جگہوں پر جمعے پڑھے گئے تو احتیاطاً نماز ظہر پڑھ لینا مستحب ہے۔ لیکن بغیر ایک جامع شماریاتی عمل کے یہ معلومات حاصل کرنا مشکل ہے۔

مذہب حنفی میں لوگوں سے تنگی دور کرنے کے اصول کی بنا پر ایک شہر میں کئی جمعے جائز

ہیں۔ اور جمعہ کے بعد جماعت کے ساتھ نماز ظہر ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

بلا ضرورت کئی جگہوں پر جمعہ نہ پڑھنے کی شرط کے ضمن میں یہ ساری تفصیل گزرچکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمعہ اصلی وقت کی فرض نماز ہے۔ جن علماء نے متعدد جگہوں پر جمعہ نہ پڑھنے کی شرط عائد کی ہے انہوں نے صدر اسلام کے طرز عمل سے استدلال کیا ہے جو واقعتاً دلیل نہیں بن سکتا، اگرچہ افضل یہ ہے کہ ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جائے۔ اور جو اکیلے نماز ظہر ادا کرنا چاہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں، البتہ مناسب یہ ہے کہ جمعہ کے بعد باجماعت ظہر کی نماز پڑھنے کی ممانعت کردی جائے تاکہ مسلمانوں کے اتحاد کا تحفظ ہو۔ آج کے بڑے بڑے شہروں اور آبادی کی کثرت کو صدر اسلام کے مدینہ منورہ کے شہر پر قیاس کرنا درست نہیں جہاں مسلمان تعداد میں کم تھے۔ خلیفہ خود مسلمانوں کے خطیب ہوتے تھے اور خلیفہ کا منبر تمام مسلمانوں کو جہاد کے معاملات، قحط اور وبا وغیرہ کے بحرانوں اور دوسرے بڑے بڑے حوادث کے حل کا اعلان کرنے کا واحد ذریعہ تھا۔ چونکہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ، صحابہ اور تابعین کے دور میں ایک ہی جمعہ ہوتا تھا، وہاں جمعہ کے بعد ظہر کی نماز کے اعادے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی یہ سوال سامنے آیا کہ بڑے شہروں اور قصبوں میں اگر ضرورت کے تحت کئی جگہوں پر جمعے ہوں تو کیا جمعہ کے بعد باجماعت نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں، پس قرآن کا جمعہ ادا کرنے کا حکم ہی دراصل ایسا حکم ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے، دوسری کوئی نماز واجب نہیں۔

۲۔ جمعہ کے روز بلا عذر گھر میں ظہر کی نماز پڑھنا:

حنفیہ کہتے ہیں (۱۱۵) جمعہ کی نماز سے پہلے بلا عذر کسی نے اپنے گھر پر نماز پڑھ لی تو یہ حرام ہیں۔ اس کی نماز درست ہے لیکن موقوف ہے۔ اگر اسے خیال آیا، خواہ کسی عذر کے باعث، کہ اسے جمعہ مین شامل ہونا چاہیے، پھر جمعہ کے لیے چل پڑا اور امام ابھی جمعہ کی نماز میں ہے، ابھی نماز ہوئی نہیں تو اس کی ظہر کی نماز باطل ہوگئی اور امام ابوحنیفہ کے

نزدیک جمعہ کے لیے چلنے سے وہ نفل ہوگئی، خواہ جمعہ نہ ملے، کیوں کہ جمعہ کے لیے چلنا، جمعہ کے خصائص میں سے ہے۔ پس ظہر کی نماز ختم کرنے میں جمعہ کے لیے چلنا احتیاطاً جمعہ پڑھنے کے قائم مقام ہوجائے گا۔ اگر امام جمعہ سے فارغ ہوگیا اور اس کے بعد جمعہ کے لیے چلا تو یہ جمعہ کے لیے چلنا نہیں ہے، اس سے ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

صاحبین کے نزدیک امام کے ساتھ شامل ہونے سے پہلے ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی، کیوں کہ جمعہ کے لیے چلنا نماز ظہر پڑھنے سے کم تر درجے کی چیز ہے اس لیے اس سے ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی، جب کہ جمعہ نماز ظہر سے بلند درجے کی چیز ہے اس سے نماز ظہر باطل ہوجائے گی، پس جمعہ کے لیے چلنا ایسا ہی ہے جیسے امام کے جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد جمعہ کے لیے چل پڑا۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اتفاق ہے کہ اگر امام جمعہ سے فارغ ہوگیا، اس کے بعد جمعہ کے لیے چلا تو ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

جمہور (مالکیہ، شافعیہ کا جدید قول اور حنابلہ) کہتے ہیں (۱۱۶) امام کے جمعہ کی نماز پڑھنے سے پہلے کسی شخص کی نماز ظہر درست نہیں ہے، اگر اسے خیال ہے کہ اسے جمعہ مل جائے گا تو اس کے لیے چل پڑے کیوں کہ یہ فرض ہے، اگر مل جائے تو پڑھ لے، اگر نہ ملے تو ظہر کی نماز پڑھ لے اگر اس کا خیال ہو کہ اب نماز نہیں ملے گی تو انتظار کرے، جب یقین ہوجائے کہ امام نماز جمعہ سے فارغ ہوگیا ہے پھر ظہر پڑھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی تو وہ نہیں ہوئی اور جمعہ واجب ہے اور اگر جمعہ کے بعد ظہر کی نماز پڑھی تو ہوگئی لیکن گناہ گار ہوگا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے وہ نماز پڑھ لی جس کا اسے کہا نہیں گیا تھا اور وہ چھوڑ دی جس کا اسے کہا گیا تھا، پس نماز نہیں ہوئی، جیسے ظہر کی جگہ عصر پڑھ لے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسے جمعہ پڑھنے کا کہا گیا تھا، ظہر اس سے ساقط ہوگئی تھی، جیسا کہ اگر وہ دور

ہوتا تو اسے ظہر پڑھنے کا کہا جاتا، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جمعہ چھوڑنے اور جمعہ کی تیاری نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

۳۔ عذر والوں کی باجماعت نماز ظہر:

حنفیہ کے نزدیک (۱۱۷) جمعہ کے روز ایسی جگہ جہاں جمعہ ہوتا ہے (یعنی شہر) وہاں جمعہ سے پہلے اور بعد معذور افراد مثلاً مسافروں، قیدیوں مریضوں وغیرہ کا باجماعت نماز ظہر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ اس سے جمعہ میں خلل پیدا ہوتا ہے، کیوں کہ جمعہ کئی جماعتوں کا جامع ہے، اس طرح اس امر کا بھی امکان ہے کہ غیر معذور بھی ان کی اقتدا کرلے۔ اس میں جمعہ کے وقت دوسری جماعت کرانا گویا جمعہ کے معارضہ کی صورت ہے۔ البتہ دیہاتوں میں جہاں جمعہ نہیں ہوتا وہاں ظہر کی نماز باجماعت پڑھی جاسکتی ہے۔ جن شہریوں کی جمعہ کی نماز رہ جائے ان کے لیے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ ایسے لوگ بغیر اذان، اقامت اور جماعت کے اپنی الگ الگ ظہر کی نماز پڑھیں۔ مریض اپنی ظہر کی نماز مؤخر کرلے تاآنکہ امام جمعہ کی نماز سے فارغ ہوجائے۔ اگر مؤخر نہ کی تو صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور (۱۱۸) کی رائے یہ ہے کہ عذر کی بنا پر جن لوگوں کا جمعہ قضا ہوگیا یا جن پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ان کے لیے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا جائز ہے تاکہ حدیث میں مذکور جماعت کا ثواب انہیں مل سکے کہ ”جماعت کی نماز اکیلے نماز سے پچیس درجے افضل ہے“۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ان کا جمعہ رہ گیا، انہوں نے علقمہ اور اسود کے ساتھ باجماعت نماز پڑھ لی۔

لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ جن کو بکثرت عذر پیش نہیں آتے ان کے لیے جمعہ کے دن باجماعت نماز ظہر مکروہ ہے، البتہ جن کو بکثرت عذر پیش آتے ہیں ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ ظہر پڑھیں۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ مسجد نبوی میں اور ایسی مسجد میں جہاں دوبارہ جماعت کرانا مکروہ ہے، جماعت کے ساتھ نماز کا اعادہ مستحب نہیں، نیز جس مسجد میں جمعہ پڑھا گیا ہو وہاں بھی، کیوں کہ اس سے یہ الزام لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ جمعہ نہیں پڑھتے یا اس امام کے پیچھے نہیں پڑھتے یا اس کے پیچھے پڑھنے کے بعد نماز لوٹا لیتے ہیں۔ بسا اوقات ایسی باتوں سے بڑا فتنہ اور نقصان ہوتا ہے اس لیے گھر میں پڑھ لے یا ایسی جگہ پڑھے جہاں اس قسم کے فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

جمہور اس امر میں حنفیہ سے متفق ہیں کہ معذور شخص جسے امید ہو کہ اس کا عذر ختم ہوجائے گا ظہر کی نماز اس وقت تک مؤخر کرے جب کہ اسے جمعہ ملنے سے مایوسی ہوجائے کیوں کہ ممکن ہے اس کا عذر ختم ہوجائے۔ اگر ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد اس کا عذر ختم ہوا مثلاً سفر سے واپس آ گیا یا بیمار تھا شفا ہوگئی یا قید سے رہائی مل گئی تو اگر جمعہ مل سکتا ہے تو اس کا اعادہ کرے، اسی طرح اگر لڑکا ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد بالغ ہوگیا تو جمعہ کا اعادہ کرے۔

۴۔ جن لوگوں پر جمعہ واجب نہیں، ان کا ظہر کی نماز جلدی پڑھ لینا:

اکثر اہل علم (۱۱۹) کی رائے یہ ہے کہ جس پر جمعہ واجب نہیں مثلاً مسافر، غلام، عورت اور دائمی مریض اور دوسرے تمام معذور افراد جمعہ کے روز امام کے نماز جمعہ پڑھنے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ سکتے ہیں، کیوں کہ وہ نماز جمعہ کے مخاطب نہیں ہیں، اس لیے ان کی نماز ظہر صحیح ہے، جیسے کہ اگر جمعہ کے مقام سے دور ہوتے تو ظہر پڑھ لیتے۔

اگر ظہر کی نماز پڑھ لی پھر جمعہ پڑھنے روانہ ہوگئے تو جمہور کے نزدیک ان کی نماز ظہر باطل نہیں ہوئی اور جمعہ ان کے حق میں نفل ہوجائے گا خواہ عذر زائل ہوگیا ہو یا نہ ہوا ہو۔ البتہ امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ جمعہ کے لیے چلنے سے ہی ان کی نماز ظہر باطل ہوگئی، جیسا کہ پہلی صورت میں ان کی رائے تھی۔

۵۔ ظہر کا وقت نکلنے کی وجہ سے نماز ظہر:

جب ظہر کا وقت ختم ہوگیا یا جمعہ کا وقت اتنا تنگ ہوگیا کہ اس میں خطبہ پڑھ کر دو رکعات نہیں پڑھی جاسکتیں تو جمعہ ساقط ہوگیا اور علماء کا اتفاق ہے کہ جمعہ کی قضا نہیں ہے(۱۲۰) اب ظہر کی نماز ہی پڑھی جائے کیوں کہ نماز قضا اسی طرح پڑھی جاتی ہے جیسے ادا اور جمعہ ادا کرنے کے لیے جو خاص شرائط تھیں وہ باقی نہیں رہیں، اب انہیں حاصل کرنا فرد کے بس میں نہیں ہے لہٰذا جمعہ ساقط ہوجائے گا، اس کے برعکس باقی فرض نمازیں اگر اپنے وقت سے قضا ہوجائیں تو انہیں اس طرح ادا کرنا ہوتا ہے۔

۶۔ جمعہ کی شرائط میں سے کسی شرط میں خلل واقع ہوجائے تو نماز ظہر پڑھنا:

اگر جمعہ کے وقت کے علاوہ جمعہ کے درست ہونے کی جو دوسری شرائط ہیں ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے مثلاً نمازیوں کی مطلوبہ تعداد پوری نہیں ہوئی یا جمہور کے نزدیک مسبوق کو جمعہ کی ایک رکعت بھی نہیں ملی اور حنفیہ کے نزدیک مسبوق کو جمعہ کا کوئی حصہ حتیٰ کہ سجدہ سہو بھی نہیں ملا یا جمعہ پڑھنے کے لیے جگہ نہیں ہے تو لوگ جمعہ کے بجائے نماز ظہر ادا کریں۔(۱۲۱)

حواشی وتعلیقات

۱۔ الدرالمختار،ا:۷۴۷، الشرح الصغیر،ا:۴۹۳، مغنی المحتاج ،ا:۲۷۶، المغنی۲:۲۹۴ وبعد، کشاف القناع،۲:۲۱۔

۲۔ بیہقی نے ابولبانہ بن عبدالمنذر کے حوالے سے ''فضائل اوقات'' کے تحت روایت کی ہے۔

۳۔ مسلم نے ابوہریرہؓ سے اور احمد اور نسائی نے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۲۲۱)

۴۔ نسائی نے حضرت حفصہؓ سے اور ابو داؤد نے طارق بن شہاب سے ان الفاظ میں روایت کی: جمعہ ہر مسلمان پر باجماعت ادا کرنا حق واجب ہے بجز غلام، عورت، بچے اور مریض کے (نیل الاوطار، ۳:۲۲۶)۔

۵۔ ابوالجعدؓ الضمری سے پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی۔ ابوالجعدؓ صحابی تھے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ احمد اور ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے اسی طرح کی حدیث روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۲۲۱)

۶۔ احمد اور مسلم نے ابن مسعودؓ سے روایت کی (نیل الاوطار،۳:۲۲۱)

۷۔ احمد وغیرہ نے روایت کی۔ نووی نے المجموع میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

۸۔ المغنی،۲: ۲۹۷۔

۹۔ ابن ماجہ کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۲۳۷)

۱۰۔ بدایۃ المجتہد، ا: ۱۶۰، نیل الاوطار،۳: ۲۳۰۔

۱۱۔ مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی (الترغیب والترہیب۲:۹۲)

۱۲۔ مسلم نے ابوہریرہؓ سے، احمد نے ابوایوبؓ سے دوسرے الفاظ میں، طبرانی نے الاوسط میں ابن عمرؓ سے، بزار نے اور طبرانی نے الاوسط میں ابن عباسؓ سے اور ابو داؤد نے عبداللہ بن عمرو بن

العاصؓ سے روایت کی سبل السلام،۲:۵۴، نیل الاوطار،۳: ۲۳۶)

۱۳۔ متفق علیہ (سبل السلام،۲:۵۴)

۱۴۔ دارالفکر دمشق سے ۱۹۶۴ میں شائع ہوئی۔

۱۵۔ الدر المختار، ۱:۷۷۳۔

۱۶۔ ایضاً: ۱: ۷۷۲۔

۱۷۔ الدر المختار ورد المحتار،۱:۷۷۰،البدائع،۱:۲۷۰،بداية المجتهد،۱: ۱۶۰،۲: ۱۶۷، القوانین الفقهيه، ۳۱، المهذب، ۱: ۱۱۰، حاشیۃ الدسوقی، ۱: ۳۸۶، مغنی المحتاج، ۱: ۲۵ وبعد۔

۱۸۔ المغنی،۲: ۲۹۷ وبعد

۱۹۔ مراجع سابقہ، ابن فرحون، تبصرۃ الحکام مع حاشیہ فتح العلی،۲: ۳۷۸، الشرح الصغير، ۱:۵۱۴۔

۲۰۔ الدر المختار، ۱: ۷۶۲ - ۷۶۴، البدائع، ۱: ۲۵۶، الكتاب مع اللباب ۱: ۱۱۱ - ۱۱۳، فتح القدير، ۱: ۴۱۷، الشرح الصغير، ۱: ۴۹۴ وبعد، القوانين الفقهيه، ۷۹، بداية المجتهد، ۱: ۱۵۱، مغنی المحتاج،۱: ۲۷۶ وبعد، المهذب، ۱: ۱۰۹، کشاف القناع،۲: ۲۳ - ۲۵، المغنی،۲: ۲۹۸، ۳۲۷ - ۳۳۲، ۳۳۸ - ۳۴۲۔

۲۱۔ حنفیہ کے نزدیک مقیم ہونے کی مدت پندرہ دن اور شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک چار دن ہے۔

۲۲۔ مرفوعاً روایت کی گئی لیکن بیہقی کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمرؓ پر موقوف ہے۔ دارقطنی وغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ'' جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ واجب ہے۔عورت، مسافر، غلام اور مریض اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۲۳۔ ابو داؤد، دارقطنی نے عبداللہ بن عمروؓ سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں'' جمعہ بس اس پر ہے جو اذان سنے'' (نیل الاوطار ۳: ۲۲۵)

۲۴۔ الدر المختار ۱: ۷۷۱، الشرح الصغير، ۱: ۵۱۲، القوانين الفقهيه، ۸۰، المهذب ۱: ۱۱۰، مغنی المحتاج، ۱: ۲۷۸ وبعد، المغنی،۲: ۳۶۲ - ۳۶۴، الشرح الصغير، ۱: ۵۱۴ - ۵۱۶، خصوصیات یوم الجمعہ للسیوطی، ۴۳، الشرح الكبير، ۳۸۷۔

۲۵۔ دارقطنی نے ''الافراد'' میں روایت کی۔ خطیب نے امام مالک سے روایت کرنے والوں سے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔

۲۶۔ المغنی ۲:۳۵۸، کشاف القناع،۲:۴۴۔

۲۷۔ احمد، ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں ''جو نماز پڑھنا چاہے پڑھ لے''۔

۲۸۔ ابن ماجہ:ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی حدیث بیان کی۔

۲۹۔ البدائع، ۱:۲۵٦، بدایة المجتھد ، ۱:۱۵۵، القوانین الفقھیه ، ۸۱، مغنی المحتاج ،۱:۲۷٦، کشاف القناع،۲:۲۱، ۴۱۔

۳۰۔ احمد، ابن ماجہ، نسائی۔

۳۱۔ الدر المختار ، ۱:۷۴۷-۷٦۱، فتح القدیر ، ۱:۴۰۸-۴۱٦، البدائع، ۱:۲۵۹، ۲٦۲، ۲٦٦، اللباب، ۱:۱۱۰-۱۱۲، الشرح الصغیر ، ۱:۴۹۵-۵۰۰، الشرح الکبیر ، ۱:۳۷۲-۳۷۸، بدایة المجتھد، ۱:۱۵۲-۱۵۴، القوانین الفقھیه ، ۸۰-۸۱، مغنی المحتاج ، ۱:۲۷۹-۲۸۵، المھذب، ۱:۱۱۰ وبعد ۱۱۷، حاشیۃ الشرقاوی، ۱:۲٦۱-۲٦٦، کشاف القناع ،۲:۲۷، ۳۴، ۴۲ وبعد، المغنی، ۲:۲۹۵، ۳۲۷-۳۳۷، ۳۵٦-۳۵۹۔

۳۲۔ احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی (نیل الاوطار،۳: ۲۵۹)

۳۳۔ دارقطنی، امام احمد نے اسے مستند قرار دیا ہے اور کہا، ابن مسعودؓ، جابرؓ، سعیدؓ اور معاویہؓ سے بھی ایسی ہی روایات ہیں اور انہوں نے سورج ڈھلنے سے پہلے جمعہ پڑھا ہے (نیل الاوطار،۳: ۲۵۹)

۳۴۔ بخاری، مسلم (نیل الاوطار، ایضاً)

۳۵۔ فتح القدیر ، ۱: ۴۱۹، الکتاب مع اللباب، ۱:۱۱۴

۳٦۔ احمد اور ابن حبان نے سعید بن المسیب سے حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے مرفوعاً روایت کی۔ مسلم کہتے ہیں۔ ابن عیینہ نے ان الفاظ میں غلطی کی ہے، میرے علم کے مطابق زہری کے علاوہ کسی اور نے یہ الفاظ روایت نہیں کیے۔ صحاح ستہ میں روایت یوں ہے: جو ملے وہ پڑھ لو، جو رہ جائے اسے مکمل کرلو (نصب الرایة ۲:۲۰۰)

۳۷۔ مغنی المحتاج، ۱: ۲۹۹ وبعد، کشاف القناع،۲: ۲۸، ۳۳، المغنی،۲: ۳۱۲۔

۳۸۔ پہلے الفاظ ابن ماجہ کے ہیں اور دوسری روایت متفق علیہ ہے اور تیسری الاثرم نے روایت کی ہے۔

۳۹۔ نمازیوں کا خطبہ چھوڑ کر چلے جانے کی روایت احمد اور مسلم نے روایت کی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا (نیل الاوطار،۳:۲۷۸)

۴۰۔ ابوداؤد، ابن ماجہ (نیل الاوطار،۳:۲۳۰)

۴۱۔ بخاری نے اس مفہوم میں روایت کی ہے۔

۴۲۔ کشاف القناع،۲:۴۱

۴۳۔ الشرح الصغیر، ۱:۵۰۰: القوانین الفقھیہ،۸۰ وبعد

۴۴۔ المغنی،۲:۳۳۴ وبعد، کشاف القناع،۲:۴۲-۴۴

۴۵۔ الدرالمختار وردالمحتار، ۱:۷۵۵ وبعد،شرح المنیہ میں ہے: اَولیٰ یہ ہے کہ احتیاط کی جائے، کیوں کہ کئی جگہوں پر جمعہ پڑھنے کے جواز میں اختلاف کا غیر قوی ہونا اور کئی جگہوں پر ضرورت کے تحت جمعہ کے جواز کا یہ مطلب نہیں کہ تقویٰ کے طور پر ظہر احتیاطی پڑھنا ممنوع ہے۔

۴۶۔ بدایۃ المجتھد، ۱:۱۵۴۔

۴۷۔ فتاوی ابن تیمیۃ،۲۴: ۲۰۸

۴۸۔ تبیین الحقائق ، ۱: ۲۱۹ وبعد، الشرح الصغیر ، ۱: ۴۹۹، مغنی المحتاج، ۱:۲۸۵، المغنی ۲:۳۰۲۔

۴۹۔ بیہقی، ابن الجوزی نے اس حدیث کو'' جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اس طرح نماز پڑھو'' کے ساتھ ملا کر اس سے جمعہ کے خطبہ کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ مسلم نے جابر بن سمرہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر خطبہ دیتے، پھر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہوجاتے اور کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ ابو داؤد نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے۔ جب آپؐ منبر پر تشریف لاتے تو بیٹھ جاتے تا آنکہ مؤذن اذان سے فارغ ہوجاتا، پھر آپؐ کھڑے ہوجاتے، پھر بیٹھ جاتے اور کوئی بات نہ کرتے، پھر کھڑے ہوجاتے اور خطبہ دیتے۔ اس حدیث کے ایک راوی پر جرح کی گئی ہے۔ (نصب الرایۃ، ۲:۱۹۶)

۵۰۔ فتح القدیر مع العنایة ، ۱:۴۱۳-۴۱۵، الدرالمختار، ۱:۷۵۷-۷۶۰، مراقی الفلاح ، ۸۷، البدائع، ۱: ۲۶۲، تبیین الحقائق، ۱:۲۱۹ وبعد

۵۱۔ الشرح الصغیر، ۱:۴۹۹، الشرح الکبیر، ۱:۳۷۲-۳۷۸ وبعد، ۳۸۶۔

۵۲۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۸۵-۲۸۷، المھذب، ۱:۱۱۱، الحضرمیة، ۸۰۔

۵۳۔ المغنی، ۲:۳۰۲-۳۱۰، کشاف القناع، ۲:۳۴-۳۷، ۴۰۔

۵۴۔ ابو داؤد، اور صحاح ستہ مرسلاً روایت کی ہے۔

۵۵۔ ابو داؤد۔

۵۶۔ مسلم۔

۵۷۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: رسول اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر دو خطبے دیتے تھے اور ان دونوں کے درمیان بیٹھ کر وقفہ کرتے تھے۔ متفق علیہ۔

۵۸۔ مراقی الفلاح ، ۸۸ وبعد، البدائع، ۱: ۲۶۳-۲۶۵، فتح القدیر ، ۱:۴۲۱، الدرالمختار، ۱: ۷۵۸-۷۶۰، ۷۶۹-۷۷۲، الشرح الصغیر، ۱:۵۰۳، ۵۰۵-۵۱۰، القوانین الفقھیه ، ۸۱، بدایة المجتهد ، ۱: ۱۵۲ وبعد، ۱۵۸، المھذب، ۱: ۱۱۲، مغنی المحتاج، ۱: ۲۸۸-۲۹۰، الحضرمیة ۸۱، کشاف القناع ، ۲: ۳۸-۴۱، ۴۹-۵۵، المغنی، ۲: ۲۹۵-۳۰۰، حاشیة الباجوری ۱: ۲۳۰، المجموع، ۴: ۴۲۰-۴۲۴۔

۵۹۔ الاثرم نے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ اور ابن زبیرؓ سے روایت کی، بخاری نے حضرت عثمانؓ سے لیکن حضرت جابرؓ کی حدیث کی سند میں ابن لُہیعہ ہے۔ (نیل الاوطار، ۳:۲۶۱)

۶۰۔ الزوراء مستند قول کے مطابق مدینہ کے بازار میں ایک جگہ ہے۔ یہ تیسری اذان اصل میں منبروں پر پہلی اذان ہے، اسے تیسری اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ زائد ہے اور حقیقت میں دوسری ہے۔ اسے تیسری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اقامت کو دوسری اذان کہا جاتا ہے۔

۶۱۔ نسائی اور ابوداؤد نے بھی روایت کی (نیل الاوطار، ۳: ۲۶۲)

۶۲۔ الاحزاب : ۷۰۔

۶۳۔ ابوداؤد، ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ ایسا منبر بنانے سے پہلے تھا۔

٦٤۔ امام احمد نے بھی روایت کی۔ المئنة : علامت، موقع (نیل الاوطار، ٣:٢٦٩)

٦٥۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر کچھ لوگ پیش کیے گئے جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، مجھے بتایا گیا کہ یہ میری امت کے وہ خطیب ہیں جن کے اعمال ان کی گفتار کے مطابق نہیں۔

٦٦۔ مغنی المحتاج، ١: ٢٨٧ وبعد۔

٦٧۔ ابن ماجہ کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے (نیل الاوطار، ٣: ٢٧١)

٦٨۔ احمد اور ابوداؤد نے حضرت علیؓ سے روایت کی (ایضاً)

٦٩۔ احمد، ابوداؤد، نسائی۔

٧٠۔ البدائع، ١: ٢٦٤، الکتاب مع اللباب، ١: ١١٥، مراقی الفلاح، ٨٨، الشرح الکبیر، ١: ٣٨٧، الشرح الصغیر، ١: ٥٠٩ وبعد، بدایة المجتهد، ٢: ٣٢٠- ٣٢٥، کشاف القناع، ٢: ٣٧۔

٧١۔ مسلم: اسی موضوع پر حضرت جابرؓ سے بھی ایک روایت ہے (نیل الاوطار، ٣: ٢٥٦)

٧٢۔ متفق علیہ۔

٧٣۔ المجموع، ٤: ٤٢٧ وبعد، المهذب، ١: ١١٥، المغنی، ٢: ٣١٩۔

٧٤۔ متفق علیہ بلکہ صحاح ستہ نے روایت کی، ابوداؤد کے علاوہ پانچوں نے ابوسعید خدریؓ سے اس طرح کی روایت کی (نیل الاوطار، ٣: ٢٥٥)۔

٧٥۔ مسلم نے ان الفاظ سے روایت کی ہے۔ بخاری نے اسی مفہوم میں حضرت جابرؓ سے روایت کی، احمد، مسلم اور ابوداؤد میں ہے: جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو دو رکعت پڑھے اور مختصر پڑھے (نیل الاوطار، ٣: ٢٥٦)

٧٦۔ اللباب، ١: ١١٥، مراقی الفلاح، ٨٨ وبعد، ردالمحتار، ١: ٧٦٩، القوانین الفقهیه، ٨١ بدایة المجتهد، ١: ١٥٨۔

٧٧۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے عبداللہ بن بسرؓ سے روایت کی ہے۔ امام احمد نے ان الفاظ کا اضافہ روایت کیا "اورتم دیر سے آئے ہو (نیل الاوطار، ٣: ٢٥٢)

٧٨۔ التخطی کا مطلب ہے پاؤں اٹھا کر بیٹھنے والے کے کندھے کے اوپر سے گزر جائے۔

۷۹۔ امام احمد نے ارقم بن ابی الارقم المخزومی سے یہ روایت بھی کی ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا گزرتا ہے اور امام کے خطبہ کے لیے آجانے کے بعد لوگوں کو الگ الگ کرتا ہوا گزرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو آگ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے (نیل الاوطار، ۲۵۲:۳)

۸۰۔ احتباء کا مطلب ہے: دونوں سرینوں پر اس طرح بیٹھنا کہ دونوں رانیں اور پنڈلیاں دونوں ہاتھوں کا حلقہ بنا کر پیٹ سے ملا لے۔

۸۱۔ ابو داؤد، ترمذی نے سہل بن معاذؓ سے اسے حسن قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن امام کو خطبہ دیتے وقت گھٹنے کھڑے کرکے بیٹھنے سے منع فرمایا۔

۸۲۔ المغنی، ۳۲۶:۲، کشاف القناع، ۴۷۹:۱، ۴۰:۲ وبعد۔

۸۳۔ احمد، مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔

۸۴۔ ابو داؤد۔

۸۵۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی، یہ حدیث حسن ہے۔ ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے۔

۸۶۔ الدرالمختار، ۷۷۲:۱۔

۸۷۔ کشاف القناع، ۵۳:۲ وبعد، المغنی: ۳۲۶:۲۔

۸۸۔ البدائع، ۲۶۹:۱ وبعد الدرالمختار، ۷۷۲:۱، الشرح الصغیر، ۵۰۳:۱-۵۰۹، بدایۃ المجتهد، ۱۵۸:۱ وبعد، القوانین الفقهیه، ۸۱، مغنی المحتاج، ۲۹۰:۱-۲۹۵، حاشیۃ الباجوری، ۲۲۸:۱-۲۳۰، المهذب، ۱۱۳:۱ وبعد کشاف القناع، ۴۶:۲-۵۳، المغنی ۳۵۰:۲-۳۵۵، ۳۶۵ وبعد۔

۸۹۔ احمد نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۲۳۶:۳)

۹۰۔ احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے سمرہؓ سے روایت کی، یہ حدیث صحیح حسن ہے۔

۹۱۔ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا، حاکم، ابو داؤد، ابن ماجہ نے صحیح بتایا، غسل کا لفظ تشدید کے ساتھ بھی درست ہے اور بغیر تشدید کے زیادہ صحیح ہے۔ مراد یہ ہے کہ کپڑے اور سر دھوئے اور پھر نہائے یا بیوی سے مباشرت کرے تاکہ وہ بھی نہائے اور خود بھی نہائے کیوں کہ حنابلہ کے نزدیک جمعہ کے روز یہ سنت ہے یا مراد یہ ہے کہ پہلے وضو کے اعضاء دھوئے پھر نہائے۔

۹۲۔ ابو داؤد، حاکم نے اسے صحیح بتایا ہے اور ذھبی نے اس سے اتفاق کیا۔

۹۳۔ متفق علیہ۔

۹۴۔ الدر المختار و ردالمحتار، ۱:۲۷۷- ۷۸۸۔

۹۵۔ حاکم نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، دارمی اور بیہقی نے روایت کی کہ، جس نے سورہ کہف شب جمعہ میں پڑھی اس کے اور خانہ کعبہ کے درمیان نور روشن ہوجاتا ہے۔بعض روایات میں ہے، اگلے جمعہ تک اور مزید تین دن کے اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، سو فرشتے صبح تک اس کے لیے دعا کرتے ہیں، بیماریوں، ذات الجنب، برص، جذام اور دجال کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔

۹۶۔ متفق علیہ۔ ایک روایت میں ہے: کھڑا نماز پڑھ رہا ہو، نماز سے مراد یہ ہے کہ نماز کے انتظار میں ہونا اور کھڑا ہونے سے مراد ہے معروف ہونا۔

۹۷۔ ابو داؤد وغیرہ نے صحیح اسناد سے روایت کی۔

۹۸۔ بیہقی نے عمدہ سند سے روایت کی۔

۹۹۔ مسلم۔

۱۰۰۔ ابن ماجہ۔

۱۰۱۔ سعید منصور نے روایت کی۔

۱۰۲۔ ابو داؤد نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔ ابن عمرؓ سے بہت سے لوگوں نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعت پڑھا کرتے تھے (نیل الاوطار :۳:۲۸۰)

۱۰۳۔ ابو داؤد۔

۱۰۴۔ الشرح الصغیر، ۱:۵۱۱

۱۰۵۔ مغنی المحتاج، ۱: ۲۹۵۔

۱۰۶۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابو مسعود احمد بن الفرات نے اپنی سنن میں روایت کی۔

۱۰۷۔ البدائع، ۱: ۲۷۰۔

۱۰۸۔ کشاف القناع، ۲:۴۹ وبعد، المغنی، ۲: ۳۵۱ وبعد۔

۱۰۹۔ متفق علیہ، مسلم کے الفاظ یہ ہیں، جمعہ کے روز کوئی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود

نہ بیٹھے بلکہ کہے'' ذرا گنجائش پیدا کردو''۔

۱۱۰۔ ابو داؤد۔

۱۱۱۔ الشرح الصغیر، ا: ۵۱۱ - ۵۱۳۔

۱۱۲۔ مغنی المحتاج، ا: ۲۹۸ وبعد، المہذب ا: ۱۱۵، المغنی، ۲: ۳۱۳ وبعد، کشاف القناع، ۲: ۳۲۔

۱۱۳۔ بیہقی نے صحیح سند سے روایت کی، سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی۔

۱۱۴۔ البدائع، ا: ۲۶۹۔

۱۱۵۔ الکتاب مع اللباب ، ا: ۱۱۳ وبعد، البدائع، ا: ۲۵۷، الدر المختار ، ا: ۷۶۴ وبعد، فتح القدیر ، ا: ۴۱۷ وبعد، مراقی الفلاح، ۸۹۔

۱۱۶۔ المغنی، ۲: ۳۴۲ وبعد، کشاف القناع، ۲: ۲۵ وبعد، القوانین الفقهیه، ۸۰ الشرح الصغیر، ا: ۵۰۸۔

۱۱۷۔ فتح القدیر ، ا: ۴۱۹، الدر المختار ، ا: ۷۶۶ وبعد۔

۱۱۸۔ القوانین الفقهیه، ۸۰، الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی، ا: ۵۰۸، مغنی المحتاج، ا: ۲۷۹، المہذب، ا: ۱۰۹، المغنی، ۲: ۳۴۴ وبعد، کشاف القناع، ۲: ۲۶۔

۱۱۹۔ ایضاً

۱۲۰۔ البدائع، ا: ۲۶۹، مغنی المحتاج، ا: ۲۷۹، المغنی، ۲: ۳۱۸، حاشیۃ الباجوری، ا: ۲۲۳۔

۱۲۱۔ البدائع، ا: ۲۶۹، مغنی المحتاج، ا: ۲۷۹، المغنی ۲: ۳۱۲، ۳۱۶، ۳۳۲، کشاف القناع، ۲: ۳۱۔

تیسری بحث

مسافر کی نماز

(قصر اور دو نمازوں کو جمع کرنا)

اس میں دو بحثیں ہیں:

ا۔ چار رکعات والی نماز کا قصر، اس کا شرعی حکم، اس کا سبب اور شرائط، مسافر مقیم کی اقتدا میں نماز پڑھے یا اس کے برعکس، قصر میں کیا کیا امور رکاوٹ ہیں، سفر میں قضا ہونے والی نماز کے ادا کرنے کا طریقہ، سفر میں سنتیں پڑھنے کا حکم۔

۲۔ دو نمازوں کو جمع کرنا، اس کے اسباب وشرائط

مطلب اوّل: چار رکعات والی نماز کا قصر (یعنی دو رکعات پڑھنا)

ا۔ قصر کا شرعی حکم، قصر عزیمت ہے یا رخصت؟

قصر قرآن وسنت اور اجماع کی رو سے جائز ہے۔(ا) قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:"واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ، ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا " (جب تم زمین میں چلو، تو اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں آزمائش میں ڈال دیں گے تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز میں قصر کرلو، النساء:۴:۱۰۱) قصر خوف کی حالت میں بھی جائز ہے اور امن کی حالت میں بھی۔ آیت میں خوف کی شرط محض امر واقعہ کے بیان کے لیے ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر سفر خوف وخطرے سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ یعلیٰ بن امیہؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے پوچھا کہ اب تو امن ہوگیا ہے اب ہم کیوں نماز میں قصر کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا، میں نے یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی تھی تو آپؐ نے فرمایا: اللہ نے تم پر صدقہ کیا

ہے، اس کا صدقہ قبول کرو۔(۲)

متواتر احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ثابت ہے کہ آپؐ حج، عمرے اور لڑائیوں سے سفر میں نماز میں قصر کیا کرتے تھے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا، آپؐ سفر میں دو رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے، حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ بھی دو سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔(۳)

اہل علم کا اجماع ہے کہ جو شخص سفر کرے وہ نماز میں قصر کرے، خواہ سفر واجب ہو مثلاً حج کے لیے مسجد حرام کا سفر یا جہاد، ہجرت یا عمرہ کا سفر۔ یا سفر مستحب ہو جیسے عزیزوں کی ملاقات، بیمار کی تیمارداری یا مسجد مدینہ یا مسجد اقصی کی زیارت، والدین یا ان میں سے کسی ایک سے ملاقات۔ یا سفر مباح ہو جیسے سیروتفریح یا تجارت کا سفر یا سفر پر مجبور کیا گیا ہو جیسے قیدی یا ایسا بدکار جسے جلاوطن کیا گیا ہو، یعنی غیر محصن زانی جسے کوڑے لگانے کے بعد ایک سال کے لیے جلاوطن کردیا گیا ہو۔ یا سفر مکروہ ہو جیسے اکیلا آدمی ساتھیوں کے بغیر سفر کررہا ہو۔

قصر سے مراد ہے چار رکعات والی نماز میں دو رکعات پڑھنا۔

جن نمازوں کے قصر پڑھنے پر اجماع ہے(۴) وہ چار رکعات والی، ظہر، عصر اور عشاء ہیں فجر اور مغرب میں قصر نہیں ہے، کیوں کہ اگر فجر میں قصر کیا تو ایک رکعت رہ جائے گی اور ایک رکعت فرض پڑھنے کی کوئی نظیر نہیں ہے اور مغرب میں قصر کرنے سے وہ رکعات طاق نہیں رہیں گی جب کہ مغرب دن کے وتر ہیں۔

امام احمدؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ نمازیں دو دو رکعات فرض ہوئی ہیں البتہ مغرب کی تین رکعات ہیں کیوں کہ یہ دن کے وتر ہیں۔ پھر حضر میں نماز میں اضافہ کردیا گیا اور سفر میں وہی باقی رکھی گئیں۔ علی بن عاصم نے بھی حضرت عائشہؓ سے ایک حدیث بیان کی ہے جس میں مغرب، فجر اور جمعہ کی نمازیں قصر کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

سفر سے متعلق احکام: قصر کرنا، دو نمازیں ایک وقت میں پڑھنا، موزوں پر تین دن تک مسح کرنا اور فرض کا روزہ چھوڑ دینے کا جواز، یہ چار مسائل طویل سفر کے ساتھ مختص ہیں۔ عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنے کی حرمت، جمعہ، عیدین اور قربانی کا عدم وجوب، مضطر کے لیے مردار کھانے کی حلت، سواری پر نماز، تیمّم اور اس سے پڑھے جانے والے فرائض کا ساقط ہوجانا، یہ مسائل مختصر سفر سے متعلق ہیں البتہ مردار کھانے کا جواز اور تیمّم سفر کے ساتھ مختص نہیں ہیں (۵)۔

قصر کا حکم، کیا قصر رخصت ہے یا عزیمت واجب ہے؟

دوسرے الفاظ میں کیا مسافر شرعاً پابند ہے کہ قصر کرے یا اسے اختیار ہے چاہے قصر کرے چاہے پوری نماز پڑھے، دونوں میں کون سی نماز افضل ہے، قصر یا پوری؟

فقہاء کے قابل اعتماد اقوال تینوں طرف ہیں کہ قصر فرض ہے، سنت ہے، رخصت ہے اور مسافر کو اختیار ہے۔(۶)

حنفیہ کے نزدیک قصر واجب ہے، عزیمت ہے، مسافر پر فرض ہے کہ چار رکعات والی نماز دو رکعات پڑھے، دانستہ ان پر اضافہ جائز نہیں ہے، اگر بھولے سے پڑھ لے تو سجدہ سہو کرے، اگر پوری چار رکعات پڑھ لیں تو اگر دو رکعات کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھا تھا تو دو فرض ادا ہوگئے اور دوسری دو رکعات نفل ہوگئیں اور فرض اور نفل ملانے کا گناہ ہوگا اور اگر دو رکعات کے بعد تشہد کی مقدار نہیں بیٹھا تو نماز باطل ہوجائے گی، کیوں کہ فرض مکمل کیے بغیر ان کے ساتھ نوافل ملالیے۔

ان کی دلیل متعدد احادیث ہیں جو ثابت ہیں مثلاً حضرت عائشہؓ کی حدیث کہ نماز دو دو رکعات فرض ہوئی، پھر سفر میں وہی باقی رہی، حضر میں اس میں اضافہ کردیا گیا (۷) اور ابن عباسؓ کی حدیث کہ اللہ نے تمہارے نبی کی زبان سے نماز فرض کی، حضر میں چار رکعات، سفر میں دو اور خوف کی حالت میں ایک۔ (۸)

مالکیہ کے ہاں مشہور، راجح قول یہ ہے کہ قصر سنت مؤکدہ ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر کیا اور آپؐ سے ثابت نہیں کہ آپؐ نے کبھی سفر میں پوری نماز پڑھی ہو، جیسا کہ ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قصر رخصت ہے اور مسافر کو اختیار ہے کہ پوری نماز پڑھے یا قصر کرے۔ حنابلہ کے نزدیک قصر کرنا پوری پڑھنے کی بہ نسبت مطلقاً افضل ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ قصر کیا اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی۔ شافعیہ کے نزدیک بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کسی کے دل میں قصر سے کراہت ہو تو اس کے لیے قصر کرنا پوری نماز سے افضل ہے۔ یا جب سفر میں تین مراحل پر پہنچ جائے جو حنفیہ کے نزدیک ۹۶ کلو میٹر ہے، اس میں سنت کا اتباع ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی مخالفت سے بچنے کی راہ بھی ہے کیوں کہ وہ قصر کو واجب قرار دیتے ہیں لیکن سفر میں اگر روزہ رکھنے سے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وان تصوموا خیر لکم (تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے، البقرہ ۲:۱۸۴)

ان کی دلیل:

۱۔ اوپر کی آیت "فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ" (اگر تم نماز میں قصر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، النساء ۴:۱۰۱) اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قصر رخصت ہے اور اس کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں اختیار ہے جیسا کہ تمام رخصتوں میں ہوتا ہے۔

۲۔ اوپر مذکور حضرت عمرؓ کی حدیث میں ہے: یہ اللہ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے، اللہ کے صدقے کو قبول کرو اور دوسری حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر بھی عمل کیا جائے جیسا کہ وہ پسند کرتا ہے کہ اس کی عزیمتوں پر عمل کیا جائے۔(۹)

۳۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تو کچھ لوگ قصر کرتے کچھ پوری نماز پڑھتے، کچھ روزہ رکھتے، کچھ نہ رکھتے، کوئی کسی پر عیب نہ لگاتا۔(۱۰)

۴۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کرنے نکلی، آپؐ نے روزہ نہیں رکھا، میں نے رکھا، آپؐ نے نماز قصر کی، میں نے پوری پڑھی، پھر میں نے کہا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپؐ نے روزہ نہیں رکھا، میں نے رکھا، آپؐ نے نماز قصر کی، میں نے پوری پڑھی۔ آپؐ نے فرمایا: عائشہؓ! تم نے اچھا کیا۔(۱۱)

ان چار دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر رخصت ہے اور بظاہر یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ قصر کے جواز کا سبب:

قصر کی حکمت یہ ہے کہ مسافر کو عام طور پر سفر میں جو مشقت اور دقت پیش آتی ہے اسے دور کیا جائے اور حقوق اللہ میں آسانی پیدا کردی جائے اور فرائض کی ادائیگی کی ترغیب دی جائے اور واجبات کے ادا کرنے میں نفرت نہ پیدا ہونے دی جائے تاکہ سفر میں کسی شخص کے لیے فرض نماز چھوڑنے میں کوتاہی یا لاپروائی کا کوئی بہانہ نہ ہو۔

قصر کے جواز کا سبب حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک طویل مباح سفر ہے۔ ایسا مباح سفر جس کی وجہ سے شرعی احکام میں تبدیلی آجاتی ہے، چار امور میں بحث کا متقاضی ہے:(۱) کتنی مسافت میں قصر جائز ہے؟(۲) کس نوعیت کے سفر میں نماز میں قصر کیا جائے، کیا مباح سفر میں یا کسی اور میں بھی؟

(۳) مسافر قصر نماز کا آغاز کس جگہ سے کرے؟

(۴) اگر مسافر کسی جگہ ٹھہرے تو کتنا وقت ٹھہرنے کے باوجود قصر کرسکتا ہے؟

موضوع اوّل: وہ مسافت جس میں قصر جائز ہے:

جس مسافت میں قصر جائز ہے اس کی مقدار کے تعین میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک (۱۲) وہ کم از کم مسافت جس میں قصر جائز ہے معتدل ممالک کے سب سے چھوٹے دنوں میں تین دن کے سفر کی مقدار ہے (۱۳)، سفر اونٹ کے ذریعے ہو یا پیدل ہو، پورے دن کا سفر، یعنی صبح سے رات تک شرط نہیں بلکہ صبح سے زوال آفتاب یعنی ظہر تک جس قدر فاصلہ طے ہوتا ہے، اتنا فاصلہ مراد ہے۔ سفر درمیانی رفتار سے ہو اور معمول کے آرام کے ساتھ ہو۔ اگر کسی شخص نے تیزی سے سفر کیا اور اتنا فاصلہ کم وقت میں طے کرلیا جیسا کہ دور حاضر کے ذرائع مواصلات کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس کے لیے بھی قصر جائز ہے۔ جب کسی شخص نے اتنے سفر کا ارادہ کر کے سفر شروع کیا کہ اس کے اور منزل کے درمیان تین دن کی مسافت ہے تو اس کے لیے قصر جائز ہے اور اگر کسی خاص جگہ کی نیت نہیں کی اور کوئی شخص کسی جگہ کے تعین کے بغیر تین دن کی مسافت طے کرتا ہوا دنیا بھر میں گھوم گیا تو اس کے لیے قصر کی سہولت نہیں ہے۔

تین مراحل کی مقدار تین یوم کی مسافت کی مقدار کے تقریباً برابر ہے کیوں کہ عام طور پر ایک دن میں ایک مرحلہ طے ہوتا ہے بالخصوص سال کے چھوٹے دنوں میں۔ اس سے کم مسافت کی مقدار میں قصر جائز نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک مسافت کا فرسخ (۱۴) سے اندازہ کرنا درست نہیں، یہی صحیح قول ہے۔ حنفیہ نے اس کے تعین کے لیے موزوں پر مسح کی مدت جو سنت نے مقرر کی ہے اس پر قیاس کیا ہے اور وہ حدیث کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ ''مقیم پورے ایک دن رات اور مسافر تین دن رات مسح کرے۔ (۱۵)

سمندر اور پہاڑی علاقوں میں وہاں کے حالات کے مطابق جتنی مسافت طے کی جاسکتی ہے وہی مراد ہوگی۔ سمندر میں اتنی مسافت مراد ہے جو ہوا معتدل ہو نہ ساکن ہو اور نہ تیز تو جتنی مسافت طے ہوسکتی ہے اور پہاڑی علاقوں میں وہاں کے حالات کے مطابق

تین دن رات میں جتنی مسافت طے ہوسکتی ہے، اگر اتنی مسافت ہموار علاقے میں ہے تو اس سے کم وقت میں طے ہوجائے گی۔

تین دنوں کے گھنٹوں کا مجموعہ ہر ملک کے اعتبار سے مختلف ہے، مصر اور عرض میں اس جیسے دوسرے ممالک میں سوا بیس گھنٹے بنتے ہیں، ہر روز کے پونے سات گھنٹے ہوتے ہیں۔ شام میں تین دنوں کا مجموعہ تقریباً انیس گھنٹے چالیس منٹ ہوتے ہیں۔ ایک دن میں تقریباً چھ گھنٹے اور چالیس منٹ سے ڈیڑھ منٹ کم ہوتا ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور کی رائے میں(۱۶) وہ طویل سفر جس میں نماز قصر کرنا جائز ہوجاتی ہے وقت کے اعتبار سے معتدل ایام میں دو دنوں کا سفر ہے، یا اتنا سفر جو بوجھ اٹھا کر معمول کے مطابق سامان اتارنے اور رکھنے، کھانے پینے اور نماز وغیرہ کو شامل کر کے اونٹ کا دو مرحلے کا سفر ہے۔ جیسے جدہ اور مکہ کے درمیان یا طائف اور مکہ کے درمیان یا عسفان اور مکہ کے درمیان جو ایک طرف کی مسافت چار برد یا سولہ فرسخ یا اڑتالیس ہاشمی میل بنتے ہیں۔ ایک میل چھ ہزار ذراع کے برابر ہے(۱۷)، جیسا کہ شافعیہ اور حنابلہ نے ذکر کیا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ میل تین ہزار پانچ سو ذراع کا ہوتا ہے اور مسافت کا اندازہ تقریباً ۸۹ کلو میٹر یا زیادہ صحت کے ساتھ ۸۸،۷۰۴ کلو میٹر ہے اور اتنی مسافت اگر کوئی شخص ایک گھنٹے میں طے کر لے مثلاً جہاز یا گاڑی سے تب بھی مسافر ہے کیوں کہ اس نے چار برد کا فاصلہ طے کیا ہے اور نماز قصر کرے۔ سمندری سفر خشکی کے سفر کی طرح ہے۔

ان کی دلیل یہ ارشاد نبوی ہے: اے اہل مکہ! چار برد سے کم مسافت پر قصر نہ کرو، یعنی مکہ سے عسفان تک (۱۸) ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ دونوں چار برد کی مسافت پر دو رکعت پڑھتے تھے اور روزہ چھوڑ دیتے تھے، اس سے کم پر نہیں، کیوں کہ اتنی مسافت میں سفر اور سوار ہونے اور اترنے کی مشقت کا اعادہ ہوتا ہے، اس سے کم میں نہیں ہوتا۔

شافعیہ کے نزدیک یہ مسافت پورے طور پر مقرر اور متعین ہے اگر اس میں سے ذرا بھر کمی ہو جائے تو سفر نہیں رہتا جبکہ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ مقرر اور متعین نہیں بلکہ اندازے سے ہے، اگر دو ایک میل کی مقدار کم ہو تو حنابلہ کے نزدیک فرق نہیں پڑتا، جب کہ آٹھ میل تک اگر کم ہو تو مالکیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔

جمہور کے برعکس مالکیہ نے اہل مکہ، منیٰ، مزدلفہ اور محصب کو اس مسافت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر یہ لوگ عرفات میں ٹھہرنے کے لیے نکلیں اور ان کے ذمے ابھی حج کے ایسے اعمال باقی ہوں جو انہوں نے اپنے وطن جانے سے پہلے ادا کرنے ہوں تو سنت پر عمل کا تقاضا یہ ہے کہ آتے جاتے ہوئے قصر کریں اور اگر اپنے وطن پہنچ کر ادا کرنے ہیں تو پھر پوری نماز پڑھیں۔

ابن قدامہ (۱۹) نے جمہور کے دلائل پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے اس روایت کے خلاف روایات بیان ہوئی ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ روایت قرآن کے ظاہر کے معارض ہے، ظاہر قرآن کا تقاضا ہے کہ جو شخص زمین پر سفر کرے وہ قصر کرسکتا ہے اس کے لیے مسافت کی کوئی قید نہیں ہے۔ نیز اس میں سنت نبوی کی بھی مخالفت ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فرسخ کے سفر پر نکلتے تو بھی دو رکعات پڑھتے (۲۰) ابن قدامہ اپنی بحث کے آخر میں کہتے ہیں: دلائل ان کا ساتھ دیتے ہیں جو ہر مسافر کے لیے قصر کو جائز سمجھتے ہیں بجز اس کے کہ اس کے خلاف اجماع منعقد ہو گیا ہو۔

دوم: سفر کی اقسام جس میں نماز میں قصر کیا جاتا ہے؟

حنفیہ کہتے ہیں (۲۱) ہر قسم کے سفر میں قصر جائز ہے، خواہ سفر عبادت کا ہو، مباح ہو یا گناہ کا ہو۔ ڈاکو وغیرہ جو اپنے گناہ کے لیے سفر کر رہا ہو وہ بھی قصر کرسکتا ہے کیوں کہ کسی جائز کام کے ساتھ کوئی برائی وابستہ ہو جائے تو جائز کو ناجائز نہیں کر دیتی۔ ایسی برائی جو کسی

سے وابستہ ہوجائے وہ ہے جو الگ ہوسکتی ہو جیسے جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت یہ اس وجہ سے برائی ہے کہ جمعہ کی تیاری کو متأثر کرتی ہے لیکن یہ الگ ہوسکتی ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کوئی شخص خرید وفروخت بھی نہ کرے اور جمعہ کی تیاری بھی نہ کرے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جمعہ کی تیاری کرے اور خرید وفروخت بھی کرے۔ اسی طرح سفر کی حیثیت ہے کہ سفر کے بغیر بھی چوری اور ڈاکا زنی کی جاسکتی ہے اور چوری اور ڈاکے کے بغیر بھی سفر کیا جاسکتا ہے۔ البتہ جو چیز اپنی ذات کے اعتبار سے بری ہو مثلاً کفر یا شرعاً بری ہو جیسے آزاد آدمی کو فروخت کرنا تو اس کی وجہ سے جواز ختم ہوجاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان کی دلیل یہ ہے کہ رخصت کے معاملے میں فرماں بردار اور گناہ گار دونوں برابر ہیں، نصوص میں مطلقاً یہ آتا ہے: واذا ضربتم فی الارض (جب تم زمین پر سفر کرو، النساء۴: ۱۰۱) کیوں کہ محض سفر کرنا تو گناہ نہیں ہے۔ گناہ اس کے بعد ہوگا یا اس سے ملا ہوا ہوگا اس کی وجہ سے قصر کی رخصت متأثر نہیں ہوتی۔

حنیفہ کے علاوہ جمہور(۲۲) کی رائے یہ ہے کہ معصیت کے سفر میں ایسی رخصتیں جو سفر کے ساتھ مختص ہیں مثلاً قصر، نمازیں جمع کرنا، روزہ چھوڑ دینا، تین دن موزوں پر مسح کرنا، سواری پر نفل ادا کرنا مباح نہیں جیسے بھگوڑا غلام یا ڈاکو، شراب یا حرام اشیاء کی تجارت کرنے والا، ایسا شخص گناہ کا سفر کرتا ہے، جو شخص کوئی گناہ کرنے کے لیے سفر کرتا ہے یا حرام کام کرنے کے لیے کسی جگہ جانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نماز قصر نہ کرے، اس کے لیے قصر حرام ہے، کیوں کہ سفر رخصت کا سبب ہے اسے معصیت سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے نزدیک اصول یہ ہے کہ ”رخصتیں گناہوں پر نہیں ملتیں“ حتیٰ کہ ایسے شخص کے لیے اضطرار میں مردار کھانے کی اجازت نہیں ہے: ارشاد ربانی ہے: فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه (جو شخص اضطرار کی حالت میں نہ ہو، نہ تو باغی ہو اور نہ عادی، اس پر کوئی گناہ نہیں، البقرہ ۲: ۱۷۳) مردار کھانے کی اجازت اسے ہے جو نہ تو عادی ہو اور

نہ باغی ہو۔ عادی اور باغی کے لیے مردار کھانا مباح نہیں ہے کیوں کہ رخصتیں اس لیے مقرر کی گئی ہیں تاکہ مباح مقصد کے حصول کے لیے مصلحتوں کا خیال رکھا جائے۔ اگر معصیت کے سفر میں بھی رخصتیں دی جائیں تو گویا حرام پر اعانت دی جارہی ہے، جس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور شریعت حرام کاموں میں معاونت نہیں کرتی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص لہوولعب کے لیے سفر کررہا ہے اس کے لیے قصر کرنا مکروہ ہے۔ جو شخص سفر میں گناہ کرے یعنی جس نے سفر تو کسی جائز مقصد کے لیے کیا لیکن سفر کے دوران اس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا مثلاً بدکاری، چوری، غصب، قذف یا غیبت کا ارتکاب کیا اس کے لیے قصر وغیرہ رخصتوں سے استفادہ جائز ہے کیوں کہ اس نے سفر معصیت کے لیے نہیں کیا، سفر سے اس کی غرض جائز تھی، یہ ایسے مقیم کی طرح ہے جو گناہ کا ارتکاب کرے۔

نووی کہتے ہیں اگر کسی نے مباح سفر شروع کیا پھر اسے گناہ بنالیا تو صحیح یہ ہے کہ وہ رخصت سے استفادہ نہ کرے۔ اگر گناہ کے لیے سفر شروع کیا تھا، پھر توبہ کرلی تو اس کا سفر توبہ سے از سرنو شروع ہوگا۔

سوم: مسافر کس جگہ سے قصر شروع کرے، آغاز سفر:

قصر نماز کی سہولت کے لیے سفر کی نیت کافی نہیں بلکہ مسافر قصر اور روزہ چھوڑنے کا مستحق اس وقت ہوگا جب وہ واقعتا سفر شروع کرے اور شہر کی حدود سے باہر نکل جائے۔ فقہاء کا اتفاق ہے (۲۳) کہ سفر کا آغاز جس سے قصر وغیرہ جائز ہوجاتا ہے یہ ہے کہ مسافر جس شہر سے نکل رہا ہے اس سے نکل جائے اور آبادی کو پیچھے چھوڑ جائے اور اگر ایک جانب سے نکل رہا ہے تو جس جانب سے نکلا ہے اس جانب کی آبادی سے آگے بڑھ جائے خواہ دوسری جانب کی آبادی ابھی تک چل رہی ہو، کیوں کہ اقامت کا تعلق شہر میں داخل ہونے سے ہے پس سفر کا تعلق شہر سے نکلنے سے ہوگا کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: واذا ضربتم فی

الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ (جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز میں قصر کرو، النساء۴: ۱۰۱) زمین پر سفر کا آغاز اس وقت سے ہوگا جب وہ شہر سے نکل جائے گا۔ اس موضوع پر مذاہب کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس وقت تک مکمل نماز نہ پڑھے جب تک کہ جس شہر میں ٹھہرنے کی نیت ہے اس کے شروع کے گھروں تک نہ پہنچ جائے۔

مسافر اس وقت تک مسافر رہتا ہے جب تک معین مدت کے لیے ٹھہرنے کی نیت نہ کرے اس کا تذکرہ ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔

چہارم: مسافر اگر کسی جگہ قیام کرے تو کتنی مدت قصر کرسکتا ہے؟

جب تک مسافر ایک متعین مدت تک کسی جگہ ٹھہرنے کی نیت نہ کرے اسے قصر کرنے کا حق رہے گا۔ اس مدت کے تعین میں فقہاء کی دو آراء ہیں: (۲۴)

حنفیہ کے نزدیک جب کوئی مسافر کسی شہر میں پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کرلے تو وہ مقیم ہوجاتا ہے۔ اگر اتنے دن کی نیت کی تو پوری نماز پڑھے اور اگر اس سے کم کی نیت کی تو قصر کرے۔

ان کی دلیل: حنفیہ نے عورت کے طہر کی مدت پر قیاس کیا ہے۔ یہ دونوں مدتیں ایسی ہیں جن میں نمازی اپنی اصل حالت پر واپس آجاتا ہے۔ کیوں کہ طہر کی مدت سے وہ ذمہ داری واپس آجاتی ہے جو حیض کی وجہ سے ساقط ہوگئی تھی اسی طرح قیام کی نیت سے وہ رخصت ہوجاتی ہے جو سفر کی وجہ سے تھی، پس جیسے طہر کی مدت پندرہ دن ہے، اسی طرح قیام کی کم از کم مدت پندرہ دن ہونی چاہیے۔ یہ تقریر ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں: جب تم کسی شہر میں پہنچو اور مسافر ہو اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو تو نماز پوری پڑھو اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ کب دوبارہ سفر شروع کردینا ہے تو قصر کرو۔

اگر کسی خاص کام کے ہونے کا انتظار ہے اور انتظار کئی سالوں پر پھیل جائے تو اگر

پندرہ دن قیام کی نیت نہیں ہے تو قصر کرے۔ جو شخص کسی جگہ ٹھہرتا ہے اور پندرہ دن قیام کی نیت نہیں کرتا بلکہ سفر کے انتظار میں ہے کہ کل چلا جائے گا یا پرسوں مثلاً اور اس طرح کئی سال گزر جاتے ہیں تو دو رکعت پڑھے یعنی قصر کرے، کیوں کہ ابن عمرؓ آذر بائیجان میں چھ ماہ ٹھہرے تھے لیکن قصر کرتے رہے۔ صحابہ کی ایک جماعت سے اسی طرح منقول ہے۔

اگر فوج دشمن کی زمین میں داخل ہوگئی ہے اور وہاں پندرہ دن قیام کی نیت کرلی یا کسی شہر یا قلعے کا محاصرہ کرلیا تو قصر کریں، پوری نماز نہ پڑھیں، کیوں کہ یہ نیت درست نہیں ہے، کیوں کہ اس طرح داخل ہونے والوں کو اضطراب رہتا ہے، سکون نہیں ہوتا۔ اس کشمکش میں ہوتے ہیں کہ دشمن کو شکست ہوجائے گی اور وہ ٹھہریں گے یا انہیں شکست ہوجائے گی اور بھاگنا پڑے گا۔ یہ قول مذہب مالکیہ سے بھی ہم آہنگ ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مسافر کسی جگہ چار دن ٹھہرنے کی نیت کرلے تو پوری نماز پڑھے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قصر کی اجازت سفر کی وجہ سے دی ہے اور مقیم یا اقامت کی نیت کرنے والا مسافر نہیں ہے اور سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ چار دن سے کم ٹھہرنے سے سفر ختم نہیں ہوتا۔ صحیحین میں ہے: مہاجر اپنے مناسک حج ادا کرنے کے بعد تین دن ٹھہرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں عمرہ کی ادائیگی کے لیے تین دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ (۲۵)

مالکیہ نے اس مدت کا تعین بیس نمازوں سے کیا ہے۔ اگر بیس نمازوں سے کم مدت کے لیے کسی جگہ ٹھہرنا ہے تو قصر کرے۔

مالکیہ اور شافعیہ نے کسی جگہ آنے اور جانے کے دن کو اس میں شامل نہیں کیا، کیوں کہ آنے کے دن میں سامان رکھنا اور کسی جگہ ٹھہرنا ہوتا ہے اور جانے کے دن میں روانگی کی تیاری اس لیے یہ دونوں دن سفر میں شامل ہیں۔

حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ اگر چار دن یا بیس نمازوں سے زیادہ کسی جگہ ٹھہرنے کی نیت

کرے تو پوری نماز پڑھے، کیوں کہ حضرت جابرؓ اور ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار ذی الحجہ کی صبح مکہ معظّمہ پہنچے اور چار، پانچ اور چھ کو وہیں ٹھہرے، آٹھ کی صبح کی نماز پڑھ کر منی چلے گئے اور ان ایام میں قصر فرماتے رہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم مکہ معظّمہ میں دس روز ٹھہرے اور نماز قصر کرتے رہے(۲۶) ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ ذو الحجہ کی صبح کو مکہ سے واپس چلے، پس مکہ اور اس کے مضافات میں دس دن رات کا قیام ہوا جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ مکہ میں قیام چار دن رہا اس سے زائد نہیں کیوں کہ آپؐ آٹھ ذوالحجہ کو مکہ سے نکلے اور منیٰ میں جاکر نماز پڑھی۔

حنابلہ کے نزدیک آنے اور جانے کا دن قیام کی مدت میں شمار ہوں گے۔

اگر کسی کام کے لیے ٹھہرا ہوا ہے جس کے کسی بھی وقت ہونے کی توقع ہو یا دشمن سے جہاد میں مصروف ہے یا ہر روز سفر کی تیاری میں رہتا ہے تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قصر جائز ہے، خواہ جتنی مدت ٹھہرے جب تک کہ اقامت کی نیت نہ کرے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔

شافعیہ کے نزدیک آنے اور جانے کے دن کو چھوڑ کر اٹھارہ دن تک قصر کرسکتا ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال ہوازن کی جنگ کے سلسلے میں اٹھارہ دن مکہ میں ٹھہرے اور قصر نماز پڑھتے رہے۔(۲۷)

۳۔ قصر کی شرائط:

فقہاء نے قصر کی مندرجہ ذیل شرائط بتائی ہیں:(۲۸)

۱۔ سفر طویل ہو: جمہور کے نزدیک دو مرحلوں کا یا دو دنوں کا یا سولہ فرسخ کا ہو، حنفیہ

کے نزدیک تین مراحل کا یا تین دن رات کا سفر ہو۔ اس اختلاف کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

۲۔ سفر مباح ہو، حرام یا ممنوع نہ ہو: حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک چوری، ڈاکے وغیرہ کے لیے سفر نہ ہو۔ اگر گناہ کے سفر میں کسی نے نماز قصر پڑھی تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوگی۔ کیوں کہ اس نے ایسا کام کیا جس کی حرمت کا اسے یقین تھا مثلاً کوئی شخص بے وضو ہونے کے یقین کے ساتھ نماز پڑھے۔ مالکیہ کے نزدیک قصر صحیح ہے۔

مکروہ سفر میں حنابلہ کے نزدیک قصر نہ کرے، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک قصر جائز ہے۔ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ سفر خواہ حرام کام کے لیے ہو، مکروہ ہو یا مباح قصر جائز ہے، پس تجارت، تفریح، سیر، مساجد اور آثار وقبور کی زیارت کے لیے سفر میں قصر کرنے اور زیارت قبور کے لیے حنابلہ کے نزدیک بھی قصر جائز ہے۔

۳۔ جہاں مقیم ہے وہاں کی آبادی سے نکل جانا، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ فقہاء نے اس شرط کی وضاحت میں کئی جزئیات بیان کی ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک (۲۹) جس طرف سے نکلا ہے اس طرف کی آبادی سے باہر نکل جانا شرط ہے۔ اگر دوسری طرف آبادی موجود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر مکانات بکھرے ہوئے ہیں لیکن شہر میں شامل ہیں تو ان تمام مکانات سے اور شہر کے اردگرد کے گھروں سے اور شہر سے متصل آبادیوں سے آگے نکل جانا شرط ہے۔ نیز جہاں ٹھہرا ہوا ہے اس سے متصل جو خالی میدان ہیں جو شہری آبادی کی ضرورتوں کے لیے مثلاً جانور کھڑے کرنے، مردوں کو دفن کرنے یا مٹی وغیرہ پھینکنے کے لیے بنائے گئے ہیں ان سے بھی آگے نکل جائے۔

یہ شرط نہیں کہ مکانات اس کی نگاہ سے غائب ہو جائیں۔ نیز کھنڈر مکانات، اور باغات وغیرہ سے آگے نکل جانا بھی شرط نہیں کیوں کہ یہ شہر کا حصہ نہیں خواہ آبادی سے

متصل ہوں یا شہر کے لوگ وہاں رہتے ہوں۔

اگر خیموں میں رہائش تھی تو ان خیموں سے آگے گزر جائے۔ اگر پانی پر یا جنگل میں مقیم تھا تو وہاں سے آگے گزر جائے۔ ہاں اگر جنگل بہت وسیع ہو یا پانی کا منبع اور اس کے گرنے کی جگہ میں بہت فاصلہ ہو تو پھر یہ شرط نہیں بلکہ آبادی کی جگہ سے آگے گزر جانے کا اعتبار ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں(۳۰) مسافر یا شہر میں رہتا ہوگا یا بدو ہوگا یا پہاڑی علاقے میں رہتا ہوگا:

شہری: شہر، قصبے یا گاؤں میں رہنے والا، خواہ وہاں جمعہ نہ ہوتا ہو، اس وقت تک قصر شروع نہ کرے جب تک کہ اس کی عمارتوں اور آس پاس کی فضا اور اس سے متصل باغات سے آگے نہ بڑھ جائے۔ فضا اور باغات وغیرہ خواہ حکماً ہی متصل ہوں کہ آبادی کے لوگ اس جگہ آگ جلاتے ہوں اور کھانا پکاتے ہوں یا سال کا کچھ حصہ وہاں رہتے ہوں۔ جو کھیت اور باغات آبادی سے الگ ہیں یا وہاں سال کے کسی حصہ میں لوگ نہیں رہتے ان سے آگے گزر جانا شرط نہیں ہے۔

بدو: دیہات میں یا خیموں میں رہنے والا اس وقت تک قصر نہ کرے جب تک کہ تمام خیموں یا قبیلے کے گھروں یا ان قبائل کے گھروں سے آگے نہ بڑھ جائے جو ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں، خواہ وہ مختلف قبائل ہوں کیوں کہ ان کے لیے ایک لفظ الحیی (قبیلہ) اور الدار (گھر) یا صرف الدار (۳۱) استعمال ہوتا ہے۔

پہاڑی: پہاڑوں پر رہنے والا جب اپنی جگہ سے آگے گزر جائے تو قصر کرے۔

ایسے قصبوں میں رہنے والا جن کے ساتھ رہائشی باغات نہیں ہیں جب قصبے کے گھروں اور اس کے کناروں کے کھنڈر مکانات سے آگے بڑھ جائے تو قصر کرے۔

باغات میں رہنے والا اپنی جگہ سے روانہ ہونے کے بعد قصر کرے، خواہ باغات شہر سے متصل ہوں یا الگ۔

شافعیہ کے نزدیک (۳۲)اگر شہر یا قصبے کی فصیل ہو تو فصیل سے آگے گزر جانے سے سفر شروع ہو جاتا ہے، خواہ فصیل کے باہر بھی مکانات ہوں۔

اگر شہر یا قصبے کی فصیل نہیں ہے تو آخری عمارت سے آگے گزر جانے سے سفر شروع ہو جاتا ہے خواہ درمیان میں کوئی دریا، باغ یا کھنڈرات آ جائیں۔ جب شہر کی آخری عمارت سے خواہ شہر سے متصل ہو یا منفصل آگے نہ بڑھ جائے سفر شروع نہیں ہوگا۔ آبادی سے باہر کے کھنڈر ویران مکانات سے آگے بڑھنا شرط نہیں کیوں کہ وہ رہائش کی جگہ نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر سفر شروع کرنے کی جگہ سے متصل باغات یا کھیت ہوں تو ان سے آگے بڑھ جانا بھی شرط نہیں البتہ قصبے سے متصل قبرستان سے آگے گزرنا ضروری ہے خواہ اس کے گرد دیوار نہ ہو۔

خیموں میں رہنے والا جب چوپال یا ڈیرے سے آگے گزر جائے یعنی وہ مکانات جن میں لوگ قصے کہانیوں کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں اور ضرورت کے لیے ایک دوسرے سے عاریتاً لیتے ہیں، خواہ وہ ایک جگہ ہوں یا الگ الگ، ان سے اور خیموں کی سہولت کے لیے آس پاس ریت پھینکنے کی جگہ، بچوں کے کھیل کا میدان اور گھوڑے باندھنے کی جگہ سے آگے گزر جائے تو قصر کرے، کیوں کہ تمام جگہیں ان کی رہائش کی جگہوں میں شمار ہوتی ہیں۔

اگر مسافر وادی کے عرض میں سفر کر رہا ہے تو وادی کے عرض میں جو آبادی کی ضروریات کی جگہیں ہیں ان سے آگے گزر جانے کا اعتبار ہے۔ اگر بلندی پر چڑھ رہا ہے تو نشیب میں بنی ہوئی ضروریات کی جگہیں اور اگر نیچے اتر رہا ہے تو بلندی پر بنی ہوئی ضروریات کی جگہیں مراد ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہاں وادی، بلندی اور پستی ہو

اور اگر کھلی جگہ ہے تو چوپال وغیرہ سے آگے گزر جانے سے مسافر ہو جائے گا۔

جو شخص مکانات یا خیموں میں نہیں رہتا وہ جہاں ٹھہرا ہوا ہے وہاں سے روانگی سے مسافر ہو جائے گا۔ اس ساری تفصیل کا تعلق خشکی کے سفر سے ہے۔ سمندر کے سفر میں آغاز کشتی یا جہاز کی حرکت سے ہوتا ہے۔ اگر کشتی آبادی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے تو جب آبادی سے آگے گزر جائے گی تو سفر کا آغاز ہوگا۔

جب مسافر اپنے وطن کی آبادی کی فصیل تک پہنچ جائے یا اگر فصیل نہ ہو تو آبادی میں پہنچ جائے تو سفر ختم ہو جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں (۳۴) مسافر جب اپنے خاندان کے خیموں یا اپنی آبادی کے گھروں سے آگے چلا جائے تو قصر کرے خواہ وہ فصیل کے اندر ہوں یا باہر، عرف میں جب یہ سمجھا جائے کہ اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے تو مسافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر سفر کرنے والے کے لیے قصر کو مباح قرار دیا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آبادی کے متصل کھنڈرات ہیں یا صحرا۔ اگر کھنڈرات کے ساتھ آباد مکانات یا ایسے باغات ہوں جن میں ان کے مالک رہتے ہیں، خواہ گرمیوں میں ہی رہتے ہوں تو جب تک کھنڈرات، آباد مکانات اور رہائشی باغات سے آگے نہ بڑھ جائے قصر نہ کرے۔

اگر شہر کے کئی محلے ہوں اور ہر محلہ الگ الگ ہو جیسے زمانہ قدیم میں بغداد شہر تھا تو جب اپنے محلے سے نکل گیا اور اپنے خاندان سے الگ ہو گیا تو قصر کر سکتا ہے اور اگر محلے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں جیسا کہ دور حاضر کے شہروں میں ہوتے ہیں تو جب تک آبادی سے نکل نہ جائے قصر نہ کرے۔

اگر دو قصبے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور ان کی عمارتیں ساتھ ساتھ ہوں تو وہ ایک قصبے کی طرح ہیں اور اگر عمارتیں ساتھ ساتھ نہ ہوں تو ہر قصبے کا الگ حکم ہے۔

ایسے ملاح جن کا کشتی کے علاوہ کوئی گھر نہیں، اسی کشتی میں ان کے خاندان، تنور اور

ضروریات کی چیزیں ہیں ان کے لیے قصر کی رخصت نہیں ہے۔

۴۔ سفر کے آغاز سے ہی کسی متعین جگہ جانے کی نیت ہو اور بغیر رکاوٹ کے مسافت طے کرنا چاہتا ہو جس میں قصر جائز ہے: جو شخص حیران پریشان گھوم رہا ہے وہ نہ قصر کرے اور نہ روزہ چھوڑے مثلاً جس کی کوئی منزل متعین نہیں یا جو کسی بھاگے ہوئے کو تلاش کرنے یا بھاگنے والے جانور کا پیچھا کرنے یا کسی قرض دار کی تلاش میں جا رہا ہے جہاں کہیں بھی مل جائے یا جو کوئی کسی متعین منزل کے بغیر سمندری سفر پر ہے وہ مسافر نہیں ہے اس طرح اگر کوئی قصر کی مطلوبہ مسافت کی نیت کیے بغیر ساری زمین میں گھوما پھرا تو قصر نہ کرے کیوں کہ اس کی کوئی متعین مسافت طے کرنے کی نیت نہیں ہے۔ نیز جمہور کے نزدیک اگر سفر کے دوران میں کسی جگہ اتنے دن ٹھہرنے کی نیت ہے جس سے سفر منقطع ہو جاتا ہو تو بھی قصر جائز نہیں، اس کی تفصیل ہم بیان کریں گے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں جب تک بالفعل قیام کر نہ لے قصر کر سکتا ہے۔ درمیان میں ٹھہرنے کی قبل از وقت نیت سے سفر متاثر نہیں ہوتا۔ یہی رائے معقول اور قابل اتباع ہے۔

۵۔ مستقل رائے ہونا: جو شخص کسی کے تابع ہو اور اختیار کسی دوسرے کے پاس ہو مثلاً بیوی شوہر کے ساتھ ہو یا سپاہی کمانڈر کے ساتھ یا خادم آقا کے ساتھ یا شاگرد استاد کے ساتھ اور کسی کو دوسرے کی منزل کا علم نہ ہو تو قصر نہ کرے کیوں کہ منزل کے علم کی شرط نہیں پائی جاتی۔ شافعیہ کے نزدیک یہ شرط اس قید کے ساتھ ہے کہ انہوں نے اتنی مسافت طے نہ کی ہو جس پر قصر جائز ہے۔ اگر اتنی مسافت طے کر لی ہو تو خواہ متبوع قصر نہ بھی کرے تب بھی تابع قصر کر سکتا ہے کیوں کہ اسے سفر طے کرنے کا یقین حاصل ہے۔

شافعیہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ اگر تابع کی نیت یہ ہو کہ وہ درمیان سے ساتھ چھوڑ کر لوٹ آئے گا مثلاً سپاہی کا خیال ہے کہ نام کٹ جائے تو وہ واپس چلا جائے یا خادم خدمت چھوڑ کر واپس جانا چاہتا ہے تو جب تک یہ اتنا فاصلہ نہ طے کر لیں جو قصر

کی مسافت ہے یعنی دو مرحلے یا دو دن کا سفر اس وقت تک قصر نہ کریں۔

حنفیہ کے نزدیک یہ شرط مطلق ہے، جب تک متبوع سفر کی نیت نہ کرے تابع کو قصر کرنے کی اجازت نہیں اور جب تک تابع کو یہ علم نہ ہوجائے کہ متبوع نے ٹھہرنے کی نیت کرلی ہے، اس کے لیے پوری نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ اگر علم ہونے سے پہلے متبوع کے ادارے کی مخالفت میں نماز پڑھ لی تو صحیح قول یہ ہے کہ نماز درست ہوگئی۔

۶۔ جو قصر کررہا ہے وہ مقیم کی اقتدا نہ کرے، نہ ایسے مسافر کی جس نے پوری نماز پڑھنی ہو اور نہ ایسے شخص کی جس کے مسافر ہونے میں شک ہو۔ یہ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے۔ اگر ایسے شخص کی اقتدا کرلی تو پوری نماز پڑھے، خواہ آخری تشہد میں اقتدا کی ہو۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک وقتی نماز کے علاوہ کسی نماز میں مسافر مقیم کی اقتدا نہیں کرسکتا۔ اور وقتی نماز مقیم کے پیچھے پوری پڑھے کیوں کہ اس صورت میں اس کے ذمے دو کے بجائے چار رکعات فرض ہوگئی ہیں۔ البتہ وقت نکلنے کے بعد مسافر کے لیے مقیم کی اقتدا جائز نہیں کیوں کہ اس کے ذمے صرف دو رکعات فرض تھیں اور وقت نکلنے کے بعد وہ تبدیل ہوکر چار نہیں ہوسکتیں۔ اگر کسی نے مخالفت کرتے ہوئے مقیم کی اقتدا کرلی تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

۷۔ تکبیر تحریمہ کہتے وقت قصر کی نیت کرے: یہ شرط شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، کیوں کہ اصل یہ ہے کہ پوری نماز پڑھے اور مطلق نیت کا تعلق پوری نماز سے ہوتا ہے، اس لیے قصر کی نیت کرنا ضروری ہے۔

مالکیہ کے نزدیک سفر شروع کرنے کے بعد پہلی نماز میں قصر کی نیت کرلینا کافی ہے، بعد کی نمازوں میں قصر کی نیت کرنا شرط نہیں جیسا کہ رمضان کے پہلے روزے کی نیت باقی پورے مہینے کے روزوں کے لیے کافی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نماز سے پہلے سفر کی نیت ہونا کافی ہے۔ جب سفر کی نیت کرلی تو دو ہی رکعات فرض ہوئیں اس لیے ہر نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت قصر کی نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

۸۔ **بالغ ہونا:** حنفیہ کے نزدیک شرط ہے۔ سفر میں نابالغ قصر نہ کرے، جمہور کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔ بچے کے لیے بھی قصر کرنا جائز ہے، کیوں کہ جس کسی کے لیے نیت کرنا صحیح ہے اور وہ ایسے سفر کی نیت کرتا ہے جس کی منزل متعین ہے تو وہ قصر کرسکتا ہے۔

۹۔ **شافعیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ نماز کے شروع سے آخر تک سفر میں رہے:** اگر نماز کے دوران کشتی اس جگہ پہنچ گئی جہاں اس نے ٹھہرنا ہے، یا وہاں سے گزری یا اسے شک ہوا کہ کہیں اس نے ٹھہرنے کی نیت تو نہیں کی، یا یہ شک ہوا کہ کیا یہ وہی شہر ہے جس میں اسے ٹھہرنا ہے یا کوئی اور ہے تو نماز پوری کرے کیوں کہ رخصت کی وجہ ختم ہوگئی یا ختم ہونے کے بارے میں شک پڑ گیا۔

قصر کی شرائط کے بارے میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ:

حنفیہ کا مذہب: جو شخص سفر کی نیت سے کسی متعین جگہ کا قصد کرے اسے قصر کرنا چاہے، خواہ سفر گناہ کے لیے ہو، جب اپنی رہائش کی جگہ کے مکانات اور ان سے متصل خالی جگہوں سے آگے گزر جائے جو آبادی کی ضرورتوں کے لیے مثلاً مویشی باندھنے یا مردوں کو دفن کرنے کے لیے مختص ہوتی ہیں تو قصر شروع کردے۔ شہر کے مضافات میں جو مکانات اور رہائش گاہیں ہوتی ہیں ان سے بھی آگے گزر جانا شرط ہے کیوں کہ وہ شہر کے حکم میں ہیں۔ اس طرح صحیح قول یہ ہے کہ شہر کے مضافات سے متصل جو شہر کا حصہ ہے اس سے بھی آگے گزر جائے تب قصر کرے۔

سفر کی نیت درست ہونے کی تین شرائط ہیں:

سفر اور ٹھہرنے کے بارے میں فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار ہو، بالغ ہو اور سفر تین دن سے کم کا نہ ہو۔

مالکیہ کا مذہب: قصر کے لیے چھ شرائط ہیں:

سفر کی مسافت مشہور قول کے مطابق اڑتالیس میل ہو، سفر کے آغاز سے ہی ٹھہرے بغیر پوری مسافت طے کرنے کی نیت ہو، کسی متعین جگہ کی نیت ہو، سفر جائز ہو اور رہائش کے شہر اور اس سے متصل آبادیوں اور آباد باغات سے آگے گزر جائے اور سفر کے دوران چار دن رات کے قیام کی نیت نہ ہو۔

شافعیہ کا مذہب: قصر کے لیے آٹھ شرائط ہیں:

سفر طویل ہو یعنی اڑتالیس ہاشمی میل ہو (۴۸) یا دو مرحلے یعنی دو معتدل دنوں کا سفر ہو، راتیں اس میں شامل نہیں۔ یا دو معتدل راتوں کا سفر ہو، دن شامل نہیں۔ یا ایک معتدل دن رات کا سفر ہو، جو سامان لے کر چلنے کی رفتار سے ہو، سمندر اور خشکی کا سفر یکساں ہے۔ سفر کے آغاز سے ہی منزل کا تعین ہو تا کہ معلوم ہو کہ سفر طویل ہے، قصر کرے یا نہ کرے۔ سفر مباح ہو، گناہ کے سفر میں قصر نہیں کیا جا سکتا۔

شوہر کی نافرمان بیوی کے لیے قصر جائز نہیں۔ قصر کے جواز کا علم ہو، اگر قصر کے جواز کا علم نہ ہو اور قصر کر لے تو نماز درست نہیں کیوں کہ یہ نماز کو تماشا بنانے کے مترادف ہے۔ تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی قصر کی نیت کرے اور نماز مکمل ہونے تک ہر ایسی چیز سے اجتناب کرے جو قصر کے منافی ہے مثلاً نماز پوری پڑھنے کی نیت۔ اور قصر کی نیت کرنے کے بعد پوری پڑھنے کی نیت کر لی تو اب پوری پڑھے اور ایک لحظہ کے لیے بھی پوری پڑھنے والے یا سفر کے بارے میں مشکوک یا بے وضو امام کی اقتدا نہ کی ہو، اگر نماز کے کسی جز میں ان میں سے کسی

کی اقتدا کرلی تو پوری نماز پڑھنا واجب ہے، کیوں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے ابن عباسؓ سے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ ان سے پوچھا گیا، اس مسافر کے بارے میں کیا حکم ہے جو اکیلے نماز پڑھتا ہے تو دو رکعت پڑھتا ہے اور جب کسی مقیم کے پیچھے پڑھتا ہے تو پوری پڑھتا ہے، انہوں نے کہا، یہی سنت ہے۔

آخری شرط یہ ہے کہ مسافر پوری نماز کے دوران مسافر رہے، اگر درمیان میں ٹھہرنے کی نیت کرلی یا اس کی کشتی رہائش والے شہر میں پہنچ گئی تو پوری نماز پڑھے۔

حنابلہ کا مذہب:

قصر کے لیے آٹھ شرائط ہیں:

جب سفر طویل ہو یعنی اڑتالیس ہاشمی میل کے برابر اور سفر واجب یا مباح ہو اور مسافر اپنی آبادی سے آگے نکل جائے اور بستی کو پیچھے چھوڑ آئے کہ عرف میں یہ سمجھا جاتا ہو کہ وہ بستی سے نکل گیا ہے۔ کسی متعین جگہ جانے کے لیے سفر کی نیت کرے۔ اصل اعتبار مسافر کی نیت کا ہے کہ اس نے کس جگہ کی نیت کی حقیقت کا اعتبار نہیں، پس ایسی نیت کی تو نماز قصر کرے خواہ منزل پر پہنچے بغیر راستے سے ہی لوٹ آئے۔ نیز سفر کی ابتدا سے کسی متعین منزل کی نیت کرے اور پہلی نماز کے وقت قصر کی نیت کرے اور نہ مقیم کی اقتدا کرے نہ سفر کے بارے میں مشکوک شخص کی اور نہ ایسے شخص کی جس کے لیے نماز کا اعادہ واجب ہو۔ مثلاً ایسے مقیم کے پیچھے نماز پڑھی جس کا نماز کے دوران وضو ٹوٹ گیا اور اس پر پوری نماز کا اعادہ واجب ہوگیا تو چوں کہ یہ نماز ابتداءً پوری واجب ہوئی اس لیے اس کا اعادہ قصر میں نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ پوری نماز کے دوران مسافر رہے جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے۔

ابن تیمیہؒ کی رائے یہ ہے کہ سفر کی کوئی متعین مقدار نہیں ہے، عام طور پر لوگ جس کو سفر کہتے ہیں وہ سفر ہے اور اس میں قصر جائز ہے، شریعت اور لغت نے سفر کی کوئی حد مقرر

نہیں کی بلکہ لوگ۔ جسے سفر کہیں وہ سفر ہے۔(۳۵)

۴۔ مسافر کی نماز مقیم کے پیچھے اور اس کے برعکس:

مسافر کی نماز مقیم کے پیچھے: فقہاء کا اتفاق ہے(۳۶) کہ مسافر مقیم کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے کیوں کہ اس سے قصر کی سنت کی مخالفت لازم آتی ہے۔ جب مسافر مقیم کی اقتدا میں نماز پڑھے گا تو اسے امام کی پیروی میں چار رکعات پڑھنا ہیں اور حنفیہ کے نزدیک اس کے ذمے فرض چار ہوجائیں گے جیسے کہ ٹھہرنے کی نیت کرنے سے چار ہوجاتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک مسافر مقیم کے پیچھے صرف وقتی نماز پڑھ سکتا ہے، خواہ وقت میں صرف تکبیر تحریمہ کہنے کی گنجائش ہو۔ اگر وقت نکل جائے تو پھر مسافر مقیم کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ کیوں کہ بعد از وقت اس کے ذمے چار فرض نہیں ہوسکتے کیوں کہ نماز کے وجوب کا سبب گزر گیا۔ جیسے کہ بعد از وقت ٹھہرنے کی نیت سے پچھلے فرض چار نہیں ہوجاتے۔

مقیم کی امام کے پیچھے پوری نماز پڑھنے کی دلیل سنت سے لی گئی ہے جو ہم نے اوپر حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے ذکر کی کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ اس مسافر کے بارے میں کیا حکم ہے جو اکیلے دو رکعات پڑھتا ہے اور مقیم امام کے پیچھے چار تو انہوں نے فرمایا، یہی سنت طریقہ ہے۔(۳۷)

نافع کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ جب امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار رکعات پڑھتے اور جب اکیلے پڑھتے تو دو پڑھتے (۳۸) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کرو اس کے ساتھ اختلاف نہ کرو''۔

شافعیہ اور حنابلہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر امام مسافر ہو، اسے نکسیر پھوٹ جائے اور وہ کسی دوسرے کو نائب بنائے تو مقتدی پوری نماز پڑھیں، امام پوری نہ پڑھے۔

مقیم کی نماز مسافر کے پیچھے: فقہاء نے اس پر بھی اتفاق کیا ہے(۳۹) کہ مقیم کی نماز مسافر کے پیچھے جائز ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے کیوں کہ مقتدی کی نیت امام کی نیت سے مختلف ہے اگر مسافر امام مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر لے، پھر مقیم اپنی نماز پوری کرلیں۔ مسافر امام کے لیے مستحب ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد کہے، اپنی نمازیں پوری کرلو، کیوں کہ میں مسافر ہوں تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ امام بھول گیا ہے۔ یا اگر کسی شخص کو معلوم ہی نہیں کہ کون سی نماز کی کتنی رکعات ہیں تو وہ شبہ میں نہ مبتلا ہوجائے اور چار رکعت والی نماز کو دو رکعت والی نہ سمجھنے لگے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ بات کہے ورنہ سلام کے بعد کہے۔

جواز کی دلیل عمران بن حصینؓ کی روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی سفر کیا دو دو رکعات پڑھیں تاآنکہ سفر سے واپس آگئے۔ آپ مکہ مکرمہ میں اٹھارہ راتیں ٹھہرے، آپؐ مغرب کے علاوہ لوگوں کو دو دو رکعت پڑھاتے رہے، پھر فرماتے، مکہ والو، کھڑے ہوکر دوسری دو رکعات پڑھ لو کیوں کہ ہم مسافر ہیں۔(۴۰)

امام قصر نماز کی نیت کرنے کے بعد بھولے سے یا لاعلمی سے پوری نماز پڑھنے لگ جائے تو مقتدی سبحان اللہ کہہ کر اسے غلطی پر متوجہ کرے۔ اگر امام لوٹ آئے تو سجدہ سہو کرے، اگر نہ لوٹے تو امام کی پیروی نہ کرے بلکہ بیٹھا رہے تاآنکہ امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیرے۔

۵۔ وہ اُمور جو قصر سے مانع ہیں:

اگر مسافر سفر کے دوران ایک مقررہ مدت، جسے ہم نے بیان کیا ہے(حنفیہ کے نزدیک ۱۵ دن اور مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک چار دن اور حنابلہ کے نزدیک ۴ دن سے زائد) ٹھہرنے کی نیت کرلیتا ہے تو اس کا سفر ختم ہوجاتا ہے، قصر جائز نہیں رہتا اور پوری

نماز پڑھنا واجب ہو جاتی ہے، نیز اپنی معمول کی رہائش پر واپس آ جانے سے اور دوسرے حالات سے جنہیں مذاہب میں بیان کیا گیا ہے قصر کی رخصت ختم ہو جاتی ہے۔

۱۔ مسافر متعین مدت کے لیے کسی جگہ ٹھہرنے کی نیت کرے: کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے سفر میں اور مکہ کے قیام کے دوران واپسی تک دو رکعات پڑھیں۔(۴۱) چوں کہ اس حدیث میں قیام کی مدت نہیں بتائی گئی اس لیے فقہاء نے اس کی مدت مقرر کرنے میں اختلاف کیا ہے۔

حنفیہ کی رائے: (۴۲)

اگر نماز پڑھتے ہوئے کوئی مسافر مقیم ہونے کی نیت کرلے تو اگر نماز کا وقت نہ نکل گیا ہو تو مسافر لاحق نمازی نہ ہو اور پورے نصف شہر یعنی پندرہ دن یا اس سے زائد مدت کے لیے مقیم ہونے کی نیت کرے تو قصر کرنا جائز نہیں۔ اگر اس مدت سے کم ٹھہرنے کی نیت کی، خواہ ایک گھنٹہ ہی کم ہو یا نماز کے اندر ہو لیکن نماز کا وقت نکلنے کے بعد مقیم ہونے کی نیت کی ہو یا لاحق ہو، امام کے ساتھ شروع سے شامل تھا، امام مسافر تھا پھر مقتدی کا وضو ٹوٹ گیا یا سو گیا اور امام کے فارغ ہونے کے بعد بیدار ہوا اور مقیم ہونے کی نیت کرلی تو نماز پوری نہ پڑھے۔ اگر کئی سال مسافر رہے تو بھی قصر کرے کیوں کہ نصف ماہ سے کم قیام کی نیت سے سفر ختم نہیں ہوتا کیوں کہ جب کسی واجب کا وقت نکل جائے تو وہی چیز واجب ہوتی ہے جو وقت کے اندر واجب تھی۔ لاحق کا حکم یہ ہے کہ گویا امام کے پیچھے ہے۔

مقیم ہونے کی نیت کے باوجود قصر کرنے کی ممانعت نہیں۔ جب تک چار شرائط نہ پائی جائیں:

۱۔ عملاً سفر ختم نہ کرے۔ اگر مقیم ہونے کی نیت کرلے لیکن عملاً سفر جاری رکھے تو مقیم نہیں ہوگا اور قصر کرنا واجب ہوگا۔

۲۔ مقیم ہونے کی جگہ اس قابل ہو کہ وہاں ٹھہرا جاسکتا ہو مثلاً شہر ہو یا عام قصبہ ہو یا

خیموں میں رہنے والوں کے لیے خشکی کی جگہ ہو، اگر کسی ایسی جگہ قیام کی نیت کرلی جو رہائش کے قابل نہیں مثلاً سمندر، ویران جزیرہ یا لوگوں سے خالی صحرا تو قصر کرے۔

۳۔ مقیم ہونے کی جگہ ایک ہو، زیادہ نہ ہوں۔ اگر کسی نے دو مستقل شہروں میں قیام کی نیت کی مثلاً مکہ اور منی میں تو نیت درست نہیں، قصر کرے، ضروری ہے کہ اتنی مدت ایک ہی شہر میں قیام کی نیت ہو۔

۴۔ مقیم ہونے کی نیت کرنے والا اپنی مستقل رائے کا حامل ہو، اگر وہ کسی دوسرے کے تابع ہے مثلاً عورت یا خادم اگر مقیم ہونے کی نیت کرلے تب بھی قصر کرے جب تک کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے متبوع نے بھی مقیم ہونے کی نیت کرلی ہے اور پوری نماز شروع کردی ہے۔

جو شخص سفر کے انتظار میں ہے کہ کل یا پرسوں چل پڑے گا یا کسی آنے والے یا قافلے کے انتظار میں ہے جس کے بارے میں اسے معلوم نہیں ہے کہ نصف مہینہ دیر سے آئے گا، یا فوج کے ساتھ ہے جس نے دشمن کے علاقے میں مقیم ہونے کی نیت کرلی ہے یا دشمن کے علاقے میں کسی قلعے کا محاصرہ کرلیا ہے تو نماز قصر کرے اور پوری نہ پڑھے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک: (۴۳)

اگر آنے اور جانے کے دن کو چھوڑ کر کسی جگہ پورے چار دن اس طرح ٹھہرنے کی نیت کرلی کہ وہاں بیس نمازیں واجب ہوتی ہوں تو قصر کرنا منع ہے ورنہ نہیں، یا یہ علم ہو کسی جگہ عام طور پر چار دن کا قیام ہوتا ہے مثلاً قافلہ کسی جگہ چار روز کے لیے ٹھہرتا ہو تو پوری نماز پڑھے اگر بیس نمازیں پوری نہ ہوتی ہوں مثلاً کسی شہر میں ہفتہ کے روز صبح کی نماز سے پہلے پہنچے اور منگل کے سورج غروب ہونے تک ٹھہرنے کی نیت کی اور عشا کی نماز سے پہلے روانہ ہوگئے تو سفر کا حکم ختم نہیں ہوا، لہٰذا قصر کرے کیوں کہ اگرچہ پورے چار دن

قیام ہوگیا ہے لیکن بیس نمازیں فرض نہیں ہوئیں۔ اگر کسی جگہ پورے چار دن نہیں ٹھہرا مثلاً عصر سے پہلے کسی شہر میں پہنچے اور ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی اور پانچویں دن صبح کی نماز کے بعد روانہ ہوگئے تو اگرچہ بیس نمازیں وہاں فرض ہوئی ہیں لیکن سفر ختم نہیں ہوا کیوں کہ وہاں پورے تین دن ہی قیام رہا۔

پس دونوں شرطیں بیک وقت پوری ہونا ضروری ہیں کہ پورے چار دن قیام بھی ہو اور بیس نمازیں بھی واجب ہوں۔

جو شخص کسی ضرورت کے لیے کہیں ٹھہرا ہوا ہو کہ جب پوری ہوئی روانہ ہوجائے گا تو قصر ختم نہیں ہوگا، خواہ کتنی مدت گزر جائے، ہاں اگر اسے معلوم ہوجائے کہ چار دن سے پہلے ضرورت پوری نہیں ہوگی تو قصر ختم ہوجائے گا۔ اگر کسی شخص نے قیام کی نیت نہیں کی اور طویل عرصہ کسی جگہ مقیم رہا تو قصر کرے گا۔

جس شخص نے نماز کے دوران قیام کی نیت کرلی، نماز توڑ دے، مستحب یہ ہے کہ اگر ایک رکعت کا سجدہ کرلیا ہے تو دو رکعات مکمل کرلے۔ اگر پوری نماز پڑھ لی تو وہ پوری نہیں ہوئی اور اگر قصر کی تو قصر نہیں ہوئی۔ اگر نماز مکمل کرنے کے بعد قیام کی نیت کی تو اگر نماز کا معمول کا وقت باقی ہے تو دوبارہ نماز پڑھے۔

قیام کی جگہ کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ قیام کے لیے مناسب ہو البتہ اگر کوئی شخص میدان جنگ میں دشمن کی سرزمین پر چار روز یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کرلے تو اس کا سفر ختم نہیں ہوتا، وہ قصر جاری رکھے۔

شافعیہ کے نزدیک: (۴۴)

اگر مسافر آنے جانے کے دونوں دنوں کو چھوڑ کر پورے چار دن رات قیام کی نیت کرتا ہے یا مطلقاً قیام کی نیت کرتا ہے، جگہ خواہ قیام کے قابل ہو یا قیام کے قابل نہ ہو مثلاً صحرا ہو، صحیح قول یہی ہے کہ قصر چھوڑ دے اور اگر چار دن سے کم قیام کی نیت کرتا ہے

تو قصر جاری رکھے، اگر اسے کوئی کام ہے جس کے بارے میں اسے یقین ہے کہ چار دن میں مکمل نہیں ہوگا تو پوری نماز پڑھے، قصر نہ کرے، خواہ قیام کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

اگر کسی جگہ اس نیت سے ٹھہرا ہوا ہے کہ جونہی کام ہوجاتا ہے روانہ ہوجائے گا اور کسی بھی وقت کام ہونے کی توقع ہو تو اٹھارہ دن مکمل ہونے تک قصر کرتا رہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

حنابلہ کے نزدیک: (۴۵)

اگر مسافر نے کوئی مدت مقرر کیے بغیر مطلقاً قیام کی نیت کرلی، خواہ جگہ قیام کے قابل نہ ہو مثلاً صحرا ہو یا دشمن کا علاقہ یا بیس نمازوں سے زائد قیام کی نیت کرلی یا آنے جانے کے دنوں سمیت چار روز قیام کی نیت کرلی تو نماز مکمل کرے۔

اگر کسی کام کے لیے کہیں ٹھہرا ہوا ہو اور کسی بھی وقت کام ہونے کی توقع ہو تو قصر جاری رکھے، خواہ کئی سال گزر جائیں، یہی جمہور کی رائے ہے البتہ شافعیہ کے نزدیک اس صورت میں اٹھارہ دن تک قصر جاری رکھا جاسکتا ہے۔

۲۔ مستقل قیام کی جگہ لوٹ آنا یا لوٹ آنے کی نیت کرنا:

اس صورت کو ہم رہائش اور وطن کی جدید اصطلاحات کی روشنی میں، ماضی میں فقہاء کی اصطلاحات پر اعتماد کرتے ہوئے واضح کریں گے۔ جدید اصطلاحات درج ذیل ہیں:

ا۔ **وطن:** یعنی وہ ملک جس کی طرف کوئی شخص منسوب ہے، جس ملک کی قومیت کا حامل ہے اس کا تعلق دور جدید کے ممالک کی تقسیم سے ہے اور اس کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔

ب۔ **مستقل قیام کی جگہ:** کام کرنے یا معیشت کی وہ جگہ جہاں رہائش ہو۔

ج۔ **جائے پیدائش:** وہ شہر جہاں پیدا ہوا، پلا بڑھا، جہاں خاندان اور قبیلہ رہتا ہو۔

یہ دونوں حنفیہ کے نزدیک وطن اصلی کہلاتے ہیں کیوں کہ یہ جائے پیدائش یا شادی کی جگہ ہے یا وہ جگہ جسے بطور وطن اختیار کرلیا گیا ہے۔

د۔ **وقتی رہائش کی جگہ:** وہ جگہ جہاں آدمی کچھ وقت کے لیے مقیم ہوتا ہے یا کسی کام کے لیے، یہ مدت کبھی طویل ہوتی ہے اور کبھی مختصر، اگر یہ نصف ماہ سے زائد ہو تو حنفیہ اس کو وطن اقامت (یعنی مستقل رہائش) کہتے ہیں اور اگر نصف سے کم ہو تو وطن سکنی (یعنی عارضی رہائش) کہلاتا ہے۔

ہ۔ **بیوی کا شہر:** وہ شہر جس میں بیوی رہتی ہو۔ بیوی خواہ ایک ہو یا دوسری ہو، یہ بھی وطن اصل کے مفہوم میں داخل ہے۔

ہماری بحث کا دائرہ کار آخری چار اصطلاحات تک محدود ہے۔

حنفیہ کے نزدیک (۴۶) وطن کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ **وطن اصلی:** جس میں پیدا ہوا یا جہاں شادی کی یا شادی نہیں کی لیکن جہاں رہائش اختیار کرلی اور وہاں سے منتقل ہونے کی نیت نہیں ہے۔

۲۔ **وطن اقامت:** جہاں نصف ماہ یا اس سے زائد رہنے کی نیت ہو۔

۳۔ **وطن سکنی:** جس میں نصف ماہ سے کم رہنے کی نیت ہو، محققین نے وطن کی تبدیلی میں اس کا اعتبار نہیں کیا۔

مسافر عادتاً کب پوری نماز پڑھے؟: جب مسافر اپنے مستقل قیام کے شہر میں داخل ہو تو پوری نماز پڑھے، خواہ وہاں قیام کی نیت نہ ہو اور کسی کام کے لیے وہاں گیا ہو کیوں کہ وہی رہائش کی اصل جگہ ہے اور جب وہاں پہنچ گیا تو سفر ختم ہوگیا اور رخصت کا سبب جاتا رہا۔ یہ تب ہے کہ تین دن رات کا سفر طے کرنے کے بعد وہاں پہنچا اگر اس سے پہلے وہاں پہنچا ہے تو محض واپسی کی نیت سے سفر ختم ہوجائے گا کیوں کہ اب وہ سفر نہیں رہا جس

سے قصر جائز ہو، لہٰذا دو صورتوں میں پوری نماز پڑھنا واجب ہے: وطن میں پہنچ جائے یا سفر کی مسافت طے کیے بغیر واپسی کی نیت کر لے۔ اگر سفر کی مسافت طے کرنے کے بعد واپسی کی نیت کی تو جب تک اپنے شہر میں پہنچ نہ جائے قصر جاری رکھے۔

وطن سے منتقل ہونے کی صورت میں مسافر کب نماز مکمل کرے اور کب قصر کرے؟

۱۔ **وطن اصلی سے منتقل ہونا:** اگر مستقل رہائش مثلاً ملازمت کی جگہ سے ایسی مستقل رہائش کی طرف سفر کیا جہاں بیوی رہتی ہے یا جو جائے پیدائش ہے اور وہاں اس کا خاندان یعنی بیوی بھی ہے مثلاً گاؤں میں تو پوری نماز پڑھے، مثلاً ایک شخص دمشق میں ملازم ہے، پھر گاؤں میں اپنی بیوی سے ملنے گیا تو پوری نماز پڑھے، خواہ ملازمت کی جگہ اور گاؤں کے درمیان قصر کی مسافت ہو یا نہ ہو کیوں کہ یہ دونوں اس کے وطن اصلی ہیں۔

اگر گاؤں میں اس کی بیوی بچے نہ ہوں، صرف زمین اور مکان ہو تو قصر نماز پڑھے کیوں کہ جائے پیدائش اگرچہ وطن اصلی ہے لیکن اب ملازمت کی جگہ کے وطن اصلی ہونے کی وجہ سے پہلا وطن اصلی ختم ہو گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے خاندان اور سامان کے ساتھ کسی دوسرے شہر میں چلا جائے تو پہلا وطن اصلی باقی نہیں رہتا۔ اگر کسی کام سے پہلے شہر میں واپس جاتا ہے تو اس میں قصر نماز ہی واجب ہوتی ہے۔

اگر اپنی ملازمت کی جگہ سے اپنے تمام خاندان کے ساتھ منتقل ہونے کے بعد اور کسی دوسری جگہ کو وطن بنانے کے بعد واپس وہاں آتا ہے تو وہاں قصر کرے گا کیوں کہ اب یہ جگہ اس کا وطن نہیں رہی کیوں کہ وطن اصلی دوسرے وطن اصلی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے، سفر سے نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپؐ نے اپنے آپ کو مسافر ہی سمجھا۔ اگر کچھ وقت کے لیے کسی دوسرے شہر میں گیا مثلاً چند دنوں کے لیے دمشق سے حلب چلا گیا، پھر واپس دمشق آ گیا تو پوری نماز

پڑھے گا کیوں کہ وطن اقامت اور سفر کی وجہ سے وطن اصلی متاثر نہیں ہوتا۔ وطن اصلی اپنے سے کم درجے کی کسی چیز سے ختم نہیں ہوگا، اپنے برابر یا اپنے سے بلند درجہ کی کسی چیز سے ختم ہوگا۔

ب۔ عارضی رہائش گاہ (وطن اقامت) سے منتقل ہونا۔ جو شخص مختلف شہروں میں گھوم رہا ہے، ایک جگہ مثلاً پندرہ دن ٹھہرنے کے بعد وہاں سے چل پڑا، واپس اگر وہاں آ گیا تو جب تک نئے سرے سے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے قصر کرے گا، کیوں کہ وطن اقامت دوسری جگہ اقامت اختیار کرنے سے، سفر کرنے سے اور وطن اصلی سے باطل ہوجاتا ہے۔

اگر کسی شخص نے وطن اقامت کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے سفر شروع کیا ہے، اگر سفر میں وطن اقامت آتا ہے اور جہاں سے سفر شروع کیا اس جگہ سے وطن اقامت تک سفر کی مسافت نہیں ہے تو وطن اقامت باطل نہیں ہوگا۔

مالکیہ کے نزدیک:(۴۷)

اگر مسافر اپنے اصلی شہر میں جہاں پلا بڑھا، جس کی طرف منسوب ہے وہاں لوٹ آئے یا وہاں سے گزرے یا اس شہر میں جہاں مستقل رہائش کی نیت ہو یا ایسی بیوی کے شہر میں جس سے جنسی تعلق رہا ہو اور وہ نافرمان نہ ہوگئی ہو تو نماز پوری پڑھے، خواہ چار روز ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو یا ایسی جگہ جہاں چار روز یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کی ہو وہاں بھی پوری نماز پڑھے۔ اگر ایسی بیوی کے شہر میں پہنچا جس سے جنسی تعلقات نہیں رہے یا جو نافرمان ہوگئی تو وہاں قصر کرنا جائز ہے۔

سفر سے واپسی اس کے حق میں مستقل سفر ہے، اگر اتنی مسافت ہے جس میں قصر ہے تو قصر کرے ورنہ نہیں اور پوری نماز پڑھے۔

اگر واپسی پر اپنے اصلی وطن میں یا بیوی کے شہر میں جانے کی نیت ہے اور اس جگہ

سے آگے جہاں جانے کا ارادہ ہے وہاں تک قصر کی مسافت نہیں ہے تو قصر جائز نہیں ہے۔

شافعیہ کے نزدیک: (۴۸)

وطن سے مراد وہ جگہ ہے جہاں مستقل گرمیوں سردیوں میں رہائش ہو اور واپس وطن آنے سے قصر کی رخصت ختم ہوجاتی ہے۔ نیز کسی بھی جگہ مطلقاً مقیم ہونے کی نیت کی یا پورے چار دن ٹھہرنے کی نیت کی یا کسی کام کے لیے جو چار دن سے پہلے نہیں ہوسکتا ٹھہرنے کی نیت کی تو پوری نماز پڑھے۔ اسی طرح اگر کہیں ٹھہرا ہوا ہے، سفر نہیں کررہا اور مستقل ہے کسی کے تابع نہیں اور وہاں سے وطن کی طرف لوٹنے کی نیت کرلے یا لوٹنے میں متردد ہو تو قصر ممنوع ہوجاتا ہے، جہاں ٹھہرا ہوا ہے خواہ وہ ٹھہرنے کے قابل جگہ نہ ہو بلکہ جنگل ہو لیکن وہاں سے وطن کی مسافت قصر کی مسافت سے کم ہو اور اگر سفر میں ہے یا کسی دوسرے کا تابع ہے جیسے بیوی شوہر کے تابع ہوتی ہے اور واپسی کی نیت کرے تو جب تک واپس پہنچ نہ جائے قصر کرے۔ اگر محض وطن سے گزرنے کی نیت ہے وہاں ٹھہرنے کی نیت نہیں ہے تو بھی قصر کرے۔ نیز اگر کسی جگہ کسی کام کی غرض سے رکا ہوا ہے اور کسی بھی وقت کام مکمل ہونے کی امید ہے تو جب تک اٹھارہ دن گزر نہ جائیں قصر کرتا رہے اور اگر وطن کے علاوہ کسی اور طرف لوٹ کر جانے کی نیت ہے (یعنی مستقل قیام کی جگہ کے علاوہ) خواہ وہاں بیوی بچے ہوں تب بھی قصر کرے۔ اگر واپسی وطن کے علاوہ کسی اور جگہ کی ہے اور واپسی کسی کام سے نہیں ہے تو قصر نہ کرے اور اگر واپسی کسی کام سے ہے مثلاً نہانے دھونے کے لیے تو قصر کرے۔

حنابلہ کے نزدیک: (۴۹)

جو شخص واپس اپنے وطن آرہا ہو جہاں سے سفر کیا ہے یا قصر کی مسافت طے کیے بغیر واپسی کی نیت کرلے تو قصر نہ کرے بلکہ پوری نماز پڑھے۔ اگر راستے میں وطن سے گزرے اور گزرنے کے علاوہ کوئی کام نہ ہو تب بھی پوری نماز پڑھے کیوں کہ وہ مقیم کے

حکم میں ہے۔

اگر ایسے شہر سے گزرے جہاں اس کی بیوی رہتی ہے، خواہ اپنا وطن نہ ہو تو جب تک وہاں سے چل نہ پڑے وہاں پوری نماز پڑھے کیوں کہ یہاں بھی وہ مقیم کے حکم میں ہے۔

یا ایسے شہر سے گزرے جس میں اس نے شادی کی ہو تو جب تک وہاں سے چل نہ پڑے پوری نماز پڑھے، کیوں کہ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس نے کسی جگہ شادی کرلی وہ وہاں پوری نماز پڑھے (۵۰) بظاہر بیوی کی جدائی کے بعد بھی۔ اگر مذکورہ بالا صورتیں نہ ہوں اور وہاں کسی شخص کے ماں باپ، مال مویشی اور ساز و سامان ہو تو قصر کی ممانعت نہیں ہے۔

مختلف مذاہب میں ان صورتوں کا خلاصہ جن میں قصر ممنوع ہے اور مسافر مقیم کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک: (۵۱) ایک شہر یا آبادی میں نصف ماہ ٹھہرنے کی نیت کرنا، اگر دو شہروں کی نیت کی اور رات کسی شہر میں گزارنے کی نیت نہیں کی تو قصر کرے، وطن واپسی یعنی مستقل قیام کی جگہ واپسی اگر اپنے شہر سے قصر کی مسافت طے کرلی، اگر مسافر مقیم کی اقتدا میں نماز پڑھے یا کسی شخص کی مستقل رائے نہ ہو یا کسی متعین منزل کا قصد نہ ہو تو پوری نماز پڑھے۔

مالکیہ کے نزدیک: (۵۲) مندرجہ ذیل پانچ صورتوں میں کسی بھی ایک سے قصر ختم ہو جاتا ہے:

۱۔ جس شہر واپس جانا ہے اس میں داخل ہو جائے، خواہ وطن ہو یا نہ ہو، اگر عارضی وطن چھوڑنے کے بعد واپس وہاں آیا لیکن وہاں چار دن قیام کی نیت نہیں ہے تو قصر کرے۔

جس شہر سے سفر کیا ہے سے مراد مسافر کا وطن یا راستے میں آنے والا بیوی کا وطن

ہے۔ ایسے شہر میں داخل ہونے سے قصر ختم ہوجاتا ہے کیوں کہ اس میں قیام کا احتمال ہے۔ تب قیام کی نیت سے قصر ختم ہوجاتا ہے تو ایسے شہر میں داخل ہونے سے جس میں قیام کا احتمال ہے بطریق اَولیٰ سفر ختم ہوجائے گا۔

۲۔ قصر کی مسافت طے کرنے سے پہلے وطن واپسی یا ایسی بیوی کے گھر واپسی جس سے جنسی تعلق رہا ہو۔ محض واپسی شروع کرنے سے سفر کا حکم ختم ہوجاتا ہے۔

۳۔ راستے میں گزرتے ہوئے وطن سے گزرنا، خواہ وہاں سے گزر کر دوسری جگہ جانا ہو۔

۴۔ کسی جگہ پورے چار دن اس طرح ٹھہرنا کہ وہاں بیس نمازیں واجب ہوتی ہوں یا پہلے سے معلوم ہو کہ یہاں عام طور پر چار دن کا قیام ہوتا ہے، قافلے چار دن رکتے ہیں۔

۵۔ ایسی بیوی کے ہاں جانا جس سے جنسی تعلق رہا ہو کیوں کہ وہ بھی وطن کے حکم میں ہے۔ قریبی رشتہ داروں مثلاً ماں باپ کے ہاں جانے سے سفر ختم نہیں ہوتا اور قصر کی ممانعت نہیں ہوتی۔

شافعیہ کے نزدیک: (۵۳) پورے چار روز کسی جگہ ٹھہرنے کی نیت سے قصر ممنوع ہوجاتا ہے نیز وطن (مستقل قیام گاہ) واپسی سے، مسافر کے مقیم کی اقتدا کرنے سے یا جس کے سفر میں شک ہو اس کی اقتدا کرنے سے، کسی متعین منزل کے بغیر سفر کرنے سے اور قصر کی مسافت سے کم میں اپنی مستقل رائے نہ ہونے سے، گناہ کے سفر میں، نماز کے دوران سفر ختم کردینے سے اور تکبیر تحریمہ کے وقت قصر کی نیت نہ کرنے سے قصر ممنوع ہوجاتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک: (۵۴) اکیس صورتوں میں قصر ممنوع ہوجاتا ہے اور پوری نماز پڑھنا واجب ہوتی ہے:

۱۔ مسافر اپنے وطن سے گزرے، خواہ گزرنے کے علاوہ کوئی کام نہ ہو۔

۲۔ بیوی کے شہر سے گزرے، خواہ اپنا وطن نہ ہو۔

۳۔ ایسے شہر سے گزرے جہاں شادی کی ہے۔ یہ تینوں صورتیں ابھی اوپر گزری ہیں۔

۴۔ مقیم ہونے کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہی، پھر سفر شروع ہوا۔

۵۔ قیام کے دوران نماز کا وقت شروع ہوا، پھر سفر شروع کیا۔

۶۔ چار رکعت والی نماز حالت سفر میں شروع کی لیکن پھر مقیم ہوگیا مثلاً نماز کے دوران کشتی وطن میں پہنچ گئی تو قیام کی حالت کو ترجیح ہوگی۔

۷۔۸۔ قیام کے دوران کی نماز سفر میں یا سفر کی نماز قیام کے دوران میں یاد آئی تو اسے پوری پڑھنا ضروری ہے کیوں کہ اصل پوری پڑھنا ہے اور قیام کی حالت کو ترجیح ہے۔

۹۔۱۰۔ مقیم کے پیچھے نماز پڑھی یا ایسے شخص کے پیچھے جس نے پوری نماز کا التزام کیا۔

۱۱۔ ایسے شخص کی اقتدا میں نماز پڑھی جس کے مسافر ہونے میں شک ہے یا غلبۂ ظن یہ ہے کہ وہ مقیم ہے، خواہ بعد میں اسے مسافر ہونے کا یقین ہوگیا ہو لیکن تکبیر تحریمہ کہتے وقت اس کے مسافر ہونے کا یقین نہیں تھا۔

۱۲۔ ایسی نماز شروع کی جس کو پورا پڑھنا ضروری تھا، پھر نماز ٹوٹ گئی اور اس کا اعادہ کررہا ہے۔ مثلاً مقیم کے پیچھے نماز شروع کی، پھر نماز کے دوران وضو ٹوٹ گیا تو پوری نماز واجب ہوگئی کیوں کہ پہلے پوری واجب ہوئی تھی، اب اسے قصر پڑھنا جائز نہیں۔

۱۳۔ اگر نماز شروع کرتے وقت یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت قصر کی نیت نہیں کی تو پوری پڑھنا واجب ہے کیوں کہ اصل یہی ہے اور مطلق نیت کا مطلب یہ ہے کہ پوری نماز کی نیت کی گئی ہے۔

۱۴۔ اگر نماز میں شک پڑجائے کہ کیا قصر کی نیت کی یا پوری پڑھنے کی۔ اگر بعد میں نماز کے دوران یاد آجائے تب بھی پوری نماز پڑھی جائے کیوں کہ نماز کا بعض حصہ ایسا گزرا ہے کہ اس میں پوری نماز پڑھنا واجب تھی اس لیے اسے ہی ترجیح حاصل ہوگی کیوں کہ

اصل یہی ہے کہ پوری نماز پڑھی جائے۔

۱۵۔ اگر دانستہ سفر میں پوری یا کچھ نماز چھوڑ دی یعنی بلا عذر مؤخر کردی اور نماز کا وقت نکل گیا تو پوری نماز پڑھنا ضروری ہے، اسے حرام سفر پر قیاس کریں گے کیوں کہ نماز بلاعذر دانستہ مؤخر کرنے سے مسافر گناہ گار ہوگیا۔

۱۶۔ اصل سفر میں گناہ کی نیت تھی مثلاً ڈاکا ڈالنے کی، بعد میں نیت چھوڑ دی اور واپس لوٹ آیا لیکن واپسی کی جگہ اور وطن کے درمیان قصر سے کم مسافت ہے۔

۱۷۔ گناہ کے سفر میں اگر نماز کے دوران توبہ کرلی تو پوری نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اگر یہ اعتقاد ہو کہ قصر حرام ہے پھر بھی پوری پڑھے، خواہ اس کا اعتقاد غلط ہی ہو۔

۱۸۔ اگر نماز میں قصر کی نیت کے بعد پوری نماز پڑھنے کی نیت کرلی تو پوری پڑھنا واجب ہے کیوں کہ اصل کی طرف لوٹ گیا۔

۱۹۔ اگر کسی شہر میں خواہ دشمن کے علاقے میں یا کسی جنگل میں جہاں قیام نہیں ہوسکتا ٹھہرنے کی مطلق نیت کرلی اور وقت متعین نہیں کیا تو پوری نماز پڑھے کیوں کہ سفر جس کی وجہ سے قصر مباح تھا قیام کی نیت سے ختم ہوگیا۔

۲۰۔ اگر بیس نمازوں سے زائد ٹھہرنے کی نیت کی تو پوری نماز پڑھے۔

۲۱۔ اگر نیت میں شک پڑ گیا کہ اتنے قیام کی نیت کرلی تھی جس سے قصر ممنوع ہوجاتا ہے یا نہیں تو پوری نماز پڑھے کیوں کہ پوری پڑھنا اصل ہے، شک ہونے کی صورت میں رخصت کے جواز پر عمل کرنا درست نہیں۔

۶۔ سفر میں قضا نماز ادا کرنا:

قضا نمازوں کے ادا کرنے کے طریقے میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے، یہاں ہم فقہاء کی آراء کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک (۵۵)

اگر سفر میں نماز قضا ہوئی تو حضر میں دو رکعات ہی پڑھے جیسا کہ سفر میں قضا ہوئی تھیں اور اگر حضر میں قضا ہوئیں تو سفر میں چار ہی پڑھے، یعنی نماز جیسے فرض ہوئی تھی، اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی ادا قضا کے مطابق ہونی چاہیے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک (۵۶)

حضر میں قضا ہونے والی نماز ہر حال میں چار پڑھی جائے خواہ سفر میں پڑھے یا حضر میں کیوں کہ قصر سفر کی رخصتوں میں سے ایک رخصت ہے، جب سفر ختم ہوگیا تو رخصت ختم ہوگئی جیسے تین دن تک موزوں پر مسح ختم ہوجاتا ہے، نیز نماز پوری فرض ہوئی تھی، پوری ادا کرنا ہوگی۔ سفر میں قضا ہونے والی نماز سفر میں قصر کے ساتھ اور حضر میں پوری پڑھے، شافعیہ کی اظہر روایت یہی ہے۔ چوں کہ سفر میں واجب ہوئی ہے اس لیے اس کے سبب کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

میری رائے میں دونوں آراء برابر ہیں، آدمی ان میں سے جو رائے چاہے اختیار کرلے اور جسے دین کے اعتبار سے محتاط رائے سمجھے اس پر عمل کرے۔

۷۔ سفر میں سنت نمازیں:

نووی کہتے ہیں(۵۷) کہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ سفر میں مطلقاً نوافل پڑھنا مستحب ہیں، سنن مؤکدہ کے مستحب ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، ابن عمرؓ اور دوسرے اہل علم نہیں پڑھتے تھے، امام شافعیؒ اور ان کے متبعین اور جمہور کے نزدیک مستحب ہیں۔

ان کی دلیل وہ عام احادیث ہیں جو سنن مؤکدہ کے استحباب کے بارے میں ہیں، نیز فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چاشت کے نوافل پڑھنا اور جس روز سفر کے دوران سب لوگ سوگئے تھے حتیٰ کہ سورج نکل آیا تو فجر کی سنتیں پڑھنا اور دوسری بہت سی

احادیث ہیں جنہیں اصحاب سنن نے روایت کیا۔ دوسری دلیل، عام نوافل پر قیاس ہے۔

صحیحین میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا، میں نے آپ کو سفر میں نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک روایت میں ہے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا، آپؐ سفر میں دو رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ بھی۔ نووی کہتے ہیں کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جائے قیام پر سنن مؤکدہ پڑھتے ہوں اور ابن عمرؓ نے انہیں نہ دیکھا ہو، کیوں کہ نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں۔ شاید بعض دفعہ آپؐ نے یہ بتانے کے لیے نہ پڑھے ہوں کہ انہیں چھوڑنا جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں (۵۸) اگر مسافر امن اور سکون کی حالت میں ہے یعنی کسی جگہ اتر کر ٹھہرا ہوا ہے تو سنن مؤکدہ پڑھے اور اگر خوف یا بھاگ دوڑ کی حالت میں ہے یعنی سفر کر رہا ہے تو نہ پڑھے اور یہی رائے مختار ہے۔

ابن تیمیہؒ نے اس موضوع پر لکھتے ہوئے کہا ہے: سفر میں مؤکدہ سنتیں پڑھنا جائز ہیں، ائمہ کا اتفاق ہے کہ جو چاہے پڑھے، جو چاہے چھوڑ دے، کبھی ان کا پڑھنا افضل ہوتا ہے کہ انسان کو ان کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی ان کا چھوڑ دینا افضل ہوتا ہے کہ آدمی اس سے بہتر کام میں مشغول ہوتا ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں اور وتر کے علاوہ مؤکدہ سنتیں نہیں پڑھتے تھے اور ظہر سے پہلے یا بعد اور مغرب کے بعد کی سنتوں کے بارے میں کوئی روایت نہیں کہ آپؐ نے سفر میں پڑھی ہوں۔ (۵۹)

مطلب دوم: دو نمازوں کا جمع کرنا:

ا۔ جمع کرنے کا جواز

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے (۶۰) نزدیک ظہر اور عصر کو تقدیماً یعنی پہلی نماز کے وقت

میں اور تاخیراً یعنی دوسری نماز کے وقت میں جمع کرنا جائز ہے اور جمع تقدیم میں جمعہ بھی ظہر کی طرح ہے اور مغرب وعشا کو بھی تقدیماً اور تاخیراً جمع کرنا جائز ہے بشرطیکہ سفر طویل ہو یعنی اس میں قصر جائز ہو (۸۹ کلومیٹر ہو)۔

جو نمازیں جمع کی جاتی ہیں وہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء ہیں، جو دو میں سے کسی ایک کے وقت میں اکٹھی پڑھی جاتی ہیں۔ اگر پہلی نماز کے وقت میں پڑھی جائیں تو جمع تقدیم کہلاتی ہیں اور دوسری کے وقت میں پڑھی جائیں تو جمع تاخیر۔ افضل یہ ہے کہ جمع نہ کرے تاکہ اختلاف سے بچ سکے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس پر عمل نہیں کیا۔ اگر افضل ہوتا تو قصر کی طرح آپؐ اس پر بھی ہمیشہ عمل کرتے۔

جمع تاخیر صحیحین کی احادیث سے ثابت ہے جو حضرت انسؓ اور ابن عمرؓ نے روایت کی ہیں۔ پہلی حدیث حضرت انسؓ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر سورج ڈھلنے سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر کی نماز کو عصر تک مؤخر کردیتے، پھر اتر کر دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے، اگر سورج ڈھل گیا ہوتا تو روانگی سے پہلے ظہر پڑھ لیتے پھر روانہ ہوتے۔(۶۱)

ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ انہیں اپنے خاندان کی طرف سے فوراً پہنچنے کا پیغام ملا تو انہوں نے تیز رفتاری سے سفر شروع کیا اور مغرب کی نماز مؤخر کردی، جب شفق غروب ہوگئی تو اتر کر مغرب اور عشا جمع کرلیں، پھر بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تیزی سے سفر کرتے تو ایسا ہی کرتے تھے۔(۶۲)

جمع تقدیم کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں جب مغرب کے بعد روانہ ہوئے تو آپؐ نے عشا کی نماز مغرب کے ساتھ پڑھ لی اور پھر روانہ ہوگئے۔(۶۳)

حنفیہ کے نزدیک (۶۴) حج کا احرام باندھنے والے کے لیے عرفہ کے دن ظہر اور

عصر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع تقدیم کے طور پر جائز ہے کیوں کہ عصر اپنے مقررہ وقت سے پہلے ادا کی جارہی ہوتی ہے اس لیے اقامت کے ذریعے لوگوں میں اس کا اعلان کردیا جائے اور مزدلفہ کی رات مغرب اور عشا ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جمع تاخیر کے طور پر جائز ہے، چوں کہ عشا اپنے وقت پر پڑھی جارہی ہے اس لیے نئے اعلان کی ضرورت نہیں۔ ان کے علاوہ دو نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نمازوں کے اوقات تواتر سے ثابت ہیں، انہیں خبر واحد کی بنا پر چھوڑنا جائز نہیں۔ ابن مسعودؓ کی روایت ہے جسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز اپنے وقت پر پڑھی، کبھی آگے پیچھے نہیں پڑھی، البتہ دو نمازیں، ظہر اور عصر عرفہ میں جمع کیں اور مغرب وعشا مزدلفہ میں۔

درست بات یہ ہے کہ سنت سے دو نمازوں کا جمع کرنا ثابت ہے اور سنت قرآن کی طرح ماٴخذ شریعت ہے۔

۲۔ دونمازوں کو جمع کرنے کے اسباب وشرائط:

جمع تقدیم وتاخیر کو جائز قرار دینے والے متفق ہیں کہ تین حالتوں میں نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے: سفر ہو، بارش، برف یا سردی ہو اور عرفہ اور مزدلفہ میں جمع کرنا، ان کے علاوہ دوسری صورتوں میں نمازیں جمع کرنے اور ان کو جمع کرنے کی شرائط میں اختلاف ہے۔

مالکیہ کی رائے (۶۵) میں ظہر وعصر کو اور مغرب وعشا کو تقدیماً اور تاخیراً جمع کرنے کے چھ اسباب ہیں: سفر، بارش، کیچڑ اور تاریکی، بیماری مثلاً بے ہوشی وغیرہ، عرفہ میں جمع کرنا، مزدلفہ میں جمع کرنا۔ عرفہ اور مزدلفہ میں نمازیں جمع کرنا سنت ہیں باقی مواقع پر مرد اور عورت دونوں کے لیے جمع کرنے کی اجازت ہے۔

سفر میں مطلقاً نمازیں جمع کرنا جائز ہیں، قصر کی مسافت ہو، سفر خواہ طویل ہو یا مختصر،

بشرطیکہ خشکی کا سفر ہو، سمندر کا نہ ہو، سمندر کے سفر میں جمع جائز نہیں کیوں کہ رخصت کو انہیں صورتوں میں محدود رکھنا ضروری ہوتا ہے جن میں رخصت دی گئی ہو۔ سفر نہ تو کسی گناہ کے لیے ہو اور نہ محض تفریح کے لیے۔

جمع تقدیم کے لیے سفر میں دو شرائط ہیں:

۱۔ سورج ڈھلنے کے بعد یعنی ظہر کے وقت مسافر آرام کے لیے کہیں ٹھہرا ہوا ہو۔

۲۔ عصر کے وقت سے پہلے سفر پر روانہ ہونا چاہتا ہے اور سورج غروب ہونے کے بعد آرام کے لیے ٹھہرنا چاہتا ہے۔ اگر سورج زرد ہونے سے پہلے آرام کرنا چاہتا ہے تو صرف ظہر پڑھے اور اور عصر کو اس کے اختیاری وقت تک مؤخر کرنا واجب ہے۔ اگر پہلے پڑھ لی تو بھی نماز ہوجائے گی۔

اگر سورج زرد ہونے کے بعد اور غروب سے پہلے آرام کی نیت ہے تو ظہر کی نماز اپنے وقت پر پڑھے اور عصر کے بارے میں اسے اختیار ہے، اگر چاہے تو پہلے پڑھ لے اور اگر چاہے تو بعد میں پڑھے، جب آرام کے لیے اترے۔

اگر ظہر کا وقت داخل ہوجائے یعنی سورج ڈھل جائے اور مسافر چل رہا ہو، اگر سورج زرد ہونے کے وقت یا اس سے پہلے ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو ظہر مؤخر کرلے اور اسے عصر کے ساتھ عصر کے وقت میں جمع کرلے۔ اگر غروب کے بعد اترنا ہو تو دونوں نمازیں صورتاً جمع کرلے کہ ظہر اس کے اختیاری وقت کے آخر میں پڑھے اور عصر اختیاری وقت کے شروع میں پڑھے۔

مغرب اور عشا کا بھی یہی حکم ہے، اسی تفصیل کے ساتھ، لیکن اس فرق سے کہ سورج کا غروب ہونا ظہر کے وقت سورج کے زوال کے قائم مقام ہوگا اور طلوع فجر غروب کے، رات کے آخری دو تہائیوں کی ابتدا سورج زرد ہونے کے قائم مقام ہوگا۔

اگر بیماری ہو مثلاً پیٹ وغیرہ خراب ہو تو صورتاً نماز جمع کرنا جائز ہے، یعنی پہلی نماز

اس کے اختیاری وقت کے آخر میں پڑھے اور دوسری نماز اختیاری وقت کے اوّل میں پڑھے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں نماز مکروہ نہیں ہوتی، صحت مند آدمی کے لیے صورتاً نماز میں جمع کرنا جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

جسے یہ اندیشہ ہو کہ دوسری نماز (عصر یا عشا) کے داخل ہونے کے وقت بے ہوش ہوجائے گا یا بخار ہوجائے گا تو وہ دوسری نماز بھی پہلی کے ساتھ پڑھ لے۔ راجح قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مریض کو اگر خوف ہو کہ اس کی عقل متاثر ہو جائے گی تو نمازیں جمع کرلے یا جمع کرنے سے آسانی ہو تو پہلی نماز کے وقت میں دونوں نمازیں پڑھ لے۔

بارش، سردی، برف یا سخت تاریکی اور کیچڑ ہو یا کیچڑ کے ساتھ تاریکی کا اندیشہ ہو تو صرف جمع تقدیم اس شخص کے لیے جائز ہے جو مغرب اور عشاء کی نمازیں مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھے، جب بارش موسلا دھار ہو کہ معزز لوگوں کو سر ڈھانپنا پڑیں اور پالا یا کیچڑ اس قدر زیادہ ہو کہ معزز افراد چپل نہ پہن سکیں۔ اگر پالا اور تاریکی دونوں ہوں تو نمازیں جمع کرنا جائز ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک ہو تو جائز نہیں۔

اگر نمازیں جمع کرنے کا آغاز کردیا بعد میں بارش رک گئی تو انہیں جاری رکھنا جائز ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس طرح دو نمازیں ہر نماز کے لیے الگ الگ اذان اور اقامت کے ساتھ جمع کی جائیں۔ پہلی اذان مغرب کے لیے بُلند آواز سے مینار سے ہو اور دوسری مسجد میں پست آواز سے اور مغرب کی نماز اذان ختم ہونے کے بعد اتنی دیر مؤخر کرنا مستحب ہے جتنی دیر میں تین رکعات پڑھی جاتی ہیں۔ پھر لوگ نوافل پڑھے بغیر اپنے گھروں کو چلے جائیں کیوں کہ اس وقت نفل مکروہ ہیں۔ نمازیں جمع کرنے کے بعد مسجد میں نوافل پڑھنا مکروہ ہیں اور وتر بھی تا آنکہ شفق غائب ہوجائے۔

دو نمازوں کے درمیان نفل نہ پڑھے، نفل مکروہ ہیں لیکن ان کی وجہ سے نمازیں جمع

کرنا ممنوع نہیں ہو جاتیں۔ مسجد کے پڑوس میں رہنے والا خواہ بیمار ہو اور اس کے لیے مسجد جانا باعث مشقت ہو یا عورت ہو لیکن اس کے لیے کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لیے اسطرح نمازیں جمع کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح اکیلے مسجد میں نماز پڑھنے والے کے لیے اس طرح نمازیں جمع کرنا جائز نہیں، ہاں اگر مستقل امام مسجد ہو اور اسے واپس گھر جانا ہو تو اکیلا جمع کرسکتا ہے لیکن جمع اور امامت دونوں کی نیت کرے اس کی تنہا نماز جماعت کے قائم مقام ہوگی۔

پہلی نماز میں جمع کی نیت کرنا واجب ہے جیسا کہ امامت کی نیت واجب ہے۔

حج کے دوران نمازیں جمع کرنا بالاتفاق سنت ہیں۔ حاجی کے لیے مسنون ہے کہ عرفہ میں ظہر اور عصر جمع تقدیم کے ساتھ پڑھے، خواہ عرفات کا رہنے والا ہو یا مقامات حج میں سے کسی جگہ مثلاً منی اور مزدلفہ کا یا باہر کا رہنے والا ہو۔ جو عرفات کا رہنے والا نہ ہو، وہ خواہ مسافر نہ ہو اور اس کا سفر قصر کی اجازت نہ دیتا ہو تب بھی قصر کرے، یہ سنت ہے۔

نیز حاجی کے لیے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازیں جمع تاخیر کے ساتھ پڑھنا سنت ہیں اور اہل مزدلفہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے عشاء کی نماز قصر پڑھنا سنت ہے کیوں کہ قاعدہ یہ ہے کہ نمازیں جمع کرنا ہر حاجی کے لیے سنت ہے اور قصر کرنا صرف ان لوگوں کے لیے جو اس جگہ یعنی عرفات یا مزدلفہ کے رہنے والے نہیں ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک (٦٦) صرف سفر، بارش اور حج میں عرفہ اور مزدلفہ میں جمع جائز ہے۔

بارش، برف یا شدید سردی کے باعث، اظہر یہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے جمع تقدیم جائز ہے جو دور کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، راستے میں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو، جدید مذہب کے مطابق جمع تاخیر جائز نہیں کیوں کہ مسلسل بارش رہنا غیر یقینی ہے، کسی وقت بند ہوجاتی ہے، اور جمع تاخیر بلا عذر نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنے کا سبب بنتی ہے، جمع تقدیم کے جائز ہونے کی دلیل صحیحین کی روایت ہے جو ابن عباسؓ سے

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مدینہ منورہ ظہر اور عصر کی اکٹھی اور مغرب وعشا کی اکٹھی نمازیں پڑھائیں۔ مسلم میں اس کا اضافہ ہے ''بغیر خوف اور سفر''۔ جمع تقدیم کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ پہلی نماز کے سلام پھیرتے وقت بارش برستی ہو تاکہ پہلی نماز کو دوسری کے ساتھ ملائے۔ اس لیے دونوں نمازوں کے درمیان بارش کا مسلسل برسنا ضروری ہے۔ اور اس کے علاوہ بارش کے تھمنے میں کوئی حرج نہیں۔

جمعہ کے روز بارش میں عصر کی نماز جمع تقدیم کے طور پر پڑھی جاسکتی ہے، خواہ خطبے کے دوران بارش نہ ہو رہی ہو کیوں کہ خطبہ نماز کا حصہ نہیں ہے۔

مشہور یہ ہے کہ کیچڑ پڑنے، آندھی، تاریکی اور بیماری کی صورت میں جمع کرنا جائز نہیں کیوں کہ نمازوں کے اوقات کی حدیث کی مخالفت صریح نص کی موجودگی کے بغیر جائز نہیں۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت بیمار ہوتے رہے لیکن آپؐ سے صراحتاً نمازیں جمع کرنا منقول نہیں ہے۔ نیز جو شخص بوڑھا ہو اور اس کا گھر مسجد سے بہت دور ہو، ظاہری مشقت کے باوجود اس کے لیے جمع کرنا جائز نہیں، مریض کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

عرفہ میں حاجی کے لیے جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر مستحب ہے جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے۔ اگر سفر طویل ہو تو جس طرح قصر جائز ہے اسی طرح جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں جائز ہیں۔

جمع تقدیم کی چھ شرائط ہیں:

۱۔ جمع کی نیت: پہلی نماز کے شروع میں یا اظہر روایت کے مطابق پہلی کے درمیان میں سلام پھیرنے تک کسی وقت بھی جمع تقدیم کی نیت کرے۔

۲۔ ترتیب: پہلے وقتی نماز پڑھے، یعنی پہلی نماز پہلے پڑھے پھر دوسری کیوں کہ وقت پہلی نماز کا ہے دوسری پہلی کے تابع ہے، اس لیے متبوع کو مقدم کرنا ضروری ہے۔ اگر پہلی

کو مقدم رکھتے ہوئے دونوں نمازیں پڑھ لیں، بعد میں معلوم ہوا کہ پہلی نماز کسی شرط یا رکن کے رہ جانے کی وجہ سے نہیں ہوئی تو دوسری خود بخود فاسد ہوجائے گی کیوں کہ پہلی سے شروع کرنے کی شرط پوری نہیں ہوئی۔ صحیح قول یہ ہے کہ دوسری نفل ہوجائے گی۔

۳۔ مسلسل پڑھنا: یعنی دونوں نمازوں کے درمیان طویل وقفہ نہ ہو، کیوں کہ جمع کرنا انہیں ایک نماز کی طرح بنادیتا ہے، اس لیے تسلسل برقرار رکھنا ضروری ہے جیسے نماز کی رکعات میں ہوتا ہے، ان میں وقفہ نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ ایک نماز کی مختلف رکعات میں وقفہ درست نہیں۔ اگر دونوں نمازوں کے درمیان طویل وقفہ ہوگیا، خواہ کسی عذر مثلاً سہو یا بے ہوشی سے تو دونوں جمع درست نہیں رہی، اب دوسری نماز اس کے وقت پر پڑھے، کیوں کہ جمع کی شرط نہیں پائی گئی۔ البتہ اگر معمولی وقفہ کیا مثلاً اذان، اقامت اور وضو وغیرہ کا تو اس سے فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ صحیحین میں حضرت اسامہؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ نے ہمیں نمرہ میں دونوں نمازیں اکٹھی پڑھائیں تو دونوں کے درمیان اقامت کہی۔

وقفہ کے طویل یا مختصر ہونے کا اندازہ عرف سے کیا جاسکتا ہے، شریعت یا لغت میں اس کا کوئی ضابطہ مقرر نہیں ہے۔

صحیح یہ ہے کہ وضو کرنے والے کی طرح تیمّم کرنے والا بھی دو نمازیں جمع کرسکتا ہے اور درمیان میں اگر تھوڑا بہت پانی کی تلاش کرلے تو اس وقفے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اس کا تعلق نماز کی مصلحت سے ہے اس لیے اقامت کہنے کے مشابہ ہے بلکہ پانی کی تلاش اس لیے بہتر ہے کہ پانی کی تلاش تیمّم کے لیے شرط ہے جبکہ اقامت نماز کے لیے شرط نہیں۔

یاد رہے کہ یہ تینوں شرائط (جمع کی نیت، ترتیب اور تسلسل) جمع تاخیر میں شرط نہیں ہیں۔

۴۔ **دوسری نماز کی تکبیر تحریمہ کہنے تک سفر جاری رہے:** اگر دوسری نماز کے دوران سفر ختم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر دوسری نماز شروع کرنے سے پہلے سفر ختم ہو گیا تو جمع جائز نہیں کیوں کہ جمع کا سبب باقی نہیں رہا۔

۵۔ **دوسری نماز شروع کرنے تک پہلی نماز کا وقت یقینی طور پر باقی ہو۔**

۶۔ **پہلی نماز کے درست ہونے کا گمان ہو:** اگر کسی ایسی جگہ عصر کی نماز جمعہ کے ساتھ جمع کردی جہاں بلا ضرورت کئی جمعے پڑھے جاتے ہیں اور شک ہو کہ کون سا جمعہ پہلے پڑھا گیا یا کون سے ساتھ ساتھ پڑھے گئے تو اس صورت میں عصر کی نماز جمع تقدیم کے طور پر جائز نہیں۔

جمع تاخیر کے لیے صرف دو شرائط ہیں:

۱۔ پہلی نماز کا وقت نکلنے سے کم از کم ایک رکعت کی مقدار پہلے جمع تاخیر کی نیت کی جائے، یعنی اتنا وقت پہلے نیت کرے کہ اگر اس وقت نماز شروع کرے تو وہ ادا سمجھی جائے ورنہ گناہ گار ہو اور نماز قضا ہو جائے۔ نیت کے شرط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نماز کبھی جمع کرنے کے لیے مؤخر کی جاتی ہے اور کبھی دوسری وجوہ سے مؤخر کی جاتی ہے۔ نیت سے ہی امتیاز ہوگا کہ تاخیر جائز ہے یا جائز نہیں ہے۔

۲۔ دوسری نماز مکمل کرنے تک سفر جاری رہے، کیوں کہ اگر دوسری نماز کے دوران قیام کی نیت کرلی یا سفر ختم ہو گیا تو پہلی نماز (ظہر یا مغرب) قضا متصور ہوگی کیوں کہ وہ عذر کی وجہ سے دوسری نماز کے تابع ہو کر ادا سمجھی جاتی تھی، جب عذر ختم ہو گیا تو اس کی ادا کی حیثیت ختم ہو گئی۔

رہی ترتیب تو وہ واجب نہیں ہے کیوں کہ دوسری نماز کا وقت پہلی نماز کا وقت بھی ہے اس لیے جو نماز چاہے پہلے پڑھ لے، تسلسل بھی ضروری نہیں کیوں کہ پہلی نماز

درحقیقت دوسری وقتی نماز کے ساتھ قضا نماز کی طرح ہے، اس لیے ان میں وقفہ کرنا جائز ہے۔ ترتیب اور تسلسل سنت ہے، شرط نہیں۔

نماز کی سنتیں: اگر ظہر اور عصر کو جمع کرے تو ظہر سے پہلے کی سنتیں پہلے پڑھ لے اور بعد میں بھی پڑھ سکتا ہے۔ خواہ جمع تقدیم کرے یا جمع تاخیر۔ اگر جمع تاخیر کرے تو چاہے ظہر پہلے پڑھے یا عصر سنتیں درمیان میں بھی پڑھ سکتا ہے۔ جب مغرب وعشا کو جمع کرے تو سنتیں بعد میں پڑھے، جمع تاخیر کی صورت میں اگر مغرب پہلے پڑھے تو مغرب کی سنتیں درمیان میں پڑھ سکتا ہے اور اگر جمع تاخیر کی صورت میں عشاء پہلے پڑھے تو عشا کی سنتیں درمیان میں پڑھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ درمیان میں پڑھنا ممنوع ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک (۶۷) آٹھ صورتوں میں جمع تقدیم وتاخیر جائز ہے۔

۱۔ **اتنا طویل سفر ہو جس میں چار رکعات کی نماز کو قصر پڑھنا جائز ہے۔** سفر حرام نہ ہو، مکروہ نہ ہو، دو دن کی مسافت ہو کیوں کہ نماز میں جمع کرنا رخصت ہے اور سفر کی مشقت دور کرنے کے لیے ہے، اس لیے قصر اور تین دن مسح کی اجازت کی طرح طویل سفر کے ساتھ مختص ہے۔

۲۔ **بیماری:** ایسی ہو کہ اگر نمازیں جمع نہ کرے تو مشقت اور ضعف کا شکار ہو جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر خوف اور بارش کے اور ایک دوسری روایت کے مطابق بغیر خوف اور سفر کے (۶۸) نمازیں جمع کیں۔ سفر کے بعد بیماری سے بڑھ کر کون سا عذر ہو سکتا ہے، بلکہ امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ بیماری میں سفر کی بہ نسبت زیادہ مشقت ہے اور مریض کو مسافر کی طرح جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں کی اجازت ہے، جب دونوں کام مریض کے لیے برابر ہوں تو جمع تاخیر زیادہ بہتر ہے۔

۳۔ **دودھ پلانا:** دودھ پلانے والی عورت کے لیے نمازیں جمع کرنا جائز ہے کیوں کہ ہر

نماز کے لیے نجاست سے پاک ہونے میں مشقت ہے اس لیے وہ مریضہ کی طرح ہے۔

۴۔ **ہر نماز کے لیے وضو یا تیمّم سے عاجز ہونا:** جو کوئی ہر نماز کے لیے وضو اور تیمّم کرنے سے عاجز ہو تو اس کے لیے مشقت سے بچنے کے لیے جمع کرنا جائز ہے کیوں کہ وہ بھی مسافر اور مریض کی طرح ہے۔

۵۔ **وقت کا علم ہونے سے عاجز ہو:** جس شخص کو وقت کا علم نہ ہو مثلاً اندھا، اس کے لیے جمع جائز ہے۔

۶۔ **استحاضہ وغیرہ:** استحاضہ والی عورت اور اس کی طرح کے دوسرے معذوروں مثلاً سلسل البول، مذی اور مستقل نکسیر والے کے لیے جمع کرنا جائز ہے کیوں کہ حمنہؓ کی حدیث میں ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ انہوں نے استحاضہ کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: اگر تم یوں کر سکو کہ ظہر کو مؤخر کرلو اور عصر جلدی پڑھ لو اور غسل کر کے دونوں نمازیں جمع کرلو تو ایسا کرلیا کرو(٦٩) جسے سلس البول وغیرہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

۷۔۸۔ **کوئی عذر یا کوئی مصروفیت ہو:** جسے کوئی ایسی مصروفیت ہو یا ایسا عذر ہو جس کی وجہ سے جمعہ اور جماعت چھوڑنے جائز ہوں مثلاً جان، مال یا عزت کا ڈر ہو یا روزگار جس کا ضرورت مند ہے، اس میں نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے دو نمازیں جمع کرنا جائز ہیں۔ یہ ایسی راہ ہے جس کی مزدوروں، کھیتی باڑی کرنے والوں کو بالخصوص باری پر پانی دینے والوں کو ضرورت ہوتی ہے۔

بارش کی وجہ سے مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرنا جائز ہیں جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے۔ کیوں کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: بارش والے دن مغرب اور عشا کی نمازیں جمع کرنا سنت ہے۔(٧٠) اس سے سنت رسولؐ ہی مراد لی جاسکتی ہے۔

ظہر اور عصر جمع کرنا جائز نہیں کیوں کہ ابو سلمہ کے مذکورہ بالا قول میں صرف مغرب اور عشاء کا ذکر ہے۔ بارش کی وجہ سے پہلی نماز کے وقت میں دونوں نمازیں جمع کرلی جائیں، اسلاف کا طریقہ یہی رہا ہے اور پہلی نماز کو دوسری نماز کے وقت تک مؤخر کرنے سے مشقت پیش آئے گی اور اندھیرے میں نکلنا پڑے گا۔ نیز عشا کا وقت داخل ہونے تک مسجد میں لمبا انتظار کرنا ہوگا۔ اگر لوگ دوسری نماز کے ساتھ جمع کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے۔ جس بارش کے باعث نمازیں جمع کرنا جائز ہیں وہ اتنی بارش ہے جس سے کپڑے بھیگ جائیں اور باہر نکلنے میں مشقت پیش آئے۔ برف اور سردی کا بھی وہی حکم ہے جو بارش کا ہے۔ پھوار یا معمولی بارش جس سے لباس نہیں بھیگتا، اس کی وجہ سے نمازیں جمع کرنا جائز نہیں۔

البتہ کیچڑ بذات خود عذر ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے جوتوں اور کپڑوں کا جو حشر ہوتا ہے وہ بارش سے کم نہیں، کیوں کہ کیچڑ سے کپڑے اور جوتے نہ صرف آلودہ ہوجاتے ہیں بلکہ پھسلنے کا ڈر ہوتا ہے جس سے جان اور لباس دونوں متاثر ہوتے ہیں، اس لیے یہ بھیگنے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

سخت ٹھنڈی تاریک رات میں آندھی کے باعث بھی نمازیں جمع کرنا جائز ہیں کیوں کہ ایسی آندھی جمعہ اور جماعت میں حاضری سے معذور کردیتی ہے۔ نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ کی طرف سے آواز دینے والا بارش یا سخت سردی کی رات میں آواز دیتا تھا کہ ''اپنی قیام گاہ میں ہی نماز پڑھ لو''۔(۷۱)

ان عذروں کی وجہ سے جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں جائز ہیں حتیٰ کہ گھر میں نماز پڑھنے والے کے لیے بھی اور مسجد میں پڑھنے والے کے لیے بھی، خواہ مسجد تک راستہ پر چھت پڑی ہو یا مسجد میں ٹھہرا ہوا ہو اور اس کے اور مسجد کے درمیان چند قدم کا فاصلہ ہو اور بہت معمولی مشقت ہوتی ہو۔

جمع تقدیم اور جمع تاخیر میں سے جس میں زیادہ آسانی ہو اس کو اختیار کرنا افضل ہے بشرطیکہ جمع کی اجازت ہو کیوں کہ حضرت معاذؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے؟ جمع تقدیم اور جمع تاخیر کے بارے میں ضرورت کے مطابق اختیار ہے(۷۲) امام مالک نے حضرت معاذؓ سے روایت کی ہے غزوہ تبوک میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مؤخر کی، آپؐ خیمے سے باہر تشریف لائے اور ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھیں، پھر اندر چلے گئے، پھر تشریف لائے تو مغرب اور عشا کی نمازیں اکٹھی پڑھیں (۷۳)۔ اگر جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں برابر ہوں تو جمع تاخیر افضل ہے کیوں کہ اس میں اختلاف سے بچنے کی راہ ہے اور تمام احادیث پر عمل ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر اور حضر میں بھی دو نمازیں جمع کیں تاکہ امت کو تنگی نہ ہو، مسلم وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر اور مغرب وعشا اکٹھی پڑھیں جب کہ نہ کوئی خوف تھا نہ سفر تھا۔(۷۴)

لیکن حج کے دوران عرفہ میں ظہر اور عصر میں جمع تقدیم کی جائے اور مزدلفہ میں مغرب وعشا میں جمع تاخیر کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ عرفہ میں عصر کا وقت دعا میں مشغولیت کا تھا اور مغرب کا وقت مزدلفہ کی طرف روانگی کا۔

جمع کی شرائط: جمع تقدیم وتاخیر میں نمازوں میں ترتیب ملحوظ رکھنا جمع کے لیے شرط ہے کہ پہلے پہلی نماز پڑھے، پھر دوسری اور ترتیب بھولنے سے ساقط نہیں ہوتی، مذہب حنبلی کی صحیح روایت یہی ہے، جیسا کہ قضا نمازوں کو ادا کرنے میں بھول جانے سے ساقط ہوجاتی ہے۔

جمع تقدیم کی چار شرائط ہیں:

۱۔ **پہلی نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہتے وقت جمع کی نیت کرنا:** کیوں کہ حدیث میں ہے: ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے''۔

۲۔ **تسلسل برقرار رکھنا:** دونوں نمازوں کے درمیان اقامت یا معمولی وضو کرنے سے زیادہ وقفہ نہ ہو کیوں کہ جمع کا مفہوم یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے بلا وقفہ نمازیں پڑھی جائیں۔ اگر زیادہ وقفہ ہوگیا تو جمع کا مفہوم حاصل نہیں ہوگا۔ اور معمولی وقفہ معاف ہے اور اقامت یا وضو ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق نماز کی مصلحت سے ہے۔

۳۔ **ایسا عذر پایا جائے جس کی وجہ سے نمازیں جمع کرنا جائز ہو:** مثلاً سفر یا بیماری وغیرہ اور یہ عذر پہلی نماز شروع کرتے وقت بھی ہو اور پہلی نماز کا سلام پھیرتے وقت بھی کیوں کہ پہلی نماز کا آغاز ہی نیت کا موقع ہے اور پہلی سے فارغ ہوکر دوسری شروع کرنا جمع کرنے کا موقع ہے۔ اگر اس وقت بارش تھم گئی اور اس کے بعد کیچڑ ختم ہوگیا تو جمع کا عذر نہیں رہا، لہٰذا جمع درست نہیں۔

۴۔ **سفر اور بیماری میں ضروری ہے کہ دوسری نماز سے فارغ ہونے تک عذر باقی رہے:** اگر اس سے پہلے سفر ختم ہوگیا تو جمع باطل ہوگئی البتہ بارش، برف اور سردی جس کے بعد کیچڑ پڑجاتا ہے کی وجہ سے نماز جمع کی گئی تو یہ شرط نہیں کہ دوسری نماز سے فارغ ہونے تک عذر باقی رہے۔

جمع تاخیر کی دو شرائط ہیں:

۱۔ اگر پہلی نماز ادا کرنے کا وقت تنگ نہ ہو رہا ہو تو پہلی نماز کے وقت میں جمع کی نیت کرنا۔ اگر پہلی نماز ادا کرنے کا وقت تنگ ہو رہا ہے تو جمع صحیح نہیں کیوں کہ نماز کو اتنا مؤخر کردینا کہ وقت کے اندر اسے ادا کرنے کی گنجائش ہی نہ ہو حرام ہے اور تاخیر کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

۲۔ دوسری نماز کا وقت داخل ہونے تک عذر بدستور باقی رہے کیوں کہ جمع کرنا عذر کے باعث جائز ہے۔ اور اگر عذر باقی نہ رہے تو جمع کرنا جائز نہیں رہتا کیوں کہ سبب ختم ہوگیا مثلاً بیمار صحت یاب ہوگیا، مسافر مقیم ہوگیا، بارش رک گئی۔ دوسری نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد عذر ختم ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ اب دونوں نمازیں واجب ہوگئی ہیں اور دونوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔

دونوں نمازوں کو جمع کرنے میں ترتیب ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔ جمع تاخیر میں تسلسل برقرار رکھنا ضروری نہیں بلکہ ان کے درمیان نوافل پڑھے جاسکتے ہیں اور دوسری نماز میں جمع کرنے کی نیت بھی شرط نہیں ہے کیوں کہ وہ اپنے وقت پر پڑھی جارہی ہے اس لیے بہر حال ادا ہے۔

دونوں قسم کی جمعوں میں امام اور مقتدیوں کو ایک ہونا ضروری نہیں، الگ الگ ہوسکتے ہیں۔ اگر جمع کی دو نمازوں میں امام الگ الگ ہیں یا ایسے امام کے پیچھے جمع کی نیت کی جو جمع نہیں کرتا تو بھی جمع درست ہے کیوں کہ ہر ایک کی نماز کا الگ الگ حکم ہے اور ہر نماز اپنی نیت کے اعتبار سے الگ ہے۔

اگر جمع کے بعد معلوم ہو کہ پہلی نماز کسی رکن وغیرہ کے بھول جانے کے باعث نہیں ہوئی تو پہلی اور دوسری دونوں نمازیں باطل ہو جائیں گی۔

سنتیں: جب پہلی نماز کے وقت میں جمع کرے تو دوسری نماز کی سنتیں پڑھ لے اور دوسری کا وقت شروع ہونے سے پہلے وتر پڑھ سکتا ہے کیوں کہ سنتیں نماز کے تابع ہیں۔ پس ادائیگی اور وقت دونوں میں نماز کے تابع ہوں گی۔ چوں کہ وتر کا وقت عشاء کی نماز سے صبح کی نماز تک ہے تو عشاء کی نماز پڑھ لی ہے اس لیے وتر کا وقت شروع ہوگیا ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ المغنی،۲:۲۵۴، کشاف القناع،۱:۵۹۳ وبعد،مغنی المحتاج،۱:۲۶۲ وبعد

۲۔ مسلم۔

۳۔ متفق علیہ اسی طرح کی روایت صحیحین میں ابن مسعودؓ اور حضرت انسؓ سے بھی ہے۔

۴۔ کشاف القناع،۱:۵۹۵، المغنی،۲:۲۶۷۔

۵۔ اللباب شرح الکتاب ،۱:۱۰۶، کشاف القناع ،۱:۶۰۸، مغنی المحتاج ،۱:۲۷۵، المغنی، ۲:۲۶۱ وبعد۔

۶۔ الدر المختار ،۱: ۷۳۵، مراقی الفلاح،۷۲، الکتاب مع اللباب ۱:۱۰۷، بدایۃ المجتہد، ۱: ۱۶۱، القوانین الفقھیہ،۸۴، الشرح الکبیر، ۱:۳۵۸، مغنی المحتاج ۱:۲۷۱، المہذب ۱:۱۰۱، کشاف القناع، ۱: ۶۰۱، المغنی،۲: ۲۶۷-۲۷۰۔

۷۔ متفق علیہ۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں : اللہ نے جب نماز فرض کی تو دو رکعات فرض کیں، پھر حضر میں اسے مکمل کردیا اور سفر میں پہلا فرض ہی باقی رکھا(نصب الرایۃ ۲:۱۸۸)

۸۔ مسلم، طبرانی کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعات فرض قرار دیں جب کہ حضر میں چار (نصب الرایۃ ۲:۱۸۹)

۹۔ احمد اور بیہقی نے ابن عمرؓ سے، طبرانی نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً اور ابن مسعودؓ سے موقوفاً (جو زیادہ صحیح ہے) روایت کی، امام احمد نے ابن مسعودؓ سے یہ الفاظ روایت کیے: ”اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے“۔ یہ روایت ضعیف ہے۔

۱۰۔ نووی نے شرح مسلم میں اس طرح لکھا ہے لیکن صحیح مسلم میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ کچھ نے قصر کیا، کچھ نے پوری نماز پڑھی۔

۱۱۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے(نیل الاوطار ۳:۲۰۲)

۱۲۔ الدر المختار ورد المحتار، ۱: ۷۳۲-۷۳۵، فتح القدیر، ۱: ۳۹۲-۳۹۴، اللباب، ۱: ۱۰۶، مراقی الفلاح، ۷۱۔

۱۳۔ اس سے مراد ایسے علاقے ہیں جہاں اتنی مسافت چھوٹے دن کے اکثر حصہ میں طے ہوجاتی ہے۔ اس پر یہ اعتراض درست نہیں کہ بلغاریا کے علاقوں میں دن کبھی ایک گھنٹے کا یا اس سے کم وبیش بھی ہوتا ہے۔

۱۴۔ فرسخ = تین میل، میل: چار ہزار ہاتھ۔

۱۵۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علیؓ سے روایت کی (نصب الرایۃ، ۲: ۱۸۳)

۱۶۔ بدایۃ المجتہد، ۱: ۱۶۲، الشرح الصغیر، ۱: ۴۷۴ وبعد، الشرح الکبیر، ۱: ۳۵۸-۳۶۱، المہذب، ۱: ۱۰۲، المغنی، ۲: ۲۵۵ وبعد، المجموع، ۴: ۲۱۳ وبعد

۱۷۔ ہاتھ = شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ۲۴ انگلیاں یا ۳۲ انگلیاں جیسا کہ ہم نے جدول پیمائش میں بیان کیا۔ ہاتھ ۲. ۴۶سم اور انگلی = چھ درمیانے چاول یا ۱.۹۲۵سم۔

۱۸۔ دارقطنی نے ابن عباسؓ سے روایت کی اور ابن عباسؓ سے موقوفا بھی روایت کی گئی۔ خطابی کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ کی یہ صحیح تر روایت ہے اور حنابلہ کے نزدیک اگر قول صحابی خلاف قیاس ہو تو حجت ہوتا ہے۔

۱۹۔ المغنی، ۲: ۲۵۷ وبعد

۲۰۔ احمد، مسلم، ابو داؤد نے شعبہ سے یحیٰی بن یزید الہنائی کے حوالے سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت انسؓ سے پوچھا۔ میل اور فرسخ کا شک حدیث کے راوی شعبہ کو پڑا (نیل الاوطار ۳: ۲۰۵)

۲۱۔ الدر المختار، ۱: ۷۳۳، ۷۳۶، تبیین الحقائق، ۱: ۲۱۵ وبعد، فتح القدیر، ۱: ۴۰۵ وبعد

۲۲۔ بدایۃ المجتہد، ۱: ۱۶۳، الشرح الصغیر، ۱: ۴۷۷، مغنی المحتاج، ۱: ۲۶۸، المہذب ۱: ۱۰۲، المغنی، ۲: ۲۶۱ وبعد، ۸: ۵۹۷، کشاف القناع، ۱: ۵۹۶، ۶: ۱۹۴۔

۲۳۔ الکتاب مع اللباب، ۱: ۱۰۷، مراقی الفلاح، ۷۱، فتح القدیر، ۱: ۳۹۶، بدایۃ المجتہد، ۱: ۱۶۳، الشرح الصغیر، ۱: ۴۷۶ وبعد، مغنی المحتاج، ۱: ۲۶۳ وبعد، المہذب، ۱: ۱۰۲، المغنی، ۲: ۲۵۹-۲۶۱۔

۲۴۔فتح القدیر مع العنایہ، ۱:۳۹۷وبعد، اللباب، ۱:۱۰۷وبعد: بدایة المجتهد، ۱:۶۳ وبعد، الشرح الصغیر ۱: ۴۸۱، مغنی المحتاج، ۱:۲۶۴ وبعد، المهذب، ۱: ۱۰۳، کشاف القناع، ۱:۶۰۵، القوانین الفقهیه ۸۵ الشرح الکبیر، ۱:۳۶۴۔

۲۵۔ نیل الاوطار، ۳: ۲۰۷ وبعد، صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے لیے مکہ میں ٹھہرنا حرام قرار دے دیا تھا پھر انہیں تین دن ٹھہرنے کی اجازت دے دی (المجموع، ۴:۲۴۳)

۲۶۔ متفق علیہ (ایضاً)

۲۷۔ ابو داؤد نے عمران بن حصینؓ سے روایت کی، ترمذی نے اسے حسن قرار دیا، اگرچہ اس کی سند میں ضعف ہے لیکن اس کے شواہد موجود ہیں جن سے کمی پوری ہوجاتی ہے جیسا کہ ابن حجر نے کہا، اور روایات بھی بیان کی گئیں، صحیح یہ ہے کہ یہ انیس ہے لیکن اٹھارہ والی روایت کو انیس والی روایت پر اس لیے ترجیح دی گئی کہ یہ عمران بن حصینؓ سے ہے اس میں اضطراب نہیں اور دوسری روایت جو ابن عباسؓ سے ہے اس میں اضطراب ہے کہ ایک روایت میں انیس اور دوسری میں سترہ ہے۔

۲۸۔ تبیین الحقائق، ۱:۲۰۹-۲۱۶، القوانین الفقهیه، ۸۴-۸۵، الشرح الصغیر، ۱:۴۸۶، مغنی المحتاج، ۱: ۲۶۶-۲۷۱، المهذب، ۱:۱۰۱-۱۰۳، الحضرمیه، ۷۶ وبعد، کشاف القناع، ۱:۵۹۳-۶۰۳، مراقی الفلاح، ۷۱۔

۲۹۔ ردالمحتار، ۱:۷۳۲ وبعد۔

۳۰۔ الشرح الکبیر مع الدسوقی، ۱: ۳۵۹ وبعد۔

۳۱۔ الحیی سے مراد قبیلہ ہے، الدار ایسے گھر کو کہتے ہیں جہاں لوگ ٹھہرتے ہیں۔ حلہ اور منزل کا ایک ہی مفہوم ہے۔

۳۲۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۶۳ وبعد۔

۳۳۔ المغنی، ۱: ۲۶۱، کشاف القناع، ۱:۵۹۸۔

۳۴۔ ھاشمیہ، بنوامیہ کی طرف منسوب ہے۔

۳۵۔ فتاوی ابن تیمیه، ۲۴:۱۲-۱۸، ۳۵،

۳۶۔ الکتاب مع اللباب، ۱:۱۰۹، مراقی الفلاح ۷۲، الدر المختار، ۱:۴۰۷ وبعد، فتح القدیر ، ۱:۳۹۹، الشرح الصغیر ، ۱:۴۸۲، القوانین الفقهیه ۸۴، المهذب، ۱:۱۰۳، مغنی المحتاج، ۱:۲۶۹، کشاف القناع، ۱:۶۰۲، المغنی ۲:۲۸۴، المجموع ۴:۲۳۶-۲۴۳-۲۴۲۔

۳۷۔ احمد نے مسند میں روایت کی۔ سنت سے مراد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۳۸۔ مسلم

۳۹۔ ایضاً، الکتاب، مراقی، الدر، فتح القدیر ، ۴۰۱، القوانین، الشرح الصغیر ۴۸۲، ۴۸۴، المغنی ۲۸۶۔

۴۰۔ احمد، ابو داؤد، ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، بیہقی، اس کی سند ضعیف ہے۔ ترمذی نے حدیث کے دیگر شواہد کی بنا پر اسے حسن قرار دیا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا، مالک نے موطا میں حضرت عمرؓ سے اس طرح کی ایک اور روایت بیان کی اس کے راوی ثقہ ائمہ ہیں (نیل الاوطار ۳:۱۶۶)

۴۱۔ ابو داؤد الطیالسی نے اپنی مسند میں روایت کی (نیل الاوطار ۳:۲۰۷)

۴۲۔ الدر المختار، ۱:۷۳۶-۷۳۸، الکتاب مع اللباب، ۱:۱۰۷-۱۰۸۔

۴۳۔ الشرح الکبیر، ۱:۳۶۴، الشرح الصغیر، ۱:۳۶۴، القوانین الفقهیه، ۸۵۔

۴۴۔ مغنی المحتاج، ۱:۳۶۴ وبعد۔

۴۵۔ کشاف القناع، ۱:۶۰۵

۴۶۔ اللباب ۱:۱۰۹، مراقی الفلاح ۷۳، الدر المختار و ردالمحتار، ۱:۷۳۶، ۷۴۲ وبعد، فتح القدیر، ۱:۴۰۳ وبعد۔

۴۷۔ الشرح الکبیر، ۱:۳۶۲ وبعد، الشرح الصغیر، ۱:۴۸۰ وبعد۔

۴۸۔ مغنی المحتاج، ۱:۲۶۴

۴۹۔ کشاف القناع، ۱:۶۰۰

۵۰۔ احمد

۵۱۔ اللباب بشرح الکتاب ۱:۱۰۷-۱۰۸، مراقی الفلاح ۷۲، الدر المختار، ۱:۷۳۶-۷۳۸۔

۵۲۔ الشرح الکبیر، ا:۳۶۲- ۳۶۴ الشرح الصغیر، ا:۴۸۰- ۴۸۱۔

۵۳۔ مغنی المحتاج، ا:۲۶۷- ۲۷۱۔

۵۴۔ کشاف القناع، ا:۶۰۰- ۶۰۵۔

۵۵۔ فتح القدیر ا:۴۰۵، مراقی الفلاح ۷۲، اللباب، ا:۱۱۰، القوانین الفقهیه، ۷۱، الشرح الکبیر، ا:۲۶۳۔

۵۶۔ مغنی المحتاج، ا:۲۶۳، المغنی، ۲:۲۸۲ وبعد

۵۷۔ نیل الاوطار، ۳:۲۱۹ وبعد

۵۸۔ الدر المحتار، ا:۴۲۷۔

۵۹۔ فتاوی ابن تیمیه، ۲۲: ۲۷۹- ۲۸۰۔

۶۰۔ الشرح الکبیر، ا:۳۶۸، مغنی المحتاج، ا:۲۷۱ وبعد، المهذب، ا:۱۰۴، کشاف القناع، ۲:۳، المغنی، ۲:۲۷۱۔

۶۱۔ متفق علیہ (نیل الاوطار، ۳:۲۱۲)

۶۲۔ ترمذی نے ان الفاظ سے روایت کی، ابن ماجہ کے علاوہ کئی محدثین نے اس مفہوم کو روایت کیا، جمع تاخیر کی روایت بھی حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے (نیل الاوطار، ۳:۲۱۳ وبعد)۔

۶۳۔ احمد، ابو داؤد، ترمذی نے اسے حسن قرار دیا، دارقطنی، حاکم بیہقی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا (ایضاً)

۶۴۔ اللباب، ا: ۱۸۵، ۱۸۷۔

۶۵۔ الشرح الصغیر، ا:۴۸۷-۴۹۲، الشرح الکبیر، ا:۳۶۸-۳۷۲، القوانین الفقهیه، ۸۲، بدایة المجتهد، ۱۶۵-۱۶۷۔

۶۶۔ المجموع، ۴:۲۵۳-۲۶۹، المهذب، ا:۱۰۴ وبعد، مغنی المحتاج، ا:۲۷۱-۲۸۵۔

۶۷۔ کشاف القناع، ۲:۳- ۸، المغنی، ۲:۲۷۳- ۲۸۱۔

۶۸۔ دونوں حدیثوں کو مسلم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔

۶۹۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے۔

۷۰۔ الاثرم نے روایت کی ہے۔

۷۱۔ ابن ماجہ۔

۷۲۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی، شافعی اور احمد نے ابن عباسؓ سے اس طرح کی حدیث روایت کی ہے (نیل الاوطار، ۳:۲۱۳)

۷۳۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ثابت ہے۔

۷۴۔ فتاوی ابن تیمیہ، ۲۴:۶۴، ۷۲ وبعد۔

چوتھی بحث

نماز عیدین

وجہ تسمیہ: عید کو عید اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ کے احسانات بندوں کی طرف لوٹتے ہیں یعنی قسم قسم کے احسانات ہر سال بار بار بندوں پر آتے ہیں مثلاً کھانے پینے کی ممانعت کے بعد اجازت، صدقہ فطر، طواف زیارت کے ساتھ حج کی تکمیل، قربانی کا گوشت وغیرہ، کیوں کہ عادت یہ ہے کہ عیدین میں لوگ خوشی، فرحت، سرور ونشاط سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لغت میں عید کے معنی ہیں لوٹنا، واپس آنا، چوں کہ یہ ہر سال فرحت وسرور کے ساتھ لوٹ آتی ہے اس لیے اسے عید کہتے ہیں۔

بحث کے عنوانات: نماز عید سے متعلق بحث میں نماز عید کی شرعی حیثیت کے دلائل، اس کا فقہی حکم، اس کا وقت اور جگہ، اس کی کیفیت اور طریقہ، خطبۂ عید، عیدین میں تکبیرات کا حکم، عید کی سنن ومستحبات اور دوسرے کرنے کے کام، عید سے پہلے اور بعد میں نفل پڑھنے کا حکم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عید الفطر اور عیدالاضحیٰ پڑھنے کا طریقہ اور آپؐ کے خطبے کی کیفیت پر گفتگو کی گئی ہے۔

۱۔ نماز عید کی شرعی حیثیت کے دلائل:

نماز عید کا آغاز ہجرت کے پہلے سال ہوا، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ دو دن مناتے تھے جن میں کھیلتے کودتے تھے، آپؐ نے پوچھا، یہ کون سے دن ہیں؟ لوگوں نے کہا، ہم جاہلیت میں ان دنوں میں کھیلتے کودتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے ان کے بدلے میں تمہیں دو بہتر دن دے دیے ہیں اور وہ ہیں یوم اضحیٰ اور یوم فطر۔ نماز عید کی شرعی

حیثیت کتاب اللہ، سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔(۱)

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: فصل لربک وانحر (اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر (الکوثر، ۱۰۸:۲) مشہور تفسیر یہ ہے کہ اس سے نماز عید مراد ہے یعنی عید الاضحیٰ اور قربانی۔

سنت میں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہے کہ آپؐ عیدین کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ نے سب سے پہلی نماز عید ہجرت کے دوسرے سال عید الفطر کی پڑھی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ عید الفطر کی نماز پڑھی، سب خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے''۔ نیز ابن عباسؓ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان اور اقامت کے بغیر نماز عید پڑھی(۲)

۲۔ نماز عید کا فقہی حکم:

نماز عید کے بارے میں تین مختلف فقہی آراء ہیں:

(۱) فرض کفایہ ہے (۲) واجب ہے (۳) سنت ہے۔

حنابلہ کے ظاہر مذہب (۳) کے مطابق نماز عید فرض کفایہ ہے، اگر کچھ لوگ ادا کردیں تو باقی لوگوں سے فرض ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ نماز جنازہ۔ ان کی دلیل آیت فصل لربک وانحر (اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر، الکوثر، ۱۰۸:۲) ہے۔ سیر کی مشہور روایت کے مطابق اس سے نماز عید مراد ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے کرام ہمیشہ نماز عید پڑھتے، کیوں کہ یہ دین کی ظاہری علامات میں سے ہے اس لیے جہاد کی طرح واجب ہے۔ ہر شخص پر واجب عین نہیں ہے، کیوں کہ باہر سے آنے والے اعرابی سے آپؐ نے فرمایا تھا: ''ہاں اگر تم نفل پڑھو'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر نماز پنجگانہ کے علاوہ کوئی نماز واجب نہیں۔ نماز عید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور

آپؐ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے عمل کی وجہ سے واجب ہے۔

اگر کسی شہر کے لوگوں کی تعداد چالیس تک ہو اور وہ بلا عذر نماز عید نہ پڑھیں تو مسلم حکمران ان کے خلاف جنگ کریں، جیسے کہ اذان چھوڑ دیں کیوں کہ یہ اسلام کے ظاہری شعائر ہیں اور ان کو چھوڑ دینے میں دین کو حقیر سمجھنے کا پہلو ہے۔

حنفیہ کے نزدیک (۴) صحیح یہ ہے کہ عیدین کی نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے اور انہیں شرائط کے ساتھ، البتہ عیدین کا خطبہ سنت ہے اور نماز کے بعد ہے۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز عید پڑھی جو واجب ہونے کی دلیل ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ (۵) کہتے ہیں کہ نماز عید سنت مؤکدہ ہے اور تاکید میں وتر کے قریب قریب ہے۔ جس پر جمعہ واجب ہے اس کے لیے نماز عید سنت مؤکدہ ہے یعنی مرد، بالغ، آزاد، ایسے شہر میں مقیم ہو جہاں جمعہ ہوتا ہو، یا اس شہر سے ایک فرسخ یعنی ۵۵۴۴ میٹر دور ہو۔ مالکیہ کے نزدیک لڑکے، عورت، غلام اور ایسے مسافر کے لیے جس نے قیام کی نیت کر کے سفر منقطع نہ کرلیا ہو مستحب نہیں ہے۔ جوان عورت کے علاوہ دوسری عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے اور حاجیوں کے لیے نیز منی میں رہنے والے غیر حاجیوں کے لیے بھی مستحب نہیں ہے۔

شافعیہ کے نزدیک نماز کی جماعت کی طرح ایک فرد پر، غلام، عورت، مسافر، ہیجڑے اور چھوٹے لڑکے سب کے لیے عید پڑھنے کا حکم ہے اور جو شرائط جماعت اور تعداد وغیرہ کی جمعہ کے لیے ہیں وہ عید کے لیے نہیں ہیں۔ منی میں رہنے والوں کے لیے بالاتفاق عید چھوڑ دینے کے بجائے پڑھ لینا افضل ہے۔

عیدین کے سنت ہونے کی دلیل اعرابی کی حدیث ہے جس نے نماز کے بارے میں پوچھا کہ پانچ نمازیں جو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کی ہیں، کیا میرے ذمے ان کے

علاوہ بھی کوئی نماز ہے۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں، ہاں تم نفل پڑھو تو تمہاری مرضی (۶) مؤکدہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھی۔

عید کے موقع پر، نئے سال اور نئے مہینے کے موقع پر مبارک باد دینا مباح ہے۔ سنت ہے نہ بدعت۔ (۷)

نماز عید کے وجوب اور جواز کی شرائط:

حنفیہ کے نزدیک (۸) جو شرائط جمعہ کے وجوب اور جواز کی ہیں وہی عیدین کی نماز کے وجوب اور جواز کی ہیں یعنی امام، جماعت، شہر، وقت البتہ خطبہ سنت ہے جو نماز کے بعد ہوگا۔ اگر چھوڑ دیا تب بھی نماز عید ہو جائے گی۔

امام یعنی بادشاہ، حاکم یا اس کے نائب کا موجود ہونا جمعہ کی طرح نماز عید کے لیے بھی شرط ہے کیوں کہ سنت سے ثابت ہے۔ اگر یہ شرط نہ لگائی جائے تو فتنہ بپا ہونے کا امکان ہے کیوں کہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور اس کی امامت میں جو عزت، شرف، مقام اور منصب ہے اس پر جھگڑا ہو سکتا ہے۔ شہر ہونا اس لیے ضروری ہے کہ حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت ہے کہ جمعہ، تشریق، عید الفطر کی نماز اور عید الاضحیٰ کی نماز بڑے شہر کے علاوہ جائز نہیں۔ (۹)

جماعت اس لیے کہ اس کے بغیر نماز عید ادا نہیں ہوتی۔ وقت اس لیے کہ نماز عید متعین وقت میں ہی پڑھی جا سکتی ہے، اسلاف سے یہی معمول چلا آ رہا ہے۔

مرد ہونا، عاقل، بالغ ہونا، آزاد ہونا، صحت مند ہونا اور مقیم ہونا نماز عید کے وجوب کی شرائط ہیں جیسا کہ یہی جمعہ کے وجوب کی شرائط ہیں۔ نماز عید عورتوں، بچوں، دیوانوں، غلاموں پر ان کے آقاؤں کی اجازت کے بغیر اور بیماروں اور مسافروں پر واجب نہیں جیسا کہ جمعہ واجب نہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں (۱۰) کہ عید کی نماز صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ چالیس افراد اس

جگہ کے مستقل رہائشی ہوں جیسا کہ جمعہ میں ہے۔ نماز عید کے لیے حاکم کی اجازت شرط نہیں۔ عید کی نماز مسافر، غلام، عورت اور اکیلا آدمی ان لوگوں کے تابع ہوکر پڑھ سکتا ہے جن پر نماز واجب ہے۔

نماز عید میں خواتین کی شرکت:

حنفیہ اور مالکیہ کے فقہاء متفق ہیں (۱۱) کہ جواں سال خواتین کے لیے جمعہ، عیدین یا کسی بھی نماز میں شریک ہونے کی اجازت نہیں کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وقرن فی بیوتکن (تم (خواتین) اپنے گھروں میں رہو، (الاحزاب ۳۳:۳۳) گھر میں رہنے کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ باہر نہ نکلیں، نیز جوان عورتوں کا گھروں سے نکلنا بلا شبہ فتنے کا باعث ہے اور فتنہ حرام ہے اس لیے جو چیز فتنے کا باعث ہو وہ بھی حرام ہے۔

البتہ بوڑھی عورتیں فجر، مغرب، عشا اور عیدین میں شریک ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے البتہ ظہر، عصر اور جمعہ میں ان کی شرکت میں اختلاف ہے، جس کی تفصیل ہم بیان کرچکے ہیں۔ جوان اور بوڑھی عورت میں اس فرق کی تفصیل دوسرے مذاہب میں بھی اسی طرح ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی عبارت یہ ہے (۱۲) خوش وضع عورتوں کے علاوہ دوسری عورتیں اگر عیدگاہ میں آئیں تو کوئی حرج نہیں البتہ خوشبو لگا کر اور زینت وشہرت والا لباس پہن کر نہ آئیں کیوں کہ ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے روز جواں سال عورتوں اور حیض والی اور پردہ نشین کنواریوں کو بھی نکلنے کا حکم دیتے تھے۔ البتہ حیض والی عورتیں نماز سے الگ رہتی تھیں لیکن دوسرے بھلائی کے کاموں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوتی تھیں۔ (۱۳)

عورتیں جب عید کے لیے جانا چاہیں تو پانی سے صفائی کرلیں، خوشبو نہ لگائیں اور نہ قیمتی یا طرح دار لباس پہنیں، مردوں سے الگ رہیں، ان سے گھل مل نہ جائیں۔ حیض والی

عورتیں نماز گاہ سے الگ رہیں، جیسا کہ اوپر حدیث میں ہے، نیز ارشاد نبوی ہے: اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو، خوشبو لگائے بغیر مساجد میں آئیں (۱۴) کیوں کہ عورت جب خوشبو لگا کر اعلیٰ لباس پہن کر آتی ہے تو فساد کو دعوت دیتی ہے۔

۳۔ عید کا وقت:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز عید کا وقت سورج طلوع ہوکر دو ایک نیزے کے برابر ہوجائے یعنی طلوع سے نصف گھنٹہ بعد سے زوال سے کچھ پہلے تک، یعنی ظہر کا وقت داخل ہونے سے پہلے، یہی چاشت کی نماز کا وقت ہے، طلوع کے وقت نماز کی ممانعت ہے اور طلوع آفتاب کے وقت بھی نماز حرام ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کے بعد نماز مکروہ ہے۔ اگر سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے سے پہلے عید کی نماز پڑھ لی تو حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز نہیں ہوئی بلکہ نفل ہوجائیں گے جو اس وقت پڑھنے حرام ہیں۔ (۱۵)

عید کی نماز جلدی پڑھنی چاہیے یا دیر سے؟ سنت یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھی جائے تاکہ منیٰ میں حجاج کی قربانی سے ہم آہنگی پیدا ہوسکے اور عید الفطر کی نماز ذرا دیر سے پڑھی جائے۔ امام شافعیؒ نے مرسلاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزمؓ کو لکھا جب کہ وہ نجران میں تھے کہ: عیدالاضحیٰ جلدی پڑھا کرو اور عید الفطر ذرا دیر سے اور لوگوں کو نصیحت بھی کیا کرو۔ نیز اس طرح قربانی اور صدقہ فطر کے لیے وقت میں گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

کیا عید کی نماز قضا کی جاسکتی ہے اور کیا اکیلے عید پڑھی جاسکتی ہے؟ اس میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں (۱۶) جس کسی کی عید کی نماز امام کے ساتھ سے رہ گئی وہ قضا نہ کرے کیوں کہ اس کا وقت جاتا رہا اور نوافل میں قضا نہیں ہے، نیز اس کا ثواب ہونا ان

شرائط سے وابستہ ہے جو اکیلا نمازی پوری نہیں کرسکتا۔ اگر کسی دوسرے امام کے پیچھے جاکر پڑھ سکتا ہے تو ایسا کرلے کیوں کہ نماز عید بالا تفاق کئی جگہوں پر پڑھی جاسکتی ہے۔ اکیلے نمازی کے لیے جائز نہیں۔ نماز عید باجماعت ہی پڑھی جاسکتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ (۱۷) کے نزدیک جس کی عید کی نماز امام کے ساتھ سے رہ جائے تو اس کے لیے سنت یہ ہے کہ اسی طریقے کے مطابق اسے قضا کرے، حضرت انسؓ نے ایسا ہی کیا تھا، نیز یہ اسی طرح ایک نماز کی قضا ہے جیسے دوسری نمازوں کی قضا ہے، تو عید کے دن یا اس کے بعد جب بھی اتفاق ہو قضا کرلے۔ افضل یہ ہے کہ عید کے باقی دن میں قضا کرے۔

عید کی نماز اکیلے نمازی، غلام، مسافر اور عورت کے لیے پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نماز عید سے پیچھے رہ جانے والا نمازی نے اگر امام کو خطبہ دیتے ہوئے پایا تو تحیۃ المسجد پڑھ کر بیٹھ جائے اور خطبہ سنے، خواہ مسجد میں ہو، پھر جب چاہے عید کی نماز پڑھ لے، زوال سے پہلے یا زوال کے بعد، لیکن نماز عید کے طریقے کے مطابق، خواہ اکیلا ہو یا چالیس لوگوں سے کم کی جماعت ہو، کیوں کہ شافعیہ کے نزدیک نماز عید نفل ہے اس لیے سورج گرہن کی نماز کی طرح اکیلے پڑھنا جائز ہے۔ حنابلہ میں سے جو اس کے فرض کفایہ ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک ایک گروہ کے پڑھ لینے کے بعد باقی لوگوں کے ذمے سے ساقط ہوگئی۔ (۱۸)

اگر آدمی امام کے ساتھ تشہد میں شامل ہو تو امام کے ساتھ بیٹھ جائے، جب امام سلام پھیرے تو کھڑے ہوکر دو رکعات پڑھ لے، ان میں تکبیرات کہے، کیوں کہ اسے نماز کا ایک حصہ مل گیا، جو چار رکعات میں نہیں بدلتا، اس لیے اسے اس کے طریقے کے مطابق پڑھے جیسا کہ تمام نمازوں میں یہی طریقہ ہے۔

اگر عید کا علم سورج ڈھلنے کے بعد ہو تو دوسرے دن نماز پڑھنے کا حکم:

اگر لوگوں کو عید کا علم عید کے روز سورج ڈھلنے کے بعد ہو یا بادلوں کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا اور لوگوں نے سورج ڈھلنے کے بعد امام کے پاس چاند کی گواہی دی یا شدید بارش کا عذر تھا تو دوسرے دن عید پڑھنے کے بارے میں دو رائے ہیں:

مالکیہ کے نزدیک (۱۹) دوسرے دن عید نہ پڑھی جائے، نماز عید نماز جمعہ کے قائم مقام بھی نہیں ہوتی کیوں کہ اس کا وقت گزر گیا۔

جمہور کے نزدیک (۲۰) عید کی نماز اگلے دن پڑھی جائے اور عیدالاضحیٰ تیسرے دن تک پڑھی جاسکتی ہے کیوں کہ ابو عمیر بن انس نے اپنے ایک چچا سے روایت کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے کہ، شوال کا چاند بادلوں کی وجہ سے نظر نہیں آیا، ہم نے روزہ رکھا، دن کے آخری حصے میں ایک قافلہ آیا اور اس نے کہا کہ ہم نے کل چاند دیکھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کل عید پڑھنے کے لیے عیدگاہ میں جائیں (۲۱) اسے بیہقی نے روایت کیا۔

یہی راجح ہے، ابوبکر الخطیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع زیادہ بہتر ہے۔ ابو عمیر کی حدیث صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے بلکہ فرض کی طرح ہے۔

اگر دو آدمی اکتیسویں رات کو گواہی دیں کہ انہوں نے پچھلی رات چاند دیکھا تھا تو بالاتفاق اگلے روز عید پڑھی جائے گی اور وہ قضا نہیں ہوگی کیوں کہ اگلا دن ہی عیدالفطر کا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی: جس روز تم افطار کرو وہ تمہارا یوم فطر ہے، جس دن قربانی کرو وہ یوم اضحیٰ ہے اور جس دن عرفہ میں جاؤ وہ تمہارا یوم عرفہ ہے۔ (۲۲)

۴۔ نماز عید ادا کرنے کی جگہ:

اس سلسلے میں فقہاء کی دو آراء ہیں جو قریب قریب ہیں (۲۳) شافعیہ کے علاوہ جمہور کی

رائے یہ ہے کہ مکہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر عید گاہ میں (شہر سے باہر کھلی جگہ، جو شہر کے قریب ہو اور حنابلہ کے نزدیک معروف بھی ہو) نماز عید پڑھی جائے، مسجد میں نہیں، ہاں اگر کوئی ضرورت یا عذر ہو تو مسجد میں درست ہے ورنہ مکروہ۔ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اور آپؐ کے عمل کی مخالفت مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی عذر ہو تو مکروہ نہیں کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: ایک عید کے روز بارش ہوگئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مسجد میں نماز عید پڑھائی۔(۲۴) اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے بھی بارش کی وجہ سے مسجد میں پڑھنے کی روایات موجود ہیں۔

مکہ معظمہ میں افضل یہ ہے کہ مسجد حرام میں عید پڑھی جائے کیوں کہ وہ جگہ سب سے افضل ہے، وہاں خانہ کعبہ کا مشاہدہ ہوتا ہے اور خانہ کعبہ دین کے بڑے شعائر میں سے ہے۔

شافعیہ کے نزدیک مسجد میں عید کی نماز پڑھنا افضل ہے کیوں کہ یہ مسجد دوسری جگہوں کی بہ نسبت افضل اور پاک صاف ہوتی ہے، ہاں اگر شہر کی مسجد تنگ ہو تو سنت یہ ہے کہ عید گاہ میں نماز پڑھے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کے لیے عید گاہ میں تشریف لے جاتے تھے(۲۵) نیز نماز عید میں لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوجاتی ہے اور اگر مسجد تنگ ہو تو لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ شافعیہ کی رائے میں اگر مسجد کھلی ہو اور نماز عید کھلی جگہ پڑھی جائے تو مکروہ نہیں لیکن اگر مسجد تنگ ہو تو نماز عید وہیں پڑھی جائے اور کھلی جگہ نہ ادا کی جائے تو مکروہ ہے۔

اگر نمازیوں میں کمزور لوگ بھی ہوں تو امام شہر کی مسجد میں انہیں نماز پڑھانے کے لیے کسی کو نائب بنادے۔ کیوں کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابومسعود انصاریؓ کو نائب بنا دیا تھا کہ وہ مسجد میں کمزور افراد کو نماز عید پڑھا دیں۔(۲۶)

حنفیہ کے نزدیک مسجد کا منبر عید گاہ میں نہ لے جایا جائے، ہاں وہاں الگ منبر بنانے

میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۵۔ نماز عید کا طریقہ:

نماز عید بالاتفاق دو رکعات ہیں کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، عیدالاضحیٰ کی نماز دو رکعات ہیں، عید الفطر دو رکعات ہیں، سفر کی نماز دو رکعات ہیں اور جمعہ پوری نماز بغیر قصر کے دو رکعات ہیں، ارشا نبوی یہی ہے اور جو کوئی جھوٹ بولے، نامراد ہو(۲۷) اس میں تکبیر تحریمہ کے بعد زائد تکبیرات کہی جاتی ہیں جو حنفیہ کے نزدیک تین ہیں اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پہلی رکعت میں چھ اور دوسری میں پانچ ہیں اور شافعیہ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ ہیں۔ حنفیہ کے علاوہ باقی تمام ائمہ کے نزدیک دونوں رکعات میں قراءت سے پہلے ہیں، حنفیہ کے نزدیک دوسری رکعت میں قراءت کے بعد ہیں۔ جمہور فقہاء کے نزدیک ان رکعات میں سورہ ء فاتحہ کے بعد سبح اسم ربک الاعلیٰ(الاعلیٰ،۸۷) اور الغاشیہ (الغاشیہ: ۸۸) پڑھنا مستحب ہے لیکن مالکیہ کے نزدیک دوسری رکعت میں سورہ الشمس:۹۱) وغیرہ پڑھے اور شافعیہ کے نزدیک سورہ (ق:۵۰) اور اقتربت (القمر۵۴) پڑھے۔نماز عید کے لیے اذان اور اقامت نہ کہی جائے، کیوں کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ نماز عید میں شریک ہوتا رہا۔ سبھی خطبے سے پہلے اذان اور اقامت کے بغیر نماز پڑھاتے تھے۔(۲۸)

سنت یہ ہے کہ نماز عید کے لیے آواز دے دی جائے کہ ’’ نماز تیار ہے‘‘ امام زہری سے روایت ہے کہ عید کی نماز کے لیے آواز دی جائے(۲۹) نیز سورج گرہن کی نماز پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔

مالکیہ کے علاوہ دیگر جمہور کی رائے یہ ہے کہ دل اور زبان سے نیت سے نماز کا آغاز کرے اور کہے: اللہ کے لیے عید کی نماز پڑھتا ہوں۔ امام ہو چاہے مقتدی تکبیر تحریمہ

کے بعد ثنا پڑھے۔

مختلف مذاہب میں نماز عید کا طریقہ:

حنفیہ کے نزدیک (۳۰)

نماز کے لیے آواز دی جائے کہ "نماز تیار ہے" پھر امام ہو چاہے مقتدی، نماز عید کی دل اور زبان سے نیت کرے کہ اللہ کے لیے نماز عید پڑھتا ہوں، امام ہو تو امامت کی اور مقتدی ہو تو اقتدا کی نیت کرے، پھر تکبیر تحریمہ کہے، پھر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے، پھر امام اور مقتدی ثنا پڑھیں، یعنی **سبحانک اللھم و بحمدک**...... الخ، پھر امام اور مقتدی سب تین بار تکبیر کہیں، انہیں زائد تکبیرات کہتے ہیں کیوں کہ یہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیرات کے علاوہ زائد تکبیرات ہیں، تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے اور پھر سیدھے چھوڑ دے، ہر دو تکبیروں کے درمیان تین بار تسبیح پڑھنے کی مقدار وقفہ کرے۔ کوئی متعین ذکر اس موقع کے لیے منقول نہیں ہے البتہ **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر** کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ پھر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ کر کھڑا ہو جائے۔

پھر امام آہستہ تعوذ اور تسمیہ پڑھے پھر بلند آواز سے سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورت پڑھے، مستحب یہ ہے کہ سورۃ الاعلیٰ پوری پڑھے، پھر امام اور مقتدی سب رکوع میں چلے جائیں۔

جب دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوں تو بسم اللہ سے ابتدا کرے پھر سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھے تاکہ قراءت میں وقفہ نہ ہو، یہ حنفیہ کے نزدیک افضل ہے۔ مستحب یہ ہے کہ دوسری رکعت میں سورہ الغاشیہ پڑھے۔ (۳۱)

پھر امام اور مقتدی سب ہاتھ اٹھا کر تین زائد تکبیریں کہیں جیسا کہ پہلی رکعت میں کہی تھیں کیوں کہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں: ایک بار تکبیر کہے اور نماز شروع کرے، پھر اس کے

بعد تین تکبیریں کہے پھر قراءت کرے، پھر تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے، پھر سجدہ کرے، پھر کھڑا ہوجائے، قراءت کرے پھر تین تکبیریں کہے، پھر تکبیر کہتا ہوا رکوع کرے(۳۲) پھر دوسری رکعت پوری کرکے سلام پھیر دے۔

اگر دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے زائد تکبیریں کہہ دیں تو جائز ہے۔ نیز اگر تین سے زائد تکبیریں کہیں تو سولہ تکبیروں تک جائز ہے۔ اگر ان سے زائد کہتا ہے تو مقتدی کے لیے امام کی اقتدا ضروری نہیں۔

اگر امام تکبیریں کہنا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو واپس لوٹ کر تکبیریں کہے، قراءت دوبارہ نہ کرے البتہ رکوع دوبارہ کرے۔

اگر کوئی شخص بعد میں امام کے ساتھ شامل ہوا تو اگر زائد تکبیروں سے پہلے شامل ہوا تو امام کی رائے کی پیروی کرے، اپنی رائے چھوڑ دے اور اگر امام کے زائد تکبیریں کہنے اور قراءت شروع کرنے کے بعد شامل ہوا تو تکبیر تحریمہ کہے اور اپنی رائے کے مطابق زائد تکبیریں کہے، امام کی رائے کی پیروی نہ کرے کیوں کہ وہ بعد میں شامل ہوا ہے۔

اگر امام رکوع میں تھا تو بعد میں آنے والے کو اگر رکعت جاتے رہنے کا اندیشہ نہیں تو کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہے اور زائد تکبیریں کہہ کر امام کے ساتھ شامل ہوجائے۔ اگر اسے اندیشہ ہے کہ وہ زائد تکبیریں کہتا رہے گا اور امام رکوع سے اٹھ کھڑا ہوگا تو تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد تکبیر کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے، کیوں کہ اگر وہ رکوع میں شامل نہ ہوسکا تو اس کا رکوع اور رکعت رہ جائیں گے جو جائز نہیں۔ پھر جب رکوع میں چلا جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک رکوع میں ہی زائد تکبیریں کہہ لے کیوں کہ رکوع کا وہی حکم ہے جو قیام کا ہے۔ امام ابویوسف کہتے ہیں کہ رکوع میں تکبیریں نہ کہے، کیوں کہ تکبیریں اپنے اصلی موقع پر یعنی قیام میں نہ کہی جاسکیں تو وہ دعائے قنوت کے مانند ساقط ہوجاتی ہیں۔

پہلی رائے کی بنیاد پر جو راجح ہے اگر رکوع میں تکبیریں اور تسبیحات دونوں کہہ سکتا

ہے تو دونوں کہے اور اگر دونوں کہنا ممکن نہ ہوں تو تکبیریں کہے اور تسبیحات چھوڑ دے کیوں کہ تکبیریں کہنا واجب ہے اور تسبیحات سنت ہیں اور واجب کا ادا کرنا اَولیٰ ہے۔ اگر مقتدی کے تکبیریں کہنے سے پہلے امام رکوع سے سر اٹھالے تو مقتدی بھی سر اٹھالے کیوں کہ امام کی اقتدا واجب ہے۔ اس صورت میں باقی تکبیریں ذمہ سے ساقط ہوجائیں گی کیوں کہ ان کا اب موقع نہیں رہا۔

یہ اس صورت میں ہے جب مسبوق امام کے ساتھ پہلی رکعت میں شریک ہو اور اگر دوسری میں شریک ہو تو تکبیر تحریمہ کہے اور دوسری رکعت میں امام کی اقتدا کرے، جب امام نماز سے فارغ ہوجائے تو باقی ماندہ نماز کے لیے کھڑا ہو اور اسے اپنی رائے کے مطابق ادا کرے کیوں کہ اس نماز میں وہ اکیلا ہے۔ البتہ لاحق (جس کی نماز درمیان سے رہ گئی ہو) کے لیے یہ حکم نہیں ہے وہ ایسے مقتدی کے حکم میں ہے جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو۔

اگر عید اور جنازے کی نمازیں اکٹھی ہوجائیں تو پہلے نماز عید پڑھی جائے، پھر نماز جنازہ اور اس کے بعد نماز عید کا خطبہ دیا جائے۔

مالکیہ کے نزدیک (۴۳)

حنفیہ کی طرح نماز عید کی دو رکعات بلند آواز سے اذان اور اقامت کے بغیر ادا کی جائیں۔ ان میں سورہ الاعلیٰ اور سورہ الشمس وغیرہ پڑھنا مستحب ہے، البتہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد چھ زائد تکبیریں ہیں اور دوسری میں پانچ تکبیریں قیام کی تکبیر کے علاوہ، جو قراءت سے پہلے کہنا مستحب ہیں اور اگر قراءت کے بعد کہیں تب بھی جائز ہے لیکن استحباب کے خلاف ہے۔ اگر امام زائد تکبیریں قراءت سے مؤخر کردے یا مذکورہ بالا تعداد سے زائد تکبیریں کہے تو مقتدی اس کی اقتدا نہ کرے۔ تکبیروں کی تعداد کے بارے میں مالکیہ کی دلیل اہل مدینہ کا عمل ہے، نیز حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں پڑھیں، آپؓ نے پہلی رکعت میں قراءت

سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قراءت سے پہلے پانچ۔

تکبیریں مسلسل کہنا مستحب ہیں البتہ امام کو چاہیے کہ ہر تکبیر کے بعد انتظار کرے تاکہ مقتدی تکبیر کہہ لیں۔ صرف تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے، مشہور قول کے مطابق دوسری تکبیروں کے ساتھ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ ہاتھ اٹھانے مکروہ ہیں، مکبر خاموش رہے، تسبیح، تحمید یا کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔

تکبیریں سنت مؤکدہ ہیں، اگر امام کوئی تکبیر بھول جائے اور اسے قراءت کے دوران یا اس کے بعد رکوع سے پہلے یاد آجائے تو تکبیریں کہہ کر دوبارہ قراءت کرے اور سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرے کیوں کہ ایک قراءت زائد کی گئی۔

اگر رکوع کرنے کے بعد یاد آئے تو نماز جاری رکھنا واجب ہے، لوٹ کر تکبیریں نہ کہے کیوں کہ فرض سے نفل کی طرف لوٹنا جائز نہیں ورنہ نماز باطل ہوجائے گی۔ امام کی اگر ایک تکبیر بھی رہ جائے تو سجدہ سہو کرے کیوں کہ ہر تکبیر سنت مؤکدہ ہے، اگر مقتدی کی تکبیر رہ جائے تو اس کی ذمہ داری امام پر ہے یعنی وہ سجدہ سہو نہ کرے۔

اگر مقتدی امام کی تکبیر کی آواز نہ سن سکے تو اندازے سے تکبیر کہہ لے۔

مسبوق کی جو تکبیریں رہ جائیں وہ امام کے تکبیریں کہنے کے دوران نہ کہے بلکہ دیر سے امام کی اقتدا کرنے کی وجہ سے جو تکبیریں رہ جائیں وہ امام کے تکبیر سے فارغ ہونے کے بعد ادا کرے۔ اگر مسبوق نے تکبیر کے بعد قراءت کے دوران امام کی اقتدا کی تو وہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد تکبیریں کہے خواہ پہلی رکعت ہو یا دوسری۔ پہلی رکعت میں چھ اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہے۔ اگر پہلی رکعت چھوٹ گئی ہو تو بعد میں کھڑے ہو کر قیام کی تکبیر کے علاوہ چھ تکبیریں کہے۔ اگر امام کے ساتھ ایک رکعت سے کم نماز ملی ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد دونوں رکعات ادا کرے اور پہلی رکعت میں چھ اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہے۔

شافعیہ کی رائے (۳۴)

ثنا، تعوذ اور جہری قراءت کے سلسلے میں حنفیہ سے ہم آہنگ ہے البتہ ان کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہے۔ دونوں رکعات میں قراءت سے پہلے تکبیریں کہی جائیں اور ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جائیں۔ ہر دو تکبیروں کے درمیان اتنا وقفہ کیا جائے جس میں ایک درمیانی آیت پڑھی جاسکتی ہو۔ اس وقفہ میں کلمہ طیبہ تکبیر و تمجید پڑھی جائے، تکبیروں کے درمیان دونوں ہاتھ سینے کے نیچے باندھے کہ دایاں ہاتھ اوپر اور بایاں نیچے ہو۔ اس دوران میں " سبحان اللہ والحمدللہ ولاالہ الااللہ واللہ اکبر" کہنا مناسب ہے(۳۵) پھر تعوذ پڑھے اور قراءت کرے۔ تکبیریں نہ تو فرض ہیں اور نماز کے حصوں میں سے کوئی حصہ ہیں۔ یہ محض سنت ہیں یا تعوذ اور ثنا کی طرح کا ایک عمل ہیں اس لیے جان بوجھ کر چھوڑ دے یا بھولے سے کسی صورت میں سجدہ سہو نہیں ہے۔ البتہ ساری یا بعض تکبیریں چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

اگر نمازی تکبیریں بھول گیا اور قراءت شروع کرنے کے بعد رکوع سے پہلے یاد آ گئیں، خواہ ابھی فاتحہ مکمل نہ کی ہو تب بھی تکبیریں نہ کہے کیوں کہ جدید مذہب کے مطابق وہ اپنے اصل مقام سے رہ گئیں۔ اگر لوٹ کر تکبیریں کہنے لگا تو بھی نماز نہیں ٹوٹے گی البتہ اگر رکوع میں یا رکوع کے بعد تکبیر کہنے کے لیے کھڑا ہوگیا تو اگر اسے مسئلہ معلوم ہو اور دانستہ ایسا کرے تو نماز ٹوٹ جائے گی البتہ جہالت نسیان کی مانند ہے۔

اگر امام نے متعین عدد سے زائد تکبیریں کہہ دیں تو مقتدی پیروی نہ کرے۔ اگر امام نے کوئی تکبیر چھوڑ دی تو مقتدی بھی چھوڑ دے۔ اگر اس نے نہ چھوڑیں اور تین بار لگا تار ہاتھ اٹھا لیے تو نماز ٹوٹ جائے گی کیوں کہ یہ عمل کثیر ہے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر تین بار سے کم ہو تو نہیں ٹوٹتی۔ اگر امام مقررہ تعداد سے کم تکبیریں کہے تو مقتدی امام کی پیروی کرے۔ مسبوق جب اپنی باقی ماندہ نماز پڑھنے لگے تو تکبیریں کہے۔

تکبیرات کی تعداد کے بارے میں شافعیہ کی دلیل ترمذی کی روایت ہے جسے ترمذی نے حسن قرار دیا ہے(۳۶) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات اور دوسری میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

تکبیرات کے درمیان تسبیح وتحمید کی دلیل ابن مسعودؓ کا قول اور فعل ہے جسے بیہقی نے روایت کیا اور ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہؓ نے اس کی تصدیق کی اور یہی کلمات باقیات صالحات ہیں جو اس ارشاد ربانی سے مراد ہیں، والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثواباً وخیراً املاً (باقی رہنے والی نیکیاں اللہ کے نزدیک ثواب اور بہترین امید کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں، الکہف ۱۸: ۴۶) حضرت ابن عباسؓ اور صحابہ کی ایک جماعت کے نزدیک باقیات صالحات سے تسبیح وتحمید مراد ہے۔

تکبیرات کے لیے ہاتھ اٹھانے کے بارے میں شافعیہ کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے کہ آپؓ عید میں ہر تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے (۳۷)۔

سنت یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ ق پڑھے اور دوسری میں سورہ القمر، دونوں سورتیں بلند آواز سے مکمل پڑھے کیوں کہ ابوواقد لیثی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عیدالاضحیٰ میں سورہ ق اور سورہ القمر پڑھا کرتے تھے۔(۳۸) اور بلند آواز سے قراءت اسلاف سے تواتر سے منقول ہے۔

اگر پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری میں ھل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھی تو یہ بھی سنت ہے کیوں کہ مسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔ نیز مسلم کی ایک روایت میں پہلی رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص کی تلاوت بھی منقول ہے۔

حنابلہ کی رائے (۳۹)

وہ قراءت سے پہلے ثنا اور تعوذ پڑھنے کے بارے میں مالکیہ کے علاوہ جمہور سے ہم

آہنگ ہے اور تکبیراتؒ کی تعداد میں مالکیہ سے کہ پہلی رکعت میں چھ زائد تکبیریں کہی جائیں اور دوسری میں پانچ کیوں کہ امام احمدؒ نے عمرو بن شعیب سے ان کے باپ اور دادا کے حوالے سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید میں بارہ زائد تکبیریں کہی ہیں، سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری میں (۴۰) پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ سمیت سات تکبیریں ہیں جب کہ شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے کیوں کہ وائل بن حجرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور دو تکبیروں کے درمیان "اللہ اکبر کبیرا، والحمد للہ کثیرا، سبحان اللہ بکرۃ واصیلا وصلی اللہ علی محمد وآلہ وسلم تسلیما کثیراً" کہے اس کی دلیل ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے جو شافعیہ کی رائے میں بیان ہوئی ہے۔ اگر چاہے تو اس کے علاوہ کوئی اور ذکر کرسکتا ہے کیوں کہ اس موقع کے لیے کوئی متعین ذکر نہیں ہے۔ دونوں رکعات میں آخری تکبیر کے بعد کوئی ذکر نہ کرے۔

شافعیہ کی طرح حنابلہ کے نزدیک بھی تکبیر اور تکبیرات کے درمیان ذکر سنت ہے واجب نہیں اور دانستہ یا بھولے سے چھوڑ دینے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اگر تکبیر بھول گیا اور قراءت شروع کردی تو واپس لوٹ کر تکبیر نہ کہے، کیوں کہ یہ سنت ہیں اور اب ان کا موقع نہیں رہا، جیسا کہ ثنا یا تعوذ بھول جائے اور قراءت شروع کردے یا سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ ملانا بھول جائے اور رکوع کرلے تو واپس نہ لوٹے۔

اگر مقتدی جب نماز میں شامل ہوا تو امام تمام زائد تکبیرات کہہ چکا تھا یا کچھ کہہ چکا تھا تو مقتدی رہ جانے والی تکبیرات نہ کہے کیوں کہ ان کا موقع نہیں رہا، جیسا کہ اگر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو تو تکبیرات نہ کہے۔ مسبوق کی اگر درمیان سے کچھ نماز نیند یا غفلت کے باعث رہ گئی تو وہ جب اپنی باقی ماندہ نماز پڑھنے لگے تو تکبیرات کہے۔ یہ اکثر

اہل علم کی رائے ہے اور تکبیرات میں اپنے فقہی مذہب کے مطابق عمل کرے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عام ہے: ”جو نماز امام کے ساتھ ملے وہ امام کے ساتھ پڑھو اور جو رہ جائے اسے قضا کرو“۔

پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری میں سورہ الغاشیہ پڑھے کیوں کہ سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں سورہ الاعلیٰ اور الغاشیہ پڑھا کرتے تھے (۴۱) نیز سورہ الاعلیٰ میں صدقہ اور نماز کی ترغیب ہے: ارشاد ربانی ہے: قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی (۴۲) (جس نے صدقہ دیا وہ کامیاب ہوگیا، اور اللہ کا نام لیا پھر نماز پڑھی، الاعلی ۸۷: ۱۴۔۱۵)

عیدین میں بلند آواز سے قراءت کرے کیوں کہ ابن عمرؓ سے دارقطنی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور نماز استقا میں بلند آواز سے قراءت کرتے تھے۔

۶۔ خطبۂ عید:

عید کا خطبہ جمہور کے نزدیک سنت اور مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ عید کے لیے جمعہ کی طرح دو خطبے دیے جاتے ہیں، ان کی وہی شرائط، ارکان، سنن اور مستحبات ہیں جو جمعہ کے خطبہ کی ہیں البتہ عید کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے جب کہ جمعہ کا نماز سے پہلے۔ اس میں اہل اسلام میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام کو چاہیے کہ عید الفطر کے خطبہ میں لوگوں کو صدقہ فطر کے احکام ومسائل بتائے (۴۳) کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ”آج کے دن لوگوں کو مانگنے سے مستغنی کردو“ (۴۴) عید الاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی کے مسائل، تکبیرات تشریق اور عرفات میں قیام وغیرہ کے احکام بتائے تاکہ حاجیوں سے مشابہت پیدا ہو۔ نیز اس موقع کے اعتبار سے جن مسائل کی ضرورت ہو وہ بتائے۔ بہتر یہ ہے کہ ان مسائل کی تعلیم عید سے پہلے کے جمعہ میں دے۔ جب امام منبر پر چڑھے تو حنفیہ کے نزدیک بیٹھے نہیں اور

حنابلہ، مالکیہ اور شافعیہؒ کے نزدیک تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کرے۔

خطبہ کے سنت ہونے کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے طرز عمل کا اتباع ہے۔ خطبہ میں حاضر ہونا اور اسے سننا واجب نہیں کیوں کہ عطاء نے عبداللہ بن سائبؓ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں عیدین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، موجود تھا، جب آپ نے نماز مکمل کر لی تو فرمایا: ہم نے خطبہ دینا ہے، جو خطبہ کے لیے بیٹھنا چاہے بیٹھے، جو جانا چاہے چلا جائے۔(۴۵) اور اگر خطبہ چھوڑ دیا تو نماز عید تب بھی ہو جائے گی۔

اتباع سنت کا تقاضا ہے کہ خطبہ نماز عید کے بعد ہو کیوں کہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ خطبہ سے پہلے عیدین کی نماز پڑھایا کرتے تھے(۴۶)۔ اگر امام نے نماز سے پہلے خطبہ دے دیا تو حنفیہ کے نزدیک خطبہ درست ہے لیکن ترک سنت کے باعث صحیح کام نہیں کیوں کہ خطبہ بعد میں دینا سنت ہے۔

خطیب تکبیر سے خطبہ کا آغاز کرے اور درمیان میں بھی وقفے سے تکبیر کہتا رہے۔ مالکیہ کے نزدیک تکبیر کی تعداد مقرر نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے نزدیک پہلے خطبے میں سات بار تکبیر کہے۔ جمہور کے نزدیک پہلے خطبے میں لگاتار نو بار اور دوسرے میں مسلسل سات بار تکبیر کہے کیوں کہ سعید بن منصور، عبید اللہ بن عتبہ سے روایت کرتے ہیں کہ: امام عیدین میں خطبہ سے پہلے نو بار اور دوسرے خطبہ میں سات بار تکبیرات کہے۔ حنفیہ کے نزدیک ایک مستحب یہ ہے کہ امام منبر سے اترنے سے پہلے چودہ بار تکبیرات کہے، امام کے لیے مستحب ہے کہ اگر کچھ لوگ مثلاً خواتین خطبہ نہ سن سکے ہوں تو ان کے لیے دوبارہ خطبہ دے، اس میں سنت کا اتباع ہے۔ یہ شیخین کی روایت ہے۔

یاد رہے کہ شریعت میں دس خطبے ہیں: جمعہ کا خطبہ، عیدین کا، سورج گرہن اور چاند گرہن کا، استسقا کا، شادی کا، حج کے دوران شافعیہ کے نزدیک چار خطبے اور حنفیہ کے نزدیک

تین خطبے۔ یہ تمام خطبے نماز کے بعد ہیں البتہ جمعہ اور عرفہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہیں۔ نکاح کے وقت کا خطبہ نماز سے متعلق نہیں ہے۔ یہ تمام خطبے دو دو ہیں اُلبتہ شافعیہ کے نزدیک عرفہ کے علاوہ حج کے تینوں خطبے ایک ہیں اور نکاح کا خطبہ بھی ایک ہے۔ تین خطبے اللہ کی تعریف سے شروع کرنے چاہییں: جمعہ کا، استقا کا اور نکاح کا۔ پانچ یا چھ خطبے تکبیر سے شروع کیے جائیں۔ عیدین کا خطبہ، حج کے تین یا چار خطبے البتہ جو خطبہ مکہ اور عرفہ میں ہو وہ تکبیر سے شروع کیا جائے، پھر تلبیہ پڑھا جائے پھر خطبہ دیا جائے۔

جمعہ اور عید کے خطبوں میں باہمی فرق:

عید کا خطبہ جمعہ کے خطبہ سے چند امور میں مختلف ہے:

۱۔ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے اور عید کا نماز کے بعد ہوتا ہے۔ اگر عید کا خطبہ نماز سے پہلے دے دیا تو حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک درست نہیں اور نماز کے بعد دوبارہ خطبہ دیا جائے۔

۲۔ جمعہ کے دونوں خطبے الحمدللہ سے شروع کیے جائیں۔ یہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط یا رکن ہے، حنفیہ کے نزدیک سنت اور مالکیہ کے نزدیک مستحب، جب کہ عیدین کے خطبے تکبیر سے شروع کرنا مسنون ہیں۔

۳۔ عید کا خطبہ سننے والے کے لیے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک امام کی تکبیر کے ساتھ ساتھ آہستہ تکبیر کہنا مسنون ہے جب کہ جمعہ کے خطبہ میں کوئی بات کرنا حتیٰ کہ ذکر کرنا بھی جمہور کے نزدیک حرام ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق جمعہ اور عید کے خطبہ کے دوران ذکر کرنا مکروہ نہیں ہے۔ حنابلہ کے نزدیک عید اور جمعہ کے خطبہ میں تکبیر کے علاوہ ہر قسم کا کلام حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جمعہ اور عید کے خطبہ میں کلام مکروہ ہے، حرام نہیں، خطبے کے دوران سامعین تکبیر نہ کہیں بلکہ خطبہ سنیں۔

۴۔ حنفیہ کے نزدیک خطیب جب منبر پر چڑھے تو عید کے خطبہ کے لئے منبر پر نہ بیٹھے، جمہور کی رائے اس میں مختلف ہے، جب کہ جمعہ کے خطبہ میں بیٹھ جائے۔

۵۔ مالکیہ کے نزدیک اگر عید کا خطبہ دیتے ہوئے امام کا وضوٹوٹ جائے تو خطبہ جاری رکھے اور کسی کو نائب نہ بنائے جب کہ جمعہ کے خطبہ کے دوران وضوٹوٹ جائے تو کسی کو نائب بنادے۔

۶۔ شافعیہ کے نزدیک عید کے خطبہ میں وہ امور شرط نہیں ہیں جو خطبہ جمعہ میں شرط ہیں مثلاً قیام، طہارت، ستر ڈھانپنا اور دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا، بلکہ یہ امور محض سنت ہیں۔

۷۔ عیدین میں تکبیر کا حکم:

اس امر پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ عید کی صبح سے نماز عید تک اور ایام حج میں نمازوں کے بعد تکبیر کہنے کا شرعی حکم ہے۔ عید کی صبح سے نماز عید تک تکبیر کہنے کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ (۴۷) کہ عید الفطر میں عیدگاہ کی طرف روانہ ہونے تک آہستہ تکبیر کہے کیوں کہ حدیث میں ہے: بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدر ضرورت ہو (۴۸) ایک روایت یہ ہے کہ جب عیدگاہ میں پہنچے تو تکبیر کہنا بند کردے، دوسری روایت میں ہے کہ نماز شروع ہو تو تکبیر موقوف کردے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ تکبیر بلند آواز سے کہے، عید الاضحیٰ میں عیدگاہ کے راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہنے پر اتفاق ہے۔

جمہور کے نزدیک (۴۹) گھروں میں، مساجد میں، بازاروں اور راستوں میں عید کی صبح سے نماز عید شروع ہونے تک بلند آواز سے تکبیر جاری رکھی جائے اور حنابلہ کے نزدیک خطبہ سے فارغ ہونے تک تکبیر کہے۔ عید الاضحیٰ کی رات میں تکبیر کہنے کی بہ نسبت عید الفطر کے موقع پر تکبیر کہنے کی زیادہ تاکید ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ماھداکم ولعلکم تشکرون (تاکہ تم روزوں کی گنتی پوری

کرو اور اللہ کی طرف سے ہدایت پر اس کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ، البقرۃ ۱۸۵:۲) نیز اس میں اسلامی شعائر کا اظہار ہے اور دوسروں کو یاد دہانی کرانا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مطلقاً تکبیر (یعنی جو نمازوں کے بعد نہ ہو) عیدالفطر کی رات سورج غروب ہونے کے بعد سے مستحب ہے، اس سے پہلے نہیں اور نمازوں کے بعد تکبیر کہنا عیدالفطر کی رات میں حنابلہ کے نزدیک مسنون نہیں اور شافعیہ کے ہاں بھی صحیح تر روایت یہی ہے، کیوں کہ حدیث میں اس کے بارے میں حکم نہیں ہے۔

تکبیر کے الفاظ:

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک تکبیر کے الفاظ یہ ہیں: اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ الااللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد تاکہ حضرت جابرؓ کی روایت پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آئندہ آرہی ہے عمل ہو اور یہی دونوں خلفائے راشدین اور ابن مسعودؓ کا قول ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کی جدید روایت کے مطابق تکبیر کے الفاظ یہ ہیں: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر مالکیہ کے نزدیک یہی سب سے بہتر ہے، اگر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد بھی کہے تو اچھا ہے تاکہ حضرت جابرؓ اور ابن عباسؓ کی احادیث پر عمل ہو سکے۔ شافعیہ کے نزدیک تیسری تکبیر کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کرنا مستحب ہے: اللہ اکبر کبیرا، والحمدللہ کثیرا، سبحان اللہ بکرۃ واصیلا ، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر یہی الفاظ کہے تھے۔ اس کے بعد یہ الفاظ کہنا بھی مستحب ہے:

لاالہ الااللہ ولا نعبد الاایاہ، مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون، لاالہ الااللہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ، لاالہ الا اللہ واللہ اکبر۔

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، خواہ کافروں کو برا لگے، صرف اللہ کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں، اس

نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اکیلے ہی تمام گروہوں کو شکست دے دی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے)

حنفیہ کے نزدیک بھی اگر چاہے تو یہ اضافہ کرسکتا ہے اور تکبیر کا اختتام ان الفاظ پر کرے:

اللهم صلّ على محمد وعلى آل محمد وعلى اصحاب محمد وعلى ازواج محمد وسلم تسليماً كثيراً

(اے اللہ! حضرت محمدؐ، آپؐ کی آل، آپؐ کے صحابہ، آپؐ کی ازواج پر رحمت نازل فرما اور بہت زیادہ سلامتی نازل فرما)۔

عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایام حج میں نمازوں کے بعد تکبیر کہنا:

حنفیہ کے نزدیک (۵۰)

صحیح قول یہ ہے کہ ایک بار تکبیر تشریق (۵۱) کہنا مردوں اور عورتوں سب پر واجب ہے۔ اگر اس سے زائد کہتا ہے تو باعث ثواب ہے، تکبیر ہر اس فرض عین نماز کے فوراً بعد کہی جائے، جس کے اور تکبیر کے درمیان کوئی ایسا کام نہ ہوا ہو جس کی وجہ سے اس نماز پر بنا رکھ کر نماز جاری رکھنا جائز نہ ہو (جیسا کہ دانستہ مسجد سے نکلنے یا بات کرنے یا دانستہ وضو توڑنے کے بعد نماز پر بنا رکھنا جائز نہیں رہتا) نماز خواہ جماعت سے پڑھی ہو یا اکیلے، خواہ قضا نماز ہو، مرد بلند آواز سے اور عورتیں آہستہ تکبیر کہیں، وتر اور عید کی نماز کے بعد تکبیر نہ کہی جائے۔

تکبیر کی مدت:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک عرفہ کے دن کی فجر سے عید کے دن کی عصر تک اور صاحبین کے نزدیک ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک یعنی تیئس نمازوں کے بعد تکبیر پڑھی

جائے۔فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

ہر فرض نماز کے بعد ہر اس شخص پر جو فرض نماز پڑھے تکبیر واجب ہے، خواہ اکیلا نمازی ہو، یا مسافر ہو یا مقتدی کیوں کہ تکبیر نماز کے تابع ہے، صاحبین کے قول کے مطابق اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مسبوق کے لیے بھی لاحق کی طرح تکبیر کہنا واجب ہے، مسبوق کی جو نماز امام کے ساتھ سے رہ گئی ہو اسے ادا کرنے کے بعد تکبیر کہے۔ اگر امام تکبیر کہنا چھوڑ دے تو مقتدی تکبیر کہے۔

جس شخص نے احرام باندھا ہو وہ پہلے تکبیر کہے پھر تلبیہ پڑھے(۵۲) طہارت کے لیے یا امام کی تکبیر کے لیے تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر امام تکبیر چھوڑ دے تو مقتدی تکبیر کہے۔

تکبیر کے واجب ہونے اور اس کی مذکورہ مدت کے بارے میں حنفیہ کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے: واذکروا اللہ فی ایام معدودات (گنتی کے دنوں میں اللہ کو یاد کرو، البقرہ ۲:۲۰۳) اور حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن کی فجر سے ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک جب فرض نماز سے سلام پھیرتے تو تکبیر کہتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کی صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو صحابہ کی طرف رخ کر کے فرماتے: اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو، پھر کہتے: اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد۔ عرفہ کی صبح سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن کی عصر کی نماز تک تکبیر کہتے۔(۵۳)

مالکیہ کے نزدیک (۵۴)

جماعت کے لیے اور اکیلے نمازی کے لیے پندرہ وقتی فرض نمازوں کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے۔ تکبیر کا آغاز قربانی کے دن کی ظہر کی نماز سے کیا جائے اور چوتھے دن کی صبح

تک تکبیر کہی جائے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات** (گنتی کے دنوں میں اللہ کا نام یاد کرتے ہیں، الحج ۲۲:۲۸) اگرچہ اس آیت کا تعلق بطور خاص حاجیوں سے ہے لیکن جمہور کی رائے میں یہ حاجیوں اور دوسرے لوگوں کے لیے عام ہے اور لوگ اس پر بالعموم عمل کرتے رہے ہیں۔ عام لوگ حاجیوں کے تابع ہیں اور ظہر کے وقت سے تکبیر کہتے ہیں۔

نفل یا قضا نماز کے بعد تکبیر نہ کہے اور اگر تکبیر کہنا بھول گیا تو جب یاد آئے تو اگر زیادہ وقت نہیں گزرا تو تکبیر کہہ لے، اگر مسجد سے باہر نکل گیا یا زیادہ وقت گزر گیا تو تکبیر نہ کہے۔ اگر امام تکبیر چھوڑ دے تو مقتدی کے لیے تکبیر کہہ لینا مستحب ہے۔ اگر کوئی شخص تکبیر کہنا بھول جائے تو اسے یاد دلانا بھی مستحب ہے خواہ بات کے ذریعے یاد دلایا جائے۔

شافعیہ کی اظہر روایت کے مطابق: (۵۵)

حاجی قربانی کے دن کی ظہر کی نماز کے بعد تکبیر کا آغاز کرے کیوں کہ یہ منی میں پہلی نماز ہے اور تلبیہ ختم کرنے کا وقت ہے اور ایام تشریق کے آخری دن کی فجر کی نماز پر تکبیر ختم کرے کیوں کہ یہ منیٰ میں آخری نماز ہے جیسا کہ مالکیہ کی رائے بھی یہی ہے۔ اظہر روایت اور مشہور مذہب کے مطابق غیر حاجی حاجی کی طرح ہے کیوں کہ لوگ حاجیوں کے تابع ہیں، نیز مسلم کی حدیث میں مطلقاً آتا ہے: منیٰ کے ایام کھانے پینے اور ذکر اللہ کے ایام ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عرفہ کی صبح سے ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک تکبیر کہے اور بالعموم ممالک میں اسی پر عمل ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی ثابت ہے اور نووی نے اس کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہی صحیح تر ہے۔ حاجی قربانی کی رات میں تکبیر نہ کہے بلکہ تلبیہ کہے کیوں کہ تلبیہ حج کی علامت ہے اور عمرہ کرنے والا بھی تلبیہ کہے تا آنکہ طواف شروع کرلے۔

اظہر روایت یہ ہے کہ ان ایام میں وقتی، قضا، نذر، عام نوافل، مقید نوافل اور سبب

سے وابستہ نماز مثلاً تحیۃ المسجد سب کے بعد تکبیر کہے کیوں کہ تکبیر اس وقت کا شعار ہے۔

عیدین میں گھروں، راستوں، مساجد اور بازاروں میں بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہے کیوں کہ نافع نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے لیے فضل بن عباس، عبداللہ بن عباس، علی، جعفر، حسن، حسین، اسامہ بن زید، زید بن حارثہ اور ایمن بن ام ایمنؓ کے ہمراہ نکلتے تھے، بلند آواز سے کلمہ اور تکبیر کہتے ہوئے حدادین کے راستے عیدگاہ میں پہنچتے تھے(۵۶)

حج کے ایام یعنی ذوالحجہ کے دس دنوں میں جانوروں (اونٹ، گائے، بھیڑ بکریوں) کو دیکھ کر بھی تکبیر کہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام** (گنتی کے دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کرتے ہیں، اس بات پر کہ اللہ نے انہیں چوپائے مویشی عطا کیے ہیں، الحج ۲۲:۲۸)

حنابلہ کے نزدیک(۵۷)

عیدین میں مطلقاً تکبیر مسنون ہے اور مساجد، راستوں، گھروں میں، سفر اور حضر میں اور ہر جگہ جہاں اللہ کا ذکر جائز ہے تکبیر کا اظہار مسنون ہے عورتوں کے علاوہ باقی سب کے لیے جو باشعور، بالغ ہو اور نماز پڑھنے کا اہل ہو بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہے۔ آزاد غلام مرد، عورت، دیہاتی شہری سب لوگ ہر فرض نماز کے بعد، ادا ہو چاہے قضا تکبیر کہیں، مشہور قول یہ ہے کہ جماعت کی نماز کے بعد تکبیر کہی جائے۔ یوم عرفہ کی صبح سے ایام تشریق کے آخری دن کی عصر کی نماز تک تیئس نمازوں کے بعد تکبیر کہی جائے کیوں کہ حضرت جابرؓ کی مشہور روایت میں یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن صبح کی نماز پڑھی اور ہماری طرف متوجہ ہوئے، پھر فرمایا، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اور ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک یہ سلسلہ جاری رہا(۵۸)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالٰہ الا اللہ، واللہ اکبر، وللہ الحمد. مسافر اور مقیم، حاجی اور غیر حاجی تکبیر کی مدت میں سب

برابر ہیں کیوں کہ تکبیر تلبیہ کہنے سے پہلے کہنا ہوتی ہے۔ پہلے تکبیر کہے پھر تلبیہ، کیوں کہ تکبیر نماز کے اجزا میں سے ہے۔

اکیلا نمازی تکبیر نہ کہے کیوں کہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے: تکبیر اس شخص کے لیے ہے جو جماعت سے نماز پڑھے (۵۹) کیوں کہ یہ ذکر عید کے وقت کے ساتھ مختص ہے اس لیے خطبے کے مشابہ ہے۔ اگر امام بھول جائے تو مقتدی تکبیر کہہ لے تا کہ اسے ثواب حاصل ہوجائے، جیسا کہ اگر امام آمین کہنا بھول جائے تو مقتدی آمین کہہ لے۔

امام لوگوں کی طرف منہ کرکے تکبیر کہے کیوں کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی طرف رخ کر کے فرماتے: اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو، پھر تکبیر کہتے۔ امام کے علاوہ دوسرے نمازی قبلہ رو ہوکر تکبیر کہیں کیوں کہ یہ ذکر نماز کے ساتھ مختص ہونے کی وجہ سے اذان واقامت کے مشابہ ہے۔ تکبیر ایک بار کہنا کافی ہے۔ اگر ایک بار سے زیادہ کہی تب بھی کوئی حرج نہیں۔ تین بار کہنا مستحسن ہے۔ بہتر یہ ہے کہ نماز عید کے بعد بھی تکبیر کہے کیوں کہ یہ فرض نماز ہے اور جماعت سے ادا کی جاتی ہے اس لیے فجر کی نماز کے مشابہ ہے۔ نیز یہ نماز عید کے ساتھ مختص ہونے کی وجہ سے تکبیر کی زیادہ مستحق ہے۔

ذوالحجہ کے دس دنوں میں جنہیں گنتی کے دن کہا گیا ہے تکبیر کہنا مستحب ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات** (گنتی کے دنوں میں اللہ کا نام یاد کرتے ہیں۔ الحج ۲۲: ۲۸)

۸۔ عید کی سنن، مستحبات اور وظائف:

عیدالاضحیٰ کے آغاز ہی سے نیک اعمال میں کوشش کرنا یعنی ذوالحجہ کے دس دنوں میں ذکر اللہ، روزے، صدقہ اور دوسرے نیک کام کرنا مستحب ہے کیوں کہ یہ تمام ایام سے افضل ہیں۔ حدیث میں ہے ان دس ایام کے علاوہ کوئی دن ایسا نہیں ہے، جس میں اللہ کو

نیک عمل اتنا پسند ہو جتنا ان میں پسند ہے۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، ہاں! اگر کوئی شخص اپنی جان اور مال لے کر جہاد کے لیے نکلا اور کچھ بھی واپس نہ لایا تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔(٦٠)

مستحب یہ ہے کہ ذوالحجہ کے دس دنوں میں ناخن نہ تراشے اور سر نہ منڈائے کیوں کہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب ذوالحجہ کے دس دن شروع ہوجائیں اور تم میں سے جو لوگ قربانی کرنا چاہتے ہیں تو وہ بال نہ کٹوائیں اور نہ ناخن ترشوائیں۔

عید میں تکبیر کے علاوہ مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں:(٦١)

١۔ عیدین کی راتوں میں جاگ کر عبادت، ذکر، نماز، تلاوت قرآن، تکبیر، تسبیح اور استغفار میں مشغول رہنا، بالخصوص رات کے آخری تہائی حصے میں، بہتر یہ ہے کہ ساری رات جاگ کر گزارے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جو شخص عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی راتیں جاگ کر عبادت میں گزارتا ہے، جس روز دل مردہ ہوجائیں گے، اس کا دل مردہ نہیں ہوگا(٦٢) عشا اور فجر کی نمازیں باجماعت پڑھنا ساری رات عبادت کے قائم مقام ہے۔

عیدین کی راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے، پس جمعہ کی رات، رجب کی پہلی رات اور شعبان کی درمیانی رات کی طرح ان راتوں میں بھی دعا کرنا مستحب ہے۔

٢۔ غسل کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، مردوں کے لیے عمدہ لباس پہننا، جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے مستحب ہے۔ اس میں اللہ کی نعمت کا اظہار ہوتا ہے اور اس کا شکر بھی ہے۔ شافعیہ کے نزدیک آدھی رات کے وقت غسل کا وقت شروع ہوتا ہے، مالکیہ کے نزدیک کل رات کے آخری چھٹے حصہ میں البتہ صبح کی نماز کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے صبح کی نماز کے بعد غسل کا وقت ہے اور یہ غسل حنفیہ کے نزدیک نماز کے لیے ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور

عید قربان کے لیے غسل کیا کرتے تھے (۶۳)۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ عید کے دن غسل کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن خوشبو لگاتے، خواہ اہل خانہ کی خوشبو میں سے ہی ہو۔ آپؐ کے پاس ایک سرخ چادر تھی جسے آپؐ عید کے موقع پر پہنتے تھے (۶۴) عورتیں خوشبو لگائے بغیر عام لباس میں عید کے لیے نکلیں تاکہ کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

ناخن کاٹ کر، بدبو سے پاک صاف ہوکر، صاف ستھرا ہوکر عید کے لیے نکلے جیسا کہ جمعہ کے لیے نکلتا ہے۔ امام کے لیے ان احکام کی زیادہ تاکید ہے کیوں کہ اسے سب لوگ دیکھتے ہیں۔

۳۔ اگر کوئی عذر نہ ہو تو صبح کی نماز کے بعد مقتدی پیدل عیدگاہ کی طرف سکون و وقار سے روانہ ہوجائے خواہ سورج نکلنے سے پہلے نکلنا پڑے تاکہ لوگوں کی گردنیں پھلانگے بغیر امام کے قریب جگہ مل سکے اور نماز کا انتظار کرنے میں زیادہ ثواب ملے گا کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: پیدل عید کے لیے نکلنا سنت ہے (۶۵) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید اور جنازے کے لیے کبھی سواری پر نہیں گئے۔

امام کے لیے مسنون یہ ہے کہ دیر سے نماز کے وقت نکلے کیوں کہ مسلم میں حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں عیدگاہ کی طرف نکلتے تو سب سے پہلے نماز پڑھاتے۔

عیدگاہ سے واپسی پر سوار ہوکر آنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیوں کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: ''واپسی پر سوار ہوجاؤ'' کیوں کہ یہ جانا عبادت کے لیے نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جمعہ اور عیدین کے لیے سوار ہوکر جانے میں کوئی حرج نہیں البتہ جو پیدل جاسکتا ہو اس کے لیے پیدل جانا افضل ہے۔

حنفیہ نے اسے دو مستحبات سے تعبیر کیا ہے: (۱) اوّل وقت میں یا اس سے بھی پہلے ذوق وشوق سے عبادت کے لیے اٹھ کھڑا ہونا (۲) عیدگاہ میں جلدی پہنچنا تاکہ اس کی فضیلت اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کا ثواب حاصل ہو۔

مستحب یہ ہے کہ نماز جمعہ کی طرح عیدگاہ میں بھی امام وغیرہ ایک راستے سے جائیں اور دوسرے سے واپس آئیں، اس میں سنت کا اتباع ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے(۶۶) تاکہ دونوں راستے گواہی دیں یا زیادہ ثواب ہو۔ جانے کے لیے لمبا راستہ اختیار کرے تاکہ زیادہ ثواب ہو اور واپسی کے لیے مختصر۔

مستحب یہ ہے کہ امام عیدالاضحیٰ کے لیے جلدی نکلے اور عید الفطر کے لیے قدرے تاخیر سے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کے بارے میں ایک مرسل حدیث میں اس طرح ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ قربانی اور صدقہ فطر نکالنے کے لیے زیادہ وقت بچتا ہے۔

۴۔ عیدالفطر میں نماز سے پہلے کچھ کھا پی لے، طاق عدد کھجوریں کھائے اور عیدالاضحیٰ میں نماز سے لوٹنے کے بعد کھائے پیئے۔ عیدالفطر میں نماز سے پہلے کھانے کی عیدالاضحیٰ میں نہ کھانے کی بہ نسبت زیادہ تاکید ہے کیوں کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں چند کھجوریں کھائے بغیر گھر سے روانہ نہیں ہوتے تھے (۶۷) ایک منقطع روایت میں ہے: طاق عدد کھجوریں کھاتے۔ بریدہؓ کی حدیث میں ہے: عیدالفطر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کھائے پیے بغیر نہ نکلتے اور قربانی کے دن نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھاتے (۶۸)۔ اگر قربانی کرے تو قربانی کے گوشت سے کھائے، بہتر یہ ہے کہ کلیجی کھائے کیوں کہ وہ جلدی تیار ہو جاتی ہے اور زود ہضم ہے۔ اگر قربانی نہ کر رہا ہو تو حنابلہ کے نزدیک چاہے تو نماز سے پہلے کھا پی لے، چاہے بعد میں۔

عیدالاضحیٰ میں تاخیر سے کھانا پینا مستحب ہے، خواہ قربانی کرے خواہ نہ کرے۔

۵۔ عیدالفطر میں لوگوں کے نماز کے لیے نکلنے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرے۔ اگر عید کے دن سے چند دن پہلے صدقہ فطر ادا کردے تو کوئی حرج نہیں ہے تاکہ فقراء کے لیے عید کے موقع پر اس سے استفادہ آسان ہو ابن عباسؓ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر مقرر کیا تاکہ روزہ دار لغو اور فضول کاموں سے پاک ہوجائے اور مساکین کے کھانے کا انتظام ہو، جو کوئی نماز سے پہلے صدقہ فطر دیتا ہے اس کا صدقہ اللہ کے ہاں مقبول ہے اور جو نماز کے بعد دیتا ہے وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔(۶۹)

۶۔ اہل خانہ کے لیے کشائش پیدا کرنا۔ حسب استطاعت عام معمول سے زیادہ نفل صدقہ کرے تاکہ فقراء سوال سے بچ سکیں۔

۷۔ جن اہل ایمان سے ملاقات ہو ان سے بشاشت اور خوش اخلاقی سے ملنا، خوشی اور مسرت کے اظہار کے لیے اپنے رشتہ داروں اور احباب سے ملاقات کرنا تاکہ اخوت ومحبت کے روابط مستحکم ہوں۔

۸۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز محلے کی مسجد میں پڑھنا مستحب ہے تاکہ اس کا حق بھی ادا ہو، پھر عیدگاہ کی طرف روانہ ہو، جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ صحرا میں عیدگاہ میں نماز پڑھنا مستحب ہے، مسجد میں نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ اگر مسجد تنگ ہو تو عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھی جائے ورنہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ نماز عید کے زیر عنوان ہم بیان کرچکے ہیں۔

۹۔ عید کی نماز سے پہلے اور بعد نوافل پڑھنا:

فقہاء کی دو آرائیں ہیں: جمہور کی رائے یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے اور بعد نوافل نہ پڑھے اور ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے۔ شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ امام کے علاوہ دوسرے لوگ سورج بلند ہونے کے بعد عید سے پہلے نوافل پڑھ سکتے ہیں اور بعد میں بھی۔ ان

آراء کی تفصیل یہ ہے:۔

حنفیہ کی رائے (۷۰)

یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے عید گاہ میں اور گھر پر مطلقاً نوافل پڑھنا اور بعد میں عید گاہ میں نوافل پڑھنا مکروہ ہیں اور گھر میں جائز ہیں کیوں کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن گھر سے نکلے تو آپؐ نے دو رکعات پڑھیں، نہ اس سے پہلے آپؐ نے کوئی نماز پڑھی اور نہ بعد میں (۷۱) ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید سے قبل کوئی نماز نہیں پڑھی اور جب عید گاہ سے واپس تشریف لائے تو گھر میں دو رکعت نماز پڑھی۔(۷۲)

مالکیہ کا مشہور مذہب (۷۳)

یہ ہے کہ عید گاہ میں نماز عید سے پہلے اور بعد میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی احادیث کا یہی تقاضا ہے البتہ مسجد میں عید سے پہلے اور بعد میں نوافل پڑھنا مکروہ نہیں عید سے پہلے اس لیے کہ سورج نکلنے کے بعد نوافل پڑھنا سنت ہیں اور تحیۃ المسجد بالاتفاق مطلوب ہے اور نماز عید کے بعد اس لیے مکروہ نہیں تا کہ ہم مسجد میں باجماعت نماز کے لیے اہل بدعت کی حاضری کا جائزہ لے سکیں۔

حنابلہ (۷۴) کے نزدیک نماز عید سے پہلے اور بعد میں امام اور مقتدی دونوں کے لیے نماز عید کی جگہ نوافل پڑھنا مکروہ ہیں، خواہ نماز عید عید گاہ میں ہو، خواہ مسجد میں۔ اس کی دلیل ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا احادیث ہیں اور صحابہ کرام کی اس سے ممانعت اور ان کا طرز عمل ہے۔ نیز یہ وقت دوسرے اوقات نہی کی طرح نوافل کے لیے ممنوع وقت ہے۔

عید گاہ سے نکلنے سے پہلے امام اور مقتدی دونوں کے لیے عید گاہ میں قضا نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ عید گاہ صحرا میں ہو یا مسجد میں، تا کہ کوئی دوسرا اس کی اقتدا نہ کرے۔

عید گاہ سے نکل کر گھر پہنچ جائے یا کسی اور جگہ تو نوافل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں

کیوں کہ حرب نے ابن مسعودؓ کا عمل بیان کیا ہے کہ وہ عید کے دن اپنے گھر واپس آ کر چار یا دو رکعات پڑھا کرتے تھے۔ حنابلہ کی یہ رائے حنفیہ سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔

عید کے روز ایک دوسرے کو یہ کہنا "اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری عبادت قبول کرے، درست ہے"۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

شافعیہ (۷۵) کے نزدیک عید کی نماز سے پہلے سورج نکلنے کے بعد غیر امام کے لیے نوافل پڑھنا مکروہ نہیں ہیں کیوں کہ کوئی ایسی وجہ نہیں جس کے باعث نوافل مکروہ ہوں، کیوں کہ یہ وقت نماز کی ممانعت کا نہیں ہے اور ابو بردہ، انس، حسن اور جابر بن زیدؓ سے روایت ہے کہ وہ امام کے آنے سے پہلے عید کے روز نوافل پڑھ لیا کرتے تھے۔

البتہ سورج بلند ہونے سے پہلے مکروہ وقت ہے جب کہ امام کے لیے عید کی نماز سے پہلے اور بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہیں، کیوں کہ اس طرح وہ غیر اہم کام میں مصروف ہوجاتا ہے۔ نیز اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی مخالفت ہے۔ غیر امام اگر نماز عید کے بعد خطبہ سن رہا ہے تو اس کے لیے نوافل پڑھنا مکروہ ہیں ورنہ نہیں۔

جو شخص اس وقت داخل ہوا جب خطیب خطبہ دے رہا تھا تو اگر مسجد میں ہے تو تحیۃ المسجد سے آغاز کرے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو دو رکعات پڑھ لے جیسا کہ ہم نوافل میں بیان کر چکے ہیں۔ پھر خطبہ سے فارغ ہو کر مسجد میں نماز عید پڑھے۔ اگر اس کی جگہ عید کی دو رکعات پڑھ لیں تو زیادہ بہتر ہے، اس سے تحیۃ المسجد اور نماز عید دونوں کا ثواب مل جائے گا۔ اگر کوئی شخص عید گاہ میں آیا اس کے ذمے فرض نماز تھی تو اسے پڑھ لے، اس سے تحیۃ المسجد کا ثواب بھی مل جائے گا۔

اگر نماز صحرا میں ادا کی جارہی ہے تو مسنون یہ ہے کہ بیٹھ کر خطبہ سنے کیوں کہ وہاں تحیۃ المسجد نہیں ہے اور نماز عید مؤخر کردے، ہاں اگر اس کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو نماز عید پہلے پڑھ لے پھر خطبہ سنے، اگر اس نے نماز مؤخر کردی تو اسے اختیار ہے چاہے

وہیں عید گاہ میں پڑھ لے، چاہے کسی اور جگہ پڑھ لے بشرطیکہ اسے تاخیر سے نماز جاتے رہنے کا خوف نہ ہو۔

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ کا طریقہ اور آپؐ کے خطبے کی کیفیت:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے بیان پر ختم کی جائے۔ اس کی سند یہ ہے کہ عمرو بن شعیب نے اپنے والد اور دادا کے حوالے سے بیان کیا جسے ثقہ راویوں نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عید الفطر میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں اور دونوں رکعات میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت کی قراءت ہے۔(۷۶)

ابو سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ میں تشریف لے جاتے، سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو جاتے، لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے، آپؐ انہیں نصیحت فرماتے اور دین کے احکام بتاتے۔(۷۷)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں عید کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا، آپؐ نے خطبہ سے پہلے اذان اور اقامت کے بغیر نماز پڑھائی، پھر بلال پر سہارا لگا کر کھڑے ہوگئے، آپؐ نے لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کی تلقین کی اور نیکی کی ترغیب دی، لوگوں کو وعظ ونصیحت فرمائی پھر آپؐ چلے اور خواتین کے پاس گئے اور انہیں وعظ ونصیحت فرمائی۔(۷۸)

سعد المؤذن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے دوران تکبیر کہتے جاتے تھے اور عیدین کے خطبوں میں بکثرت تکبیر کہتے۔(۷۹)

عبید اللہ بن عبداللہؒ بن عتبہ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام عیدین کے موقع پر دو دو خطبے دے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر وقفہ کرے۔ (۸۰)

۱۱۔ عید کے دن نماز جمعہ:

اگر عید کے روز جمعہ آجائے تو امام کے علاوہ نماز عید میں شامل ہونے والے تمام نمازیوں کے لیے جمعہ کی حاضری ضروری نہیں رہتی، البتہ امام سے جمعہ ساقط نہیں ہوتا البتہ اگر کوئی جمعہ پڑھنے نہ آئے تو امام کے ذمے بھی جمعہ نہیں ہے۔ یہ حنابلہ کا مذہب ہے کیوں کہ ابو داؤد اور امام احمد نے ایاس بن ابی رملہ شامی (۸۱) سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں:

میں نے دیکھا حضرت معاویہؓ زیدؓ بن ارقم سے پوچھ رہے تھے کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی عیدین پائی ہیں جو ایک روز آئی ہوں، انہوں نے کہا، ہاں، معاویہؓ نے پوچھا، آپؐ نے کیا کیا تھا؟ زید نے کہا، آپؐ نے عید کی نماز پڑھی پھر جمعہ کے بارے میں اجازت دے دی اور فرمایا: جو نماز پڑھنا چاہے پڑھ لے، یا فرمایا: جو جمعہ پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج تمہاری دوعیدیں جمع ہوگئی ہیں، جو چاہے، اس کے لیے عید کی نماز نماز جمعہ کی طرف سے کافی ہے، ہم جمعہ پڑھیں گے۔ چوں کہ عید کا خطبہ سننے سے مقصد پورا ہوجاتا ہے اس لیے دوبارہ خطبہ سننا ضروری نہیں کیوں کہ حنابلہ کی رائے میں اس کا وقت بھی وہی ہے جو عید کا ہے یعنی چھٹا گھنٹہ، پس ایک خطبے سے دوسرا ساقط ہوجاتا ہے جیسے جمعہ سے ظہر ساقط ہوجاتی ہے۔

جمہور (باقی مذاہب) کی رائے یہ ہے کہ جمعہ واجب ہے کیوں کہ جس آیت میں جمعہ کا حکم ہے وہ عام ہے اور اس کے وجوب کی احادیث بھی عام ہیں۔ نیز یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں جو دونوں واجب ہیں اس لیے ایک سے دوسری نماز ساقط نہیں ہوتی جیسا کہ عید کی نماز سے ظہر کی نماز ساقط نہیں ہوتی۔ (۸۲)

حواشی وتعلیقات

۱۔ المغنی،۲: ۳۶۷، مغنی المحتاج، ۱:۳۱۰۔

۲۔ متفق علیہ۔

۳۔ المغنی،۲: ۳۶۷، کشاف القناع،۲:۵۵۔

۴۔ فتح القدیر،۱:۴۲۲،الدر المختار،۱:۷۷۴،تبیین الحقائق،۱:۲۲۳وبعد،مراقی الفلاح،۸۹

۵۔ الشرح الصغیر،۱:۵۲۳، القوانین الفقہیہ، ۸۵، مغنی المحتاج،۱:۳۱۰،المہذب،۱:۱۱۸۔

۶۔ بخاری ومسلم نے طلحہ بن عبید اللہؓ سے روایت کی (نصب الرایۃ،۲: ۲۰۸)

۷۔ مغنی المحتاج، ۱:۳۱۶۔

۸۔ البدائع، ۱:۲۷۵، ۲۶۱۔

۹۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور عبدالرزاق نے ان الفاظ سے روایت کی: جمعہ اور تشریق بڑے شہر کے علاوہ جائز نہیں۔ نصب الرایۃ،۲:۱۹۵

۱۰۔ کشاف القناع: ۲:۵۸، المغنی،۲:۳۹۲۔

۱۱۔ البدائع، ۱: ۲۷۵، الشرح الصغیر، ۱:۵۳۰، بدایۃ المجتہد، ۱:۲۱۱۔

۱۲۔ مغنی المحتاج،۱:۳۱۰، المہذب، ۱: ۱۱۹، المجموع،۴:۹۶، ۳۶۵، ۵:۱۱، المغنی،۲:۳۷۵، کشاف القناع،۲:۵۸۔

۱۳۔ صحاح ستہ نے روایت کی: العواتق، عاتق کی جمع ہے، نئی نوجوان عورت، ذوات الخدور، ایسی کنواری لڑکیاں جو پردہ نشین ہوں۔ کنواری لڑکی کو مکان کے کونے میں پردہ لٹکا کر بٹھایا جاتا تھا اسے مخدرہ کہا جاتا۔ حیض، وہ عورتیں جنہیں ماہواری آ رہی ہو۔

۱۴ بخاری ومسلم۔

۱۵۔ فتح القدیر،۱:۴۲۴، اللباب، ۱:۱۱۷، مراقی الفلاح، ۹۰، الدر المختار،۱:۷۷۹، البدائع، ۱:۲۷۶، الشرح الصغیر، ۱:۵۲۴، القوانین الفقہیہ، ۸۵، مغنی المحتاج، ۱:۳۱۰، المہذب،

ا:۱۱۸، کشاف القناع،۲:۵۶۔

۱۶۔ فتح القدیر،ا:۴۲۹، اللباب، ا: ۱۱۸، الشرح الصغیر، ا:۵۲۴، القوانین الفقھیه،۸۵۔

۱۷۔ مغنی المحتاج،ا:۳۱۵، المھذب، ا:۱۲۰، کشاف القناع،۲:۵۸، ۶۳، المغنی،۲:۳۹۰-۳۹۲۔

۱۸۔ کشاف القناع،۲:۶۳۔

۱۹۔ القوانین الفقھیه، ۵۸ وبعد

۲۰۔ الدر المختار،ا:۷۸۳، تبیین الحقائق، ا:۲۲۶، الفتاوی الھندیه، ا:۱۴۲،مراقی الفلاح، ۹۱، المھذب، ا:۱۲۱، مغنی المحتاج، ا:۳۱۵، المغنی،۲:۳۹۱ وبعد، کشاف القناع،۲:۵۶۔

۲۱۔ ابو داؤد، دارقطنی نے اسے حسن قرار دیا ہے، نسائی نے صحیح اسناد سے روایت کی ہے، بیہقی نے اس کی اسناد کو صحیح بتایا ہے (المجموع،۵:۳۱)

۲۲۔ صحیح حدیث ہے، ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے (ایضاً)

۲۳۔ تبیین الحقائق ، ا:۲۲۴، مراقی الفلاح،۹۰، القوانین الفقھیه ، ۸۵، الدر المختار وردالمحتار، ا:۷۷۷، الفتاوی الھندیه، ا:۱۴۰، مغنی المحتاج،۳۱۲ وبعد، المجموع، ۵:۵ وبعد، المھذب، ا:۱۱۸، کشاف القناع،۲:۵۹۔

۲۴۔ ابوا داؤد نے عمدہ سند سے روایت کی، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا (المجموع ۵:۶)

۲۵۔ صحیح حدیث ہے، بخاری ومسلم نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے۔

۲۶۔ امام شافعی نے صحیح سند سے روایت کی ہے۔ ضعفہ (ضاد اور عین کی زبر کے ساتھ) ضعفاء کے معنی میں ہے جو ضعیف کی جمع ہے۔

۲۷۔ احمد، نسائی وغیرہ۔

۲۸۔ صحیح حدیث ہے، ابو داؤد نے صحیح اسناد سے روایت کی۔ بخاری ومسلم کی شرائط پر ہے البتہ ابوداؤد نے کہا ہے "عمرؓ یا عثمانؓ" بخاری اور مسلم نے ابن عباسؓ اور جابرؓ سے روایت کی کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے لیے اذان نہیں کہی جاتی تھی۔

۲۹۔ امام شافعی نے ضعیف سند کے ساتھ مرسلاً روایت کی۔ اس ضعیف حدیث کی وجہ سے سورج گرہن

کی نماز پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جب سورج گرہن ہوا تو ایک آواز دینے والے سے کہا کہ پکار کر کہو "نماز تیار ہے" المجموع، ۵:۱۷، الشرح الصغیر، ۲:۱۹۱۔

۳۰۔ اللباب، ۱:۱۱۷ وبعد، مراقی الفلاح، ۹۰، فتح القدیر، ۱:۴۲۵-۴۲۷، تبیین الحقائق، ۱:۲۲۵، الدر المختار، ۱:۷۷۹-۷۸۲، البدائع، ۱:۲۷۷ وبعد، الفتاوی الھندیہ، ۱:۱۴۱۔

۳۱۔ امام ابوحنیفہ نے مرفوع روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلی اور ھل أتاک حدیث الغاشیة پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار صرف عیدین کے حوالے سے روایت کی۔ امام احمد نے سمرہؓ سے عیدین کے بارے میں روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۲۹۶)۔

۳۲۔ طحاوی، الآثار، ۴۰ (نصب الرایة، ۲:۲۱۴ حاشیہ)

۳۳۔ الشرح الصغیر، ۱:۵۲۵ وبعد، الشرح الکبیر، ۱:۳۹۷، ۴۰۰، القوانین الفقھیہ، ۸۶، بدایة المجتھد، ۱:۲۰۹ وبعد۔

۳۴۔ مغنی المحتاج، ۱:۳۱۰-۳۱۱، المھذب، ۱:۱۲۰، المجموع، ۵:۱۸ وبعد۔

۳۵۔ اگر وہ الفاظ کہے جس کے لوگ عادی ہیں یعنی اللہ اکبر کبیرا، والحمدللہ کثیرا وسبحان اللہ بکرة واصیلاً وصلّی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم تسلیماکثیراً تو بہت اچھا ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد یہ الفاظ نہ کہے بلکہ تعوذ پڑھے اور دوسری نمازوں کی طرح قراءت کرے۔

۳۶۔ کثیر بن عبداللہ نے اپنے باپ، دادا کے حوالے سے روایت کی، ابن ماجہ نے قراءت کا ذکر نہیں کیا۔ ابو داؤد نے سند حسن سے عمرو بن شعیب سے ان کے باپ اور دادا کے حوالے سے روایت کی۔ (نیل الاوطار، ۲:۲۹۷)

۳۷۔ بیہقی نے عطاء سے مرسلاً روایت کی اور سنن میں حضرت عمرؓ سے منقطع اور ضعیف سند سے روایت کی۔

۳۸۔ بخاری کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے روایت کی۔ ابو واقد کا نام حارث بن عوف تھا۔ نیل الاوطار، ۳:۲۹۶، المجموع، ۵:۱۹-۲۰۔

۳۹۔ المغنی،۲: ۳۷۶-۳۸۴، ۳۹۶، کشاف القناع،۲: ۵۹-۶۱، ۶۳، ۶۵۔

۴۰۔ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا اور کہا کہ اس موضوع پر یہ سب سے عمدہ حدیث ہے، ابن ماجہ، المدینی نے اسے صحیح قرار دیا۔ ایک روایت میں ہے: پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں دونوں رکعتوں میں قراءت تکبیرات کے بعد ہے یہ ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ تکبیرات کے مسئلے میں صحابہ کرامؓ سے مختلف روایات مروی ہیں۔اورسب صورتیں جائز ہیں۔ ابن الجوزی کہتے ہیں،عیدین میں تکبیرات کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔

۴۱۔ احمد، ابن ماجہ نے ابن عباسؓ اور نعمان بن بشیرؓ سے اسی طرح کی حدیث روایت کی، نیز حضرت عمرؓ اور حضرت انسؓ سے بھی روایت ہے۔

۴۲۔ سعید بن المسیب اور عمر بن عبدالعزیز نے یہی تفسیر کی ہے۔

۴۳۔ اللباب، ۱: ۱۱۸-۱۱۹، مراقی الفلاح، ۹۱ تبیین الحقائق، ۱: ۲۲۶، الفتاوی الھندیہ، ۱: ۱۴۱، فتح القدیر، ۱: ۴۲۸ وبعد، الدر المختار، ۱: ۷۸۲-۷۸۴، الشرح الصغیر، ۱: ۵۳۰، الشرح الکبیر، ۱: ۴۰۰، القوانین الفقھیہ، ۸۶، مغنی المحتاج، ۱: ۳۱۱ وبعد، المھذب، ۱: ۱۲۰، المجموع ۵: ۳۶، المغنی،۲: ۳۸۴-۳۸۷، کشاف القناع،۲: ۶۱-۶۲۔

۴۴۔ کشاف القناع،۲: ۶۲۔

۴۵۔ ابن ماجہ، اس کی سند ثقہ راویوں پر مشتمل ہے، ابوداؤد اور نسائی نے اسے مرسل قرار دیا ہے (نیل الاوطار،۳: ۳۰۵)

۴۶۔ متفق علیہ۔شیخین نے ابوسعید خدریؓ سے بھی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ میں تشریف لاتے، سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوجاتے، لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے، آپؐ انہیں وعظ ونصیحت فرماتے اور احکام سکھاتے۔(نیل الاوطار،۳: ۳۰۳)

۴۷۔ فتح القدیر، ۱: ۴۲۳، الفتاوی الھندیہ، ۱: ۱۴۲، مراقی الفلاح، ۹۰، اللباب، ۱: ۱۱۷، الدر المختار، ۱: ۷۸۴-۷۸۵۔

۴۸۔ احمد، ابن حبان، بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سعدؓ سے روایت کی ہے۔

۴۹۔ الشرح الصغیر، ۵۲۹:۱، القوانین الفقهیه، ۸۶، المجموع، ۳۶:۵-۳۷، مغنی المحتاج، ۳۱۴:۱ وبعد، کشاف القناع، ۶۳:۲-۶۴، المغنی، ۳۶۸:۲، ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۹۳-۵۹۵۔

۵۰۔ الدرالمختار، ۷۸۴:۱-۷۸۶، تبیین الحقائق، ۲۲۶:۱ وبعد، اللباب، ۱۱۹:۱ وبعد، فتح القدیر، ۴۳۰:۱-۴۳۱۔

۵۱۔ التشریق: گوشت سکھانے کے لیے دھوپ میں رکھنا۔ عربوں کی عادت تھی کہ عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن تک قربانی کا گوشت دھوپ میں خشک کرلیتے تھے اور ان دنوں کو ایام تشریق کہتے تھے۔ ایام تشریق، ایام معدودات (گنتی کے دن) ہیں اور ایام معلومات ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔

۵۲۔ الدرالمختار میں ہے کہ احرام باندھنے والا تلبیہ سے شروع کرے۔

۵۳۔ دارقطنی، اس روایت میں جابر جعفی ہے جو ناقابل اعتبار ہے۔ نیز عمرو بن شمر ہے جو اور بھی برا ہے، بلکہ تباہ حال ہے (نصب الرایة، ۲۲۳:۲ وبعد) صحیح یہ ہے کہ تکبیر کے الفاظ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے عمدہ سند سے روایت کیے ہیں۔ صنعانی نے سبل السلام ۷۲:۲ میں کہا ہے: کہ تکبیر کے صحیح ترین الفاظ وہ ہیں جو عبدالرزاق نے سلمان سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیے ہیں کہ ''تکبیر کہو، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر کبیرا'' سعید بن جبیر، مجاہد اور ابن ابی لیلیٰ سے بھی مروی ہے۔ امام شافعی نے وللہ الحمد کا اضافہ کیا ہے۔

۵۴۔ بدایة المجتهد ۲۱۳:۱، الشرح الصغیر، ۵۳۱:۱، القوانین الفقهیه، ۸۶، الشرح الکبیر، ۴۰۱:۱۔

۵۵۔ مغنی المحتاج، ۳۱۴:۱، المهذب، ۱۲۱:۱، المجموع، ۲۴:۵-۴۲۔

۵۶۔ المصلی: مدینہ کے قریب، مسجد نبوی کے پاس ایک کھلی جگہ تھی، آج کل یہ جگہ شہر میں داخل ہوگئی ہے اور یہاں مسجد غمامہ ہے۔

۵۷۔ کشاف القناع، ۶۳:۲-۶۷، المغنی، ۳۹۳:۲-۳۹۸۔

۵۸۔ دارقطنی نے متعدد طرق سے روایت کی ہے، ہم نے اس کا ضعف بیان کردیا ہے۔

۵۹۔ ابن المنذر

۶۰۔ مسلم اور نسائی کے علاوہ باقی چاروں کتب صحاح نے ابن عباسؓ سے روایت کی (نیل الاوطار ۳۱۲،۳)۔

۶۱۔ مراقی الفلاح، ۸۹:۱ وبعد، تبیین الحقائق، ۲۲۴:۱ وبعد، فتح القدیر، ۴۲۳:۱، ۴۲۹، الفتاوی

الهنديه، ۱: ۱۴۰، الدر المختار، ۱: ۷۷۶ وبعد، اللباب، ۱: ۱۱۶ وبعد، الشرح الصغير، ۱: ۵۲۷-۵۳۱، مغنی المحتاج، ۱: ۳۱۲ وبعد، المهذب، ۱: ۱۱۹، المغنی، ۲: ۳۶۹ - ۳۷۴، ۳۸۹، ۳۹۹، كشاف القناع، ۲: ۵۶-۵۸۔

۶۲۔ طبرانی نے المعجم الکبیر میں عبادہ بن الصامتؓ سے روایت کی۔ دارقطنی نے موقوفاً روایت کی۔ نووی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ ابن ماجہ نے ابو امامہؓ سے سند حسن کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ روایت کی: جس نے عید کی دو راتوں میں قیام کیا، محض اللہ کی رضا کے لیے، جس روز دل مردہ ہوجائیں گے اس کا دل نہیں مرے گا۔

۶۳۔ ابن ماجہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (نصب الرایة ۱: ۸۵)

۶۴۔ بیہقی نے ابن عباسؓ سے، ابن عبد البر اور ابن خزیمہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اک چغہ تھا جسے عیدین اور جمعہ کے موقع پر زیب تن فرماتے تھے۔

۶۵۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک یہی معمول ہے۔

۶۶۔ بخاری نے جابرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے لیے نکلتے تو مختلف راستے اختیار فرماتے۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔

۶۷۔ بخاری (نصب الرایة ۲: ۲۰۸)۔

۶۸۔ ترمذی، ابن ماجہ (ایضاً)

۶۹۔ ابو داؤد، ابن ماجہ، دارقطنی، حاکم نے اسے صحیح بتایا ہے۔ (نیل الاوطار ۴: ۱۸۴)

۷۰۔ فتح القدیر، ۱: ۴۲۴، الدر المختار، ۱: ۷۷۷ وبعد، اللباب، ۱: ۱۱۷، مراقی الفلاح، ۹۰۔

۷۱۔ صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۳: ۳۰۰) ابن عمرؓ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے جو امام احمد نے روایت کی اور ترمذی نے اسے صحیح بتایا۔ بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عید سے پہلے نماز مکروہ ہے۔

۷۲۔ ابن ماجہ، احمد، نیل الاوطار ۳: ۳۰۱۔

۷۳۔ بداية المجتهد، ۱: ۲۱۲، الشرح الكبير، ۱: ۴۰۱، الشرح الصغير، ۱: ۵۳۱۔

۷۴۔ كشاف القناع، ۲: ۶۲ - ۶۳، المغنی، ۲: ۳۸۷-۳۸۹، ۳۹۹۔

۷۵۔ المهذب، ۱:۱۱۹، مغنى المحتاج، ۱:۳۱۳۔

۷۶۔ ابو داؤد، ترمذی نے بخاری کے حوالے سے اسے صحیح قرار دیا، احمد اور علی بن المدینی نے بھی اسے صحیح بتایا (سبل السلام، ۲:۶۸)۔

۷۷۔ متفق علیہ (ایضاً، ۶۷)

۷۸۔ مسلم، نسائی (نیل الاوطار، ۳:۳۰۴)

۷۹۔ ابن ماجہ، اس میں ایک راوی ضعیف ہے، بیہقی نے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کی کہ سنت یہ ہے کہ خطبہ مسلسل نو تکبیرات سے شروع کیا جائے اور دوسرا مسلسل سات تکبیرات سے (نیل الاوطار، ۳:۳۰۵)

۸۰۔ شافعی (ایضاً)

۸۱۔ یہ راوی مجہول ہے لیکن علی بن المدینی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔

۸۲۔ المغنی، ۲:۳۵۸۔

پانچویں بحث

سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز

کسوف (سورج گرہن) اور خسوف (چاند گرہن) کا مفہوم، ان مواقع پر نماز کی شرعی حیثیت، ان نمازوں کا طریقہ (کیفیت، بلند آواز سے قراءت کرنا یا آہستہ، ان کا وقت، کیا ان میں خطبہ شرط ہے؟ ان نمازوں کے لیے جماعت، جماعت کی جگہ، کیا چاند گرہن بھی سورج گرہن کی طرح ہے) مسبوق کیسے نماز پڑھے؟ اگر سورج گرہن کی نماز کسی اور نماز کے ساتھ جمع ہوجائے تو کیا سورج گرہن کی نماز پہلے پڑھی جائے۔

ا۔ کسوف اور خسوف کا مفہوم:

کسوف اور خسوف ایک ہی چیز ہے۔ اسی وجہ سے کسوفان اور خسوفان (تثنیہ) استعمال کیا جاتا ہے۔ فقہاء کی مشہور تعبیر کے مطابق کسوف سورج گرہن کو اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں۔ کسوف سے مراد ہے چاند کی تاریکی زمین اور سورج کے درمیان آجانے کی وجہ سے دن کے وقت سورج کی مکمل یا کچھ حصے کی روشنی ختم ہوجانا۔

خسوف سے مراد یہ ہے کہ رات کے وقت سورج اور چاند کے درمیان زمین کا سایہ حائل ہوجانے سے چاند کی مکمل یا کچھ حصے کی روشنی ختم ہوجانا۔ سورج گرہن بالعموم مہینے کے آخری دنوں میں ہوتا ہے جب نیّران، یعنی سورج اور چاند جمع ہو جاتے ہیں اور اسی طرح چاند گرہن بالعموم چودھویں کے چاند پر ہوتا ہے جب سورج اور چاند ایک دوسرے کے مقابل آجاتے ہیں۔

۲۔ سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازوں کا شرعی اور فقہی حکم:

سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازیں سنت مؤکدہ ہیں(۱) اور علماء کے اتفاق سے

ثابت ہیں(۲) ان کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے: ومن ایاتہ اللیل والنھار والشمس والقمر، لا تسجدوا للشمس ولا للقمر، واسجدوللہ الذی خلقھن (رات اور دن، سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا، فصلت ۴۱، ۳۷) یعنی جب سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتو نماز پڑھو۔ نیز جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپؐ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ ان کو کسی کی موت یا زندگی سے گرہن نہیں لگتا، جب تم گرہن دیکھوتو نماز پڑھو، دعا کرو، تا آنکہ گرہن ختم ہوجائے۔(۳)

شریعت نے ان نمازوں کا حکم دیا ہے، سفر میں ہو خواہ حضر میں، ہر وہ شخص مرد ہو چاہے عورت جس پر پانچ نمازیں فرض ہیں، یہ نمازیں بھی پڑھے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخاری اور مسلم کی روایات کے مطابق، سورج گرہن کے موقع پر نماز پڑھی اور ابن حبان کی کتاب الثقات کے مطابق چاند گرہن کے موقع پر بھی۔ جمعہ اور عیدین کی طرح ان کے لیے بھی بچوں اور بوڑھوں سے کہا جائے کہ اس میں شریک ہوں اور جس شخص پر جمعہ واجب ہے اسے بالاتفاق ان میں شرکت کا حکم دیا جائے۔

البتہ یہ نمازیں واجب نہیں کیوں کہ صحیحین کی پیچھے جو روایت گزرچکی اس کے بموجب پانچ نمازیں ہی فرض ہیں کہ سائل نے پوچھا تھا، کیا پانچ نمازوں کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی نماز فرض ہے، آپؐ نے فرمایا، نہیں، ہاں اگر تو نوافل پڑھے تو درست ہے۔

سورج اور چاند گرہن کی نمازیں اذان واقامت کے بغیر پڑھی جائیں گی، ان میں جماعت مسنون ہے اور مستحب یہ ہے کہ الصلاۃ جامعۃ (جماعت تیار ہے) کی آواز دی جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز دینے والے کو بھیجا تھا جس نے الصلاۃ جامعۃ کی آواز لگائی تھی۔(۴)

باجماعت، اکیلے، بلند آواز سے اور آہستہ قراءت کرکے، خطبہ سے اور بغیر خطبے کے پڑھی جاسکتی ہے جس کی تفصیل آئندہ مذاہب کے بیان میں آئے گی لیکن جامع مسجد میں باجماعت پڑھنا افضل ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں پڑھی تھی۔(۵)

نماز استسقا کی طرح اس کے لیے بھی امام کی اجازت کی شرط نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ نفل نمازیں ہیں اور نفل نمازوں کے لیے اجازت شرط نہیں ہے۔

اس کے لیے غسل کرنا مسنون ہے(۶) جیسا کہ مسنون غسل کے زیر عنوان اس کا بیان گزر چکا کیوں کہ یہ ایسی نماز ہے جس میں اجتماع ہوتا ہے اور شافعیہ کے نزدیک خطبہ بھی، مالکیہ کے نزدیک وعظ مستحب ہے اس لیے اس کے لیے نماز جمعہ اور عیدین کی طرح غسل مسنون ہے۔

خوف کے وقت کی نماز

مالکیہ کے نزدیک(۷) زلزلوں، خوف ودہشت ور قابل عبرت نشانیوں کے ظہور کے موقع پر آدمی کو نماز کا حکم نہیں ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن اور چاند گرہن کے علاوہ دوسرے مواقع پر نماز نہیں پڑھی جب کہ آپؐ کے عہد میں ایسے واقعات پیش آئے، اسی طرح آپؐ کے بعد خلفاء نے بھی ایسے مواقع پر نماز نہیں پڑھی۔

جمہور کہتے ہیں(۸) زلزلوں کے موقع پر اکیلے نماز پڑھے، جماعت کے ساتھ نہیں جیسا کہ ابن عباسؓ کا طرز عمل تھا(۹) حنابلہ کے نزدیک زلزلے کے علاوہ اور کسی نشانی کے ظہور کے موقع پر نماز نہ پڑھی جائے مثلاً گرج اور کڑک، شدید آندھی، دن کو تاریکی یا رات کو روشنی ہوجانا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ سے ایسا منقول نہیں جب کہ ان کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا، آندھیاں چلیں اور گرج، کڑک کے واقعات ہوئے۔

حنفیہ اور شافعیہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ زلزلوں، کڑک چمک، دن

کے وقت شدید تاریکی، دن یا رات میں سخت آندھی، ستاروں کے ٹوٹنے اور رات کو خوفناک روشنی، مستقل برف باری اور بارشوں، عام بیماریوں اور دشمن کے خوف وغیرہ اور جان ومال کے ضیاع کے خطرات میں مستحب یہ ہے کہ لوگ عام نمازوں کی طرح دو رکعات پڑھیں کیوں کہ مذکورہ امور اللہ کی نشانیاں ہیں، جن کے ذریعے بندوں کو ڈرایا جاتا ہے کہ وہ گناہ آلود زندگی چھوڑ کر اطاعت خداوندی کے دائرے میں داخل ہو جائیں تاکہ کامیابی و کامرانی حاصل کریں۔ ان مواقع کو سورج گرہن کی نماز پر قیاس کیا جائے گا(۱۰) سورج گرہن کی نماز میں بھی ایک مصیبت کے ازالے کے لیے اللہ کے حضور التجا ہے اسی طرح ایک مومن کی شان یہ ہے کہ جب بھی اسے کوئی ناگوار معاملہ پیش آئے، نقصان کا اندیشہ ہو اور خطرات نظر آرہے ہوں تو اللہ تعالیٰ سے التجا کرے۔ اس لیے زلزلوں، سخت آندھی اور گرج چمک اور زمین دھنسنے کے مواقع پر دعا کرنا مسنون ہے تاکہ انسان غافل نہ رہے۔ نیز جب بھی ہوا تیز چلتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

''اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور جو بھلائی اس میں ہے اور جس بھلائی کے ساتھ تو نے اسے بھیجا ہے اور اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور جو شر اس میں ہے اور جس شر کے ساتھ تو نے اسے بھیجا ہے''۔

۳۔ سورج گرہن کی نماز کا طریقہ:

سورج گرہن کی نماز کے طریقے کے بارے میں فقہاء میں مندرجہ ذیل چھ امور میں اختلاف ہے۔

۱۔ **نماز کی کیفیت:** سورج گرہن کی نماز کی کیفیت کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

حنفیہ کی رائے:(۱۱)

سورج گرہن کی نماز عید، جمعہ اور نفل نمازوں کی طرح دو رکعت ہے، اس میں خطبہ

ہے نہ اذان نہ اقامت، نہ ہر رکعت میں رکوعوں کا تکرار، بلکہ ایک رکوع ہے اور دو سجدے جیسا کہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھیں اور ان میں طویل قیام کیا، جب آپؐ فارغ ہوئے تو سورج کھل چکا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: یہ اللہ کی نشانیاں ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندوں کو ڈراتا ہے، جب تم یہ نشانیاں دیکھو تو جیسے فرض نماز پڑھتے ہو اس طرح نماز پڑھا کرو(۱۲) کمال بن ہمام کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے، سورج گرہن اس وقت ہوا تھا جب سورج دو نیزوں کے برابر بلند تھا۔

جمہور کی رائے (۱۳)

سورج گرہن کی نماز دو رکعت ہے، ہر رکعت میں دو قیام، دو قراءتیں، دو رکوع اور دو سجدے ہیں۔ سنت یا اکمل طریقہ یہ ہے کہ پہلی قراءت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرۃ یا اسی قدر طویل سورت پڑھے، دوسرے قیام میں سورہ فاتحہ کے بعد پہلی سے قدرے کم یعنی تقریباً دو سو آیات، آل عمران کی مقدار قراءت کرے، تیسرے قیام میں سورہ فاتحہ کے بعد اس سے کچھ کم یعنی تقریباً ڈیڑھ سو آیات یا سورہ النساء کی مقدار تلاوت کرے اور چوتھے قیام میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک سو آیات یا سورہ المائدہ کی مقدار پڑھے۔

پہلے پہلی مقدار پڑھے، پھر رکوع کرے، رکوع سے اٹھ کر دوسری مقدار پڑھے اور پھر رکوع کرے، پھر اٹھ کر سجدہ کرے جیسے عام نمازوں میں سجدہ کیا جاتا ہے، شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ رکوع اور سجدے طویل کرے اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرے۔

پہلے رکوع میں سورہ البقرہ کی سو آیات کی مقدار تسبیحات پڑھے، دوسرے میں اَسّی تیسرے میں ستر اور چوتھے میں پچاس آیات کی مقدار۔

آخر میں حنابلہ نے کہا ہے کہ سورج گرہن کی نماز ہر اس طریقے سے پڑھی جاسکتی ہے۔ جو شارع نے بتایا ہے۔ اگر چاہے تو ہر رکعت میں دو رکوع کرے اور یہ افضل ہے

کیوں کہ اکثر روایات میں یہی آیا ہے، اگر چاہے تو ہر رکعت میں تین رکوع کرے جیسا کہ مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سجدوں کے ساتھ چھ رکعات پڑھیں اور چاہے تو ہر رکعت میں چار رکوع کرے جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھی تو قراءت کی، پھر رکوع کیا، پھر قراءت کی، پھر رکوع کیا، پھر قراءت کی پھر رکوع کیا، پھر قراءت کی پھر رکوع کیا، پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھائی(۱۴) یا ہر رکعت میں پانچ رکوع کرے جیسا کہ ابو العالیہ نے اُبَی بن کعب سے روایت کی ہے کہ عہد نبوی میں سورج گرہن ہو گیا تو آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور طوال میں سے ایک سورت پڑھی پھر پانچ رکوع کیے اور دو سجدے کیے، پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو طوال میں سے ایک سورت پڑھی اور پانچ رکوع اور دو سجدے کیے، پھر قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے اور دعا کرتے رہے تا آنکہ سورج کھل گیا(۱۵) ہر رکعت میں پانچ رکوع سے زیادہ کرنا درست نہیں کیوں کہ اس سے زائد کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ہے اور یہاں قیاس کا عمل دخل نہیں۔

اگر چاہے تو عام نوافل کی طرح ایک رکوع سے سورج گرہن کی نماز پڑھے کیوں کہ زائد رکوع سنت ہیں۔

جس قدر قراءت کرے، خواہ لمبی یا مختصر جائز ہے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج اور چاند گرہن میں چار رکعات چار سجدوں سے پڑھا کرتے تھے، پہلی رکعت میں سورہ عنکبوت اور روم اور دوسری میں یٰسٓ کی تلاوت کرتے۔(۱۶)

جمہور نے متعدد رکوعوں کے بارے میں دو دلائل دیے ہیں: عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث ہے کہ عہد نبوی میں جب سورج گرہن ہوا تو آواز دی گئی ''جماعت تیار ہے''۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں دو رکوع کیے پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور دوسری

رکعت میں بھی دو رکوع کیے، پھر سورج کھل گیا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ نے اس سے زیادہ طویل رکوع اور سجدے کبھی نہیں کیے۔(۱۷)

حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ عہد نبوی میں سورج گرہن ہوگیا تو آپؐ نے ایک پکارنے والے کو بھیجا جس نے صدا دی کہ ''جماعت تیار ہے''۔ پھر آپؐ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو آپؐ نے دو رکعات نماز چار رکوع اور چار سجدوں سے پڑھائی۔(۱۸)

یہ دونوں احادیث اور اس طرح کی اور احادیث بھی صحیحین میں ثابت ہیں، مشہور اور صحیح تر ہیں، اس لیے انہیں دوسری روایات پر ترجیح حاصل ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس موضوع پر یہی دو احادیث سب سے صحیح ہیں۔

طویل قراءت، رکوع اور قیام کے بارے میں دلیل ابن عباسؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، آپؐ نے طویل قیام کیا، جتنے میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے، پھر طویل رکوع کیا، پھر کھڑے ہوکر طویل قیام کیا لیکن پہلے سے کچھ کم، پھر طویل رکوع کیا لیکن پہلے سے کچھ کم، پھر سجدہ کیا، پھر طویل قیام کیا لیکن پہلے سے کچھ کم، پھر طویل رکوع کیا لیکن پہلے سے کچھ کم، پھر کھڑے ہوکر طویل قیام کیا، لیکن پہلے سے کچھ کم، پھر طویل رکوع کیا لیکن پہلے رکوع سے کچھ کم، پھر سجدہ کیا، پھر جب فارغ ہوئے تو سورج کھل چکا تھا......(۱۹)

طویل سجدہ کرنے کی دلیل سورج گرہن کی نماز کے بارے میں ابوموسیٰؓ کی حدیث ہے جو صحیحین میں ہے۔

۲۔ سورج گرہن کی نماز میں قراءت بلند آواز سے کی جائے یا آہستہ:

سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازوں میں بلند آواز سے یا آہستہ قراءت کرنے کے سلسلے میں فقہاء کی تین آراء ہیں:

ابوحنیفہ کہتے ہیں(۲۰) کہ سورج گرہن کی نماز میں امام آہستہ قراءت کرے، کیوں کہ

ابن عباسؓ اور سمرہؓ کی احادیث میں ایسا ہی ہے۔ پہلی حدیث میں ہے کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورج گرہن کی نماز پڑھی اور میں نے آپ کی قراءت کا ایک حرف بھی نہیں سنا(۲۱) سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سورج گرہن کی نماز پڑھائی آپؐ کی آواز نہیں سنی گئی (۲۲) دن میں نماز میں اصل یہ ہے کہ قراءت آہستہ کی جائے۔

چاند گرہن کی نماز الگ الگ اور آہستہ پڑھی جائے۔

صاحبین کی رائے یہ ہے کہ سورج گرہن کی نماز میں امام بلند آواز سے قراءت کرے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بلند آواز سے قراءت کی۔(۲۳)

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں(۲۴) کہ سورج گرہن کی نماز میں آہستہ قراءت کرے کیوں کہ ابن عباسؓ اور سمرہؓ کی مذکورہ بالا احادیث کا تقاضا یہی ہے، نیز یہ دن کی نماز ہے، جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے البتہ چاند گرہن کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کرے کیوں کہ وہ رات کی نماز ہے یا رات سے متعلق ہے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے چاند گرہن کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کی تھی۔

حنابلہ کے بقول (۲۵) سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں کی نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کرے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند گرہن کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کی اور چار رکوعوں اور چار سجدوں کے ساتھ دو رکعات پڑھیں(۲۶)۔ ایک اور روایت میں ہے: آپؐ نے سورج گرہن کی نماز پڑھی اور بلند آواز سے قراءت کی۔ (۲۷)

خلاصہ یہ ہے کہ سورج گرہن میں آہستہ قراءت کرنا جمہور کا مذہب ہے لیکن ہم حنابلہ اور صاحبین کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں کہ سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں میں

بلند آواز سے قراءت کی جائے۔ شوکانیؒ کہتے ہیں کہ آہستہ پڑھنے کے بجائے بلند آواز سے پڑھنا بہتر ہے کیوں کہ اس میں اضافہ ہے۔

۳۔ سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز کا وقت

جس وقت سورج گرہن اور چاند گرہن شروع ہو اس وقت یہ نمازیں پڑھنی چاہییں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ممنوع وقت میں یہ نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ جمہور کی رائے یہ ہے کہ ممنوع اوقات میں نہیں پڑھی جاسکتیں کیوں کہ ان اوقات میں ہر قسم کی نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ ممنوع اوقات میں پڑھی جاسکتی ہیں کیوں کہ جن احادیث میں پانچ اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے ان کا تعلق نوافل سے ہے اور سورج گرہن کی نماز سنت ہے اس لیے یہ کسی بھی وقت پڑھی جاسکتی ہے۔

ان مذاہب کی تفصیل درج ذیل ہے۔ حنفیہ کے نزدیک (۲۸) سورج گرہن کی نماز کے اوقات وہی ہیں جن میں دوسری نمازیں ادا کرنا مستحب ہیں، مکروہ اوقات میں نوافل و واجبات کسی قسم کی نماز حتیٰ کہ سجدہ تلاوت کرنا بھی درست نہیں اس لیے سورج گرہن کی نماز بھی جائز نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک (۲۹) سورج گرہن کی نماز ان اوقات میں جائز ہے جن میں نوافل جائز ہیں۔ اس کا وقت نماز عید اور نماز استسقا کی طرح وہی ہے جس میں نوافل جائز ہیں یعنی سورج ڈھلنے تک۔ مدونہ میں امام مالک کی روایت ہے، کہ اگر سورج ڈھلنے کے بعد سورج گرہن ہو تو نماز نہ پڑھی جائے لیکن المدونہ کے علاوہ دوسری کتب کی روایت یہ ہے کہ جب سورج گرہن ہو نماز پڑھی جائے حتیٰ کہ عصر کے بعد بھی۔

چاند گرہن کی نماز بار بار پڑھنا مستحب ہے تا آنکہ چاند کھل جائے یا افق میں غائب ہوجائے یا صبح فجر طلوع ہوجائے۔ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بھی ہوجائے تو چاند گرہن کی نماز نہ پڑھی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں(۳۰) سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز ہر وقت پڑھی جاسکتی ہے کیوں کہ یہ نمازیں سبب سے متعلق ہیں اور جب سورج گرہن مکمل ختم ہوجائے یا سورج غروب ہوجائے تو اس کا وقت ختم ہوجاتا ہے پہلی بات کی دلیل یہ حدیث ہے: ''جب تم سورج گرہن دیکھو تو اللہ کو پکارو اور نماز پڑھو تا آنکہ سورج کھل جائے'' (۳۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد نماز نہیں ہے۔ اور دوسری کی دلیل یہ ہے کہ سورج کھل جانے یا غروب ہوجانے کے بعد سورج گرہن کا اثر ختم ہوجاتا ہے اس لیے نماز کا کوئی موقع نہیں ہے۔

چاند گرہن ختم ہونے کے بعد یا سورج نکل آنے کے بعد چاند گرہن کی نماز کا وقت ختم ہوجاتا ہے کیوں کہ مقصد حاصل ہوگیا اور سورج نکل آنے سے چاند کی روشنی کی ضرورت ختم ہوگئی۔ شافعیہ کا جدید قول یہ ہے کہ طلوع فجر سے چاند گرہن کی نماز کا وقت ختم نہیں ہوتا کیوں کہ ابھی رات کی تاریکی باقی ہوتی ہے اور چاند کی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح اگر سورج گرہن کی حالت میں ڈوب جائے تو اس کا اقتدار کا مقام یعنی رات ابھی باقی ہوتی ہے اس لیے نماز کا وقت باقی ہوتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے گرہن کی حالت میں بادل کی اوٹ میں چھپ جائے۔

حنابلہ کے نزدیک (۳۲) سورج گرہن کی نماز کا وقت سورج گرہن کا وقت ہے تا آنکہ سورج روشن ہوجائے ان کی دلیل حضرت مغیرہؓ وغیرہ کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ اگر کبھی نماز جاری ہو اور سورج کھل جائے تو نماز مختصر کرکے مکمل کرلے کیوں کہ ابومسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ ارشاد نبوی ہے: نماز پڑھو اور دعا کرو تا آنکہ سورج کھل جائے (۳۳) کیوں کہ مقصد سورج کا کھل جانا ہے اور وہ حاصل ہوگیا لیکن نماز نہ توڑے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولا تبطلوا اعمالکم (اپنے اعمال ضائع نہ کرو، محمد ۴۷:۳۳) البتہ نماز کا سبب باقی نہیں رہا اس لیے مختصر کرنا جائز ہے۔

اگر بادلوں کی وجہ سے شک ہو کہ سورج کھل گیا یا نہیں تو نماز مختصر کیے بغیر مکمل کرے کیوں کہ اصل یہ ہے کہ ابھی گرہن باقی ہوگا تو جس طرح واقعتاً گرہن موجود ہونے کی صورت میں نماز مختصر نہ کرے البتہ اگر سورج گرہن کے بارے میں شک ہو تو نماز نہ پڑھے کیوں کہ اصل یہ ہے کہ سورج گرہن نہ ہو۔

اگر نماز شروع کرنے سے پہلے سورج کھل جائے یا گرہن کی حالت میں غروب ہوجائے تو نماز کا وقت ختم ہوگیا یا چاند گرہن تھا لیکن سورج نکل آیا یا فجر طلوع ہوگئی تو نماز کا وقت جاتا رہا کیوں کہ اب چاند کی روشنی سے انتفاع کا وقت ختم ہوگیا۔(۳۴)

اگر ایسے وقت میں سورج گرہن ہو جس میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے تو نماز پڑھے بغیر ذکر اور دعا کرے کیوں کہ نماز کی ممانعت کی احادیث عام ہیں اور قتادہ کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ کہتے ہیں: ''عصر کے بعد سورج گرہن ہوگیا، ہم مکہ میں تھے تو لوگوں نے کھڑے ہوکر دعا کرنا شروع کردی، میں نے پوچھا تو بتایا گیا کہ اسی طرح کرنے کا طریقہ رائج ہے''۔(۳۵)

اگر وقت نکل جانے کے باعث سورج گرہن کی نماز قضا ہوجائے تو اسے قضا نہیں کیا جائے گا کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''سورج نکل جانے تک نماز پڑھو''۔

۴۔ کیا سورج گرہن کی نماز میں خطبہ ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپؐ سورج گرہن کی نماز سے فارغ ہوئے اور سورج کھل گیا تو آپؐ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جنہیں کسی کی موت اور زندگی کے باعث گرہن نہیں لگتا......''(۳۶)

ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ آپؐ نے خطبہ دیا، اس نماز کے بعد خطبہ سنت ہے جیسا کہ عیدین اور استسقا کی نماز میں ہے۔

دوسرے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ خطبہ اس دن کے ساتھ مخصوص تھا کیوں کہ کچھ لوگوں نے یہ سوچا تھا کہ آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج گرہن ہوا ہے۔

ان مذاہب کی تفصیل درج ذیل ہے:(۳۷)

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ سورج گرہن کی نماز میں خطبہ نہیں ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا حکم دیا، خطبے کا نہیں۔ آپؐ نے نماز کے بعد جو خطبہ دیا اس میں اس کا حکم بیان کرنا مقصود تھا، یہ اس موقع کے ساتھ مختص تھا۔ حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے معلوم ہو کہ آپؐ نے جمعہ کے دو خطبوں کی طرح خطبے دیے۔

مالکیہ کہتے ہیں اس نماز کے لیے خطبہ شرط نہیں ہے، نماز کے بعد وعظ کہنا مستحب ہے جو اللہ کی ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پر مشتمل ہو کیوں کہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازوں کے بعد سنت یہ ہے کہ امام عید اور جمعہ کے خطبوں کی طرح انہیں ارکان کے ساتھ دو خطبے دے۔ یہ اتباع سنت کا تقاضا ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے کھڑے ہوکر لوگوں سے خطاب کیا، اللہ کی شایان شان حمد وثنا بیان کی اور فرمایا کہ سورج اور چاند......(۳۸)

ان خطبوں میں سامعین کو گناہوں سے توبہ اور نیکیوں، صدقہ، دعا اور استغفار کی ترغیب دے کیوں کہ بخاری وغیرہ میں اس کا حکم ہے اور لوگوں کو دھوکا دہی، غفلت وغیرہ سے ڈرائے۔ الغرض موقع کی مناسبت سے ترغیب وترہیب پر مشتمل خطبہ دے۔ اگر کسی شہر میں حاکم موجود ہے تو اس کی اجازت کے بغیر خطبہ دینا مکروہ ہے۔

ذکر اللہ اور دعا:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ ذکر اللہ، دعا، استغفار، صدقہ اور جو نیکی کرسکتا ہو اس کے ذریعے قرب الٰہی کی تلاش مستحب ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جب تم گرہن دیکھو تو اللہ کو پکارو، اس کی بڑائی بیان کرو، صدقہ دو اور نماز پڑھو۔ ایک روایت میں ہے: جب تم گرہن دیکھو تو اللہ کی یاد، دعا اور استغفار کی طرف لپکو (۳۹) کیوں کہ یہ اللہ کی طرف سے خوف دلانے کا ذریعہ ہے اس لیے مناسب ہے اللہ کی اطاعت کی طرف توجہ دی جائے تاکہ اس کی عبادت کی وجہ سے مصیبت دور ہو۔

دعا نماز کے بعد ہونی چاہیے۔ امام چاہے تو بیٹھ کر قبلہ رو ہوکر دعا کرے اور چاہے تو کھڑے ہوکر لوگوں کی طرف رخ کرکے دعا کرے۔

۵۔ سورج گرہن کے لیے جماعت اور اس کی جگہ

فقہاء کا اتفاق ہے (۴۰) کہ سورج گرہن کی نماز مسجد میں باجماعت مسنون ہے، اتباع سنت یہ ہے کہ اس کے لیے اعلان کیا جائے کہ ''الصلاۃ جامعۃ '' (جماعت تیار ہے) جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے، کھڑے ہوئے، تکبیر کہی اور لوگ آپؐ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہوگئے، (۴۱) جو امام لوگوں کو جمعہ پڑھاتا ہے وہی سورج گرہن کی نماز پڑھائے۔

حنابلہ اور شافعیہ نے اکیلے اکیلے نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا کیوں کہ یہ نفل نماز ہے اس کے لیے مقیم ہونا شرط نہیں۔ پس اس کے لیے جماعت بھی شرط نہیں، جیسا کہ نوافل کے لیے جماعت شرط نہیں۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر جمعہ پڑھانے والا امام نہ ہو تو لوگ اکیلے اکیلے دو دو چار چار رکعات اپنے گھروں میں پڑھیں۔

چاند گرہن کی نماز کے بارے میں دو رائیں ہیں: حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ دوسرے نوافل کی طرح یہ نماز بھی اکیلے اکیلے پڑھی جائے کیوں کہ سورج گرہن کی بہ نسبت چاند گرہن کے واقعات عہد نبوی میں زیادہ ہوئے، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند گرہن کی نماز باجماعت منقول نہیں ہے۔ نیز اصل یہ ہے کہ فرض نماز کے علاوہ دوسری نمازیں جماعت سے نہ پڑھی جائیں۔ ارشاد نبوی ہے: فرض نماز کے علاوہ دوسری نمازیں گھر میں پڑھنا بہتر ہیں، ہاں اگر دلیل سے ثابت ہو کہ کوئی دوسری نماز مثلاً عیدین، تراویح اور سورج گرہن کی نمازیں مسجد میں ادا کی جائیں تو الگ بات ہے۔ نیز رات کو اجتماع مشکل بھی ہے اور فتنے کا باعث بھی ہوسکتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک چاند گرہن کی نماز بھی سورج گرہن کی طرح جماعت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے کیوں کہ ابن عباسؓ نے لوگوں کو چاند گرہن کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ میں نے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اسی طرح نماز پڑھائی (۴۲)۔ نیز محمود بن لبید کی حدیث ہے: جب تم چاند گرہن دیکھو تو مساجد کی طرف بھاگ پڑو۔ (۴۳)

یہی رائے بہتر ہے کیوں کہ سورج گرہن اور چاند گرہن میں کوئی فرق نہیں ہے اور جو شخص کسی عذر کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہوسکے اس سے نماز معاف ہو جائے گی۔

ان دونوں آراء کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ارشاد نبوی: ''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے انہیں گرہن نہیں لگتا، جب تم گرہن دیکھو تو اللہ کو پکارو، نماز پڑھو تا آنکہ گرہن ختم ہو جائے اور صدقہ کرو'' (۴۴)

کا الگ الگ مفہوم لیا ہے۔ دوسرے فریق نے ان دونوں صورتوں میں نماز کا ایک ہی مفہوم لیا کہ جس طرح سورج گرہن میں باجماعت نماز پڑھی جاتی ہے اس طرح چاند گرہن میں بھی باجماعت نماز ادا کی جائے۔

پہلے گروہ نے اسؒ سے مختلف مفہوم مراد لیا ہے اور وہ یہ کہ عہد نبوی میں چاند گرہن زیادہ مرتبہ ہونے کے باوجود آپؐ سے باجماعت نماز کا ثبوت نہیں ہے اس لیے نماز سے وہ نماز مراد ہوگی جس پر کم ازکم نماز کا اطلاق ہوتا ہو اور وہ تنہا نوافل کی ادائیگی ہے۔

سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازوں کی قضا نہیں ہے کیوں کہ یہ سبب سے وابستہ ہیں، جب سبب ختم ہوگیا تو نماز کے وجود کا باعث باقی نہ رہا یعنی سورج کھل گیا یا سورج یا چاند گرہن کی حالت میں غروب ہوگئے۔

۶۔ کیا چاند گرہن کی نماز سورج گرہن کی نماز کی طرح ہے:

حنفیہ کے نزدیک (۴۵) چاند گرہن کی نماز گھروں میں اکیلے اکیلے دو دو یا چار چار رکعات پڑھی جائیں۔

مالکیہ کے نزدیک (۴۶) چاند گرہن کی نماز معمول کے نوافل کی طرح قیام اور رکوع کے ساتھ جہری قراءت کرتے ہوئے دو رکعات پڑھی جائے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک (۴۷) چاند گرہن کی نماز سورج گرہن کی نماز کی طرح ہے، جماعت کے ساتھ ہر رکعت ہی، دو رکوع، دو قیام، دو قراءتوں اور دو سجدوں کے ساتھ ادا کی جائے لیکن اس میں شافعیہ کے نزدیک بلند آواز سے قراءت کی جائے، جیسا کہ حنابلہ کے نزدیک دونوں میں بلند آواز سے قراءت ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کی اور دو رکعات چار رکوعوں اور چار سجدوں سے پڑھیں (۴۸)۔

۷۔ مسبوق کب رکعت میں شامل سمجھا جائے گا؟

ہمیں معلوم ہے کہ حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک اس نماز کا ایک خاص طریقہ ہے جس میں ہر رکعت میں دو رکوع ہیں، مسبوق کے بارے میں یہ کب سمجھا جائے

گا۔ کہ اسے رکعت مل گئی ہے، کیا پہلے رکوع میں شامل ہونے سے یا دوسرے میں۔

مالکیہ کے نزدیک (۴۹) اگر دوسرے رکوع میں شامل ہوگیا تو اسے رکعت مل گئی کیوں کہ دوسرا رکوع فرض اور پہلا سنت ہے اور راجح یہ ہے کہ سورہ فاتحہ مطلقاً فرض ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۵۰) جس نے پہلا رکوع امام کے ساتھ کیا اسے رکعت ملے گی جیسا کہ تمام نمازوں میں ہے، جسے دوسرا قیام یا دوسرا رکوع امام کے ساتھ ملا اس کی پہلی رکعت نہیں ہوئی کیوں کہ پہلا قیام اور پہلا رکوع اصل ہے، دوسرا قیام اور رکوع اس کے تابع ہیں۔

میرے نزدیک یہی راجح ہے اور ذہن کے قریب تر ہے۔ دوسرا رکوع استثنائی صورت ہے۔ حنابلہ میں سے قاضی ابویعلیٰ کہتے ہیں (۵۱) اگر مقتدی دوسرے رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہوا تو اس امر کا امکان ہے کہ اس کی ایک رکعت رہ گئی ہو کیوں کہ اس کا ایک رکوع رہ گیا ہے، اگر دوسری نمازوں میں رکوع رہ جائے تو رکعت رہ جاتی ہے، نیز ممکن ہے کہ اس کی رکعت ہوگئی ہو کیوں کہ ایک رکوع میں اس نے شرکت کرلی ہے اور ایک رکوع سے یہ نماز پڑھنا صحیح ہے اس لیے بعد میں شامل ہونے والے کی رکعت ہوجا ئے گی۔

۵۔ اگر گرہن کی نماز کسی دوسری نماز کے ساتھ جمع ہوجائے تو کون سی نماز پہلے پڑھی جائے؟

اگر گرہن کی نماز کسی دوسری نماز مثلاً جمعہ، یا کسی فرض نماز، عید، جنازہ یا وتر نماز کے ساتھ جمع ہوجائے تو پہلے کون سی نماز پڑھی جائے؟

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں (۵۲) کہ اگر فرض نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلے فرض نماز پڑھی جائے ورنہ پہلے گرہن کی نماز پڑھی جائے، پھر امام خطبہ دے، جس میں گرہن کا ذکر کرے پھر جمعہ کا خطبہ دے اور شافعیہ کے نزدیک جمعہ کا خطبہ گرہن کی نماز

کے خطبہ کے لیے بھی کافی ہے۔

اگر نماز عید، نماز جنازہ اور گرہن کی نمازیں اکھٹی ہو جائیں تو جنازہ کی نماز گرہن کی نماز سے پہلے پڑھی جائے کیوں کہ اس میں میت کا اکرام واعزاز ہے، نیز انتظار کرنے سے جنازہ متغیر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر جمعہ قضا ہونے کا خوف نہ ہو تو نماز جنازہ نماز جمعہ سے پہلے پڑھی جائے اور اگر عید کی نماز یا وقتی فرض نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پہلے گرہن کی نماز پڑھی جائے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے کہ گرہن کی نماز وتر سے پہلے پڑھی جائے اور شافعیہ کے نزدیک تراویح سے بھی پہلے، خواہ اس صورت میں وتر اور تراویح کے قضا ہونے کا اندیشہ ہو کیوں کہ گرہن کی نماز کی زیادہ تاکید ہے کیوں کہ قضا کے ذریعے وتر کا تدارک ہوسکتا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اگر تراویح اور گرہن کی نماز کو جمع کرنا ممکن نہ ہو تو پہلے تراویح پڑھے کیوں کہ تراویح رمضان کے ساتھ مختص ہے اور اس کا وقت نکل جانے سے نماز رہ جاتی ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ مالکیہ اور حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ سورج گرہن کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور چاند گرہن کی مستحب۔

۲۔ البدائع، ا: ۲۸۰، الدر المختار، ا: ۷۸۸، الشرح الصغیر، ا: ۵۳۲، ۵۳۶، القوانین الفقھیہ ۸۸، مغنی المحتاج، ا: ۳۱۶، المھذب، ا: ۱۲۲، المغنی ۲: ۴۲۶ وبعد، کشاف القناع، ۲: ۶۷ وبعد۔

۳۔ بخاری، مسلم، احمد (نیل الاوطار، ۳: ۳۲۶) بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہؓ، مغیرہؓ، ابن عمرؓ اور ابو مسعود انصاریؓ سے روایت کی، مسلم نے جابر بن عبداللہؓ سے بھی اور حاکم نے نعمان بن بشیرؓ سے۔ نصب الرایۃ، ۲: ۲۳۱۔

۴۔ متفق علیہ، عبداللہ بن عمروؓ سے (نیل الاوطار، ۳: ۳۲۵)

۵۔ حضرت عائشہؓ اور دوسروں کی متفق علیہ حدیث کے باعث۔

۶۔ المھذب، ا: ۱۲۲، کشاف القناع، ۲: ۶۷، ۲: ۶۸، مغنی المحتاج، ا: ۳۱۹۔

۷۔ القوانین الفقھیہ، ۸۸۔

۸۔ مراقی الفلاح، ۹۲، البدائع، ا: ۲۸۲، الحضرمیہ، ۸۸، المجموع، ۵: ۵۸ وبعد، المھذب ا: ۱۲۳، المغنی، ۲: ۴۲۹، کشاف القناع، ۲: ۷۳۔

۹۔ سعید بن منصور اور بیہقی نے روایت کی۔

۱۰۔ حنفیہ نے ایک غریب حدیث روایت کی ہے کہ: ''جب تم کوئی وحشت ناک امر دیکھو تو اللہ کی طرف دعا سے رجوع کرو یا اللہ کو یاد کرو اور استغفار کرو'' (نصب الرایۃ، ۲: ۲۳۴۔۲۳۵)

۱۱۔ البدائع، ا: ۲۸۰، فتح القدیر، ا: ۴۳۲ وبعد، مراقی الفلاح، ۹۲، الدر المختار، ا: ۷۸۸ وبعد، الکتاب واللباب، ا: ۱۲۰ وبعد۔

۱۲۔ ابو داؤد، نسائی اور حاکم نے قبیصہ بن مخارقؓ الہلالی سے روایت کی (نصب الرایۃ، ۲: ۲۳۰) دو احادیث اور ہیں، ایک بخاری میں ابوبکرہؓ سے اور دوسری مسلم میں عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے جس

سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعت ایک ایک رکوع کے ساتھ ہیں (نصب الرایة، ۲:۲۲۹، نیل الاوطار، ۳:۳۳۱ ابن عمرؓ اور نعمانؓ بن بشیرؓ سے بھی اس نوعیت کی روایتیں ہیں۔

۱۳۔ القوانین الفقهیه، ۸۸، بدایة المجتهد، ۱: ۲۰۳، الشرح الصغیر، ۱:۵۳۲، مغنی المحتاج، ۱:۳۱۷، المهذب، ۱: ۱۲۲، المغنی، ۲:۴۲۲-۴۲۶، کشاف القناع، ۲:۶۹-۷۲۔

۱۴۔ مسلم، ابو داؤد، نسائی۔ احمد، مسلم اور نسائی میں ہے کہ جب سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سجدوں اور چار رکوعوں کے ساتھ نماز پڑھی۔

۱۵۔ ابو داؤد، عبداللہ بن احمد،

۱۶۔ دارقطنی۔

۱۷۔ سجدہ سے یہاں پوری رکعت مراد ہے اور دو رکعت سے دو رکوع جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی متفق علیہ حدیث میں ہے۔ نیل الاوطار، ۳:۳۲۵۔

۱۸۔ متفق علیہ (ایضاً)

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ فتح القدیر، ۱:۴۳۳-۴۳۶، البدائع، ۱:۲۸۱-۲۸۲، الدر المختار، ۱:۷۸۹، اللباب، ۱:۱۲۱، مراقی الفلاح، ۹۲۔

۲۱۔ احمد اور ابو یعلیٰ نے اپنی اپنی مسند میں روایت کی۔ بیہقی، طبرانی، ابو نعیم نے الحلیہ میں، اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے (نصب الرایة، ۲:۲۳۳)۔

۲۲۔ سنن اربعہ، ترمذی نے اسے حسن صحیح بتایا ہے (نصب الرایة، ۲:۲۳۴)

۲۳۔ بخاری، مسلم، بخاری میں اسماء بنت ابی بکرؓ سے ایک ایسی ہی حدیث ہے، ابو داؤد، ترمذی، ابن حبان (نصب الرایة، ۲: ۲۳۲، نیل الاوطار، ۳:۳۳۱)۔

۲۴۔ بدایة المجتهد، ۱: ۲۰۴، الشرح الصغیر، ۱:۵۳۴، ۵۳۶، القوانین الفقهیه، ۸۸، مغنی المحتاج، ۱: ۳۱۸، المهذب، ۱:۱۲۲۔

۲۵۔ المغنی، ۲:۴۲۳، کشاف القناع، ۲:۶۹۔

۲۶۔ بخاری، مسلم (نصب الرایة ونیل الاوطار، صفحات سابقہ)

۲۷۔ ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۲۸۔ البدائع، ۱:۲۸۲۔

۲۹۔ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۰۵، الشرح الصغیر، ۱: ۵۳۳، ۵۳۶۔

۳۰۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۱۹، المجموع، ۵:۵۷۔

۳۱۔ مغیرہ بن شعبہؓ سے متفق علیہ حدیث ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: جب تم سورج یا چاند گرہن دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور نماز پڑھو تا آنکہ گرہن ختم ہوجائے۔ (نیل الاوطار، ۳:۳۳۴)۔

۳۲۔ کشاف القناع، ۲: ۶۸ -۷۱، المغنی، ۲: ۴۲۸۔

۳۳۔ متفق علیہ۔

۳۴۔ سورج گرہن کے بارے میں نجومیوں اور دوسرے پیش گوئی کرنے والوں کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ یہ غیب کی خبریں دینے کے برابر ہے۔

۳۵۔ اثرم نے روایت کی۔

۳۶۔ حضرت عائشہؓ سے متفق علیہ حدیث ہے (نیل الاوطار، ۳:۳۲۵)۔

۳۷۔ اللباب، ۱:۱۲۱، البدائع، ۱:۲۸۲، بدایۃ المجتهد، ۱:۲۰۵ وبعد، الشرح الصغیر، ۱:۵۳۵، المهذب، ۱:۱۲۲، کشاف القناع، ۲:۶۸ وبعد، المغنی، ۲:۴۲۵۔

۳۸۔ حضرت عائشہؓ کی متفق علیہ حدیث جو اوپر گزر چکی ہے۔

۳۹۔ دونوں احادیث متفق علیہ ہیں۔ پہلی حضرت عائشہؓ سے اور دوسری حضرت ابوموسیٰؓ سے (نیل الاوطار، ۳:۳۳۴)۔

۴۰۔ البدائع، ۱:۲۸۲، ردالمحتار، ۱: ۷۸۸، فتح القدیر، ۱:۴۳۶، بدایۃ المجتهد، ۱:۲۰۳، ۲۰۶، الشرح الصغیر، ۱:۵۳۳، ۵۳۵، مغنی المحتاج، ۱: ۳۱۸، المغنی، ۲: ۴۲۰، کشاف القناع، ۲:۶۸، القوانین الفقهیه، ۸۸۔

۴۱۔ متفق علیہ۔

۴۲۔ امام شافعی نے حسن بصری سے اپنی مسند میں روایت کی۔ (نیل الاوطار، ۳:۳۳۳)۔

۴۳۔ احمد، حاکم، ابن حبان (ایضاً)

۴۴۔ بخاری، مسلم۔

۴۵۔ البدائع، ۱: ۲۸۲، مراقی الفلاح، ۹۲، الکتاب، ۱: ۱۲۱۔

۴۶۔ القوانين الفقهيه، ۸۸، بداية المجتهد، ۱: ۲۰۶، الشرح الصغير، ۱: ۵۳۶۔

۴۷۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۱۸، المغنی، ۲: ۴۲۴، کشاف القناع، ۲: ۶۹۔

۴۸۔ متفق علیہ۔

۴۹۔ الشرح الصغير، ۱: ۵۳۵۔

۵۰۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۱۹۔

۵۱۔ المغنی، ۲: ۴۲۸۔

۵۲۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۱۹ وبعد، المهذب، ۱: ۱۲۳، کشاف القناع، ۲: ۷ وبعد، المغنی، ۲: ۴۲۱ وبعد۔

چھٹی بحث

نماز استسقا

استسقا (بارش مانگنا) کی تعریف، اس کا سبب، نماز استسقا کی شرعی حیثیت، نماز کا طریقہ اور وقت، کون لوگ نماز استسقا کے مکلّف ہیں، نماز استسقا میں بلند آواز سے قراءت کرنا، خطبہ، نماز کے اندر اور اس کے بعد کی دعا، نماز سے پہلے اور بعد کے مستحب وظائف، بارش اور دوسرے مواقع کی دعا، عیدگاہ میں نوافل کی ادائیگی۔

۱۔ استسقا کی تعریف اور اس کا سبب

لغت میں استسقا کا مفہوم سیرابی طلب کرنا ہے، شریعت میں استسقا سے مراد ہے بارش کی ضرورت کے وقت اللہ سے مخصوص طریقے (۱) یعنی نماز، خطبہ، استغفار اور حمد و ثنا کے ذریعے بندوں کا بارش مانگنا۔

اس کا سبب بارشوں کی کمی، پانی خشک ہوجانا، کھیتوں اور جانوروں کے لیے بارش کی ضرورت کا احساس ہے۔ بالعموم اللہ کی طرف سے آزمائش کے طور پر خشک سالی ہوجاتی ہے اور اس کا سبب لوگوں کا اپنے رب سے غافل ہوجانا اور گناہوں کی کثرت (۲) ہے جس کے لیے توبہ، استغفار، دعا اور عاجزی کی ضرورت ہوتی ہے، جب بندے یہ کام کرتے ہیں تو ان کا خالق ان پر فضل وانعام کرتے ہوئے بارش برسا دیتا ہے۔ قرآن حکیم نے مختلف انبیاء مثلاً حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت ہود علیہم السلام کی اپنی اپنی قوموں کے لیے دعا کا ذکر کیا ہے۔ قرآن نے نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے کہا: فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا، یرسل السماء علیکم مدراراً ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنات ویجعل لکم انہاراً (میں نے کہا، اپنے رب سے معافی مانگو، وہ بہت بخشنے والا ہے، تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش

برسائے گا، مال اور بیٹے دے کر تمہاری مدد کرے گا، تمہیں باغات اور نہروں سے نوازے گا (نوح ۷۱: ۱۰-۱۲) موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ہے: واذاستسقی موسی لقومه فقلنا اضرب بعصاک الحجر۔ (جب موسیٰ نے ہم سے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا، اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، البقرہ،۲: ۶۰)

ہود علیہ السلام کے تذکرہ میں ہے: ویاقوم استغفروا ربکم، ثم توبوا الیه، یرسل السماء علیکم مدراراً ویزدکم قوۃ الی قوتکم. اے قوم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اس کی طرف متوجہ ہوجاؤ، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا، جس سے تمہاری قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا، (ھود ۱۱: ۵۲)

۲۔ نماز استسقا کا شرعی حکم

امام ابوحنیفہؒ (۳) کہتے ہیں کہ استسقا کے لیے باجماعت نماز مسنون نہیں ہے۔ اگر لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تو بلا کراہت جائز ہے کیوں کہ یہ مطلقاً نوافل ہیں، استسقا دعا اور استغفار ہے کیوں کہ یہی بارش برسنے کا سبب ہے اس کے لیے جماعت مسنون ہے نہ خطبہ، نہ چادر پلٹنا اور نہ ایسے مواقع پر ذمی موجود ہوں، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فقلت استغفروا ربکم انه کان غفاراً، یرسل السماء علیکم مدراراً (میں نے کہا، اپنے رب سے معافی مانگو، وہ معاف کرنے والا ہے،تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا (نوح ۷۱: ۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے دعا مانگی لیکن آپؐ سے نماز پڑھنا منقول نہیں ہے۔

حافظ زیلعی نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کے لیے دعا کرنا صحت سے ثابت ہے۔ رہی یہ بات کہ آپؐ سے نماز پڑھنا منقول نہیں، یہ صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ آپؐ نے نماز پڑھی، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ حدیث

میں یہ کہیں نہیں ہے کہ آپؐ نے بارش کے لیے دعا کی اور نماز نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بارش کی دعا مانگنے کا ذکر ہے اور نماز کا ذکر نہیں ہے اور کسی بات کا ذکر نہ ہونا اس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں ہوتی۔

صاحبین سمیت جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ (۵) نماز استسقا جب بھی ضرورت ہو، سفر میں چاہے حضر میں سنت مؤکدہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء کی سنت سے ثابت ہے۔ اگر بارش نہ ہو تو دوسرے، تیسرے دن اور اس کے بعد بھی پڑھی جائے تاآنکہ اللہ تعالیٰ بارش برسادے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اصرار سے مانگنے کو پسند کرتا ہے۔(۶)

اس کے سنت ہونے کی دلیل متعدد احادیث ہیں: مثلاً ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقا کے لیے نماز عید کی طرح دو رکعات پڑھیں۔ (۷)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقا میں خطبہ دیا پھر منبر سے اتر کر دو رکعات پڑھیں (۸) نیز حضرت ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن زید اور عباد بن تمیم کی ان کے چچا سے روایت ہے۔(۹)

اگر لوگ نماز کی تیاری کر رہے تھے کہ اس سے پہلے ہی بارش ہوگئی تو مالکیہ کے نزدیک خوش حالی کی دعا کے لیے نماز پڑھیں، شافعیہ کے نزدیک (۱۰) نماز استسقا کے طریقے پر نماز پڑھ کر شکر ادا کریں اور دعا کریں، نیز دعا کے لیے اکٹھے ہوں، صحیح یہ ہے کہ امام خطبہ بھی دے اور اگر اس دوران بارش ہوجائے تو بہر طور نماز مکمل کریں۔

حنابلہ کے نزدیک (۱۱) اس صورت میں نماز کے لیے نہ نکلیں، بلکہ اللہ کی نعمت پر اس کا شکر ادا کریں، اس سے مزید فضل مانگیں اور اگر نماز کے لیے نکل چکے تھے کہ نماز پڑھنے سے پہلے بارش ہوگئی، تو اللہ کے شکر کے طور نماز پڑھیں، اس کی تعریف کریں اور دعا کریں۔

۳۔ نماز استسقا کا طریقہ، اس کا وقت، اس کے مکلّف اور اس میں قراءت:

حنفیہ کے علاوہ جمہور کا اس امر پر اتفاق ہے (۱۲) کہ نماز استسقا کی دو رکعات ہیں جو شہر سے باہر صحرا کی نماز گاہ میں جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں، ان کے لیے اذان واقامت نہ کہی جائے البتہ اعلان کر دیا جائے کہ ''نماز تیار ہے'' کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقا صحرا میں ادا فرمائی تھی نیز صحرا دوسری نماز گاہوں کی بہ نسبت کھلا ہوتا ہے، نماز عید کی طرح اس میں بھی بلند آواز سے قراءت کی جائے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پہلی رکعت میں تعوذ سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں پانچ زائد تکبیریں کہی جائیں اور ان میں ہاتھ اٹھائے جائیں۔ ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک درمیانی طوالت کی آیت کی مقدار وقفہ کریں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں: نماز استسقا میں وہی سنتیں ہیں جو نماز عیدین میں ہیں کہ صحرا میں پڑھی جائے، عید کی تکبیرات کی طرح تکبیرات کہی جائیں، اذان واقامت نہ کہی جائے۔ اس کے لیے بھی اجتماع اور خطبہ مسنون ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنفیہ میں سے صاحبین کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ تکبیر کے بجائے استغفار کی جائے۔ استسقا میں تکبیر نہیں ہے بلکہ تکبیر کی جگہ استغفار ہے۔

نماز استسقا میں جہاں سے چاہے بلند آواز سے قراءت کرے جیسا کہ عیدین میں ہے۔ مالکیہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ سبح اسم ربک اور والشمس وضحاھا پڑھے۔ حنابلہ اور صاحبین کے نزدیک عید کی نماز کی طرح سبح اسم ربک الاعلی اور ھل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھے جیسا کہ ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے اور ابن قتیبہ نے غریب الحدیث میں حضرت انسؓ سے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ اگر امام چاہے تو پہلی رکعت میں سورہ نوح پڑھے جو مناسب حال ہے اور دوسری میں کوئی دوسری سورت جو چاہے پڑھ لے۔

شافعیہ کے نزدیک پہلی رکعت میں بلند آواز سے سورہ ق اور دوسری میں اقتربت پڑھے۔ صحیح تر روایت یہی ہے۔ یا سبح اسم ربک اور الغاشیۃ پڑھے۔ یہ قیاس ہے کوئی نص اس سلسلے میں موجود نہیں ہے۔ بلند آواز سے قراءت کرنے کی دلیل عبداللہ بن زیدؓ وغیرہ کی حدیث ہے جس میں ہے: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی جس میں بلند آواز سے قراءت کی (۱۳) جماعت سے پڑھے جو کہ افضل ہے یا اکیلے دونوں صورتوں میں بلند آواز سے قراءت کرے۔

مستحب یہ ہے کہ مکہ، مدینہ اور بیت المقدس کے علاوہ دوسری جگہوں پر کھلے صحرا میں نماز پڑھی جائے۔ البتہ ان جگہوں پر مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصا میں نماز استسقا ادا کی جائے۔ لوگ تین دن تک پیدل پرانے لیکن دھلے ہوئے کپڑے پہن کر نکلیں، عاجزی، انکساری، تواضع اور خشوع وخضوع کے ساتھ، سرنیہوڑائے ہوئے، نکلنے سے پہلے صدقہ دے کر اور تجدید توبہ کر کے نکلیں اور کمزور، ضعیف، بوڑھے مرد، عورتوں اور بچوں کے ہمرا نماز استسقا ادا کریں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز استسقا کے لیے حاکم کی اجازت شرط نہیں ہے کیوں کہ اصل مقصد دعا ہے اور دعا کے لیے حاکم کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک اجازت شرط ہے اور امام احمد سے دونوں روایتیں ہیں۔(۱۴)

نماز استسقا کا وقت:

نماز استسقا کا کوئی متعین وقت نہیں ہے۔ نماز استسقا عید کے وقت کے ساتھ مختص نہیں، البتہ اس امر پر اتفاق ہے کہ ممنوع وقت میں نماز استسقا نہ پڑھی جائے کیوں کہ اس کے وقت میں گنجائش ہے اس لیے ممنوع وقت میں پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دن کے ابتدائی حصہ میں یعنی نماز عید کے وقت پڑھنا مسنون ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے نکلے تو سورج نکل چکا تھا(۱۵)

چوں کہ جگہ اور طریقے کے اعتبار سے یہ نماز عید کے مشابہ ہے، پس وقت بھی وہی ہونا چاہیے۔ نیز سورج ڈھلنے سے اس کا وقت ختم نہیں ہوتا کیوں کہ اس کا کوئی دن مقرر نہیں ہوتا، پس اس کا وقت بھی مقرر نہیں ہوگا۔

سورج ڈھلنے کے ساتھ نماز استسقا کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بعد بھی جائز ہے جیسا کہ دوسرے نوافل اس کے بعد جائز ہیں(۱۶) اگر لوگ نمازوں کے بعد یا خطبہ جمعہ میں بارش کے لیے دعا کریں تو یہ بھی سنت کے مطابق ہے۔ نماز پڑھے بغیر بارش کی دعا کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ وہ ایک دن بارش کے لیے دعا کرنے آئے، منبر پر چڑھے اور کہا:

استغفروا ربکم انه کان غفاراً یرسل السماء علیکم مدراراً ویمددکم باموال و بنین ویجعل لکم جنات ویجعل لکم انهارا، استغفروا ربکم انه کان غفاراً (اپنے رب سے معافی مانگو، وہ بخشنے والا ہے، تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، تمہارے مال اور بیٹوں میں برکت دے گا۔ تمہارے لیے باغات پیدا کرے گا اور دریا بہائے گا، اپنے رب سے معافی مانگو، وہ بخشنے والا ہے)

پھر آپ اتر آئے تو لوگوں نے کہا: امیر المومنین! اگر آپ بارش کی دعا کرتے۔ آپ نے کہا: میں نے آسمان کی وہ کنجیاں مانگی ہیں جن سے بارش برستی ہے۔(۱۷)

نماز استسقا کے مکلّف (۱۸) وہ سب مرد ہیں جو چلنے پر قادر ہیں، مالکیہ کے نزدیک عورتوں اور ناسمجھ بچوں کو نماز استسقا کا نہ کہا جائے۔ شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ لڑکوں، بوڑھے مردوں اور عورتوں کا بے شکل عورتوں اور بدصورت ہیجڑوں کا نماز کے لیے آنا مستحب ہے کیوں کہ ان کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ کیوں کہ بوڑھے نرم دل ہوتے ہیں۔ چھوٹی عمر والوں کا کوئی گناہ نہیں ہوتا، نیز ارشاد نبوی ہے ''تمہیں اپنے کمزور افراد کی بدولت رزق دیا جاتا ہے'' (۱۹) جوان اور خوش شکل عورتوں کا نماز کے لیے نکلنا مکروہ ہے،

اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔

جانوروں کو نکالنا: مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جانوروں اور دیوانوں کو نکالنا مستحب نہیں ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

حنفیہ اور شافعیہ کی صحیح تر روایت کے مطابق جانوروں اور ان کے بچوں کو نکالنا مستحب ہے اور حنابلہ کے نزدیک مباح ہے کیوں کہ رزق کی ضرورت سب کو ہے(۲۰)۔ اس سے عاجزی، زاری اور چیخ وپکار کا ماحول پیدا ہوگا۔ بزار نے ضعیف سند کے ساتھ ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ:''اگر شیر خوار بچے، عبادت گزار بندے اور چرنے چگنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوجاتا''۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بارش مانگنے کے لیے نکلے، آپ علیہ السلام نے ایک چیونٹی کو پشت کے بل پڑے ہوئے دیکھا جو کہہ رہی تھی، ''الٰہی ہم بھی تیری مخلوق ہیں اور تیرے رزق سے بے نیاز نہیں ہیں'' سلیمان علیہ السلام نے کہا:''واپس چلے چلو، دوسروں کی دعا سے تم پر بارش برس جائے گی''۔(۲۱)

نیک لوگوں کے وسیلے سے دعا کرنا:

مستحب ہے کہ دین دار اور نیک لوگوں کو نماز استسقا کے لیے نکالا جائے کیوں کہ ان کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے توسل سے اور حضرت معاویہؓ نے یزید بن اسود الجرشی کے توسل سے بارش کی دعا مانگی، ایک بار ضحاک بن قیس نے بھی ان کے توسل سے دعا مانگی، اس لیے نیک لوگوں کے توسل سے دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ نے قحط کے سال حضرت عباسؓ کے توسل سے دعا مانگی اور کہا: اے اللہ! یہ تیرے نبیؐ کے چچا ہیں، ان کے وسیلے سے ہم تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں، ہم پر بارش برسادے'' تھوڑی دیر میں اللہ نے بارش برسا دی۔ حضرت معاویہؓ نے کہا: اے اللہ! ہم اپنے سے بہتر اور افضل شخص یزید بن اسود کو تیرے پاس

بطور سفارش لائے ہیں، اے یزید! اپنے ہاتھ اٹھائیں، یزید نے ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا کی، مغرب میں ایک کمان کی طرح بدلی اٹھی، ہوا چلی اور بارش برسنا شروع ہوگئی حتیٰ کہ لوگ ابھی اپنے گھروں کو نہیں پہنچ سکے تھے۔ (۲۲)

استسقا کے لیے نکلنے کا طریقہ ہم بتا چکے ہیں کہ اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے، پھٹے پرانے کپڑوں میں نکلیں، نہ تو دیدہ زیب لباس پہنیں اور نہ خوشبو لگائیں، کیوں کہ خوشبو زیب و زینت کی انتہا ہے، چلنے میں عاجزی کا اظہار ہو، بیٹھنے میں مسکنت ہو، اللہ کے سامنے ذلیل اور عاجز ہو کر بیٹھے، اس سے لو لگائے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انکساری، عاجزی، خشوع اور تواضع کے ساتھ نماز استسقا کے لیے نکلے تھے۔ (۲۳)

کیا ذمی نماز استسقا کے لیے نکل سکتے ہیں؟

حنفیہ کہتے ہیں کہ ذمی (اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری) نماز استسقا کے لیے نہ نکلیں کیوں کہ یہ دعا کے لیے نکلنا ہے اور ارشاد ربانی ہے: وما دعاء الکافرین الافی ضلال (کافروں کی دعا رائیگاں چلی جاتی ہے، الرعد۱۲:۱۴) نیز یہ دعا نزدل رحمت کے لیے ہے اور کفار پر لعنت نازل ہوتی ہے۔ اگرچہ راجح یہ ہے کہ گاہے کافروں کی دعا بھی استدراجاً قبول ہوجاتی ہے اور مذکورہ بالا آیت (الرعد۱۳:۱۴) میں دعا کا تعلق آخرت سے ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ ذمیوں کو مسلمانوں کے ساتھ نکلنے سے نہ روکا جائے اور انہیں یہ کہا جائے کہ وہ نکلتے وقت اور نماز کی جگہ مسلمانوں سے الگ رہیں۔ ان کا مسلمانوں سے میل جول اور ساتھ نکلنا امام شافعی کے نزدیک مکروہ ہے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہی جائے کیوں کہ کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ رہی یہ بات انہیں حاضری سے نہ روکا جائے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی رزق مانگ رہے ہیں اور اپنے رب سے اپنا رزق

مانگتے ہیں، اللہ کا فضل بہت وسیع ہے کبھی اللہ تعالیٰ مہلت اور دنیا میں رزق دینے کے لیے ان کی دعا بھی قبول کرلیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: سنستدرجهم من حیث لایعلمون (ہم انہیں درجہ بدرجہ لے چلیں گے جہاں سے کہ انہیں علم بھی نہیں ہوگا (الاعراف ۱۸۲:۷) اللہ جس طرح مسلمانوں کی روزی کا کفیل ہے اسی طرح دنیا میں کافروں کی روزی کا بھی کفیل ہے۔

ان کا مسلمانوں سے الگ رہنا اس لیے ضروری ہے کہ معلوم نہیں کہیں ان پر عذاب ہی نہ آجائے جس کی لپیٹ میں وہ سب لوگ آجائیں جو وہاں موجود ہوں کیوں کہ قوم عاد نے جب بارش مانگی تھی تو اللہ نے ان پر سخت جھکڑ چلا دیے جس سے وہ سب ہلاک ہوگئے۔

۴۔ استسقا کا خطبہ:

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ (۲۴) استسقا میں خطبہ نہیں ہے کیوں کہ خطبہ جماعت کا جزء ہے اور نماز استسقا میں ان کے نزدیک جماعت نہیں ہوتی۔ استسقا محض دعا اور استغفار ہے جس میں امام قبلہ رو ہوکر کھڑا ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ سے جب نماز استسقا کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاجزی، انکساری (۲۵)، خشوع اور تضرع کے ساتھ نکلے، دو رکعات پڑھیں جیسے عید کی دو رکعات پڑھی جاتی ہیں۔ آپؐ نے تمہارا یہ خطبہ نہیں دیا۔(۲۶)

صاحبین کی رائے یہ ہے کہ امام لوگوں کو دو رکعات نماز پڑھائے جس میں بلند آواز سے قراءت کرے، پھر خطبہ پڑھے، پھر قبلہ رو ہوکر دعا کرے اور امام محمد کے نزدیک امام دو خطبے دے، ان کے درمیان بیٹھے جیسے کہ عید میں ہوتا ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک ایک ہی خطبہ دے جو زیادہ تر استغفار پر مشتمل ہو۔

جمہور (۲۷) کے نزدیک امام نماز استسقا کے بعد نماز عید کی طرح دو خطبے دے جیسا

کہ مالکیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کیوں کہ ابن عباسؓ کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استقا اسی طرح پڑھائی جیسے کہ عیدین کی نماز، البتہ حنابلہ کے نزدیک ایک خطبہ دے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے زائد منقول نہیں ہے۔

خطبہ دینے اور خطبہ کے نماز کے بعد ہونے کی دلیل حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز بارش مانگنے کے لیے نکلے، آپؐ نے اذان واقامت کے بغیر ہمیں دو رکعات نماز پڑھائی، پھر ہمیں خطبہ دیا، اللہ سے دعا کی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر چہرہ قبلہ کی طرف پھیرا، پھر چادر پلٹی، دائیں طرف کو بائیں طرف اور بائیں کو دائیں طرف کر دیا۔(۲۸)

شافعیہ کے نزدیک نماز سے پہلے بھی خطبہ جائز ہے کیوں کہ عبداللہ بن زید کی حدیث ہے: میں نے دیکھا جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارش مانگنے کے لیے نکلے، آپؐ نے لوگوں کی طرف پشت کر کے، قبلہ رو ہو کر دعا کی، پھر آپؐ نے چادر پلٹی، پھر آپؐ نے دو رکعات نماز پڑھی جس میں بلند آواز سے قراءت کی۔(۲۹)

استقا کا خطبہ مالکیہ اور شافعیہ کی رائے میں عید کے خطبے سے مختلف ہے۔ اس میں امام تکبیر کی جگہ استغفار پڑھے اور کہے "استغفر اللہ الذی لاالہ الاھو الحی القیوم واتوب الیہ"۔ بالاتفاق اس میں بکثرت استغفار کرے کیوں کہ استغفار بارش برسنے کا سبب ہے۔ حضرت سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بارش مانگنے کے لیے نکلے تو آپ نے استغفار پر کوئی اضافہ نہیں کیا، لوگوں نے کہا، آپ نے بارش تو مانگی نہیں، آپ نے جواب دیا، میں نے آسمان کی وہ کنجیاں مانگی ہیں جن سے بارش برستی ہے پھر یہ آیت تلاوت کی: استغفروا ربکم انه کان غفاراً یرسل السماء علیکم مدراراً (اپنے رب سے معافی مانگو وہ بخشنے والا ہے تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا)۔(۳۰)

مالکیہ کے نزدیک پہلے اور دوسرے خطبے میں استغفار کی کوئی تعداد مقرر نہیں شافعیہ

کے نزدیک پہلے خطبے میں نو بار اور دوسرے میں سات بار استغفار کرے اور مستحب یہ ہے کہ بکثرت استغفار کرے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے، استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدراراً (اپنے رب سے معافی مانگ وہ بخشنے والا ہے۔تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا۔نوح ۷۱: ۱۰۔۱۱)

حنابلہ کے نزدیک امام خطبے کا آغاز مسلسل نو بار استغفار سے کرے جیسا کہ عید کے خطبہ میں ہوتا ہے اور خطبے کے دوران بکثرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے کیوں کہ اس سے دعا کی قبولیت میں مدد ملتی ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں: دعا آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے اوپر نہیں چڑھتی (۳۱) اور بکثرت یہ آیت پڑھے: استغفروا ربکم انه کان غفاراً (نوح ۷۱: ۱۰) اور تمام وہ آیات جن میں استغفار کا حکم ہے کیوں کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جب استغفار کی جائے تو وہ بارش نازل کرتا ہے۔

خطبہ میں دعا: امام پہلے خطبے میں یہ دعا کرے: اللھم اسقنا غیثا مغیثاً ھنیئًا مریئًا مریعاً غدقاً، مجّللاً، سحاً، طَبَقاً دائماً(اے اللہ! ایسی بارش برسا جو سیراب کردے، خوش گوار ہو، ثمر آور ہو، نتیجہ خیز ہو، بہت پانی اور برکت والی ہو، ساری زمین پر ہو، موسلا دھار ہو اور بھر پور ہو اور ضرورت پوری کرنے تک مسلسل ہو)۔ کیوں کہ کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں ایسا ہی ہے:(۳۲)

اللھم اسقنا الغیث ولا تجعلنا من القانطین، اللھم ان بالعباد والبلاد والخلق من اللأواء والجَھد والضنک مالا نشکو الاالیک (اے اللہ! ہم پر بارش برسا اور ہمیں مایوس نہ کر، الٰہی، تیرے بندے، تیری زمین اور تیری مخلوق بھوک کی شدت، بدحالی اور تنگی میں اس حال کو پہنچ گئی ہے کہ اس کی ہم تجھ سے ہی شکایت کرسکتے ہیں)۔

اللھم انبت لنا الزرع وادرلنا الضرع واسقنا من برکات السماء وانبت لنا

من برکات الارض اللھم ارفع عنا الجھدو العری والجوع واکشف عنا من البلاء مالا یکشفه غیرک (اے اللہ! ہماری فصلیں اگادے، ہمارے جانوروں کے تھن دودھ سے بھر دے، ہم پر آسمانی برکتوں والی بارش نازل فرما، زمین کی برکتیں اگادے، ہم سے تنگی، بھوک اور عریانی دور فرمادے، ہماری مصیبتیں ختم فرمادے، تیرے سوا کوئی مصیبتیں ختم نہیں کرسکتا)۔

اللھم انا نستغفرک، انک کنت غفاراً، فارسل السماء علینا مدراراً (اے اللہ! ہم تجھ سے معافی مانگتے ہیں، تو بخشنے والا ہے، ہم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسا) یہ تمام دعائیں عبداللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث سے ثابت ہیں۔

آہستہ اور عاجزی سے انتہائی مبالغے کے ساتھ دعا کرے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے:
ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة (اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو، الاعراف ۷:۵۵)
لوگ امام کی دعا پر آمین کہیں۔ پھر امام کہے:

اللھم إنک أمرتَنا بدعائک، و وعدتَنا إجابتک، وقد دعو ناک کما أمرتَنا، فاستجِب لنا کما وعدتَنا، إنک لا تُخلف المیعاد (اے اللہ! تو نے ہمیں دعا کرنے کا حکم دیا اور اس کی قبولیت کا وعدہ کیا، ہم نے تیرے حکم کے مطابق دعا کی، اب تو اپنے وعدے کے مطابق اسے قبول فرما، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا)۔(۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ تھی:

الحمدللہ رب العالمین، الرحمن الرحیم مالک یوم الدین، لا اله الا اللہ یفعل مایرید، اللھم انت اللہ، لااله الا انت، انت الغنی ونحن الفقراء، انزل علینا الغیث، واجعل ما انزلت لنا قوة وبلاغاً الی حین (۳۴) (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو جہانوں کا پروردگار ہے، رحمان ورحیم، یوم جزا کا مالک، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے اللہ! تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو بے

نیاز ہے اور ہم محتاج، ہم پر بارش نازل فرما اور جو بارش تو نازل کرے اسے ہمارے لیے ایک مدت تک قوت اور زاد راہ بنادے)۔

اگر امام آہستہ دعا کرے تو لوگ بھی آہستہ کریں اور اگر وہ بلند آواز سے کرے تو لوگ بھی بلند آواز سے کریں۔

خطبہ کے لیے مستحب یہ ہے کہ دعا کے دوران قبلہ رو ہو، کیوں کہ عبداللہ بن زید کی مذکورہ بالا حدیث سے یہی ثابت ہے اور صاحبین نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ امام دعا میں قبلہ رو ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دونوں خطبوں سے فارغ ہوکر قبلہ رو کھڑے ہوکر انتہائی عاجزی اور مبالغے سے تنگی اور قحط کے خاتمے، بارش اور رحمت کے نزول اور گناہوں پر مؤاخذہ نہ کرنے کی دعا کرے۔ لوگوں میں سے کسی فرد کے لیے دعا نہ کی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ دوسرا خطبہ شروع کرنے کے بعد (تقریباً ایک تہائی کے بعد) امام قبلہ رو ہوجائے اور پھر آہستہ اور بلند آواز سے دعا کرے۔(۳۵)

پھر لوگوں کی طرف رخ کرکے انہیں اطاعت خداوندی کی ترغیب دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، ایک دو آیات تلاوت کرے۔ اہل ایمان مردوں اور خواتین کے لیے دعا کرے اور استغفر اللہ لی ولکم (میں اپنے لیے اور تمہارے لیے اللہ سے معافی مانگتا ہوں) پر ختم کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خطبے کے دوران قبلہ کی طرف منہ کرے۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا: دعائے استسقا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے، حضرت انسؓ کی حدیث ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استسقا کے علاوہ اور کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، استسقا میں آپؐ ہاتھ اتنے بلند کرتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی''۔(۳۶)

حضرت انسؓ کی ایک دوسری حدیث میں ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے

اور لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ اٹھائے''۔

چادر پلٹنا: صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کہتے ہیں: امام دعا کے وقت اپنی چادر پلٹے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپؐ نے جب بارش کے لیے دعا کی تو لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے قبلہ رو ہوئے اور آپؐ نے اپنی چادر پلٹی۔(۳۷)

چادر پلٹنے کا طریقہ: اگر چادر چوکور ہو تو اوپر کا حصہ نیچے کر دے اور اگر جبے کی طرح گول ہو تو دائیں جانب بائیں طرف کر دے۔ لوگ اپنی چادریں نہ پلٹیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک چادر پلٹنا مسنون نہیں ہے، کیوں کہ استسقا ان کے نزدیک دعا ہے اور دوسری دعاؤں کی طرح اس میں بھی چادر پلٹنا مستحب نہیں ہے۔

جمہور کے نزدیک امام قبلہ رو ہوتے وقت چادر پلٹے، یہ رائے پہلی رائے کے خلاف ہے اس میں یہ ہے کہ جب قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو جائے پھر چادر پلٹے، اور تمام مرد نمازی بھی اپنی چادریں بیٹھے بیٹھے پلٹ دیں کیوں کہ عبداللہ بن زیدؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا احادیث میں اسی طرح ہے(۳۸)۔ اس سے اِس خواہش کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح قحط سالی کو خوش حالی سے بدل دے۔ بعض احادیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر پلٹ دی تاکہ قحط پلٹ جائے۔(۳۹)

چادر پلٹنے کا طریقہ: چادر کی دائیں طرف کو بائیں طرف اور بائیں طرف کو دائیں طرف کر دے لیکن مالکیہ کے نزدیک پاؤں کی طرف والے کنارے کو کندھوں کی طرف نہ کرے۔

شافعیہ کے جدید مذہب میں پاؤں کی طرف والے کنارے کو کندھوں کی طرف کر لے اور اوپر کے حصے کو نیچے اور نیچے والی جانب کو اوپر کر لے کیوں کہ حدیث میں ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقا پڑھائی تو آپؐ پر سیاہ بڑی چادر تھی، آپؐ نے اس کے نچلے حصے کو اوپر کرنا چاہا تو وہ بوجھل تھی پھر آپؐ نے دائیں جانب کو بائیں جانب اور بائیں کو دائیں جانب کر دیا۔(۴۰)

لوگوں کے لیے چادر پلٹنے کی دلیل عبداللہ بن زیدؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے بارش کی دعا مانگی تو لمبی دعا کی، بہت زیادہ سوال کیا پھر آپؐ قبلہ رخ ہوئے اور اپنی چادر الٹ کر اوپر کا حصہ نیچے کر لیا اور لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ چادریں پلٹ لیں۔(۴۱)

حنابلہ کہتے ہیں کہ چادر اسی طرح الٹی اوڑھے رکھے تا آنکہ جب گھر پہنچ کر دوسرا لباس تبدیل کرے تو اسے بھی اتار دے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے کہ آپؐ نے دوبارہ چادر درست کی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ چادر پلٹنا بدحالی سے خوش حالی کی طرف لوٹ جانے کے لیے ایک اچھا فال ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے فال کو پسند فرماتے تھے۔(۴۲)

۵۔ استسقا کے مستحبات یا وظائف استسقا:

اوپر جو امور مذکورہ ہیں مثلاً خطبہ اور نماز کے لیے نکلنے کا طریقہ اس کے علاوہ حسب ذیل امور استسقا کے لیے مسنون ہیں:(۴۳)

۱۔ امام لوگوں کو گناہوں سے معافی کی تلقین کرے اور نیکی، صدقہ وخیرات کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے اور گناہوں سے بچنے، لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرے کیوں کہ اس سے دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ ارشار ربانی ہے:

ویاقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیه یرسل السماء علیکم مدراراً (اے لوگو! اپنے رب سے معافی مانگو، اس کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا)۔

کیوں کہ گناہ اور مظالم قحط اور بارشیں رکنے کا باعث بنتے ہیں اور تقویٰ برکات کے نزول کا سبب ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولو ان اهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض (اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے) امام نماز استسقا کے لیے نکلنے سے پہلے تین دن روزے رکھنے کا حکم دے اور آخری روزے کے دن یا چوتھے دن لوگ صبح کے وقت صحرا میں دعا کے لیے نکلیں، اس طرح چار دن روزے ہو جائیں گے۔ کیوں کہ روزہ بارش کے نزول کا سبب ہے۔ روایت ہے کہ تین لوگوں کی دعا رد نہیں ہوتی، روزے دار کی تا آنکہ افطار کرلے، عادل حکمران کی اور مظلوم کی۔ (۴۴)

شافعیہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے لیے امام کی بات ماننا ضروری ہے، حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ امام کے حکم سے روزے اور صدقہ واجب نہیں ہوتے۔

امام لوگوں کو صدقے کا حکم بھی دے کیوں کہ صدقہ اللہ کی رحمت یعنی بارش لانے کا سبب ہے نیز انہیں باہمی عداوتیں ختم کرنے کا کہے کیوں کہ عداوتوں سے گناہ اور ظلم کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور خیر کا نزول رک جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے: میں تمہیں لیلۃ القدر کے بارے میں بتانے کے لیے نکلا تھا، فلاں فلاں آدمی جھگڑ رہے تھے تو لیلۃ القدر کا علم اٹھا لیا گیا (۴۵)۔ امام دن مقرر کردے، جس روز لوگوں نے نماز کے لیے نکلنا ہو۔ (۴۶)

۲۔ امام اور لوگ نماز استسقا کے لیے تین دن تک پیدل صحرا کی طرف نکلیں، البتہ مکہ، مدینہ اور بیت المقدس میں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصا میں نماز پڑھی جائے۔

اگر امام نہ نکلے تو حنفیہ کے نزدیک لوگ خود نماز استسقا کے لیے نکلیں۔ جب امام کے بغیر نکلیں تو دعا میں مشغول ہو جائیں اور باجماعت نماز نہ پڑھیں، ہاں اگر حاکم کسی سے کہے کہ لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھاؤ تو نماز پڑھیں، کیوں کہ استسقا اصل میں دعا ہے۔ اس کے لیے امام کی موجودگی شرط نہیں۔ اگر امام کی اجازت کے بغیر نکلے تب بھی

جائز ہے کیوں کہ یہ دعا ہے، اس کے لیے امام کی اجازت شرط نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر شہر کا حاکم موجود ہو تو لوگ اس کی اجازت کے بغیر نہ نکلیں کیوں کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ حنابلہ کے ہاں دو روایات ہیں: ایک روایت میں ہے کہ امام یا اس کے نائب کے بغیر نکلنا مستحب نہیں ہے۔ اگر اس صورت میں لوگ نکلیں تو دعا کر کے لوٹ جائیں، نماز اور خطبہ نہ پڑھیں، دوسری روایت ہے کہ خود نماز پڑھ لیں اور انہیں میں سے کوئی شخص خطبہ دے دے۔

۳۔ نماز استسقا کے لیے صاف ستھرے ہو کر غسل کر کے، مسواک کر کے، بدبو دور کر کے اور ناخن وغیرہ کاٹ کر جائیں تاکہ لوگوں کو اذیت نہ ہو کیوں کہ اس روز لوگ جمعہ کی طرح جمع ہوتے ہیں۔

البتہ خوشبو لگانا مستحب نہیں ہے کیوں کہ یہ عاجزی، مسکنت اور خضوع کے اظہار کا دن ہے اور خوشبو زینت کے لیے ہوتی ہے، یہ زینت کا وقت نہیں۔

۴۔ عبادت گاہ کی طرف تواضع، عاجزی، انکساری، تضرع اور زاری کرتے ہوئے پرانے کپڑے پہن کر نکلے کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استسقا کے لیے عاجزی، تواضع اور خشوع سے نکلے اور عبادت گاہ میں پہنچے۔(۴۷)

۵۔ دین دار، نیکو کار، بزرگ افراد، متقی علماء اور بوڑھی عورتوں، بچوں اور جانوروں کے توسل سے دعا کریں تاکہ عاجزی اور زاری کا اظہار ہو اور ضرورتوں کے اظہار کے لیے آوازیں بلند ہوں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا(۴۸)۔ ہر موجود شخص کے لیے مستحب ہے کہ اپنے خالص عمل کے توسل سے آہستہ دعا کرے۔

۶۔ نماز کے لیے صحرا میں نکلے، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قحط سالی کی شکایت کی تو آپؐ نے منبر لے جانے کا حکم دیا

اور اسے عبادت گاہ میں رکھوایا(۴۹)۔ چوں کہ استسقا میں بڑی جماعت ہوتی ہے اس لیے نمازیوں کے لیے کھلی جگہ مناسب ہوتی ہے۔

۷۔ خطبہ میں مسنون دعائیں کی جائیں، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، بارش برستے وقت بھی دعا کریں کیوں کہ بیہقی کی حدیث میں ہے کہ: چار مواقع پر دعا قبول ہوتی ہے، جب لڑائی میں فوجیں آمنے سامنے ہوتی ہیں، بارش کے وقت، نماز کھڑی ہونے کے وقت، زیارت خانہ کعبہ کے وقت۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش برستی ہوئی دیکھتے تو فرماتے: صيباً نافعاً (نفع بخش موسلا دھار بارش برسے) مختلف احادیث میں بارش کے وقت کی جو دعائیں آئی ہیں ان کا مجموعہ یہ ہے: اللهم صيباً هنيئا و سيبا نافعا مطرنا بفضل الله ورحمة۔ (اے اللہ! خوشگوار موسلا دھار بارش برسا، نفع بخش عطا سے نواز، اللہ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش برس رہی ہے) اگر زیادہ بارشوں سے نقصان ہونے لگے تو یہ دعا کریں: اللهم حوّ الينا ولا علينا، اللهم على الآكام والظراب وبطون الأودية ومنابت الشجر (۵۰) (اے اللہ! ہمارے اردگرد برسا، ہم پر نہیں، ٹیلوں اور گھاٹیوں پر، وادیوں کے دامن اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر)۔

اللهم سقيا رحمة ولا سقيا عذاب ولا محق ولا بلاء ولا هدم ولا غرق (۵۱) (اے اللہ! رحمت کی بارش برسا، عذاب، تباہی، آزمائش، بربادی اور سیلاب والی بارش نہ برسا)۔

یہ کہنا مکروہ ہے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی:

جیسا کہ عربوں کا طریقہ تھا کہ بارشوں کو ستاروں کے مقامات کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید حقیقتاً اسی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ اگر یہ اعتقاد ہو کہ ستارے فاعل حقیقی ہیں تو یہ کفر ہے۔ صحیحین کی جو روایت ہے اس کا یہی

مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے کچھ مومن ہوتے ہیں اور کچھ کافر۔ جو کہتا ہے کہ اللہ کے فضل ورحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور کواکب کا انکار کرتا ہے اور جو کہتا ہے، فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی وہ میرا انکار کرتا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے''۔

ہوا کو گالی دینا مکروہ ہے بلکہ سنت یہ ہے کہ جب ہوا چلے تو دعا کرے کیوں کہ حدیث میں ہے: ہوا اللہ کی روح یعنی اس کی رحمت ہے کبھی رحمت لاتی ہے کبھی عذاب۔ جب ہوا چلتے دیکھو تو اسے گالی نہ دو، بلکہ اس کی خیر کے طالب ہو اور اس کے شر سے پناہ مانگو (۵۲)۔ اس موقع پر یہ دعا پڑھو: اللھم انی اسالک خیرھا وخیر مافیھا، وخیر ما ارسلت بہ اعوذ بک من شرھا وشرما فیھا و شرما ارسلت بہ (۵۳) اللھم اجعلھا رحمۃ ولا تجعلھا عذابا اللھم اجعلھا ریاحاً ولا تجعلھا ریحاً۔(۵۴)

(اے اللہ! ہم تجھ سے ہوا کی بھلائی مانگتے ہیں اور جو بھلائی اس میں ہے اور جس بھلائی کے ساتھ تو نے ہوا چلائی ہے اور اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور جو شر اس میں ہے اور جس شر کے ساتھ تو نے ہوا چلائی ہے۔ اے اللہ! ہوا کو ہمارے لیے رحمت بنادے اور عذاب نہ بنا، اسے خوشگوار اور نفع بخش ہوا بنادے، اسے عذاب کی ہوا نہ بنا)۔

کڑک اور چمک کے وقت تسبیح پڑھے: یوں کہے: سبحان من یسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ (۵۵)

(پاک ہے وہ ذات، رعد جس کی تسبیح وتحمید کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے ڈر سے) اور بجلی کے وقت کہے: سبحان من یریکم البرق خوفاً وطمعاً (پاک ہے وہ ذات جو تمہیں بجلی کی چمک دکھاتی ہے۔ جس میں خوف بھی ہے اور امید بھی) مستحب یہ ہے کہ بجلی کی چمک کو نہ دیکھے کیوں کہ سلف صالحین کڑک اور چمک کی طرف اشارہ کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس وقت یہ الفاظ کہتے: لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، سبوح

قدوس (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے بلا شریک، پاک ہے، عظمت والا) پس اسلاف کی اقتدا کرنا مستحسن ہے۔

ستارا ٹوٹنے کے وقت کہے: ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ (۵۶)

گدھے کے ڈھینچوں ڈھینچوں کرنے کی آواز سنے تو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھے، جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ کتے کے بھونکنے کی آواز سنے تو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھے، جیسا کہ ابو داؤد میں ہے مرغ کے اذان دینے کی آواز سنے تو اللہ سے فضل مانگے جیسا کہ صحیحین میں ہے۔

۸۔ خوش حالی میں رہنے والوں کے لیے مستحب ہے کہ خشک سالی والوں کے لیے دعا کریں کیوں کہ یہ نیکی اور تقویٰ پر تعاون ہے۔

۹۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے مستحب ہے کہ جب سال کی پہلی بارش ہو تو باہر نکل آئے اور ہر مرتبہ بارش کے شروع ہوتے ہوئے اور ستر کے علاوہ باقی لباس اتار دے تاکہ بارش کے قطرے بدن پر پڑیں، ان سے برکت حاصل کرے۔ مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لباس اتار دیتے تاکہ بدن پر بارش پڑے اور فرماتے کہ تازہ تازہ اپنے رب کے پاس سے آئی ہے (۵۷) یعنی نئی پیدا ہوئی اور تازہ تازہ اتری ہے۔ نیز سیلاب کے پانی سے نہانا یا وضو کرنا مستحب ہے۔ امام شافعی نے کتاب الأم میں منقطع سند سے روایت کی ہے کہ جب بارش کا پانی سیلاب کی شکل میں بہتا تو آپ فرماتے کہ ہمیں اس پانی کے پاس لے جاؤ جو پاک ہے تاکہ ہم اس سے طہارت حاصل کریں اور اس پر اللہ کی تعریف کریں۔

۱۰۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز استسقا سے پہلے اور بعد مسجد یا عبادت گاہ میں نوافل پڑھنا جائز ہیں۔ کیوں کہ استسقا سے مقصود یہ ہے کہ گناہوں سے دور ہوں اور زیادہ سے زیادہ نیکی کریں جب کہ نماز عید میں ایسا نہیں، شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک عیدگاہ میں عید

کی نماز سے پہلے اور بعد میں نوافل پڑھنے مکروہ ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک مسجد میں مکروہ نہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک مسجد میں بھی عید کی نماز سے پہلے مکروہ ہیں البتہ حنفیہ کے نزدیک بعد میں نہیں۔

دعا اگر کوئی چیز حاصل کرنے کے لیے کی جائے تو ہتھیلیاں پھیلا کر کی جائے اور اگر کسی مصیبت کے دور کرنے کے لیے کی جائے تو ہاتھوں کی پشت پھیلا کر کی جائے (۵۸)۔

(۱۱) اگر بارش نہ ہو تو دوبارہ اور تیسری بار نماز استسقا پڑھیں اور اگر نماز استسقا کی تیاری کر رہے تھے کہ بارش ہوگئی تو اکٹھے ہو کر شکر ادا کریں اور زیادہ بارش کی دعا کریں اور شکرانے کے طور پر معروف طریقے سے نماز استسقا پڑھیں جیسا کہ دعا وغیرہ کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ صحیحین میں ہے جب تک کوئی شخص جلدی نہ مچائے اس کی دعا قبول ہوتی ہے یعنی یہ نہ کہے کہ میں نے تو دعا کی تھی، قبول ہی نہیں ہوئی۔ ارشاد ربانی ہے: لئن شکرتم لازیدنکم (اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔ ابراہیم ۱۴: ۷) اصبغ کہتے ہیں کہ مصر میں نیل کے پانی کے لیے مسلسل پچیس دن نماز استسقا پڑھی گئی۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ الشرح الصغیر، ۱: ۵۲۷، مغنی المحتاج، ۱: ۳۲۱، کشاف القناع، ۱: ۷۴، مراقی الفلاح، ۹۳۔

۲۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عمرؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ”جو لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں ان پر قحط سالی اور تنگ دستی مسلط ہوجاتی ہے اور حکمران ظالم ہوجاتے ہیں اور جو لوگ زکوٰۃ روک لیتے ہیں ان کے لیے آسمان سے بارش روک دی جاتی ہے اور اگر جانور نہ ہوں تو بالکل بارش نہ ہو۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲)

۳۔ الکتاب مع اللباب ۱: ۱۲۱ وبعد، مراقی الفلاح، ۹۳، فتح القدیر، ۱: ۴۲۷، البدائع، ۱: ۲۸۲، الدر المختار، ۱: ۷۹۰ وبعد۔

۴۔ نصب الرایۃ، ۲: ۲۳۸۔

۵۔ بدایۃ المجتھد، ۱: ۲۰۷: القوانین الفقھیہ، ۸۷، الشرح الصغیر، ۱: ۵۳۸، مغنی المحتاج، ۱: ۳۲۱، المھذب، ۱: ۱۲۳، المغنی، ۲: ۴۳۹ وبعد، کشاف القناع، ۲: ۷۴۔

۶۔ ابن عدی اور عقیلی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی اور اسے ضعیف بتایا، صحیحین میں ہے جب تک کوئی شخص جلدی نہ مچائے اور یہ نہ کہے کہ میری تو دعا کبھی قبول نہیں ہوئی، اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

۷۔ چاروں کتب سنن نے روایت کی (نصب الرایۃ، ۲: ۲۳۹، نیل الاوطار، ۴: ۶)

۸۔ ابو داؤد (نیل الاوطار، ۴: ۳)

۹۔ پہلی حدیث احمد اور ابن ماجہ نے اور دوسری احمد نے اور تیسری ابوداؤد، ترمذی، بخاری اور مسلم نے روایت کی اور یہ صحیح ہے (نیل الاوطار، ۴: ۴، المجموع، ۵: ۶۵۔

۱۰۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۲۱، الشرح الصغیر، ۱: ۵۴۰ وبعد۔

۱۱۔ المغنی، ۲: ۴۴۰۔

۱۲۔ القوانین الفقھیہ، ۸۷، الشرح الکبیر، ۱: ۴۰۵ الشرح الصغیر، ۱: ۵۲۷، مغنی المحتاج،

۱:۳۲۳ وبعد، المهذب، ۱:۱۲۳ وبعد، کشاف القناع،۲:۷۴ - ۷۵، المغنی،۲:۴۳۰ - ۴۳۲۔

۱۳۔ احمد، بخاری، ابو داؤد، نسائی (نیل الاوطار،۴:۴)۔

۱۴۔ البدائع، ۱:۲۸۴، مغنی المحتاج، ۱:۳۲۵، المغنی،۲:۴۳۸ وبعد۔

۱۵۔ ابو داؤد۔

۱۶۔ بدایة المجتهد، ۱:۲۰۹، الشرح الصغیر ،۱:۵۳۸، مغنی المحتاج ،۱:۳۲۴، المغنی، ۲:۴۳۲،۴۴۰ وبعد، کشاف القناع،۲:۷۵۔

۱۷۔ بیہقی نے الشعبی سے روایت کی۔ المجادیح، جمع مجدح، ہر وہ ستارہ جس کو عرب بارش کا سبب قرار دیتے، حضرت عمرؓ نے بتایا بارش کا اصل سبب استغفار ہے، ستارے نہیں، آپ نے تشبیہ کے طور پر یہ لفظ استعمال کیا، ایک قول یہ ہے کہ مجادیح کنجیوں کو کہتے ہیں۔ ایک روایت میں مفاتیح السماء (آسمان کی کنجیاں) کے الفاظ ہیں۔ (المجموع، ۵:۷۶، ۷۸ وبعد)

۱۸۔ البدائع، ۱:۲۸۳ وبعد، اللباب، ۱:۱۲۳، فتح القدیر ، ۱:۴۴۱، مراقی الفلاح ،۹۳، الدر المختار ،۱:۷۹۱، المجموع، ۵:۷۲،۸۳، القوانین الفقهیه، ۸۷، الشرح الصغیر ، ۱:۵۳۸، مغنی المحتاج، ۱:۳۲۲ - ۳۲۳، المهذب، ۱:۱۲۳ - ۱۲۵، المغنی،۲:۴۳۰، ۴۳۹، ۴۴۱، کشاف القناع،۲:۷۶ - ۷۷،۸۲۔

۱۹۔ بخاری۔

۲۰۔ مراجع سابقہ۔

۲۱۔ چیونٹی کے بارش مانگنے کی دعا حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، اس کی سند صحیح ہے (المجموع، ۵:۶۸)

۲۲۔ حضرت عمرؓ کی حدیث بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ ایسا کیا کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا حضرت یزید کے وسیلے سے بارش مانگنے کی حدیث مشہور ہے۔ (المجموع۵:۶۸، نیل الاوطار،۴:۶)

۲۳۔ احمد، نسائی، ابن ماجہ (نیل الاوطار،۴:۶)

۲۴۔ فتح القدیر مع العنایہ، ۱:۴۳۹ وبعد، البدائع، ۱:۲۸۳ وبعد، اللباب، ۱:۱۲۲ وبعد۔

۲۵۔ عام استعمال کے کپڑے پہنے اور دیدہ زیب لباس اتار دے تا کہ اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار ہو۔

۲۶۔ احمد، نسائی، ابن ماجہ (نیل الاوطار، ۶:۴)

۲۷۔ الشرح الصغیر، ۱: ۵۳۹، القوانین الفقهیه، ۸۷، بدایة المجتهد، ۱: ۲۰۸، المجموع، ۵:۵۷ وبعد، مغنی المحتاج، ۱:۳۲۴ وبعد، الشرح الکبیر الدردیر، ۱:۴۰۶، کشاف القناع، ۸۰:۲، المغنی، ۲: ۴۳۳-۴۳۶۔

۲۸۔ احمد، ابن ماجہ (نیل الاوطار، ۴:۴) احمد نے اسی طرح کی ایک روایت عبداللہ بن زید سے نقل کی ہے۔

۲۹۔ احمد، بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، مسلم نے بلند آواز سے قراءت کا ذکر نہیں کیا۔ (مرجع سابق)۔

۳۰۔ بیہقی کے حوالے اوپر گزر چکا، حضرت علیؓ سے بھی ایسی ہی روایت ہے (نیل الاوطار، ۷:۴) مجادیح السماء سے مراد وہ ستارے ہیں جو عام طور پر بارش کا سبب بنتے ہیں، استغفار کو ان سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۳۱۔ ترمذی۔

۳۲۔ ابن ماجہ، اس کا مفہوم ہے کہ اے اللہ! ایسی بارش برسا جو سیراب کردے، پاک صاف ہو، ثمر آور اور نتیجہ خیز ہو، بہت اور بابرکت ہو، ساری زمین پر ہو، موسلا دھار ہو، ہر جگہ ہو اور جب تک ضرورت ہو برستی رہے (نیل الاوطار ۹:۴)

۳۳۔ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: اذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان (اگر میرے بندے آپؐ سے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں بتائیں کہ میں قریب ہوں، جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارے تو اس کا جواب دیتا ہوں (البقرہ۲:۱۸۶)، آہستہ دعا کرنے میں اخلاص، خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے جلدی قبول ہوتی ہے۔

۳۴۔ ابو داؤد، ابن حبان اور حاکم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی (سنن ابی داؤد، ۱:۲۶۷، نیل الاوطار، ۳:۴)

۳۵۔ نووی کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے لیے قبلہ رو ہونا مستحب ہے، دوسری عبادات

مثلاً وضو، غسل، تیمّم، قراءت وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے، البتہ خطبہ شرعی دلیل کی وجہ سے اس میں شامل نہیں۔

۳۶۔ احمد، بخاری، مسلم (نیل الاوطار، ۸:۴)

۳۷۔ اوپر گزر چکی۔ زیلعی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحاح ستہ اور مسند احمد میں ہے۔ (نصب الرایۃ، ۲۴۲:۲)

۳۸۔ (نیل الاوطار، ۳:۴-۴)، سہیلی نے کہا ہے کہ آپ ؐ کی چادر کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ اور ایک بالشت تھی۔

۳۹۔ دارقطنی نے جعفر بن محمد سے ان کے والد کے حوالے سے روایت کی۔

۴۰۔ احمد، ابو داؤد، خمیصہ، سیاہ مربع چادر جس کے دونوں طرف کناریاں ہوں (نیل الاوطار، ۱۱:۴-۱۲)

۴۱۔ احمد (نیل الاوطار، ۱۱:۴)

۴۲۔ بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: ''مجھے اچھی بات اور پاکیزہ الفاظ سے فال لینا اچھا لگتا ہے''۔ مسلم کی روایت میں ہے'' مجھے اچھی فال پسند ہے''۔

۴۳۔ الدر المختار، ۹۲:۱، البدائع، ۲۸۴:۱، اللباب، ۱۲۲:۱ وبعد، مراقی الفلاح، ۹۳، القوانین الفقهیه، ۶۷، الشرح الصغیر، ۵۳۸:۱-۵۴۰، مغنی المحتاج، ۳۲۱:۱-۳۲۶، المهذب، ۱: ۱۲۳-۱۲۵، المغنی، ۴۳۰:۲، ۴۳۸، کشاف القناع، ۷۵:۲ وبعد۔

۴۴۔ ترمذی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی اور کہا'' حدیث حسن ہے''، بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ'' روزہ دار، والد اور مسافر کی دعا''۔

۴۵۔ احمد اور مسلم نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۲۷:۴) تلاحی سے مراد جھگڑنا ہے۔

۴۶۔ ابو داؤد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۴)

۴۷۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۴۸۔ ائمہ کا اتفاق ہے کہ کسی قبر کے پاس قبولیت کی امید سے دعا کرنا بدعت ہے، ثواب نہیں۔ امام احمد

وغیرہ کہتے ہیں کہ ارشاد نبوی: اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شر ما خلق (اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں ہر مخلوق کے شر سے) مخلوق سے پناہ مانگنا جائز نہیں۔ (کشاف القناع، ۲:۷۷)

۴۹۔ ابو داؤد نے صحیح سند سے روایت کی، حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔

۵۰۔ متفق علیہ، حضرت انسؓ سے روایت ہے، ظراب، ظرب کی جمع ہے، چھوٹا ٹیلہ (نیل الاوطار ،۴: ۱۳)

۵۱۔ امام شافعی نے اپنی مسند میں روایت کی، یہ حدیث مرسل ہے (نیل الاوطار ،۴:۱۰)

۵۲۔ ابو داؤد، نسائی حاکم نے سند حسن سے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔

۵۳۔ مسلم۔

۵۴۔ طبرانی، الکبیر۔

۵۵۔ امام مالک نے مؤطا میں عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کی اور کڑک کو بجلی پر قیاس کیا گیا۔ ترمذی میں اس دعا کے بعد یہ الفاظ ہیں: اللھم لا تقتلنا بغضبک و لا تھلکنا بعذابک وعافنا قبل ذلک (اے اللہ! ہمیں اپنے غصے سے قتل نہ کر، اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہی ہمیں عافیت سے نواز) ابونعیم نے الحلیہ میں ابو زکریا سے روایت کی جو شخص ''سبحان اللہ وبحمدہ عن البرق'' کہے اس پر بجلی نہیں گرتی۔

۵۶۔ ابن السنی، طبرانی نے الاوسط میں روایت کی۔

۵۷۔ احمد، ابو داؤد (نیل الاوطار ،۴:۱۲)۔

۵۸۔ یہ خلاد بن سائب کی اپنے والد سے مروی حدیث سے ماخوذ ہے: سائب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو آپؐ اپنی ہتھیلیاں آسمان کی طرف کر لیتے اور جب پناہ مانگتے تو اپنے ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرتے۔ مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کے لیے دعا کرتے تو ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے۔ ابن عباسؓ سے ایک ضعیف روایت ہے کہ اللہ سے ہتھیلیاں پھیلا کر دعا کیا کرو ہاتھوں کی پشت سے نہیں۔ (سبل السلام ،۲:۸۳)

ساتویں بحث

نماز خوف

نماز خوف کی شرعی حیثیت، اس کا سبب، شرائط، نماز خوف کی کیفیت اور طریقہ مسبوق نماز خوف کیسے ادا کرے؟ نماز خوف کب فاسد ہوجاتی ہے؟ حالت جنگ اور خوف کی شدت کے دوران نماز۔

اوّل: نماز خوف کی شرعی حیثیت:

جمہور فقہاء کے نزدیک نماز خوف شرعاً جائز ہے(۱) کفار سے قتال کے دوران کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں ارشاد ربانی ہے: واذا کنت فیھم فأقمت لھم الصلاۃ فلتقم طائفة منھم معک ولیأخذوا اسلحتھم، فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم، ولتأت طائفة أخری لم یصلوا فلیصلوا معک ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم، وَدَّالذین کفروا لوتغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلة واحدۃ... الآیۃ (۲)

(جب آپؐ لوگوں میں موجود ہوں اور انہیں نماز پڑھانے لگیں تو ایک گروہ اپنا اسلحہ لگائے ہوئے آپؐ کے پیچھے کھڑا ہوجائے، جب وہ سجدہ کرچکیں تو پیچھے چلے جائیں اور دوسرا گروہ جس نے نماز نہیں پڑھی آ کر آپؐ کے ساتھ نماز پڑھے، یہ بھی اپنی احتیاط ملحوظ رکھیں اور اسلحہ بند رہیں، کیوں کہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ اور سازوسامان سے غافل ہوجاؤ تو وہ یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں)۔

جب تک کوئی ایسی دلیل نہ ہو جس سے کسی امر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص ہونا ثابت ہوتا ہو تو جو امر آپؐ کے لیے ثابت ہے وہ امت کے حق میں بھی ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ رہی یہ بات

کہ ''جب آپؐ لوگوں میں موجود ہوں'' کے الفاظ قرآن میں آئے ہیں تو ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حکم آپؐ کی موجودگی کے ساتھ مختص ہے کیوں کہ دوسری جگہ اسی طرح کی ایک آیت ہے کہ خذ من اموالھم صدقة ۔ (التوبہ ۹: ۱۰۳)''ان کے اموال سے صدقہ لیا کرو'' یہ حکم بھی آپؐ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

صحیح سنت سے ثابت ہے کہ آپؐ نے چار مواقع پر نماز خوف ادا کی: غزوہ ذات الرقاع میں جو صحیح قول کے مطابق غزوہ خندق کے بعد کا واقعہ ہے اور بطن نخل میں (غطفان کی سرزمین میں نجد کے علاقے کی ایک جگہ) عسفان میں (مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر) اور ذی قرد میں (جو مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک چشمہ ہے، اسے غزوہ غابہ کہا جاتا ہے جو حدیبیہ سے قبل ربیع الاوّل ۶ ہجری میں ہوا)(۳)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس مرتبہ نماز خوف پڑھی اور آپؐ کی نماز کے طریقے کی تفصیل آئندہ مذکور احادیث میں ہے۔ یاد رہے کہ ہمیں یہ بھی حکم ہے کہ ''جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اس طرح نماز پڑھو''۔

صحابہ کرام کا نماز خوف کے عمل پر اجماع ہے۔ حضرت علی، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم نے نماز خوف پڑھی۔ جمہور اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق سفر اور حضر دونوں میں نماز خوف جائز ہے۔ مالکیہ میں سے ابن ماجشون کی رائے یہ ہے کہ نماز خوف صرف سفر میں پڑھی جاسکتی ہے۔

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ نماز خوف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص تھی اور صرف آپؐ کی حیات طیبہ میں جائز تھی کیوں کہ قرآن میں ہے'' جب آپؐ موجود ہوں'' (النساء ۴: ۱۰۲)۔ آپؐ کی حیات طیبہ کے ساتھ مختص ہونے کی حکمت یہ ہے کہ تاکہ ہر گروہ آپؐ کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرلے، کیوں کہ صحابہ کرامؓ آپؐ کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت کے حصول کے لیے بہت حریص تھے۔ آپؐ کے وصال کے بعد اس

کی ضرورت نہیں رہی۔ ہر گروہ ایک ہی امام کے پیچھے پوری نماز ادا کرسکتا ہے، اس لیے ایسی نماز کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جس میں چلنا پھرنا اور آنا جانا پڑے جو بنیادی طور پر نماز کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک امام کے پیچھے نماز خوف نہیں پڑھی گئی بلکہ دو اماموں کے پیچھے پڑھی جاتی رہی، ایک امام ایک گروہ کو دو رکعات پڑھا دیتا، پھر دوسرا امام دوسرے گروہ کو دو رکعات پڑھاتا اور جو گروہ نماز سے باہر ہوتا وہ نگرانی کرتا اور دشمن پر نگاہ رکھتا تھا۔

یہ استدلال اس بنا پر رد کردیا گیا ہے کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نماز خوف پڑھائی اور وہ اس امر سے زیادہ واقف تھے کہ کون سا شرعی حکم ختم ہوگیا اور کون سا ہنوز باقی ہے۔

اس حکم کو باقی رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ لوگ ایک جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تاکہ ان میں باہمی ربط وتعلق مضبوط، مستحکم اور دائمی ہو، حتیٰ کہ شدید خوف، سختی اور بحران کے وقت بھی ربط وتعلق میں کمی واقع نہ ہونے پائے۔

خوف کا اثر نماز کے طریقے پر پڑا ہے نماز کی رکعات پر نہیں۔ خوف کی وجہ سے نماز کی رکعات کم نہیں ہوں گی، اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے۔

دوم: نماز خوف کا سبب اور اس کی شرائط:

ابن عابدین کی تصریح کی مطابق نماز خوف کا سبب دشمن کے حملے کا خوف ہے۔ (۴) دشمن کی موجودگی نماز خوف کے لیے شرط ہے۔ جیسا کہ سفر کی نماز میں مشقت سبب ہے اور شرعی سفر کا وجود شرط ہے اور خوف سے مراد دشمن کی موجودگی ہے۔ حقیقی خوف مراد نہیں کیوں کہ دشمن کی موجودگی کو خوف کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ نماز خوف کا تعلق صرف لڑائی سے نہیں ہے بلکہ ہر طرح کے خوف میں نماز خوف جائز ہے مثلاً سیلاب، آگ، درندے، اونٹ، خوفناک کتے یا کسی اور حملہ آور جانور، چور یا سانپ وغیرہ سے بھاگ رہا

ہو اور کہیں جائے پناہ نہ مل رہی ہو تو اس حالت میں بھی نماز خوف جائز ہے۔(۵)

نماز خوف کی شرائط

نماز خوف کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں (۶):

۱۔ لڑائی مباح ہو، یعنی اس لڑئی کی اجازت ہو، خواہ واجب ہو جیسے حربی کفار کے خلاف ہو یا باغیوں، ڈاکوؤں، لٹیروں کے خلاف جو خون بہاتے ہوں اور عزتیں لوٹتے ہوں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا (اگر تمہیں خوف ہو کہ کفار تمہیں آزمائش میں ڈال دیں گے، النساء۴: ۱۰۱) یا جائز ہو، مثلاً ان لوگوں کے خلاف ہو جو مسلمانوں کے اموال چھیننا چاہتے ہوں۔

باغیوں اور گناہ کا سفر کرنے والوں کے لیے نماز خوف پڑھنا جائز نہیں کیوں کہ نماز خوف رحمت، تخفیف اور رخصت ہے جو گناہ کی حالت میں نہیں ملتی یعنی حرام اور ممنوع لڑائی میں نماز خوف پڑھنا درست نہیں۔ جو لوگ اہل عدل سے لڑائی کر رہے ہوں یا لوگوں کے اموال چھیننے کے لیے لڑ رہے ہوں ان کو نماز خوف پڑھنے کی رعایت نہیں ہے۔

۲۔ دشمن یا درندہ موجود ہو یا غرق ہونے یا جلنے کا خوف ہو: جس کسی کو دشمن یا کسی دوسرے خطرے کا خوف ہو، خواہ جان کا خوف ہو یا مال تلف ہونے کا، جمہور کے نزدیک اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق اس کے لیے سفر وحضر میں، سمندر اور خشکی پر، لڑائی میں اور دوسری کسی حالت خوف میں نماز خوف جائز ہے کیوں کہ آیت واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلاۃ (جب آپؐ ان میں موجود ہوں اور نماز پڑھانا چاہیں، النساء۴: ۱۰۲) عام ہے، ہر حالت کے لیے ہے۔ اگر کوئی بڑی جماعت نظر آئی جسے دشمن سمجھا گیا اور لوگوں نے نماز خوف پڑھ لی، بعد میں معلوم ہوا کہ واقعی دشمن تھے تو نماز درست ہوگئی اور اگر معلوم ہوا کہ دشمن نہیں تھے تو نماز نہیں ہوئی۔ اگر خوف کے بغیر نماز خوف پڑھ لی تو درست نہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر نماز خوف کے دوران امن ہوجائے تو حالت

امن کی نماز مکمل کرے اور اگر نماز امن کے دوران خوف شدت اختیار کر جائے تو نماز خوف پڑھے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جسے امن ہو جائے وہ امن کی حالت کی نماز پڑھے۔

حضر میں نماز خوف پوری پڑھی جائے گی اور سفر میں چار رکعات والی نمازیں دو رکعات پڑھی جائیں گی کیوں کہ خوف سے نماز کی رکعات کی تعداد متاثر نہیں ہوتی۔ وہ سفر جس میں قصر جائز ہے(۸۹ کلو میٹر) امام ہر گروہ کو ایک رکعت پڑھائے اور حضر کی نماز میں ہر گروہ کو دو رکعات پڑھائے۔

سوم: نماز خوف ادا کرنے کا طریقہ:

خوف کی حالت میں نماز کے بارے میں فقہاء دو اہم نکات پر متفق ہیں:

۱۔ لشکر کے لیے دو الگ الگ اماموں کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز ہے کہ ہر گروہ اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھے۔

۲۔ اگر خوف کی شدت ہو اور جماعت سے نماز پڑھنا مشکل ہو تو الگ سوار اور پیدل جس حالت میں اور جہاں ہوں، اپنے مورچوں اور خندقوں میں نماز پڑھ سکتے ہیں، رکوع اور سجدوں کی جگہ اشارے کر لیں اور جس طرف رخ ہو، خواہ قبلہ کی طرف یا کسی اور طرف نماز درست ہے۔ البتہ اگر ممکن ہو تو نماز شروع کرتے وقت قبلہ رو ہو کر تکبیر تحریمہ کہیں ورنہ جس طرف رخ ہو اسی طرف منہ کر کے پڑھ لیں کیوں کہ یہ مجبوری کے وقت کی نماز ہے، جس میں ارکان اور قبلہ رو ہونے کی شرائط باقی نہیں رہتیں۔

اگر سارا لشکر ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے اس طرح پڑھنی چاہیے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اور احادیث میں اس کے سولہ طریقے آتے ہیں، جن میں سے کچھ صحیح مسلم میں ہیں، اکثر سنن ابی داؤد میں اور صحیح ابن حبان میں ان میں سے نو طریقے ہیں۔ ہر دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طریقہ اختیار فرمایا جو نماز کے لیے زیادہ مناسب اور دشمن پر نگاہ رکھنے کے لیے زیادہ سازگار تھا۔

ان میں سے سات طریقے زیادہ مشہور ہیں، جمہور نے ان میں سے قوی تر اور صحیح تر کو اختیار کیا ہے جب کہ حنابلہ نے ان سب طریقوں کو جائز قرار دیا، امام احمد نے ان میں سے حضرت سہلؓ کی حدیث کو ترجیح دی ہے، جو درج ذیل ہے:(۷)

پہلا طریقہ: عسفان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز خوف:(۸) اگر دشمن قبلہ کی جانب ہو تو شافعیہ اور حنابلہ اس روایت پر اعتماد کرتے ہیں کہ لوگ امام کے پیچھے دو یا زیادہ صفیں باندھ کر کھڑے ہوں اور امام ان سب کو ایک رکعت پڑھائے اور جب سجدہ کرے تو پہلی صف امام کے ساتھ سجدئے میں جائے اور پچھلی صف کھڑے ہو کر نگرانی کرے اور جب دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوں تو پچھلی صف سجدے کر کے ساتھ شامل ہو جائے۔

دوسری رکعت میں وہ صف جو پہلی رکعت کے سجدے کے دوران نگرانی کرتی رہی ہے امام کے ساتھ سجدے میں شامل ہو جائے اور پہلی صف کے نمازی نگرانی کرتے رہیں اور جب تشہد کے لیے بیٹھیں تو پہلی صف کے نمازی سجدے کر کے ساتھ شامل ہو جائیں اور امام سب کے ساتھ سلام پھیرے۔ یہ نماز قصر تھی کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ اس طرح نماز پڑھنے کے لیے حنابلہ کے ہاں یہ شرط ہے کہ مسلمانوں کو پیچھے سے حملے کا اندیشہ نہ ہو اور کفار کے لشکر کا کوئی حصہ ایسا نہ ہو جو مسلمانوں کی نگاہوں سے چھپا ہوا ہو اور مسلمانوں کی تعداد اتنی ہو کہ انہیں دو گروہوں میں تقسیم کرنا ممکن ہو یعنی ہر گروہ میں کم از کم تین آدمی ہوں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر گروہ کے لیے جمع کا لفظ اســجدوا (سجدہ کریں۔ النساء ۴:۱۰۲) استعمال کیا ہے اور جمع کے لیے کم از کم تین افراد ہونے چاہییں۔ اگر مسلمانوں کو پشت پر سے حملے کا اندیشہ ہو یا کفار کے لشکر کا کوئی حصہ مسلمانوں کا نگاہوں سے اوجھل ہو یا مسلمانوں کی تعداد چھ سے کم ہو تو اس طریقے کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے نماز ادا کریں۔

دوسرا طریقہ: غزوہ ذات الرقاع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (۹):
اگر دشمن قبلہ کے علاوہ کسی اور سمت میں ہو تو شافعیہ (۱۰) اور حنابلہ کے نزدیک یہ طریقہ مستحسن ہے اور مالکیہ کے مشہور مذہب کے مطابق مطلقاً یہی طریقہ سب سے بہتر ہے خواہ دشمن قبلہ کی جانب ہو یا کسی اور جانب۔ طریقہ یہ ہے کہ امام فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لے، ایک حصہ نماز میں شریک ہو جائے اور دوسرا دشمن کے سامنے کھڑا ہو۔ امام پہلے گروہ کو اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھائے۔ اگر دو رکعات والی نماز ہے تو ایک رکعت اور اگر تین یا چار رکعات والی ہے تو دو رکعات، پھر یہ گروہ اپنی نماز مکمل کر کے سلام پھیر کر دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور دوسرا گروہ آ کر امام کی اقتدا میں دو رکعات والی نماز میں دوسری اور چار والی میں دوسری دو اور مغرب میں تیسری رکعت پڑھے اور امام سلام پھیر دے پھر یہ گروہ سورۃ فاتحہ اور سورت کے ساتھ اپنی باقی ماندہ نماز مکمل کر لے لیکن مالکیہ کے نزدیک امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک امام تشہد میں ان کا انتظار کرے اور پھر ان کے ساتھ سلام پھیرے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ امام جب دوسری رکعت میں دوسرے گروہ کا انتظار کر رہا ہو تو اس دوران سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھ لے اور تشہد میں انتظار کے دوران تشہد دوبارہ پڑھ لے یا دعا لمبی کر دے لیکن شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دوسرے گروہ سے پہلے امام سلام نہ پھیرے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولتأت طائفة اخرى لم يصلوا فليصلوا معك (دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی آئے اور آپؐ کے ساتھ نماز پڑھے۔ النساء۴: ۱۰۲) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پوری نماز امام کے ہمراہ ہوگی اور دونوں گروہوں میں توازن اس طرح قائم ہوگا کہ پہلے گروہ کو امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوگی جب کہ دوسرے گروہ کو سلام کی۔

تیسرا طریقہ: ابن عمر کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز: (۱۱)

حنفیہ نے اس طریقے کو اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوجائیں۔ ایک گروہ دشمن کے سامنے رہے اور دوسرا امام کے پیچھے۔ امام اس گروہ کو ایک رکعت پڑھائے اور دو سجدوں کے بعد جمہور کے نزدیک یہ دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھ کر سلام پھیر کر اپنی نماز مکمل کر کے دشمن کے سامنے چلا جائے جب کہ حنفیہ کے نزدیک نماز مکمل کیے بغیر دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور دوسرا گروہ آ کر امام کے ساتھ دوسری رکعت اور سجدوں میں شامل ہوجائے، امام اکیلا ہی تشہد پڑھ کر سلام پھیرے اور یہ گروہ حنفیہ کے نزدیک سلام پھیرے بغیر چل کر دشمن کے مقابلے میں چلا جائے، ان کی حیثیت مسبوق کی ہے جمہور کے نزدیک یہ گروہ سورہ فاتحہ اور سورت کے ساتھ اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر کے دشمن کے مقابلے میں جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ پھر پہلا گروہ اپنی پہلی جگہ آجائے یا جہاں ہے وہیں اپنی نماز مکمل کرے تاکہ اسے زیادہ نہ چلنا پڑے لیکن اس رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے کیوں کہ ان کی حیثیت ''لاحق'' کی ہے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں اور دشمن کے مقابلے میں چلے جائیں، پھر دوسرا گروہ آجائے اور وہ سورہ فاتحہ اور سورت کے ساتھ اپنی نماز پوری کرے کیوں کہ وہ شروع سے امام کے ساتھ شامل نہیں تھے اس لیے مسبوق کے حکم میں ہیں۔ امام مالک کے شاگرد اشہب کی رائے اس طریقے میں حنفیہ سے ہم آہنگ ہے۔

مقیم ہونے کی صورت میں پانچوں نمازیں ادا کرنے کا طریقہ:

اگر امام مقیم ہو تو چار رکعات والی نمازوں میں پہلے گروہ کو دو رکعات پڑھائے اور دوسرے کو آخری دو رکعات تاکہ دونوں میں یکسانی ہوجائے، چاروں فقہی مذاہب کے مطابق مغرب میں پہلے گروہ کو پہلی دو رکعات اور دوسرے کو ایک کیوں کہ جب برابری کا

کوئی طریقہ نہ ہوتو پہلا گروہ قابل ترجیح ہوگا۔ دوسرے گروہ کو امام کے ساتھ سلام پھیرنے کی فضیلت حاصل ہوگی۔ صبح کی نماز ہر گروہ کو ایک ایک رکعت پڑھائے۔

چوتھا طریقہ: بطن نخل (نجد میں غطفان کی سرزمین) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز:(۱۲) اگر دشمن قبلہ کے علاوہ کسی اور سمت ہوتو ذات الرقاع کی نماز کے بعد شافعیہ کے نزدیک یہ طریقہ زیادہ قابل اعتماد ہے اور وہ یہ ہے کہ امام دونوں بار ہر گروہ کو الگ الگ پوری نماز پڑھائے اور سلام پھیرے اس کا طریقہ عمدہ ہے، اس میں کوئی دقت نہیں، کسی گروہ کو امام سے الگ نہیں ہونا پڑتا، نہ اس نماز کا طریقہ بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں بجز اس کے اور کوئی بات نہیں کہ امام کی دوسری نماز نفل ہوگی اور اس میں وہ فرض پڑھنے والوں کی امامت کروارہا ہوگا جو بالاتفاق جائز ہے۔ حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک صرف نماز خوف میں جائز ہے، باقی نمازوں میں ممنوع ہے۔

پانچواں طریقہ: ذات الرقاع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز، جیسا کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے(۱۳):

اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام چار رکعات والی نمازیں پوری چار رکعات پڑھے، جو امام کے تعلق سے پوری نماز ہوگی اور ہر گروہ دو دو رکعات قصر پڑھے۔ گویا امام کی چار رکعات پوری ہوں گی اور مقتدیوں کی دو دو رکعات قصر۔

چھٹا طریقہ: ذی قَرد کے مقام پر رسول اللہ کی نماز: (ذی قرد، مدینہ سے ۲۲۱۷۶ میٹر کے فاصلے پر ایک کنواں) جیسا کہ ابن عباسؓ، حذیفہؓ اور زید بن ثابتؓ اور دوسرے صحابہ سے روایت ہے(۱۴) اکثر فقہاء نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کی حدیث ثابت نہیں ہے کیوں کہ خوف کے باعث رکعات کی تعداد کم نہیں ہوتی۔ امام احمد اور دوسرے محدثین نے اسے جائز قرار دیا کیوں کہ اس سلسلے

کی احادیث صحیح ہیں اور طریقہ یہ ہے کہ امام چار رکعت والی نماز قصر کرکے دو رکعت پڑھے اور ہر گروہ امام کے پیچھے ایک ایک رکعت پڑھے اور دوسری رکعت چھوڑ دے، اسے قضا نہ کرے۔

ساتواں طریقہ: غزوہ نجد کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ کے ساتھ نماز بروایت ابوہریرہؓ: (۱۵)

امام کے ساتھ ایک گروہ کھڑا ہوجائے اور دوسرا گروہ قبلہ کی طرف پشت کرکے دشمن کے سامنے کھڑا رہے اور دونوں گروہ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہیں، ان میں سے ایک گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے چلا جائے اور دوسرا گروہ آکر پہلے ایک رکعت پڑھے، امام اس دوران کھڑا رہے، پھر امام ان کو دوسری رکعت پڑھائے، پھر جو گروہ دشمن کے سامنے کھڑا ہے وہ آجائے اور اپنی رکعت مکمل کرے، اس دوران امام بیٹھا رہے اور پھر سب امام کے ساتھ سلام پھیریں۔ یعنی دونوں گروہ اپنی نماز کا آغاز اور اختتام امام کے ساتھ کریں۔

نماز کے دوران اسلحہ اٹھائے رکھنا: شافعیہ اور حنابلہ (۱۶) کے نزدیک شدت خوف کی نماز میں نماز کے دوران احتیاطاً اسلحہ اٹھائے رکھنا مسنون ہے تاکہ دشمن سے دفاع کرسکے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولیاخذوا اسلحتھم (اپنا اسلحہ اٹھائے رکھیں، النساء ۴:۱۰۲) نیز ارشاد ہے: ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطر او کنتم مرضی ان تضعوا اسلحتکم (اگر تمہیں بارش یا بیماری کا عذر ہو تو اسلحہ اتار دینا گناہ نہیں ہے، النساء: ۴:۱۰۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عذر نہ ہو تو اسلحہ اتار دینا گناہ ہے البتہ نماز کی حالت میں ناپاک اسلحہ نہ پہنے رکھے اور نہ نیزہ وغیرہ کوئی ایسا اسلحہ نہ رکھے جس سے لوگوں کو نقصان پہنچ سکتا ہو جب کہ صف کے درمیان کھڑا ہو۔

حالت خوف میں نماز جمعہ: شافعیہ اور حنابلہ (۱۷) کے نزدیک حضر میں شہر میں حالت خوف میں بھی جمعہ کی نماز پڑھی جائے البتہ سفر میں نہیں، بشرطیکہ ہر گروہ میں چالیس یا اس سے زائد افراد ہوں جن سے جمعہ ہوسکتا ہو اور سب خطبہ سنیں۔

حالت خوف میں جمعہ کی نماز عسفان یا ذات الرقاع کی نماز کی طرح پڑھی جائے، بطن نخل کی نماز کی طرح نہیں جس میں امام ہر گروہ کو الگ الگ پوری نماز پڑھاتا ہے کیوں کہ ایک بار جمعہ پڑھ لینے کے بعد دوبارہ جمعہ نہیں ہوتا۔ یہ بھی جائز نہیں کہ امام ایک گروہ کو خطبہ دے اور دوسرے کو نماز پڑھائے بلکہ ضروری ہے کہ جنہوں نے خطبہ سنا ہے وہ نماز میں شریک ہوں۔

نماز خوف میں امام کا بھول جانا: مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ (۱۸) کہتے ہیں کہ جب امام لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کردے جیسا کہ ذات الرقاع یا عسفان کی نمازوں میں تھا تو امام اگر پہلی رکعت میں بھول جائے تو سب کو سجدہ سہو کرنا ہوگا، الگ ہونے والے اپنی نماز مکمل کر کے پھر سجدہ سہو کریں کیوں کہ امام کی نماز کا نقص ان کی نماز میں بھی واقع ہوگیا البتہ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ پہلا گروہ پہلا سجدہ سہو سلام سے پہلے اور بعد کا سجدہ سہو سلام کے بعد کریں جب کہ دوسرا گروہ پہلا سجدہ سہو امام کے ساتھ اور بعد کا سجدہ سہو اس وقت کرے جب کہ وہ اپنی باقی ماندہ نماز مکمل کر چکے۔

اگر امام پہلے گروہ کے الگ ہونے کے بعد دوسری رکعت میں بھول گیا تو پہلے گروہ پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ کیوں کہ امام کے بھولنے سے پہلے الگ ہوگئے تھے۔ دوسرا گروہ امام کے ساتھ آخر میں سجدہ سہو کرے ان کے انتظار کے دوران اگر امام بھول گیا تو وہ سجدہ ان پر بھی واجب ہوگا۔

البتہ اگر پہلا گروہ پہلی رکعت میں بھول گیا یا دوسرا گروہ دوسری رکعت میں بھول گیا تو اس کی ذمہ داری امام پر ہے کیوں کہ پہلا گروہ حقیقتاً پہلی رکعت میں امام کی اقتدا کر رہا تھا اور

دوسرا گروہ دوسری رکعت میں حکماً امام کی اقتدا میں تھا اس لیے امام کے پیچھے بھول چوک کی ذمہ داری امام کی ہوتی ہے یعنی مقتدیوں پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

چہارم: مسبوق اپنی نماز کیسے قضا کرے، کیا وہ اس کی نماز کی ابتدا ہوگی یا آخری حصہ؟

نماز باجماعت کی بحث میں مسبوق کے بیان کے ذیل میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے(۱۹) کہ امام شافعیہ کے نزدیک مسبوق کو جو نماز امام کے ساتھ ملتی ہے وہ اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے، جسے قضا کرتا ہے وہ آخری حصہ ہے۔ کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''جو نماز کا حصہ مل جائے وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے پورا کرلو'' اس حدیث سے ذہن میں فوری طور پر یہی بات آتی ہے کہ نماز کے اعمال کی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے باقی ماندہ نماز پڑھے۔ جس کو مغرب کی ایک رکعت جماعت کے ساتھ ملی وہ کھڑے ہوکر ایک رکعت سورہ فاتحہ اور سورت کے ساتھ پڑھے، تشہد میں بیٹھے پھر کھڑے ہوکر ایک رکعت صرف سورہ فاتحہ کے ساتھ پڑھے۔

حنفیہ اور حنابلہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ شروع نماز قضا کرے اور امام کے ساتھ جو نماز اسے ملی ہے وہ آخری حصہ ہے اور نماز کے افعال کی ترتیب الٹ جائے گی۔ کیوں کہ حدیث میں ہے: ''جو مل جائے پڑھ لو، جو چھوٹ جائے اسے قضا کرو'' پس کھڑے ہوکر اور تعوذ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور سورت پڑھے۔ اگر مغرب کی ایک رکعت امام کے ساتھ ملی تو کھڑے ہوکر دو رکعت پڑھے اور ان کے درمیان نہ بیٹھے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اقوال وافعال میں فرق کرے یعنی اقوال قراءت وغیرہ حنفیہ مالکیہ کے مطابق قضا کرے اور افعال یعنی تشہد وغیرہ شافعیہ کی طرح ادا کرے۔

پنجم: نماز خوف کب باطل ہوجاتی ہے؟

حنفیہ کے نزدیک (۲۰) صف بندی کے بغیر چلنے سے، وضوٹوٹ جانے سے اور سوار ہونے سے خواہ صف باندھ کر ہو یا بغیر صف کے نماز خوف باطل ہوجاتی ہے کیوں کہ سوار ہونا عمل کثیر ہے۔ اور اس کی ضرورت نہیں ہے جب کہ چلنے کی ضرورت ہے، اس کے بغیر چارہ کار نہیں تاکہ چل کر دشمن کے سامنے صف آرا ہوجائیں۔

نیز زیادہ لڑائی سے بھی نماز باطل ہوجاتی ہے البتہ معمولی لڑائی مثلاً تیر اندازی سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ نماز کی حالت میں لڑائی نہ کریں کیوں کہ اس کی ضرورت نہیں۔ اگر لڑائی کرتے ہیں اور وہ زیادہ ہوجاتی ہے تو نماز ٹوٹ جائے گی کیوں کہ بلا ضرورت نماز میں عملِ کثیر کا ارتکاب ہوا ہے اگرچہ چلنا بھی عمل کثیر ہے لیکن صف بندی کے لیے اس کی ضرورت ہے۔

نووی کے بقول (۲۱) چیخنا چلانا جائز نہیں نیز بالاتفاق کوئی بات کرنا بھی جائز نہیں۔ اگر چلانے میں دو حرف ادا ہوگئے، تو بالاتفاق نماز باطل ہوگئی کیوں کہ اس کی ضرورت نہیں جبکہ چلنے کی ضرورت ہے۔

تھوڑے عمل سے نماز خوف نہیں ٹوٹتی کیوں کہ تھوڑے عمل سے دوسری نماز بھی نہیں ٹوٹتی تو نماز خوف بطریق اولی نہیں ٹوٹتی۔

اگر زیادہ عمل کا تعلق لڑائی سے نہ ہو تو بالاتفاق اس سے نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر اس کا تعلق لڑائی سے ہو مثلاً تیر اندازی اور پے بہ پے وار کرنا تو اگر اس کی ضرورت نہیں تھی تو بالاتفاق نماز ٹوٹ جائے گی کیوں کہ یہ عبث کام ہے۔

اگر ضرورت تھی تو اکثر فقہاء کے نزدیک صحیح رائے یہ ہے کہ اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی، اسے بھی چلنے پر قیاس کریں گے کیوں کہ لڑائی کا دارومدار وار کرنے پر ہے اور عام طور پر ایک دو وار سے مقصد حاصل نہیں ہوتا اور مختلف واروں میں فرق کرنا ممکن نہیں۔

ششم: گھمسان کی جنگ اور شدید خوف میں نماز:

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، فقہاء کا اتفاق ہے کہ دشمن کے شدید خوف کے موقع پر نماز کا کوئی طریقہ متعین نہیں ہے، سپاہی اشارے سے نماز پڑھیں۔ اس سلسلے میں فقہاء کی عبارات حسب ذیل ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں (۲۲) جب سپاہیوں میں خوف کی اس قدر شدت ہوجائے کہ دشمن انہیں نماز نہ پڑھنے دے اور وہ سواریوں سے نہ اتر سکتے ہوں تو سواری کی حالت میں الگ الگ نماز پڑھیں کیوں کہ امام اور مقتدیوں کی جگہوں کے اختلاف کے باعث اقتدا درست نہیں اور اگر قبلہ رو ہونا ممکن نہ ہو تو جس طرف رخ ہو اسی طرف منہ کر کے اشارے سے رکوع اور سجدے کریں، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فان خفتم فرجالا او رُکباناً (اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سوار جیسے بھی ہو نماز پڑھ لو، البقرہ ۲:۲۳۹) مجبوری کی وجہ سے قبلہ رو ہونے کی شرط ختم ہوجائے گی، جیسا کہ نماز کے دوسرے ارکان کی پابندی باقی نہیں رہی۔

سمندر میں تیرنے والے کے لیے اگر کچھ وقت کے لیے اعضاء کھلے چھوڑ دینا ممکن ہو تو اشارے سے نماز پڑھے ورنہ اس کی نماز نہیں ہوگی جیسا کہ چلنے والے یا تلوار چلانے والے کی نماز نہیں ہوتی، پس شمشیر زنی کرتے ہوئے کوئی شخص نماز نہ پڑھے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ خوف کی شدت اور گھمسان کی جنگ اور شمشیر زنی کے دوران اشارے سے نماز جائز ہے۔

مالکیہ کے بقول (۲۳) خوف کی شدت، شمشیر زنی اور گھمسان کی جنگ کے دوران نماز جائز ہے لیکن مستحب وقت کے آخر میں ادا کرے اور اگر رکوع سجدہ نہ کرسکتا ہو اشارے سے نماز پڑھ لے البتہ سجدے کا اشارہ رکوع کی بہ نسبت پست کرے، اکیلے پڑھے، چلتے ہوئے، سواری پر، کھڑے ہو کر، گھٹنوں کے بل، قبلہ رو ہو یا نہ ہو، الغرض جس حال میں ہو نماز جائز ہے۔

[illegible]

[illegible] (۳) جب خوف شدید ہو اور سپاہی شمشیر زنی کر رہے ہوں تو پیدل یا سوار جیسے بھی ہوں قبلہ رو یا کسی اور طرف رخ کیے ہوئے نماز پڑھیں اور سب وقت رکوع اور سجدے اشارے سے کریں۔ مریض کی طرح سجدے کا اشارہ رکوع سے پست کریں اگر ممکن ہو تو تکبیر تحریمہ کہتے وقت قبلہ رو ہو جائیں ورنہ جس طرف رخ ہو تکبیر کہہ لیں۔ نماز کے دوران آگے پیچھے کھسک سکتے ہیں، شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی کر سکتے ہیں۔ لوٹ کر نماز کر کے پیچھے ہٹ سکتے ہیں لیکن نماز اپنے وقت سے مؤخر نہ کریں۔

شدت خوف کی حالت میں با جماعت نماز پڑھنا درست ہے بلکہ اگر امام کی اقتدا ممکن ہو تو سوار ہوں چاہے پیدل با جماعت نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر اقتدا ممکن نہ ہو تو جماعت واجب نہیں ہوگی بلکہ درست ہی نہیں ہوگی۔

شدت خوف کی حالت میں مجبوری کے باعث اگر امام مقتدیوں سے پیچھے ہے تو کوئی حرج نہیں۔

ہتھیاروں کے خون آلود ہونے سے نماز کو کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ جتنا خون لگا ہو، البتہ چیخنے چلانے اور بات چیت کرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی کیوں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

جو شخص دشمن سے بھاگ رہا ہو بشرطیکہ اس کا بھاگنا جائز ہو مثلاً ناجائز قتل یا قید ہونے کا خوف ہو، کفار کی تعداد مسلمانوں کی دوگنا تعداد سے زیادہ ہو یا سیلاب، درندے وغیرہ یا آگ یا ظالم قرض خواہ سے بھاگ رہا ہو یا اپنی جان، خاندان یا مال کا، مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی سے خوف ہو۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ فتح القدیر، ۱: ۴۴۱، الدر المختار، ۱: ۷۹۲، اللباب، ۱: ۱۲۴، بدایة المجتهد، ۱: ۱۶۹، الشرح الصغیر، ۱: ۵۱۷، القوانین، ۸۳، مغنی المحتاج، ۱: ۳۲۷، المهذب، ۱: ۱۰۵، المغنی، ۲: ۴۰۰ وبعد، کشاف القناع، ۳: ۹۔

۲۔ النساء: ۱۰۲۔

۳۔ الدر المختار ورد المحتار، ۱: ۷۹۴۔۷۹۵۔

۴۔ رد المحتار، ۱: ۷۹۳۔

۵۔ المجموع، ۴: ۳۱۹۔

۶۔ الدر المختار، ۷۹۴، فتح القدیر، ۱: ۴۴۱، اللباب، ۱: ۱۲۵، شرح الرسالة، ۱: ۲۵۳۔۲۵۴، الشرح الصغیر، ۱: ۵۱۷، مغنی المحتاج، ۱: ۳۰۵۔۳۰۶، المهذب، ۱: ۱۰۵، کشاف القناع، ۳: ۹، القوانین الفقهیه، ۸۳۔۸۴، المغنی، ۳: ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۶، ۴۱۸ وبعد، الشرح الکبیر، ۱: ۳۹۱۔۳۹۴۔

۷۔ اللباب، ۱: ۱۲۵ وبعد، فتح القدیر، ۱: ۴۴۱۔۴۴۳، بدایة المجتهد، ۱: ۱۷۰۔۱۷۱، المغنی، ۲: ۴۰۱۔۴۱۶، مغنی المحتاج، ۱: ۳۰۱۔۳۰۵، الشرح الصغیر، ۲: ۵۱۸ وبعد، القوانین الفقهیه، ۸۳، کشاف القناع، ۲: ۱۰۔۱۷، نیل الاوطار، ۳: ۳۱۶۔۳۲۲، الشرح الکبیر، ۱: ۳۹۱ وبعد، شرح الرسالة، ۱: ۲۵۳۔

۸۔ اس طریقے سے ابو داؤد میں ابو عیاش زرقانی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دوبار نماز پڑھی، ایک بار عسفان میں اور دوسری بار ارض بنی سلیم میں۔ اسے احمد، مسلم اور ابن ماجہ نے بھی حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے (نیل اوطار، ۳: ۳۱۹)

۹۔ یہ طریقہ ابن ماجہ کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے صالح بن خوات کے توسط سے سہل بن ابی حثمہ سے روایت کیا، اس کے بارے میں امام احمد نے کہا ہے کہ میں سہل کی حدیث کو ترجیح دیتا

ششم: گھمسان کی جنگ اور شدید خوف میں نماز:

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، فقہاء کا اتفاق ہے کہ دشمن کے شدید خوف کے موقع پر نماز کا کوئی طریقہ متعین نہیں ہے، سپاہی اشارے سے نماز پڑھیں۔ اس سلسلے میں فقہاء کی عبارات حسب ذیل ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں (۲۲) جب سپاہیوں میں خوف کی اس قدر شدت ہو جائے کہ دشمن انہیں نماز نہ پڑھنے دے اور وہ سواریوں سے نہ اتر سکتے ہوں تو سواری کی حالت میں الگ الگ نماز پڑھیں کیوں کہ امام اور مقتدیوں کی جگہوں کے اختلاف کے باعث اقتدا درست نہیں اور اگر قبلہ رو ہونا ممکن نہ ہو تو جس طرف رخ ہو اسی طرف منہ کر کے اشارے سے رکوع اور سجدے کریں، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فان خفتم فرجالا او رُکبانا (اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سوار جیسے بھی ہو نماز پڑھ لو، البقرہ ۲:۲۳۹) مجبوری کی وجہ سے قبلہ رو ہونے کی شرط ختم ہو جائے گی، جیسا کہ نماز کے دوسرے ارکان کی پابندی باقی نہیں رہی۔

سمندر میں تیرنے والے کے لیے اگر کچھ وقت کے لیے اعضاء کھلے چھوڑ دینا ممکن ہو تو اشارے سے نماز پڑھے ورنہ اس کی نماز نہیں ہوگی جیسا کہ چلنے والے یا تلوار چلانے والے کی نماز نہیں ہوتی، پس شمشیر زنی کرتے ہوئے کوئی شخص نماز نہ پڑھے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ خوف کی شدت اور گھمسان کی جنگ اور شمشیر زنی کے دوران اشارے سے نماز جائز ہے۔

مالکیہ کے بقول (۲۳) خوف کی شدت، شمشیر زنی اور گھمسان کی جنگ کے دوران نماز جائز ہے لیکن مستحب وقت کے آخر میں ادا کرے اور اگر رکوع سجدہ نہ کرسکتا ہو اشارے سے نماز پڑھ لے البتہ سجدے کا اشارہ رکوع کی بہ نسبت پست کرے، اکیلا پڑھے، چلتے ہوئے، سواری پر، کھڑے ہو کر، گھٹنوں کے بل، قبلہ رو ہو یا نہ ہو، الغرض جس حال میں ہو نماز جائز ہے۔

مجبوری کے تحت گھمسان کی لڑائی کے موقع پر نمازی کے لیے چلنا، دوڑنا، گھٹنوں کے بل چلنا، شمشیر زنی، نیزہ بازی، بچنے بچانے، جنگ پر ابھارنے یا کوئی کام کرنے یا روکنے کے لیے بات کرنا، قبلے سے منہ پھیر لینا، خون آلود اسلحہ اٹھانا جائز ہے۔ اگر گھمسان کی جنگ میں امن ہوجائے تو رکوع و سجود کے ساتھ حالت امن کی نماز مکمل کی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں(۲۴) جب گھمسان کا رن پڑے اور خوف شدید تر ہوجائے تو ہر شخص جیسے ممکن ہو سوار، پیدل نماز پڑھ لے اور اگر رکوع اور سجدہ نہ کرسکتا ہو تو ان کے لیے اشارہ کرلے، سجدے کا اشارہ رکوع سے پست تر ہو۔ قبلہ رو نہ ہونے میں معذور ہے۔ اسی طرح دوسرے بہت سے اعمال میں ضرورت کی وجہ سے معذور ہوگا البتہ چیخنا چلانا عذر نہیں ہے بلکہ اس سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر ہتھیار کو اتنی مقدار میں خون لگ جائے جو معاف نہیں ہے تو اسے پھینک دے تاکہ نماز باطل نہ ہو۔ اگر ہتھیار پاس رکھنے کی مجبوری ہو تو ضرورت کے تحت پاس رکھے۔

اس صورت میں اظہر روایت کے مطابق نماز کی قضا نہیں ہے۔

نماز خوف سفر اور حضر میں، مباح لڑائی میں اور عزیمت کے دوران، آگ، سیلاب، درندے اور تنگی کی حالت میں قرض خواہ سے بھاگنے کے دوران اور خوف کے وقت پڑھی جاسکتی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۲۵) جب خوف شدید ہو اور سپاہی شمشیر زنی کر رہے ہوں تو پیدل یا سوار جیسے بھی ہوں، قبلہ رو یا کسی اور طرف رخ کیے ہوئے نماز پڑھیں اور حسب طاقت رکوع اور سجدے اشارے سے کریں۔ مریض کی طرح سجدے کا اشارہ رکوع سے پست کریں اگر ممکن ہو تو تکبیر تحریمہ کہتے وقت قبلہ رو ہوجائیں ورنہ جس طرف رخ ہو تکبیر کہہ لیں۔ نماز کے دوران آگے پیچھے کھسک سکتے ہیں، شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی کرسکتے ہیں۔ لوٹ کر حملہ کرکے پیچھے ہٹ سکتے ہیں لیکن نماز اپنے وقت سے مؤخر نہ کریں۔

ہوں۔ اس غزوہ کو ذات الرقاع کہتے ہیں کیوں کہ اس میں مسلمانوں کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے پاؤں پر کپڑے لپیٹ لیے تھے۔ نیل الاوطار، ۳:۳۱۶)

۱۰۔ شافعیہ کے نزدیک یہ طریقہ بطن نخل کی نماز کے طریقے سے افضل ہے۔

۱۱۔ متفق علیہ (نیل الاوطار، ۳:۳۱۸)

۱۲۔ بخاری، مسلم، احمد، ابو داؤد، نسائی نے ابو بکرہؓ سے اور امام شافعی اور نسائی نے حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۳۲۰)

۱۳۔ بخاری، مسلم، احمد (نیل الاوطار، ۳:۳۱۹)

۱۴۔ ابن عباس کی حدیث نسائی نے ثقہ رواۃ سے بیان کی ہے اور حضرت حذیفہؓ کی حدیث ابو داؤد اور نسائی نے اور حضرت زیدؓ کی حدیث نسائی نے روایت کی (نیل الاوطار، ۳:۳۲۱۔۳۲۲)

۱۵۔ احمد، ابو داؤد، نسائی (نیل الاوطار، ۳: ۳۲۰۔۳۲۱)

۱۶۔ مغنی المحتاج، ۱:۳۰۴، کشاف القناع، ۲:۱۷، المهذب، ۱:۱۰۷۔

۱۷۔ مغنی المحتاج، ۱:۳۰۳، المغنی، ۲:۴۰۵، کشاف القناع، ۲:۱۷۔

۱۸۔ الشرح الصغیر، ۱:۵۲۰، مغنی المحتاج، ۱:۳۰۳۔۳۰۴، کشاف القناع، ۲:۱۲، المهذب، ۱:۱۰۶۔

۱۹۔ المغنی، ۲:۴۰۷۔۴۰۸، بدایة المجتهد، ۱:۱۸۱ وبعد۔

۲۰۔ الدر المختار، ۱:۷۹۴، فتح القدیر، ۱:۴۴۴، اللباب، ۱:۱۲۶۔

۲۱۔ المجموع، ۴:۳۱۷، المهذب، ۱:۱۰۷۔

۲۲۔ الدر المختار، ۱:۷۹۴، فتح القدیر، ۱:۴۴۵، مراقی الفلاح، ۹۴، اللباب، ۱:۱۲۷۔

۲۳۔ بدایة المجتهد، ۱:۱۷۲، الشرح الصغیر، ۱:۵۲۰۔۵۲۱، شرح الرسالة، ۱:۲۵۴، القوانین الفقهیه، ۸۳۔

۲۴۔ مغنی المحتاج، ۱:۳۰۴ وبعد، المهذب، ۱:۱۰۷۔

۲۵۔ المغنی، ۲:۴۱۶۔۴۱۸، کشاف القناع، ۲:۱۸ وبعد۔

آٹھویں بحث

نماز جنازہ، جنازوں، شہدا اور قبروں کے احکام

اس بحث میں چار ذیلی موضوعات ہیں، یاد رہے جنازہ جیم کی زبر یا زیر دونوں طرح درست ہے، اس سے میت اور نعش مراد ہے۔

پہلا موضوع: موت سے پہلے مسلمان کو کیا کرنا چاہیے، نزع کی حالت میں مستحب امور اور موت کے بعد تجہیز کے مستحب امور۔

دوسرا موضوع: میت کے حقوق (غسل، کفن پہنانا، نماز جنازہ پڑھنا، جنازہ اٹھانا اور دفن کرنا)

تیسرا موضوع: تعزیہ اور میت پر رونا دھونا۔

چوتھا موضوع: شہادت فی سبیل اللہ

ہر موضوع میں کئی ذیلی عوانات زیر بحث آئے ہیں۔ ہر موضوع پر الگ الگ گفتگو کی جاتی ہے۔

مطلب اوّل: موت سے پہلے مسلمان کو کیا کرنا چاہیے، نزع کی حالت اور موت کے بعد تجہیز کے مستحب امور:

موت کی تیاری: موت دو زندگیوں کے درمیان پل ہے، ایک دنیا کی فانی زندگی اور دوسری آخرت کی غیر فانی زندگی، دنیا آخرت کی کھیتی ہے، جو کوئی دنیا میں نیک کام کرے گا۔ آخرت میں حساب اور عذاب کی سختی سے بچ جائے گا اور اللہ کی جنتوں میں ہمیشہ

رہے گا اور جو برے کام کرے گا جہنم کی آگ کا عذاب دیکھے گا، ہاں اگر اللہ معاف کردے۔

موت ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ یہ فنا نہیں بلکہ روح کی بدن سے علیحدگی ہے۔ جمہور متکلمین کے نزدیک روح ایک لطیف جسم ہے جو بدن کے ساتھ اس طرح پیوستہ رہتا ہے جیسا کہ پانی سبز ٹہنی کے ساتھ۔ روح اہل سنت کے نزدیک ہمیشہ باقی رہتی ہے فنا نہیں ہوتی اور ارشاد ربانی: **اللہ یتوفی الانفس حین موتھا** (اللہ موت کے وقت جان لے لیتا ہے، الزمر ۳۹: ۴۲) میں موت سے مراد بدن کی موت ہے۔

ہر انسان کے لیے مستحب ہے کہ وہ موت کو یاد کرے اور اس کی تیاری کرتا رہے(۱) ارشاد نبوی ہے: لذتوں کو ختم کرنے والی شے یعنی موت کا بکثرت ذکر کرو(۲) ہاذم کے معنی ہیں ختم کرنے والی۔ بیہقی اور نسائی میں یہ اضافہ ہے ''کیوں کہ اگر اسے دنیا کی کثرت میں ذکر کیا جائے تو اسے کم کردیتی ہے اور اعمال کی کمی میں اس کا تذکرہ کیا جائے تو انہیں بڑھادیتی ہے''۔ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اتنی حیا کرو جتنا کہ حق ہے، صحابہ نے کہا، یا رسول اللہ، الحمد للہ ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں، فرمایا، یوں نہیں، جو شخص اللہ سے حیا کرنے کا حق ادا کرتا ہے وہ سر اور اس میں جو محفوظ کرتا ہے اس کی، پیٹ اور جو ان میں ڈالتا ہے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ موت اور بوسیدگی کو یاد کرتا ہے اور جو آخرت کا ارادہ کرتا ہے دنیا کی زینت چھوڑ دیتا ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہی اللہ سے حیا کرنے کا حق ادا کرتا ہے۔(۳)

موت کی تیاری: لوگوں پر زیادتی سے بچے، گناہوں سے توبہ کرے، نیکیوں کی طرف متوجہ ہو، ارشاد ربانی ہے: **فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً**۔

(جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے اچھے اعمال کرنے چاہییں اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے، الکہف ۱۸: ۱۱۰)۔ براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک قبر کھودتے دیکھا تو آپؐ رو پڑے حتیٰ کہ آپ کے آنسوؤں سے زمین تر ہوگئی اور آپؐ نے فرمایا: میرے بھائیو! اس کے لیے تیاری کیا کرو۔(۴)

یعنی موت کے لیے سامان مہیا کیا کرو جو تمہیں اس موقع پر کام آئے یعنی اعمال صالحہ۔

مریض کے لیے مسنون ہے کہ موت کے قریب اللہ سے حسن ظن رکھے، اپنے گناہوں اور برائیوں کو بھلا کر اپنے کریم رب کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ ایمان سلامت ہے تو وہ تمام گناہ معاف کردے گا کیوں کہ صحیح حدیث قدسی میں ہے جسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا کہ: ''میرا بندہ مجھ سے جس طرح کا گمان کرتا ہے، میں اس سے اسی طرح کا برتاؤ کرتا ہوں''۔

مریض کی عیادت: مریض کی عیادت سنت ہے (۵) حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازوں کے پیچھے چلنے اور مریض کی عیادت کرنے کا حکم دیا(۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں: جب اسے ملے تو سلام کہے، جب وہ بلائے تو جواب دے، جب اس سے مشورہ مانگے تو صحیح مشورہ دے، جب چھینک مار کر الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے، جب بیمار ہو تو عیادت کرے، جب مرجائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو (۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان دوسرے مسلمان کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور جو شام کو عیادت کرتا ہے صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ ہے۔(۸)

دَم کرنا: جب کسی مریض کو دیکھنے جائے تو اس کی صحت وعافیت کی دعا کرے اور اس کو دم کرے۔ حضرت ثابتؓ نے حضرت انسؓ سے کہا، ابوحمزہ! میں بیمار ہوگیا ہوں، انہوں نے کہا، میں تمہیں وہ دم نہ کردوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ ثابتؓ نے کہا، کیوں نہیں، حضرت انسؓ نے دم کیا: اللهم رَبَّ الناس، مُذْهِبَ الباسِ، اشف انت الشافي، شفاء لا يغادر سقما۔ (اے اللہ! لوگوں کے رب، بیماری دور کرنے والے، شفا دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، ایسی شفا جو کوئی بیماری نہیں چھوڑتی)۔ حضرت ابوسعید سے یہ دم مروی ہے۔ بسم الله ارقيك، مّن كل شي يوذيك، من شر كل نفس، وعين حاسدة، الله يشفيك (۹) (اللہ کے نام سے میں تجھے دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو تجھے ایذا دے، ہر نفس کی شر سے اور حاسد آنکھ سے، اللہ تجھے شفا دے)۔

مستحب یہ ہے کہ یوں کہے: اسأل الله العظيم رب العرش العظيم ان يشفيك (میں عظیم اللہ سے سوال کرتا ہوں جو عرش عظیم کا رب ہے کہ آپ کو شفا دے) ان الفاظ کو سات بار کہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مریض کی عیادت کرے، اگر اس کی موت کا وقت نہ آ گیا ہو تو سات بار یہ الفاظ کہے: اسأل الله العظيم، رب العرش العظيم ان يشفيك ''تو اللہ تعالیٰ اسے اس بیماری سے شفا دے گا۔ (۱۰)

مستحب ہے کہ مریض کے پاس سورہ فاتحہ پڑھے، کیوں کہ صحیح حدیث میں ارشاد نبوی ہے: تجھے کسی نے بتایا کہ یہ دم ہے؟ نیز مریض کے پاس سورہ اخلاص اور آخری دو سورتیں (سورہ فلق اور سورہ الناس) پڑھے، یہ حدیث سے ثابت ہے۔ ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص مریض کی عیادت کے لیے آئے تو یہ الفاظ کہے: اللهم اشف عبدك ينكابك عدواً، أويمشي لك الى صلاة (اے اللہ! اپنے بندے کو شفا دے، تیرے دشمن سے نبرد آزما ہوگا یا تیری نماز پڑھنے چل کر جا سکے گا) صحیح

حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کی تو یہ الفاظ کہے: بسم اللہ ارقیک من کل شی یؤذیک، من شر کل نفس او عین حاسد، اللہ یشفیک، باسمہ ارقیک (اللہ کے نام سے میں آپ کو دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو ایذا دے، ہر نفس کے شر اور حسد کرنے والی آنکھ سے، اللہ آپ کو شفا دے، میں اسی کے نام پر دم کرتا ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت کے لیے جاتے تو فرماتے، لاباس طھور ان شاء اللہ، (کوئی بات نہیں، ان شاء اللہ گناہوں سے پاکی کا باعث ہے)۔

مریض کی دل جوئی: عیادت کرنے والا مریض سے اس کا حال پوچھے اور اس کی صحت اور درازی عمر کے لیے ایسی باتیں کرے جس سے اس کی دل جوئی اور طبیعت خوش ہو، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جب کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی درازی عمر کے لیے دل جوئی کی باتیں کرو، اللہ کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا، اس سے مریض کا دل بھلا ہو جاتا ہے۔(۱۱)

مریض کو توبہ کرنے اور وصیت کرنے کی تلقین کرے کیوں کہ حدیث میں ہے: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو، جس کی وصیت کرنی ہو اور اس پر دو راتیں ایسی گزر جائیں کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔(۱۲)

عیادت کرنے والا مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے تاکہ وہ تنگ نہ ہو، دوپہر کے وقت عیادت کرنا مکروہ ہے، صبح یا شام کو عیادت کرے۔ رمضان کی رات میں عیادت کرے، ہوسکتا ہے مریض کی کوئی ایسی چیز اسے نظر آئے جو عیادت کرنے والے کے لیے کمزوری کا باعث ہو۔

شکوہ، صبر اور اللہ کے ساتھ حسن ظن: مریض اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے طبیب کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی اپنی تکلیف کی کیفیت بتا سکتا ہے لیکن شکوہ نہ کرے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع حدیث میں ہے: جب شکوہ سے پہلے شکر ہو تو وہ شکوہ نہیں ہوتا۔

مستحب یہ ہے کہ مریض کو اور ہر مصیبت زدہ کو صبر کی تلقین کرے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: واصبر وما صبرک الا باللہ (اور صبر کیجیے اور صبر صرف اللہ ہی کی توفیق سے ممکن ہے۔ النحل ۱۶: ۱۲۷) اور فرمایا: انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیتا ہے) نیز ارشاد نبوی ہے: الصبر ضیاء (۱۳)۔ صبر روشنی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا، یا رسول اللہ! میری صحت کے لیے دعا کیجیے، آپؐ نے فرمایا، اگر چاہو تو میں دعا کر دوں اللہ تعالیٰ صحت دے دے گا اور اگر چاہو تو صبر کرو، تمہیں حساب نہیں دینا پڑے گا، عورت نے کہا، صبر کروں گی تاکہ حساب نہ ہو۔ (۱۴)

صبر جمیل سے مراد ایسا صبر ہے کہ مخلوق کے سامنے شکوہ نہ کیا جائے، خالق کے سامنے شکوہ کرنا صبر کے منافی نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا اللہ سے کہنا: ''رب انی مسنی الضُرُّ وانتَ ارحمُ الراحمین (اے اللہ! مجھے تکلیف نے آلیا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے) اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا کہنا ''انما اشکوُ بَثِّی وحُزنی الی اللہ (میں اپنے غم واندوہ کا اللہ سے شکوہ کرتا ہوں) اللہ کے سامنے شکایت کرنے کی مثالیں ہیں۔

مناسب ہے کہ مریض اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس حال میں نہ مرے کہ اسے اللہ! سے حسن ظن نہ ہو (۱۵) یعنی یہ یقین ہو کہ وہ اس پر رحم کرے گا، اس کے فضل ورحمت کا امیدوار ہو کیوں کہ وہ سب سے زیادہ مہربان ہے اور گناہ بخشنے والا ہے۔ لغزشوں سے درگزر کرنے والا، پس مریض خوف کے بجائے امید کا سہارا لے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: میرا بندہ مجھ سے جیسا گمان رکھتا ہے، میں اس سے اسی طرح کا برتاؤ کرتا ہوں۔ (۱۶)

موت کی آرزو کرنا مکروہ ہے: بدنی تکلیف یا دنیوی تنگی کے باعث موت کی آرزو کرنا مکروہ ہے۔ صحیحین میں ہے: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کے باعث موت کی تمنا نہ کرے، اگر کوئی چارہ نہ رہے تو یوں کہے: اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے اور مجھے موت دے دے، جب میرے لیے موت بہتر ہو۔

دینی ضرر یا فتنے کے خوف سے موت کی تمنا کرنا مکروہ نہیں کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: "جب تو اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈالنا چاہے تو مجھے آزمائش میں ڈالے بغیر اٹھالے"۔ اللہ کی راہ میں شہادت کی تمنا اس موت کی تمنا نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

علاج معالجہ: شافعیہ کہتے ہیں کہ مریض کے لیے علاج معالجہ مسنون ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے" (۱۷) حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث ہے: اللہ نے ایسی کوئی بیماری پیدا نہیں کی جس کی دوا نہ اتاری ہو، ہاں کچھ لوگ اس سے ناواقف ہوتے ہیں اور کچھ واقف۔ گائے کا دودھ پیا کرو کیوں کہ گائے ہر قسم کے درختوں اور پودوں سے غذا حاصل کرتی ہے(۱۸)۔ حضرت ابو الدرداءؓ کی حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں پیدا کیں، ہر بیماری کی دوا پیدا کی، اس لیے علاج کیا کرو لیکن حرام اشیاء سے علاج نہ کرو۔(۱۹)

مریض کو زبردستی کھانا کھلانا یا دوائی پلانا مکروہ ہے کیوں کہ اس سے اسے اذیت ہوسکتی ہے۔

نووی نے المجموع میں لکھا ہے(۲۰) توکل کے طور پر علاج نہ کرانا باعث فضیلت ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں(۲۱) علاج نہ کرنا افضل ہے کیوں کہ یہ توکل کے قریب تر ہے۔ علاج سے فائدہ کی امید ہو تب بھی علاج کرانا واجب نہیں البتہ بالاتفاق جائز ہے اور توکل کے

خلاف نہیں ہے کیوں کہ ابو الدرداءؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں اس کی اجازت ہے۔ زہر خورانی سے علاج کرنا حرام ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة (اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، البقرہ ۲: ۱۹۵)۔

ذمی کی عیادت: حنابلہ کہتے ہیں (۲۲) ذمی کی عیادت حرام ہے جیسا کہ اسے ابتداءً سلام کرنا حرام ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۲۳) ذمی کی عیادت مستحب نہیں ہے لیکن اگر پڑوسی یا قرابت دار ہو یا اس کے ایمان لانے کی امید ہو تو جائز ہے کیوں کہ اس میں صلہ رحمی اور پڑوس کے حق کی رعایت ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ: ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا، بیمار ہوگیا، آپؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس کے سرہانے بیٹھے اور اسے کہا، اسلام لے آؤ، لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو پاس کھڑا تھا، اس نے کہا، ابوالقاسمؐ کی بات مان لو، اس نے اسلام قبول کرلیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکلے: اللہ کا شکر ہے جس نے اسے آگ سے بچالیا۔

زندگی سے مایوس شخص کی توبہ اور ایمان (۲۴): علماء کا اتفاق ہے زندگی سے مایوس شخص کا ایمان قبول نہیں ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فلم یک ینفعهم ایمانهم لما رأوا بأسنا (غافر ۴۰: ۸۵) (جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو انہیں ان کے ایمان نے کوئی نفع نہیں دیا) بأس سے مراد موت کے اسباب کا اس طرح مشاہدہ کرنا ہے کہ موت آجانے کا قطعی یقین ہوجائے۔

اشاعرہ کے نزدیک جس طرح زندگی سے مایوس شخص کا ایمان مقبول نہیں ہوتا اسی طرح ایسے شخص کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی کیوں کہ اس وقت اختیار ختم ہوجاتا ہے اور توبہ کا ایک اہم رکن باقی نہیں رہتا اور وہ یہ ہے کہ توبہ کرنے والا پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ وہ

اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ مایوس شخص کا ایمان تو قبول نہیں ہوتا لیکن توبہ قبول ہوجاتی ہے کیوں کہ کافر کو اللہ تعالیٰ کی پہچان نہیں ہوتی، اس کا ایمان اور اللہ کی پہچان نئی ہوتی ہے جب کہ فاسق کو اللہ کی پہچان ہوتی ہے اور اس کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کہ پہچان باقی رہے اور کسی چیز کی بقا اس کے آغاز وایجاد کی بہ نسبت آسان ہوتی ہے، نیز ارشاد نبوی ہے: جب تک بندے کو موت کا غرغرہ نہ آجائے اس کی توبہ قبول ہوتی ہے(۲۵)۔ غرغرہ سے مراد یہ ہے کہ روح حلق میں آجائے، اس وقت بول چال ممکن نہیں ہوتی۔

اچانک موت اور جی اٹھنے کی حالت: صحیح یہ ہے کہ آدمی جو کام کرتے ہوئے مرتا ہے اسی حالت میں دوبارہ جی اٹھے گا، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ہر بندہ انہیں اعمال پر اٹھایا جائے گا جو وہ کرتے ہوئے مرا ہے(۲۶) نیز یہ بھی صحیح ہے کہ اچانک موت اچانک پکڑ کے مترادف ہے۔ یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک موت سے پناہ مانگی ہے۔ دونوں پہلوؤں میں موافقت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ اگر کسی شخص کے ایسے معاملات ہیں جن کے لیے وصیت اور توبہ کی ضرورت ہے تو اس کے لیے اچانک موت اچانک پکڑ کے مترادف ہے، اور جو لوگ ہر وقت اپنی حالت کو درست رکھتے ہیں تو اچانک موت ان کے لیے تخفیف اور آسانی ہے۔ ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اچانک موت مومن کے لیے راحت اور کافر کے لیے غضب کی پکڑ ہے۔(۲۷)

نزع کے وقت کے مستحب اعمال: جو شخص نزع کی حالت میں ہو اس کے حوالے سے مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں(۲۸)۔ یاد رہے کہ نزع کی علامات میں پاؤں ڈھیلے ہوجانا، ناک ٹیڑھی ہوجانا اور کانوں کی لوئیں پھر جانا ہیں۔ نزع سے مراد یہ ہے کہ مریض پر موت کی علامات ظاہر ہوجائیں۔

ا۔ **دائیں پہلو پر قبلہ رولٹا دیا جائے:** اس میں سنت کا اتباع ہے، کیوں کہ بیت اللہ کے بارے میں ارشاد نبوی ہے: یہ تمہارے زندوں اور مردوں کا قبلہ ہے(۲۹) حضرت حذیفہؓ کا قول ہے: ''مجھے قبلہ رخ کردو'' حضرت فاطمہؓ نے ام رافع سے کہا تھا، مجھے قبلہ رخ کردو۔(۳۰)

اگر جگہ کی تنگی یا کسی اور وجہ سے ایسا کرنا مشکل ہو تو پشت کے بل لٹا کر چہرہ اور پاؤں قبلہ کی طرف کردیے جائیں، اس طرح روح آسانی سے نکلتی ہے۔ اگر مریض کے لیے مشکل ہو تو اسے اس کے حال پر رہنے دیا جائے۔ چمچے یا روئی سے ٹھنڈا پانی گھونٹ گھونٹ منہ میں چھوڑنا سنت ہے۔

ب۔ **ایک بار کلمہ شہادت کی تلقین:** جو شخص اس وقت میت کے پاس ہو ایک بار ''لاالہ الااللہ'' بلند آواز سے کہے، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: اپنے مرنے والوں کو لاالہ الااللہ کی تلقین کیا کرو(۳۱) ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے'' جو مسلمان مرتے وقت یہ الفاظ کہتا ہے اس کی آگ سے نجات ہوجاتی ہے''۔ ابوداؤد اور حاکم میں حضرت معاذؓ کی ایک حدیث ہے: جس کسی کی آخری بات '' لاالہ الا اللہ'' ہوئی وہ جنتی ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ موت کے غرغرہ سے پہلے شہادت توحید ورسالت کی تلقین مستحب ہے کیوں کہ رسالت کی شہادت کے بغیر توحید کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔ تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ تلقین پیار، محبت اور شفقت سے کی جائے، نہ اصرار کیا جائے، نہ بار بار تلقین کی جائے اور نہ کلمہ پڑھنے کا کہا جائے تاکہ مریض کا دل تنگ نہ ہو۔ اگر اس دوران میں مریض کوئی بات کرتا ہے تو اسے دوبارہ لاالہ الااللہ کی تلقین کی جائے تاکہ لا الہ الا اللہ اس کا آخری کلام ہوجائے۔

حنفیہ کے نزدیک میت کو قبر میں رکھنے کے بعد تلقین نہ کہی جائے۔ اگر کسی نے کہہ دی تو اہل سنت کی نزدیک جائز ہے اور اس موقع پر اس قدر کہنا کافی ہے: اے فلاں بن

فلاں یا اے عبداللہ بن عبداللہ، اپنے دین کو یاد کرو جس پر تم دنیا میں تھے، لاالـــہ الا اللہ محـمـد رسول اللہ کی گواہی دو اور کہو: میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔(۳۲)

اگر مرنے والے نے کفریہ کلمات کہے ہوں تو اس کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرے اور اس کے ساتھ مسلمان مردوں والا برتاؤ کرے کیوں کہ ہوسکتا ہے اس نے بے ہوشی میں کچھ کہہ دیا ہو۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ قبر میں دو فرشتوں کا سوال کرنا حق ہے۔قبر میں ہر ذی روح بنی آدم سے سوال کیا جاتا ہے۔ابن عبدالبر اور سیوطی نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کا سوال مومن یا منافق سے ہوگا جو اپنی ظاہری گواہی کے بموجب مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں، قطعی کافر سے نہیں۔

سیوطی نے کہا کہ آٹھ قسم کے لوگوں سے سوال نہیں ہوگا: شہید اور اسلامی سرحدوں کا محافظ، طاعون سے مرنے والا، طاعون کی وبا کے دوران جو شخص حصول ثواب کی نیت سے صبر کرے اور مرجائے، صدیق، بچے، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مرنے والا، ہر رات سورہ الملک پڑھنے والا، بعض کے نزدیک سورہ الملک اور سورہ السجدہ پڑھنے والا، مرض موت میں قل ھو اللہ احد کی تلاوت کرنے والا۔

ج۔ حالت نزع میں مبتلا شخص کے پاس تلاوت قرآن: مالکیہ کہتے ہیں کہ سنت سمجھتے ہوئے نزع کی حالت میں یا مرنے کے بعد یا قبر پر تلاوت کرنا مکروہ ہے کیوں کہ یہ اسلاف کا عمل نہیں ہے لیکن متاخرین کی رائے یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت یا ذکر میں کوئی حرج نہیں، اس کا ثواب مرنے والے کو بخشا جائے جو ان شاء اللہ پہنچ جائے گا۔جمہور کے نزدیک سورہ یس پڑھنا مستحب ہے۔

کیوں کہ حدیث میں ہے: اپنے مردوں پر سورہ یس پڑھا کرو(۳۳) بعض متاخرین علمائے

حنفیہ اور شافعیہ نے سورہ الرعد کی تلاوت کو بھی مستحسن قرار دیا ہے کیوں کہ حضرت جابرؓ کا قول ہے: اس سے روح آسانی سے نکلتی ہے۔

سورہ یٰسٓ کی تلاوت میں حکمت یہ ہے کہ اس میں قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے حالات کا تذکرہ ہے، جب اس کی تلاوت کی جائے گی تو ان احوال کی یاد تازہ ہوگی۔

د۔ مریض کے خاندان میں سے جو شخص مریض سے زیادہ دلی لگاؤ رکھتا ہو اور میت کو سنبھالنے کے طریقے سے واقف ہو اور سب سے زیادہ متقی ہو وہ مریض کو سنبھالے اور جب وہ مر جائے تو اس کی آنکھیں بند کر دے، کوئی کپڑا نچلے جبڑے سے گزار کر سر کے اوپر گانٹھ دے تاکہ منہ کھلا نہ رہ جائے اور میت کی خوب صورتی متاثر نہ ہو، اور یہ دعا پڑھے:

بسم الله وعلى ملة رسول الله، اللهم يسر عليه امره وسهل عليه مابعده وأسعده بلقائك واجعل ماخرج اليه خيراً مما خرج عنه (اللہ کے نام کے ساتھ، رسول اللہ کی ملت پر، اے اللہ! اس کا معاملہ آسان فرما دے اور بعد کے حالات میں اس کے لیے سہولت فرما اور اسے اپنی ملاقات سے سرفراز فرما، اور اس کے لیے دنیا کی بہ نسبت آخرت کو بہتر فرما دے۔

حیض، نفاس والی عورتیں اور جنبی مرد عورتیں وہاں سے دور ہو جائیں کیوں کہ ان کی وجہ سے فرشتے نہیں آتے۔

اس کے پاس کوئی خوشبو مثلاً بخور وغیرہ جلا دیے جائیں اور ہاتھوں، پاؤں کے جوڑ اور انگلیاں نرم کی جائیں (۳۴) تمام بدن کو ہلکے کپڑے سے ڈھانپ دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقش ونگار والی چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا، پیٹ پر لوہے وغیرہ کی کوئی وزنی چیز رکھ دی جائے تاکہ پیٹ پھول کر بھدا نہ ہو جائے۔ میت کو چار پائی پر یا

کسی بلند جگہ رکھا جائے تا کہ کیڑے مکوڑے نہ آ جائیں، لباس اتار دیا جائے تا کہ میت جلدی خراب نہ ہو، قبلہ رو کردیا جائے جیسا کہ نزع کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں کے ساتھ ملا کر سیدھے کردیے جائیں، ہاتھ سینے پر نہ رکھے جائیں کیوں کہ یہ کفار کا طریقہ ہے۔ میت کو غسل دینے سے پہلے حنفیہ کے نزدیک اس کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ تبرک کے طور پر یا محبت یا احترام میں میت کو بوسہ دینا جائز ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو اور حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے وصال کے بعد بوسہ دیا(۳۵) میت کے اقرباء کو جنازہ دیکھنے دیا جائے اور منع نہ کیا جائے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرے والد جب قتل ہوئے تو میں ان کے منہ سے کپڑا ہٹاتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔

ہ۔ **موت کی اطلاع دینا:** حنابلہ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے (۳۶) کہ نماز جنازہ وغیرہ کے لیے کسی کی موت کا اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں، شیخین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس روز نجاشی کی وفات ہوئی تو آپؐ نے اس کی وفات کا اعلان کیا، نیز آپؐ نے جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی موت کا بھی اعلان کیا۔ بعض متاخرین حنفیہ کے نزدیک اگر مرنے والا عالم یا زاہد یا کوئی بابرکت شخصیت ہو تو اس کی نماز جنازہ کا بازاروں میں اعلان کرنا مستحسن ہے۔ ہمارے دور میں یہی رائے بہتر ہے کیوں کہ میت کے ساتھ لوگوں کے حقوق و فرائض متعلق ہوتے ہیں۔

جاہلیت کے طریقے سے کسی کی موت کی اطلاع دینا مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پکار پکار کر میت کے کارناموں کو بیان کیا جائے کیوں کہ اس سے منع کیا گیا ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ محض موت کی اطلاع دینا اور چیز ہے اور مرنے والے کے کارنامے گنوانا الگ بات ہے۔

حنابلہ کے نزدیک(۳۷) موت کا اعلان کرنا مکروہ ہے یعنی یہ کہ کسی کو بھیج کر لوگوں میں اعلان کروانا کہ فلاں شخص مر گیا ہے، اس کے جنازے میں شریک ہوں کیوں کہ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کا اعلان کرنے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے(۳۸) حذیفہؓ کی وصیت تھی کہ میں مرجاؤں تو کسی کو اطلاع نہ کی جائے کہیں یہ موت کا اعلان نہ ہوجائے۔ ابن عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ موت کے اعلان سے مراد جاہلیت کے طریقے پر اعلان کرنا ہے۔ المھذب کے مؤلف کے بقول شافعیہ کے نزدیک موت کا اعلان کرنا مکروہ ہے لیکن شافعیہ کی قابل اعتماد رائے وہی ہے جو نووی کے حوالے سے پہلے ذکر کی گئی ہے۔

و۔ **جلدی دفن کی تیاری کرنا:** جب موت کا یقین ہوجائے تو تین کاموں میں جلدی کی جائے: دفن کرنا، قرضے ادا کرنا اور وصیت پوری کرنا۔

جلدی دفن کرنا: دفن میں جلدی کرنا مستحب ہے تاکہ میت خراب نہ ہو، امام احمد کہتے ہیں کہ میت کے احترام کا تقاضا ہے کہ جلدی دفن کیا جائے۔ روایت میں ہے کہ طلحہ بن البراءؓ بیمار ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے آئے تو فرمایا: مجھے لگتا ہے کہ طلحہ اس بیماری سے جاں بر نہیں ہوسکیں گے، جب فوت ہوں تو مجھے اطلاع کر دینا اور جلدی دفن کرنا کیوں کہ یہ بات مناسب نہیں کہ کسی مسلمان کی میت گھر والوں کے درمیان زیادہ دیر پڑی رہے(۳۹) جلدی جنازہ پڑھنے کے حکم والی احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت علیؓ کی حدیث میں ہے: اے علیؓ! تین کاموں میں تاخیر نہ کرنا، نماز میں جب اس کا وقت ہوجائے، جنازہ میں جب تیار ہوجائے، غیر شادی شدہ کا شادی میں جب مناسب رشتہ مل جائے۔(۴۰)

جنازے کے لیے اتنا انتظار کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ لوگ جمع ہوجائیں تاکہ میت کے لیے نماز میں شریک ہوکر دعا کرسکیں البتہ اتنا انتظار نہ کیا جائے جس سے جنازہ خراب

ہونے کا اندیشہ ہو یا لوگوں کے لیے باعث دقت ہو۔

جلدی قرض ادا کرنا: تاکہ میت کی ذمہ داری میں تخفیف ہو: ارشاد نبوی ہے: مومن کا نفس قرض کے ساتھ معلق رہتا ہے تاآنکہ قرض ادا کردیا جائے (۴۱) یہ اس صورت میں ہے جب کہ میت کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے مال ہو۔ اگر کسی کے پاس مال نہیں اور وہ ادا کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا تھا لیکن مرگیا تو احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کردے گا جیسا کہ ابو امامہؓ کی حدیث میں ہے: جس کسی نے قرض لیا اور اس کے دل میں ہے کہ اسے ادا کرے گا، پھر مرگیا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے گا اور قرض خواہ کو جیسے چاہے گا راضی کردے گا اور جس نے قرض لیا اور خیال یہ ہے کہ ادا نہیں کرے گا، پھر مرگیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز قرض خواہ کو بدلہ دلائے گا(۴۲) ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ ''قرضے دو طرح کے ہیں: جو کوئی مرگیا اور اس کی نیت تھی کہ قرض ادا کرے گا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں اور جو مرگیا اور اس کی نیت قرض نہ ادا کرنے کی تھی تو ایسے شخص سے اس کی نیکیاں لے لی جائیں گی، اس روز کوئی دینار اور درہم نہیں ہوگا''۔ (۴۳)

وصیت جلدی پوری کرنا: تاکہ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے اسے فائدہ پہنچے اور میت کو اس سے جلدی ثواب ملے۔ یاد رہے کہ وصیت پورا کرنے کا مرحلہ قرض ادا کرنے کے بعد اور ورثاء کے حقوق سے پہلے کا ہے۔

مطلب دوم: میت کے حقوق

میت کے اپنے خاندان، عزیزوں اور رشتہ داروں کے ذمے چار حقوق ہیں اور وہ فرض کفایہ ہیں نیز اوپر جس کا ذکر ہوا کہ دفن کرنا وہ اس پر مستزاد حق یا واجب ہے۔ حقوق یہ ہیں: غسل دینا، کفن پہنانا، نماز جنازہ پڑھنا اور دفن کرنا، جنازہ اٹھانا اور اس کے پیچھے چلنا، کیوں کہ اس پر علماء کا اجماع ہے اور دفن کے علاوہ باقی امور کے بارے میں صحیح

احادیث بھی آئی ہیں البتہ جنازے کے پیچھے چلنا سنت ہے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اگر کسی شخص کو غسل دیے بغیر یا کفن پہنائے بغیر دفن کردیا گیا تو قبر کھود کر اس کا تدارک کر کے دفن کرنا ضروری ہے۔

پہلا فرض: میت کو غسل دینا:

غسل کا حکم، غسل دینے والے کی صفات، جسے غسل دیا جارہا ہو اس کی حالت اور شرائط، غسل کی کیفیت، مقدار، مستحبات، کیا میت کو وضو کروایا جائے۔(۴۴)

ا۔ غسل کا حکم:

میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے، جو شخص اونٹ سے گر کر مرگیا تھا، اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے بیری کے پتوں والے پان سے غسل دو اور دو کپڑوں میں کفن پہناؤ(۴۵) جونہی کسی شخص کی موت کا یقین ہوجائے اسے فوری طور پر غسل دینا سنت ہے۔ اگر غسل دیے بغیر دفن کردیا گیا تو قبر کھود کر نکال کر غسل دیا جائے۔ اگر میت کے بدن کے کچھ حصے دست یاب ہوئے ہوں تو انہیں کو غسل دے کر شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے کیوں کہ صحابہ نے ایسا ہی کیا تھا۔ ابو حنیفہ اور مالک کی رائے یہ ہے کہ اگر میت کے بدن کا زیادہ حصہ مل جائے تو نماز پڑھی جائے ورنہ نہیں۔ اگر پانی دست یاب نہ ہو یا غسل دینا ممکن نہ ہو تو تیمّم غسل کے قائم مقام ہوجائے گا، مثلاً یہ اندیشہ ہو کہ غسل دینے سے بدن ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا تو تیمّم کرادیا جائے، ورنہ میت پر پانی بہادیا جائے۔

۲۔ غسل دینے والے کی صفات:

ا۔ **غسل دینے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟**: مرد مرد کو اور عورت عورت کو غسل دے۔ بالاتفاق ہر جنس اپنے ہم جنس کو غسل دے۔ اگر کسی میت کے پاس کافر مرد

اور غیر محرم مسلمان عورت ہوں تو جمہور کے نزدیک کافر غسل دے۔ اختلاف سے بچنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ عورت کو شوہر کے بجائے اجنبی عورت غسل دے دے۔

کیا شوہر اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے؟ حنفیہ کے نزدیک مرد کے لیے اپنی بیوی کو غسل دینا یا ہاتھ لگانا جائز نہیں کیوں کہ نکاح ختم ہوگیا ہے۔ صحیح روایت یہ ہے کہ دیکھنا جائز ہے کیوں کہ دیکھنا چھونے سے کم درجے کی چیز ہے۔ اختلاف رائے کی اہمیت کے پیش نظر دیکھنا جائز ہے۔ عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے شوہر کو غسل دے، خواہ طلاق رجعی کے بعد عدت گزار رہی ہو کیوں کہ ہنوز عدت میں ہے یا غیر مسلمہ ہو، شرط یہ ہے کہ غسل کے وقت نکاح کا تعلق باقی ہو۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ میاں بیوں میں سے ہر ایک دوسرے کو مرنے کے بعد غسل دے سکتا ہے۔ ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لے، ویسے ہاتھ نہ لگائے، عورت خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلمہ، شرط یہ ہے کہ موت کے وقت نکاح کا تعلق باقی ہو، اس پر اتفاق ہے عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے حتیٰ کہ شافعیہ کے نزدیک اگر نکاح کا تعلق ختم ہوگیا ہو اور عورت نے عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرلیا ہو تب بھی پہلے شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث کا جو آگے مذکور یہی تقاضا ہے۔ شافعیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ بائن عورت غیر محرم کی طرح ہے اور طلاق رجعی والی بیوی کی طرح۔ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کو شرم گاہ کے علاوہ باقی بدن کو دیکھ سکتا ہے۔

میاں بیوی کے ایک دوسرے کو غسل دینے کے جواز کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے۔ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں جنازے سے فارغ ہوکر واپس گھر تشریف لائے تو میرے سر میں شدید درد تھا، میں نے کہا، ہائے سر، آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلکہ ہائے میرا سر، تمہارا کیا جاتا ہے، اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہوگئی تو تمہیں غسل دوں گا، کفن پہناؤں گا پھر تم پر نماز پڑھوں گا اور تمہیں دفن کردوں گا۔ (۴۶)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: جس بات کا مجھے بعد میں پتہ چلا، اگر پہلے پتہ چلتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ازواج ہی غسل دیتیں۔(۴۷)

حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو غسل دیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی اہلیہ اسماء بنت عمیس کو وصیت کی تھی کہ وہ انہیں غسل دیں اور انہوں نے ہی غسل دیا۔

مرد کو اس کی محرم عورتیں کپڑے کے اوپر سے غسل دے سکتی ہیں۔

ایسے بچے اور بچی کے میت کو غسل دینا جو قابل شہوت نہ ہوں مرد اور عورت دونوں کے لیے بالاتفاق جائز ہے کیوں کہ انہیں دیکھنا اور ہاتھ لگانا جائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک باشعور لڑکا میت کو غسل دے سکتا ہے البتہ مکروہ ہے۔

مرد کے میت کو غسل دینے کا سب سے زیادہ حق دار وہ فرد ہوتا ہے جو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار ہے اور عورت کے میت کو قریبی خواتین غسل دیں، وہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شوہر کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک اختلاف کی صورت میں حاکم کے فیصلے کے مطابق عصبات اور عورت کے قریبی محرم رشتہ داروں کی بہ نسبت میاں بیوی ایک دوسرے کو غسل دینے کے زیادہ مستحق ہیں۔

مرد کو غسل دینے کے سب سے زیادہ حق دار نسبی اعتبار سے عصبہ مرد ہیں، پہلا حق باپ کا ہے، پھر دادا کا، پھر بیٹے کا پھر پوتے کا پھر بھائی کا پھر بھتیجے کا پھر چچا کا پھر چچازاد بھائی کا، کیوں کہ نماز جنازہ پڑھانے کا استحقاق اسی ترتیب سے ہے اس لیے غسل کا استحقاق بھی اس ترتیب سے ہوگا۔ زیادہ عمر والے پر زیادہ عالم کو ترجیح ہوگی پھر شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صحیح روایت کے مطابق ان کے بعد بیوی کا استحقاق ہے۔ بیوی کے بجائے اجنبی مردوں کا مرد کی میت کو غسل دینا بہتر ہے تاکہ اختلاف سے بچ سکیں۔ پھر مالکیہ کے نزدیک محرم عورت مثلاً ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ کا حق ہے۔ اگر کوئی محرم عورت بھی موجود نہ ہو خواہ مصاہرت کے ذریعے سے ہو تو غیر محرم عورت تیمّم کروادے۔

حنابلہ کے نزدیک عصبات کی بہ نسبت اس شخص کا زیادہ استحقاق ہے جس کے بارے میں میت وصیت کرے، اگر وہ شخص متقی ہو، وہی میت کو غسل دینے کا بھی زیادہ مستحق ہے کیوں کہ یہ دراصل میت کا حق ہے، اس لیے جس کے بارے میں وصیت کی گئی ہے اس کا حق زیادہ ہے جیسا کہ دوسرے حقوق میں ہے، کیوں کہ حضرت ابوبکرؓ نے وصیت کی تھی کہ ان کی اہلیہ اسماءؓ انہیں غسل دیں اور حضرت انسؓ نے وصیت کی تھی کہ محمد بن سیرین انہیں غسل دیں۔

عورت کو غسل دینے کا زیادہ حق محرم قرابت دار عورتوں کا ہے یعنی ایسی عورت کہ اگر اسے مرد فرض کیا جائے تو میت سے اس کا نکاح قرابت کی وجہ سے درست نہ ہوتا کیوں کہ انہیں زیادہ محبت ہوتی ہے۔ پھر غیر محرم قرابت دار مثلاً چچا زاد بہن پھر غیر رشتہ دار عورتیں، پھر شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شوہر کا حق ہے۔ غیر رشتہ دار عورت شوہر کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے تاکہ اختلاف سے بچا جاسکے، پھر محرم قرابت والے رشتہ دار جیسا کہ نماز پڑھانے کے استحقاق کی ترتیب ہے۔ چچا زاد بھائی اجنبی مرد کی طرح ہے۔

اگر اکیلی عورت مردوں کے درمیان یا اکیلا مرد عورتوں کے درمیان مرجائے تو محرم رشتہ دار اسے تیمّم کرادے اگر کوئی محرم موجود نہ ہو تو غیر رشتہ دار، حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہاتھ سے کپڑا لپیٹ کر یا کسی رکاوٹ کے ساتھ تیمّم کرادے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اجنبی مرد عورت کی میت کو اس کی کلائی تک اور اجنبی عورت مرد کی میت کو کہنیوں تک تیمّم کرائے۔

۲۔ غسل دینے والے کی شرائط:

حنابلہ کے نزدیک غسل دینے والے میں مندرجہ ذیل شرائط ہونی چاہیے:

الف۔ اسلام: غسل دینے والا اگر کافر ہو تو غسل درست نہیں کیوں کہ غسل عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔

ب۔ نیت: کیوں کہ حدیث میں ہے: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

ج۔ عقل: کیوں کہ غیر عاقل نیت کا اہل نہیں ہے۔

جمہور کے نزدیک اسلام اور نیت کی شرط نہیں، کافر کا دیا ہوا غسل درست ہے اور بغیر نیت بھی غسل صحیح ہوجاتا ہے لیکن پانی میں ڈوب کر مرجانے والے کو بھی غسل دیا جائے۔ اس لیے اسے غسل کی نیت سے تین بار پانی میں حرکت دی جائے، کیوں کہ ہمیں غسل دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں: طہارت درست ہونے کے لیے نیت کی ضرورت نہیں بلکہ مکلفین کے ذمے سے فرض ادا ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔

۳۔ **غسل دینے والے کے لیے مستحب امور:** مستحب ہے کہ غسل دینے والا قابل اعتماد، امانت دار اور غسل کے احکام سے واقف ہو کیوں کہ ابن عمرؓ کا قول ہے: ''تمہارے مردوں کو صرف امانت دار اور قابل اعتماد لوگ ہی غسل دیں''۔ (۴۸)

غسل دینے والے اور پاس موجود افراد کے لیے مستحب ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں بلا ضرورت میت کو نہ دیکھیں اور جن عیوب کو مرنے والا ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس کے بارے میں وہ گفتگو نہ کرتا تھا ان پر پردہ پڑا رہنے دیں، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا(۴۹) نیز ارشاد نبوی ہے: جس نے کسی میت کو غسل دیا، اس میں امانت کا حق ادا کیا، اس وقت جو کچھ دیکھا اسے افشا نہ کیا تو وہ اس طرح گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے گویا آج ہی پیدا ہوا ہے۔ اگر قریبی رشتہ دار غسل کا طریقہ جانتے ہیں تو وہی غسل دیں، اگر وہ نہیں جانتے تو جو شخص متقی اور امانت دار ہو وہ غسل دے(۵۰) نیز ارشاد نبوی ہے: جس نے کسی میت کو غسل دیا اور اس کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اسے چالیس بار بخشے گا(۵۱) اگر غسل دینے والا اچھی علامات دیکھے مثلاً میت کا روشن چہرہ اور چہرے پر تبسم وغیرہ تو اس کا اظہار کرنا مستحب ہے تاکہ لوگ اس کے لیے زیادہ دعا کریں اور اس کے طریقے پر چلنے اور اس کی سی سیرت

اختیار کرنے کی ترغیب ہو۔

مستحب ہے کہ میت کو نگاہوں سے چھپایا جائے کیوں کہ ممکن ہے اس کے بدن میں کوئی ایسا عیب ہو جسے وہ چھپانا چاہتا ہو، کیوں کہ حدیث میں ہے: اپنے مرنے والوں کی خوبیاں بیان کیا کرو ان کی برائیوں کے ذکر سے بچا کرو۔(۵۲)

مستحب یہ ہے کہ کھلے آسمان کے نیچے غسل نہ دیا جائے اور صرف وہی لوگ پاس موجود ہوں جو غسل دینے میں مدد کر رہے ہوں اور اسی وقت تک رہیں جب تک کہ غسل دیا جارہا ہو غسل کسی کمرے میں دیا جانا بہتر ہے۔

اگر اکیلا آدمی غسل دے سکتا ہے تو کسی دوسرے سے مدد نہ لینا بہتر ہے۔ اگر مددگار کی ضرورت ہو تو صرف اس قدر مدد لی جائے جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو اور جو لوگ غسل میں مدد نہ دے رہے ہوں ان کا پاس موجود ہونا مکروہ ہے۔

مستحب ہے کہ غسل دیتے وقت خوشبو کی انگیٹھی پاس جلتی ہو تا کہ اگر بدن میں بدبو ہو تو اس کا پتہ نہ چلے۔ غسل دینے والے کے لیے جائز نہیں کہ سات سال سے زیادہ عمر کی میت کی شرم گاہ کو دیکھے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: کسی زندہ اور مردہ کی ران کو نہ دیکھو(۵۳) شرم گاہ کو ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں، کیوں کہ جب دیکھنا جائز نہیں تو ہاتھ لگانا بطریق اولیٰ جائز نہیں۔

مستحب یہ ہے کہ بدن کے جس حصے کو دیکھے بغیر چارہ کار نہ ہو اس کے علاوہ بدن کو نہ دیکھے اور نہ بدن کو ہاتھ لگائے کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر قمیص کے نیچے ہاتھ پھیرا۔ شرم گاہ کو دھوتے وقت ہاتھ پر کپڑا وغیرہ لپیٹ لینا واجب ہے۔ مستحب یہ ہے کہ سارے بدن کو دھوتے ہوئے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ رکھے۔

افضل یہ ہے کہ بلا معاوضہ میت کو غسل دے، حنابلہ کے نزدیک غسل دینے، کفن

پہنانے، جنازہ اٹھانے اور دفن کرنے پر اجرت لینا مکروہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ان امور پر اجرت لینا جائز ہے۔ جنازہ اٹھانے والا اور قبر کھودنے والا غسل دینے والے کی طرح ہے۔ اگر کوئی اور شخص مل سکتا ہو تو یہ کام کرنے والا اجرت لے سکتا ہے، اگر اس کے علاوہ یہ کام کرنے والا کوئی دوسرا شخص دست یاب نہیں ہے تو پھر یہ متعین ہے کہ یہ کام اسی کو کرنے ہیں اس لیے اس کے لیے طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں، یہ متقدمین کی رائے ہے۔ متاخرین کے نزدیک ضرورت کے تحت طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

جمہور کے نزدیک مستحب ہے کہ جو شخص میت کو غسل دے وہ بعد میں خود غسل کر لے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے: جو میت کو غسل دے اسے خود غسل کر لینا چاہیے۔(۵۴)

۴۔ جسے غسل دیا جا رہا ہو اس کی کیفیت (۵۵)

بہتر یہ ہے کہ میت کو ایک تختے پر ایسی جگہ رکھا جائے جو پردے میں ہو لوگوں سے خالی ہو، افضل یہ ہے کہ چھت کے نیچے ہو کیوں کہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔

اگر میت کا سر کٹا ہوا ہو یا اس کے اعضا کٹے ہوئے ہوں تو انہیں کپڑے سے یا گارے سے جوڑ باندھ لے تاکہ بکھر نہ جائیں، اگر میت کی کوئی چیز دانت وغیرہ گر جائے تو دھو کر کفن میں ساتھ رکھ دے۔

مستحب یہ ہے کہ غسل دینے والا میت کو نرمی سے اٹھا کر اس کے دائیں پہلو کو اپنے کندھے سے ٹیک لگا کر، اپنا انگوٹھا اس کی گردن پر رکھ کر اس کی پیٹھ کو اپنے دائیں گھٹنے سے لگا کر بٹھا دے اور اس کے پیٹ پر اوپر سے نیچے تک ہاتھ پھیرے تاکہ اس میں جو کچھ ہو نکل جائے اور جب بھی پیٹ پر ہاتھ پھیرے تو خوب پانی بہا دے تاکہ جو کچھ نکلے اس کی بدبو نہ پھیلے، پھر اسے پیٹھ کے بل لٹا دے۔

میت کے ستر کو ڈھانپنا واجب ہے۔ اگر میت سات سال سے کم عمر کی ہو تو اسے

برہنہ کر کے نہلانا جائز ہے جیسا کہ حنابلہ نے کہا، جمہور کے نزدیک پھر اس کے کپڑے اتار دینا مستحب ہیں کیوں کہ اس سے غسل بہتر دیا جاسکتا ہے، پاکی ٹھیک طرح سے ہوتی ہے اور زندہ شخص کے غسل سے مشابہت ہوجاتی ہے اور ناپاک ہونے سے بچا جاسکتا ہے کیوں کہ میت سے نجاست نکلنے کا امکان ہوتا ہے۔

اگر کھلے آستینوں والی ہلکی پھلکی قمیص میں غسل دیا جائے تو جائز ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں، میت کو برہنہ نہ کیا جائے بلکہ قمیص میں ہی غسل دیا جائے کیوں کہ اس میں پردہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص میں ہی غسل دیا گیا تھا۔(۵۶)

۴۔ غسل واجب ہونے کی شرائط:

میت کے غسل واجب ہونے کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں:(۵۷)

۱۔ **میت مسلمان ہو:** کافر میت کو غسل دینا واجب نہیں بلکہ جمہور کے نزدیک حرام ہے، شافعیہ کے نزدیک جائز ہے کیوں کہ غسل نظافت کے لیے ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ اپنے والد کو غسل دیں اور کفن پہنائیں (۵۸) شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ میت کو کفن پہنانا اور دفن کرنا واجب ہے۔

۲۔ **قبل از وقت پیدا ہونے والے کے احکام:** غسل کے لیے ضروری ہے کہ یہ معلوم ہو بچہ زندہ پیدا ہوا ہے، مالکیہ کے نزدیک مردہ بچے یا قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ زندہ پیدا ہوا، مثلاً دودھ پیے یا حرکت کرے یا چیخ مارے خواہ ایک لمحہ کے لیے ہو، کیوں کہ حدیث میں ہے: بچے پر نماز نہیں پڑھی جائے گی نہ وہ وارث ہوگا، نہ اس کی وراثت تقسیم ہوگی جب تک کہ پیدائش کے بعد آواز نہ نکالے۔(۵۹)

حنفیہ کہتے ہیں: اگر بچہ پیدائش کے بعد آواز نکالے تو اسے غسل دیا جائے، نماز

جنازہ پڑھی جائے، وہ وارث ہوگا اور اس کی وراثت تقسیم ہوگی، یعنی بدن کا اکثر حصہ نکلنے کے بعد ایسی علامت پائی گئی ہو جو اس کی زندگی پر دلالت کرتی ہو۔ اگر پیدائش کے بعد آواز نہ نکالے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اسے غسل دیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے، یہی قول صحیح تر ہے اور ظاہر الروایۃ کے خلاف ہونے کے باوجود اسی پر فتویٰ ہے کیوں کہ اس میں بنی آدم کی عزت ہے یعنی جب زندہ پیدا ہوا تو اسے بڑے آدمی کی طرح سمجھا جائے گا، خواہ اس نے چیخ نہ ماری ہو۔ اگر مردہ پیدا ہو تو اگر اس کے اعضاء پورے ہیں تو اسے غسل دیا جائے اور اگر پورے اعضاء نہ بنے ہوں بلکہ کچھ اعضاء ہوں تو اس پر پانی بہا کر کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور نام رکھا جائے کیوں کہ اسے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

شافعیہ کے نزدیک اگر نو مولود میں زندگی کے آثار ظاہر ہوئے مثلاً دل کی حرکت تو اظہر روایت کے مطابق اسے غسل دیا جائے اور نماز پڑھی جائے کیوں کہ زندگی کا احتمال ہے اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔ اگر زندگی کے آثار ظاہر نہ ہوں تو خواہ حمل چار ماہ کا ہو جائے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیوں کہ زندگی نہیں تھی لیکن اس صورت میں غسل دے کر کفن پہنا کر دفن کرنا واجب ہے اور چار ماہ سے قبل اگر اسقاط ہو جائے تو غسل نہ دیا جائے۔

حنابلہ کے نزدیک اگر چار ماہ سے زائد کا حمل گر جائے تو غسل دے کر نماز پڑھی جائے کیوں کہ حدیث میں ہے: حمل گر جائے تو اس پر نماز پڑھی جائے۔(۶۰)

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر قبل از وقت پیدا ہونے والا بچہ زندہ پیدا ہو اور روئے تو اسے غسل دینا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے اور اگر اس میں زندگی کے آثار نہ ہوں تو حنفیہ کے نزدیک مطلقاً غسل دے کر کفن پہنا کر دفن کر دیا جائے اور شافعیہ کے نزدیک اگر چار ماہ تک کا ہو تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے اور حنابلہ کے نزدیک

اگر چار ماہ سے زائد کا حمل تھا تو غسل دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور چار ماہ سے کم کا حمل ہو تو شافعیہ اور حنابلہ متفق ہیں کہ اسے غسل نہ دیا جائے۔

۳۔ میت کا پورا بدن یا اس کا اکثر حصہ موجود ہو تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک غسل دیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک اگر اکثر بدن موجود ہو یا سر کے ساتھ نصف بدن موجود ہو اور مالکیہ کے نزدیک دو تہائی بدن خواہ سر کے ساتھ موجود ہو تو غسل دیا جائے ورنہ غسل دینا مکروہ ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر میت کے بدن کا تھوڑا حصہ بھی دست یاب ہو تب بھی غسل دے کر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، صحابہ ایسا ہی کرتے تھے۔

۴۔ میدان جنگ میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑتے ہوئے شہید نہ ہوا ہو:

شہید، جس کی تفصیل آئے گی، کو نہ غسل دیا جائے نہ کفن پہنایا جائے اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، اس کو اس کے اسی لباس میں دفن کر دیا جائے البتہ ہتھیار اتار دیے جائیں۔ یہ جمہور کی رائے ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک غسل نہ دیا جائے لیکن نماز جنازہ پڑھی جائے۔ غسل نہ دینے کے بارے میں شہداء احد کے بارے میں ارشاد نبوی دلیل ہے کہ آپؐ نے فرمایا: انہیں غسل نہ دو، ان کے زخموں سے قیامت کے روز خون کی جگہ مشک کی خوشبو پھوٹ رہی ہوگی اور ان پر نماز بھی نہ پڑھو۔(۶۱)

۵۔ کیا میت کو وضو کرایا جائے؟

ائمہ مذاہب کا اتفاق ہے کہ میت اگر بچے کی نہ ہو تو اسے زندہ آدمی کی طرح وضو کرایا جائے لیکن پہلے بیری کے پتوں یا صابن سے نجاست اور میل کچیل دور کر لیا جائے اور میت کی شرم گاہ کو کپڑا لپیٹ کر دھو لیا جائے لیکن حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک کلی نہ کرائی جائے اور نہ ناک میں پانی ڈالا جائے کیوں کہ اس میں جرح ہے۔ جب منہ اور ناک میں پانی داخل ہو جائے گا تو پیٹ میں پہنچ کر نجاست کو حرکت دے گا۔ مالکیہ اور شافعیہ کے

نزدیک معمولی کلی کرادی جائے اور تھوڑا سا پانی ناک میں ڈالا جائے جب سر ٹیڑھا کیا گیا ہوتا کہ پانی اندر نہ جائے۔ اگر میت جنبی ہے یا حیض یا نفاس والی عورت ہے تو بالاتفاق کلی کرائی جائے اور ناک میں پانی ڈالا جائے تاکہ طہارت مکمل ہو سکے۔

غسل کا آغاز میت کو وضو کرانے سے کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواتین سے جو آپؐ کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں فرمایا: دائیں طرف سے شروع کرو اور وضو کی جگہوں سے آغاز کرو (۶۲) ام عطیہ کی حدیث میں ہے: جب تم پانی اور بیری کے پتوں سے نیچے سے دھو کر صاف کرلو تو نماز کے وضو کی طرح وضو کراؤ پھر غسل دو۔ (۶۳)

۶۔ غسل کی کیفیت، اس کی مقدار اور اس کے مستحبات:

میت کا غسل غسل جنابت کی طرح ہے، اس میں بدن سے نجاست کا ازالہ کرنے کے بعد ایک بار سارا بدن دھونا واجب ہے بشرطیکہ پانی پاک ہو، میت کو تختے پر رکھ دیا جائے۔ ناف سے گھٹنوں تک کا پردہ کرلیا جائے۔ پھر جمہور کے نزدیک اس کے کپڑے اتار کر اور شافعیہ کے نزدیک قمیص پہنے ہوئے غسل کا آغاز کیا جائے، غسل دینے والا ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر پہلے میت کی شرم گاہ دھوئے پھر وضو کرائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

پھر بیری کے پتوں یا خطمی کو کوٹ کر برتن میں تھوڑے پانی میں ملا کر تاکہ جھاگ آجائے سر اور داڑھی دھوئے اور میل دور کرنے کے لیے انہیں ملے پھر اوپر سے پاک پانی ڈال دے جو غسل کے درست ہونے کے لیے شرط ہے۔ اگر بیری کے پتے نہ ملیں تو صابن، اشنان یا شیمپو لگا کر ملے اور اوپر سے صفائی کے لیے پانی بہادے۔ منہ میں انگلی ڈال کر دانت صاف کرے لیکن منہ نہ کھولے اور ناخنوں کے نیچے سے میل صاف کرے۔

پھر میت کو بائیں پہلو پر لٹا کر پاؤں تک دایاں پہلو صابن وغیرہ سے دھو کر اوپر سے صاف پانی ڈال دے، پھر دائیں پہلو پر کر کے بایاں پہلو اسی طرح دھلائے، یہ پہلی بار

دھونا ہے جو واجب ہے۔

تین بار دھونا مستحب ہے، دوسری اور تیسری بار دھو کر کپڑے سے بدن صاف کر لے اور پاکیزہ مرکب عطر جس میں زعفران اور ورس شامل نہ ہو سر اور داڑھی پر لگادے اور سجدے کے مقامات پر کافور لگائے (٦٤) حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص حج یا عمرے کے احرام کے دوران فوت ہوجائے تو اسے بھی خوشبو لگائی جائے اور اس کا سر ڈھانپ دیا جائے کیوں کہ غسل کے عمومی حکم میں وہ بھی شامل ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر احرام کی حالت میں فوت ہو تو سر نہ ڈھانپا جائے اور خوشبو نہ لگائی جائے کیوں کہ ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس کی سواری سے گر کر گردن ٹوٹ گئی تھی اور مر گیا تھا، آپؐ نے فرمایا: اسے دو کپڑوں میں کفن دے دو، پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، نہ تو اس کا سر ڈھانپو اور نہ اسے خوشبو لگاؤ کیوں کہ یہ قیامت کے روز تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔(٦٥)

احرام والی میت احرام والے زندہ شخص کی طرح ہے کیوں کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا احرام باقی رہتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جس شخص نے احرام نہ باندھا ہوا ہو، اس کی میت کو تھوڑے سے کافور کے ساتھ ٹھنڈے خالص پانی سے غسل دیا جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے (٦٦) نیز ٹھنڈے پانی سے بدن کو قوت ملتی ہے اور اس سے کیڑے مکوڑے دور ہوجاتے ہیں لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ہو سکے تو پانی گرم کرلیا جائے کیوں کہ اس سے صفائی زیادہ ہوتی ہے۔ حنابلہ کے نزدیک حمام میں گرم پانی سے غسل دینے میں کوئی حرج نہیں اگر سردی کی وجہ سے گرم پانی کی ضرورت ہو یا اس کے بغیر میل کچیل صاف نہ ہوسکتا ہو، اگر ضرورت نہ ہو تو گرم پانی استعمال کرنا مکروہ ہے۔

طاق تعداد غسل دیا جائے، حدیث میں ہے:"اللہ طاق ہے اور طاق سے محبت کرتا ہے"(۶۷) وضو کا اعادہ نہ کرایا جائے لیکن اگر تین بار دھونے سے میت صاف نہ ہو تو سات بار تک دھلائیں اور اگر سات بار دھونے سے بھی صاف نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ جب تک میت صاف نہ ہو دھوتے رہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تین، پانچ یا سات بار دھونا اور اگر ضرورت سمجھو تو اس سے زیادہ بھی دھو سکتی ہو۔(۶۸)

کیا میت کے بالوں کو کنگھی کی جا سکتی ہے اور کیا بال اور ناخن تراشے جا سکتے ہیں (۶۹)

حنفیہ اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ میت کے بالوں کو کنگھی نہ کی جائے، نہ اس کے بال اور ناخن کاٹے جائیں، ہاں اگر ٹوٹے ہوئے ہوں تو الگ بات ہے، سر اور داڑھی کے بال بھی نہ تراشے جائیں کیوں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، یہ سب کام زینت کے لیے ہوتے ہیں اور میت زینت سے بے نیاز ہے، اس لیے یہ کام مکروہ ہیں، حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہیں، اگر کوئی بال یا ناخن کاٹ لیا تو کفن میں ساتھ رکھ دیں۔ یہی رائے سب سے بہتر ہے کیوں کہ میت کا جو کچھ بھی ہے اس کی پردہ پوشی کرنی چاہیے۔

شافعیہ کا جدید قول یہ ہے کہ میت کے سر اور داڑھی کے بالوں کو کھلے دندانوں والی کنگھی سے نرمی سے کنگھی کرنی چاہیے اور جو بال اکھڑ جائیں انہیں واپس وہیں رکھ دینا چاہیے۔ اظہر روایت یہ ہے کہ سر کے بال یا ناخن یا بغلوں کے یا گلے کے یا زیر ناف کے اور مونچھوں بال کاٹنا مکروہ ہے۔ کیوں کہ میت کے تمام اجزاء قابل احترام ہیں، اسلام میں کوئی بات اس سلسلے میں ثابت نہیں اس لیے یہ نئی بات ہے اور دین میں نئی باتیں پیدا کرنے کی مخالفت ہے۔ اگر میت کے ختنے نہ ہوئے ہوں تو ختنے بھی نہ کیے جائیں۔

حنابلہ کے ہاں امام احمد سے جو صحیح تر روایت منقول ہے وہ یہ ہے کہ اگر مرنے والا احرام میں نہیں تھا تو اگر اس کی مونچھیں یا ناخن بڑھ گئے ہیں تو کاٹ دیے جائیں، بغلوں

کے بال صاف کردیے جائیں، کیوں کہ اس میں صفائی ہے یہ کسی عضو کا کاٹنا نہیں ہے بلکہ میل کچیل دور کرنا ہے اور فطرت کی عام سنتوں کے حکم سے اس کی تائید ہوتی ہے اور مونچھوں کے بال، ناخن یا بغلوں کے بال جو کاٹے جائیں وہ میت کے کٹے ہوئے عضو کی طرح اس کے ساتھ رکھ کر دفن کردیے جائیں کیوں کہ امام احمد نے ام عطیہؓ سے روایت کی ہے کہ: میت کا سر دھویا جائے اور جو بال گر کر ہاتھوں پر لگ جائیں، انہیں دھو کر دوبارہ سر میں رکھ دیا جائے۔ نیز زندہ شخص کے لیے بھی بال اور ناخن دفن کرنا مستحب ہیں تو میت کے لیے بطریق اَولیٰ مستحب ہیں۔ میت کے بال اور ناخن جو کاٹے جائیں دوبارہ واپس میت کے ساتھ رکھ دینے کے دلیل ام عطیہؓ کا قول ہے کہ: ''اسے دھو کر واپس رکھ دو'' کیوں کہ یہ بھی میت کے باقی اعضاء کی طرح اس کے بدن کا حصہ ہیں۔

مالکیہ، حنفیہ اور باقی مذاہب میں عورت کی میت کی مینڈھیاں گوندھ لینا مستحب ہیں۔

روئی کا استعمال: حنفیہ کہتے ہیں کہ ظاہر روایات میں غسل کے دوران روئی کے استعمال کی کوئی روایت نہیں، البتہ زیلعی اور صاحب درمختار کی رائے یہ ہے کہ اگر میت کے چہرے پر اور بدن کے سوراخوں یعنی پیشاب پاخانے کے راستوں، کانوں، ناک اور منہ میں روئی رکھ دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے فقہائے مذاہب کے قول کے مطابق میت کے جسم کے سوراخوں میں روئی رکھنے میں کوئی حرج نہیں، تا کہ ان سے کوئی ناپاک چیز یا خون وغیرہ نہ نکلے۔ حنابلہ کے نزدیک میت کے سر پر روئی رکھ دینی چاہیے۔

غسل کے مستحبات کا خلاصہ:

غسل میں مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں:

۱۔ غسل کے شروع میں نجاست یا میل کچیل کو بیری کے پتوں یا صابن سے دور کر کے

اس طرح وضو کرادیا جائے جیسے زندہ آدمی وضو کرتا ہے۔

۲۔ میاں بیوی میں سے کوئی اگر دوسرے کو غسل دے رہا ہو تو ستر کو ڈھانپ دیا جائے۔

۳۔ ستر ڈھانپنے کے بعد جمہور کے نزدیک لباس اتار دیا جائے اور امام شافعی کے نزدیک قمیص وغیرہ کے ساتھ ہی غسل دیا جائے، غسل کی حالت میں میت کے ستر کو دیکھنے سے آنکھوں کو بچایا جائے تاکہ میت کے ستر یا کسی عیب پر نگاہ نہ پڑے اور بلاضرورت غسل دینے والا بھی میت کو نہ دیکھے کیوں کہ اس کے اکرام کا تقاضا یہ ہے کہ اب اس کا سارا بدن ستر ہو گیا ہے۔

۴۔ غسل میں بیری کے پتے یا صابن استعمال کیا جائے اور آخری بار دھونے میں کافور استعمال کیا جائے، شافعیہ کے نزدیک ہر بار کے پانی میں کافور کی تھوڑی مقدار شامل کی جائے، اور کافور میسر نہ ہو تو خالص ٹھنڈا پانی یا ضرورت ہو تو گرم پانی استعمال کیا جائے۔

۵۔ طاق تعداد میں سارا بدن دھلانا، یعنی تین، پانچ یا سات بار سارا بدن دھلانا، لیکن بار بار بدن دھلاتے ہوئے وضو بار بار نہ کرایا جائے۔ مستحب یہ ہے کہ بدن تین بار دھلایا جائے، ایک بار دھلانا واجب ہے، اور تین بار دھلانے کے بعد میت کی شرم گاہوں سے یا اور کسی راستے سے نجاست وغیرہ نکلے تو حنابلہ کے نزدیک دوبارہ وضو اور غسل کرایا جائے، دوسرے فقہاء کے نزدیک صرف نجاست صاف کردی جائے۔

۶۔ غسل دیتے ہوئے نرمی سے پیٹ پہ ہاتھ پھیرنا تاکہ پیٹ میں موجود نجاست باہر نکل جائے۔

۷۔ شرم گاہ دھلاتے وقت بہت پانی ڈالنا تاکہ نجاست دور ہو جائے اور بدبو کم ہو جائے۔ کیوں کہ عام طور پر مردوں کے بدن سے نجاست نکلتی رہتی ہے، پھر کپڑے سے بدن خشک کرلیا جائے تاکہ کفن نہ بھیگ جائے۔

۸۔ زیر ناف شرم گاہ دھلاتے وقت غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لے اور

مستحب یہ ہے کہ سارا بدن کپڑا لپیٹ کر دھلائے۔

۹۔ کلی کرائے اور ناک صاف کراتے وقت، مالکیہ اور شافعیہ کی رائے میں صاف کپڑے کے ساتھ دانت اور ناک صاف کرے، حنابلہ کے نزدیک بھی دانت اور ناک تر کپڑے کے ساتھ صاف کرے، منہ اور ناک میں پانی نہ ڈالے اور ناخنوں کے نیچے سے میل بھی صاف کرے۔

۱۰۔ کلی کراتے ہوئے، ناک صاف کرتے ہوئے اور منہ ناک دھلاتے ہوئے سر کو آہستگی سے ایک طرف جھکادے تاکہ پیٹ میں پانی نہ جائے۔ کفن پہنانے سے پہلے پاک کپڑے سے میت کا بدن خشک کر لینا مستحب ہے۔

۱۱۔ غسل دینے والے کے ساتھ کوئی معاون اور مددگار موجود نہ ہو۔

۱۲۔ دائیں طرف سے غسل شروع کرے، پہلے دایاں پہلو دھلائے، پھر بایاں، میت کو بائیں پہلو پر لٹا کر گردن اور پیٹھ سے پاؤں تک دایاں پہلو دھلائے اور اسی طرح دائیں پہلو پر کر کے بایاں دھلائے اور ہر بار تین مرتبہ یا اس سے زائد جس قدر ضرورت ہو پانی ڈالے۔

۱۳۔ حنابلہ کے نزدیک مرد کی داڑھی اور عورت کے سر کو خضاب لگائے، خواہ بوڑھے کیوں نہ ہوں کیوں کہ حضرت انسؓ کا قول ہے: ''اپنے مُردوں کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرو جیسا تم دلہنوں کے ساتھ کرتے ہو''۔

۱۴۔ سر اور داڑھی پر حنوط (پاک اشیاء سے تیار شدہ عطر) لگائے اور سجدے کی جگہوں (پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں) پر کافور لگائے اس میں میت کا احترام ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خواہ میت احرام والی ہو یا بغیر احرام کے، اس کا سر ڈھانپ دیا جائے اور چارپائی کو تین بار خوشبو دار دھونی دی جائے تاکہ بدبو ختم ہو اور میت کا احترام ہو۔

دوسرا فرض: میت کو کفن پہنانا

کفن کا حکم، کفن پہنانا کس کے ذمے واجب ہے، کفن کی مقدار، اس کی صفت وکیفیت اور مستحب کفن کتنا ہے؟(۷۰)

ا۔ کفن پہنانے کا حکم، کفن دینا کس کی ذمہ داری ہے؟

میت کو کفن پہنانا مسلمانوں کی جماعت کی ذمہ داری ہے، کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں فوت ہونے والے کے بارے میں فرمایا: اسے اس کے دو کپڑوں میں کفن پہنا دو۔ (۷۱)

کفن دفن کے اخراجات، قبرستان تک پہنچانے کے اخراجات وغیرہ میت کے ترکے سے ادا کیے جائیں یعنی اس کے ایسے مال سے جس کے ساتھ کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو مثلاً رہن مال نہ ہو، کفن دفن کے اخراجات قرض اور وصیت پر مقدم ہیں۔ اگر میت کا اپنا مال نہ ہو تو زندگی میں جس کے ذمے اس کے اخراجات تھے، وہی کفن دفن کے اخراجات اٹھائے۔ حنفیہ کے نزدیک اور شافعیہ کی اصح روایت میں بیوی کی تجہیز وتکفین شوہر کے ذمے ہے کیوں کہ زندگی میں اس کے اخراجات شوہر کے ذمہ تھے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیوی کی تجہیز وتکفین شوہر کی ذمہ داری نہیں ہے کیوں کہ زندگی میں نان نفقہ بیوی سے متمتع ہونے کی وجہ سے واجب تھا، یہی وجہ ہے کہ اگر بیوی سرکش ہوجائے یا الگ ہوجائے تو نفقہ واجب نہیں رہتا، موت کے بعد تو متمتع ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے اب وہ اجنبی عورت کی طرح ہوگئی ہے۔ بلاشبہ پہلی رائے ہی قابل قبول ہے کیوں کہ زندگی اور موت کے باعث اس طرح کا فرق کرنا نامعقول بات ہے۔ رہی یہ بات سرکشی کی صورت میں نفقہ واجب نہیں رہتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے عورت کو حقوق زوجیت کی ادائیگی کے لیے آمادہ کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس کے ذمے میت کا نفقہ تھا تو اس کی تجہیز و تکفین کے اخراجات بیت المال سے ادا کیے جائیں، اگر بیت المال میں گنجائش ہو ورنہ باحیثیت مسلمانوں کی جماعت اخراجات ادا کرے۔

۲۔ کفن کیسا ہو، کفن کی مقدار اور اس کی کیفیت:

میت کو غسل دینے کے بعد اس طرح کے لباس میں کفن پہنایا جائے جو زندگی میں اس کے لیے پہننا جائز تھا(۷۲) جائز لباس میں کفن دینا کافی ہے۔ مرد کو ریشمی کفن پہنانا جائز نہیں۔ عورت کو جمہور کے نزدیک جائز ہے، حنابلہ کے نزدیک جائز نہیں۔ کفن کی شرط ہے کہ اس سے میت کے بدن کی جلد نہ جھلکتی ہو، بدن یوں نہ لگتا ہو کہ گویا اس پر پردہ نہیں اور کفن کا وجود اور عدم برابر ہو۔ نیز ضروری ہے کہ کفن پاک ہو، پاک کفن پہنانے کی قدرت ہو تو ناپاک کفن پہنانا جائز نہیں۔

حنابلہ کے نزدیک واجب ہے اور مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے کہ ایسے لباس میں کفن دیا جائے جو مرنے والا جمعہ اور عیدوں کے مواقع پر پہنتا تھا، اگر اس نے کوئی خاص وصیت نہ کی ہو، اگر وصیت کی ہو تو وصیت پر عمل کیا جائے، کیوں کہ شارع نے اچھا کفن پہنانے کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے کسی بھائی کو کفن پہنائے تو عمدہ کفن پہنائے (۷۳) کفن کی عمدگی حنابلہ کے نزدیک واجب ہے اور دوسرے فقہاء کے نزدیک مستحب۔

کفن کی کم از کم مقدار ایک کپڑا ہے جو سارے بدن کو ڈھانپ لے البتہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک احرام کی حالت میں مرنے والے کا سر نہ ڈھانپا جائے، اگر اس نے سرڈھانپنے کی وصیت کی ہو، تب بھی عمل نہ کیا جائے۔ کفن کے زیادہ سے زیادہ کپڑے سات ہیں۔ مرد کے لیے تین کپڑے افضل ہیں اور عورت کے لیے پانچ۔ مرد کے بارے

میں حضرت عائشہؓ کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین نئے سفید سحولی (۷۴) یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا، اس میں قمیص تھی نہ عمامہ، آپؐ کو اس کفن میں لپیٹ دیا گیا۔(۷۵)

عورت کے لیے زیادہ پردے کی ضرورت ہے، اس لیے اس کے کفن میں زیادہ کپڑے ہوں گے، نیز لیلیٰ ثقفیہ کی حدیث بھی یہی ہے۔ اس سلسلے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

حنفیہ کہتے ہیں کہ کفن کی تین قسمیں ہیں: کفن ضرورت، کفن کفایت اور کفن سنت، مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے یہی اقسام ہیں۔ بالعموم کم از کم کپڑے جن میں مرد کو کفن دیا جاتا ہے دو کپڑے ہیں اور سنت تین ہیں۔ عورت کے لیے کم از کم کفن تین کپڑے ہیں اور سنت پانچ ہیں۔

۱۔ **مرد اور عورت کا کفن ضرورت:** مجبوری یا بے بسی کی حالت میں جو میسر ہو۔ جس مقدار سے مکلفین کے ذمے سے کفن پہنانے کا فرض ساقط ہوجاتا ہے وہ کفن کی کم از کم مقدار ہے اور وہ اتنا ہے جو میت کے بدن کو ڈھانپ لے کیوں کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو انہیں ایک کپڑے میں کفن دیا گیا۔(۷۶)

۲۔ **کفن کفایت:** جو زندگی میں کم ازکم لباس ہو، وہ وفات کے بعد پہنا دیا جائے اور کفن کفایت مرد کے لیے دو کپڑے ہیں، ازار اور لفافہ، صحیح روایت کے مطابق اور عورت کے لیے دو کپڑے اور اوڑھنی، اس سے کم مکروہ ہے۔

مرد کے لیے یہ کفن کفایہ ہونے کی دلیل حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے کہ جب آپؓ کا آخری وقت آیا تو آپؓ نے فرمایا: میں جن دو کپڑوں میں نماز پڑھتا تھا انہیں کو دھو کر مجھے ان کا کفن دے دینا کیوں کہ انہوں نے کرم خوردہ ہوکر مٹی میں مل جانا ہے۔(۷۷)

نیز دو کپڑے زندہ مرد کا کم از کم لباس ہے۔

ازار، زندہ کے تہ بند سے مختلف ہے اور سر سے لے کر پاؤں تک ہے اور لفافہ بھی اسی طرح ہے، سر کے بالوں سے لے کر پاؤں تک ہے۔ ابن الہمامؒ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میت کے تہ بند کا زندہ کے تہ بند سے مختلف ہونے کے سنت ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ عورت کے لیے یہ ہے کہ اوڑھنی سے اس کا سر اور چہرہ ڈھانپ دیا جائے۔

۳۔ **کفن سنت :** جو مکمل ترین کفن ہے۔ مرد کے لیے تین کپڑے ہیں۔ ازار، قمیص اور لفافہ۔ قمیص گردن کی جڑ سے پاؤں تک ہوتی ہے البتہ اس کے پہلو میں بازوؤں کے لیے اضافی کپڑا نہیں ہوتا۔

عورت کے لیے پانچ کپڑے ہیں: ازار، قمیص، اوڑھنی، خرقہ جو عورت کے پستانوں پر اس طرح باندھا جائے کہ اس کا عرض پستان سے ناف تک ہو اور لفافہ۔

مرد کا کفن تین کپڑے اس لیے ہے کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا، ایک وہ قمیص جس میں آپ کا انتقال ہوا اور نجرانی حلہ، حلہ دو کپڑے ہوتے ہیں (۷۸) یہ حدیث حنفیہ اور مالکیہ کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قمیص پہنانا مستحب ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ قمیص مستحب نہیں ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: کفن میں نہ قمیص ہے نہ عمامہ۔

حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ میت کے لیے عمامہ نہیں ہے، عمامہ سے مراد وہ کپڑا ہے جو سر پر لپیٹا جائے، ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے، متاخرین نے علماء اور اشراف کے لیے عمامہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔

تین سے زائد پانچ تک کپڑے بڑھا دینے میں کوئی حرج نہیں۔

عورت کے کفن کے پانچ کپڑے ہونے کی دلیل لیلیٰ بنت قانف الثقفیہ کی حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثومؓ کی وفات ہوئی تو

انہیں پانچ کپڑوں میں کفن پہنایا گیا۔(۷۹)

مردوں کے لیے ریشمی کپڑے کا کفن، زرد یا زعفرانی رنگ کا کفن مکروہ ہے، ہاں اگر اور کوئی نہ ملے تو جائز ہے، عورتوں کے لیے ایسے کفن جائز ہیں۔

کفن پہنانے کا طریقہ: مرد کے لیے پہلے لفافہ پھیلا دیا جائے، اس کے اوپر ازار پھیلا دیا جائے اس پر قمیص، پھر میت پر پہلے ازار لپیٹا جائے، بائیں جانب سے لپیٹ کر میت پر ڈالا جائے، پھر دائیں جانب سے اٹھا کر بائیں جانب والے کپڑے پر رکھا جائے، جیسا کہ زندگی میں ہوتا ہے، پھر لفافہ۔

عورت کے لیے لفافہ اور ازار بچھا دیا جائے، پھر ازار پر میت رکھی جائے اور قمیص پہنا دی جائے، پھر اس کے بالوں کے دو حصے کر کے قمیص کے اوپر سینے پر رکھ دیے جائیں پھیر بالوں پر اوڑھنی ڈال دی جائے جو لفافہ کے نیچے ہو، پھر اوپر ازار اور لفافہ لپیٹ دیے جائیں، پھر کفن کے اوپر اور پاؤں کے اوپر کپڑا باندھ دیا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں: کفن کم از کم ایک کپڑا ہے اور زیادہ سے زیادہ سات، مستحب یہ ہے کہ کفن میں طاق کپڑے ہوں، دو اور چار کی بہ نسبت تین افضل ہیں۔ مرد کے لیے اتنا کفن واجب ہے جس سے اس کا ستر ڈھانپا جائے، باقی سنت ہے اور جو سنت سے زائد ہے وہ مستحب ہے، عورت کے لیے تمام بدن ڈھانپنا واجب ہے۔

مذہب مالکی میں مشہور رائے یہ ہے کہ مرد کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا افضل ہے۔ ازار، جو ناف سے گھٹنوں تک ہو، قمیص جس کی آستینیں بھی ہوں، عمامہ، دو لفافے، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث کا مقصد اباحت کا تعین ہے کپڑوں کی تعداد یا مقدار نہیں۔

افضل یہ ہے کہ عورت کو سات کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ دو لفافوں کا اضافہ کر کے لفافوں کی تعداد چار کر دی جائے کیوں کہ لیلیٰ ثقفیہ کی حدیث اباحت بیان کرنے کے لیے ہے تعداد کے تعین کے لیے نہیں، جیسا کہ مردوں کے بارے میں بھی یہی بات ہے۔

مستحب یہ ہے کہ عورت کے سر اور چہرے پر اوڑھنی لپیٹ دی جائے (۸۰) جو مرد کے عمامے کی جگہ ہوتی ہے۔ ایک ہاتھ کے برابر ایک کپڑا مرد کے چہرے پر رکھنا مستحب ہے۔ ریشمی اور اونی کپڑے میں کفن دینا مکروہ ہے(۸۱) اگر پاک کپڑا دست یاب ہوتو ناپاک کپڑے میں کفن دینا مکروہ ہے اور اگر دست یاب نہ ہوتو جائز ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں، عورت کا کم از کم کفن یہ ہے کہ ستر ڈھانپا جائے، جو مرد کا ناف سے گھٹنے تک ہے اور عورت کا چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ ہے۔ جہاں تک میت کے حق کا تعلق ہےتو سارے بدن کا ڈھانپنا واجب ہے، البتہ احرام باندھے ہوئے مرنے والے کا سر نہ ڈھانپا جائے اور احرام والی عورت کا چہرہ نہ ڈھانپا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کے احترام کا تقاضا یہی ہے اور اس کی وجہ سے بدن میں جو تبدیلیاں آتی ہیں ان پر پردہ پڑا رہتا ہے۔

مرد کو ریشمی کپڑے اور زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے کا کفن پہنانا حرام ہے جب کہ دوسرا کپڑا میسر ہو، عورت کو ایسا کفن پہنانا جائز ہے مگر مکروہ۔

افضل یہ ہے کہ مرد کو تین لفافے پہنائے جائیں، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے اور حنفیہ کی رائے بھی ہے۔ افضل یہ ہے کہ قمیص اور عمامہ نہ پہنائے جائیں، جیسا کہ روایت عائشہؓ کا تقاضا ہے۔ البتہ چوتھا اور پانچواں کپڑا پہنانا بلا کراہت جائز ہے اور وہ یہ کہ لفافوں کے نیچے قمیص اور عمامے کا اضافہ کرلیا جائے کیوں کہ ابن عمرؓ نے اپنے بیٹے کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا تھا، قمیص، عمامہ اور تین لفافے۔ (۸۲)

عورت اور ہیجڑے کے لیے افضل یہ ہے کہ پانچ لفافے ہوں۔ ازار، پھر قمیص، پھر اوڑھنی پھر دو لفافے، کیوں کہ عورت کا زیادہ پردہ مطلوب ہے۔ اس سے زائد کپڑے مکروہ ہیں اور کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے عمدہ اور سب سے کھلا لفافہ بچھا دیا جائے، اس کے اوپر دوسرا اور اس کے اوپر تیسرا، ہر ایک پر حنوط اور کافور رکھا جائے (۸۳)، اس

کے اوپر میت کو پشت کے بل لٹا دیا جائے اور اس پر بھی حنوط اور کافور لگایا جائے۔ اس کی سرین باندھ دی جائے اور پیٹ کے سوراخوں پر روئی رکھ دی جائے اور اس پر لفافے لپیٹ کر باندھ دیے جائیں۔ جب قبر میں رکھیں تو تمام بند کھول دیں۔ احرام والے مرد کی میت کو سلا ہوا کپڑا نہ پہنایا جائے اور نہ اس کا سر ڈھانپا جائے اور نہ احرام والی عورت کی میت کا چہرہ ڈھانپا جائے۔

حنابلہ کے نزدیک واجب کفن اتنا کپڑا ہے جس سے میت کا پورا بدن خواہ مرد ہو یا عورت ڈھانپ دیا جائے اور افضل یہ ہے کہ مرد کو تین سفید کپڑوں میں لپیٹا جائے جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے اور ان کے درمیان حنوط (خوشبو) رکھی جائے۔ کفن میں قمیص اور عمامہ شامل نہیں ہیں۔ تین کپڑوں پر اضافہ کیا جائے نہ کمی کی جائے، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں یہی ہے، دو کپڑوں میں کفن دینا جائز ہے کیوں کہ جو شخص حالت احرام میں اپنی سواری سے کچلا گیا اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے پانی اور بیری سے غسل دے دو اور دو کپڑوں میں دفن کردو(۸۴)۔ تین کپڑوں پر اضافہ کرنا مکروہ ہے کیوں کہ اس میں مال کا ضیاع ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

اس حدیث کی بنا پر احرام کی حالت میں مرنے والے کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا جائے اور خوشبو اس کے قریب نہ لے جائی جائے، اسے دو کپڑوں میں کفن دیا جائے، اس کا سر اور پاؤں نہ ڈھانپے جائیں۔

بچے کو ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردینا کافی ہے۔ اگر اسے تین کپڑوں میں کفن دیا گیا تو کوئی حرج نہیں۔ اگر مرد کے لیے اتنا کپڑا میسر نہ ہو کہ اس کا پورا بدن ڈھانپا جاسکے تو سر ڈھانپ دیا جائے اور پاؤں پر گھاس یا پتے ڈال دیے جائیں۔

افضل یہ ہے کہ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن پہنایا جائے، قمیص، ازار، لفافہ، سر اور چہرے کے لیے اوڑھنی اور پانچویں کپڑے سے اس کی دونوں رانیں باندھ دی جائیں،

کیوں کہ لیلیٰ ثقفیہؓ کی حدیث میں ایسا ہی ہے اور ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ازار، قمیص، اوڑھنی اور دو کپڑے دیے تھے۔

کفن پہنانے کی کیفیت: جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور معلوم بھی ہے کہ اوڑھنی سر پر رکھی جائے گی، ازار درمیان میں ہوگا، قمیص پہنائی جائے گی اور کفن کو خوشبو لگائی جائے گی، سب سے اوپر والے لفافے کے اوپر خوشبو نہ رکھی جائے، حضرت عمر، ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے اسے ناپسند کیا ہے۔ جو کپڑا میت کے اوپر ڈالا جاتا ہے اس میں بھی خوشبو نہ رکھی جائے کیوں کہ وہ کفن نہیں ہے۔

سجدوں کے اعضاء پر خوشبو لگائی جائے یعنی پیشانی، ناک، گھٹنوں اور پاؤں کی انگلیوں پر کیوں کہ یہ اعضاء سجدوں کے ساتھ مختص ہونے کے باعث قابل احترام ہیں۔ نیز جوڑوں پر بھی مثلاً گھٹنوں کے جوڑوں پر اور بغلوں کے نیچے اور ناف پر، کیوں کہ حضرت ابن عمرؓ میت کے بدن کے جوڑوں اور کہنیوں پر مشک لگایا کرتے تھے۔ سر اور داڑھی کو بھی خوشبو لگائے۔ آنکھوں کے اندر خوشبو نہ ڈالے کیوں کہ اس سے آنکھیں خراب ہوجاتی ہیں۔

سب سے اوپر والے لفافے کو بائیں جانب سے پلٹ کر میت کے اوپر دائیں جانب کرے اور دائیں جانب کو پلٹ کر بائیں جانب کیوں کہ بالعموم زندہ شخص اسی طرح قبا یا چادر وغیرہ اوڑھتا ہے پھر دوسرے اور تیسرے لفافے کو اسی طرح پلٹے۔ پاؤں کی بہ نسبت سر کی جانب زیادہ کفن کا زائد حصہ چھوڑ دے کیوں کہ سر کو زیادہ احترام حاصل ہے اس لیے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے اچھی طرح ڈھانپا جائے۔ چہرے اور پاؤں کی طرف سے زائد کفن ان کے اوپر ڈال دے تا کہ کفن بکھر نہ جائے اور لفافے کی طرح ہوجائے۔ اگر کفن بکھرنے اور نکلنے کا اندیشہ ہو تو اسے باندھ دے اور میت کو قبر میں رکھنے کے بعد کھول دے، کیوں کہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے: جب تم میت کو لحد میں رکھو تو گرہیں کھول دو۔(۸۵)

اگر میت کو ایسی قمیص میں کفن دیا گیا جس کی آستینیں اور پہلو ہیں تو ساتھ ازار اور لفافہ بھی پہنا دیا گیا تو بلا کراہت جائز ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو جب وہ مرگیا اپنی قمیص پہنا دی تھی(۸۶) قمیص کو بٹن نہ لگائے جائیں، ان کی ضرورت نہیں ہے۔

بلا ضرورت مرد اور عورت کسی کو بھی ریشمی کپڑے یا سونے چاندی کی کڑھائی والے کپڑے کا کفن پہنانا حرام ہے۔ ہاں اگر اور کوئی کپڑا دست یاب نہ ہو تو جائز ہے۔ عورت کے لیے ریشمی کپڑا اور سونا چاندی اس لیے حرام ہے کہ یہ چیزیں زندگی میں اس کے لیے مباح تھیں، جب وہ زیب وزینت اور شہوت کا محل تھی، موت نے یہ سب امور ختم کر دیے۔

۳۔ کفن کے مستحبات:

کفن کی صفات اور مقدار کے علاوہ جن کا ذکر مذکورہ بالا بحث میں کیا گیا ہے مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں:

۱۔ کفن سفید ہو، سوتی ہو تو زیادہ بہتر ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: سفید کپڑے پہنا کرو کیوں کہ یہ بہترین کپڑے ہیں اور ان میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔(۸۷)

۲۔ کفن کو عود وغیرہ کی طاق یعنی تین مرتبہ دھونی دی جائے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جب تم میت کو خوشبو کی دھونی دو تو تین بار دھونی دو۔(۸۸)

البتہ احرام والے کو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک خوشبو نہ لگائی جائے۔ کیوں کہ جس شخص کو اس کی سواری نے کچل دیا تھا اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دے دو اور اس کے دو کپڑوں میں اسے کفن پہنا دو، نہ تو اسے خوشبو لگاؤ اور نہ اس کے سر کو دھونی دو، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس طرح اٹھائے گا کہ تلبیہ کہہ رہا ہوگا۔(۸۹)

مالکیہ اور حنفیہ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک انفرادی واقعہ ہے عام حکم نہیں ہے۔ یہ اس شخص کے ساتھ مختص تھا۔ داؤدی نے امام مالک کی طرف سے یہ عذر پیش کیا ہے کہ انہیں یہ حدیث نہیں پہنچی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حدیث بہت واضح ہے کہ ''اسے خوشبو نہ لگائی جائے''۔ اس کی علت یہ ہے کہ وہ حج میں مصروف تھا اور یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو احرام کی حالت میں مرجائے۔ اور اصل یہ ہے کہ عہد نبوی میں جو حکم کسی ایک شخص کے لیے ثابت ہو وہ دوسروں کے لیے بھی ثابت ہوتا ہے الا یہ کہ تخصیص ثابت ہوجائے۔

کفن کے ہر لفافے کے اندر حنوط (خوشبو) رکھنا مستحب ہے اور بدن کے تمام سوراخوں یعنی آنکھ، ناک، منہ، کان اور پیشاب، پاخانے کے راستوں میں روئی رکھنا اور سجدہ کے اعضا (یعنی پیشانی، ہتھیلیاں، گھٹنے اور پاؤں کی انگلیاں) پر اور جوڑوں (یعنی بغلوں، گھٹنے کی نچلی جانب، گردن اور کانوں کے پیچھے) پر خوشبو لگانا مستحب ہے۔

۳۔ ایک کفن پر اضافہ کرنا۔ ایک سے دو افضل ہیں اگرچہ ایک طاق ہے کیوں کہ اس میں میت کی عزت افزائی اور پردہ ہے۔

۴۔ کفن کے کپڑے طاق ہوں، دو اور چار سے تین افضل ہیں۔

۵۔ کفن عمدہ ہو لیکن مہنگا نہ ہو، ارشاد نبوی ہے: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا ذمہ دار ہو تو اس کو کفن عمدہ پہنائے (۹۰)۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک کفن کے عمدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کفن ہو جو مستحب ہے، مثلاً ایسا شرعی لباس ہو جو جمعہ پر پہنتا تھا تاکہ عبادت کے مواقع پر پہنے جانے والے لباس سے برکت حاصل کی جائے۔

حنابلہ کے نزدیک کفن اس طرح کا لباس ہو جیسا کہ جمعہ اور عیدین پر پہنا جاتا ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عمدہ ہونے کا حکم دیا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک کفن خوبصورت اور کھلا ہو۔ خوبصورت ہونے سے مراد یہ ہے کہ

سفید ہو، صاف ستھرا ہو اور موٹا ہو، قیمت زیادہ نہ ہو، اس لیے کہ زیادہ قیمتی کفن کی ممانعت آئی ہے۔ نئے کپڑے کی بہ نسبت دھلا ہوا کپڑا افضل ہے کیوں کہ آخر اس نے بوسیدہ ہوجانا ہے اور سوتی کپڑا دوسرے کپڑے کی بہ نسبت افضل ہے۔

اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ کفن گراں قیمت نہ ہو، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے:
''کفن مہنگا نہ ہو کیوں کہ اس نے جلدی بوسیدہ ہوجانا ہے''۔ (۹۱)

تیسرا فرض: نماز جنازہ

اس کا حکم، نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ مستحق کون ہے؟ کئی جنازے اکٹھے ہونے کی کیفیت، اس کے ارکان، امام جنازے کے سامنے کہاں کھڑا ہو؟ مسبوق کا حکم، جنازے کی شرائط، کیفیت، سنن، اس کا وقت، دفن کے بعد نماز جنازہ، غائبانہ نماز جنازہ، مسجد یا قبرستان میں نماز جنازہ اور نومولود کی نماز جنازہ۔

ا۔ میت کی نماز جنازہ کا حکم:

اس امر پر اجماع ہے کہ شہید کے علاوہ ہر مسلمان میت کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جیسا کہ تجہیز و تکفین، غسل دینا اور دفن کرنا بھی فرض کفایہ ہے(۹۲) اگر کچھ لوگ یا ایک فرد بھی یہ فرض ادا کردے تو باقی لوگوں کی ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے۔ ایک ثلث مال میں وصیت کے حکم کی طرح یہ بھی اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ صحابہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت پیدا ہونے والے اور بچے کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا اور آپؐ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی۔(۹۳)

جب نماز جنازہ کا ارادہ کیا جائے تو آواز دی جائے ''میت کی نماز جنازہ''۔

حنفیہ کے نزدیک(۹۴) چار قسم کے افراد کے علاوہ ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا

فرض ہے:(۱) باغی (۲) ڈاکو جب کہ لڑائی میں مارے جائیں (۳) عصبیت کی وجہ سے مارے جانے والے (۴) رات کے وقت شہر میں کھلم کھلا اسلحہ یا پھندے لے کر دہشت پھیلانے والے۔

باغیوں سے مراد وہ مسلمان ہیں جو ناحق مسلمان حاکم کی اطاعت سے نکل جائیں، انہیں غسل دیا جائے نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے تاکہ ان کی اہانت ہو اور دوسرے لوگوں کو ان کے انجام سے عبرت ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ لڑائی کے دوران مارے جائیں اور اگر حاکم کے قبضے میں آجانے کے بعد قتل کیے جائیں تو انہیں غسل دیا جائے اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے کیوں کہ اس صورت میں ان کا قتل سیاستاً کیا گیا ہے تاکہ ان کی قوت ٹوٹ جائے۔ یہ قتل حد کے حکم میں ہے تاکہ اس کا فائدہ مسلم معاشرے کو ہو۔

ڈاکوؤں سے مراد مسلمانوں کی وہ جماعت ہے جو مسافروں کا مال چھیننے کے لیے نکلتے ہیں۔ انہیں نہ تو غسل دیا جائے اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے جیسا کہ باغی اگر لڑائی کے دوران مارے جائیں۔ اگر امام کے قبضے میں آجانے کے بعد ڈاکے کے ثبوت کی سزا میں قتل کیے جائیں تو انہیں غسل دیا جائے اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے کیوں کہ اس صورت میں ڈاکوؤں کا قتل حد یا قصاص کے طور پر ہے اور جو کوئی حد یا قصاص میں قتل کیا جائے اسے غسل دیا جاتا ہے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ ڈاکو حد ساقط ہونے کی صورت میں قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے مثلاً اگر اپنے کسی قریبی محرم عزیز کو لوٹ لے۔

اگر گرفتار ہونے سے پہلے یا بعد کوئی باغی یا ڈاکو اپنی موت مرجائے تو اس کا جنازہ پڑھا جائے گا۔

عصبیت والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ظلم پر تعاون کرتے ہیں اور اپنی قوم یا قبیلے کی وجہ سے غضب ناک ہوجاتے ہیں(۹۵) عصبیت کے نتیجے میں مرنے والوں کا وہی حکم

ہے جو باغیوں کا ہے، اسی تفصیل کے ساتھ۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کھڑے ہوکر دیکھتے ہیں، اس دوران انہیں کوئی پتھر وغیرہ آ لگتا ہے اور مرجاتے ہیں یا اس موقع سے منتشر ہوجانے کے بعد کوئی مرجائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

شہر میں اسلحہ یا پھندے لے کر کھلم کھلا گھومنے والے حنفیہ کے فتوے کی رو سے ڈاکو ہیں۔ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ ایسا اگر شہر میں مطلقاً رات کے وقت ہو یا دن میں اسلحہ لہرایا جائے یا بار پھندے ڈالے جائیں تو ایسے لوگوں کو سیاستاً قتل کردیا جائے تاکہ ان کا فتنہ وفساد ختم ہو کیوں کہ وہ فساد پھیلاتے ہیں۔ ان کا حکم وہی ہے جو ڈاکو اور باغی کا ہے کہ انہیں غسل دیا جائے نہ نماز جنازہ پڑھی جائے۔

اگر والدین میں سے کسی کے قاتل کو حاکم قصاص میں قتل کرادے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے تاکہ اس کی اہانت ہو اور اگر از خود مرجائے تو نماز جنازہ پڑھی جائے۔ جو دانستہ خودکشی کرلے، اسے غسل دیا جائے اور اس کی نماز پڑھی جائے، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک فتویٰ یہی ہے۔ اگرچہ خودکشی کسی دوسرے کو قتل کرنے سے بڑا گناہ ہے کیوں کہ ایسا شخص فاسق ہے لیکن زمین میں فساد پھیلانے والا نہیں، اس نے اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کی جیسا کہ تمام فاسق مسلمان اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

کچھ علماء مثلاً ابو یوسف اور ابن الہمام کی رائے یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیوں کہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے خودکشی کی تھی، آپؐ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔(۹۶)

مالکیہ کی رائے یہ ہے (۹۷) کہ جو شخص حد یا قصاص میں قتل کیا جائے امام اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائے دوسرے لوگ اس کا جنازہ پڑھ لیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعزؓ کا جنازہ نہیں پڑھا لیکن لوگوں کو جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا۔(۹۸)

مالکیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ارباب فضیلت کو بدعتیوں اور کھلم کھلا کبیرہ گناہوں کا

ارتکاب کرنے والوں کے جنازے میں شرکت سے اجتناب کرنا چاہیے، تاکہ ان کی طرح کے دوسرے لوگوں کو عبرت ہو۔

حنابلہ نے شہید اور ظلماً قتل ہونے والے شخص کی نماز جنازہ کو فرض قرار نہیں دیا، جب کہ حنفیہ کے علاوہ جمہور نے بھی شہید کی نماز جنازہ کو فرض قرار نہیں دیا، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے اور خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔(۹۹)

۲۔ نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ مستحق کون ہے؟

فقہاء کی اس سلسلے میں تین آراء ہیں:(۱۰۰)

پہلی رائے حنفیہ کی ہے: اگر حکمران یا اس کا نائب موجود ہوں تو اپنے اختیار و اقتدار کے باعث وہی امامت کے زیادہ مستحق ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کا امامت کرانا ان کی حق تلفی ہے۔ اگر وہ موجود نہ ہوں تو قاضی امامت کرائے کیوں کہ اسے اختیارات حاصل ہیں۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو محلے یا قبیلے کا امام کیوں کہ مرنے والا زندگی میں اس سے راضی تھا تو مرنے کے بعد بھی وہی اس کی نماز پڑھانے کا زیادہ مستحق ہے۔ پھر مرنے والے کے مکلّف مرد ولی کا استحقاق ہے اور اولیاء میں وہی ترتیب ہے جو نکاح کے اولیاء میں ہے البتہ باپ بیٹے کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہے۔ پھر جو قریبی ہو اور پھر جو اس کے بعد قریبی ہو جیسا کہ شادی میں اولیاء کی ترتیب ہے۔

جس کو امامت کا استحقاق حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو آگے کھڑا کرسکتا ہے۔ اگر میت نے کسی کے بارے میں وصیت کی ہو کہ فلاں شخص نماز جنازہ پڑھائے تو جو امامت کا حقدار ہو وہ اس کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہے اور اس ضمن میں وصیت باطل قرار پائے گی۔

اگر ولی، حاکم یا اس کے نائب کے علاوہ کسی اور نے نماز پڑھائی تو ولی کو دوبارہ نماز جنازہ کرانے کا اختیار ہے، اگر چاہے تو دفن کے بعد کیوں کہ یہ اس کا حق ہے اگرچہ نماز

جنازہ کا فرض ادا ہوگیا ہے۔ اگر ولی نے نماز پڑھ لی تو کسی دوسرے کو دوبارہ نماز جنازہ پڑھانے کا حق نہیں رہتا کیوں کہ فرض ادا ہوگیا اور نفل نماز جنازہ کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

اگر کسی کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کردیا گیا تو اس کی قبر پر نماز پڑھ لی جائے جب تک کہ یہ غالب گمان نہ ہو کہ میت کا بدن پھول پھٹ گیا ہوگا، اس کا تعلق حالات، موسم اور جگہ سے ہے۔

دوسری رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے: نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہے جس کے بارے میں مرنے والے نے وصیت کی ہو۔ کیوں کہ صحابہ کرام کا طرز عمل یہی رہا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں اور حضرت عمرؓ نے وصیت کی تھی کہ حضرت صہیبؓ ان کا جنازہ پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے سعید بن زیدؓ کے بارے میں وصیت کی تھی، اس کے بعد حکمران یا امیر کا حق ہے، اوپر مذکورہ حدیث کی رو سے کہ: کوئی شخص دوسرے کے دائرہ اختیار میں امامت نہ کرائے، پھر نکاح میں اولیاء کی ترتیب کے مطابق عصبات میں اولیاء جنازہ پڑھائیں، باپ دادا وغیرہ کا حق مقدم ہے اور پھر بیٹے پوتے کا، پھر جو قریب تر ہو اور پھر جو اس کے بعد قریب تر ہو۔ بھائی چچا پر مقدم ہے اور چچا بھتیجے پر۔

مالکیہ کے نزدیک بھائی اور بیٹا دادا کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہیں کیوں کہ ان کا تعلق اولاد ہونے کے اعتبار سے زیادہ قریبی ہے اور دادا باپ کی طرف سے قریب ہے۔ اگر کسی جنازے پر مرد نہ ہو تو عورتیں ایک ہی بار لیکن الگ الگ نماز جنازہ پڑھیں کیوں کہ مالکیہ کے نزدیک عورتوں کی امامت جائز نہیں ہے۔

صفوں کی ترتیب میں افضل افراد آگے کھڑے ہوں، پھر ان کے بعد کے لوگ، مرد عورتوں سے اور بڑے بچوں سے آگے کھڑے ہوں کیوں کہ انہیں دینی اعتبار سے امتیاز

حاصل ہے۔ اگر عمر میں سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی سے یا باہمی رضا مندی سے ترتیب قائم کرلی جائے۔ یہ مالکیہ کا قول ہے اور حنابلہ کہتے ہیں، جو فرض نمازوں کی امامت کرانے کے زیادہ حق دار ہیں انہیں آگے کھڑا کیا جائے کیوں کہ ارشاد نبوی عام ہے:

''کتاب اللہ کا زیادہ عالم لوگوں کو امامت کرائے''۔

تیسری رائے شافعیہ کا جدید قول ہے: حاکم کی بہ نسبت میت کا ولی امامت کا زیادہ مستحق ہے۔ اگر مرنے والے نے ولی کے علاوہ کسی اور کے لیے وصیت کی ہو تب بھی ولی کا استحقاق ہے، کیوں کہ نماز پڑھانا اس کا حق ہے اور جس طرح وارث کے حق میں وصیت باطل ہوجاتی ہے اس صورت میں بھی وصیت باطل ہوجائے گی۔ نیز نماز جنازہ کا اصل مقصد میت کے حق میں دعا کرنا ہے اور قریبی عزیز جس کو دکھ پہنچا ہو اور جس کا دل ٹوٹا ہو اس کی دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہے۔ رہی یہ بات کہ صحابہ نے اپنے بارے میں وصیت کی تھی تو وہ اس بنا پر تھی کہ ان کے اولیاء نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ باپ کا حق پہلے ہے، پھر دادا اور پردادا وغیرہ کا، پھر بیٹے اور پوتے وغیرہ کا، پھر بھائی کا، حقیقی بھائی، سوتیلے بھائی سے زیادہ حق دار ہے، پھر حقیقی بھتیجا، پھر صرف باپ کی طرف سے بھتیجا، پھر باقی نسبی عصبات اسی ترتیب سے جو وراثت میں ہے۔ حقیقی چچا، سوتیلے چچا پر اور حقیقی بھتیجا سوتیلے بھتیجے پر مقدم ہیں۔

اس کے بعد رحم کے توسط سے رشتہ داروں کا نمبر ہے، ان میں سے قریب تر، پھر قریب، مثلاً پہلے نانا پھر ماں کی طرف سے بھائی پھر ماموں پھر ماں کی طرف سے چچا۔

اگر ایک ہی درجے کے دو ولی ہوں مثلاً دو بیٹے یا دو بھائی اور دونوں امامت کے اہل ہوں تو جس کی اسلام میں زیادہ عمر ہو وہ زیادہ حق دار ہے، عادل فقیہ کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے۔

۳۔ کئی جنازے اکٹھے ہو جائیں تو؟

فقہی مذاہب کا اتفاق ہے(۱۰۱) کہ اکٹھے کئی جنازے ایک ہی بار پڑھانے جائز ہیں یعنی ایک ہی نماز جنازہ پڑھی جائے لیکن ہر ایک کی الگ الگ نماز جنازہ پڑھانا افضل ہے اور ان میں سے جو سب سے افضل ہو پہلے اس کی نماز پڑھی جائے اور پھر درجہ بدرجہ کیوں کہ الگ الگ عمل زیادہ بھی ہے اور اس میں قبولیت کی امید بھی زیادہ ہے۔

اگر بہت سے جنازے جمع ہو جائیں تو حنفیہ کے نزدیک انہیں عرض میں ایک قطار میں رکھ دیا جائے اور امام ان میں سے سب سے افضل کے بالمقابل کھڑا ہو یا انہیں طول میں آگے پیچھے رکھ دیا جائے اور امام ان کے بالمقابل اس طرح کھڑا ہو کہ امام کا چہرہ ہر ایک کے سینے کے برابر ہو۔

۴۔ نماز جنازہ کے ارکان، سنن اور کیفیت:

حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ کے دو رکن ہیں، مالکیہ کے نزدیک پانچ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سات۔

حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ کے دو رکن ہیں(۱۰۲) چار تکبیرات اور قیام۔ تکبیر اُولیٰ یا تکبیر تحریمہ رکن ہے شرط نہیں، اس لیے اس پر دوسری تکبیر کی بنا رکھنا جائز نہیں۔ کل تکبیریں چار ہیں، ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور چوتھی تکبیر کے بعد دو بار سلام پھیرنا واجب ہے، حنفیہ کے نزدیک ایک ہی چیز یعنی سلام واجب ہے۔ رکن دو ہیں، تکبیر اور قیام، جب کہ نیت شرط ہے رکن نہیں۔

سواری پر یا کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز جنازہ پڑھنا استحساناً جائز نہیں ہے۔

نماز جنازہ کی سنتیں: تین ہیں: تحمید و ثنا، دعا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، تحمید وثنا سے مراد پہلی تکبیر کے بعد **سبحانک اللھم وبحمدک** پڑھنا ہے، دوسری

تکبیر کے بعد درود اور تیسری کے بعد میت کے لیے دعا۔ مستحب یہ ہے کہ لوگ تین صفوں میں کھڑے ہوں کیوں کہ حدیث میں ہے: جس کسی پر تین صفیں نماز جنازہ پڑھیں اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ نمازی صرف پہلی تکبیر کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس کے بعد ثنا یعنی سبحانک اللھم پڑھے، پھر دوسری تکبیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ درود پڑھے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے اور دعا سے پہلے درود پڑھنا سنت ہے (۱۰۳) پھر تکبیر کہہ کر اپنے لیے، میت کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے، پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز جنازہ پڑھائی اس میں چار تکبیریں کہیں (۱۰۴)۔ اس لیے اس سے پہلے کی سنت منسوخ ہوگئی۔ چوتھی تکبیر کے بعد نماز ختم کرنے کا وقت آجاتا ہے اور وہ سلام کے ذریعے سے ختم ہوتی ہے۔ اس تکبیر کے بعد ظاہر روایت کے مطابق سلام کے علاوہ کوئی دعا نہیں ہے۔ بعض مشائخ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اس تکبیر کے بعد یوں کہے: ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار (پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا) (البقرہ، ۲:۲۰۱) ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذهديتنا...... الخ (اے ہمارے رب! جب تو نے ہمیں ہدایت دی، اس کے بعد ہمارے دلوں کو راہ راست سے بھٹکا نہ دے) (آل عمران ۳:۸)

نماز جنازہ میں قراءت اور تشہد نہیں ہے، اگر امام نے پانچویں تکبیر کہی تو اس کا ساتھ نہ دے بلکہ مقتدی کھڑا رہے تا آنکہ سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیر لے۔ نمازہ جنازہ میں کوئی دعا متعین نہیں ہے۔ تیسری تکبیر کے بعد کوئی ایسی دعا مانگنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو زیادہ بہتر ہے اور اس کی قبولیت کی امید زیادہ ہے، مثلاً: "اللھم اغفرله وارحمه، وعافه واعف عنه، واکرم نُزُله، ووسع مدخله،

واغسله بالماء والثلج والبرد، ونقّه من الخطايا كما ينقّى الثوب الابيض من الدنس، وابدله داراً خيرا من داره، واهلا خيراً من اهله (۱۰۵) وادخله الجنة، وقه فتنة القبر وعذاب النار (۱۰۶)

(اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما، اس کو عافیت میں رکھ اور اسے معاف فرما، اس کی پُر تکلّف ضیافت فرما، اس کی رہائش کو کشادہ کردے، اس کے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال جیسا کہ سفید کپڑے سے میل صاف کیا جاتا ہے، اسے اپنے گھر سے بہتر گھر، اپنے خاندان سے بہتر خاندان عطا فرما، اسے جنت میں داخل فرما، قبر کی آزمائش اور آگ کے عذاب سے بچا)۔

ماثور دعاؤں میں سے یہ بھی ہے: اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا(۱۰۷) وكبيرنا وذكرنا وانثانا، اللهم من احييته منا فاحيه على الاسلام، ومن توفيته منا، فتوفه على الايمان، اللهم لاتحرمنا اجره ولا تضلنابعده ۔(۱۰۸)

(اے اللہ! ہمارے زندوں، مردوں، موجود اور غائب، چھوٹے، بڑے، مردوں اور عورتوں سب کو بخش دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جسے تو نے زندہ رکھنا ہے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے موت دینی ہے اسے ایمان پر موت دے۔ اے اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ فرما اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کردینا)۔

دیوانے اور بچے کے لیے استغفار نہ کرے کیوں کہ ان کا کوئی گناہ نہیں ہوتا بلکہ دعا میں یوں کہے: اللهم اجعله لنا فرطا، واجعله لنا اجراً و ذخرا، واجعله لنا شافعاً و مشفعاً۔(۱۰۹)

(اے اللہ! اسے ہمارا پیش رو، ہمارے لیے باعث اجر اور ذخیرہ آخرت بنا، اسے ہمارا سفارشی بنادے اور اس کی سفارش قبول فرما)۔

مالکیہ کا مذہب (١١٠) یہ ہے کہ نماز جنازہ میں پانچ ارکان ہیں:

اوّل: نیت: یہ نیت ہو ایک یا زیادہ حاضر میتوں کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں۔ یہ معلوم ہونا شرط نہیں کہ میت مرد ہے یا عورت اور یہ یاد رکھنا بھی ضروری نہیں کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اور نہ اس میں مرد یا عورت ہونے کا یقین کرنا ضروری ہے کیوں کہ مقصد حاضر میت کے لیے دعا ہے۔

دوم: چار تکبیریں: چار سے زائد نہ کم، ہر تکبیر فی الجملہ ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔

اگر امام دانستہ یا نادانستہ چار سے زائد تکبیریں کہے تو مقتدی اس سے پہلے سلام پھیر دیں۔ امام اور مقتدیوں سب کی نماز درست ہو جائے گی کیوں کہ تکبیرات ہر اعتبار سے رکعات کی مانند نہیں ہیں۔ اگر مقتدی انتظار کریں اور امام کے ساتھ سلام پھیریں تب بھی نماز درست ہے۔

اگر امام چار سے کم تکبیریں کہہ کر سلام پھیرنے لگے تو تسبیح پڑھ کر اسے یاد دلائیں اگر وہ واپس لوٹ کر تکبیر کہے تو اس کے ساتھ تکبیر کہیں اور سلام پھیریں ورنہ اپنے طور پر تکبیر کہہ کر سلام پھیر لیں نماز درست ہو جائے گی۔

نماز جنازہ اس اعتبار سے دوسری نمازوں سے مختلف ہے کہ بعض اسلاف کی رائے یہ ہے کہ اس میں چار سے زائد تکبیریں ہیں اور بعض کی رائے میں چار سے کم۔

شیعہ امامیہ (١١١) کے نزدیک نماز میں پانچ تکبیریں ہیں اور ان کے درمیان چار دعائیں ہیں جو متعین نہیں ہیں۔ چار سے زائد تکبیروں کی دلیل حضرت حذیفہؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی پانچ تکبیریں کہیں اور پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں نہ تو بھولا ہوں اور نہ مجھے وہم ہوا بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی اور آپؐ نے پانچ تکبیریں کہی تھیں۔ (١١٢)

اہل سنت نے چار تکبیروں کو ترجیح دی ہے اور وجوہ ترجیح یہ ہیں: صحیحین میں یہی ہے، صحابہ کرامؓ کا اس عمل پر اجماع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہی تھا۔(۱۱۳)

سوم: تکبیروں کے درمیان جس قدر آسان ہو میت کے لیے دعا کی جائے خواہ اللھم اغفرلہ (اے اللہ! اسے بخش دے) ہی کہا جائے۔ اگر چاہے تو چوتھی تکبیر کے بعد دعا کرے اور چاہے تو نہ کرے اور سلام پھیر دے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ دعا کرنا واجب نہیں اور دردیر کی مختار روایت یہ ہے کہ اس تکبیر کے بعد دعا واجب ہے۔ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قراءت نہیں ہے لیکن اختلاف سے بچنے کے لیے تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔

اگر جنازے دو ہوں تو تثنیہ کا صیغہ استعمال کرے اور زیادہ ہوں تو جمع کا۔ تثنیہ کی صورت میں یوں کہے: اللھم انھما عبداک وابنا عبدیک وابنا امتیک کانا یشھدان۔ (اے اللہ! یہ دونوں تیرے بندے ہیں، تیرے بندوں کے بیٹے اور تیری بندیوں کے بیٹے، دونوں گواہی دیتے تھے) اور اگر زیادہ ہوں تو یوں کہے: اللھم انھم عبیدک وابناء عبیدک ابناء امائک کانوا یشھدون (اے اللہ! یہ سب تیرے بندے، تیرے بندوں کے بیٹے اور تیری بندیوں کے بیٹے ہیں، یہ گواہی دیتے تھے کہ) اگر مردوں اور عورتوں کے جنازے جمع ہوں تو مذکر کا صیغہ استعمال کیا جائے گا۔

میت کے لیے دعا کا شرعی حکم اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میت کی نماز پڑھو تو خالص اس کے لیے دعا کرو(۱۱۴) ہر تکبیر کے بعد امام اور مقتدی دعا کریں اور کم از کم یہ کہیں اللھم اغفرلہ (اے اللہ! اس کی مغفرت فرما) یا ارحمہ (اس پر رحم فرما) یا اس طرح کی کوئی دعا۔

سب سے عمدہ دعا وہ ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ اللہ کی ثنا اور حضور صلی

اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد یہ دعا کرے: اللھم انه عبدک وابن امتک کان یشھد ان لا اله الا الله وان محمداً عبدک و رسولک وانت اعلم به اللھم ان کان محسناً فزد فی احسانه وان کان مسیئاً فتجاوز عن سیئاته، اللھم لاتحرمنا اجره ولا تفتنا بعده (۱۱۵)۔ (اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کا بیٹا، تیری کنیز کا بیٹا، یہ گواہی دیتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! اگر یہ نیکو کار تھا تو اس کی نیکیاں بڑھا دے، اگر گناہ گار تھا تو اس کے گناہوں سے درگزر فرما، ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ فرما اور اس کے بعد ہمیں کسی آزمائش میں مبتلا نہ فرما)۔

اگر عورت ہے تو یوں کہے: اللھم انھا امتک وبنت عبدک وبنت امتک (اے اللہ! یہ تیری کنیز ہے، تیرے بندے کی بیٹی اور تیری بندی کی بیٹی)۔ اگر لڑکا ہے تو یوں کہے:

اللھم انه عبدک ابن عبدک انت خلقته، ورزقته وانت امته وانت تحییه، اللھم اجعله لوالدیه سلفا وذخرا وفرطا(۱۱۶) واجرا، وثقل به موازینھما، واعظم به اجورھما، ولا تفتنا وایاھما بعده، اللھم الحقه بصالح سلف المومنین فی کفالة ابراھیم، وابدله داراً خیرا من داره واھلا خیرا من اھله، وعافه من فتنة القبر وعذاب جھنم.

(اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے، تیرے بندے کا بیٹا، اسے تو نے پیدا کیا، رزق دیا، تو نے اسے موت دے دی، تو ہی اسے زندہ کرے گا۔ اے اللہ! اسے اپنے والدین کے لیے پیش رو، ذخیرہ آخرت، زاد راہ اور باعث اجر وثواب بنا، ان دونوں کے نامہ اعمال کو اس سے بھاری کر دے، ان کو اس کے ذریعے اجر عظیم عطا فرما، ہمیں اور انہیں اس کے بعد کسی آزمائش میں مبتلا نہ فرما۔ اے اللہ! اسے ابراہیمؑ کی زیرِ کفالت نیکو کار مومنوں کے پیش رو

گروہ سے ملادے اور اسے اس کے گھر سے بہتر گھر اور اس کے خاندان سے عمدہ خاندان عطا فرما اور اسے قبر کی آزمائش اور جہنم کے عذاب سے بچا)۔

چہارم: ایک سلام، امام اتنی بلند آواز سے کہے جتنی آواز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے، مقتدی سلام آہستہ کہے۔

پنجم: نماز کھڑے ہوکر پڑھنے پر قادر ہے تو کھڑے ہونا، اگر قادر نہیں تو کھڑے ہونا رکن نہیں ہے۔

نماز جنازہ کے مستحبات

۱۔ صرف پہلی تکبیر کے وقت دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانا۔

۲۔ دعا کا آغاز اللہ کی حمد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر کرنا مثلاً یوں کہے: الحمد لله الذی أمات وأحیا، والحمد لله الذی یحي الموتی وهو علی کل شئ قدیر، اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت وبارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم فی العلمین انک حمید مجید (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو مارتا اور زندہ کرتا ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت بھیج اور محمدؐ اور آل محمدؐ پر برکت نازل فرما جیسا کہ تو نے رحمت اور برکت فرمائی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر، سب جہانوں میں، بے شک تو ہی لائق ستائش اور عزت والا ہے۔

۳۔ دعا آہستہ مانگے۔

۴۔ اگر میت مرد کی ہو تو امام میت کے درمیان کے سامنے کھڑا ہو اور اگر عورت یا ہیجڑے کی ہو تو اس کے کندھوں کے برابر کھڑا ہو، میت کا سر امام کی دائیں جانب ہو البتہ

روضہ مطہرہ میں میت کا سر امام کی بائیں جانب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی جانب ہو ورنہ بے ادبی ہوگی۔

ان کی دلیل حضرت سمرہؓ کی حدیث ہے کہ ایک عورت نفاس کی حالت میں فوت ہوگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز پڑھائی تو آپؐ درمیان میں کھڑے ہوئے (۱۱۷) حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ مصنف یعنی امام بخاری نے اس عنوان سے اشارہ کیا ہے کہ مرد اور عورت میں اس سلسلے میں کوئی فرق نہیں اور ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت انسؓ سے جو روایت کی ہے ضعیف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کی نماز جنازہ پڑھائی تو اس کے سر کے پاس کھڑے ہوئے اور ایک عورت کی نماز پڑھائی اور اس کے زیریں حصہ کے برابر کھڑے ہوئے۔

مشہور روایت کے مطابق نماز کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے، الحمدللہ اور درود ابراہیمی سے ابتدا کرے، پھر میت کے لیے دعا کرے، ہر تکبیر کے بعد ایسا ہی کرے، پھر چوتھی تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھے. اللھم اغفرلحینا ومیتنا وحاضرنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وأنثانا، انک تعلم متقلبنا ومثوانا ولوالدینا ولمن سبقنا بالایمان وللمسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات، الأحیاء منھم والاموات اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الایمان ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الاسلام، واسعدنا بلقائک وطیبنا للموت وطیبہ لنا، واجعل فیہ راحتنا ومسرتنا.

(اے اللہ! ہمارے زندوں، مردوں، حاضر، غائب، چھوٹوں بڑوں، مردوں اور عورتوں سب کو بخش دے، تو ہمارے پلٹنے کی جگہ اور ٹھکانے کو جانتا ہے، ہمارے والدین کو اور جو لوگ ہم سے پہلے ایمان لائے اور مسلمان مردوں عورتوں کو، مومن مردوں اور عورتوں کو، جو زندہ ہیں اور جو فوت ہوگئے سب کو بخش دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جسے تو نے زندہ رکھنا

ہے اسے ایمان پر زندہ رکھ اور اسے موت دینی ہے اسے اسلام پر موت دے، اپنی ملاقات سے ہمیں سرفراز فرما، موت کو ہمارے لیے اور ہمیں موت کے لیے خوش کن بنادے اور موت میں ہمارے لیے راحت اور خوشی کا سامان رکھ دے) پھر سلام پھیر دے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں(۱۱۸) نماز جنازہ کے سات ارکان ہیں، البتہ حنابلہ کے نزدیک نیت شرط ہے رکن نہیں جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک۔

۱۔ تمام نمازوں کی طرح جنازے کی نیت کرنا کیوں کہ ارشاد نبوی ہے:''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے''۔نیت کا طریقہ یہ ہے کہ نیت کرے کہ اس میت کی یا اگر زیادہ ہوں تو ان میتوں کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں، مطلق فرض کی نیت کافی ہے، میت کی تعیین واجب نہیں۔ اگر میت کی تعیین کردی بعد میں معلوم ہوا کہ غلط تعیین کی تھی تو شافعیہ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی۔

ہاتھ اٹھا کر یا تکبیر سے فارغ ہوکر دونوں ہاتھ باندھ لے اور دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے۔ حنابلہ کے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور شافعیہ کے نزدیک ناف اور سینے کے درمیان۔ سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھے اور ثنا نہ پڑھے کیوں کہ یہ نماز ایسی ہے جو مختصر ہونی چاہیے، اسی لیے اس میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔

۲۔ تکبیر تحریمہ سمیت چار تکبیریں کہے کیوں کہ صحیحین میں حضرت انسؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے پر چار تکبیریں کہیں، صحیح مسلم میں ہے کہ نجاشی کا جس دن انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وفات کی خبر دی، پھر جنازہ گاہ میں تشریف لے گئے اور چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی، مسلم میں ابن عباسؓ سے ایک اور روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہیں۔(۱۱۹)

نیز آپ کا ارشاد ہے: ”جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اس طرح نماز پڑھو“ اگر امام پانچویں تکبیر کہہ دے تو نماز باطل نہیں ہوتی، شافعیہ کی صحیح تر روایت یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ پانچویں تکبیر نہ کہے بلکہ سلام پھیر دے یا انتظار کرے اور امام کے ساتھ سلام پھیرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر امام پانچویں تکبیر کہے تو مقتدی بھی پانچویں تکبیر کہے لیکن سات تکبیروں سے زائد کہنا اور چار سے کم کہنا جائز نہیں۔ افضل یہ ہے کہ چار تکبیروں پر اضافہ نہ کرے تاکہ فقہاء کے اختلاف سے بچ سکے۔

۳۔ پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا، جیسا کہ دوسری نمازوں میں پڑھی جاتی ہے، نیز بخاری وغیرہ کی روایت سے بھی ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور یہ کہتے کہ ”جان لو یہ سنت ہے“۔

سورہ فاتحہ پڑھنے کا موقع پہلی تکبیر کے بعد ہے، جیسا کہ بیہقی کی روایت ہے۔ شافعیہ کے نزدیک مستند روایت یہ ہے کہ اگر پہلی تکبیر کے بجائے دوسری، تیسری یا چوتھی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھ لی تب بھی درست ہے۔

۴۔ دوسری تکبیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا (یعنی درود ابراہیمی) کیوں کہ اسلاف کا طریقہ یہی رہا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب نہیں، حنابلہ کے نزدیک واجب ہے، جیسا کہ تشہد میں ہے، اس پر کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔

۵۔ تیسری تکبیر کے بعد بطور خاص میت کے لیے دعا کی جائے کیوں کہ نماز جنازہ کا اصل مقصد یہی ہے، اس سے پہلے کی دعائیں تمہید ہیں، کیوں کہ حدیث میں ہے: جب میت پر نماز پڑھو تو بطور خاص اس کے لیے دعا کرو، کم از کم یوں کہو ”اللھم ارحمہ، اللھم اغفرلہ“ (اے اللہ! اس پر رحم کر، اے اللہ! اس کی مغفرت فرما) پوری دعا آگے

آرہی ہے۔ صرف اہل ایمان مرد اور عورتوں کے لیے دعا کرنا کافی نہیں۔ تیسری تکبیر کے بعد دعا کرنا واجب ہے، اس میں اتباع سنت ہے، چوتھی کے بعد واجب نہیں۔

۶۔ تکبیروں کے بعد سلام کہنا۔ دوسری نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی دو سلام ہیں اسی کیفیت اور تعداد میں۔ بیہقی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کا سلام اسی طرح پھیرتے تھے جیسا کہ دوسری نمازوں کا۔

۷۔ اگر کھڑے ہونے کی طاقت ہو تو کھڑے ہوکر نماز پڑھے جیسا کہ دوسری فرض نمازوں میں ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ سواری پر بیٹھے بیٹھے نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں کیوں کہ اس سے قیام جاتا رہتا ہے جو واجب ہے۔

نماز جنازہ کی سنتیں: تکبیروں میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے اور شافعیہ کے نزدیک سینے کے نیچے اور حنابلہ کے نزدیک ناف کے نیچے باندھ لے۔

آہستہ قراءت کرے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صحیح تر یہ ہے کہ ثنا نہ پڑھے بلکہ مستحب یہ ہے کہ اعوذباللہ پڑھے اور سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہے، نماز جنازہ میں صفیں سیدھی رکھی جائیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے صفیں درست کروائیں۔ شافعیہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ درود پڑھنے سے پہلے الحمد پڑھے اور درود کے بعد اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کرے اور دوسرا سلام بھی پھیرا جائے۔ حنابلہ نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب تک جنازہ اٹھا نہ لیا جائے نمازی اپنی جگہوں پر کھڑے رہیں، جیسا کہ ابن عمرؓ اور مجاہد سے روایت ہے۔ دونوں مذاہب میں مستحب یہ ہے کہ تین صفیں ہوں، کیوں کہ حدیث میں ہے، جس کی پر تین صفیں نماز جنازہ پڑھیں اس کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے۔(۱۲۰)

فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز جنازہ کی جماعت مسنون ہے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے: ''جس مسلمان کی میت پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز جنازہ پڑھیں اس کے لیے جنت

واجب ہوجاتی ہے“(۱۲۱) اکیلے اکیلے نماز جنازہ پڑھنا بھی جائز ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو لوگوں نے گروہ درگروہ نماز پڑھی۔

نماز کی کیفیت : پہلی تکبیر کے بعد صرف سورہ فاتحہ پڑھے، اس کے ساتھ کوئی سورت نہ ملائے، سورہ فاتحہ آہستہ پڑھی جائے خواہ نماز جنازہ رات کے وقت پڑھی جارہی ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہی تھا(۱۲۲) جیسا کہ اوپر گزر گیا۔ دوسری تکبیر کے بعد آہستہ درود شریف پڑھے۔ جیسا کہ امام شافعی اور اثرم نے اپنی اپنی اسناد سے ابوامامہ بن سہل سے روایت کی ہے کہ انہیں صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے بتایا کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر پہلی تکبیر کے بعد آہستہ آواز میں سورہ فاتحہ پڑھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، پھر میت کے لیے بطور خاص دعا کرے، پھر سلام پھیرے۔(۱۲۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی درود پڑھا جائے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے۔ جب آپؐ سے درود کے بارے میں پوچھا گیا کہ ہم آپؐ پر کیسے درود بھیجیں؟ تو آپؐ نے یہی سکھایا۔ جو درود تشہد ہے اس پر اضافہ نہ کرے۔

تیسری تکبیر کے بعد جتنی عمدہ دعا کرسکتا ہے، آہستہ میت کے لیے دعا کرے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے: جب تم میت کی نماز پڑھو تو اس کے لیے بطور خاص دعا کرو، کوئی دعا مقرر نہیں ہے۔ سنت یہ ہے کہ کوئی مسنون دعا مثلاً اللھم اغفرلحینا ومیتنا الخ اور اللھم اغفرله ورحمه الخ پڑھے، جن دعاؤں کا ذکر حنفیہ کے مذہب کے زیر عنوان آیا ہے۔ اور یہ دعا پڑھے:

اللھم ھذا عبدک وابن عبدک، خرج من روح الدنیا وسعتھا، ومحبوبه واحباؤه فیھا، الی ظلمة القبر وما ھو لا قیه، کان یشھد ان لااله الاالله وان محمداً عبدک ورسولک وانت اعلم به، اللھم انه نزل بک، وانت خیر

منزول بہ، واصبح فقیرا الی رحمتک، وانت غنی عن عذابه، وقد جئناک راغبین الیک شفعاء له، اللهم ان کان محسناً فزد فی احسانه، وان کان مسیئاً فتجاوز عن سیئاته، ولقه برحمتک رضاک وقه فتنة القبر وعذابه، وافسح له قبره، وجاف الارض عن جنبیه ولقه برحمتک الأمن من عذابک، حتی تبعثه الی جنتک یا ارحم الراحمین۔(۱۲۴)

اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کا بیٹا، دنیا کی رونق، وسعت اور محبوب چیزوں سے نکل کر قبر کی تاریکی میں آ گیا ہے، اس کے دوست دنیا میں ہیں، اور یہ قبر سے مل رہا ہے، اس بات کی گواہی دیتا رہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں، تو اس بات سے خوب واقف ہے۔ اے اللہ! یہ تیرا مہمان ہے اور تو بہترین میزبان، تیری رحمت کا طلب گار ہے اور تو عذاب دینے سے بے نیاز، ہم تجھ سے امید باندھ کر اس کی سفارش کر رہے ہیں۔ اگر وہ نیک تھا تو اس کی نیکیوں میں اضافہ فرما، اگر گناہ گار تھا تو اس کے گناہ بخش دے۔ اس سے اپنی رحمت اور رضا مندی کی ملاقات فرما، اسے قبر کی آزمائش اور عذاب سے بچا، اس کی قبر کشادہ کر دے، زمین کو اس کے پہلوؤں سے دور ہٹا دے اور اسے ایسی رحمت سے نواز جس میں عذاب سے حفاظت ہو، تا آنکہ تو اسے اپنی جنت میں بھیج دے، اے ارحم الراحمین!)

بچے کی نماز جنازہ میں یوں کہے: اللھم اجعله فرطالابویه، وسلفا وذخرا، وعظة واعتباراً، وشفیعاً، وثقّل به موازینهما، وافرغ الصبر علی قلوبهما۔

(اے اللہ! اسے اس کے والدین کے لیے باعث اجروثواب، ذخیرہ آخرت، موجب عبرت ونصیحت اور سفارش بنادے، اس کے ذریعے ان کا نامہ اعمال بھاری کردے اور ان کے دلوں کو صبر عطا فرما) کیوں کہ یہی دعا مناسب حال ہے۔

شافعیہ کے نزدیک چوتھی تکبیر کے بعد یوں کہے: اللھم لاتحرمنا اجره ولا تفتنا

بعده واغفرلنا وله (اے اللہ! ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ کر اور اس کے بعد ہمیں آزمائش میں مبتلا نہ فرما اور ہمیں اور اسے معاف فرمادے)۔

مسنون یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد لمبی دعا کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے(۱۲۵) اور یہ آیت پڑھے: الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمدربهم ویومنون به (غافر۴۰:۷)(جو فرشتے عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو عرش کے آس پاس ہیں اللہ کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں)۔

حنابلہ کے نزدیک چوتھی تکبیر کے بعد تھوڑا سا وقفہ دے، کیوں کہ جوزجانی نے زید بن ارقمؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی تکبیر کے بعد تھوڑی دیر کے بعد وقفہ فرماتے اور میں حساب کرتا کہ یہ اتنی دیر ہے جس میں آخری صف کے لوگ بھی تکبیر کہہ لیتے تھے۔ نماز جنازہ کے بعد کوئی دعا نہیں ہے۔

خلاصہ: نماز جنازہ نیت سے شروع ہوتی ہے، چار تکبیرات پر مشتمل ہے، اس میں کھڑے ہوکر میت کے لیے دعا کی جاتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جاتا ہے اور فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور سلام پھیرا جاتا ہے البتہ نیت حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے رکن نہیں۔ جمہور کے نزدیک دعا کا موقع تیسری تکبیر کے بعد ہے اور مالکیہ کے نزدیک ہر تکبیر کے بعد حتیٰ کہ چوتھی کے بعد بھی میت کے لیے دعا کی جائے، حنفیہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مسنون ہے، مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک رکن ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سلام واجب ہے اور جمہور کے نزدیک رکن ہے، حنفیہ کے نزدیک قراءت کی نیت سے سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، دعا کی نیت سے جائز ہے، مالکیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے اور دوسرے دونوں ائمہ کے نزدیک رکن ہے۔ اگر امام چار سے زائد تکبیریں کہے تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مقتدی

تکبیروں میں شریک نہ ہو بلکہ انتظار کرے اور امام کے ساتھ سلام پھیرے، مالکیہ کے نزدیک انتظار کیے بغیر سلام پھیر لے اور حنابلہ کے نزدیک سات تکبیروں تک مقتدی امام کا ساتھ دے۔

پنجم: جنازے کے سامنے امام کے کھڑے ہونے کی جگہ:

امام جنازے کے سامنے کہاں کھڑا ہو، اس سلسلے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں:(۱۲۶)

حنفیہ کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ امام میت کے سینے کے برابر کھڑا ہو، جنازہ خواہ مرد کا ہو یا عورت کا، کیوں کہ سینہ ایمان کا مستقر ہے، سفارش ایمان کی وجہ سے ہوگی اور ابن مسعودؓ سے مروی روایت پر عمل کا تقاضا بھی یہی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ امام مرد کے جنازے کے درمیان اور عورت کے جنازے کے کندھوں کے برابر کھڑا ہو۔

شافعیہ کے نزدیک نمازی امام ہو خواہ اکیلا مرد کے جنازے کے سر کے برابر اور عورت کے جنازے کی سرین کے برابر کھڑا ہو، کیوں کہ سنت یہی ہے جیسا کہ ترمذی نے روایت بیان کی اور اسے حسن قرار دیا اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس میں عورت کے پردے میں مبالغہ ہے۔ مقتدی کو صف میں جہاں جگہ ملے کھڑا ہو جائے۔

حنابلہ کے نزدیک امام مرد کے جنازے کے سینے کے برابر اور عورت کے جنازے کے درمیان کے برابر کھڑا ہو۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آثار و روایات میں اختلاف ہے۔

سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کی نماز جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں ادا کی، جو نفاس کی حالت میں مرگئی تھی، آپؐ اس کے جنازہ کے درمیان کے برابر کھڑے ہوئے(۱۲۷) ابوغالب الحناط کہتے ہیں کہ میں نے

حضرت انس بن مالکؓ کے پیچھے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھی آپؐ اس کے سر کے برابر کھڑے ہوئے، جب اس کا جنازہ اٹھالیا گیا تو ایک عورت کا جنازہ لایا گیا، آپؐ نے اس کے درمیان کے برابر کھڑے ہوکر نماز پڑھائی ہمارے درمیان میں علاء بن زیاد علوی بھی موجود تھے، جب انہوں نے مرد اور عورت کے نماز جنازہ پڑھاتے وقت کھڑے ہونے کا اختلاف دیکھا تو کہنے لگے، اے ابوحمزہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرد کے جنازے پر اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں میں کھڑا ہوا اور عورت کے جنازے پر اس جگہ جہاں میں کھڑا ہوا۔ انہوں نے کہا، ہاں (۱۲۸) اور ابوداؤد میں روایت یوں آتی ہے کہ العلاء بن زیاد نے پوچھا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز جنازہ پڑھتے تھے جیسے آپ نے چار تکبیریں کہیں اور مرد کے سر کے برابر اور عورت کی سرین کے برابر کھڑے ہوئے، انہوں نے کہا، ہاں۔

جن علماء نے حضرت سمرہؓ کی حدیث سے استدلال کیا، کیوں کہ اس کی صحت پر اتفاق ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں مرد اور عورت برابر ہیں، کیوں کہ اصل یہ ہے کہ ان دونوں کا حکم ایک ہے، الا یہ کہ شریعت نے ان میں کوئی فرق کیا ہو۔

جن علماء نے ابو غالب کی حدیث کو صحیح قرار دیا وہ کہتے ہیں کہ اس میں حضرت سمرہؓ کی حدیث پر اضافہ ہے اس لیے اس پر عمل کریں گے اور ان دونوں میں ہرگز کوئی تعارض نہیں ہے۔

ششم: نماز جنازہ میں مسبوق (بعد میں شامل ہونے والے) کی کیفیت:

اس امر پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسبوق جہاں سے نماز جنازہ میں شامل ہو وہاں سے امام کے ساتھ نماز پڑھے اور جو رہ جائے اسے بعد میں مکمل کرے لیکن بعد میں مکمل کرنے کی کیفیت کے بارے میں تفصیلات ہیں۔ (۱۲۹)

حنفیہ کہتے ہیں کہ مسبوق تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شامل ہوجائے اور فوری طور پر

اور کوئی تکبیر نہ کہے بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے اور جب امام تکبیر کہے تو اس کے ساتھ تکبیر کہہ کر ثنا پڑھے کیوں کہ جنازے کی ہر تکبیر الگ رکعت کی طرح ہے، پھر امام کے فارغ ہونے کے بعد جو تکبیریں رہ گئی ہیں وہ موجود نمازی کی طرح لگاتار کہہ کر سلام پھیر دے اور اگر اس امر کا اندیشہ ہو کہ جنازہ اٹھا لیا جائے گا تو تکبیروں کے بعد دعا نہ پڑھے۔

اگر مسبوق چوتھی تکبیر کے بعد آیا تو اس کی نماز جنازہ جاتی رہی کیوں کہ اس کے بعد کوئی تکبیر نہیں ہے کہ وہ امام کے ساتھ تکبیر کہہ کر نماز میں شامل ہو سکے۔

مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ مسبوق تکبیر تحریمہ کہہ کر انتظار کرے تا آنکہ امام تکبیر کہے، اگر امام نے تکبیر کہی تو نماز صحیح ہو جائے گی، اکثر مشائخ کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں۔ پھر اگر جنازہ وہیں رکھا ہوا ہے تو مسبوق امام کے فارغ ہونے کے بعد تکبیریں کہہ کر دعا بھی کرے اور اگر جنازہ اٹھایا جا رہا ہے تو دعا کے بغیر ہی صرف تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دے۔ گویا مالکیہ مکمل طور پر حنفیہ سے ہم آہنگ ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک مسبوق تکبیر کہہ کر سورہ فاتحہ پڑھے خواہ امام پہلی تکبیر کے علاوہ کسی اور تکبیر میں ہو۔ اگر مقتدی کے سورہ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے امام نے تکبیر کہہ دی تو مقتدی سورہ فاتحہ چھوڑ دے اور امام کے ساتھ تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے، سورہ فاتحہ واجب نہیں رہی، جیسا کہ مسبوق کے شامل ہوتے ہی امام رکوع میں چلا جائے تو مسبوق بھی رکوع میں چلا جائے اور فاتحہ نہ پڑھے، اس کی ذمہ داری امام پر منتقل ہو جاتی ہے۔ جب امام سلام پھیرے تو مسبوق پر واجب ہے کہ بقیہ ماندہ تکبیریں تمام اذکار کے ساتھ مکمل کرے۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ جس کسی کی کوئی تکبیر رہ گئی وہ لگاتار ان تکبیروں کو قضا کرے لیکن اگر قضا نہ کیں اور امام کے ساتھ سلام پھیر لیا تو کوئی حرج نہیں نماز درست ہو گئی۔ یعنی مسبوق کے لیے مسنون یہ ہے کہ نماز جنازہ کا جو حصہ قضا ہو جائے اسے اسی طرح ادا کرے جیسے کہ قضا ہوا تھا، ابن عمرؓ کے قول پر عمل کا تقاضا یہی ہے اور اگر قضا نہ

کرے تو بھی درست ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نماز جنازہ پڑھتی ہوں اور کبھی کوئی تکبیر سن نہیں پاتی، آپؐ نے فرمایا، جو سن لو، اس پر تکبیر کہہ لو اور جو رہ جائے اس کی قضا نہیں ہے۔(۱۳۰)

اگر مسبوق کو اندیشہ ہو کہ جنازہ اٹھالیا جائے گا تو لگا تار تکبیریں کہہ لے، نہ تو قراءت کرے، نہ درود پڑھے اور نہ میت کے لیے دعا کرے، خواہ جنازہ اٹھا لیا گیا ہو یا نہ اٹھایا گیا ہو۔

جب جنازہ اٹھا لیا جائے تو کوئی بھی شخص نماز جنازہ پڑھنا چاہے اس کے لیے دوبارہ جنازہ نہ رکھا جائے تاکہ جلد از جلد دفن کیا جا سکے یعنی ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ہفتم : نماز جنازہ کی شرائط:

کسی آدمی کی طرف سے ادا کیے جانے والی نماز جنازہ کے درست ہونے کے لیے وہی شرائط ہیں جو نماز کے لیے ہیں (۱۳۱) مثلاً اسلام، عقل، تمیز و شعور، طہارت، ستر ڈھانپنا (حنابلہ کے نزدیک ایک کندھا بھی اس میں شامل ہے) طہارت یا بدن کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا، قبلہ رو ہونا اور نیت وغیرہ نماز جنازہ کی شرائط ہیں البتہ وقت کی شرط نہیں ہے۔ نماز جنازہ بھی دوسری نمازوں کی طرح ہے، اس لیے اس کی وہی شرائط ہیں البتہ وقت اور جماعت کی شرط نہیں ہے۔ وقت کوئی بھی ہو مقرر نہیں ہے اور جماعت شرط نہیں جیسا کہ فرض نماز میں، بلکہ مسنون ہے، کیوں کہ صحیح مسلم کی حدیث یہی ہے: ''جو مسلمان مرجائے اس کے جنازے پر چالیس ایسے لوگ کھڑے ہوں جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول کرے گا''۔ نماز جنازہ کا فرض ایک آدمی کے جنازہ پڑھنے سے ادا ہو جاتا ہے، کیوں کہ اس میں جماعت شرط نہیں ہے۔ اگر مرد موجود ہوں تو شافعیہ کی صحیح تر روایت یہ ہے کہ محض عورتوں کے نماز پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی کیوں کہ اس میں میت کی بے حرمتی ہے۔

صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اکیلے اکیلے نماز پڑھی (۱۳۲) جیسا کہ

بیہقی وغیرہ نے روایت کی، چوں کہ یہ واقعہ بہت بڑا تھا اور ہر کسی کی خواہش ہوتی کہ وہ نماز جنازہ پڑھائے اور ابھی تک کسی کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، اگر نماز جنازہ میں کوئی آگے کھڑا ہو جاتا تو ہر کام میں وہی مقدم ہوتا اور اس کو خلیفہ بنالیا جاتا۔

شافعیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ کوئی نمازی جنازے سے آگے نہ کھڑا ہو اور جب جنازہ پڑھا جارہا ہو تو قبر پر نہ کھڑا ہو، اس میں اسلاف کا اتباع ہے کیوں کہ میت امام کی طرح ہے۔ جس میت کی نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے اس میں مندرجہ ذیل امور کا پایا جانا شرط ہے۔(۱۳۳)

۱۔ میت مسلمان ہو، خواہ والدین کے مسلمان ہونے کے باعث تابع کے طور پر ہو یا دارالاسلام کی وجہ سے۔ کافر کی نماز جنازہ ہرگز جائز نہیں کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تصل علی احد منهم مات ابدا (التوبہ ۹:۸۴) کفار میں سے جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھی جائے) تمام مسلمانوں کی، خواہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوں یا کوئی زنا وغیرہ میں رجم کیا گیا ہو، نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

۲۔ اس کا پورا بدن یا بدن کا اکثر حصہ موجود ہو، یہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک شرط ہے، ایک عضو کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

۳۔ جنازہ موجود ہو اور قبلہ کی طرف سامنے زمین پر رکھا ہوا ہو، یہ حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، غائب کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اسی طرح اگر لاش جانور پر رکھی ہوئی ہے یا امام کے پیچھے ہے تو نماز جنازہ درست نہیں۔ میت کے موجود ہونے کے بارے میں مالکیہ حنفیہ سے ہم آہنگ ہیں۔

نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ جنازے کو امام کے سامنے رکھنا مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر

جنازہ کسی جانور پر لدا ہوا ہو یا لوگوں نے ہاتھ یا کندھوں پر اٹھا رکھا ہو تو بھی نماز جنازہ درست ہے۔

۴۔ نماز جنازہ سے پہلے معلوم ہو کہ وہ زندہ تھا، یہ جمہور کے نزدیک شرط ہے، حنابلہ کے نزدیک نہیں۔ نومولود یا حمل گرنے پر اسی وقت نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب وہ پیدائش کے بعد دودھ پیے یا حرکت کرے یا روئے چیخے، جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

۵۔ میت پاک ہو، میت کو غسل دینے یا تیمّم کرانے سے پہلے نماز جنازہ درست نہیں۔

۶۔ شہید نہ ہو۔ جو شخص معرکے میں مارا گیا وہ شہید ہے۔ یہ جمہور کے نزدیک شرط ہے کہ اسے غسل دیا جائے نہ کفن پہنایا جائے نہ نماز جنازہ پڑھی جائے بلکہ اسی لباس میں دفن کردیا جائے البتہ اس کا اسلحہ اتار لیا جائے، حنفیہ کے نزدیک شہید کو کفن پہنایا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے لیکن اسے غسل نہ دیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان معرکے کے علاوہ ظلماً قتل کیا گیا یا معرکہ سے زندہ اٹھالیا گیا تھا، بعد میں مرگیا تو مالکیہ کی مشہور روایت اور دوسرے فقہاء کے نزدیک اسے غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

جو شخص مسلمانوں کی باہمی لڑائی میں میدان جنگ میں مارا گیا تو مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اسے غسل دیا جائے اور نماز جنازہ پڑھی جائے، حنفیہ کہتے ہیں کہ نہ تو غسل دیا جائے اور نہ نماز جنازہ پڑھی جائے، حنابلہ کے نزدیک باغی کو غسل دیا جائے، کفن پہنایا جائے اور نماز جنازہ پڑھی جائے اور اہل عدل کو نہ غسل دیا جائے نہ کفن اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے کیوں کہ وہ مشرکین کے مقابلے میں شہید ہونے والوں کی طرح ہیں۔(۱۳۴)

ہشتم: نماز جنازہ کا وقت:

نمازوں کے اوقات کے زیر عنوان اس پر بحث گزر چکی ہے کہ کن اوقات میں نماز مکروہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔(۱۳۵)

حنفیہ کے نزدیک ان پانچ اوقات میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے جن میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے یعنی سورج کے طلوع وغروب کے وقت، عین دوپہر کے وقت، فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک۔

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ان تین اوقات میں نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے جن میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ طلوع اور غروب آفتاب کے وقت اور عین دوپہر کے وقت کیوں کہ عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اوقات میں ہمیں نماز پڑھنے سے اور اپنے مردے دفنانے سے منع فرمایا۔ دوسرے دو اوقات یعنی صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد۔ طلوع اور غروب آفتاب تک نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

شافعیہ کے نزدیک نماز جنازہ ہر وقت پڑھنا جائز ہے کیوں کہ یہ ایسی نماز ہے جو سبب سے وابستہ ہے اس لیے اسے ہر وقت ادا کرنا جائز ہے۔

میری رائے میں ضرورت اور حاجت کے وقت شافعیہ کی رائے کو ترجیح دی جائے بصورت دیگر دوسرے مذاہب کی رعایت کرتے ہوئے ممنوع اوقات میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

نہم: دفن کے بعد میت پر نماز جنازہ پڑھنا، اور دفن سے پہلے ایک سے زائد بار نماز جنازہ پڑھنا:

اگر پہلی بار نماز جنازہ باجماعت ادا کی گئی ہو تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر پہلی بار باجماعت نہ ادا کی گئی ہو تو دفن سے پہلے دوبارہ باجماعت نماز جنازہ پڑھنا مستحب ہے۔(۱۳۶)

شافعیہ اور حنابلہ نے اجازت دی ہے کہ جو لوگ پہلی بار نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکے ہوں وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، خواہ دفن کے بعد ہو(۱۳۷) بلکہ شافعیہ کے

نزدیک یہ سنت ہے اور کئی صحابہ نے ایسا کیا، ابن عباسؓ سے متفق علیہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تازہ بنی ہوئی قبر کے پاس گئے، لوگوں نے آپؐ کے پیچھے صفیں باندھ لیں اور آپؐ نے چار تکبیریں کہیں۔

اگر کسی شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو دفن کے بعد اس کی نماز پڑھنے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت کی قبر پر اس کی نماز جنازہ پڑھی (۱۳۸)۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں فقہاء کی عبارتیں نقل کردی جائیں تاکہ دفن کے بعد نماز کے جواز کی قیود کا علم ہوسکے۔

حنفیہ کہتے ہیں (۱۳۹) کہ اگر کسی کو جنازہ پڑھے بغیر دفن کردیا گیا تو استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے جب تک یہ غلبہ ظن ہو کہ اس کی لاش پھول کر پھٹ نہیں گئی ہوگی۔ لاش کے خراب ہونے کا تعلق جگہ، میت کی حالت اور وقت کے ساتھ ہے اور اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (۱۴۰) اگر نماز جنازہ پڑھے بغیر کسی کو دفن کردیا گیا تو اگر ابھی دفن سے فارغ نہیں ہوئے تو میت کو نکال کر جنازہ پڑھا جائے اور اگر دفن کرچکے ہیں تو جب تک لاش خراب نہ ہوگئی ہو قبر پر نماز جنازہ پڑھ لی جائے۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے (۱۴۱) کہ اگر نماز پڑھے بغیر کسی کو دفن کردیا گیا تو قبر پر نماز پڑھی جائے کیوں کہ قبر پر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اگر کسی کو غسل دیے بغیر یا قبلہ رو کے علاوہ کسی اور سمت میں دفن کردیا گیا تو اگر قبر کھودنے میں لاش خراب ہونے کا اندیشہ نہیں تو قبر کھود کر میت نکال کر غسل دے کر قبلہ رو کرکے دفن کیا جائے کیوں کہ یہ کام واجب ہیں اور اگر واجب کا ادا کرنا ممکن ہو تو اسے ادا کرنا ضروری ہوتا ہے اور اگر کسی خرابی کا اندیشہ ہو تو قبر نہ کھودی جائے کیوں کہ واجب کا ادا کرنا مشکل ہو تو واجب ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ زندہ شخص کا وضو کرنا یا نماز میں قبلہ رو ہونا۔

اگر میت کو قبر میں ڈال دیا گیا لیکن ابھی مٹی نہیں ڈالی گئی تو نکال کر نماز پڑھی جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (۱۴۲) اگر میت کو قبلہ رو کے علاوہ کسی اور سمت میں دفن کیا گیا یا نماز پڑھے بغیر دفن کردیا گیا تو قبر کھود کر اسے قبلہ رو کیا جائے تاکہ واجب ادا ہو اور اگر نماز نہیں پڑھی گئی، تو نماز پڑھی جائے کیوں کہ نماز کی شرط موجود ہے اور اگر کفن نہیں پہنایا گیا تھا تو کفن پہنایا جائے۔

نماز کے بارے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا کہ فلاں شخص مرگیا، آپؐ نے فرمایا، مجھے اس کی قبر بتاؤ، آپؐ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں نماز جنازہ پڑھی۔(۱۴۳)

لیکن اگر دفن ہوئے ایک مہینہ سے زائد گزر گیا ہو تو نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیوں کہ سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ ام سعد فوت ہوگئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھے، جب آپؐ تشریف لائے تو آپؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، ان کی وفات کو ایک مہینہ ہوگیا تھا۔(۱۴۴)

امام احمد کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مدت جو ہمیں معلوم ہوئی وہ یہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سعد کی قبر پر ایک ماہ بعد نماز پڑھی، یہ ایک ایسی مدت ہے کہ غالباً اتنا وقت میت خراب نہیں ہوتی ہوگی اس لیے اس وقت تک نماز پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ تین دن گزرنے سے پہلے یا غالب گمان ہو کہ ابھی لاش خراب نہیں ہوئی ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نماز نہ پڑھی جائے کیوں کہ آپؐ نے ایک ماہ کے بعد قبر پر نماز نہیں پڑھی۔(۱۴۵)

دہم: غائبانہ نماز جنازہ:

غائبانہ نماز جنازہ کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں:(۱۴۶)

حنفیہ اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ غائبانہ جنازہ جائز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے لیے غالباً دعائے مغفرت کی تھی یا یہ آپؐ کی خصوصیت تھی۔ اب غائبانہ نماز جنازہ مکروہ ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے، خواہ مسافت زیادہ نہ ہو اور جنازہ قبلہ کی سمت نہ ہو البتہ نمازیوں کو قبلہ رو ہونا چاہیے کیوں کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔ (۱۴۷)

حنابلہ کے نزدیک ایک ماہ تک غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے کیوں کہ قبر پر بھی ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، اس کے بعد لاش کے باقی رہنے کا کوئی علم نہیں ہوتا۔

یازدہم: نومولود کی نماز جنازہ:

حنابلہ کے نزدیک نومولود یا حمل گرجائے تو اس پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی (۱۴۸) بشرطیکہ حمل چار ماہ سے زائد کا ہو، اسے غسل بھی دیا جائے گا۔ حمل گرنے سے مراد یہ ہے کہ مردہ یا نامکمل بچہ پیدا ہو۔ اگر زندہ پیدا ہوا اور اس نے آواز نکالی تو بالاتفاق اسے غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

حنابلہ کی دلیل حدیث نبوی ہے کہ ''نامکمل بچے کی نماز پڑھی جائے اور وہ اپنے والدین کی مغفرت اور رحمت کا اللہ سے تقاضا کرے گا'' (۱۴۹) نسائی اور ترمذی کی روایت ہے'' بچے کی نماز جنازہ پڑھی جائے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بچے سے زیادہ نماز جنازہ کا مستحق کون ہے۔ نیز وہ ایک زندہ وجود ہے جس میں روح ہے اس

لیے اس کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جانی چاہیے جیسے اس بچے کی جو پیدا ہونے کے بعد روتا چیختا ہے کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ چار ماہ کے حمل میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

جمہور کی رائے (۱۵۰) یہ ہے کہ اگر نومولود کے زندگی کے آثار ہوں تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر نومولود روئے چیخے تو اس کا نام رکھا جائے، غسل دیا جائے اور اس کی نماز پڑھی جائے، رونے چیخنے سے مراد یہ ہے کہ پیدائش کے وقت آواز بلند کرے یا بچے کے اکثر حصے کے باہر نکل آنے پر اس میں زندگی کے آثار پائے گئے ہوں تو خواہ وہ بلند آواز نہ نکالے تب بھی اسے غسل دیا جائے اور نام رکھا جائے، ظاہر روایت کے خلاف صحیح تر اور مفتیٰ بہ روایت یہی ہے۔ اور عزت واحترام سے کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے لیکن اس کی نمازہ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

حنفیہ کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناتمام بچے کے بارے میں سنا کہ جب تک بچہ پیدائش کے بعد آواز نہ نکالے اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور اگر آواز نکالے تو جنازہ پڑھا جائے اور اس کی دیت پوری دی جائے اور وراثت تقسیم کی جائے اور اگر آواز نہ نکالے تو نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے نہ اس کی وراثت تقسیم کی جائے اور نہ اس کی دیت دی جائے (۱۵۱)۔ عقل سے مراد دیت ہے یعنی اس کی دیت نہیں، جو پچاس دینار ہوتے ہیں۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ ناتمام بچہ اگر پیدائش کے بعد آواز نکالے یا روئے تو وہ بڑے کی طرح ہے، اسے غسل دیا جائے، کفن پہنایا جائے، اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور اسے دفن کیا جائے کیوں کہ زندگی کے یقین کے بعد اس پر موت آئی ہے اور اگر اس نے آواز نہیں نکالی، نہ رویا تو اگر اس میں زندگی کے آثار تھے مثلاً دل کی دھڑکن تھی تو

اظہر روایت یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے کیوں کہ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زندگی کا احتمال تھا اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے اور اگر زندگی کے آثار نہ ہوں تو نماز جنازہ نہ پڑھی جائے خواہ وہ حمل چار ماہ کا ہو چکا ہے۔ اظہر روایت یہی ہے۔

ناتمام سے مراد وہ بچہ ہے جسے ماں کے پیٹ میں پورے مہینے نہ گزرے ہوں اور اگر اسے پورے مہینے گزر گئے ہوں تو مطلقاً اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ان کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ناتمام بچے پر نماز پڑھی جائے اور وہ اپنے والدین کی مغفرت و رحمت کا مدعی ہوگا(۱۵۲) دوسری حدیث میں ہے: اپنے بچوں کی نماز جنازہ پڑھا کرو یہ تمہارے لیے ذخیرہ آخرت ہیں۔(۱۵۳)

مالکیہ کے نزدیک اگر نومولود یا ناتمام بچے کی زندگی کا علم ہو جائے مثلاً دودھ پیے یا حرکت کرے یا روئے چیخے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اگر روئے چیخے نہیں، خواہ حرکت کرے یا پیشاب کرے یا چھینک مارے تو اگر اس کی زندگی کا یقین نہ ہو تو اسے غسل دینا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ ناتمام بچے کے ساتھ لگا ہوا خون دھو کر اسے کپڑے میں لپیٹ کر زمین میں چھپا دیا جائے، پہلی دونوں باتیں واجب ہیں اور غسل دینا مستحب ہے۔

دوازدہم: نماز جنازہ کی جگہ

عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھی جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجاشی کی نماز جنازہ پڑھانے عیدگاہ تشریف لے گئے تھے۔

قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں مکروہات نماز میں سے ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس لیے مکروہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا، آپؐ نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا، جانوروں کے باڑے میں، مذبح میں، قبرستان میں، راستے پر حمام میں، اونٹ باندھنے کی

جگہ اور خانہ کعبہ پر۔ نیز ارشاد نبوی ہے:

''زمین ساری کی ساری مسجد ہے بجز مقبرے اور حمام کے''۔ (۱۵۴)

مالکیہ اور حنابلہ نے قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عام ہے: زمین میرے لیے مسجد اور طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ بنائی گئی۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ انبیاء اور میدان جنگ کے شہداء کے قبرستان اس سے مستثنیٰ ہیں، وہاں نماز جنازہ مکروہ نہیں کیوں کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں (۱۵۵) نماز کے دوران قبر کی طرف رخ کرنا مکروہ ہے کیوں کہ مسلم میں حدیث ہے: قبر پر نہ بیٹھو اور نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو''۔ نماز کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیائے کرام کی قبروں کی طرف منہ کرنا حرام ہے (۱۵۶)۔ میرے خیال میں مالکیہ اور حنابلہ کی رائے زیادہ قوی ہے کیوں کہ سات جگہوں پر نماز نہ پڑھنے کی ممانعت کی حدیث صحیح نہیں ہے اور دوسری حدیث سے نماز جنازہ کی تخصیص کی جاسکتی ہے۔

مسجد میں نماز جنازہ:

اس کے بارے میں دو آراء ہیں: حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک جائز ہے۔ (۱۵۷)

پہلی رائے یعنی مکروہ ہے، خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے: جس کسی نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اسے کوئی ثواب نہیں (۱۵۸) کیوں کہ مسجد فرض نمازوں، نوافل، اذکار اور علمی تدریس کے لیے بنائی گئی ہیں، نماز جنازہ سے مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی۔ مسجد میں جس طرح نماز جنازہ مکروہ ہے اسی طرح جنازے کو مسجد میں لے جانا بھی مکروہ ہے۔

دوسرا نقطہ نظر کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے بلکہ اگر مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ نہ ہوتو شافعیہ کے نزدیک مستحب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد سب سے افضل جگہ ہے۔

نیز سنت سے ثابت ہے، حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے دونوں بیٹوں سہیل اور اس کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی۔ ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد کے اندر ہی پڑھی (۱۵۹)۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ بھی مسجد میں پڑھی گئیں۔ (۱۶۰)

میری رائے میں دوسرا نقطہ نظر قوی تر ہے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ثابت نہیں یا اس کے ثبوت پر اتفاق نہیں ہے۔ نووی کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے اس سے استدلال درست نہیں۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے صرف صالح مولی التوءمۃ نے روایت کی جو ضعیف ہیں۔

چوتھا فرض: میت کو دفن کرنا:

اس عنوان کے تحت مندرجہ ذیل مباحث ہیں:

(۱) میت کو دوسرے شہر میں منتقل کرنا (۲) جنازہ اٹھانا (۳) جنازے کی سنتیں (۴) دفن کا وجوب اور دفن میں جلدی کرنا (۵) جنازے کے مکروہات (۶) قبر کیسی ہو، قبروں کا احترام، ان پر بیٹھنا یا ٹیک لگانا، قبروں پر آس وغیرہ رکھنا، قبروں پر کتبے لگانا، کفن پر لکھنا (۷) دفن کے احکام، (اس کی کیفیت، جگہ، وقت، دفن کے وقت کیا کہے، دفن کے بعد تلقین، قبر کو ڈھانپنا، تابوت میں دفن کرنا) (۸) مردوں اور عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت، میت کو سلام کرنا، ارواح کا اجتماع۔

۱۔ میت کو دوسرے شہر میں منتقل کرنا:

میت کو جہاں موت ہوئی ہو وہاں سے دوسرے شہر منتقل کرنے کے بارے میں فقہاء

کی تین آراء ہیں:

(۱) بغیر صحیح غرض کے مکروہ ہے (۲) مباح ہے (۳) حرام ہے۔(۱۶۱)

حنابلہ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ جہاں آدمی فوت ہو یا شہید ہو وہیں دفن کیا جائے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: جہاں روح قبض ہو وہیں بدن کو دفن کر دیا جائے (۱۶۲) بلا ضرورت میت کو دوسرے شہر میں منتقل کرنا مکروہ ہے۔ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر حبش میں فوت ہوئے (حبش مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا) ان کے جنازے کو مکہ منتقل کیا گیا تو وہ ان کی قبر پر آئیں اور کہا کہ اگر میں وہاں ہوتی تو آپ کو وہیں دفن کرتی اور اگر میں وہاں موجود ہوتی تو اب زیارت کے لیے نہ آتی (۱۶۳) یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ جنازہ منتقل کرنے کی کوئی وجہ نہ ہو اور اس سے میت کو ایذا ہوتی ہو۔

اگر کسی جائز ضرورت کے تحت جنازہ منتقل کیا جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔ امام مالک مؤطا میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک سے زائد لوگوں سے سنا کہ سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زیدؓ کا انتقال عقیق میں ہوا اور ان کو مدینہ منتقل کر کے وہاں دفن کیا گیا، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا یہاں انتقال ہوا انہوں نے وصیت کی تھی کہ انہیں یہاں نہ دفن کیا جائے بلکہ سرف میں دفن کیا جائے (۱۶۴)۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک دفن سے پہلے میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کیا جاسکتا ہے حنفیہ کے نزدیک ایک دو میل منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ انہیں لوگوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے جن میں انتقال ہوا یا جن میں شہید ہوا کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہداء کو وہیں دفن کرنے کا حکم دیا حالانکہ مدینہ قریب تھا اور فتح دمشق کے موقع پر جو صحابہ شہید ہوئے انہیں دمشق کے دروازوں کے پاس دفن کر دیا گیا اور سب ایک ہی جگہ دفن نہیں ہوئے۔

شافعیہ کے نزدیک دفن کے لیے میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا حرام ہے، خواہ لاش متغیر نہ ہو کیوں کہ اس کے باعث دفن میں تاخیر ہوگی اور اس سے میت کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

۲۔ جنازہ اٹھانا اور اس کی کیفیت:

جنازہ اٹھانا بالاتفاق فرض کفایہ ہے، نیکی اور طاعت ہے، میت کا اعزاز ہے۔ شافعیہ کے نزدیک کافر قریبی رشتہ دار کے جنازے کے پیچھے چلنا مسلمان کے لیے جائز ہے کیوں کہ ابو داؤد کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ ابو طالب کو دفن کر دیں۔

نیز پالکی اور ہودج وغیرہ میں جنازہ اٹھا کر لے جانا حرام ہے، چار پائی یا تختے یا محمل پر اٹھانا چاہیے، نیز جنازہ بالاتفاق مردوں کو اٹھانا چاہیے، میت خواہ مرد کی ہو یا عورت کی۔ کیوں کہ عورتوں کے لیے بوجھ اٹھانا مشکل ہوتا ہے نیز ہوسکتا ہے کہ جنازہ اٹھانے میں ان کی اپنی بے پردگی ہو۔

جنازہ اٹھانے کے طریقے کے بارے میں فقہاء کی تین آراء ہیں:

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک چاروں پایوں سے اٹھایا جائے اور شافعیہ کے نزدیک سرہانے اور پائنتی کی لکڑیوں سے اٹھایا جائے۔ مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق کوئی ترتیب مقرر نہیں۔ (۱۶۵)

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: میت کو غسل دے کر کفن پہنا کر پیٹھ کے بل لٹا دیا جائے کیوں کہ یہ زیادہ مستحکم طریقہ ہے اور چار آدمی جنازہ اٹھائیں کیوں کہ جنازہ اٹھانے میں سنت یہی ہے، آگے پیچھے لکڑیوں سے دو آدمیوں کے اٹھانے کے بجائے چاروں کونوں سے اٹھانا افضل ہے، نیز ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جو کوئی جنازے کے ساتھ چلے اسے چاہیے کہ چار پائی کے کناروں سے جنازہ اٹھائے یہی سنت

ہے، پھر اگر چاہے تو چلتا رہے، چاہے تو چھوڑ دے۔ (۱۶۶)

چاروں کونوں سے اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ چار پائی کا بایاں کنارہ دائیں کندھے پر رکھے، پھر اس کے برابر پچھلے کنارے پر منتقل ہو جائے اور اسے بھی دائیں کندھے پر رکھے، پھر اسے دوسرے کے لیے چھوڑ دے اور آگے آ کر دایاں کنارہ بائیں کندھے پر رکھے، پھر اسے دوسرے کے لیے چھوڑ دے اور پیچھے جا کر دایاں کنارہ بائیں کندھے پر رکھے، دونوں بار سر کی طرف سے آغاز کرے اور پاؤں پر اختتام کرے کیوں کہ اس میں غسل کی کیفیت کی موافقت ہے۔

ہر بار جنازہ اٹھا کر دس قدم چلے کیوں کہ حدیث میں ہے جو کوئی جنازہ اٹھا کر چالیس قدم چلا اس کے چالیس کبیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (۱۶۷)

اگر میت کو سرہانے اور پائنتی کے پایوں کے درمیان سے ایک ایک آدمی نے اپنی گردن پر اٹھا لیا تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، حنابلہ کے نزدیک مکروہ نہیں بلکہ بہتر ہے کیوں کہ ابن منصور کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذؓ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا تھا (۱۶۸)۔ اور حضرت عثمان، ابن زبیر، ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ایسا ہی کرتے تھے۔ (۱۶۹)

شافعیہ کہتے ہیں: پایوں کے درمیان سے اٹھانا چاروں کونوں سے اٹھانے کی بہ نسبت افضل ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ اٹھانے والا اپنا سر میت کے سر کی جانب کے دونوں پایوں کے درمیان رکھ کر اپنے کندھے پر اٹھا لے۔ اگرچہ چاروں کونوں سے اٹھانا جائز ہے لیکن درمیان سے اٹھانا افضل ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا تھا اور مذکورہ بالا صحابہ کا عمل بھی یہی تھا۔

مالکیہ کے نزدیک جنازہ اٹھانے کی کوئی متعین ترتیب نہیں ہے۔ بلا تعیین جس طرف سے چاہے جنازہ اٹھانے کی ابتدا کرلے۔ خلیل کہتے ہیں کہ ترتیب متعین کرنا بدعت ہے

کیوں کہ جس چیز کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اسے متعین کرنا بدعت ہے۔ نیز جائز ہے کہ جنازہ دو آدمی اٹھائیں یا تین یا چار۔

۳۔ جنازے کے پیچھے چلنے کی سنتیں:

جنازہ اٹھا کر چلنے کی مندرجہ ذیل سنتیں ہیں:

۱۔ **جنازہ لے کر جلدی چلنا:** جنازہ لے کر جلدی چلنا چاہیے (یعنی معمول کی رفتار سے تیز اور دوڑنے کی رفتار سے کم کیوں کہ دوڑنا مکروہ ہے) اس رفتار سے چلیں کہ جنازہ اپنی جگہ سے نہ ہلے، کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنازہ لے کر جلدی چلو، اگر نیک آدمی کا جنازہ ہے تو تم اسے بھلائی کی طرف لے کر جا رہے ہو اور اگر دوسری قسم کا آدمی ہے تو بری شے کو جلدی اپنی گردنوں سے اتار دو (۱۷۰) دوڑنے کی ممانعت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ لے کر چلنے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''دوڑنا نہیں، اگر نیک آدمی ہے تو اسے بھلائی کی طرف جلدی لے جائیں اگر برا ہے تو دوزخیوں کے لیے دوری ہو''۔(۱۷۱)

علماء کا اتفاق ہے کہ جنازہ لے کر جلدی چلنا مستحب ہے۔ ہاں اگر یہ خوف ہو کہ میت پھٹ جائے گی یا لاش متغیر ہو جائے گی تو آہستہ چلیں۔(۱۷۲)

۲۔ **جنازے کے پیچھے چلنا:** جنازے کے پیچھے چلنا بالاتفاق مستحب ہے (۱۷۳) کیوں کہ حضرت براءؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جنازے کے پیچھے چلیں، مریض کی عیادت کریں، چھینک مانے والے کو یرحمک اللہ کہیں، پکارنے والے کی پکار پر لبیک کہیں اور مظلوم کی مدد کریں (۱۷۴) جنازے کے پیچھے چلنا مردوں کے لیے سنت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، عورتوں کے لیے مکروہ ہے،

بخاری اور مسلم میں حضرت ام عطیہؓ کی روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازوں کے ساتھ جانے سے منع فرمایا لیکن زیادہ سختی سے منع نہیں کیا اور اسے ہمارے لیے حرام نہیں قرار دیا۔ ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، آپؐ نے پوچھا، تم کیسے بیٹھی ہو؟ کہنے لگیں، جنازے کا انتظار کررہی ہیں۔ آپؐ نے پوچھا، تم نے غسل دینا ہے؟ کہا نہیں، تم نے جنازہ اٹھانا ہے؟ کہا، نہیں، کیا تم نے میت کو قبر میں اتارنا ہے، کہا نہیں، آپؐ نے فرمایا، لوٹ جاؤ، تمہیں گناہ ہوگا، اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔

جنازے کے ساتھ جانے کے تین تقاضے ہیں:

الف۔ نماز جنازہ پڑھے۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں: جب تم نے نماز جنازہ پڑھ لی تو اپنا فرض ادا کردیا۔

ب۔ قبر تک ساتھ جائے، پھر دفن تک وہاں کھڑا رہے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے: جو کوئی جنازے کے ساتھ چلا اور نماز جنازہ پڑھی، اسے ایک قیراط ملے گا، اگر دفن تک موجود رہا تو دو قیراط اور ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔(۱۷۵)

ج۔ دفن کے بعد بھی وہاں ٹھہرے اور میت کے لیے استغفار کرے، اللہ سے اس کی ثابت قدمی کی دعا مانگے، اس کے لیے رحمت طلب کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب آپ کسی میت کو دفن کرتے تو وہاں ٹھہرے رہتے اور فرماتے، اس کے لیے استغفار کرو اور اللہ سے اس کے لیے ثابت قدمی مانگو، کیوں کہ اب اس سے سوال کیے جارہے ہیں(۱۷۶) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ دفن کے بعد سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات تلاوت کیا کرتے تھے۔

مسلم میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا، جب مجھے دفن

کردو تو میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہو جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تیار کرلیا جاتا ہے اور بانٹ دیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے مانوس رہوں اور یہ معلوم رہے کہ اللہ کے فرستادوں (فرشتوں) کو کیا جواب دینا ہے۔

۳۔ **عاجزی اور موت کی فکر:** جنازے کے ساتھ چلنے والے کے لیے مستحب ہے(۱۷۷) کہ عاجزی سے چلے اور اپنے انجام پر غور کرے، موت سے نصیحت حاصل کرے اور اس انجام پر غور کرے جو مرنے کے بعد آنے والا ہے۔ دنیوی گفتگو سے پرہیز کرے۔ سعد بن معاذؓ کہتے ہیں کہ میں جب کسی جنازے کے ساتھ چلا تو یہی سوچتا رہا کہ اب اس کے ساتھ کیا ہونے جارہا ہے۔ اسلاف میں سے کسی نے ایک شخص کو دیکھا کہ جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے ہنس رہا ہے تو انہوں نے کہا، تم جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے ہنستے ہو، میں آئندہ کبھی تم سے بات نہیں کروں گا۔

۴۔ **عورت کی میت کا پردہ:** مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ (۱۷۸) کے نزدیک عورت کی میت کی چار پائی کے اوپر کوئی قبہ وغیرہ رکھنا مستحب ہے تاکہ پردہ ہو، قبہ لکڑی کا یا کھجور یا سرکنڈوں کی شاخوں کا بنایا جائے کیوں کہ اس میں پردہ زیادہ ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اس طرح کا قبہ حضرت زینب بنت جحش ام المومنینؓ کے لیے بنایا گیا۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں اسلام میں سب سے پہلے سیدہ فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میت کی چار پائی کو ڈھانپا گیا، ان کے بعد حضرت زینب بنت جحشؓ کی چار پائی کو۔

۵۔ **جنازے کے آگے چلنا:** فقہائے حدیث (مالک، شافعی اور احمد) کے نزدیک جنازے کے آگے چلنا سنت ہے(۱۷۹) لیکن اتنا قریب رہے کہ جب پلٹ کر دیکھے تو جنازہ

نظر آئے کیوں کہ اگر دور ہو جاتا ہے تو جنازے کے ساتھ نہیں سمجھا جائے گا۔ آگے چلنے کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو جنازے کے آگے چلتے دیکھا(۱۸۰) نیز جنازے کے ساتھ چلنے والا سفارشی ہوتا ہے اور سفارشی کو اس شخص کے آگے چلنا چاہیے جس کی سفارش کی جارہی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر جنازے کے پیچھے پیدل چلے تو مکروہ نہیں ہے کیوں کہ جنازے کے ساتھ چلنے والے جنازے کو تابع ہیں اور دائیں بائیں جس طرف سے اس طرح چلیں کہ جنازے کے تابع سمجھے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ مالکیہ نے کہا ہے کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے۔

فقہائے رائے جن میں سے حنفیہ بھی ہیں(۱۸۱) کہتے ہیں کہ جنازے کے پیچھے چلنا مستحب ہے کیوں کہ جنازہ متبوع ہے لوگ تابع ہیں(۱۸۲)۔ اگر پیچھے عورتیں چل رہی ہوں تو آگے چلنا بہتر ہے، اگر جنازے کے آگے چلے تو جائز ہے، اس میں فضیلت بھی ہے لیکن اگر جنازے سے دور ہو گیا یا سب لوگ آگے ہو گئے یا جنازے کے آگے یا ہجوم کے اندر سوار ہو کر چلے تو مکروہ ہے۔

ان کی دلیل حضرت ابن مسعودؓ کی مذکور بالا حدیث ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازے کے پیچھے چلنے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''دوڑ سے کم رفتار میں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جنازے کے پیچھے'' کے الفاظ کو برقرار رکھا، انہیں تبدیل نہیں کیا۔ طاؤس کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر کبھی جنازے کے پیچھے نہیں چلے۔(۱۸۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صورت، جنازے کے آگے چلنا اور پیچھے چلنا سب جائز ہے، کیوں کہ مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار جنازے کے پیچھے چلے، پیدل جنازے کے قریب دائیں بائیں چلے اور ناتمام بچے کی نماز جنازہ پڑھی

جائے کیوں کہ وہ والدین کے لیے مغفرت اور رحمت کا مدعی ہوگا۔(۱۸۴)

۶۔ جنازے کے لیے کھڑا ہونا: نووی اور ایک جماعت کہتی ہے کہ مسلمان کو اختیار ہے چاہے کھڑا ہو چاہے بیٹھا رہے(۱۸۵) ابن عمرؓ نے عامر بن ربیعہؓ کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جب جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ حتیٰ کہ تم پیچھے رہ جاؤ یا جنازہ رکھ دیا جائے۔(۱۸۶)

جمہور (چاروں ائمہ ان میں شامل ہیں) کی رائے یہ ہے(۱۸۷) کہ جنازے کے لیے کھڑا نہ ہوا جائے کیوں کہ کھڑے ہونے کا حکم منسوخ ہوگیا، اس کی دلیل حضرت علیؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیا، پھر آپؐ بیٹھ گئے اور ہمیں بھی بیٹھنے کا حکم دیا(۱۸۸)۔ بیٹھنے کا سبب یہود کی مخالفت تھی۔ عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تا آنکہ جنازہ لحد میں رکھ دیا جاتا، ایک یہودی عالم گزرا تو اس نے کہا، ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا سب بیٹھ جاؤ اور ان کی مخالفت کرو(۱۸۹) مالکیہ نے تصریح کی ہے کہ جنازے کے لیے کھڑے ہونا مکروہ ہے کیوں کہ یہ اسلاف کا طریقہ نہیں۔

۷۔ جنازے کے ساتھ چلنے والے اس وقت تک نہ بیٹھیں جب تک کہ جنازہ رکھ دیا جائے: جو لوگ جنازے کے ساتھ ہوں ان کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب تک جنازہ لوگ اتار کر رکھ نہ دیں اس وقت نہ بیٹھیں، کیوں کہ ممکن ہے ان کے تعاون کی ضرورت پڑے اور کھڑے ہونے کی حالت میں مدد کرنا آسان ہے(۱۹۰) نیز حدیث میں ہے: جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، اگر جنازے کے ساتھ چلو تو جب تک جنازہ زمین پر رکھ نہ دیا جائے (۱۹۱) نہ بیٹھو، جیسا کہ ابو داؤد میں ہے۔ مسلمان کے لیے قریبی کافر رشتہ دار کے جنازے کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں، نہ مکروہ ہے۔

۴۔ جنازے کے مکروہات:

فقہاء نے جنازے کے کئی ایک مکروہات بیان کیے ہیں جن میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:(۱۹۲)

۱۔ نماز جنازہ اور تدفین میں اس خیال سے تاخیر کرنا کہ نمازی زیادہ ہوجائیں یا نماز جمعہ کے بعد بہت بڑی تعداد نماز جنازہ میں شریک ہو، اگر تدفین کی مصروفیت کی وجہ سے نماز جمعہ جاتے رہنے کا اندیشہ ہو تو تدفین مؤخر کی جاسکتی ہے، کیوں کہ صحیح حدیث میں ہے:''جنازے میں جلدی کیا کرو''۔ اگر میت کے متغیر ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو قریبی ولی کا انتظار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مالکیہ کہتے ہیں جنازے کے ساتھ جانے والوں کے لیے نماز جنازہ پڑھے بغیر واپس چلے جانا مکروہ ہے، خواہ وارثوں کی اجازت سے ہی جائیں، نیز نماز جنازہ کے بعد تدفین سے پہلے بلا اجازت چلے جانا بھی مکروہ ہے، ہاں اگر دیر سے دفن کرنا چاہتے ہوں یا اجازت دے دیں تو واپسی جائز ہے۔

۲۔ جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھ جانا اور جنازے کو رکھنے کے بعد کھڑے رہنا۔ جب کوئی شخص عیدگاہ میں جنازہ دیکھے تو کھڑا نہ ہو، اور اگر جنازہ پاس سے گزرے تب بھی کھڑا نہ ہو، جیسا کہ پچھلی بحث میں گزر چکا۔

۳۔ جنازے میں جاتے ہوئے سوار ہونا۔ سنت یہ ہے کہ سوار نہ ہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے موقع پر اور جنازے میں شرکت کے لیے کبھی سواری پر تشریف نہیں لے گئے، (۱۹۳) ثوبانؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنازے کے ساتھ نکلے، آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ سوار ہیں، آپؐ نے فرمایا: تمہیں شرم نہیں آتی، اللہ کے فرشتے پیدل چل رہے ہیں اور تم سوار ہوکر جارہے ہو۔(۱۹۴)

واپسی پر سواری پر آنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ جابر بن سمرہؓ کی روایت ہے کہ جب ہم ابن الدحداحؓ کے جنازے سے واپس آرہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگی

پیٹھ والا گھوڑا پیش کیا گیا، آپؐ اس پر سوار ہو گئے، ہم آپؐ کے ساتھ پیدل چلتے رہے۔(۱۹۵)

۴۔ آواز بلند کرنا، جنازے کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا یا تلاوت کرنا یا چیخ وپکار کرنا مکروہ ہے مثلاً یہ کہنا، ''اس کے لیے استغفار کرو'' وغیرہ کیوں کہ بیہقی میں ہے کہ صحابہ کرام جنازے کے موقع پر، لڑائی میں اور ذکر کے وقت بلند آواز کو مکروہ سمجھتے تھے۔ ابن عمرؓ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا'' اس کے لیے استغفار کرو، اللہ تمہیں بخش دے'' آپ نے فرمایا، خدا تجھے نہ بخشے'' (۱۹۶)۔حسن وغیرہ نے'' اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو'' کہنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

درست یہ ہے کہ اسلاف کے طریقے کے مطابق جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے خاموش رہنا چاہیے اور موت اور اس کے بعد کے حالات کے بارے میں غوروفکر کرنا چاہیے، جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ جاہل قراء جس طرح کھینچ کر تلاوت کرتے ہیں اور اپنے موضوع سے ہٹ جاتے ہیں وہ حرام ہے اور اس کو روکنا واجب ہے۔

۵۔ جنازے کے ساتھ کسی انگیٹھی میں آگ اور اس پر خوشبو ڈال کر ساتھ لے چلنا، کیوں کہ اس میں بدفال ہے کہ یہ شخص دوزخی ہے، نیز ابوداؤد کی روایت میں ہے، جنازے کے ساتھ نہ تو بلند آواز نکالو اور نہ آگ لے کر چلو۔

جنازے کے ساتھ بین کرنے والیوں کو لے کر چلنا مکروہ ہے اور انہیں سختی سے منع کیا جائے کیوں کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں: جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ تو آگ لے کر چلنا اور نہ کوئی بین کرنے والی (۱۹۷)۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازے کے ساتھ نہ تو کوئی بین کرنے والی ہو اور نہ انگیٹھی، میرے بدن اور زمین کے درمیان کوئی چیز نہ بچھانا (۱۹۸) عورتیں اکٹھی ہوکر آہستہ آواز سے روئیں تو مکروہ ہے اور بلند آواز سے ممنوع ہے جیسا کہ بری باتیں کرنا مطلقاً ممنوع ہیں۔

۶۔ عورتوں کا جنازے کے ساتھ چلنا جمہور کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے کیوں کہ ام عطیہؓ

سے روایت ہے کہ ہمیں جنازوں کے ساتھ چلنے سے روکا گیا لیکن اس پر سختی نہیں کی گئی (۱۹۹) یعنی نہی تنزیہی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ''واپس چلی جاؤ، تم گناہ گار ہورہی ہو، ثواب نہیں حاصل کررہی'' (۲۰۰) اس کی تائید ان حالات کے تغیر سے بھی ہوتی ہے جس کا حضرت عائشہؓ نے تذکرہ کیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امور کو دیکھتے جو آپؐ کے بعد عورتوں نے پیدا کرلیے ہیں تو آپؐ عورتوں کو اسی طرح روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

مالکیہ کے نزدیک بوڑھی عورتوں کے لیے، جن میں مردوں کے لیے کوئی کشش نہیں جنازے کے ساتھ نکلنا جائز ہے نیز ایسی جوان عورت بھی جس پر اتنی بڑی مصیبت آگئی ہو کہ اس موقع پر اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو مثلاً اس کے باپ، ماں، شوہر، بیٹے، بیٹی، بھائی یا بہن کا جنازہ ہو۔ جس کے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اس کے لیے مطلقاً جنازے کے ساتھ نکلنا حرام ہے۔ بوڑھی بیوہ یا جس بیوہ کے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اس کا اپنے شوہر کے جنازے کے ساتھ نکلنا عدت اور زیب وزینت نہ کرنے کے احکام سے مستثنیٰ ہے۔

۷۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ چھوٹے بچے کے جنازے کی چارپائی یا قبر بڑی بنانا مکروہ ہے کیوں کہ اس میں تکبر اور نفاق ہے۔ قبر کے فرش پر ریشم یا اون بچھانا مکروہ ہے۔

۸۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ جنازے کو ہاتھوں سے، آستینوں اور رومال سے چھونا مکروہ اور بدعت ہے، علماء نے قبر کو چھونے سے منع کیا ہے اور بدن کو چھونے سے بدرجہ اَولیٰ ممانعت ہے جب کہ اس سے ایذا کا اندیشہ بھی ہے۔

غیر مسلمانوں کی تقلید میں پھولوں کے ہار ڈالنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس میں مال کا ضیاع اور نمود و نمائش کا جذبہ کارفرما ہے۔

۵۔ دفن کا حکم اور اس میں جلدی کرنا:

فقہاء کا اجماع ہے کہ میت کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے(۲۰۱) کیوں کہ اس کی لاش کو زمین پر پڑے رہنے دینے میں اس کی بے حرمتی ہے اور لاش کی بدبو سے لوگوں کو اذیت ہوتی ہے۔اس کی دلیل ارشاد ربانی ہے: الم نجعل الارض کفاتا، احیاء وامواتاً (المرسلات ۷۷: ۲۵، ۲۶)(کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے اکھٹے ہونے کی جگہ نہیں بنایا) کفت کا مطلب ہے جمع۔ نیز ھابیل کے دفن کے سلسلے میں ارشاد ربانی ہے: فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوأۃ اخیہ (المائدہ ۵: ۳۱) (پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جس نے زمین کھودی تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے) نیز فرمایا: ثم اماتہ فاقبرہ (عبس ۸۰: ۲۱) (پھر اسے مارا، پھر قبر میں دفن کیا)۔

افضل یہ ہے کہ مرنے کے بعد میت کی تجہیز وتدفین میں جلدی کی جائے، اس کی دلیل اوپر مذکور حدیث ہے کہ ’’جنازے میں جلدی کرو، اگر نیک ہے تو اسے بھلائی کی طرف جلدی لے جاؤ اور اگر برا ہے تو برائی کو جلدی اپنی گردنوں سے اتار پھینکو‘‘۔ مالکیہ کے نزدیک ڈوب کر مرنے والا اس سے مستثنیٰ ہے، اسے تاخیر سے دفن کرنا مستحب ہے کیوں کہ ممکن ہے اس میں زندگی باقی ہو۔

قبرستان میں دفن کرنا افضل ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہونے والوں کو بقیع میں دفن کیا کرتے تھے(۲۰۲) نیز اس لیے بھی جو کوئی قبرستان جائے گا تو ان سب کے لیے بکثرت دعا کرے گا، اس سے زندہ وارثوں کو نقصان کم سے کم ہوتا ہے اور قبرستان آخرت کی رہائش گاہوں کے مشابہ ہیں۔(۲۰۳)

گھروں میں تدفین: گھروں میں تدفین جائز ہے،حرام نہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کیا گیا تھا۔(۲۰۴)

لیکن نبی کے علاوہ کسی دوسرے کو خواہ وہ ناتمام بچہ ہو گھر میں دفن کرنا مکروہ ہے، یہ صرف انبیائے کرام کی خصوصیت ہے۔

قبوں کے اندر دفن کرنا یا ایسے کمروں میں جو کسی خاص جماعت کے لیے مختص ہوں مکروہ ہے کیوں کہ اس میں سنت کی مخالفت ہے۔

افضل زمین میں دفن کرنا: مستحب یہ ہے کہ افضل قبرستان میں دفن کیا جائے، افضل قبرستان وہ ہے جس میں نیک لوگ اور شہداء دفن ہوں تا کہ ان کی برکت حاصل ہو، اسی طرح افضل جگہوں پر دفن کرنا مستحب ہے۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا جب آخری وقت آیا تو انہوں نے اللہ سے دعا کی انہیں ارض مقدس کے قریب کردے، اتنے فاصلے پر کہ پتھر پھینکا جائے تو پہنچ جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم وہاں ہوتو میں تمہیں سرخ ٹیلے کے پاس ان کی قبر دکھا سکتا ہوں۔ نیز حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہؓ سے اجازت لی تھی کہ انہیں ان کے دونوں ساتھیوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ دفن کیا جائے۔(۲۰۵)

قریبی رشتہ داروں کو ایک جگہ دفن کرنا: مستحب یہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں کو ایک جگہ دفن کیا جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے سر کے سرہانے ایک چٹان چھوڑ دی اور فرمایا، اس سے تمہیں اپنے بھائی کی قبر کا علم رہے گا اور میرے خاندان میں سے جو کوئی فوت ہوا اسے یہاں دفن کروں گا(۲۰۶) نیز اس میں قبروں کی زیارت اور ان کے لیے دعائے رحمت ومغفرت کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

۶۔ قبر کیسی ہو، احترام قبور:

قبر کیسی ہو، اس کے بارے میں کچھ ہدایات سنت نبوی سے ملتی ہیں اور کچھ ضرورت کے تقاضے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:(۲۰۷)

۱۔ قبر کم از کم اتنی گہری ہو کہ میت کی بو باہر نہ آئے اور لاش کو نکال کر کھانے کے لیے درندے اسے اکھاڑ نہ سکیں کیوں کہ دفن کرنے میں حکمت یہی ہے کہ لاش کی بے حرمتی نہ ہو، اس کی بدبو نہ پھیلے اور اسے درندے نہ کھا جائیں۔

۲۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ قبر لمبائی چوڑائی میں کھلی ہو اور گہری ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کی قبروں کے بارے میں فرمایا: ''کھودو اور کشادہ کرو اور گہری کرو'' (۲۰۸) قبر گہری کرنے کی وجہ سے یہ اندیشہ نہیں رہتا کہ اس کی بدبو پھیلے گی اور لوگوں کو تکلیف ہوگی، نیز درندوں کے لیے اسے اکھاڑنا مشکل ہوگا اور میت کے لیے اس میں پردہ پوشی ہے۔ بیہقی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کھودنے والے سے فرمایا: ''سر اور پاؤں کی جانب سے اسے کشادہ کردو''۔

شافعیہ اور اکثر حنابلہ کے نزدیک قبر اتنی گہری ہونی چاہیے کہ درمیانی قامت کا آدمی ہاتھ بلند کر کے کھڑا ہو تو اس کے اندر سما جائے، کیوں کہ حضرت عمرؓ نے یہی وصیت کی تھی اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ یہ ساڑھے چار ذراع کی لمبائی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ قبر سینے تک گہری ہونی چاہیے اور اس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک قبر نصف قد تک یا سینے تک گہری ہونی چاہیے اور اگر پورے قد کی لمبائی سے زیادہ ہو تو بہت اچھا ہے۔ کم از کم گہرائی نصف قد اور زیادہ سے زیادہ پورا قد ہے۔ اس کی لمبائی میت کی لمبائی کے برابر اور چوڑائی لمبائی سے نصف ہونی چاہیے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ قبر زیادہ گہری نہ ہو بلکہ اگر لحد (بغلی قبر) ہو صرف ایک ذراع کے برابر ہو۔

۳۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ لحد (بغلی قبر) شق (سیدھی گہری) سے افضل ہے۔ لحد سے مراد یہ ہے قبلے کی جانب بغلی گڑھا اتنا کھودا جائے جس میں میت آسکے اور اس کی پردہ پوشی ہو جائے۔ شق یہ ہے کہ نہر کی طرح گہرائی میں گڑھا کھودا جائے۔ اور اس کی دونوں

طرف کچی اینٹیں یا اور کوئی ایسی چیز لگادی جائے جسے آگ نے نہ چھوا ہو اور ان کے درمیان گڑھا ہو جس میں میت رکھ دی جائے اور اس کے اوپر سرکنڈوں یا پتھر یا کچی اینٹوں یا لکڑی کی چھت ڈال دی جائے۔ چھت اتنی بلند ہو کہ میت کے بدن کو نہ چھوئے۔ حنابلہ کے نزدیک شق مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: لحد ہمارے لیے ہے اور شق دوسرے لوگوں کے لیے۔(۲۰۹)

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ نے لحد اور شق میں یوں فرق کیا ہے کہ اگر زمین سخت ہو تو لحد افضل ہے، کیوں کہ سعد بن ابی وقاص نے اپنے مرض موت میں کہا تھا: میرے لیے لحد کھودنا اور اس پر کچی اینٹیں لگا دینا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا گیا تھا(۲۱۰) اگر زمین نرم ہو تو شق افضل ہے کیوں کہ لحد میں زمین کے بیٹھ جانے کا ڈر ہوتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک واجب ہے اور مالکیہ وحنفیہ کے نزدیک مستحب ہے کہ میت کو قبر میں قبلہ رو رکھا جائے، اس کا چہرہ قبر کی دیوار سے لگا دیا جائے اور پیٹھ کے پیچھے کچی اینٹ وغیرہ رکھ دی جائے تا کہ میت پیٹھ کے بل نہ ہو جائے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''یہ تمہارا زندوں اور مردوں کا قبلہ ہے'' نیز شروع سے آج تک مسلمانوں کا یہی طرز عمل رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح دفن کیا گیا تھا۔

مسنون یہ ہے کہ- جیسا کہ ہم بیان کریں گے- میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اسے تھوڑا سا سر کی طرف کھسکا دیا جائے اور قبر میں نرمی سے لٹا دیا جائے۔ نیز سنت یہ ہے کہ میت کے قریبی مرد رشتہ دار اسے قبر میں اتاریں اور جو قبر میں رکھیں وہ یہ الفاظ کہیں ''بسم اللہ وعلی سنة رسول اللہ'' (اللہ کے نام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق) اس میں ارشاد نبوی کی اطاعت ہے جیسا کہ ابو داؤد اور ترمذی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔

لحد پر کچی اینٹ رکھ کر اس کا دہانہ بند کر دیا جائے، اینٹیں اس طرح کھڑی کی جائیں

کہ چہرے پر مٹی نہ پڑے کیوں کہ حضرت سعدؓ نے کہا تھا، میرے اوپر اینٹیں کھڑی کر کے رکھنا۔ پکی اینٹ اور لکڑی لگانا مکروہ ہے کیوں کہ یہ عمارتی سامان ہے، جو میت کے مناسب نہیں قبر کچی اینٹ لگانے کی جگہ ہے۔ اینٹ کے ساتھ سرکنڈے لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ پھر قبر پر مٹی ڈال دی جائے تا کہ قبر ڈھک جائے اور محفوظ ہو جائے۔

۴۔ جو شخص قبر پر موجود ہے اس کے لیے مسنون ہے کہ سر کی جانب سے یا کسی بھی طرف سے تین مٹھیاں مٹی کی بھر کر قبر پر ڈالے، یہ کام قبر پر عام مٹی ڈالنے سے پہلے کیا جائے۔ کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے کی نماز پڑھی، پھر قبر پر تشریف لائے اور سر کی جانب تین مٹھیاں مٹی ڈالی (۲۱۱) عامر بن ربیعہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعونؓ کی نماز جنازہ پڑھائی، چار تکبیریں کہیں، قبر پر تشریف لائے اور سر کی جانب کھڑے ہو کر تین مٹھیاں مٹی ڈالی (۲۱۲)۔ چوں کہ میت کو چھپانا فرض کفایہ ہے اور مٹی ڈالنے سے آدمی اس فرض کفایہ میں شریک ہو جاتا ہے، اس میں عبرت و نصیحت کا بہت مؤثر پہلو ہے، اس لیے مستحب ہے۔

۵۔ قبر صرف ایک بالشت اونچی رکھی جائے تا کہ پہچانا جا سکے کہ یہ قبر ہے اور لوگ اس سے بچ کر گزریں اور صاحب قبر کے لیے دعا کریں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ایک بالشت کے برابر تھی (۲۱۳) امام شافعی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ایک بالشت بلند تھی۔ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا، امی جان! اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین کی قبریں مجھے دکھا دیں، انہوں نے تینوں قبریں دکھائیں، جو نہ بلند تھیں، نہ ان کی لپائی کی ہوئی تھی، ان پر سرخ رنگ کی مٹی ڈلی ہوئی تھی۔ (۲۱۴)

۶۔ جمہور کے نزدیک قبر کو چوکور بنانے کے بجائے کوہان کی شکل میں بنانا افضل ہے، سفیان تمار کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کوہان نما ہے

(۲۱۵)، اسی طرح بعد میں صحابہ کی قبریں بھی کوہان نما بنائی گئیں، چوکور بنانا دنیوی عمارتوں کا خاصا ہے۔ حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر دارالحرب سے کسی مسلمان کا جنازہ منتقل کرنا مشکل ہوتو وہاں سطح زمین کے برابر قبر بنادی جائے اور اسے چھپا دیا جائے تاکہ کفار اسے اکھاڑ کر اس کی بے حرمتی نہ کریں۔

شافعیہ کے نزدیک کوہان نما کے بجائے چوکور قبر بنانا بہتر ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین کی قبریں چوکور ہیں۔(۲۱۶)

۷۔ قبر کو چونا لگانا اور پختہ قبر بنانا مکرؤہ ہے، قبر پر لکھنا، وہاں رات گزارنا، اس پر مسجد تعمیر کرنا، قبر کو بوسہ دینا، اس کا طواف کرنا، اس کو خوشبو لگانا، اس کی مٹی سے بیماروں کا شفا حاصل کرنا بھی مکروہ ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک قبر کی لپائی کرنا بھی مکروہ ہے۔

قبر کو چونا گچ کرنا، اس پر نقش ونگار بنانا اور اس پر قبہ یا کمرہ تعمیر کرنا اس لیے مکروہ ہے کہ صحیح مسلم میں اس کی ممانعت آئی ہے، جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ اگر قبر پر عمارت فخر ومباہات کے لیے بنائی گئی ہے یا ایسی زمین میں قبر ہے جو عام قبرستان کے لیے مختص ہے یا وقف زمین ہے تو اس پر عمارت بنانا حرام ہے، اسے گرا دینا چاہیے، کیوں کہ فخر ومباہات کی صورت میں تکبر اور عُجب کا اظہار ہے جس کی ممانعت ہے اور وقف یا عام قبرستان کی زمین پر عمارت بنانے سے لوگوں کے لیے قبرستان کی جگہ تنگ ہو جاتی ہے۔

ابن عبدالحکم جو امام مالک کے شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی قبر پر عمارت بنانے کی وصیت کی تھی تو اس وصیت پر عمل نہ کیا جائے اور قبروں پر بنے ہوئے گنبد، قبے، اور عمارتیں منہدم کردی جائیں البتہ مالکیہ میں سے لخمی کے نزدیک قبروں کے درمیان کوئی ایسی دیوار وغیرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں جس سے قبریں پہچانی جاسکیں۔ ایک قول حنفیہ کا یہ ہے کہ قبر کی لپائی میں کوئی حرج نہیں۔ آج کل کے دور میں لوگ کچی اینٹوں سے کوہان نما قبر بناتے ہیں تاکہ قبر اکھاڑی نہ جاسکے اور اسے عمدہ کام سمجھتے ہیں اور حدیث

میں ہے: ''جس کام کو مسلمان اچھا سمجھتے ہیں وہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے''۔ حنابلہ کے نزدیک بھی قبر کی لپائی میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمد نے قبر پر خیمہ یا سائبان لگانے کو مکروہ قرار دیا ہے، کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی وصیت پر عمل کا یہی تقاضا ہے جو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ ابن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کی قبر پر لگا ہوا سائبان اتروا دیا تھا۔

قبر پر کچھ لکھنا جمہور کے نزدیک مکروہ ہے، خواہ وہ صاحب قبر کا نام ہو یا اور کوئی چیز ہو، سر کی طرف لکھا جائے یا اور کہیں، نیز کاغذ کے پرزے لکھ کر پردوں میں ٹھونسنا بھی مکروہ ہے۔ مالکیہ کے نزدیک قبر پر قرآن لکھنا حرام ہے، ان کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونا کرنے، ان پر لکھنے اور ان پر عمارتیں بنانے سے منع فرمایا۔(۲۱۷)

حنفیہ کے نزدیک اگر ضرورت ہو تو قبر پر لکھنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ قبر کی نشانی مٹ نہ جائے۔ مذکورہ بالا ممانعت کی حدیث اگر درست بھی ہے تب بھی اجماع عملی یہی رہا ہے کہ قبروں پر کتبے لکھے جاتے رہے (۲۱۸) حاکم نے مختلف سندوں سے ممانعت والی حدیث بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ اسناد درست ہیں لیکن عمل اس کے برعکس ہے۔ مشرق سے مغرب تک مسلمانوں کے ائمہ کی قبروں پر لکھا ہوا ہے اور سلف سے خلف تک یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔ ابو داؤد میں مذکور روایت سے جو عمدہ سند سے مروی ہے اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر اٹھایا اور عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے سرہانے رکھ دیا اور کہا کہ'' اس سے مجھے اپنے بھائی کی قبر کا علم رہے گا اور میرے خاندان میں سے جو کوئی فوت ہوا اسے میں یہاں دفن کروں گا''۔ لکھنا ایک ایسا عمل ہے جس سے قبر کی پہچان ہوتی ہے۔ نیز حنفیہ کے نزدیک کفن پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا یا'' امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی مغفرت فرمائے گا'' لکھنا جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لکھنے کی ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جب اس کی ضرورت نہ ہو، بلا عذر لکھا جائے یا قرآن کا کوئی حصہ یا شعر یا مدحیہ کلمات اور اشعار لکھے جائیں تو وہ مکروہ ہے۔

قبروں پر مساجد تعمیر کرنا مکروہ ہے بلکہ بعض محدثین اور حنابلہ کے نزدیک حرام ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: اللہ تعالیٰ یہود کو تباہ کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا (۲۱۹) بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے انہیں مساجد بنا لیا اور وہاں نمازیں پڑھنا شروع کردیں لیکن امام مالک کے شاگرد ابن القاسم کی رائے یہ ہے کہ اگر قبرستان مٹ گیا ہو تو وہاں مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے اور اگر باقی ہو تو وہاں مسجد نہ بنائی جائے۔ قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے: قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔ (۲۲۰)

قبروں کو بوسہ دینا یا قبر کی مٹی سے شفا حاصل کرنا وغیرہ سب کام بدعت ہیں البتہ شافعیہ کی تصریح کے مطابق قبر کو خوشبو لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

۸۔ قبر پر کنکریاں رکھی جائیں یا سرہانے کوئی پتھر یا لکڑی نصب کردی جائے۔ کنکریاں رکھنے کا ثبوت اس حدیث سے ہے جو امام شافعی نے مرسلاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر کنکریاں رکھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر میں سوراخ دیکھا تو آپؐ نے اسے بند کرادیا، پھر فرمایا: اس سے نفع نقصان کچھ نہیں لیکن اللہ کو پسند یہ ہے کہ بندہ جب کوئی کام کرے تو پکا کرے۔ قبر کی پہچان کے لیے قبر کے سرہانے پتھر رکھنا اوپر مذکورہ حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے سرہانے پتھر رکھا اور فرمایا: ''اس سے مجھے اپنے بھائی کی قبر یاد رہے گی اور میرے خاندان میں جو کوئی فوت ہوا اسے یہاں دفن کروں گا''۔

۹۔ قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: اللہ تعالیٰ قبروں پر جانے

والی عورتوں پر اور قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت بھیجتا ہے۔ (۲۲۱)

احترام قبور:

قبروں کا احترام سنت نبویہ اور فقہائے امت کے نزدیک ایک تسلیم شدہ امر ہے۔(۲۲۲)

احترام قبور کے مظاہر درج ذیل ہیں:

۱۔ قبر پر بیٹھنا مکروہ ہے، قبر پر چلنا، وہاں سونا اور پیشاب پاخانہ کرنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: قبروں پر نہ بیٹھو، نہ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔(۲۲۳)

نیز آپؐ نے فرمایا: کوئی شخص انگارے پر بیٹھ جائے جس سے اس کی کھال جل جائے بہتر ہے اس امر سے کہ قبر پر بیٹھے (۲۲۴) اگر قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے ورنہ مکروہ تنزیہی، البتہ حنفیہ کی مختار رائے یہ ہے کہ قبر پر بیٹھ کر تلاوت کرنا مکروہ نہیں ہے، اگر اس سے دل کو سکون ملتا ہے اور تدبر و عبرت پذیری کی کیفیت حاصل ہوتی ہو۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بلاضرورت قبر پر بیٹھنا جائز نہیں۔ جیسے بیٹھنا مکروہ ہے اسی طرح قبر پر ٹیک لگانا یا اسے تکیہ بنانا بھی مکروہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں دو شرائط کے ساتھ قبر پر چلنا مکروہ ہے۔ اگر قبر کوہان نما ہو اور راستہ قبر کے ایک طرف سے گزرتا ہو۔ اگر قبر کی کوہانی ختم ہوگئی ہو اور گزرنے کے لیے اور کوئی راستہ نہ ہو تو قبر پر سے گزرنا جائز ہے۔ پیشاب، پاخانے کے علاوہ قبر پر بیٹھنا جائز ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ممانعت کا تعلق قضائے حاجت کے لیے قبر پر بیٹھنے سے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قبر سے ٹیک لگا کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔

۲۔ جب تک یہ گمان ہو کہ قبر میں ہڈیاں موجود ہوں گی تو قبر اکھیڑنا حرام ہے، قبریں کھودتے وقت مردوں کی ہڈیاں نہ نکالی جائیں اور انہیں ان کی جگہوں پر رہنے دیا جائے،

انہیں توڑا بھی نہ جائے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''مردہ شخص کی ہڈی توڑنا اسی طرح گناہ ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا گناہ ہے، یا مردے کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی مانند ہے'' (۲۲۵) اگر واقعی ضرورت اور حاجت پیش آئے اور کسی صحیح مقصد کے لیے قبر اکھاڑنا پڑے تو وہ جائز ہے۔ صحیح مقاصد میں سے درج ذیل اہم ہیں: (۲۲۶)

۱۔ اگر میت کو کفن کے بغیر یا غسل دیے بغیر یا قبلہ رخ کے علاوہ دفن کر دیا گیا اور اس کی لاش خراب نہ ہوئی ہو اور قبر اکھیڑنے میں کسی فساد کا اندیشہ نہ ہو تو قبر کھود کر کفن پہنا کر، غسل دے کر قبلہ رخ کر کے دفن کیا جائے، کیوں کہ یہ کام واجب ہیں اور اگر ان پر عمل کرنا ممکن ہو تو عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ سعید نے اپنی سنن میں روایت کیا کہ کچھ لوگوں نے اپنے ایک ساتھی کو غسل دیے بغیر دفن کر دیا، ان کے پاس کفن بھی نہیں تھا، پھر وہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے ملے تو انہوں نے قبر سے نکالنے کا حکم دیا، اسے نکال کر غسل دے کر، کفن پہنا کر اور خوشبو لگا کر پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (۲۲۷)

شافعیہ کے ہاں صحیح تر روایت یہ ہے کہ کفن پہنانے کے لیے قبر نہ اکھیڑی جائے کیوں کہ مقصد تو یہ تھا کہ مردے کی پردہ پوشی ہو جائے وہ مٹی ڈالنے سے ہو گئی۔

اگر اندیشہ ہو کہ لاش خراب ہو گئی ہو گی یا کسی فساد کا خطرہ ہو تو قبر نہ اکھیڑی جائے کیوں کہ اس صورت میں یہ کام مشکل ہے، پس جب کوئی کام کرنا مشکل ہو جائے تو اس کا وجوب باقی نہیں رہتا جیسے زندہ آدمی، اگر معذور ہو تو اس کا وضو کرنا، نماز میں قبلہ رو ہونا ساقط ہو جاتا ہے۔

جہاں تک میت کی نماز جنازہ کا تعلق ہے تو اگر نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا تو جنازہ قبر پر پڑھ لیا جائے کیوں کہ قبر پر جنازہ پڑھا جا سکتا ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قبر اکھیڑی جائے اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ حنفیہ کے نزدیک اگر میت کو قبلہ رو دفن نہیں کیا گیا یا بائیں پہلو پر دفن کر دیا گیا تو قبر نہ

اکھیڑی جائے۔ اس کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے قبر کھول لی جائے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

ب۔ اگر کفن غصب کا ہو اور اس کا مالک قیمت لینے پر راضی نہ ہو یا جس زمین میں دفن کیا گیا وہ غصب کی ہے اور مالک وہاں قبر باقی رکھنے پر راضی نہیں۔

ج۔ جامع مسجد تنگ پڑ جائے یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے دوسرے آدمی کو وہاں دفن کرنا پڑے۔ اگر دوسرے کو دفن کرنے کے لیے یا مسجد بنانے کے لیے قبر اکھیڑی جائے تو جائز ہے، مالکیہ کے نزدیک کھیتی باڑی اور عمارت بنانے کے لیے قبر کھودنا جائز نہیں۔ اگر قبرستان پرانا ہو کر مٹی ہوگیا تو حنفیہ کے نزدیک کھیتی باڑی اور مکان بنانے کے لیے بھی اکھاڑ دینا جائز ہے۔

د۔ اگر میت کے ساتھ مال یا زیورات وغیرہ دفن ہوگئے یا قبر میں کسی کا تھوڑا یا زیادہ مال گر گیا ہو اور اس کا مالک اس کا مطالبہ کرے، کیوں کہ روایت میں ہے کہ مغیرہ بن شعبہؓ کی انگوٹھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں گر گئی، انہوں نے کہا، میری انگوٹھی! اتنی سی جگہ کھولی گئی اور انہوں نے انگوٹھی لے لی۔ (۲۲۸)

اگر میت کا معمولی مال قبر میں ہو یا میت میں تغیر آ گیا ہو تو مالکیہ کے نزدیک قبر کھولنا جائز نہیں، اس کے مالک کو میت کے ترکے میں سے اس کی مثل یا قیمت دے دی جائے (یعنی اگر مثلی چیز ہو تو مثل اور قیمتی ہو تو قیمت)۔

ہ۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا موتی نگل جائے اور مر جائے اور موتی کا مالک مطالبہ کرے تو میت کا پیٹ چاک کر کے موتی نکال کر اسے دے دیا جائے اور اگر موتی میت کا اپنا ہو تو حنفیہ، سحنون مالکی اور شافعیہ کی صحیح تر روایت کے مطابق پھر بھی پیٹ چاک کر کے موتی نکالا جائے لیکن امام احمد، ابن حبیب مالکی اور شافعیہ کی دوسری روایت کے مطابق پیٹ نہ چاک کیا جائے۔

حاملہ کا پیٹ چاک کرنا:

و۔ اگر کوئی حاملہ عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو، حرکت کر رہا ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک اس کا پیٹ چاک کردیا جائے کیوں کہ اس میں مردہ کے بدن کے ایک حصے کو نقصان پہنچا کر ایک زندگی بچانا ہے، یہ امر جان بچانے کے لیے مردار کھانے کے مشابہ ہے۔

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ بچہ نکالنے کے لیے پیٹ چاک نہ کیا جائے، مرنے والی خواہ مسلمان ہو یا ذمیہ، اگر بچے کی حرکت سے اس کی زندگی کا علم ہو تو دائیاں اسے نکال لیں۔

۳۔ **دفن کے بعد میت کو منتقل کرنا:** اس سلسلے میں فقہاء کی دو آراء ہیں: مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مصلحت ہو تو جائز ہے، شافعیہ کے نزدیک بلا ضرورت جائز نہیں ہے اور حنفیہ کے نزدیک مطلقا ناجائز ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے: (۲۲۹)

مالکیہ کہتے ہیں: میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک شہر سے دوسرے شہر اور شہر سے دیہات میں منتقل کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس دوران لاش پھٹ نہ جائے اور اس کی بے حرمتی نہ ہو، پس اگر مصلحت ہو کہ اس امر کا اندیشہ ہو کہ لاش کو سمندر کا پانی یا درندے کھا جائیں گے یا جس جگہ منتقل کیا جارہا ہے وہ برکت والی جگہ ہو اور حصول برکت کی امید ہو یا اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کرنے کے لیے یا اپنے خاندان کی رہائش کے قریب تا کہ وہ قبرستان پر آسکیں، تو جائز ہے۔

حنابلہ کے نزدیک کسی صحیح مقصد کے لیے میت کو منتقل کیا جاسکتا ہے مثلاً جہاں دفن کیا گیا اس کی بہ نسبت بابرکت جگہ دفن کرنے کے لیے، کسی نیک شخص کی قبر کے پڑوس میں تاکہ اس کی برکت سے مستفید ہو تو جائز ہے، البتہ شہید جہاں شہید ہو وہیں دفن کیا جائے اسے دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے، اگر منتقل کرلیا گیا تو مستحب یہ ہے کہ واپس اس جگہ لا کر دفن کیا جائے کیوں کہ جائے شہادت پر دفن کرنا سنت ہے۔

غزوہ احد کے کچھ شہداء کو مدینہ منتقل کر دیا گیا تھا لیکن آپ نے انہیں واپس احد میں منتقل کروا کر ان کی جائے شہادت پر دفن کروایا۔ (۲۳۰)

شافعیہ کہتے ہیں کہ دفن کے بعد بلا ضرورت قبر اکھاڑنا حرام ہے، ہاں اگر کوئی شخص غسل اور تیمم کے بغیر دفن کر دیا گیا یا غصب شدہ کفن یا زمین میں دفن کیا گیا یا قبر میں مال گر گیا یا قبلہ رو کے علاوہ کسی اور سمت دفن کیا گیا تو قبر کھولی جاسکتی ہے۔ کفن پہنانے کے لیے قبر نہیں کھولی جاسکتی، کیوں کہ کفن کا مقصد پردہ پوشی ہے جو مٹی ڈالنے سے حاصل ہوگئی، نیز قبر اکھیڑنے میں میت کی بے حرمتی ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک دفن کے بعد مطلقاً میت کو منتقل کرنا جائز نہیں۔ رہی یہ بات کہ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کو دفن کے بعد مصر سے شام منتقل کیا گیا تھا تاکہ اپنے آباء کے قبرستان میں دفن ہوں تو یہ پہلی شریعت کی بات ہے اور اس میں وہ شرائط پوری نہیں ہوتیں کہ یہ ہماری شریعت بن سکے۔ اس بنا پر میت کی ہڈی توڑنا، اسے منتقل کرنا جائز نہیں، خواہ میت ذمی ہو اور خواہ طویل زمانہ گزر گیا ہو، قبر نہ اکھیڑی جائے۔

الغرض ان مذاہب کا اصل نقطہ نظر یہ ہے کہ میت کا احترام برقرار رکھا جائے اور جہاں دفن کیا گیا ہو وہیں رہنے دیا جائے، اصل یہی ہے البتہ جمہور کے نزدیک کسی ضرورت، مصلحت یا صحیح مقصد کے تحت منتقل کرنا جائز ہے، حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں ہے۔

۴۔ شافعیہ کہتے ہیں (۲۳۱) قبر کو خوشبو لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، حنابلہ اور حنفیہ کے ساتھ شافعیہ بھی ہم آہنگ ہیں کہ قبر پر پانی کا چھڑکاؤ مستحب ہے اور قبر پر تر شاخیں اور پھول وغیرہ اور دوسری تر چیزیں رکھنا مسنون ہیں تاکہ قبر کی مٹی ہموار ہونے سے محفوظ رہے، ان کے خشک ہونے سے پہلے انہیں قبر پر سے کوئی دوسرا نہ اٹھائے، کیوں کہ جس نے وہاں تر چیزیں رکھی ہیں وہ ان کے خشک ہونے سے پہلے ان سے بے نیاز نہیں ہوگا۔ البتہ جب خشک ہوجائیں تو ان کا نفع ختم ہوجاتا ہے یعنی استغفار کرنا بند کر دیتے ہیں۔

پانی کے چھڑکاؤ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا اور اس پر کنکریاں ڈالیں۔(۲۳۲)

حنفیہ نے کہا ہے (۲۳۳) کہ قبرستان سے تر شاخیں اور گھاس کاٹنا مکروہ ہے، خشک لکڑیاں اور گھاس کاٹنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ جب تک یہ چیزیں تر ہوتی ہیں تسبیح کرتی ہیں اور میت ان سے مانوس ہوتی ہے، ان کے ذکر سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔قبر پر تر شاخ اور آس وغیرہ رکھنا مستحب ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تر شاخ کو دو حصوں میں تقسیم کرکے دو قبروں پر رکھ دیا جن کو عذاب ہو رہا تھا اور عذاب میں تخفیف کی علت بتاتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوگئیں یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی کیوں کہ تر شاخ کی تسبیح خشک کی بہ نسبت کامل تر ہے کیوں کہ اس میں ایک گونہ زندگی ہے۔

اگر کوئی چیز خود رو ہے تو اسے کاٹنا مکروہ ہے کیوں کہ اس میں میت کی حق تلفی ہے۔

۵۔ ایک قبر میں زیادہ لوگوں کو اکھٹے دفن کرنا: فقہاء کا اتفاق ہے کہ بلا ضرورت ایک قبر میں دو افراد کو دفن نہ کیا جائے (۲۳۴) حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کردیا گیا، مجھے اس وقت تک چین نہیں آیا جب تک کہ میں نے اسے نکال کر الگ قبر میں دفن نہیں کردیا(۲۳۵)۔نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر میں ایک ہی فرد کو دفن کرتے تھے۔

ضرورت سے مراد یہ ہے کہ بکثرت اموات واقع ہوجائیں اور ہر فرد کے لیے قبر میسر نہ ہو یا جگہ تنگ ہو یا قبریں کھودنے والے نہ ہوں تو اجنبی مردوں عورتوں کو اکھٹا دفن کیا جاسکتا ہے۔

اس صورت میں جو شخص امامت کی ترتیب کے اعتبار سے افضل ہے اسے پہلے دیوار قبلہ کی طرف رکھا جائے، مرد قبلہ کی دیوار کی طرف ہو اور عورت اس کے پیچھے اور بچہ ان

دونوں کے بعد، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے بارے میں پوچھا کہ کس کو قرآن زیادہ یاد تھا، اسے قبلہ کی دیوار کے ساتھ پہلے دفن کیا لیکن اولاد کو والدین سے آگے نہ دفن کیا جائے۔ نانا پہلے دفن کیا جائے، اسی طرح دادا باپ سے پہلے اور باپ بیٹے سے پہلے، خواہ اولاد والدین سے افضل ہو کیوں کہ انہیں والدین ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اسی طرح ماں کو بیٹی کے آگے رکھا جائے خواہ بیٹی افضل ہو۔

دونوں میتوں کے درمیان مٹی کی آڑ کھڑی کردی جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات میں ایسا کیا۔

اگر کوئی میت گل سڑ گئی، مٹی ہوگئی تو اس کی قبر میں دوسرے آدمی کو دفن کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں اس زمین کے ماہرین سے رجوع کرنا چاہیے۔ اگر میت باقی ہوتو قبر اکھاڑنا جائز نہیں۔

۷۔ دفن کے احکام

ا۔ دفن کی کیفیت:

میت کو قبر میں اتارنے کی کیفیت کے بارے میں فقہاء کی تین آراء ہیں: (۲۳۶)

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ممکن ہوتو میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا جائے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتارا گیا تھا، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ قبر کے کنارے پر قبلہ کی طرف رکھا جائے، پھر میت اٹھا کر لحد میں رکھ دی جائے، میت کو پکڑنے والا قبلہ رو ہو کیوں کہ قبلہ کو شرف وعزت حاصل ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس صورت میں قبر کے گرجانے کا خطرہ نہ ہو ورنہ سر یا پاؤں کی جانب سے کھسکا کر میت کو قبر میں اتارا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کسی بھی جانب سے میت کو قبر میں اتاریں کوئی حرج نہیں، قبلہ کی طرف سے اَولیٰ ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ پاؤں کی طرف سے میت کو قبر میں اتارا جائے، اگر اس طرح آسان ہو، پھر اسے قبر میں کھسکا لیا جائے کیوں کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر کی طرف کھسکا دیا گیا تھا،(۲۳۷) نیز اس طرح قبر میں اتارنا آسان ہوتا ہے۔

سر اور پاؤں کے پاس کفن کی گرہیں کھول دی جائیں، کیوں کہ یہ گرہیں اس لیے لگائی گئی تھیں کہ کفن بکھر نہ جائے، دفن کے بعد اس کا خوف نہیں رہتا۔ روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نعیمؓ بن مسعود اشجعیؓ کو قبر میں رکھا تو اپنے منہ سے گرہیں کھول دیں(۲۳۸)، ابن مسعودؓ اور سمرہ بن جندبؓ سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔

میت کو دائیں پہلو پر لٹا کر قبلہ رو کر دیا جائے۔

مرد کو مرد ہی قبر میں اتاریں، اتارنے والوں کی تعداد مقرر نہیں ہے، سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا مستحق ہے اور عورت کو اس کا شوہر یا محرم قبر میں اتاریں۔ محرم سے مراد وہ ہے جس کے لیے زندگی میں اسے دیکھنا جائز تھا اور اس کے ہمراہ سفر کرنا جائز تھا۔ اگر ایسے افراد نہ ہوں تو عورتیں اتاریں، اگر وہ بھی نہ ہوں تو ایسے بڑی عمر کے نیک مسلمان جو دفن پر قدرت رکھتے ہوں۔

دایاں ہاتھ بدن کے ساتھ لمبا کر دیا جائے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ سر اور پاؤں مٹی کے ساتھ برابر کر دیے جائیں تا کہ میت بالکل سیدھی ہو، شافعیہ کے نزدیک مستحب ہے کہ سر کے نیچے اینٹ یا پتھر وغیرہ تکیے کے طور پر رکھ دیا جائے۔ اس امر پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ فرش کے طور پر قبر میں کوئی چیز نہ بچھائی جائے۔ میت کے نیچے فرش یا گدا یا کپڑا یا چٹائی وغیرہ ڈالنا مکروہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ جب تم مجھے لحد میں اتار دو تو میرے رخسار مٹی کے ساتھ لگا دو۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا تھا، میرے اور زمین کے درمیان کوئی چیز نہ رکھنا۔ لحد پر کچی اینٹیں کھڑی کی جائیں کیوں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا تھا، مجھے

اسی طرح دفن کرنا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا تھا اور مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کر کے لگا دینا اور اوپر سے مٹی ڈال دینا۔(۲۳۹)

پکی اینٹ اور لکڑی لگانا مکروہ ہے نیز قبر میں پختہ اینٹ، لکڑی یا کوئی ایسی چیز جسے آگ نے چھوا ہو داخل نہ کی جائے (۲۴۰) حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک سرکنڈے ڈال کر ان پر مٹی ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔

جو شخص قبر کے کنارے پر ہے اس کے لیے مستحب ہے کہ تین مٹھیاں مٹی قبر پر ڈالے، جیسا کہ اس کی وضاحت کی گئی، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر تین مٹھیاں مٹی ڈالی۔(۲۴۱)

مستحب ہے کہ کچھ لوگ دفن کرنے کے بعد قبر پر اتنی دیر کھڑے ہو کر میت کے لیے دعا کرتے رہیں جتنی دیر ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے کیوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہر جاتے اور فرماتے : اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو، اللہ سے اس کی ثابت قدمی کی دعا مانگو، کیوں کہ اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔(۲۴۲)

۲۔ دفن کی جگہ اور سمندر میں دفن کرنا:

دوسری جگہ کی بہ نسبت قبرستان میں دفن کرنا افضل ہے کیوں کہ وہاں قبرستان میں آنے والے اور گزرنے والے لوگ دعا کرتے ہیں(۲۴۳)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کے افراد اور صحابہ کو بقیع میں دفن کیا کرتے تھے، قبر کی جگہ خرید کر وہاں دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ حضرت عثمان اور حضرت عائشہؓ نے کیا۔ کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں اور مسلمان کو کافروں کے قبرستان میں نہ دفن کیا جائے (۲۴۴)۔ اگر کوئی ذمی (یہودی یا عیسائی) عورت مر جائے اور وہ کسی مسلمان سے حاملہ ہو اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر جائے تو شافعیہ اور حنابلہ (۲۴۵) کے نزدیک اسے مسلمانوں اور کفار کے قبرستانوں

کے درمیان دفن کیا جائے اور اس کی پشت قبلہ کی طرف کردی جائے تاکہ بچے کا منہ قبلہ رو ہوجائے کیوں کہ بچے کا منہ ماں کے پیٹ کی طرف ہوتا ہے، ایسی عورت کو اکیلے دفن کیا جائے کیوں کہ اس کا بچہ مسلمان ہے اسے کافروں کے عذاب سے تکلیف ہوگی اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے کیوں کہ وہ کافرہ ہے۔

اگر کوئی شخص سمندر میں کشتی میں فوت ہوجائے تو فقہاء کا اتفاق ہے(۲۴۶) کہ اسے غسل، کفن دے کر نماز جنازہ پڑھی جائے اور اگر ایک دو روز میں خشکی پر پہنچنے کی امید ہو تو انتظار کریں بشرطیکہ لاش خراب ہونے کا ڈر نہ ہو۔

اگر خشکی دور ہو یا لاش خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو اس پر کفن مضبوطی سے باندھ دیا جائے اور حنفیہ کے نزدیک تابوت میں رکھ دیا جائے اور حنابلہ کے نزدیک اس کے ساتھ پتھر وغیرہ بھاری چیز باندھ دی جائے تاکہ ڈوب جائے اور مالکیہ کہ نزدیک کچھ نہ باندھا جائے اور دائیں پہلو پر قبلہ رخ کرکے اسے سمندر میں ڈال دیا جائے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ دو تختوں کے درمیان رکھ کر سمندر میں ڈال دیا جائے، ہوسکتا ہے اس کی لاش کسی ساحل پر پہنچے تو اسے دفن کردیا جائے یا ساحل پر رہنے والے کافر ہوں تو لاش سمندر میں ڈال دی جائے۔

جمہور کی رائے اَولیٰ ہے کیوں کہ سمندر میں ڈالنے سے دفن کا مقصد یعنی پردہ پوشی حاصل ہوجاتا ہے اور دو تختوں کے درمیان ڈالنے سے لاش خراب ہوگی اور اس کی بے حرمتی بھی ہوگی، ہوسکتا ہے ساحل پر ننگ دھڑنگ لاش پڑی رہے۔

۳۔ دفن کا وقت:

افضل یہ ہے کہ دن کے وقت دفن کیا جائے اور ایسے اوقات میں جن میں نفل نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ رات کو دفن کرنا جائز ہے، مکروہ نہیں، حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی یہی مختار رائے ہے۔ شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر اندازے کے بغیر نماز کے مکروہ وقت میں دفن کردیا تو جائز ہے اور اگر اندازہ کرکے دانستہ اس وقت دفن کیا تو مکروہ ہے۔(۲۴۷)

رات کو دفن کرنے کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کو دفن کیا گیا، جیسا کہ امام احمد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا، حضرت ابوبکرؓ کو رات کو دفن کیا گیا، بخاری نے '' رات کو دفن کرنے'' کے باب میں تعلیقاً ذکر کیا۔(۲۴۸) صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران ایک شخص کو رات کو دفن کیا تھا۔ (۲۴۹)

۴۔ دفن کے وقت کیا کہا جائے:

جو شخص میت کو قبر میں رکھے، اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ کہے(۲۵۰) بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ (اللہ کے نام سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر) اس میں اتباع سنت ہے (۲۵۱) ایک روایت میں ملة کے بجائے سنت کا لفظ ہے۔

مناسب حال دعا کا اضافہ کرنا مسنون ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ آپ قبر پر اینٹیں برابر کرتے ہوئے یہ دعا کیا کرتے تھے: اللھم اجرھا من الشیطن ومن عذاب القبر، اللھم جاف الارض من جنبیھا وصعد روحھا ولقھا منک رضواناً (اے اللہ! اسے شیطان اور عذاب قبر سے محفوظ رکھ، زمین کو اس کے پہلوؤں سے دور ہٹا دے، اس کی روح کو بلندی عطا فرما اور اسے اپنی رضا مندی سے نواز)۔

ابن المنذر کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ قبر پر اینٹیں سیدھی کرتے وقت کہا کرتے: اللھم اسلمه الیک الاھل والمال والعشیرة وذنبه عظیم فاغفر له (اے اللہ! اس کے خاندان، مال اور قبیلے نے اسے تیرے سپرد کردیا، اس کے گناہ بڑے بڑے ہیں تو اسے معاف کردے)۔

۵۔ دفن کے بعد تلقین:

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک (۲۵۲) دفن کے بعد مکلّف کے جنازے پر تلقین کہنا مستحب ہے۔

تلقین کہنے والا قبر کے سرہانے بیٹھ جائے اور اس سے یوں کہے:

یا عبداللہ ابن امت اللہ، اذکر ما خرجت علیہ من دار الدنیا، شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ، وان الجنۃ حق والنار حق وان البعث حق وان الساعۃ آتیۃ لاریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور وانک رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیاً وبالقرآن اماما وبالکعبۃ قبلۃ وبالمومنین اخواناً۔

(اے اللہ کی کنیز کے بیٹے، اللہ کے بندے، اس عقیدے کو یاد کر جس پر تو دنیا سے نکلا ہے یعنی یہ گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور جنت حق ہے، جہنم حق ہے، قیامت حق ہے اور قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اللہ تعالیٰ تمام اہل قبور کو دوبارہ اٹھائے گا۔ تو اللہ کے رب، اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی، قرآن کے امام، کعبہ کے قبلہ اور اہل ایمان کے بھائی ہونے پر راضی رہا)۔

یہ الفاظ ایک حدیث کے ہیں۔(۲۵۳)

نووی نے الروضۃ میں لکھا ہے کہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن دوسری صحیح احادیث کے شواہد سے قوی ہوجاتی ہے اور قرن اوّل جس کے لوگوں کی اقتدا کی جاتی ہے، اس وقت سے آج تک لوگوں کا معمول رہا ہے۔ نیز ارشاد ربانی ہے: وذکر فان الذکری تنفع المومنین (الذاریات ۵۱: ۵۵) (نصیحت کرو، نصیحت سے مسلمانوں کو نفع ہوتا ہے) اس موقع سے زیادہ کب بندہ نصیحت کا محتاج ہوگا؟

میری رائے میں حق یہ ہے کہ تلقین کہنا سنت نہیں ہے۔ بظاہر صحابہ نے اسے مستحب قرار دیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ راشد بن سعد، حمزہ بن حبیب اور حکیم بن عمر کی روایت ہے جب میت کی قبر برابر کی جاتی اور لوگ چلے جاتے تو لوگ اسے مناسب سمجھتے کہ قبر کے پاس کھڑے ہوکر میت سے یوں کہیں:

''اے فلاں، کہو، لا الـه الاالله، اشهـد ان لا اله الا الله تین بار۔ اے فلاں، کہو، اللہ میرا رب ہے، اسلام میرا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں'' پھر لوٹ جاتے۔(۲۵۴)

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نزع کی حالت میں تلقین مستحب ہے، دفن کے بعد نہیں۔

۶۔ قبر ڈھانپنا:

اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ میت کو دفن کرتے وقت عورت کی قبر پر پردہ تان دیا جائے کیوں کہ عورت کا پردہ ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا بدن کھل جائے اور لوگ دیکھ لیں۔ اگر مرد کی میت ہو تو حنابلہ کے نزدیک قبر پر پردہ کرنا مکروہ ہے اور مالکیہ وحنفیہ کے نزدیک بلا عذر پردہ نہ کیا جائے، عورت کی قبر پر پردہ تاننے کی دلیل حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ کا عمل ہے۔(۲۵۵)

شافعیہ کے نزدیک میت کسی کی بھی ہو، قبر میں اتارتے وقت پردہ تان لینا مستحب ہے، خواہ مرد کی میت ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر پر پردہ کر دیا تھا۔ کیوں کہ اس سے بدن کے جس حصے کو چھپانا واجب ہے اس کے کھلنے سے بے پردگی ہونے سے بچا جاسکتا ہے اور عورت کی میت کے لیے پردے کی زیادہ تاکید ہے۔(۲۵۶)

۷۔ تابوت یا صندوق میں دفن کرنا:

تابوت میں دفن کرنا عیسائیوں کا طریقہ ہے، وہ اپنے مردوں کو تابوت میں دفن کرتے ہیں۔ مسلمان صرف کسی عذر کی وجہ سے ایسا کر سکتے ہیں، جیسا کہ فقہائے اسلام نے اس کی تصریح کی ہے۔(۲۵۷)

حنفیہ کہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت پتھر یا لوہے کا تابوت میت کے لیے بنایا جاسکتا ہے مثلاً زمین کی مٹی سیم زدہ ہو یا گیلی ہو یا میت کو سمندر میں ڈالنا ہو یا عورت کی میت ہو۔ مسنون یہ ہے کہ تابوت میں نیچے مٹی رکھ دی جائے۔

مالکیہ کے نزدیک تابوت میں نہ دفن کرنا بہتر ہے۔ مستحب یہ ہے کہ لحد کا منہ کچی اینٹ سے، لکڑی کے پھٹے سے، کچی مٹی کی سل سے، پختہ اینٹ سے اور گارے سے بند کردیا جائے تاکہ اینٹیں اپنی جگہ ٹھہر جائیں۔

شافعیہ کے نزدیک گیلی یا نرم زمین کے علاوہ میت کو تابوت میں دفن کرنا مکروہ ہے یا جلنے کی وجہ سے یا زہر وغیرہ کی وجہ سے بدن پھٹ گیا ہو اور تابوت کے بغیر بدن کے ٹکڑے اکھٹے نہیں رہ سکتے یا کسی ایسی عورت کا جنازہ ہو جس کا کوئی محرم نہیں تو تابوت میں دفن کردیں تاکہ دفن کے وقت اجنبی لوگ اسے ہاتھ نہ لگائیں۔

حنابلہ کہتے ہیں، تابوت میں دفن کرنا مستحب نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے منقول نہیں ہے، اس میں اہل دنیا کے ساتھ مشابہت ہے، نیز زمین فضلات کو جذب کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

۸۔ قبروں کی زیارت:

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ روح جو انسان کا نفس ناطقہ ہے جس سے انسان کی قوت گویائی ہے اور جس کی بنا پر گفتگو سمجھتا ہے، وہ جسم کے فنا ہونے سے فنا نہیں ہوتی، وہ جوہر ہے عرض نہیں اور مردوں کی روحوں کا اجتماع ہوتا ہے، اوپر کی روحیں نیچے اترتی ہیں، اس کے برعکس نہیں ہوتا، امت کے اسلاف اور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ عذاب یا نعمتیں بدن اور روح دونوں کو ملتی ہیں اور روح بدن سے الگ ہوکر راحت یا عذاب میں باقی رہتی ہے اور کبھی بدن سے اس کا تعلق بھی ہوتا ہے اور بدن کے ساتھ آرام یا عذاب میں ہوتی ہے۔

اہل سنت کا ایک قول یہ ہے کہ راحت اور عذاب بدن کے لیے ہے روح کے

لیے نہیں۔

بکثرت آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو اپنے خاندان اور ساتھیوں کے دنیوی حالات کا علم ہوتا رہتا ہے اور یہ حالات اس پر پیش کیے جاتے ہیں اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہیں دیکھتا ہے اور اس کے پاس جو کام کیا جائے اسے معلوم ہوتا ہے اور اچھے کاموں پر خوش اور برے کاموں پر غم زدہ ہوتا ہے۔

جمعہ کے روز طلوع آفتاب سے پہلے جو کوئی قبر پر جائے اسے پہچانتا ہے، یہ وقت خاص ہے، بھلائی کے کاموں سے اسے نفع پہنچتا ہے، اس کے پاس برے کام کیے جائیں تو اسے اذیت ہوتی ہے۔(۲۵۸)

قبور کی زیارت کے حکم میں عورتوں کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔(۲۵۹)

مردوں کے بارے میں بالاتفاق حکم یہ ہے کہ ان کے لیے قبور کی زیارت جائز ہے۔

الف۔ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے قبرستان میں جانا مستحب ہے کیوں کہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ ہر سال کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے: السلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار (تمہارے صبر پر تمہارے لیے سلامتی ہو، آخرت کا گھر کتنا عمدہ ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں اہل قبور کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے اور دعا کرتے: السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون، اسأل اللہ لی ولکم العافیة (اہل ایمان کا گھر، تمہارے لیے سلامتی ہو، ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، میں اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت مانگتا ہوں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں قبروں کی زیارت سے روکتا تھا، اب قبرستان جایا کرو، یہ موت کی یاد دلاتے ہیں،(۲۶۰) ایک روایت میں ہے آخرت کی یاد

دہانی کا ذریعہ ہیں۔

افضل یہ ہے کہ جمعہ، ہفتہ، پیر اور جمعرات کو قبرستان میں جائے اور سنت یہ ہے کہ کھڑے ہوکر زیارت کرے اور کھڑے ہوکر دعا کرے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے جب بقیع میں تشریف لے جاتے۔

زیارت کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ سورہ یٰسٓ پڑھے کیوں کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قبرستان میں گیا اور سورہ یٰسٓ پڑھ کر اس کا ثواب ان کو بخشا، اس روز ان کے عذاب میں کمی ہوجائے گی اور پڑھنے والے کو اس کے مطابق اجر ملے گا(۲۶۱) نیز آپؐ نے فرمایا: اپنے مردوں پر سورہ یٰسٓ پڑھا کرو۔(۲۶۲) سورہ یٰس

قرآن حکیم کے اور جس حصے کی توفیق ہو مثلاً سورہ فاتحہ، سورہ البقرہ کی ابتدائی آیات ''المفلحون'' تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورہ ملک، سورہ التکاثر اور سورہ اخلاص گیارہ یا بارہ مرتبہ، یا سات یا تین بار، آخری دونوں سورتیں تین بار پڑھے پھر یوں کہے کہ اے اللہ! جو تلاوت میں نے کی اس کا ثواب فلاں شخص یا اشخاص کو پہنچا دے۔ دارقطنی کی روایت ہے کہ جو شخص قبرستان کے پاس سے گزرا اور اس نے گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھ کر قبرستان والوں کو اس کا ثواب بخش دیا تو اس قبرستان میں دفن مردوں کی تعداد کے مطابق اسے ثواب ملے گا۔

عورتیں اگر غم تازہ کرنے، رونے دھونے اور بین کرنے قبرستان جائیں جیسا کہ ان کی عادت ہے تو یہ جائز نہیں اور حدیث ''اللہ کی لعنت ہے قبرستان میں جانے والیوں کے لیے'' کا یہی مفہوم ہے اور اگر عبرت پذیری اور روئے دھوئے بغیر دعا کے لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

افضل یہ ہے کہ جو شخص کوئی نفل صدقہ کرے اس کا ثواب تمام اہل ایمان مردوں اور

عورتوں کو پہنچائے کیوں کہ انہیں ثواب پہنچ جائے گا اور اس کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ مستحب یہ ہے کہ تلاوت کا ثواب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرے کیوں کہ آپؐ نے ہمیں گمراہی سے بچایا، اس میں شکر یہ بھی ہے اور عمدہ ہدیہ پیش کرنے کی روایت بھی۔

ب۔ جمہور کی رائے: مردوں کے لیے عبرت پذیری اور موت کی یاد دہانی کے لیے قبروں پر جانا مستحب ہے، عورتوں کے لیے مکروہ ہے، قبروں پر جانے سے پہلے روک دیا گیا تھا، بعد میں اجازت دے دی گئی، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''میں نے تمہیں قبروں پر جانے سے روک دیا تھا، اب جاسکتے ہو''۔ ایک اور روایت میں ہے'' وہاں بری بات زبان سے نہ نکالو''۔ صحیح قول یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ قبروں پر نہ جائیں۔ کافروں کی قبروں پر جانا مباح ہے۔ قبروں پر جانے کے وقت کے بارے میں امام مالک کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ روحیں قبرستان کے احاطے میں رہتی ہیں اس لیے وہاں جانے کا کوئی خاص دن مقرر نہیں ہے۔ جمعہ کی تعیین اس کی فضیلت اور فرصت کی وجہ سے ہے۔

عورتوں کے لیے قبرستان میں جانا اس لیے مکروہ ہے کہ کہیں وہ اپنی فطری نرم دلی، آہ و فغاں کی عادت اور مصائب برداشت نہ کرسکنے کے مزاج کی وجہ سے وہاں رونے دھونے اور چیخنے پکارنے نہ لگ جائیں۔ حرام نہیں ہے، کیوں کہ مسلم میں ام عطیہؓ کی روایت ہے کہ ہمیں قبروں پر جانے سے روکا گیا لیکن سختی نہیں کی گئی اور مکروہ ہونے کی وجہ وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ اللہ نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے(۲۶۳) البتہ عورتوں کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنا مسنون ہے اور دوسرے انبیاء وصلحاء کی قبروں کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ عورتیں سج دھج کر نہ جائیں، مردوں سے اختلاط نہ ہو اور وہاں آواز بلند نہ کریں۔

لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم جوان عورت کے لیے ہے۔ جو عورت بوڑھی ہوگئی کہ

مردوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں وہ مردوں کی طرح ہے۔ قبرستان میں کھانا پینا، ہنسنا، بہت باتیں کرنا اور بلند آواز سے تلاوت کرنا اور اسے عادت بنالینا مکروہ ہے۔

مستحب یہ ہے کہ مسلمانوں کے قبرستان میں جانے والا اہل قبور کو سلام کرے، تلاوت کرے اور دعا کرے۔

سلام کرتے ہوئے میت کی طرف منہ کرے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع کی زیارت کے موقع پر صحابہ کو سکھایا کہ یوں کہے: السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ (۲۶۴) بکم لاحقون (اے ایمان کے گھر، تم پر سلام ہو اور ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں) یا یوں کہے: السلام علیکم علی اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ تعالی بکم لا حقون، اسأل اللہ لناولکم العافیۃ (اے اہل ایمان واسلام کے گھروں کے رہنے والو! تم پر سلام ہو اور ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، میں اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت مانگتا ہوں) مسلم نے روایت کی، ابو داؤد نے اضافہ کرتے ہوئے لکھا: اللھم لاتحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم (اے اللہ! ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کرنا اور ان کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈالنا) لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

وہاں جس قدر توفیق ہو قرآن کی تلاوت کرے، قبرستان میں تلاوت سنت ہے، اس کا ثواب حاضرین کو ملتا ہے اور میت حاضر فرد کی طرح ہوتی ہے اس کے لیے رحمت کی امید ہوتی ہے۔

تلاوت کے بعد میت کے لیے دعا کی جائے اور قبولیت کی امید رکھی جائے کیوں کہ دعا میت کو فائدہ پہنچاتی ہے اور تلاوت کے بعد دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے، دعا کے وقت قبلہ رو ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: ”اے اللہ! بقیع غرقد والوں کی مغفرت

فرما"۔غرقد ایک کانٹے دار درخت ہے اور بقیع اہل مدینہ کا قبرستان۔

شافعیہ کی تصریح کے مطابق بکثرت قبرستان جانا مستحب ہے، نیک اور بزرگ لوگوں کی قبروں کے پاس زیادہ دیر رکے اور قبرستان جانے والا قبر کے سامنے اس طرح کھڑا ہو جیسا کہ زندہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔

قبر پر بنائے ہوئے تابوت کو بوسہ دینا، قبر کو بوسہ دینا اور قبر پر ہاتھ پھیرنا مکروہ ہے، اولیاء کی قبور کی زیارت کے لیے جاتے ہوئے چوکھٹوں کو چومنا وغیرہ جو کام لوگ کرتے ہیں سب بدعت ہیں۔افمن زین له سوء عمله فراٰه حسناً (فاطر۳۵: ۸) کیا جس شخص کے برے اعمال مزین کردیے گئے اور وہ انہیں اچھے سمجھنے لگا)۔

قبرستان میں داخل ہوتے ہوئے جوتے اتار لینا حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے کیوں کہ بُشیر بن الخصاصیہ کی روایت میں اس کا حکم ہے(۲۶۵)۔اکثر علماء کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باقی رکھا جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے۔

مطلب سوم: تعزیت اور اس کے متعلقات

۱۔ تعزیت کی تعریف اور اس کا حکم (۲۶۶)

تعزیت یہ ہے کہ میت کے خاندان کو تسلی دے، انہیں اجر کے وعدے پر صبر کرنے پر آمادہ کرے اور اللہ کے فیصلے پر راضی ہونے کی ترغیب دے، مسلمان میت کے لیے دعا کرے۔تعزیت تین دن رات تک ہوتی ہے، اس کے بعد مکروہ ہے البتہ جو شخص موجود نہ ہو وہ یا اس کے لیے کی جاسکتی ہے، مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غم تازہ نہ ہوجائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک تعزیت کی اجازت دی ہے، آپؐ نے فرمایا: جو عورت اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین دن سے

زیادہ کسی کے لیے سوگ کرے، البتہ اپنے شوہر کے لیے چار ماہ دس دن سوگ کرے (۲۶۷) مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک بار بار تعزیت کرنا مکروہ ہے، جو شخص پہلے تعزیت کر چکا ہے وہ قبر کے پاس تعزیت نہ کرے اور دفن سے پہلے کی بہ نسبت دفن کے بعد تعزیت کرنا افضل ہے، کیوں کہ دفن سے پہلے خاندان کے لوگ تجہیز میں مصروف ہوتے ہیں اور دفن کے بعد جدائی کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تعزیت کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے کہ مصیبت زدہ کسی گھر یا راستے کے کنارے کہیں بیٹھ جائے تاکہ لوگ آ کر تعزیت کرتے جائیں یا تعزیت کرنے والا تعزیت کے لیے مصیبت زدہ کے پاس جا بیٹھے کیوں کہ اس سے غم تازہ ہوتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مسجد کے علاوہ کسی بھی جگہ تین دن تک تعزیت کے لیے بیٹھنا جائز ہے اور پہلا دن تعزیت کے لیے سب سے افضل ہے۔ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ میت کے خاندان کے لیے گھر یا مسجد میں بیٹھ جانے میں کوئی حرج نہیں تاکہ لوگ آتے جائیں اور تعزیت کرتے جائیں۔ مصیبت زدہ خاندان کے ہاں رات کو ٹھہرنا مکروہ ہے اور تعزیت ان کے گھر کرنا چاہیے۔ تعزیت کے لیے کوئی الفاظ مقرر نہیں ہیں۔ مسلمان کی تعزیت کرنے والا یوں کہے، اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بڑا اجر دے اور تمہیں صبر عطا کرے اور تمہارے مرنے والے کی مغفرت کرے۔ اور اگر کسی کافر کے مرنے پر تعزیت کرنا ہو تو کہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے اور صبر عطا کرے، میت کے لیے دعا نہ کرے کیوں کہ کافروں کے لیے دعا اور استغفار کرنے سے منع کیا گیا ہے، اگر کسی کافر سے مسلمان کی تعزیت کرے تو کہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صبر دے اور مرنے والے کی مغفرت کرے اور اگر کسی کافر سے کسی کافر کر تعزیت کرے تو کہے: ''اللہ تعالیٰ ہمارا اور تمہارا کارساز ہو تمہاری تعداد کم نہ ہو''۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کافر سے تعزیت کرنا حرام ہے کیوں کہ اس میں کافر کی تعظیم ہے جیسے کہ اسے ابتداءً سلام کرنا حرام ہے۔ جس سے تعزیت کی جائے وہ جواب میں کہے:

''اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے اور ہم پر اور تم پر رحم کرے''۔

تعزیت کرتے ہوئے مصافحہ کرنا یا جس سے تعزیت کی جارہی ہو اس کا ہاتھ پکڑنا مکروہ نہیں ہے۔

مردوں اور ایسی عورتوں سے جن سے تعزیت باعث فتنہ نہ ہو تعزیت کرنا مستحب ہے۔ چھوٹے بڑے، مرد عورت سب کی، اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے، البتہ ثوری کہتے ہیں کہ دفن کے بعد تعزیت مستحب نہیں ہے کیوں کہ اب معاملہ ختم ہوگیا۔ کوئی مرد کسی غیر محرم خوب صورت عورت سے تعزیت کرے تو یہ مکروہ ہے کیوں کہ اس میں فتنہ کا خوف ہے۔

تعزیت کے مستحب ہونے کی دلیل میں متعدد احادیث ہیں: مثلاً جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی اسے اسی قدر اجر ملے گا (۲۶۸) جو مصیبت میں کسی بھائی کی تعزیت کرتا ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے عزت واحترام کا لباس پہنائے گا۔(۲۶۹)

۲۔ رونا، دھونا، نوحہ وماتم کرنا، تھپڑ مارنا، کپڑے پھاڑنا:

میت پر دفن سے پہلے اور بعد میں رونا بالاتفاق جائز ہے البتہ آواز بلند نہ ہو، بری بات زبان پر نہ آئے، ماتم اور نوحہ نہ ہو (۲۷۰) کیوں کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم! ہم تجھے اللہ سے کسی کام نہیں آسکتے، پھر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: یا رسول اللہ! آپؐ رو رہے ہیں، کیا آپؐ نے رونے سے منع نہیں کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں، میں نے ماتم کرنے سے منع کیا تھا(۲۷۱) صحیحین میں ہے کہ جب آپؐ کی نواسی کی جاں کنی کا عالم تھا اور اسے اٹھا کر آپؐ کے سامنے لایا گیا اور وہ یوں سانس لے رہی تھیں گویا پرانے مشکیزے میں پانی ڈالا جارہا ہے تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے،(۲۷۲) حضرت سعدؓ نے کہا، یہ کیا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا، یہ رحمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں

ڈال دیتا ہے۔ اللہ کے بندوں میں سے رحم دل لوگوں پر ہی اللہ رحم کرتا ہے۔

رونا اللہ کے فیصلے پر راضی ہونے کے منافی نہیں بلکہ رونا اس لیے آتا ہے جو فائدہ حاصل ہو رہا تھا وہ جاتا رہتا ہے۔

حدیث میں جو آتا ہے کہ ''میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے(۲۷۳)'' تو جمہور علماء نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ جو کوئی یہ وصیت کرے کہ اس کے مرنے پر بین کیا جائے اور اس کی وصیت پر عمل درآمد ہو تو اسے اپنے گھر والوں کے رونے کے باعث عذاب ہوگا کیوں کہ ان نوحہ اور ماتم کا سبب وہی بنا ہے اور یہ عمل اسی کی طرف منسوب ہے۔ یاد رہے کہ عربوں میں اس طرح کی وصیت کرنے کا رواج تھا۔ مثلاً طرفہ بن عبد کا شعر ہے:

إذا متُّ فانعيني بما أنا أهلُه وشقّي علی الجيب يا ابنةَ معبد

''اے معبد کی بیٹی! جب میں مرجاؤں تو میری موت کا اس طرح اعلان کرنا جس کی میری موت مستحق ہے اور اپنا گریبان چاک کر دینا''۔

جس کے اہل خانہ اس کی وصیت کے بغیر گریہ وزاری یا نوحہ وماتم کریں تو ان کے رونے اور ماتم سے میت کو عذاب نہیں ہوگا کیوں کہ ارشاد ربانی ہے:

ولا تزر وازرة وزر اخری(الانعام ۶:۱۶۴) کسی فرد پر دوسرے کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔

حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ شعر میں کسی کا مرثیہ کہنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مدح میں مبالغہ نہ کیا جائے بالخصوص جنازے کے وقت، کیوں کہ حدیث میں آتا ہے: ''جو کوئی جاہلیت کے طریقے پر تعزیت کرے تو اسے کہو کہ اپنے باپ کی شرم گاہ کاٹ کھائے اور صاف صاف کہو''۔(۲۷۴)

اس میں ادب سکھایا گیا ہے اور جاہلی طریقے اختیار کرنے سے سختی سے منع کیا گیا

ہے۔ کسی کی خوبیاں گنوا کر ماتم کرنا حرام ہے۔ نوحہ بھی حرام ہے اور غم میں سینہ کوبی کرنا، سر پھوڑنا اور گریبان چاک کرنا بھی حرام ہے۔

ندب (جو حرام ہے) سے مراد یہ ہے کہ میت کی خوبیاں گنوا کر اس کے جاتے رہنے سے جو نقصان ہوا ہے اس کا ذکر کرنا اور میت کو خوبیوں سے پکارنا، مثلاً یوں کہنا وار جلاہ (ہائے مرد) واجبلاہ (ہائے پہاڑ) وانقطاع ظھراہ (ہائے کمر ٹوٹ گئی) واکھفاہ (ہائے میرے پناہ) یا عزی، یا سندی (اے میری عزت، اے میرے نگہبان) وغیرہ۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہے اور اسے رونے والے واجبلاہ، واسنداہ وغیرہ کہہ کر روتے ہیں تو دو فرشتے اس کے سینے پر مُکا مار کر اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم ایسے تھے۔(۲۷۵) یہ سزا اس صورت میں ملتی ہے جب اس نے ماتم کرنے کی وصیت کی ہو یا کافر ہو۔

نوحہ یہ ہے کہ بلند آواز سے میت پر ماتم کیا جائے، حدیث میں ہے: میت پر ماتم کرنے والی اگر توبہ نہ کرے تو قیامت کے روز اس طرح کھڑی ہوگی کہ اس نے تارکول کی قمیص اور زنگ کی اوڑھنی پہنی ہوگی (۲۷۶) نیز حدیث میں ہے کہ بین کرنے والی اور سننے والی دونوں پر لعنت (۲۷۷)

جزع کرنا یعنی سینہ کوبی وغیرہ یا گریبان پھاڑنا، بال کھولنا، چہرہ سیاہ کرلینا، سر پر مٹی یا راکھ ڈالنا، رونے میں آواز بہت بلند کرنا حرام ہے کیوں کہ صحیحین میں ہے جس نے رخساروں پر تھپڑ مارے، گریبان پھاڑ دیا اور جاہلیت کے کام کیے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں اس عورت سے جس نے مصیبت کے وقت چیخ وپکار کی، جس نے بال منڈوا دیے یا کپڑے پھاڑ دیے۔

۳۔ مصیبت زدہ کے لیے مناسب کیا ہے اور مصیبت پر اجر وثواب (۲۷۸)

مصیبت زدہ کے لیے مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد اور صبر واستقامت کی

توفیق مانگے۔ صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد کے حاصل کرنے کے حکم پر عمل کرے اور اللہ نے صبر کرنے والوں کے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اس کے حصول کا یقین رکھے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون. اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمة واولئک ھم المھتدون (البقرہ، ۲: ۱۵۵۔ ۱۵۷) صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں ہیں اور یہی راہ راست پر ہیں۔

ان آیات کی بنا پر مصیبت زدہ فرد کے لیے مسنون ہے کہ وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہے یعنی ہم اللہ کے بندے ہیں وہ جو چاہے ہمارے لیے فیصلہ کرے اور ہم قیامت اور جزائے اعمال پر یقین رکھتے ہیں) نیز یہ دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے اس مصیبت پر اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما، دو رکعت پڑھے جیسا کہ ابن عباسؓ نے کیا اور یہ آیت پڑھی: واستعینوا بالصبر والصلاة (البقرۃ ۲: ۴۵) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشان کن صورت حال پیش آتی تو صبر کرتے (۲۷۹)۔ مسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ "جب تم کسی مریض کو دیکھنے یا میت کی تعزیت کے لیے جاؤ تو اچھے کلمات کہو، کیوں کہ فرشتے جو تم کہتے ہو اس پر آمین کہتے ہیں۔ جب ابو سلمہؓ فوت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہو، اے اللہ! مجھے اور انہیں بخش دے اور مجھے نعم البدل عطا فرما"۔ (۲۸۰)

مصیبت زدہ کے لیے سنت ہے کہ صبر کرے۔ صبر کا مطلب ہے "رکنا" ارشاد ربانی ہے: واصبروا ان اللہ مع الصابرین (الانفال، ۸: ۴۶) صبر کرو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ارشاد نبوی ہے: "صبر روشنی ہے"۔ (۲۸۱)

اولاد کی موت پر صبر کرنے میں بہت بڑا اجر ہے، جیسا کہ احادیث میں ہے، مثلاً صحیحین میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین بچے فوت ہوگئے ہوں اسے صرف قسم کی حد تک ہی آگ چھوئے گی، قسم کی حد سے مراد اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وان منکم الا واردھا (مریم ۱۹: ۷۱) (تم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے آگ پر سے گزرنا نہ ہو) اس گزرنے سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے۔

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارشاد ربانی ہے: میرے مومن بندے کا کوئی پیارا قریبی دنیا سے اٹھ جائے، پھر وہ صبر کرے تو اس کا اجر جنت کے سوا کوئی نہیں۔

صحیحین میں ہے، اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپ کو بلانے کے لیے کسی کو بھیجا کہ ان کا بچہ نزع کی حالت میں ہے، آپ نے قاصد سے کہا، پلٹ جاؤ اور ان سے کہو، اللہ جو لے لے وہ بھی اس کا اور جو دے دے وہ بھی اس کا، ہر بات کے لیے اللہ کے ہاں ایک وقت مقرر ہے، اسے کہو کہ صبر کرے اور حوصلے سے برداشت کرے۔(۲۸۲)

مصیبت پر ثواب: مصیبت پر صبر کرنے میں ثواب ہے، بذات خود مصیبت پر ثواب نہیں کیوں کہ مصائب بندے کے ارادے اور اختیار سے نہیں آتے، بندے کو اپنے اعمال پر ثواب ملتا ہے، صبر بندے کا عمل ہے۔ یہ حنابلہ اور العز بن عبدالسلام کا قول ہے۔

قضاو قدر پر راضی ہونا صبر سے بھی بلند درجہ رکھتا ہے، اس سے اللہ کی رضا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔امام شافعی نے تصریح کی ہے کہ دیوانہ اور ایسا مریض جس کی عقل مغلوب ہوجائے اسے اجر وثواب ملے گا اور بیماری کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہوں گے، امام شافعی نے باوجودیکہ عقل جاتے رہنے سے صبر بھی جاتا رہا پھر بھی ثواب ملنے کا حکم لگایا ہے اور اس کی تائید صحیحین کی حدیث سے ہوتی ہے کہ مسلمان کو جو دکھ بھی پہنچتا ہے، یا جو

بیماری، غم اور حزن، اذیت اور پریشانی حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ بندہ جب بیمار ہو جاتا ہے یا سفر کرتا ہے تو عام حالات میں اور تندرستی میں جو عمل کرتا تھا اس کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے۔

پس جس کسی کو کوئی مصیبت پیش آئے اسے دو ثواب ہوں گے، ایک فی نفسہٖ مصیبت کا اور دوسرے اس پر صبر کرنے کا، جس نے صبر نہ کیا تو اگر کسی عذر کی وجہ سے مثلاً دیوانگی وغیرہ تو اسے بھی ثواب ملے گا اور اگر آہ و پکار کی تو اسے ان میں سے کوئی سا ثواب بھی نہیں ملے گا۔

۴۔ میت کے گھر والوں کی ضیافت اور ان کے لیے کھانا تیار کرنا:

میت کے اقرباء اور پڑوسیوں کے لیے مستحب ہے کہ میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کریں (۲۸۳)۔ کیوں کہ روایت میں ہے، جب جعفر بن ابی طالب شہید ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جعفر کے خاندان کے لیے کھانا تیار کرو، انہیں مصیبت نے مصروف کردیا ہے (۲۸۴) ان کی مدد کے طور پر انہیں کھانا بھیجا جائے تا کہ ان کی دل شکستگی کا مداوا ہو، کیوں کہ ہوسکتا ہے وہ اپنی مصیبت اور آنے جانے والوں کی وجہ سے اتنے مشغول ہو جائیں کہ اپنے لیے کھانے کا انتظام نہ کرسکیں۔ کھانا اتنا ہونا چاہیے جو ان کے لیے ایک دن رات کے لیے کافی ہو۔

میت کے گھر والوں کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا مکروہ اور بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں کیوں کہ یہ ان کی مصیبت میں اضافہ کرنا اور ان کی مصروفیت بڑھانا اور اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کے مترادف ہے۔ اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے تو کھانا تیار کرنا اور کھلانا حرام ہے۔ جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم میت کے گھر والوں کے پاس اجتماع اور ان کے کھانا تیار کرنے کو قابل مذمت ماتم سمجھتے تھے۔ اگر ضرورت ہو تو جائز ہے کیوں کہ بسا اوقات دور دراز کے شہروں اور گاؤں سے لوگ جنازے پر آتے ہیں

اور وہیں ٹھہر جاتے ہیں، اس صورت میں ان کے لیے کھانے کا انتظام کیے جانے کے بغیر چارہ کار نہیں۔

۵۔ میت پر قرآن خوانی اور اس کا ثواب بخشنا:

فقہاء نے یہاں چند مسائل بیان کیے ہیں: (۲۸۵)

ا۔ فقہاء کا اجماع ہے کہ میت کو دعا اور استغفار سے فائدہ پہنچتا ہے مثلاً کہا جائے، اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما۔ نیز صدقے سے اور ایسی بدنی اور مالی واجب عبادات سے جن میں نیابت ہوسکتی ہے مثلاً حج، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: والذین جاء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان (الحشر ۵۹:۱۰) (جو ان کے بعد آئے کہتے اے ہمارے رب، ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم پر سبقت لے گئے ہیں) نیز ارشاد ربانی ہے: واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات (محمد ۴۷:۱۹) (اپنے گناہوں کی معافی مانگ اور اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے بھی) حضرت ابوسلمہؓ جب فوت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی اور عوف بن مالکؓ کی حدیث میں جس میت کا ذکر ہے اس کے لیے اور ہر اس میت کے لیے جس کی آپؑ نے نماز جنازہ پڑھی دعا کی۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! میری ماں مرگئی ہے، اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے فائدہ ہوگا؟ آپؑ نے فرمایا: ہاں (۲۸۶)۔ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور پوچھا: یا رسول اللہ! حج اللہ کی طرف سے فرض ہے اور میرا باپ اتنا بوڑھا ہوگیا ہے کہ سواری پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپؑ نے فرمایا: اگر تمہارے باپ کے ذمہ قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ کہا: کیوں نہیں۔ فرمایا: اللہ کا قرض ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے (۲۸۷) جس شخص نے پوچھا تھا کہ میری ماں مرگئی، اس کے ذمے ایک ماہ کے روزے ہیں، کیا میں اس

کی طرف سے روزے رکھوں، آپؐ نے اسے فرمایا، ہاں۔

ابن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ تمام احادیث صحیح ہیں اور ان میں اس امر پر دلیل ہے کہ تمام نیکیوں کا میت کو ثواب ملتا ہے کیوں کہ روزہ، دعا، استغفار بدنی عبادتیں ہیں جب اللہ ان کا ثواب میت کو پہنچا دیتا ہے تو دوسری عبادتوں کا کیوں نہیں پہنچائے گا۔

ب۔ علماء کا اختلاف ہے کہ کیا خالصتاً بدنی عبادات مثلاً نماز، تلاوت قرآن کا ثواب کسی دوسرے شخص کو دیا جاسکتا ہے، اس بارے میں دو آراء ہیں۔ حنفیہ، حنابلہ اور متاخرین شافعیہ ومالکیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر میت کی موجودگی میں تلاوت کی جائے، یا اس کے بعد دعا کی جائے، خواہ میت وہاں نہ ہوتو بھی ثواب پہنچتا ہے، کیوں کہ جہاں تلاوت کی جائے وہاں رحمت وبرکت نازل ہوتی ہے اور بعد میں دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے۔

متقدمین مالکیہ اور متقدمین شافعیہ کی مشہور رائے یہ ہے کہ خالص بدنی عبادت کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مختار رائے یہ ہے کہ قبر کے پاس تلاوت کرنے والوں کو بٹھا کر تلاوت کرنا مکروہ نہیں ہے اور دوسرے کی طرف سے حج (حج بدل) کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ آدمی اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے وہ عمل خواہ نماز ہو، روزہ ہو یا صدقہ وغیرہ ہو، اس سے اس کے اپنے عمل میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

حنابلہ کے نزدیک قبر کے پاس تلاوت میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے، جو قبرستان میں گیا، اس نے سورہ یٰسٓ پڑھی تو اس دن ان کے عذاب میں تخفیف ہوگئی اور پڑھنے والے کو ان کی تعداد کے حساب سے ثواب ملے گا۔ دوسری حدیث میں ہے: جس نے اپنے والدین کی قبر کی زیارت کی اور وہاں سورہ یٰسٓ پڑھی تو ان کی مغفرت ہوجائے گی۔(۲۸۸)

مالکیہ کے نزدیک مرنے کے بعد میت پر یا قبر پر تلاوت مکروہ ہے کیوں کہ یہ

اسلاف کا طریقہ نہیں لیکن متاخرین نے کہا ہے کہ تلاوت قرآن اور ذکر کرنے اور اس کا ثواب میت کو پہنچانے میں کوئی حرج نہیں۔ ان شاء اللہ اسے ثواب پہنچے گا۔

متقدمین شافعیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ کسی دوسرے کے عمل کا میت کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، مثلاً قضا نماز پڑھنا یا اور کوئی عمل یا تلاوت قرآن، لیکن متاخرین کی تحقیق کے مطابق سورہ فاتحہ وغیرہ کی قراءت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، لوگوں کا معمول یہی ہے اور جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ کام اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے۔ جب یہ ثابت ہے کہ فاتحہ سے سانپ کے ڈسے ہوئے زندہ آدمی کو فائدہ ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید ان الفاظ سے کی کہ: ''تجھے کس نے بتایا یہ دم ہے'' تو مردے کو بطریق اَولیٰ نفع ہوگا۔

اس بنا پر متاخرین فقہائے شافعیہ کا بھی وہی مذہب ہے جو دوسرے تینوں مذاہب ہیں کہ تلاوت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ سبکی کہتے ہیں: حدیث سے استنباط کرتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا بعض حصہ ایسا ہے کہ اگر اس کی تلاوت سے میت کو نفع پہنچانے اور اس کے عذاب میں تخفیف کی نیت کی جائے تو اسے نفع پہنچتا ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ سورہ فاتحہ پڑھنے سے اگر سانپ کے ڈسے ہوئے کو نفع پہنچانے کی نیت کی جائے تو نفع پہنچتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر اس کی تائید کی کہ ''تجھے کس نے بتایا یہ دم ہے'' تو اگر زندہ کی نیت کرکے اسے نفع پہنچایا جاسکتا ہے تو مردہ کو بطریق اَولیٰ پہنچایا جاسکتا ہے۔ قاضی حسین نے میت کے پاس اجرت پر قرآن خوانی کو جائز قرار دیا۔ ابن الصلاح کہتے ہیں: مناسب یہ ہے کہ یوں کہے: اے اللہ! جو تلاوت ہم نے کی اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے'' یعنی اسے دعا بنالے۔ اس میں دور نزدیک کا کوئی فرق نہیں، یہ یقین رکھنا چاہیے کہ نفع ہوگا کیوں کہ جب دعا سے دعا مانگنے والے کے علاوہ دوسرے شخص کو نفع ہوتا ہے تو جو اس کے لیے بطور خاص ہے اس سے بطریق اَولیٰ نفع ہونا

چاہیے۔ یہ صرف قرآن خوانی سے مختص نہیں بلکہ تمام اعمال کا نفع پہنچتا ہے۔

مطلب چہارم: شہادت فی سبیل اللہ

شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت، شہید کی تعریف، شہید کے احکام اور میدان جنگ کے علاوہ شہید ہونے والے افراد۔

شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت:

عقیدے اور بنیادی فکر کے لیے جان کی قربانی دینا اخلاص کا بلند ترین درجہ ہے اور ایمان کے دعوے کی سب سے سچی دلیل اور اللہ کی جنتوں میں داخل ہونے کا یقینی راستہ اور اللہ کی رضا کے حصول کا کامیاب ترین ذریعہ ہے۔ زندگیوں اور ممالک کے تحفظ کے لیے ہر دور میں امت اور مسلمانوں کی جماعت کو ضرورت رہی کہ کچھ فرزندان ملت اپنی جانوں کی قربانی دے کر مقدس اشیاء اور قابل احترام مقامات کا دفاع کریں۔ مقصد کے حصول کے لیے جرأت مندانہ قربانیاں اور عزت ومرتبت کی خاطر خون بہانے کے حوصلے کے بغیر کسی قسم قوم کے لیے عزت، مقام ومرتبہ اور شان وشوکت کے حصول کا کوئی تصور نہیں ہے۔

اسی لیے اللہ رب العزت نے شہدا کے لیے زندگی اور دائمی مسرتیں لکھ دی ہیں اور قرض کے علاوہ شہید کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ قرض چوں کہ بندوں کے مادی حقوق سے متعلق ہے اس لیے وہ معاف نہیں ہوتا، اللہ نے شہداء کے لیے جنت میں انبیاء ومرسلین کی ہمراہی میں بلند ترین مقام تیار کیا ہے جیسا کہ شرعی نصوص سے معلوم ہوتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا، بل احیاء عند ربھم یرزقون، فرحین بما اتا ھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوابھم من خلفھم الاخوف علیھم ولا ھم یحزنون، یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل وان اللہ لایضیع اجر المومنین (آل عمران،۳:۱٦۹ـ۱۷۱)

(جولوگ راہ خدا میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، اللہ نے جو فضل ان پر کیا ہے اس سے خوش ہیں اور ان کے بعد جو لوگ آنے والے ہیں ان کے لیے بھی کوئی خوف اور غم نہیں ہے اور اللہ کی نعمت اور اس کے فضل سے مطمئن ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں کرتا)۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا، بل احیاء عند ربھم یرزقون** (آل عمران ۳:۱۶۹) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ انہوں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپؐ نے فرمایا: ان کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں، عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قندیلوں میں ہیں، جنت میں جہاں چاہتی ہیں پھرتی ہیں، پھر واپس اپنی قندیلوں میں آجاتی ہیں۔(۲۸۹)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور انہیں جنت کے پھلوں سے لطف اندوز ہونے کی قدرت دی، اور جنت میں گھومنے پھرنے کا اختیار دیا، ارشاد ربانی ہے: **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات، بل احیاء ولکن لا تشعرون** (البقرة ۲:۱۵۴) جولوگ راہ خدا میں قتل ہوجاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں ہے۔ البتہ ان کی زندگی بدنی زندگی نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص قسم کی زندگی ہے جس کا ادراک عقل سے نہیں ہوتا بلکہ وحی سے ہوتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے: جو شخص جنت میں داخل ہوجاتا ہے، اسے دنیا میں خواہ کچھ بھی دیا جائے واپس دنیا میں نہیں آنا چاہتا بجز شہید کے، کہ وہ تمنا کرتا ہے کہ واپس دنیا کی طرف لوٹ جائے اور دس بار راہ خدا میں مارا جائے، کیوں کہ اس میں بڑی عزت ہے۔(۲۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے میں چاہتا ہوں کہ راہ خدا میں لڑائی کروں، پھر مارا جاؤں، پھر لڑائی کروں، پھر مارا جاؤں

(۲۹۱) نیز فرمایا: قرض کے علاوہ شہید کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔(۲۹۲)

شہید کی تعریف:

شہید کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے لیے جنت کی گواہی دی گئی ہے، یا اس لیے کہ وہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہے، یا اس لیے کہ ملائکہ اس کی موت پر حاضر ہوتے ہیں(۲۹۳) جو شہید اوپر مذکورہ فضائل کا مستحق ہے وہ شخص ہے جو دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے معرکے میں مارا جائے۔ فقہاء نے شہادت سے متعلق بعض مسائل میں اپنی رائے کے مطابق اس کے قریب قریب شہید کی تعریفیں کی ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک (۲۹۴) شہید وہ ہے جسے اہل حرب قتل کریں یا باغی یا ڈاکو یا چور، اپنے گھر میں، دن یا رات کو کسی وقت، کسی بھی آلے سے، تیز دھار ہو یا بھاری اور وزنی یا میدان جنگ میں ملے اور اس پر لڑائی کا کوئی اثر ہو مثلاً زخم ہو، ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو، جلا ہوا ہو، کان یا آنکھ سے خون نکلا ہوا ہو، یا کسی مسلمان نے اسے دانستہ تیز دھار آلے سے ظلماً قتل کیا ہو اور قتل ہونے والا مکلّف (عاقل، بالغ) مسلمان ہو، پاک ہو (حیض، نفاس اور جنابت سے) اور زخمی ہونے کے بعد خاصی دیر زندہ نہ رہا ہو۔

خاصی دیر زندہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ اس نے کھایا پیا ہو یا علاج کروایا ہو یا اتنا وقت باہوش وحواس زندہ رہا ہو کہ ایک نماز کا وقت گزر گیا ہو یا لڑائی سے ہوش وحواس میں زندہ منتقل کیا گیا ہو۔

جو شخص حد یا قصاص میں قتل ہوا ہو اسے غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی کیوں کہ وہ ظلماً قتل نہیں ہوا بلکہ حق میں مارا گیا، جو باغی یا ڈاکو قتل ہوجائیں، انہیں نہ تو غسل دیا جائے اور نہ ان پر نماز پڑھی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک شہادت کی شرائط یہ ہیں: اسلام، عقل، بلوغ اور حدث اکبر سے طہارت اور یہ کہ زخمی ہونے کے بعد جلدی مرجائے۔

جو شخص دشمن سے معرکہ میں قتل ہوجائے یا ظلماً قتل ہو یا جان ومال کے دفاع میں مارا جائے تو وہ شہید ہے اور اگر معرکہ سے زندہ نکل آیا، یا جنبی تھا تو اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

یاد رہے کہ اس مذہب میں اور حنابلہ کے مذہب میں باقی مذاہب کی نسبت شہادت کی تحدید میں وسعت ہے، صرف حدث اکبر کی شرط میں سختی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں(۲۹۵) شہید وہ ہے جو مشرکین کے ساتھ معرکے میں مارا جائے اور وہ بھی معرکے سے اس طرح نکالا گیا کہ وہ مردوں کے حکم میں تھا یعنی زندہ تھا لیکن نزع کے عالم میں اور مرنے تک کچھ کھانا پینا نہ کرے اور نہ کوئی بات کرے۔ اگر معرکہ کے علاوہ کوئی شخص ظلماً قتل ہوگیا یا معرکہ سے زندہ نکالا گیا، اس پر نزع کی حالت طاری نہیں تھی، پھر مرگیا، تو مشہور مذہب کے مطابق اسے غسل دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے جیسا کہ جو شخص مسلمانوں کی باہمی لڑائی میں قتل ہوجائے اسے بھی غسل دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور جنبی کو بھی غسل دیا جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں(۲۹٦) شہید وہ مسلمان ہے جو کفار کے ساتھ جہاد میں جنگ ختم ہونے سے پہلے لڑائی کے ذرائع میں سے کسی ذریعے سے مارا جائے، کافر نے قتل کیا ہو یا غلطی سے کسی مسلمان کے اسلحہ سے مارا گیا ہو یا اپنا وار لوٹ آیا ہو، اس سے مرگیا ہو، یا کسی کنوئیں یا گڑھے وغیرہ میں گرگیا ہو یا کسی جانور نے روند ڈالا ہو یا کسی ایسے مسلمان باغی نے قتل کردیا ہو جس سے جنگ کے دوران کفار مدد لیتے تھے۔

اگر لڑائی کے اسباب کے علاوہ کسی اور سبب سے مرگیا یا معرکہ ختم ہونے کے بعد مرگیا یا باغیوں سے لڑائی کرتے ہوئے مارا گیا تو اظہر روایت کے مطابق شہید نہیں ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک شہید ہونے کے لیے حدث اکبر سے پاک ہونا ضروری نہیں، جو شخص حالت جنابت میں مرگیا اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جو شخص اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے قتال کرتے ہوئے مارا جائے وہی شہید ہے۔(۲۹۷)

خودکشی کرنے والے کو دوسرے مسلمانوں کی طرح غسل دیا جائے اور اس کی نماز پڑھی جائے، کیوں کہ حدیث میں ہے: ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے، خواہ نیک ہو یا بدکار، خواہ اس نے کبیرہ گناہ کیے ہوں(۲۹۸)۔ یہ جمہور کی رائے ہے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز اور اوزاعی کی رائے یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیوں کہ اس نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ مسلم نے حضرت جابرؓ بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کا جنازہ لایا گیا جس نے اپنے نیزے کی دھار سے اپنے آپ کو قتل کردیا تھا، آپؐ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

حنابلہ کہتے ہیں (۲۹۹) شہید وہ ہے جو جنگ کے دوران کفار کے ساتھ لڑائی کی وجہ سے مارا جائے یا جو دشمن کفار یا باغیوں کے ہاتھوں قتل ہو یا جو ظلماً قتل کردیا جائے، خواہ غیر مکلّف ہو، مرد ہو چاہے عورت، خواہ بددیانت ہو اور اس نے مال غنیمت کا کچھ حصہ چھپا لیا ہو، جس شخص کا اسلحہ پلٹ کر اسے ہلاک کردے وہ بھی اس شخص کی طرح ہے جو دشمن کے ہاتھوں مارا جائے لیکن حنابلہ کے نزدیک حنفیہ کی طرح ایسے شخص کا حدث اکبر سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص حالت جنابت میں تھا اور قتل ہوگیا تو اسے غسل دیا جائے گا، اسی طرح اگر کسی شخص میں زندگی کی رمق باقی تھی اور اسے میدان جنگ سے اٹھالیا گیا تو وہ خواہ شہید ہو، اسے غسل دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

غیر مکلّف کے بارے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث عام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کو ان کے خون سمیت دفن کروادیا، انہیں غسل دیا نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی(۳۰۰)۔ جب کہ شہدائے احد میں حارثہ بن نعمانؓ بھی تھے جو

نابالغ تھے اور اس میں ان کا کوئی اختصاص نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو علت بتائی وہ تمام شہداء میں مشترک تھی، آپؐ نے فرمایا: جس ذات کے قبضے میں میری جان ہے، جو کوئی اللہ کی راہ میں زخمی ہو۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوا۔ وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے خون کا رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔(۳۰۱)

جو شخص مظلوم ہونے کی حالت میں مارا جائے اسے بھی میدان جنگ کے شہداء میں شمار کیا جائے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: جو اپنی جان بچاتا ہوا مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنا مال بچاتا ہوا مارا گیا وہ بھی شہید ہے، جو اپنے اہل وعیال کا دفاع کرتا ہوا مارا گیا وہ بھی شہید ہے(۳۰۲) کیوں کہ یہ لوگ ناحق مارے جاتے ہیں اس لیے کفار کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کے مشابہ ہیں، انہیں غسل نہ دیا جائے۔

جو انصاف پرور لوگ باغیوں کے ساتھ مقابلے میں مارے جائیں غسل اور نماز جنازہ کے سلسلے میں ان کا حکم وہی ہے جو مشرکین کے ساتھ معرکہ میں مارے جانے والوں کا ہے، کیوں کہ حضرت علیؓ کے ہمراہیوں میں جو لوگ قتل ہوئے، آپؓ نے انہیں غسل نہیں دیا اور حضرت عمارؓ نے وصیت کی تھی کہ انہیں غسل نہ دیا جائے اور اسی لباس میں دفن کیا جائے کیوں کہ وہ راہ حق کے شہید ہیں۔ امام احمد کہتے ہیں کہ انہوں نے جنگ جمل کے شرکاء کو وصیت کی تھی کہ ''کل اگر ہم شہید ہوجائیں تو ہمارے کپڑے نہ اتارے جائیں اور ہمیں غسل نہ دیا جائے'' نیز وہ معرکہ میں شہید ہوئے اس لیے کفار کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کے مشابہ ہیں۔

باغی کے بارے میں خرقی کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے جو قتل ہوجائے اسے غسل دیا جائے۔ کفن پہنایا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے کیوں کہ اس کے انصاف پسند گروہ کے ساتھ شامل ہونے کا احتمال ہے کیوں کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں دونوں طرف کے

مقتولوں کو غسل نہیں دیا گیا، چوں کہ معرکے میں بکثرت لوگ مارے جاتے ہیں، اس لیے ان کو غسل دینا مشکل ہے، پس وہ انصاف پسند گروہ کے مشابہ ہیں۔

شہداء کے احکام:

دفن، غسل، کفن پہنانے اور نماز جنازہ پڑھنے کے سلسلے میں شہداء کے الگ سے احکام ہیں، جن میں فقہاء کی آراء ذیل میں درج کی جاتی ہیں (۳۰۳) یاد رہے کہ اس سلسلے میں حنفیہ کی ایک رائے ہے اور جمہور کی اس سے مختلف۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ شہید کو اس کے لباس میں کفن دیا جائے، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اگر مکلّف ہو اور پاک ہو تو اسے غسل نہ دیا جائے البتہ اگر حیض، نفاس والی عورت یا جنبی شہید ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک غسل دیا جائے جیسا کہ بچے اور دیوانے کو بھی غسل دیا جائے جب کہ صاحبین کے نزدیک ان میں سے کسی کو غسل نہ دیا جائے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جنبی کو غسل دینے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ جب حنظلہؓ بن ابی عامر ثقفی شہید ہوئے تو آپ ؐ نے فرمایا: تمہارے ساتھی حنظلہؓ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، لوگوں نے ان کی بیوی سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ جنبی ہونے کی حالت میں ہی میدان جنگ میں چلے گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی لیے فرشتے انہیں غسل دے رہے تھے۔ (۳۰۴)

صاحبین کہتے ہیں کہ اگر غسل واجب ہوتا تو انسانوں پر غسل دینا واجب ہوتا، فرشتوں کا غسل دینا کافی نہ ہوتا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اصل میں غسل واجب ہے، غسل دینے والا خواہ کوئی ہو اور فرشتوں کے غسل دینے سے غسل ہو گیا۔

شہید کا خون نہ دھویا جائے، نہ اس کا لباس اتارا جائے، پوستین، کوٹ وغیرہ زائد

کپڑے، موزے، اسلحہ اور وہ اشیاء جو کفن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں وہ اتار لی جائیں کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''انہیں ان کے خون کے کمبل میں لپیٹ دو''۔ (۳۰۵)

جمہور کہتے ہیں کہ شہید کو نہ غسل دیا جائے، نہ کفن پہنایا جائے اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے تا کہ ان پر شہادت کی نشانیاں باقی رہیں اور ان کی عظمت کا اظہار ہو کہ وہ لوگوں کی دعاؤں سے مستغنی ہیں، البتہ خون کے علاوہ کوئی نجاست لگی ہوئی ہے تو اسے زائل کر دیا جائے کیوں کہ وہ شہادت کی نشانی نہیں ہے۔ اس کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کو ان کے خون سمیت دفن کر دیا، نہ تو غسل دیا اور نہ نماز جنازہ پڑھی (۳۰۶) بخاری اور مسلم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوا وہ اسی طرح زخمی حالت میں میدان حشر میں آئے گا، رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی''۔

شہید کے بدن سے چمڑے کا لباس اور اسلحہ الگ کر کے اس کے کپڑوں میں ہی اسے دفن کر دیا جائے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: انہیں ان کے لباس میں دفن کرو۔ (۳۰۷) لیکن حنابلہ کے نزدیک یہ ضروری نہیں، اَولیٰ ہے۔

مستحب یہ ہے کہ شہید جہاں شہید ہو کر گرا ہے اسے وہیں دفن کر دیا جائے، کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کو احد میں ہی دفن کر دیا تھا جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔

اس سلسلے میں بالغ اور نابالغ میں کوئی فرق نہیں کیوں کہ نابالغ بھی مسلمان ہے اور مشرکین کے ساتھ معرکے میں شہید ہوا ہے اس لیے بالغ کے مانند ہے۔ انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے بارے میں جو طریقہ اختیار کیا اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ شہدائے احد میں حارثہ بن نعمانؓ نابالغ لڑکے تھے۔ مالکیہ اور

شافعیہ کے نزدیک جنبی کو غسل نہ دیا جائے کیوں کہ حنظلہؓ بن راہب احد کے دن جنبی ہونے کی حالت میں شہید ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غسل نہیں دیا بلکہ فرمایا: میں نے فرشتوں کو غسل دیتے ہوئے دیکھا ہے (۳۰۸)۔ یہی بات درست ہے۔ اگر غسل دینا واجب ہوتا تو ہمارے غسل دیے بغیر واجب ساقط نہ ہوتا کیوں کہ غسل حدث سے پاکی کے لیے ہے اور شہادت کے باعث حدث ختم ہوجاتا ہے جیسا کہ دوسری میت کا غسل ساقط ہوجاتا ہے، پس غسل دینا حرام ہے۔

میدان جنگ کے علاوہ شہداء کا حکم:

جن شہداء کا ہم نے ذکر کیا اور جو خاص ثواب کے مستحق ہیں، وہ لوگ ہیں جو دنیا اور آخرت کے شہید ہیں، کچھ شہداء ایسے ہوتے ہیں جو صرف آخرت کے حکم کے اعتبار سے شہید ہوتے ہیں اور کچھ صرف دنیا کے اعتبار سے، پس شہداء کی تین اقسام ہیں:

۱۔ **دنیا اور آخرت کے حکم میں شہید**: وہ شخص جو میدان جنگ میں شہید ہو، دنیا میں اس کا حکم یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے اور جمہور کے نزدیک اس کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے جیسا کہ بیان کیا گیا، آخرت میں اس کا حکم یہ ہے کہ وہ خاص ثواب کا مستحق ہے۔ یہی شہید کامل شہید ہے۔

۲۔ **صرف دنیا کے حکم میں شہید**: شافعیہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو کفار کے ساتھ معرکے میں مارا جائے لیکن اس نے مال غنیمت میں خیانت کی ہو یا بھاگتے ہوئے مارا گیا ہو یا ریا کاری وغیرہ سے لڑتا ہوا مارا گیا ہو، اسے نہ تو غسل دیا جائے گا اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن آخرت میں اس کے لیے کوئی ثواب نہیں۔

۳۔ **صرف آخرت کے حکم میں شہید**: لڑائی کے علاوہ جو شخص ظلماً قتل کردیا گیا ہو، پیٹ کی بیماری میں یا طاعون سے یا ڈوب کر یا پردیس میں یا طالب علم حصول علم کے

دوران یا عشق کی وجہ سے (۳۰۹) مرگیا ہو یا زچگی سے یا دارالحرب وغیرہ میں مرگیا ہوتو وہ آخرت کے حکم میں شہید ہے۔(۳۱۰)

حنابلہ کہتے ہیں(۳۱۱) میدا ن جنگ کے علاوہ شہدا کی بیس سے زائد اقسام ہیں، سیوطی نے تیس کے قریب گنوائی ہیں: طاعون سے مرنے والا، پیٹ کی بیماری سے، ڈوب کر، گرمی سے یا آگ میں جل کر، کوئی چیز اوپر آ گرنے سے، جیسے دیوار وغیرہ اوپر آ گرے اور مرجائے کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ''پانچ قسم کے افراد شہید ہیں: طاعون سے، پیٹ کی بیماری سے، ڈوب کر، کوئی چیز اوپر آ گرنے سے مرنے والا اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا'' (۳۱۲)، ذات الجنب کی بیماری سے، سل کی بیماری سے، چہرے کی بیماری سے، طاعون میں صبر کرنے والا، کفار کے گرائے بغیر پہاڑ کی چوٹی سے گر کر مرنے والا۔ جو شخص راہ خدا میں تھا مثلاً سفر حج میں یا طلب علم کے سفر میں اور مرگیا، جس نے سچے دل سے شہادت کی تمنا کی، سرحدوں کا محافظ، زمین پر اللہ کی امانتوں کے محافظ یعنی علماء، دیوانہ، نفاس والی عورت، جسے کوئی زہریلا جانور کاٹ کھائے، جو شخص اپنے دین، جان، مال، خاندان کو بچاتے ہوئے یا ظلم کا دفاع کرتے ہوئے مرجائے، جسے کوئی درندہ پھاڑ کھائے، جو جانور سے گر کر مرجائے یا پردیس میں مرجائے۔(۳۱۳)

عاشق اگر اپنا عشق چھپا کر رکھے اور پاک دامن رہے، جمعرات کو مرنے والا، جسے میدان جنگ سے زندہ اٹھالیا گیا بعد میں مرگیا، جس نے زخمی ہونے کے بعد کھایا پیا، یا سوگیا، یا دوائی استعمال کی یا ایک نماز کا وقت زندہ ہونے کی حالت میں گزر گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی بیماری، حادثے، جان کی حفاظت میں مرگیا یا میدان جنگ سے زندہ اٹھایا گیا بعد میں مرگیا، پردیس میں یا طلب علم کے دوران یا جمعرات کو مرگیا وہ آخرت کے اعتبار سے شہید ہے۔

آخرت کے شہیدوں کا دنیوی حکم: جولوگ آخرت کے اعتبار سے شہید ہیں انہیں غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا اور بالاتفاق ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی جیسے دوسرے مرنے والوں کی پڑھی جاتی ہے۔ البتہ آخرت میں انہیں قیامت کے روز شہادت کا ثواب ملے گا۔

گناہ اور شہادت: گناہ کی وجہ سے آدمی شہادت سے محروم نہیں رہتا، ایسا شخص شہید بھی ہوگا اور گناہ گار بھی، کیوں کہ نیکی گناہوں کو ختم نہیں کرتی البتہ صغیرہ گناہ نیکی سے معاف ہوجاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ان الحسنات یذھبن السیئات (ہود ۱۱:۱۱۴) نیکیاں گناہوں کو ختم کردیتی ہیں، یعنی ارشاد ربانی کی اطاعت میں کیے گئے کام بالخصوص عبادات میں سے نماز گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ نیز ارشاد نبوی ہے: گناہ کے بعد نیکی کرو، وہ اسے ختم کردے گی۔ (۳۱۴)

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جو شخص ڈاکا ڈالنے کے دوران ڈوب گیا تو شہید ہوگا اور گناہ گار بھی، جو شخص اپنے گناہ کے سبب مرجائے وہ شہید نہیں اور اگر کوئی شخص گناہ کے دوران کسی اور سبب سے مرجائے تو وہ شہید ہوگا اور گناہ گار بھی رہے گا۔ اگر کسی نے غصب شدہ گھوڑے پر سوار ہوکر لڑائی کی یا کچھ لوگ کسی گناہ کے کام کے لیے کسی گھر میں جمع تھے کہ اس کی چھت گرگئی تو وہ شہید ہوں گے اور ان کے ذمے ان کا گناہ الگ سے ہوگا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ گناہ کے دوران اسباب شہادت میں سے کسی سبب سے مرگیا تو ایسا شخص گناہ گار شہید ہوگا اور اگر گناہ کے باعث مرگیا تو شہید نہیں ہوگا۔ جو عورت زنا سے حاملہ تھی اور بچے کی پیدائش کے دوران مرگئی تو بظاہر شہید ہوگی اور اگر کوئی عورت اسقاط حمل کراتے ہوئے مرگئی تو اس کی موت گناہ کے باعث ہوئی ہے اس لیے شہید نہیں ہوگی۔ جو کسی گناہ کے لیے سمندر کے سفر پر تھا یا غلام تھا بھاگ گیا یا بیوی تھی، باغی ہوکر چلی گئی اور راہ میں مرگئی تو ایسے افراد شہید نہیں ہیں۔ (۳۱۵)

حواشی وتعلیقات

۱۔ المهذب، ۱:۱۲٦، مغني المحتاج، ۱:۳۲۹، کشاف القناع،۲:۸۷، المغنی،۲:۴۴۸۔

۲۔ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے اور ابو نعیم نے الحلیۃ میں ابن عمرؓ سے ان الفاظ سے روایت کی۔ لذات کوختم کرنے والی شے یعنی موت کا بکثرت ذکر کیا کرو، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور دوسروں نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ حدیث صحیح ہے۔

۳۔ ترمذی نے سند حسن سے روایت کی۔

۴۔ ابن ماجہ نے سند حسن سے روایت کی۔

۵۔ مغني المحتاج ،۱:۲۵۷، المهذب، ۱:۱۲٦، المجموع، ۵:۹۴۔۱۰۳، المغنی،۲:۴۴۹، کشاف القناع،۲: ۸۵۔۹۱۔

٦۔ بخاری ومسلم

۷۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد۔

۸۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۹۔ ابو زرعہ نے کہا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

۱۰۔ حدیث صحیح ہے: ابوداؤد حاکم، ترمذی اور نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔ ترمذی نے اسے حسن بتایا، حاکم نے کہا کہ بخاری کی شرط پر ہے۔

۱۱۔ ابن ماجہ،ضعیف ہے۔

۱۲۔ متفق علیہ، ابن عمرؓ سے۔

۱۳۔ مسلم، ابو مالک اشعریؓ سے۔

۱۴۔ بغوی نے ابو ہریرہؓ سے ان الفاظ سے روایت کی، بخاری اور مسلم نے ابن عباسؓ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

۱۵۔ مسلم۔

۱۶۔ متفق علیہ، صحیحین نے ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی۔ احمد نے یہ اضافہ کیا کہ اگر اچھا گمان کیا تو وہ مل جائے گا، برا گمان کیا تو وہ مل جائے گا۔

۱۷۔ ترمذی نے حسن صحیح بتایا ہے۔

۱۸۔ ابن حبان، حاکم: ابن مسعودؓ سے۔

۱۹۔ ابوداؤد نے ایسی سند سے روایت کی جس میں ضعف ہے لیکن انہوں نے اسے ضعیف نہیں قرار دیا اور جس حدیث کو وہ ضعیف نہ کہیں وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے۔ بخاری نے ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ اللہ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری جس کا علاج نہ اتارا ہو۔

۲۰۔ المجموع، ۵:۹۵۔

۲۱۔ کشاف القناع، ۲:۸۵۔

۲۲۔ ایضاً، ۲:۸۸۔

۲۳۔ المجموع، ۵:۹۹، مغنی المحتاج، ۱:۳۲۹۔۳۳۰۔

۲۴۔ ردالمحتار والدرالمختار، ۱:۷۹۶۔

۲۵۔ ابوداؤد، احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔ حدیث حسن ہے۔

۲۶۔ مسلم، ابن ماجہ نے جابرؓ سے۔

۲۷۔ مغنی المحتاج، ۱:۳۶۸۔

۲۸۔ الدرالمختار اور ردالمحتار، ۷۹۵۔۸۰۰، فتح القدیر، ۱:۴۴۶ وبعد، مراقی الفلاح، ۹۴ وبعد، اللباب، ۱:۱۲۷ وبعد، بدایۃ المجتہد، ۱:۲۱۸، القوانین الفقھیہ، ۹۱، الشرح الصغیر، ۱:۵۶۱۔۵۶۳، الشرح الکبیر، ۱:۴۲۳، مغنی المحتاج، ۱:۳۳۰۔۳۳۲، المہذب، ۱:۱۲۶ وبعد، المغنی، ۲:۴۴۹۔۴۵۳، کشاف القناع، ۲:۹۲۔۹۶۔

۲۹۔ ابوداؤد، ارشاد نبوی ہے: بہترین مجلس وہ ہے جو قبلہ رو ہو۔

۳۰۔ احمد (نصب الرایۃ ۲: ۲۵۰)

۳۱۔ بخاری کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی، ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہؓ، عائشہؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، واثلہ بن اسقعؓ اور ابن عمرؓ سے بھی روایت ہے (نصب الرایۃ، ۲:۲۵۳)

۳۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے دفن کے بعد ان الفاظ میں تلقین کرنے کا حکم دیا: اے فلاں بن فلاں، اپنے اس دین کو یاد کرو جس پر تم تھے یعنی لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کی شہادت اور یہ کہ جنت حق ہے، آگ حق ہے، دوبارہ اٹھنا حق ہے، قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ قبر والوں کو دوبارہ اٹھائے گا، اور یہ کہ تو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر، قرآن کے امام ہونے پر، کعبہ کے قبلہ ہونے پر اور اہل ایمان کے بھائی بھائی ہونے پر راضی تھا۔

۳۳۔ ابو داؤد، ابن حبان نے اسے صحیح بتایا ہے، ابن ماجہ، احمد (نیل الاوطار، ۴: ۲۲)۔

۳۴۔ کلائی کو موڑ کر کندھے کی طرف لے جائے پھر پھیلا دے، پنڈلی کو موڑ کر ران سے لگائے اور ران کو پیٹ کے ساتھ، پھر انہیں سیدھا کرلے۔

۳۵۔ پہلی حدیث کو احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا اور صحیح قرار دیا، دوسری کو بخاری، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا (نیل الاوطار، ۴: ۲۴۔۲۵)

۳۶۔ الدر المختار، ۱: ۸۴۰، مراقی الفلاح، ۹۵، الشرح الصغیر، ۱: ۵۶۲، مغنی المحتاج، ۱: ۳۵۷۔

۳۷۔ المغنی، ۲: ۵۷۰، المهذب، ۱: ۱۳۲۔

۳۸۔ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

۳۹۔ ابو داؤد نے حصین بن وَحْوَح سے روایت کی، اس کی سند میں دو راوی مجہول ہیں (نیل الأوطار، ۴: ۲۲)

۴۰۔ احمد، ترمذی نے "تو دیر نہ کر" کے الفاظ روایت کیے (نیل الاوطار ۴: ۲۳)۔

۴۱۔ احمد، ابن ماجہ، ترمذی نے اسے حسن قرار دیا، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

۴۲۔ طبرانی نے ابو امامہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

۴۳۔ طبرانی (نیل الاوطار، ۴: ۲۳)

۴۴۔ الدر المحتار، ۱: ۸۰۰۔۸۰۶، فتح القدیر، ۱: ۴۴۸۔۴۵۱، مراقی الفلاح، ۹۶ وبعد، اللباب، ۱: ۱۲۸۔۱۳۰، الشرح الصغیر، ۱: ۵۴۲۔۵۴۹، القوانین الفقهیه ۹۲، بدایة المجتهد، ۱: ۲۱۸۔

۲۲۵، مغنی المحتاج، ۱:۳۳۲۔ ۳۳۶، المهذب، ۱:۱۲۷۔ ۱۲۹، المغنی، ۲:۴۵۳۔ ۴۶۴، ۵۲۳، ۵۳۷۔ ۵۳۹، کشاف القناع، ۲:۹۶۔ ۱۱۲۔

۴۵۔ متفق علیہ، بیری کے پتوں میں صابن کی طرح جھاگ ہوتا ہے۔

۴۶۔ احمد، ابن ماجہ۔

۴۷۔ احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ (نیل الاوطار، ۴:۲۷)

۴۸۔ ابن ماجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ: بااعتماد لوگ تمہارے مردوں کو غسل دیں۔

۴۹۔ متفق علیہ، ابن عمرؓ سے (نیل الاوطار، ۴:۲۵)

۵۰۔ احمد، حضرت عائشہؓ سے۔ اس کی سند میں جابر جعفی ہیں جن پر بہت اعتراضات ہیں (ایضاً)

۵۱۔ حاکم نے ابو رافع سے روایت کی ہے، حدیث صحیح ہے۔

۵۲۔ ابو داؤد، ترمذی، حاکم، بیہقی، ابن عمرؓ سے، حدیث صحیح ہے۔

۵۳۔ ابو داؤد میں یہ الفاظ ہیں: اپنی ران ننگی نہ کرو، نہ کسی زندہ یا مردہ کی ران دیکھو۔

۵۴۔ ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابو ہریرہؓ پر موقوف ہے (المجموع: ۵:۱۴۱)

۵۵۔ الدر المختار، ۱:۸۰۰ وبعد، الشرح الصغیر، ۱:۵۴۶۔ ۵۴۸، المهذب، ۱:۱۲۸، مغنی المحتاج، ۱:۳۳۲ وبعد، کشاف القناع، ۲:۱۰۳، ۱۱۱، المغنی، ۲:۴۵۷، ۵۳۹، بدایة المجتهد، ۱:۲۲۲۔

۵۶۔ ابو داؤد وغیرہ نے صحیح سند سے روایت کی ہے۔

۵۷۔ الدر المختار، ۱:۸۰۴، ۸۲۹، الشرح الصغیر، ۱:۵۴۲ وبعد، القوانین الفقهیه، ۹۳ وبعد، مغنی المحتاج، ۱:۳۴۸ وبعد، المهذب، ۱:۱۳۴، المغنی، ۲:۵۲۲، ۵۳۹، کشاف القناع، ۲:۱۲۶، ۱۳۳۔

۵۸۔ ابو داؤد، نسائی

۵۹۔ ترمذی، استہلال سے مراد چیخنا یا چھینک مارنا جس سے معلوم ہو کہ نومولود زندہ ہے۔

۶۰۔ ابو داؤد، ترمذی میں ہے "لڑکے پر نماز پڑھی جائے" اور اسے حسن صحیح بتایا ہے۔

۶۱۔ احمد

۶۲۔ متفق علیہ

۶۳۔ ام عطیہ سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴:۳۰)

۶۴۔ یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں۔

۶۵۔ محدثین کی ایک جماعت نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴:۴۰)

۶۶۔ ام عطیہ کی روایت میں ہے کہ آخری بار نہلانے میں کافور استعمال کریں۔ متفق علیہ۔

۶۷۔ ابن نصر نے حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کی، ترمذی نے حضرت علیؓ سے، ابن ماجہ نے ابن مسعودؓ سے، الفاظ یہ ہیں: اللہ طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے، اے اہل قرآن! تم بھی طاق کو اختیار کیا کرو۔

۶۸۔ ام عطیہ سے صحاح ستہ نے روایت کی۔ (نیل الاوطار، ۴:۳۰)

۶۹۔ الدر المختار، ۱:۸۰۳، مراقی الفلاح، ۹۶، القوانین الفقھیہ، ۹۳، الشرح الصغیر، ۱:۵۶۸، مغنی المحتاج، ۱:۳۳۳، ۳۳۶، المغنی، ۲:۵۴۱ وبعد، کشاف القناع، ۲:۱۱۰۔

۷۰۔ اللباب، ۱:۱۳۰ وبعد، مراقی الفلاح، ۹۷، فتح القدیر، ۱:۴۵۲۔۴۵۵، الدر المختار و ردالمحتار، ۱:۸۰۶۔۸۱۰، القوانین الفقھیہ، ۹۳، الشرح الصغیر، ۱:۵۵۱ وبعد، بدایۃ المجتھد، ۲۲۴ وبعد، مغنی المحتاج، ۱:۳۳۶۔۳۴۰، المھذب، ۱:۱۲۹۔۱۳۱، المغنی، ۲:۴۶۴۔۴۷۲، ۵۳۷، کشاف القناع، ۲:۱۱۸۔۱۲۶۔

۷۱۔ ابن عباسؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴:۴۰)

۷۲۔ مغنی المحتاج، ۱:۳۳۶۔

۷۳۔ احمد، مسلم اور ابو داؤد نے حضرت جابرؓ سے، ابن ماجہ اور ترمذی نے ابو قتادہؓ سے ان الفاظ میں روایت کی ”جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا ذمہ دار ہو تو اسے اچھا کفن پہنائے۔

۷۴۔ سحول کی طرف منسوب ہے جو یمن کا ایک قصبہ ہے۔

۷۵۔ حضرت عائشہؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴:۳۶)

۷۶۔ ابن ماجہ کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے خباب بن الارتؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴:۳۳)۔

۷۷۔ طبقات ابن سعد، محمد بن حسن نے الآ ثار میں، متصل سند سے روایت کی، المھل: پیپ اور خون (نصب الرایۃ،۲:۲۶۳) بخاری نے اس سے ملتے جلتے الفاظ میں روایت کی۔

۷۸۔ احمد، ابو داؤد، اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے، اس کے ضعف پر اجماع ہے (نیل الاوطار،۴:۳۶)۔

۷۹۔ احمد، ابو داؤد، بعض محدثین کے نزدیک اس کے بعض راویوں میں کلام ہے (نصب الرایۃ ،۲:۲۶۳، نیل الاوطار،۴:۳۹)۔

۸۰۔ اوڑھنی سر اور گردن کو ڈھانپ (تخمیر) لیتی ہے اس لیے اسے خمار کہتے ہیں۔

۸۱۔ الخز۔ اون اور ریشم سے یا صرف ریشم سے بنا ہوا کپڑا۔

۸۲۔ بیہقی۔

۸۳۔ خوشبو کی ایک قسم ہے۔ اس جملے میں جزء کا کل پر عطف ہے کیوں کہ بہت خوشبو لگانا مستحب ہے۔

۸۴۔ بخاری

۸۵۔ الاثرم

۸۶۔ بخاری

۸۷۔ احمد اور چاروں کتب سنن (نسائی کے علاوہ) نے روایت کی۔ ترمذی نے ابن عباسؓ کی روایت کو صحیح قرار دیا۔ شافعی، ابن حبان، حاکم، بیہقی، ابن القطان نے اسے صحیح بتایا ہے۔ (نیل الاوطار،۴:۳۸)

۸۸۔ احمد، بیہقی، بزار، کہا گیا ہے کہ اس کے راوی بخاری کے راوی ہیں (نیل الاوطار،۴:۴۰)

۸۹۔ ابن عباسؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار،۴:۴۰)

۹۰۔ ابن ماجہ، ترمذی، اوپر احمد، مسلم اور ترمذی کے حوالے سے حضرت جابرؓ سے ایک روایت کا ذکر گزر چکا ہے (نیل الاوطار،۴:۳۴ وبعد)

۹۱۔ ابو داؤد نے حضرت علیؓ سے روایت کی یہ حدیث حسن ہے۔

۹۲۔ الدر المختار ورد المحتار، ۱:۸۱۱،۸۱۴، مراقی الفلاح، ۹۸، العنایۃ حاشیۃ فتح القدیر ، ۱:۴۵۵، المھذب، ۱:۱۳۲۔

۹۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کی روایت ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے ہے اور قبل از وقت پیدا ہونے والے کی نماز جنازہ کی روایت ابو داؤد میں مغیرہؓ سے ہے اور بچے کی نماز جنازہ کی روایت احمد، نسائی اور ترمذی میں ہے، نجاشی کی نماز جنازہ کی روایت احمد، بخاری اور مسلم میں ہے۔

(نیل الاوطار، ۴:۴۱، ۴۵، ۴۸)

۹۴۔ الدر المختار، ۱:۸۱۴ وبعد، مغنی المحتاج، ۱:۳۶۱۔

۹۵۔ عصبی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی قوم کو ظلم پر مدد دے اور قومی تعصب کی بنا پر غضب ناک ہو، حدیث میں ہے: جو عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو عصبیت کی بنا پر لڑائی کرے ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت پر مرجائے وہ ہم میں سے نہیں۔ ابو داؤد نے جبیر بن مطعمؓ سے روایت کی۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۹۶۔ مسلم نے جابر بن سمرہؓ سے روایت کی۔

۹۷۔ بدایۃ المجتہد، ۱:۲۳۱ وبعد، القوانین الفقہیہ، ۹۴: شرح الرسالۃ، ۱:۲۷۶۔

۹۸۔ ابو داؤد۔

۹۹۔ پہلی روایت ترمذی کے علاوہ مؤلفین سنن اور امام احمد نے زید بن خالد جہنی سے اور دوسری بخاری کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے جابر بن سمرہؓ سے روایت کی۔

(نیل الاوطار، ۴:۴۶۔۴۷)

۱۰۰۔ فتح القدیر، ۱:۴۵۷، ۴۶۳: الدر المختار، ۸۲۳ وبعد، اللباب، ۱:۱۳۱ وبعد، مراقی الفلاح، ۹۸، بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۳۳، القوانین الفقہیہ، ۹۴، الشرح الصغیر، ۱:۵۵۸، مغنی المحتاج، ۱:۳۴۶ وبعد، المغنی، ۲: ۴۸۰۔۴۸۵، کشاف القناع، ۲: ۱۲۷۔

۱۰۱۔ مراقی الفلاح، ۹۹، الدر المختار، ۱:۸۲۱۔۸۲۲، القوانین الفقہیہ ۹۵۔مغنی المحتاج، ۱:۳۴۸، المغنی، ۲:۵۶۲۔

۱۰۲۔ الدر المختار، ۱:۸۱۳، ۸۱۶، مراقی الفلاح، ۹۸، فتح القدیر، ۱:۴۵۹ وبعد۔

۱۰۳۔ ارشاد نبوی ہے، جب تم میں سے کوئی دعا کرنے لگے تو پہلے اللہ کی حمد بیان کرے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر دعا کرے۔

۱۰۴۔ ابن عباسؓ سے حاکم نے، عمر بن خطابؓ سے بیہقی اور طبرانی نے، ابن ابی حثمہؓ سے ابن عبدالبر نے

اور حضرت انسؓ سے حارث بن ابی اسامہؒ نے اپنی مسند میں بیان کی۔
(نصب الرایۃ ۲:۲۶۷)۔

۱۰۵۔ مراد یہ ہے کہ ان کے اوصاف تبدیل ہو جائیں نہ کہ ان کی شخصیتیں۔

۱۰۶۔ مسلم، ترمذی اور نسائی نے عوف بن مالکؓ سے روایت کی، انہوں نے کہا، میں نے تمنا کی کہ کاش یہ میت میں ہوتا۔ (سبل السلام، ۲:۱۰۴)

۱۰۷۔ یعنی جب بڑا ہو جائے تو اسے اچھے اعمال پر ثابت قدم رکھ، ورنہ چھوٹے بچوں کے گناہ نہیں ہوتے، مراد دعا کی جامعیت ہے اور معنی یہ ہیں کہ تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما۔

۱۰۸۔ مسلم سنن اربعہ (سبل السلام، ۲:۱۰۵) اسلام کے لفظ سے لغوی معنی یعنی اطاعت، فرماں برداری مراد ہیں اور ایمان سے شرعی مفہوم یعنی تصدیق قلبی مراد ہے۔ اسلام کا تعلق زندگی سے ہے کہ ظاھری اعمال اطاعت خداوندی کے مطابق ہوں اور ایمان کا تعلق وفات کے وقت سے ہے کیوں کہ اس وقت فرصت عمل باقی نہیں رہتی۔

۱۰۹۔ فرطاً: آگے بھیجا ہوا عمل، الفرط : وہ اولاد جو آگے چلی جائے۔ ذخرا: ذخیرہ۔ شافعا و مشفعاً یعنی ان کی سفارش قبول ہو۔

۱۱۰۔ الشرح الصغیر، ۱:۵۵۳ وبعد، القوانین الفقهیه، ۹۴، شرح الرساله، ۱:۲۸۰۔۲۸۴، الشرح الکبیر، ۱:۴۱۱۔۴۱۳، بدایة المجتهد، ۱:۲۲۶ وبعد

۱۱۱۔ المختصر النافع فی الفقه الامامیه، ۶۴۔

۱۱۲۔ احمد، اس کی سند میں یحیٰ بن عبداللہ الجابری ہیں جو ثقہ نہیں۔ بخاری نے حضرت علیؓ سے روایت کی کہ انہوں نے سہل بن حنیفؓ کے جنازے پر چھ تکبیریں کہی تھیں، وہ بدری ہیں۔ (نیل الاوطار، ۴:۵۹)

۱۱۳۔ حاکم نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ آخری دور میں جنازوں پر چار تکبیریں کہتے تھے۔ (نیل الاوطار، ۴:۵۸)

۱۱۴۔ ابو داؤد، ابن حبان، ابن ماجہ۔ اس سند میں ابن اسحاق ہے جو عن عن سے روایت کرتا ہے (نیل الاوطار، ۴:۶۳)

۱۱۵۔ ابن قتادہؓ سے بھی روایت ہے، احمد، بیہقی، شافعی، اس کی سند ضعیف ہے۔

(المجموع، ۵: ۱۹۳۔۱۹۵)

۱۱۶۔ ایسا اجر جو آگے بھیج دیا جائے تاکہ جب جائیں تو وہاں مل جائے۔

۱۱۷۔ صحاح ستہ نے روایت کی۔ ترمذی نے اسے حسن بتایا (نیل الاوطار، ۴: ٦٦)

۱۱۸۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۴۰۔۳۴۲، ۳٦۱، المهذب، ۱: ۱۳۳ وبعد، المجموع، ۵: ۱۸۴۔۱۹۸، المغنی، ۲: ۴۸۵۔۴۹۲، ۵۱۴، ۵۱٦، کشاف القناع، ۲: ۱۳۰۔۱۳۵۔

۱۱۹۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت اور ابن عباسؓ اور جابرؓ سے چار تکبیریں ثابت ہیں (نیل الاوطار، ۴: ۴۸ وبعد، ۵۷)۔

۱۲۰۔ خلال نے اپنی سند سے روایت کی، ترمذی نے اسے حسن بتایا۔

۱۲۱۔ ابو داؤد، ترمذی، حدیث حسن ہے۔

۱۲۲۔ بخاری، ابو داؤد، نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کی، ترمذی نے اسے صحیح بتایا، شافعی نے ابن مسند میں ابی امامہ بن سہل سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ٦۰)۔

۱۲۳۔ نیل الاوطار، ۴: ٦۰، اس کی سند میں مطرف ہے جسے بیہقی نے زہری کی احادیث کی معرفت کے حوالے سے قوی بتایا ہے۔ اسی طرح کی حدیث ایک اور سند سے حاکم نے بیان کی، نسائی، عبدالرزاق۔ فتح الباری میں ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

۱۲۴۔ مختلف احادیث سے امام شافعی نے انہیں جمع کیا اور علمائے حدیث نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔

۱۲۵۔ حاکم نے اسے صحیح بتایا ہے۔

۱۲٦۔ الدر المختار، ۱: ۸۱۹، بدایۃ المجتهد، ۱: ۲۲۸ وبعد، القوانین الفقهیه، ۹۵ مغنی المحتاج، ۱: ۳۴۸، المغنی، ۲: ۵۱۷، فتح القدیر، ۱: ۴٦۲، الشرح الکبیر مع الدسوقی، ۱: ۴۱۸۔

۱۲۷۔ صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ٦٦)

۱۲۸۔ احمد، ابن ماجہ، ترمذی، ابو داؤد (نیل الاوطار، ایضاً)

۱۲۹۔ الدر المختار، ۱: ۸۱۹۔۸۲۱ الشرح الصغیر، ۱: ۵۵٦، مغنی المحتاج، ۱: ۳۴۴، المغنی ۲: ۴۹۴ وبعد، کشاف القناع، ۲: ۱۳۹، القوانین الفقهیه، ۹۵، بدایۃ المجتهد، ۱: ۲۳۰۔

۱۳۰۔ المغنی، کشاف القناع (صفحات سابقہ)

۱۳۱۔ ردالمحتار، ۱:۸۱۱، القوانین الفقهیه، ۹۵، مغنی المحتاج، ۱:۳۴۴، کشاف القناع، ۲:۱۳۴، ۱۳۶، المهذب، ۱:۱۳۲، ۱۳۵، بدایة المجتهد، ۱:۲۳۵، الشرح الصغیر، ۱:۵۷۴۔

۱۳۲۔ گروہ درگروہ۔

۱۳۳۔ الدرالمختار وردالمحتار، ۱:۸۱۱۔۸۱۳، القوانین الفقهیه، ۹۳ وبعد، مراقی الفلاح، ۹۸، المهذب، ۱:۱۳۲، المجموع، ۵:۱۶۵، کشاف القناع، ۲:۱۲۶، المغنی، ۲:۵۵۸ وبعد۔

۱۳۴۔ الکتاب مع اللباب، ۱:۱۳۶، القوانین الفقهیه، ۹۴، مغنی المحتاج، ۱:۳۵۰، المغنی، ۲:۵۳۴۔

۱۳۵۔ بدایة المجتهد، ۱:۲۳۴، المهذب، ۱:۱۳۲، المغنی، ۲:۵۵۴ وبعد۔

۱۳۶۔ الشرح الصغیر، ۱:۵۶۹۔

۱۳۷۔ المغنی، ۲:۵۱۱۔۵۱۲، مغنی المحتاج، ۱:۳۶۱۔

۱۳۸۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں خارجہ بن زید بن ثابتؒ سے روایت کی (نصب الرایة، ۱:۲۶۵ وبعد)

۱۳۹۔ فتح القدیر، ۱:۴۵۸ وبعد، الکتاب مع اللباب، ۱:۱۳۲، مراقی الفلاح، ۹۹، الدرالمختار، ۱:۸۲۶ وبعد۔

۱۴۰۔ الشرح الکبیر مع الدسوقی، ۱:۴۱۲، القوانین الفقهیه، ۹۵، بدایة المجتهد، ۱:۲۳۰ وبعد۔

۱۴۱۔ المهذب، ۱:۱۳۸، المجموع، ۵:۲۶۴۔

۱۴۲۔ کشاف القناع، ۲:۹۷، المغنی، ۲:۵۱۱، ۵۱۹۔

۱۴۳۔ متفق علیہ (نیل الاوطار، ۴:۵۱)

۱۴۴۔ ترمذی نے روایت کی (ایضاً)

۱۴۵۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ بعد تک قبر پر نماز جنازہ پڑھی، دوسری روایت انہیں سے ہے کہ آپؐ نے تین دن بعد میت پر نماز جنازہ پڑھی، دارقطنی (نیل الاوطار، ۴:۵۱)۔

۱۴۶۔ الدرالمختار، ۱:۸۱۳، القوانین الفقهیه، ۹۴، الشرح الصغیر، ۱:۵۷۱، المجموع، ۵:۲۰۹،

المهذب، ۱:۱۳۴، مغنی المحتاج، ۱: ۳۴۵، المغنی، ۲:۵۱۲ وبعد، کشاف القناع، ۲:۱۲۶۔

۱۴۷۔ متفق علیہ، امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی طرح کی روایت بیان کی، احمد، نسائی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا (نیل الاوطار، ۴:۴۸ وبعد)۔

۱۴۸۔ المغنی، ۲:۵۲۲، کشاف القناع، ۲:۱۱۶ وبعد۔

۱۴۹۔ احمد، نسائی، ابو داؤد، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱۵۰۔ فتح القدیر، ۱:۴۶۵، الدر المختار، ۱:۸۲۸۔۸۳۰، مراقی الفلاح، ۹۹ وبعد، الشرح الصغیر، ۱:۵۷۴، القوانین الفقھیہ، ۹۳ وبعد، مغنی المحتاج، ۱: ۳۴۹، المهذب، ۱:۱۳۴، بدایۃ المجتہد، ۱:۲۳۲ وبعد۔

۱۵۱۔ ابن عدی، اسی طرح کی روایت ابن عباسؓ سے ان الفاظ کے ساتھ ہے: جب نومولود روئے چیخے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور وہ وارث ہوگا۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے موقوفاً روایت کی ہے کہ بچے کی اس وقت تک نماز جنازہ نہ پڑھی جائے نہ وہ وارث ہوگا نہ اس کی وراثت تقسیم ہوگی جب تک پیدا ہونے کے بعد روئے چیخے نہیں۔

(نصب الرایۃ ۲:۲۷۷۔۲۷۸)۔

۱۵۲۔ سنن اربعہ نے روایت کی۔ ترمذی نے کہا ہے کہ حسن صحیح ہے، حاکم نے روایت کی اور کہا کہ بخاری کی شرط پر ہے، اس کی سند میں اضطراب ہے (نصب الرایۃ، ۲:۲۷۹)

۱۵۳۔ ضعیف حدیث ہے، ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (نصب الرایۃ، ۲:۲۷۹)۔

۱۵۴۔ پہلی حدیث ترمذی نے روایت کی اور کہا کہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔ دوسری حدیث احمد، ابن حبان، ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ابن سعید سے روایت کی۔

۱۵۵۔ البدائع، ۱:۱۱۵، بدایۃ المجتہد، ۱:۲۳۵، مغنی المحتاج، ۱: ۳۰۳، المغنی، ۲:۲۹۴۔

۱۵۶۔ مغنی المحتاج، ایضاً۔

۱۵۷۔ الدر المختار، ۱:۸۹، فتح القدیر، ۱:۴۶۳ وبعد، اللباب، ۱:۱۳۳، مراقی الفلاح، ۹۹، بدایۃ المجتہد، ۱:۲۳۴، القوانین الفقھیہ، ۹۵، الشرح الصغیر، ۱:۵۶۸، مغنی المحتاج، ۱:۳۶۱، المهذب، ۱:۱۳۲، المغنی، ۲:۴۹۳۔

۱۵۸۔ ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن عدیؒ، ابن ابی شیبہ۔ آخری الفاظ ''اس کی نماز نہیں ہوتی'' ضعیف ہیں۔ (نصب الرایۃ،۲:۲۷۵، نیل الاوطار،۴:۶۸ وبعد)

۱۵۹۔ پہلے الفاظ مسلم نے روایت کیے اور دوسرے بخاری کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے (نیل الاوطار، ۴:۶۸، نصب الرایۃ،۲:۲۷۶)۔

۱۶۰۔ پہلی روایت سعید نے اور دوسری امام مالک نے روایت کی (نیل الاوطار،۴:۶۸)

۱۶۱۔ کشاف القناع ،۲:۹۷۔۹۸، المغنی،۲:۵۱۰، وبعد، القوانین الفقھیہ ،۹۶، مراقی الفلاح،۱۰۲، ردالمحتار والدرالمختار، ۱:۸۴۰، مغنی المحتاج، ۱:۳۶۵۔

۱۶۲۔ احمد، سنن اربعہ، ترمذی نے حضرت جابرؓ سے اسے صحیح بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے بارے میں حکم دیا تھا کہ انہیں ان کی شہادت گاہ میں واپس لے چلو، جب کہ کچھ لوگ انہیں مدینہ لے آئے تھے۔ بزار نے سند حسن کے ساتھ ابوسعید سے اسی طرح کی روایت بیان کی۔(نیل الاطار،۴:۱۱۲، مجمع الزوائد،۳:۴۳)

۱۶۳۔ ترمذی۔

۱۶۴۔ ابن المنذر۔

۱۶۵۔ الدرالمختار، ۱:۸۳۳، فتح القدیر ، ۱:۴۶۷، ۴۶۹، الکتاب مع اللباب ، ۱:۱۳۳وبعد، مراقی الفلاح ،۱۰۰، القوانین الفقھیہ، ۹۶، الشرح الصغیر ،۱:۵۶۵، المھذب، ۱:۱۳۵، کشاف القناع ،۲: ۱۴۶ وبعد، المجموع، ۵: ۲۳۳، المغنی،۲:۴۷۸، مغنی المحتاج،:۳۵۹۔

۱۶۶۔ سعید بن منصور، ابن ماجہ، اس کی سند میں ثقہ افراد ہیں البتہ ابوعبیدہ کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں۔

۱۶۷۔ زیلعی، کاسانی نے البدائع میں ذکر کیا، ابن عباسؓ نے واثلہؓ سے روایت کی کہ جس نے چار پائی کے چاروں پائے اٹھائے اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہوجائیں گے یہ روایت ضعیف ہے۔

۱۶۸۔ شافعی نے المختصر میں، اوربیہقی نے کتاب المعرفۃ میں روایت کی اور اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا۔

۱۶۹۔ شافعی اوربیہقی نے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کی البتہ حضرت سعدؓ کا اثر صحیح ہے۔

۱۷۰۔ بخاری، یہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسلم کے الفاظ یہ ہیں ''خیر کی طرف تم اسے لے جارہے ہو''۔

۱۷۱۔ ابو داؤد، ترمذی، بیہقی وغیرہ، اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے، امام احمد نے ابوموسیٰؓ سے یہ روایت کی: میانہ روی اختیار کرو، میانہ روی تیز چلنے کے بالمقابل ہے (نیل الاوطار، ۴:۷۰)۔

۱۷۲۔ اللباب، ۱:۱۳۴، الشرح الکبیر، ۱:۴۱۸، المھذب، ۱: ۱۳۵، المغنی، ۲:۴۷۲۔۴۷۳۔

۱۷۳۔ الدرالمختار، ۱:۸۳۳، الشرح الکبیر، ۱:۴۱۸، المھذب، ۱:۱۳۶، مغنی المحتاج، ۱:۳۶۷۔ المجموع، ۵:۲۸۶، المغنی، ۲:۴۷۳۔

۱۷۴۔ بخاری اور مسلم سمیت صحاح ستہ نے روایت کی۔ (نیل الاوطار، ۴:۷۰)

۱۷۵۔ بخاری، مسلم، ان کی روایت میں ہے: دو قیراط دو بڑے پہاڑوں کی مانند ہیں۔

۱۷۶۔ ابو داؤد، بزار، حاکم نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

۱۷۷۔ المغنی، ۲:۴۷۴۔

۱۷۸۔ الشرح الکبیر، ۱:۴۱۸، کشاف القناع، ۲:۱۴۶، مغنی المحتاج ۱:۳۵۹۔

۱۷۹۔ بدایة المجتهد، ۱: ۲۲۵، المھذب، ۱: ۱۳۶، المغنی، ۲: ۴۷۴، کشاف القناع ۲: ۱۴۹، المجموع، ۵:۲۳۸، القوانین الفقهیه، ۹۶۔

۱۸۰۔ احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی اور امام احمد نے اس سے استدلال بھی کیا۔ (نیل الاوطار، ۴:۷۱)

۱۸۱۔ الدرالمختار، ۱:۸۳۴، مراقی الفلاح، ۱۰۱۔

۱۸۲۔ براء بن عازبؓ کی مذکورہ بالا حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازوں کے ساتھ چلنے کا حکم دیا تھا۔

۱۸۳۔ شوکانی کہتے ہیں کہ اس کے مرسل ہونے کے باوجود مجھے کتب حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں ملی۔ (نیل الاوطار، ۴:۷۲)

۱۸۴۔ احمد، اصحاب سنن، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا (نیل الاوطار، ۴:۴۵، ۷۲)

۱۸۵۔ المجموع، ۵:۲۳۹۔

۱۸۶۔ صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴:۷۵)

١٨٧۔القوانین الفقهیه ،٩٦، المغنی،٢:٤٧٩، الشرح الصغیر ،١:٥٧٠، الدرالمختار، ١:٨٣٤، المجموع، ٥:٢٣٩، (نیل الاوطار، ٤:٧٦)

١٨٨۔احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ (نیل الاوطار، ٤:٧٦)

١٨٩۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، اس کی سند ضعیف ہے۔

١٩٠۔ فتح القدیر، ١:٤٦٩، المغنی، ٢:٤٨٠، المهذب، ١:١٣٦۔

١٩١۔ ابن ماجہ کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی۔ (نیل الاوطار، ٤:٧٤)

١٩٢۔ الدرالمختار، ١:٨٣٣۔٨٣٥، الکتاب مع اللباب ، ١:١٣٤، فتح القدیر، ١:٤٦٩، الشرح الصغیر، ١:٥٦٦، ٥٦٨۔٥٧٤، المهذب، ١:١٣٦، المجموع، ٥:٢٣٧۔٢٤٠، مغنی المحتاج ،١:٣٥٩ وبعد، المغنی، ٢:٤٧٥۔ ٤٧٧، ٤٨٠، کشاف القناع ،٢: ١٢٩ وبعد، الشرح الکبیر، ١:٤٢١۔٤٢٤۔

١٩٣۔ نووی نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ مجموع ٥:٢٣٧۔

١٩٤۔ ابن ماجہ، ترمذی (نیل الاوطار، ٤:٧٢)

١٩٥۔ احمد، مسلم، نسائی، ابوداؤد نے ثوبانؓ سے اسی طرح کی روایت کی ہے (نیل الاوطار، ٤:٧٢)

١٩٦۔ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی۔

١٩٧۔ مسلم نے کتاب الایمان میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کی۔

١٩٨۔ بیہقی۔

١٩٩۔ بخاری، مسلم۔

٢٠٠۔ ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کی جو یوں شروع ہوتی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو عورتیں بیٹھی تھیں، آپؐ نے پوچھا، کیسے بیٹھی ہو؟ انہوں نے کہا، جنازے کا انتظار کررہی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، کیا تم نے غسل دینا ہے، کہا، نہیں، پوچھا، کیا جنازہ اٹھانا ہے، کہا، نہیں، پوچھا، کیا قبر میں اتارنا ہے، کہا، نہیں، آپؐ نے فرمایا: واپس چلی جاؤ......

٢٠١۔ ردالمحتار والدرالمختار ،١: ٨٣٣، بدایة المجتهد ،١: ٢١٨، ٢٣٥، المجموع، ٥: ٢٤١، کشاف القناع، ٢: ٩٦، ١٤٦، ١٥٢۔

۲۰۲۔ حدیث صحیح متواتر ہے۔

۲۰۳۔مراقی الفلاح ،۱۰۲، الدرالمختار، ۱:۸۳۶، الشرح الصغیر ، ۱:۵۴۷، المجموع، ۵:۲۴۱، المغنی،۲: ۵۰۸ وبعد۔

۲۰۴۔حدیث صحیح متواتر ہے۔

۲۰۵۔ حدیث صحیح ہے، بخاری نے روایت کی۔

۲۰۶۔ ابو داؤد، بیہقی نے مطلب بن عبداللہ بن حطب سے روایت کی، یہ تابعین میں سے ہیں اور انہوں نے صحابی سے روایت کی اس لیے یہ متصل ہے مرسل نہیں کیوں کہ صحابہ سارے عادل ہیں۔

۲۰۷۔ الدرالمختار، ۱:۸۳۵۔۸۳۹، ۸۴۷، فتح القدیر، ۱:۴۶۹۔۴۷۲، مراقی الفلاح، ۱۰۱ وبعد، الکتاب، ۱:۱۳۴وبعد، بدایة المجتهد، ۱: ۲۳۵وبعد، القوانین الفقهیه، ۹۶۔۹۷، الشرح الکبیر، ۱:۴۱۹، الشرح الصغیر ، ۱:۵۵۸، ۵۶۰، ۵۶۷، ۵۷۸، مغنی المحتاج، ۱:۳۵۱، ۳۶۴، المهذب، ۱:۱۳۹، المغنی، ۲: ۴۹۷۔۴۹۹، ۵۰۴۔۵۰۸، کشاف القناع ، ۲:۱۵۴۔۱۶۳، شرح الرسالة، ۱:۲۷۷۔۲۸۰، المجموع، ۵:۲۸۴۔

۲۰۸۔ ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۲۰۹۔ ابو داؤد، ترمذی وغیرہ لیکن حدیث ضعیف ہے۔

۲۱۰۔ مسلم۔

۲۱۱۔ ابن ماجہ۔

۲۱۲۔ دارقطنی۔

۲۱۳۔ صحیح ابن حبان

۲۱۴۔ ابو داؤد (نیل الاوطار، ۴:۸۲)۔

۲۱۵۔ بخاری (ایضاً) بخاری کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت اور ابن ماجہ نے روایت کی کہ حضرت علیؓ نے ابو الہیاج اسدی کو بھیجا اور فرمایا: میں تجھے اس کام کے لیے بھیج رہا ہوں جس کے لیے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔ جو بت دیکھو اسے مٹا دو اور جو قبر اونچی دیکھو اسے برابر کردو (نیل الاوطار، ۴:۸۳)

۲۱۶۔ ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی۔

۲۱۷۔ مسلم وغیرہ۔

۲۱۸۔ ردالمحتار، ۱:۸۳۹۔

۲۱۹۔ بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور ابن ماجہ کے سوا صحاح ستہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کے لیے جانے والی عورتوں اور قبرستان پر مساجد بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت بھیجی ہے (نیل الاوطار، ۴:۹۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے قبرستان میں جانا حرام ہے، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۲۲۰۔ مسلم نے ابو مرثد غنویؓ سے روایت کی۔

۲۲۱۔ ابن ماجہ کے سوا صحاح ستہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔

۲۲۲۔ مراقی الفلاح، ۱۰۳، ردالمحتار، ۱:۸۴۲، الشرح الصغیر، ۱:۵۵۹، ۵۷۳، الشرح الکبیر، ۱:۴۲۸ وبعد، القوانین الفقھیہ، ۹۷، المجموع، ۵:۲۶۴، مغنی المحتاج، ۱:۳۵۴، المھذب، ۱:۱۳۹، کشاف القناع، ۱:۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، المغنی، ۲:۵۰۷، ۵۵۱، ۵۶۵۔

۲۲۳۔ مسلم نے ابو مرثد غنویؓ سے روایت کی۔

۲۲۴۔ صحاح ستہ نے روایت کی اور جلوس کا مطلب پیشاب پاخانہ کرنا بتایا اور یہ بالاجماع حرام ہے۔

۲۲۵۔ پہلی روایت ابن ماجہ نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی اور یہ حدیث حسن ہے، دوسری احمد، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی اور وہ بھی حسن ہے۔

۲۲۶۔ الدرالمختار، ۱:۸۳۹، ۸۴۰، مراقی الفلاح، ۱۰۲، الشرح الصغیر، ۱:۵۷۷، القوانین الفقھیہ، ۹۳، ۹۷، المھذب، ۱:۱۳۸، المجموع، ۵:۲۶۶۔۲۶۸، المغنی، ۲:۵۱۱، ۵۵۱۔۵۵۴، کشاف القناع، ۲:۹۷، ۹۸۔

۲۲۷۔ نیل الاوطار، ۴:۱۱۲ وبعد، اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو اس کی قبر سے نکلوایا، اپنا لعاب اس پر پھونکا اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔ بخاری۔

۲۲۸۔ مغیرہؓ کی حدیث ضعیف اور غریب ہے۔ ابو احمد حاکم شیخ ابوعبداللہ حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ المجموع، ۵:۲۶۶۔

۲۲۹۔ الدر المختار ورد المحتار، ۱: ۸۴۰، الشرح الصغیر، ۱: ۵۶۶، الشرح الکبیر، ۱: ۴۲۱، المجموع، ۵: ۲۷۰، مغنی المحتاج، ۱: ۲۶۶، کشاف القناع، ۲: ۹۷۔

۲۳۰۔ صحاح کی پانچوں کتب نے روایت کی۔ ترمذی نے اسے حضرت جابرؓ سے صحیح قرار دیا (نیل الاوطار، ۴: ۱۱۲)۔

۲۳۱۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۴، المغنی، ۲: ۵۰۴، الدر المختار، ۱: ۸۳۸، کشاف القناع، ۲: ۱۹۱۔

۲۳۲۔ امام شافعی نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۸۴)۔

۲۳۳۔ رد المحتار، ۱: ۸۴۶، مراقی الفلاح، ۱۰۳۔

۲۳۴۔ مراقی الفلاح، ۱۰۲، الشرح الصغیر، ۱: ۵۶۷، الشرح الکبیر، ۱: ۴۱۹، ۴۲۲، القوانین الفقھیہ، ۹۷، مغنی المحتاج، ۱: ۳۵۴، المغنی، ۲: ۵۶۲۔ ۵۶۳، المجموع، ۵: ۲۴۴ وبعد۔

۲۳۵۔ بخاری، نسائی (نیل الاوطار، ۴: ۱۱۲)۔

۲۳۶۔ اللباب، ۱: ۱۳۴، مراقی الفلاح، ۱۰۱، الدر المختار، ۱: ۸۳۶، ۸۳۸، الشرح الکبیر، ۱: ۴۲۲، القوانین الفقھیہ، ۹۶، الشرح الصغیر، ۱: ۵۵۹، المھذب، ۱: ۱۳۷، المغنی، ۲: ۴۹۶، ۴۹۹، ۵۰۱۔ ۵۰۵، المجموع، ۵: ۲۵۴۔ ۲۶۰، مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۳۔

۲۳۷۔ شافعی نے کتاب الام میں اور بیہقی نے صحیح سند سے روایت کی۔

۲۳۸۔ الاخلۃ، خلال کی جمع ہے جس سے کپڑے کو گانٹھ لگائی جائے۔

۲۳۹۔ مسلم، البتہ ''اس پر مٹی ڈال دو'' اس میں نہیں ہے۔

۲۴۰۔ اس کی علت یہ ہے کہ یہ فضول خرچ لوگوں کی عمارت ہے اور جسے آگ نے چھوا ہو اس سے یہ بری فال نکلتی ہے کہ یہ میت دوزخی ہے۔

۲۴۱۔ بیہقی نے عامر بن ربیعہ سے روایت کی، اس کی سند ضعیف ہے، البتہ ابن ماجہ میں مذکور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۴۲۔ ابو داؤد اور بیہقی سے عمدہ سند سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۸۹)۔

۲۴۳۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۲، کشاف القناع، ۲: ۱۶۷، المغنی، ۲: ۵۰۸۔

۲۴۴۔ المجموع، ۵: ۲۴۶۔

۲۴۵۔ المجموع، ۵: ۲۴۶، المغنی،۲: ۵۶۳۔

۲۴۶۔الدرالمختار وردالمحتار، ۱: ۸۳۶، الشرح الکبیر، ۱: ۴۲۹، الشرح الصغیر، ۵۷۹، القوانین الفقهیه، ۹۶ المجموع، ۵: ۲۴۷، المغنی،۲: ۵۰۰۔

۲۴۷۔الدرالمختار، ۱: ۴۸۷، المجموع، ۵: ۲۶۹، مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۳، المغنی،۲: ۵۵۵ وبعد۔

۲۴۸۔ دیکھیے: نیل الاوطار، ۴: ۸۸، امام بخاری نے حضرت ابوبکرؓ کے دفن کی حدیث کتاب الجنائز کے آخر میں پیر کے روز کی وفات کے باب میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ملا دی ہے۔

۲۴۹۔ بخاری اور ابن ماجہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔ بخاری نے کہا، حضرت ابوبکرؓ کو رات کو دفن کیا گیا ابو داؤد نے حضرت جابرؓ کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو رات کے وقت دفن کیا (نیل الاوطار، ۴: ۸۸)

۲۵۰۔ مراقی الفلاح، ۱۰۱، مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۲، المغنی،۲: ۵۰۰، الدرالمختار، ۱: ۸۳۷۔

۲۵۱۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔

۲۵۲۔مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۷، کشاف القناع،۲: ۱۵۷، المغنی،۲: ۵۰۶۔

۲۵۳۔طبرانی، الکبیر، الہیثمی نے (مجمع الزوائد، ۳: ۴۳) کہا ہے کہ اس کی سند میں ایسے لوگ جنہیں میں نہیں جانتا، حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر میں کہا ہے کہ اس کی سند درست ہے۔ ضیاء نے احکام میں اسے قوی قرار دیا ہے (نیل الاوطار، ۴: ۸۹ وبعد)۔

۲۵۴۔سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۸۹)۔

۲۵۵۔المغنی،۲: ۵۰۰، الشرح الصغیر، ۱: ۵۵۳، الدرالمختار، ۱: ۸۳۸۔

۲۵۶۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۲۔

۲۵۷۔الدرالمختار، ۱: ۸۳۶، الشرح الصغیر، ۱: ۵۶۰، مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۳، المهذب، ۱: ۱۳۷، المغنی،۲: ۵۰۳۔

۲۵۸۔کشاف القناع،۲: ۱۹۰ وبعد۔

۲۵۹۔ الدرالمختار وردالمحتار، ۱: ۸۴۳ وبعد، مراقی الفلاح، ۱۰۳، الشرح الکبیر، ۱: ۴۲۲، الشرح الصغیر، ۱: ۵۶۳، شرح الرسالة، ۱: ۲۸۸، مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۴۔۳۶۵،

المغنی،۲: ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۷۰، کشاف القناع،۲: ۱۶۴، ۱۷۳ و بعد۔

۲۶۰۔ مسلم نے ابو بریدہؓ سے اور ترمذی کے علاوہ اصحاب سنن نے صحیح اسانید سے روایت کی۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، آپؐ رو پڑے، آپؐ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی رو پڑے، پھر آپؐ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ میں ان کے لیے استغفار کروں تو مجھے اجازت نہیں دی گئی، پھر میں نے ان کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت مل گئی، قبروں پر جایا کرو، اس سے تمہیں موت یاد رہے گی۔

۲۶۱۔ البحرالرائق، زیلعی کی روایت میں ہے کہ "مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا" بظاہر یہ ضعیف ہے۔

۲۶۲۔احمد، ابو داؤد، ابن حبان اور حاکم نے معقل بن یسارؓ سے روایت کی۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۲۶۳۔ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، نسائی کے علاوہ پانچوں صحاح نے روایت کی۔

۲۶۴۔ان شاء اللہ، تبرک کے لیے ہے اور ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ۔ (الکہف ۱۸: ۲۳۔۲۴) کسی کام کے بارے میں نہ کہو کہ میں کل کروں گا ہاں اگر اللہ نے چاہا) کے حکم کی پابندی ہے۔ (المجموع، ۵: ۲۸۰)۔

۲۶۵۔ابو داؤد، اس کی اسناد عمدہ ہیں۔

۲۶۶۔الدر المختار ورد المحتار، ۱: ۸۴۱ وبعد، تبیین الحقائق، ۱: ۲۴۶، شرح الرسالۃ، ۱: ۲۸۳، الشرح الکبیر، ۱: ۴۱۹، الشرح الصغیر، ۱: ۵۶۰، المہذب، ۱: ۱۳۸ وبعد، کشاف القناع، ۲: ۱۸۵ وبعد، المغنی، ۲: ۵۴۳ وبعد، المجموع، ۵: ۲۷۳۔۲۷۶۔

۲۶۷۔بخاری و مسلم نے ام سلمہؓ اور ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ سے روایت کی۔(نیل الاوطار، ۶: ۲۹۲)

۲۶۸۔ترمذی، ابن ماجہ، ترمذی نے اسے غریب اور ابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے۔

۲۶۹۔ابن ماجہ۔

۲۷۰۔ الدر المختار، ۱: ۸۴۱، الشرح الصغیر، ۱: ۵۶۶، ۵۷۹، الشرح الکبیر، ۱: ۴۲۱، مغنی المحتاج، ۱: ۳۵۵ وبعد، المہذب، ۱: ۱۳۹، المغنی، ۲: ۵۴۵۔۵۴۷، کشاف القناع، ۲: ۱۸۸ وبعد، المجموع، ۵: ۲۷۶۔۲۸۰۔

۲۷۱۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، جابرؓ کے علاوہ ایک اس طرح کی حدیث شیخین

میں ہے۔

۲۷۲۔ پرانا مشکیزہ۔

۲۷۳۔بخاری و مسلم نے حضرت عمرؓ سے روایت کی۔ ابن عمرؓ کی روایت کو کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہؓ نے لاتـــزر وازرۃ وزر اخـــری سے رد کیا۔ (الانعام، ۶:۱۶۴)

۲۷۴۔اس سے مراد یہ ہے کہ مدد مانگنے کے لیے جیسے کسی کا نام لے کر پکارا جاتا ہے، اس طرح پکارا جائے تو جواب میں کہو کہ اپنے باپ کا عضو تناسل کاٹ کھاؤ اور صراحت سے کہو، کنایہ نہ کرو۔ احمد، نسائی اور ابن حبان نے ابی بن کعبؓ سے روایت کی (کشف الخفا، ۲:۳۳۲)۔

۲۷۵۔ترمذی نے اسے حسن قرار دیا، لھز سے مراد سینے پر مکا مار کر دھکا دینا۔ فعل لھز یلھز فتح یفتح کے وزن پر ہے۔

۲۷۶۔ مسلم، سربال: قمیص

۲۷۷۔احمد، ابو داؤد نے ابو سعیدؓ سے روایت کی، صحیح حدیث ہے۔

۲۷۸۔ الدر المختار، ۱:۸۴۱، الشرح الصغیر، ۱:۵۶۱، المجموع، ۵:۲۷۴، کشاف القناع، ۲:۱۸۷۔

۲۷۹۔ احمد، ابو داؤد۔ حزبہ الامر: کوئی سخت مشکل یا مصیبت پیش آ جاتی۔

۲۸۰۔ مسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، جو کوئی مصیبت پر انا للہ وانا الیہ راجعون، کہے اور دعا کرے یا اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس نقصان کا نعم البدل دے'' تو اللہ تعالیٰ اسے اجر بھی دیتا ہے اور نعم البدل بھی، جب ابو سلمہؓ فوت ہوئے تو میں نے یہی دعا کی، مجھے نعم البدل کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے۔

۲۸۱۔ مسلم نے ابو مالک حارث بن عاصم اشعری سے ان الفاظ میں روایت کی: پاکی نصف ایمان ہے۔

۲۸۲۔ ترمذی میں ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص کا بچہ فوت ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے، تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کرلی، وہ کہتے ہیں، ہاں، تم نے اس کے دل کا پھل نوچ لیا، وہ کہتے ہیں، ہاں، پھر میرے بندے نے کیا کہا؟ اس نے تیری تعریف کی اور انا للہ پڑھا، اللہ کہتا ہے: میرے بندے کے لیے جنت میں مکان

بناؤ اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھو۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۲۸۳۔فتح القدیر، ۱:۴۷۳، الدر المختار، ۱:۸۴۱، الشرح الصغیر، ۱:۵۶۱، المجموع، ۵:۲۸۵ وبعد، المهذب، ۱:۱۴۰، المغنی، ۲:۵۵۰، شرح الرساله، ۱:۲۸۹۔

۲۸۴۔ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی وغیرہ نے عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت کی ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث حسن ہے، احمد اور ابن ماجہ نے اسماء بنت عمیسؓ سے روایت کی۔ حضرت جعفرؓ جمادی ۸ھ میں غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔

۲۸۵۔الدر المختار ورد المحتار، ۱:۸۴۴ وبعد، فتح القدیر، ۱:۴۷۳، شرح الرساله، ۱:۲۸۹، الشرح الکبیر، ۱:۴۲۳، الشرح الصغیر، ۱:۵۶۸، ۵۸۰، مغنی المحتاج، ۳:۶۹۔۷۰، المغنی ۲:۵۶۶۔۵۷۰، کشاف القناع، ۲:۱۹۱، المهذب، ۱:۴۶۴۔

۲۸۶۔ ابو داؤد، سعد بن عبادہؓ سے بھی روایت کی گئی۔

۲۸۷۔احمد، نسائی نے عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴:۲۸۵ وبعد)

۲۸۸۔دونوں ضعیف ہیں، پہلی دوسری سے زیادہ ضعیف ہے، جیسا کہ سیوطی نے جامع میں اشارہ کیا۔

۲۸۹۔ مسلم، ترمذی وغیرہ (الترغیب والترہیب، ۲:۳۲۶ وبعد)

۲۹۰۔ بخاری، مسلم، ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی (ایضاً، ۲:۳۱۰ وبعد)

۲۹۱۔ بخاری، مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے (ایضاً)

۲۹۲۔ مسلم نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے (ایضاً)

۲۹۳۔الدر المختار، ۱:۸۴۸، اللباب، ۱:۱۳۵، مغنی المحتاج، ۱:۳۵۰۔

۲۹۴۔الدر المختار ورد المحتار، ۱:۸۴۸، مراقی الفلاح، ۱۰۳ وبعد، اللباب، ۱:۱۳۵۔۱۳۷۔

۲۹۵۔الشرح الکبیر، ۱:۴۲۵ وبعد، الشرح الصغیر، ۱:۵۷۵ وبعد، القوانین الفقهیه، ۹۴، بدایة المجتهد، ۱:۲۱۹۔۲۳۲۔

۲۹۶۔ مغنی المحتاج، ۱:۳۵۰، ۳۶۱، المهذب، ۱:۱۳۵۔

۲۹۷۔بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آدمی بہادری دکھانے کے لیے یا حمیت کے لیے یا ریا کاری کے لیے

لڑتا ہے، کون سی قسم فی سبیل اللہ ہے، آپؐ نے فرمایا: جو اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ (جامع الوصول، ۱۹۴:۳)

۲۹۸۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس باب میں یہی سب سے صحیح حدیث ہے اور اس میں بھی ارسال ہے۔ مرسل حدیث حجت ہے، بشرطیکہ اس کو کوئی تائید حاصل ہو، مثلاً اکثر اہل علم کی رائے وہی ہو اور یہاں یہ تائید موجود ہے۔

۲۹۹۔ المغنی، ۲: ۵۲۸۔ ۵۳۵، کشاف القناع، ۲: ۱۱۳-۱۱۵۔

۳۰۰۔ بخاری۔

۳۰۱۔ متفق علیہ، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔

۳۰۲۔ ابو داؤد، ترمذی نے سعید بن زیدؓ سے اسے صحیح قرار دیا۔

۳۰۳۔ ایضاً۔

۳۰۴۔ محمد بن اسحاق نے المغازی میں محمود بن لبید سے روایت کی۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۹)

۳۰۵۔ شافعی، احمد بیہقی، نسائی۔

۳۰۶۔ متفق علیہ۔

۳۰۷۔ ابو داؤد، ابن ماجہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کا اسلحہ اور پوستینیں اتروا کر انہیں ان کے خون آلود لباس میں دفن کروادیا۔

۳۰۸۔ ابن حبان، حاکم۔

۳۰۹۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں: ''جس نے عشق کیا، پاک دامن رہا، چھپائے رکھا اور مرگیا تو شہید ہے''۔ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے اور اس کی شرط پاک دامنی اور چھپائے رکھنا ہے۔

۳۱۰۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۵۰، الدرالمختار و ردالمحتار، ۱: ۸۵۲ وبعد۔

۳۱۱۔ کشاف القناع، ۲: ۱۱۵ وبعد، المغنی، ۲: ۵۳۶۔

۳۱۲۔ احمد، ترمذی نے کہا ہے کہ حسن صحیح ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ قتل کے علاوہ شہادت کی سات صورتیں ہیں اور مذکورہ بالا امور کے علاوہ جل کر مرجانا، ذات الجنب سے اور نفاس کی حالت میں عورت کا مرجانا اس میں شامل ہے۔

فقہ اسلامی: مسائل و دلائل

الفقه الإسلامي وأدلّته

جلد ۲

د فصلنا الآيات لقوم يعلمون

تالیف
وہبہ زحیلی

ترجمہ
محمد طفیل ہاشمی

ادارہ تحقیقات اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد